ہم سے عہد لیا گیا

یعنی

الدر المنضود

ترجمہ

البحر المورود فی المواثیق والعہود

تالیف:

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی (متوفی ۹۷۳ھ)

ترجمہ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۹۴ھ)

ادارہ اسلامیات کراچی۔ لاہور

ہم سے عہد لیا گیا

یعنی

الدر المنضود

ترجمہ

البحر المورود فی المواثیق والعہود

تالیف:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۳ھ)

ترجمہ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۹۴ھ)

ادارۂ اسلامیات کراچی، لاہور

پہلی بار : محرم الحرام ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء

اہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر : ادارہ اسلامیات کراچی۔لاہور

ملنے کے پتے

☆ ادارہ اسلامیات : موہن روڈ چوک اردو بازار کراچی نمبرا

☆ ادارہ اسلامیات : ۱۹۰۔انارکلی لاہور نمبر۲

☆ ادارہ اسلامیات : دینا ناتھ مینشن، شارع قائداعظم لاہور

☆ ادارۃ المعارف : ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

☆ مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی۔کراچی ۱۴

☆ دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ کراچی نمبرا

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی، ہارون آباد بہاولنگر

☆ بیت العلوم : ۲۶۔نابھ روڈ پرانی انارکلی لاہور

فہرست مضامین الدر المنضود

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ کو اللہ تعالیٰ نے قریبی زمانہ میں توفیق بخشی کہ انہوں نے علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ و تصوف اور دوسرے اسلامی علوم پر بیسیوں کتابیں اور مقالات تحریر فرمائے۔

اور ان کے اکثر مضامین و مقالات مختلف رسائل کی زینت بن کر مقبول عام وخاص ہوئے، لیکن "رسائل میں شامل ہونے والے مضامین اپنے وقت پر خواہ کتنے ہی مؤثر اور مقبول ثابت ہوں، کچھ عرصہ کے بعد ان رسالوں کی فائلوں میں دفن ہو کر متفرق شماروں میں منتشر ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں اور بعد میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہوتے" (صحبتے با اھل دل ص۵۶)۔

چنانچہ انہی کو لیجئے کہ ان کے تمام مضامین و مقالات آپ کو یکجا اب تک کسی جگہ دستیاب نہیں ملیں گے، مختلف رسائل میں منقسم ہیں، پھر مختلف ممالک میں صرف اسی کتاب "الدر المنضود" کی مثال لیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہے کہ اس کی پہلی جلد بہت پہلے چھپی تھی پھر نایاب ہو گئی اور دوسری جلد رسالہ "الامداد تھانہ بھون" میں چھپی جو پاکستان میں احقر کو کسی جگہ سے نہیں ملی، چنانچہ حضرت مولانا نجم الحسن صاحب مدظلہم ناظم خانقاہ تھانہ بھون کو خط لکھا تو انہوں نے وہاں سے ارسال فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عنایت فرمائیں۔ اور دوسری تیسری جلد رسالہ "النور" میں چھپی وہ رسائل اب اس حالت میں ہیں کہ ان سے استفادہ مشکل ہے اور چند سالوں

کے بعد ناممکن ہو جائیگا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں اکابر کی تحریرات کے بارے میں اجمالی علم بھی نہیں چہ جائیکہ ہم ان کا مطالعہ کرتے ورنہ دینی زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں ہمارے اکابر نے تصنیف و تالیف کی گراں قدر خدمات کے ذریعے ہماری راہ نمائی نہ فرمائی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مد ظلہم استاذ حدیث و مفتی جامعہ دار العلوم کراچی کے دل میں داعیہ پیدا فرمایا ہے اور ان کو اس ضرورت کا احساس ہے کہ اکابر کی تحریرات کی حفاظت کی جائے تاکہ اکابر کی یہ کاوشیں آئندہ نسلوں کیلئے محفوظ ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے حضرت والا کو کہ انہوں نے اکابر کی نایاب تالیفات اور مضامین کو تلاش کر کے ترقیم و ترتیب جدید اور جدید طریقۂ اشاعت کے ساتھ چھپوانے کی یہ ذمہ داری خیر و برکت کی دعا کے ساتھ بندہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی نایاب تالیفات و مضامین کو یکجا کر کے ترتیب جدید کے ساتھ چھپوانے کا کام کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ "براءت عثمان" اور "البنیان المشید" کے بعد آج یہ "الدر المنضود" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

الدر المنضود

اس کتاب کے مطالعہ سے انشاء اللہ آپ پر تصوف کی حقیقت واضح ہونے کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہو گی کہ تصوف صرف اوراد واشغال کی کثرت اور نوافل کی زیادتی اور جبہ چغہ کے استعمال کا نام نہیں، بلکہ یہاں حقوق اللہ کی سختی سے ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد کی کڑی نگرانی بھی ہوتی ہے۔

اور ان لوگوں کی غلطی بھی کھل جائے گی جو تصوف کو پڑھے اور سمجھے بغیر صوفیہ

پر بے جا اعتراضات کر کے اپنی آخرت خراب کرتے ہیں۔

اس کتاب کا مطالعہ ایسے لوگوں کیلئے باعث طمانینت ہوگی جن کے دلوں میں تصوف اور اہل تصوف کے بارے میں شکوک و شبہات رہتے ہیں بشرطیکہ صدق دل سے اسے پڑھیں۔

اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ صوفیہ دنیا سے بے رغبت تو ہوتے ہیں لیکن بے خبر نہیں ہوتے اور مشائخ صوفیہ اخروی خطرات سے بچانے کے علاوہ دنیاوی خطرات پر بھی متنبہ فرماتے رہتے ہیں۔

اس کتاب کے مترجم نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے خود فرمایا ہے:

"کیا کہوں؟ کیسے عجیب و غریب مضامین ہیں، ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اتباع سنت کس چیز کا نام ہے؟ تصوف کیا شے ہے؟ حقیقت کس کو کہتے ہیں؟ علماء و سالکین کا کیا طرز عمل ہونا چاہئے۔ مشائخ سلف کا طریقہ تربیت بھی واضح ہوتا ہے کہ کس قدر پاکیزہ ہے"۔

اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف مبتدی کو فائدہ دے گا، بلکہ منتہی اور مقتدی کو بھی نفع دیگا۔

اس کتاب کی افادیت کیلئے علامہ شعرانی کا نام گرامی ہی حجت ہے۔ پھر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے بین السطور و حواشی نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

احقر نے حصول سعادت کیلئے ذوق جدید کا لحاظ کرتے ہوئے اس کتاب میں جس قدر آیات و احادیث ہیں ان کا مختصر حوالہ درج کیا ہے۔ البتہ حضرت مولانا نجم الحسن صاحب مد ظلہم نے جہاں دوسری جلد کی فوٹو کاپی ارسال فرمائی وہاں پہلی جلد کا ایک ضمیمہ بھی ارسال فرمایا اس ضمیمہ میں تخریج احادیث کا کام ہوا تھا اور دوسری جلد جو

انہوں نے ارسال کی اس میں بھی اکثر احادیث کی تخریج کی گئی تھی اس سے الحمد للہ خوشی ہوئی کہ ایک خیال جو احقر کے دل میں آیا وہ حضرت مترجم رحمہ اللہ کی عین مرضی تھی۔

اس لئے پہلی اور دوسری جلد کی اکثر احادیث کی تخریج کی ضرورت نہیں رہی۔ جو بعض احادیث تخریج سے رہ گئی تھیں انکی مختصراً تخریج کی اور بعض وہ احادیث جن کی تخریج ضمیمہ ملنے سے پہلے ہو چکی تھی اور کمپوز بھی ہو گئی تھی، ان کو باقی رکھا گیا۔ البتہ تیسری اور چوتھی جلد کی تخریج کا کام احقر نے کیا ہے، ان میں بھی اختصار ملحوظ رکھا ہے۔

☆ جہاں جہاں فارسی اشعار ہیں ان کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

☆ پہلی جلد کے جو "عہود" ہیں ان کے عنوانات حضرت مترجم رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لگے ہوئے تھے بقیہ تین جلدوں کے عنوانات احقر نے لگا دیئے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ عنوانات کا انداز جلد اول ہی کی طرح ہو اور تمام عنوانات پر حضرت استاذی مد ظلہم کی نظر ثانی بھی ہو گئی۔ جہاں انہوں نے مناسب خیال فرمایا ترمیم بھی فرمائی۔

البتہ پہلی جلد کے جو عنوانات تھے وہ صرف کتاب کے شروع میں فہرست کے طور پر تھے، میں نے اس جلد میں بھی اور بقیہ تین جلدوں میں بھی یہ کام کیا ہے کہ ایک تو عنوانات شروع کتاب میں لگا دیئے اور پھر چاروں حصوں کے ایک ساتھ کر دیئے اور دوسرا کام یہ کیا ہے کہ اصل کتاب میں ہر "عہد" سے پہلے اس کا عنوان لکھ دیا ہے۔

☆ پوری کتاب میں حسب استطاعت ذوق جدید کے مطابق ترقیم کا کام بھی کیا ہے اور اصل مسودہ میں کسی ترمیم کے بغیر اسے جدید تہذیب وترتیب کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ کتاب کے شروع میں مؤلف و مترجم کے مختصر حالات بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ جل شانہ اس معمولی محنت کو شرف قبول بخشے اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور اس کتاب کو قبول فرما کر احقر کے استاذ محترم اور بندہ کے والدین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

شفیع اللہ عفا اللہ عنہ

جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ

سوانح مؤلف

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ

عبد الوهاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن ذوقا بن موسی بن احمد السلطان بمدینه تونس بن السلطان سعید بن السلطان قاشین بن السلطان عیسیٰ بن سلطان ذوقا.

ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند ارجمند محمد بن الحنفیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد کرام شمالی افریقہ میں تونس اور تلمان کے سلاطین تھے، شیخ ابومدین کے عہد میں (جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ولی تھے) سلطان احمد ان کے جد امجد تونس کے بادشاہ تھے، ان کے فرزند محترم ابو عمران موسیٰ شیخ ابو مدین کے بہت معتقد تھے اور شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ مذکور نے فرمایا: ''امارت اور درویشی یکجا نہیں ہو سکتیں'' اس پر شہزادہ ابو عمران موسیٰ نے فرمایا، میں بادشاہت چھوڑتا ہوں۔ اس وعدہ پر شیخ موصوف نے انہیں اپنی مخصوص روحانی تربیت میں لے لیا۔ اس وقت سے آپ کے خاندان نے بادشاہت کو چھوڑ کر فقیری اور درویشی کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھا۔

عبدالوھاب شعرانی اپنے نانا کے گھر میں بمقام فلقشندہ میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے چالیس دن کے بعد اپنے والد محترم کے قصبہ ''ساقیہ ابو شعرہ'' کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور وہیں نشوونما پائی۔

ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ ''ساقیہ ابوشعرہ'' (جو منوفیہ کے علاقہ میں آپ کے آباء واجداد کا مسکن ہے) میں حاصل کی۔

بچپن ہی میں والدین سے محروم ہو گئے۔

بارہ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے ''قاہرہ'' پہنچے۔

آپ نے قاہرہ میں مختلف علوم وفنون کی بنیادی کتابیں حفظ کر لی تھیں۔

آپ نے دو سو ۲۰۰ سے زائد علماء سے علم حاصل کیا۔ چند مشہور یہ ہیں۔

(۱) شیخ زین الدین محلی (۲) شیخ نور الدین الجارحی (۳) شیخ امین الدین (۴) شیخ الاسلام قاضی القضاۃ زکریا انصاری (۵) شیخ قسطلانی (۶) شیخ اشمونی وغیرھم، علم فقہ میں آپ شافعی مسلک کے حامی تھے، مگر کسی مسلک سے تعصب نہیں رکھتے تھے۔

مشائخ طریقت کی تعداد تقریباً سو ۱۰۰ تھی ان سب سے آپ مستفیض ہوئے تھے۔

ان میں سے بعض ایسے تھے جن کی خدمت میں آپ سالہا سال رہے چنانچہ نور الدین اشعرنی کی خدمت میں پینتیس سال رہے اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کی خدمت میں بیس سال رہے دیگر مخصوص مشائخ میں (۱) علی الخواص (۲) المرصفی (۳) محمد الشناوی (۴) محمد المغزی الشاذلی قابل ذکر ہیں، مگر سب سے زیادہ روحانی تعلق شیخ علی الخواص سے رہا۔

آپ کی وفات بمقام قاہرہ سنہ ۹۷۳ھ میں ہوئی اور اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ۳۰۸ تین سو آٹھ ہے، بعض نے تعداد اس سے کم بیان کی چند مشہور تصانیف کے نام درجہ ذیل ہیں۔

(۱) الدرالمنثورة فی بیان زبد العلوم المشهورة (۲) الیواقیت والجواهر فی بیان عقائد الاکابر (۳) المیزان الکبری الشعرانیه (٤) مشارق الانوار فی بیان العهود المحمدیه (٥) البحر المورود فی المواثیق والعهود (٦) مدار السالکین الی رسوم طریق العارفین (۷) الطبقات الکبری (۸) کشف الغمة عن جمیع الامة (۹) المنح السنیة (۱۰) الاجوبة المرضیة عن ائمة الفقهاء والصوفیة (۱۱) ارشاد الطالبین الی مراتب العلماء العالمین۔ (از طبقات الاولیاء ص ۱۵۱)۔

☆☆☆

سوانح مترجم رحمتہ اللہ علیہ

آہ : مولانا ظفر احمد وہ شیخ تھانوی　　عالم وفاضل فقیہ بے مثال و بے بدل
رہ گئی تھی ایک یہ عہد سلف کی یادگار　　چھین کر اس کو بھی ہم سے لے گئی آخر اجل

حضرت مولانا ظفر احمد احمد عثانی قدس سرہ صرف پاک وہند ہی کے لئے سرمایہ حیات نہ تھے، بلکہ وہ پورے عالم اسلام کے لئے چراغ ہدایت تھے، آپ ان عالمان دین قیم میں سے ایک تھے جن کے علم و عمل اور تقوی وطہارت سے اسلامی تاریخ کے اوراق روشن اور تابندہ ہیں اور جن کی حدیث وفقہ میں عظیم دینی خدمات کی بدولت ہزارہا علماء کرام نے نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ پوری دنیا میں آپ کے علوم سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

ذیل میں ان کے مختصر حالات "تذکرۃ الظفر" سے اخذ کر کے درج ہے تفصیل وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نام ونسب

حضرت مولانا کا اسم گرامی ددھیال کی طرف سے ظفر احمد رکھا گیا تھا اور یہی مشہور ہوا، اور ننہالی نام ظریف احمد رکھا گیا تھا۔ بعد میں تاریخی نام "مرغوب نبی" رکھا گیا جس کے مجموعہ حروف سے سن پیدائش ۱۳۱۰ھ نکلتا ہے۔

ولادت

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ھ کو ہند کے شہرہ آفاق قصبہ دیوبند میں اپنے آبائی مکان واقع

محلہ دیوان میں پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب بن لطیف احمد بن نہال احمد بن کرامت حسین بن نبی بخش بن حیات اللہ بن عنایت اللہ بن لقاء اللہ بن احسان اللہ بن نصیر اللہ بن دیوان لطف اللہ آگے جاکر آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، اس لئے آپ کا خاندان عثمانی کہلاتا ہے۔

تعلیم و تدریس

سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے لئے مکتب میں بٹھائے گئے اور نو سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور فارسی کی چند کتابیں پڑھیں، بارہ سال کی عمر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (جو ان کے ماموں تھے) کے پاس آئے اور مدرسہ امداد العلوم میں داخل ہو کر ابتدائی عربی کی کتابیں شروع کردیں۔

مولانا مرحوم نے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت قاری عبداللہ مکی سے بھی فن تجوید و قراءت کی مشق کی تھی جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ کے بھی استاذ قراءت تھے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی مصروفیت کی وجہ سے جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا، پھر دورہ حدیث کی تکمیل مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کے پاس کی، اس کے بعد تقریباً دو سال مظاہر علوم میں رہ کر تکمیل درسیات و سند فراغت حاصل کی۔

درسیات سے فارغ ہو کر درس تدریس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کی مشغولیتوں کے ساتھ صرف چھ مہینے کی مدت میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔

آپ کے چند اساتذہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب (۲) مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

(۳) مولانا عبداللہ گنگوہی صاحب (۴) مولانا سعید احمد صاحب

(۵) مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی (۶) مولانا حافظ عبداللطیف صاحب
(۷) حضرت قاری عبداللہ مکی صاحب رحمہم اللہ

انیس سال کی عمر میں مظاہر العلوم سہانپور میں مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا بطور مدرس تقرر ہو گیا تھا، یہاں آپ نے سات سال تک درس دینے کے بعد دوسرے مدارس و یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم دی، آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں۔

(۱) مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب (۲) مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری
(۳) مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی (۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
(۵) مولانا محمد اسعد اللہ صاحب

تصانیف

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور بہت بڑی بڑی مایہ ناز کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی نظیر آپ ہے، خاص طور پر ''اعلاء السنن'' مولانا کا سب سے بڑا علمی شاہکار اس صدی ہی کا نہیں، بلکہ شاید علم حدیث کا ایک خاص جہت سے بہت بڑا کارنامہ ہے، علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ اور تصوف نیز دوسرے اسلامی علوم پر بھی بیسیوں کتابیں یا مقالات تحریر فرمائے۔

چند تصانیف درج ذیل ہیں

(۱) تلخیص البیان (۲) اعلاء السنن (۳) امداد الاحکام
(۴) اسباب المحمودیہ (۵) البنیان المشید (۶) الدر المنضود
(۷) رحمتہ القدوس (۸) ولادت محمدیہ کا راز (۹) دعوت عامۃ
(۱۰) براءت عثمان (۱۱) مرام الخاص

بیعت وتربیت باطنی وخلافت

درسیات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قدس سرہ نے اپنی تربیت باطنی کے لئے

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کے مشورہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تائید سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے بیعت فرما کر ذکر و شغل اور ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات مختلفہ کی پابندی کا حکم فرمایا۔

حضرت سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ کو مولانا مرحوم کے حال پر بہت ہی توجہ تھی اور مولانا کو بھی حضرت شیخ کے ساتھ بڑا قلبی تعلق اور ربط کامل تھا اور محبت شیخ اور عقیدت مرشد میں فنا کے درجے میں پہنچے ہوئے تھے۔

حضرت سہارنپوری کے سفر حجاز کے زمانہ میں حضرت مولانا نے اپنی باطنی تربیت اور تکمیل سلوک کے لئے حضرت تھانوی کی طرف رجوع فرمایا، اس دوران حضرت تھانوی نے خلافت واجازت بیعت عنایت فرمائی مگر ایک خاص مصلحت کے تحت صرف سلسلہ چشتیہ میں اجازت مرحمت فرمائی بعد میں حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے بھی اجازت عطا فرمائی۔

اس طرح حضرت مولانا مرحوم کو بارگاہ اشرفی اور دربار خلیلی دونوں سے فیض روحانی حاصل ہو کر نسبت چشتیہ اور نقشبندیہ دونوں نسبتوں کی جامعیت کا شرف حاصل تھا اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا تمہارا شیخ تو میں بھی ہوں، میں تم کو اپنی طرف سے اجازت وخلافت دیتا ہوں، مولانا نے عرض کیا واقعی آپ بھی میرے شیخ ہیں، آپ کی طرف سے اجازت وخلافت بھی میرے لئے بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔
اس طرح تین مشائخ سے آپ کو خلافت ملی۔

سیاسی مسلک اور سیاسی خدمات

حضرت مولانا کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو حضرت مولانا حکیم الامت رحمہ اللہ کا تھا، اس لئے لوگوں کی طرف سے جوش انتقام میں بے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو پہنچائی گئیں ان میں مولانا مرحوم بھی برابر کے شریک رہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی اور آپ کی معیت میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے۔

حضرت قدس سرہ نے پاکستان بننے سے پہلے اور بننے کے بعد جس لگن اور شوق کے

ساتھ محنت کی اور کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کا اعتراف قائدین کو بھی تھا وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

پرچم کشائی

مولانا کی انہی ناقابل فراموش خدمات کا اثر تھا کہ جب پاکستان بنا اور اس سرزمین پر پہلی بار پاکستان کے قومی پرچم لہرانے کا وقت آیا تو مشرقی پاکستان میں پرچم لہرانے کے لئے قائد اعظم کی نگاہ انتخاب حضرت قدس سرہ پر پڑی۔

چنانچہ ۲۷ رمضان المبارک مطابق ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین صاحب نے آپ کو دعوت دی، آپ نے پاکستانی پرچم لہرایا اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ ہی نے حلف لیا۔

وفات

۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۳۹۴ھ ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء اتوار کی صبح شیخ الاسلام نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔

اور پاپوش نگر ناظم آباد کراچی کے قبرستان میں حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔

کتبہ
شفیع اللہ بن مولانا ابو سعید مرحوم
جامعہ دار العلوم کراچی
۲۳ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

تقریظ

عالی حضرت حکیم الامت جناب
مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

بعد الحمدو الصلوٰۃ احقر اشرف علی عرض کرتا ہے اس رسالہ الدر المنضود کو جو ترجمہ ہے ''البحر المورود'' کا میں نے جابجا سے متنا و حاشیۃً کہیں مع اصل کے کہیں صرف ترجمہ دیکھا' جو خوبیاں اصل کتاب میں (کہ وہی داعی ہیں اس ترجمہ کی طرف' جس کی تحریک میں میں بھی شریک ہوں' جس کی زیادہ غایت یہ دکھلانا ہے کہ حضرات سلف اہل طریق کی تربیت کا کیا طرز تھا' جو آج کل قلت علم و غلبۂ رسوم کے سبب مستنکر و مستغرب سمجھا جاتا ہے) وہ خوبیاں تو ترجمہ میں ہیں ہی (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایک کا دوسرے کے لئے مرادف ہونا لازم ہے) ان کے علاوہ خود ترجمہ کے محاسن مزید ہیں عبارت کا سلیس و مطلب خیز ہونا' جابجا توجیہ کے لئے عبارات کا اضافہ موقع بموقع حواشی سے توضیح۔ اللہ تعالیٰ مترجم کو ماتن کے ساتھ جزائے خیر میں ملحق فرمادے۔

میرے نزدیک اس رسالہ کا ہر صاحب طریق' خصوص اپنے سلسلہ والوں کے پاس رہنا اور وقتاً فوقتاً اس کا مطالعہ کرتے رہنا اور معاملات کے وقت اس کے مضامین کا مستحضر رکھنا ضروری اور نہایت ضروری ہے۔

والسلام

خانقاہ امدادیہ مقام تھانہ بھون

۲۶ ج ۱۳۸

دیباچہ مترجم

الدر المنضود (ترجمہ) البحر المورود

”الملقب بہ“ وصیت مشائخ

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدی وروحی سید الاولین والآخرین' نبینا وشفیعنا حبیب اللہ وعبدہ ورسولہ محمد ختم المرسلین' مراد العاشقین ومرام المشتاقین وقرۃ عیون المسلمین صلی اللہ تعالی وسلم علیہ وعلی آلہ وأصحابہ وعترتہ الطاھرین الطیبین صلوٰۃً وسلاما دائمین متلازمین الی یوم الدین کما یحب ویرضی ربنا آمین .أما بعد

یہ محتاج رحمت رب احد' احقر الوری 'بندہ ظفر احمد عرض کرتا ہے کہ ۱۳۲۸ھ میں جب یہ احقر حرمین الشریفین ”زادھما اللہ شرفاو کرامۃ“ کی زیارت سے مشرف ہوا' تو بعض اوقات خدمت بابرکت حضرت سیدی مولانا محب الدین(۱) صاحب مہاجر مکی دامت برکاتہم میں حاضری کا موقع ملتا تھا اور حضرت مولانا بھی احقر کے حال پر توجہ فرماتے تھے' ایک بار غایت شفقت سے فرمایا کہ تو نے علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”عہود محمدیہ“ کا بھی مطالعہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کوئی نہیں' نام

---

(۱)...... یہ بزرگ حضرت قطب العالم سیدی حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ ۱۲ مترجم۔

بھی آج ہی سن رہا ہوں' فرمایا کہ اس کا مطالعہ جماعت اہل دیوبند کے ہر فرد کو ضروری ہے جو اتباع سنت کے دلدادہ ہیں' چنانچہ احقر نے کتاب موصوف کو خرید کر مطالعہ کیا' واقعی اتباع سنت کی ترغیب جس عمدہ پیرایہ سے اس کتاب میں دی گئی ہے بہت کم کسی کتاب میں نظر سے گذری۔

علامہ نے اس کتاب میں حضور ﷺ کی تعلیم کو عہد و وصیت کے پیرایہ میں بیان کیا ہے' پھر اپنے مشائخ وائمہ طریق کے کلام سے اس کی شرح فرمائی ہے' جس سے تعلیم نبوی کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے اور ہر عہد کے اخیر میں بہت سی احادیث نقل فرمادی ہیں۔

عہود محمدیہ کے حاشیہ پر ایک دوسری کتاب ''البحر المورود'' چڑھی ہوئی ہے وہ بھی علامہ موصوف ہی کی تصنیف ہے' اس میں وہ وصیتیں (جو ان کے مشائخ نے ان کو فرمائی تھیں اور وہ عہد وپیمان جو ان سے لئے تھے جمع فرمادیئے ہیں) میں کیا کہوں کیسے عجیب وغریب مضامین ہیں' ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اتباع سنت کس چیز کا نام ہے؟ تصوف کیا شے ہے؟ حقیقت کس کو کہتے ہیں؟ علماء وسالکین کا کیا طرز عمل ہونا چاہئے' نیز مشائخ سلف کا طریقہ تربیت بھی واضح ہوتا ہے کہ کس قدر پاکیزہ ہے۔

ان لوگوں کی غلطی بھی کھل جاتی ہے جو شریعت وطریقت کو الگ الگ دو چیزیں سمجھتے ہیں' یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صوفیہ کرام کو تزکیہ اخلاق ودرستی معاملات ومعاشرات وپاس آداب وانتظام امور ومصالح عباد کا کس درجہ اہتمام تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات کیسے بیدار مغز ہوتے ہیں' نفس کے امراض اور شیطان کے فریبوں کو کس خوبی سے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں اور طالبان سلوک کی کس طرح عہد وپیمان لے کر اور وصیت ونصیحت فرما کر کامل اصلاح کرتے ہیں۔

''البحر المورود'' کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مشائخ صوفیہ نے طالبین سے کیسی ذرا ذرا سی باتوں کا عہد لیا ہے' مگر وہ حقیقت میں ذرا سی نہیں' ان کے نتائج بہت قیمتی ہیں اور کیسی خفیف خفیف باتوں پر مواخذہ فرمایا ہے' جو ظاہر میں ہلکی معلوم ہوتی ہیں لیکن

واقع میں بہت زہریلا مادہ ہے' ان باتوں کو دیکھ کر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ سچا اور مقبول سلف طریقہ تصوف وہی ہے جس کو آج خدا کی ایک برگزیدہ جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

اس زمانہ میں لوگوں نے تصوف صرف اسی کا نام سمجھ لیا ہے کہ اوراد و اشغال کی کثرت کر لی جائے' تسبیحیں اور نوافل زیادہ مقدار میں پڑھ لی جائیں' پاس انفاس وغیرہ کی مشق بڑھا لی جائے' انوار و انکشافات ہونے لگیں' دل جاری ہو جائے تو بس مدعائے تصوف حاصل ہو گیا' حالانکہ تصوف کے لئے ایسی بیداری کی بھی ضرورت ہے جس سے تمام معاملات و معاشرات میں ہر چیز کا پورا حق ادا ہو' ان آداب کی بھی ضرورت ہے جن کے بعد کسی کو زبان یا ہاتھ وغیرہ سے ایذاء نہ پہنچے' ہر کام کے ایسے انتظام کی ضرورت ہے جس سے دل کو تمام الجھنوں سے نجات ہو کر جمعیت و یکسوئی کے ساتھ مشاہد جمال حقیقی نصیب ہو' ان اخلاق کی بھی ضرورت ہے جن سے دربار الٰہی کی پاک جماعت اور منزہ مجلس میں شامل ہونے کی قابلیت پیدا ہو' کیونکہ مرتبہ احسان جس کو حصول نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے خاص صدیقین و اولیاء صالحین کا مقام ہے' اس مقام پر وہی شخص فائز ہو سکتا ہے جو تزکیہ اخلاق وغیرہ سے ان کی طرح پاک و صاف ہو چکا ہو' گندہ اور ناپسندیدہ اخلاق و اعمال کے ساتھ اس پاک و منزہ مجلس میں باریابی مشکل ہے۔

پھر جو شخص ایسے اعلیٰ و برتر مقصود کا جس کے سامنے سلطنت ہفت اقلیم بھی گرد ہے طالب ہو اور اس کے اقوال و احوال و اعمال پر گرفت اور روک ٹوک کی جائے وہ بھی اگر یوں کہنے لگے کہ شیخ بہت سخت گیری کرتے ہیں' ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ فرماتے ہیں' سخت حیرت و تعجب کا مقام ہے یا نہیں؟ ان صاحبوں کو شرمانا چاہئے کہ عاشقان مجازی ایک فانی صورت کی محبت میں کیسی کیسی سختیاں اور تکالیف عمر بھر جھیلتے ہیں' تو کیا جمال حقیقی کا طالب چند روز بھی شیخ کی سختی کو نہ برداشت کرے '' احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون'' (۱) کیا تم کو صرف اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیا

(۱)......العنکبوت ر ۲

جائے کہ ہم تو مسلمان ہیں اور تمہارا امتحان نہ کیا جائے۔ تو پھر ایسی انوکھے محبوب کے طالب ہی کیوں ہوتے ہو؟ اپنے گھر راحت و آرام سے بیٹھے ہوتے۔

ناز پروردہ تنعم نہ بردراہ بدوست ☆ عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد
دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ☆ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی(۱)

اگر اس راستہ میں قدم رکھنا ہے تو سب سے اول اپنے ارادہ واختیار وعزت وجاہ کو فنا کر دینا چاہئے اور اس بات کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے کہ اگر برسر راہ بھی جوتیاں ماری جائیں تو دل میں تغیر اور ابروؤں پر بل نہ پڑے' یاد رکھو! بسا اوقات نفس سمجھتا ہے اور دعوی کرتا ہے کہ اس میں کبر وعجب واخلاق رذیلہ نہیں رہے' مگر امتحان کے وقت اس کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ سب دعویٰ جھوٹے تھے' تو کیا شیخ اس کا امتحان بھی نہ کرے اور امتحان کے بعد اس کی اصلاح نہ کرے' اگر خدا کے طالب بن کر بھی یہی چاہتے ہو تو طلب کا کیوں نام لیا؟ کس نے تمہاری خوشامد کی؟ خوش خوش اپنے گھر رہو اور کسی شیخ کے پاس جانے کا نام نہ لو۔ یاد رکھو! کہ شیخ جو کچھ کرتا ہے تمہارے ہی بھلے کو' تمہارے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے' طالب خدا کو اس راہ میں قدم ڈالنے سے پہلے سرمد کی یہ رباعی پیش نظر کر لینا چاہئے۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد ☆ یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یاتن برضائے دوست می بایدداد ☆ یا قطع نظر زیار می باید کرد(۲)

میں نے چاہا تھا کہ اول عہود محمدیہ ﷺ کا ترجمہ احباب کے سامنے پیش کروں' مگر ایک بار حضرت حکیم الامت دام مجدہم کے سامنے جو یہ ارادہ عرض کیا' تو فرمایا کہ

(۱) ناز و نعمت کا پلا ہوا دوست تک راستہ نہیں پاتا' محبت کرنا مصیبت اٹھانے والے مست لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ لیلیٰ کے ٹھکانے کے راستہ میں جان کے لئے بہت خطرات ہیں۔ اس میں قدم رکھنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مجنون ہو جاؤ۔ مرتب

(۲) سرمد: گلہ شکوہ مختصر کرنا چاہئے' ان دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا چاہئے یا دوست کی رضا کی خاطر جان قربان کر دینی چاہئے' یا دوست سے صرف نظر کر لینا چاہئے۔ مرتب

عہود محمدیہ ﷺ بڑی کتاب ہے۔ اس کے ترجمہ میں بہت زمانہ صرف ہوگا۔ میری رائے میں پہلے ''البحر المورود'' کا ترجمہ کرنا چاہئے کہ وہ چھوٹی کتاب ہے اور مضامین بھی نئے ہیں، عام لوگوں کے لئے مفید بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے بنام خدا اول اسی کا ترجمہ شروع کیا۔ (۱)

میرا جی نہ چاہا کہ ان قیمتی اور انمول جواہر سے احباب کی ضیافت نہ کروں اسلئے اپنی وسعت کے موافق عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کر کے پیش کرتا ہوں۔ جہاں مجھ کو شبہ پیش آئے گا اپنے بزرگوں سے حل کر کے اس کو لکھوں گا، اس کے بعد بھی کوئی غلطی رہے تو ناظرین مطلع فرمادیں۔ بین القوسین کچھ عبارات توضیح مقصود کے لئے بڑھادی ہے، وہ مترجم کی طرف سے ہے، اگر کہیں اختصار یا خلاصہ کیا جائے گا حاشیہ میں اس کی اطلاع کردیجائیگی، سہولت کے لئے اس کے چند حصے کر دیئے گئے، اس وقت حصہ اول آپ کے سامنے ہے، باقی حصے بھی انشاءاللہ جلد مکمل ہو کر پیش ہوں گے۔

اس ترجمہ کا نام ''الدر المنضود ترجمۃ البحر المورود الملقب بہ وصیت مشائخ'' رکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اس سے منتفع فرمائیں، خدا کرے میں اپنی زندگی میں اپنے بھائیوں کو اس کی قدر کرتے ہوئے اور اس کے مضامین پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے دیکھ لوں۔ حق تعالیٰ اس کو میرے لئے ذریعہ نجات بنائیں اور اپنی ذات پاک کے لئے اس عمل کو خالص فرمالیں اور میرے اہل وعیال کو بھی اس پر کاربند ہونے کی کامل توفیق عطا فرمائیں اور مجھے غوائل نفس سے محفوظ رکھیں۔ آمین

میں اپنی اس ناچیز خدمت کو اعلیٰ حضرت سیدی، سندی، مولائی ومرشدی قطب

---

(۱) اسکے بعد انشاءاللہ عہود محمدیہ ﷺ کا ترجمہ بھی جلدی پیش کیا جائے گا، اس کا نام ''العقود السرمدیہ ترجمۃ العہود المحمدیہ الملقب بوصیت رسول اللہ ﷺ'' ہوگا حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری زندگی میں ان دونوں کتابوں کا ترجمہ پورا ہو جائے اور اپنے بھائیوں کو ان سے منتفع ہوتا ہوا دیکھ لوں۔ ۱۲ مترجم

العارفین ظل اللہ علی العالمین فقیہ الامت المحمدیہ وارث العلوم النبویہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب ''لازالت بحار الطافہ وافضالہ زاخرۃ وشابیب انوارہ وبرکاتہ علینا ماطرۃ'' کی بارگاہ عالی میں ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔[1]

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم
نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت وچہ معانیم[2]

والحمدللہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین.

(۱) بادشاہوں کے لئے کیا تعجب اگر وہ نوازدے فقیر کو۔ ۱۲ مرتب

(۲) نہ ظاہری نقش ونگار میں پھنس کر پریشان ہوں اور نہ ہی حروف بنا کر خوش ہوں، میں تو آپ کی یاد میں زندگی گذارتا ہوں کیا عبارت اور کیا مفہوم (دونوں برابر ہیں)۔ ۱۲ مرتب

دیباچہ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قال الشیخ العلامة القطب الربانی سیدی المولی عبد الوهاب الشعرانی رضی الله تعالیٰ عنه) احمد الله رب العلمین واصلی واسلم علی سیدنا محمد وعلی سائر الا نبیاء والمرسلین وعلی آلهم وصحبهم اجمعین واقول سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم.

بعد حمد وصلوٰۃ (معلوم ہو کہ) یہ ایک کتاب ہے جس میں میں نے ایک عمدہ مجموعہ ان عہدوں کا جمع کر دیا ہے جو مجھ سے میرے ان مشائخ کرام نے لئے تھے جن کو میں نے ۱۰۰۰ھ کے شروع میں پایا ہے' میں نے ان عہدوں کو بامید نفع برادران (دینی) کے ان چند اوراق میں لکھ دینا چاہا' بعد ازاں کہ اول ان کو کتاب و سنت کے مطابق سونے وجواہرات کے پانی سے اپنی طاقت کے موافق تحریر کر لیا تھا اور جب میں اس کتاب کو تالیف کر چکا' تو لوگوں نے اس کی نقل میں بہت جلدی کی' یہاں تک کہ تقریباً تیس نسخے مصر اور اس کے متعلق دیہات وغیرہ میں لکھ لئے گئے' جس سے میرے ایک ہم عصر کو حسد ہوا اور اس نے ایک نسخہ میرے ایک بھولے شاگرد سے عاریت لے لیا اور اس سے خود ایک دوسرا نسخہ نقل کیا جس میں بہت سی باتیں شریعت مطہرہ کے خلاف ملا دیں اور بہت سی حکایتیں مسخرے پن کی اس کتاب کے عہدوں میں اس طرح شامل کر دیں کہ (بظاہر دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ) گویا وہی میری تصنیف کردہ کتاب ہے' پھر اس نسخہ کو دور دراز کے واسطے سے ایک ایسے شخص کے پاس بھیجا جو اپنے کاموں میں بہت بے باک اور دلیر تھا' اس نے بدون مجھ سے ملے ہوئے (مجھے بدنام کرنا شروع کر دیا) اور اس نسخہ کو جامع ازہر وغیرہ میں لے کر گھومنا شروع کیا اور لوگوں سے کہا کہ ذرا اس

کتاب کو تو دیکھو جو فلاں شخص کی تصنیف ہے (اس میں خلاف شرع کس قدر باتیں ہیں)۔

پس اے عزیز! کچھ نہ پوچھو کہ اس کے بعد علماء اور عوام کس قدر میری آبرو کے پیچھے پڑے، جب مجھ کو یہ خبریں پہنچیں، تو میں نے ان کے پاس اصلی نسخہ جس پر علماء کی مہریں تھیں بھیجا اور اسکو انہوں نے بغور دیکھا، تو اس میں ان باتوں میں سے ایک بات بھی نہ پائی جو اس دشمن نے (خلاف شرع ملادی تھیں) اور اس واقعہ میں میرے اوپر سب سے زیادہ انکار برادر صالح شیخ حسین العبادی نے کیا، حق تعالیٰ شانہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں، کیونکہ انہوں نے مجھے بہت ثواب پہنچایا اور میرے اوپر ہمیشہ کے لئے آبرو کے بارے میں ہر قسم کی بات برداشت کرنے کا دروازہ کھول دیا، یہاں تک کہ میں اب ہر شخص سے جو کہ میری آبرو کے متعلق کچھ کلام کرے بطیب خاطر چشم پوشی کرنے اور ان کی بات کو اچھے معنی پر حمل کرنے لگا، اور اس واقعہ کے بعد سے میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی جس میں لوگوں کی اس قسم کی آمیزش کا تذکرہ کر کے اس سے اپنی برأت ظاہر نہ کی ہو، مبادا کہیں لوگ (دشمنوں کی) اشاعت کے موافق یہ گمان نہ پکالیں کہ اس میں کوئی بات خلاف شرع بھی ہے اور اس کے مواعظ ونصائح کے فوائد سے محروم رہیں، اسی وجہ سے دو سال کے بعد میں نے اس کتاب کا دیباچہ بدلا اور اس میں اس حاسد کی آمیزش کا تذکرہ کیا، (۱) حق تعالیٰ شانہ اس کی اس خطا کو معاف فرمائے اور جن لوگوں نے اس کی وجہ سے میری غیبت کی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ بخشے۔ آمین اللہم آمین۔

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ حاسدین نے صوفیہ کرام کی کتابوں میں غلط مضامین کی بہت آمیزش کردی ہے، جس سے ان پر کفر کے فتویٰ لگنے لگے، مگر ماشاءاللہ وہ ان خرافات سے پاک تھے، سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام میں حاسدین نے بہت کچھ گڑ بڑ کردی ہے، بہت جگہ غلط مضامین ملادیئے ہیں، بہت سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور یہ تو اب بھی ہوتا ہے کہ علماء اہل سنت کی کتابوں میں صحیح باتوں کا غلط مطلب بنا کر عوام پر ظاہر کیا جاتا ہے اور ان پر کفر کے فتویٰ لگائے جاتے ہیں، حالانکہ وہ اپنی عبارت کا صحیح مطلب بیان بھی کرتے ہیں۔ اس پر بھی افتراء سے باز نہیں آتے۔ ۱۲ مترجم

اور میں اپنی اس کتاب کے اور دوسری کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں سے اللہ کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان میں کچھ تحریف (یعنی تغیر معنی) یا تصحیف (یعنی تغیر لفظی) یا ایسی کوئی عبارت دیکھیں جس میں نظر غائر کرنے والے کو کوئی بات خلاف حق مفہوم ہو' اس کی اصلاح کر دیں اور اس کا ثواب ان کو حق تعالیٰ کے پاس ملے گا' اس لئے کہ انسان اپنی کتاب کے منقح و مہذب کرنے میں جس قدر بھی چاہے مبالغہ کرے پھر بھی غلطی اور تحریف سے بہت کم کوئی بچتا ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو متاخرین متقدمین پر استدراک نہ کر سکتے اور کتابوں کی شروح نہ کی جاتی اور مشروح پر حواشی نہ لکھے جاتے' یہ سب کچھ اسی لئے کیا جاتا ہے کہ مصنف ہر مسئلہ کو مع اس کے تمام لوازم اور تمام ان اشکالات کے جو اس کے منطوق و مفہوم پر وارد ہو سکتے ہیں' ذہن میں حاضر کرنے سے عاجز ہے۔

لیکن کسی کو یہ نہ چاہئے کہ جب تک میں بقید حیات ہوں' بدون مجھ سے مراجعت (و مشورہ) کئے میری کتاب میں کوئی اصلاح کر دے' بلکہ اس کو اول مجھ سے مراجعت کرنا چاہئے) تاکہ میں اس عبارت کی مراد کو اول خود واضح کر دوں' کیونکہ صاحب کلام اپنی مراد کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے' علاوہ بریں یہ کہ میری اکثر تالیفات' جو حدیث کے سوا کسی اور فن میں ہیں وہ کتابوں سے جمع کی ہوئی نہیں ہیں' بلکہ ان میں اکثر حصہ آفتاب شریعت مطہرہ کی شعاعوں سے اقتباس کیا گیا ہے یا اہل طریق کے کلام سے استنباط کیا گیا ہے' اور جہاں کہیں میں نے کسی کا کلام نقل بھی کیا ہے تو وہ اپنے استنباط اور فہم کی تائید و تقویت کے لئے ذکر کیا ہے اور جو مصنف نور شریعت کی شعاعوں سے اولاً اقتباس و استنباط کرتا ہے اس کا کلام مجتہدین کے کلام کے مشابہ ہو گا' اگرچہ مرتبہ میں تفاوت ضرور ہو گا' ایسے شخص کے کلام کو اس کی یقیناً ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی اس پر گرفت کرے یعنی کہیں اس میں کوئی قید یا شرط زیادہ کر دے' کہیں مراد کو واضح کر دے بخلاف ان مصنفین کے کہ جن کی تصنیفات علمائے سلف کے کلام کا مجموعہ ہوتی ہیں کہ ان کو کسی گرفت کرنے والے کی ضرورت نہیں ہوتی' کیونکہ علماء کے منقول کلام کو

متاخرین متقدمین سے دست بدست لیتے چلے آئے ہیں اور اس کو صاف وشستہ کر چکے' اس پر زیادتی بھی ہو چکی' پس اب جو بعد میں کوئی آتا ہے وہ منقح اور مہذب عبارتیں پاتا ہے (جن میں گرفت کی ضرورت باقی نہیں رہی) پس ان کو اسی طرح اپنی کتاب میں لکھ دیتا ہے۔

اور فقہاء و مستنبطین کا یہ حال تھا کہ) حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو کسی مسئلہ میں فتویٰ دیتے تو ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کرتے کہ یہ وہ بات ہے جو عمر کی سمجھ میں آئی' اگر ٹھیک ہو تو اللہ ورسول کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہو تو عمر کی طرف سے ہے' ایسے ہی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ماسوا علماء سلف فرمایا کرتے تھے اور میں بھی اس وقت ایسے ہی کہتا ہوں۔

اے عزیز! اسکے بعد تم پر یہ بات مخفی نہ رہنی چاہئے کہ صوفیہ کرام کا قاعدہ ہے کہ وہ مرید سے عزائم[1] (کے اختیار کرنے) پر اور رخصتوں کے چھوڑنے پر بغرض ترقی مرید عہد لیا کرتے ہیں' کیونکہ اکثر رخصتوں میں ترقی نہیں ہوتی' البتہ اچھی نیت سے اگر ان کو کیا جائے (تو ان میں بھی ثواب ہوتا ہے) پس اگر کوئی شخص اہل طریق میں سے کسی مرید سے یہ عہد لے کہ فلاں کام (جو فی نفسہ) مباح (ہے) مت کرنا' اس پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہئے اور یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ شخص ایسے کام سے کیوں منع کر رہا ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے جائز کیا ہے' (بات یہ ہے) کہ تم اور میدان میں ہو اور یہ قوم دوسرے میدان میں ہے' اہل طریق کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص رخصتوں ہی کا عادی ہو وہ ان کے طریق میں کامیاب نہیں ہو سکتا' کیونکہ یہ راستہ مشقت

(۱) احکام شرع دو قسم پر ہیں عزیمت ورخصت' عزیمت اصلی حکم کو کہتے ہیں جو افضل ہوتا ہے اور رخصت وہ آسان حکم ہے' جس کو شارع نے بلحاظ عذر کے جائز رکھا ہے' مثلاً عزیمت سفر میں جبکہ بامشقت نہ ہو روزہ رکھنا ہے اور افطار بھی جائز ہے' یہ رخصت ہے اور مثلاً عزیمت یہ ہے کہ انسان اکثر اوقات ذکر اللہ میں رہے اور آرام کرنا بھی وقت فرائض کے علاوہ جائز ہے یہ رخصت ہے۔ ۱۲ مترجم

اور محنت اور عزائم کے اختیار کرنے کا ہے اور مباح کو تو حق تعالیٰ شانہ نے صرف اس لئے مشروع فرمایا ہے تاکہ ضعفاء تکالیف کی مشقت سے آرام حاصل کرلیں، پس جس شخص کو کسی قسم کی مشقت نہ ہو، اس کو چاہئے کہ مباح کی جگہ کوئی واجب یا مستحب کام اپنے ذمے مقرر کرلے۔

علیٰ ہذا اہل طریق کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ مرید کو بھول چوک کا وطیرہ اختیار کرنے پر سزا دیتے ہیں اگرچہ نسیان و خطا کا گناہ اس امت سے اٹھا دیا گیا ہے، (مگر اہل طریق) کہتے ہیں کہ ہمارے طریق میں نسیان و خطا نادر چیز ہے، اس راستہ میں چلنے والے کو نسیان نہ ہونا چاہئے، کیونکہ وہ راستہ بیداری اور حضور قلب اور درگاہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف (اچھی طرح) متوجہ ہونے کا ہے اور بھول چوک مرید سے اکثر اسی وقت صادر ہوتی ہے جبکہ وہ پہلے احکام خداوندی کے ساتھ کچھ سستی برتے۔

جیسا کہ ہم نے ''عہود محمدیہ'' کے (دیباچہ) میں بھی اس کو ذکر کیا ہے کہ جب بعض حاسدین نے ان عہود میں (خرافات کی) آمیزش کردی تو میں نے ایک کتاب عہود کی احادیث نبویہ سے مضبوط کرکے تالیف کی تاکہ حاسدین اس میں آمیزش کرنے سے باز رہیں (اسی کتاب کا نام ''عہود محمدیہ'' ہے) کیونکہ میں جانتا ہوں کہ حاسد میری طرف سے غافل نہ رہے گا، لیکن جب وہ میرے اکثر کلام کو حدیث نبوی کے ساتھ مضبوط و مستحکم دیکھے گا، تو اس کا حیلہ کمزور ہوجائے گا، کیونکہ اس کے بعد بھی اگر اس نے خلاف شرع کوئی آمیزش کی تو لوگ خود سمجھ لیں گے کہ مولف ایسی باتیں کیونکر بیان کرسکتا ہے کہ اس کے بنائے ہوئے کلام کی تردید اسی کی بیان کردہ احادیث کررہی ہیں، کیونکہ مولف تو اسی واسطے حدیثیں بیان کیا کرتا ہے تاکہ اس کے کلام کی تائید کریں، ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور میں نے اس کتاب کا نام ''البحر المورود فی المواثیق والعہود'' رکھا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اس کو اپنی ذات پاک کے لئے خالص فرمالیں اور اس کے مولف اور کاتب (ومترجم) اور دیکھنے والے کو اس سے منتفع فرمائیں، بے شک وہی دعا کے سننے والے، قبول فرمانے والے ہیں، اب ہمیں مقصود کتاب کو شروع کرنا چاہئے، پس اللہ کی

توفیق کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ۔

(۱) اپنے آپ کو ہر مسلمان سے کم سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) اور ہم فضل خداوندی سے اس کے پورا ہونے کی امید کرتے ہیں کہ ہم اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے آپ کو کم سمجھیں' اگرچہ وہ مسلمان بدحالی میں کیسا ہی انتہا کو پہنچ گیا ہو' مگر ہم اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں' تمام سلف صالحین کا یہی مذاق تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے وہب بن منبہ اور (خلیفہ راشد) عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری اور سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض و عمرو بن بجید رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

وہب بن منبہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہما تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اس وقت تک متواضع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر لوٹنے تک کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اور عمرو بن بجید رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کی طرف عبدیت کا کوئی درجہ اس وقت تک منسوب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے تمام طاعات کو ریا اور تمام حالات و کیفیات کو جھوٹے دعوے نہ سمجھے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمتہ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تکبر و رعونت والوں میں سے جو کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا نفس اس کے پاس بیٹھنے والے سے کمتر ہے اس کو چاہئے کہ اپنی ان تمام لغزشوں اور گناہوں کو جو اتنی عمر میں اس سے سرزد ہوئی ہیں' اپنے نفس کے سامنے پیش کرے' پھر ان کا ان نقائص سے مقابلہ کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والے کے اندر اس کے علم میں ہیں' تو غالب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائص معلومہ سے یقیناً زیادہ پائے گا' کیونکہ اکثر یہی قاعدہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے نقائص کو دوسرے کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے اور جو شخص گناہوں میں اپنے ہم نشین سے بڑھا ہوا ہو وہ مرتبہ میں بھی اس سے (یقیناً) کمتر ہو گا (پس اب کیا حق ہے کہ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھے اور بعض لوگوں کو جب دوسروں کے

گناہوں کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو یہ خیال کر لیا کرتے ہیں کہ اس کے بھی گناہ بہت ہوں گے' اگرچہ میں نہیں جانتا۔

اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ صرف گمان اور تخمین سے اپنے پاس بیٹھنے والے کو کثرت معاصی میں اپنے نفس پر قیاس کرے اور دل دل میں یوں کہے کہ ایسے شخص سے یہ بات بعید ہے کہ خدا نے اس کو ان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھا ہوگا جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں' اس لئے کہ یہ بدگمانی ہے (اور بدگمانی جائز نہیں) اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرے کے عیوب اپنے عیوب سے زیادہ معلوم ہیں' تب بھی اس کو لائق یہی ہے کہ دوسرے کے عیبوں میں نظر کرنا چھوڑ دے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف خدا میں مشغول ہو' اگرچہ وہ دوسروں کے گناہوں سے شمار میں کم ہی ہوں' کیونکہ ہر مکلّف کے لئے اپنے گناہوں کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ خوف خدا کو دل میں جگہ دینا، دوسروں کے گناہوں کی شمار کرنے کی فکر میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے' خصوصاً جبکہ یہ بھی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کس بات پر مواخذہ کریں گے اور کس گناہ سے چشم پوشی فرمائیں گے، ممکن ہے کہ خدا اس کو معاف کر دے اور تم سے مواخذہ کرے۔

اور اس سے بھی ترقی کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فرض کر لو کہ تمہارے اندر بہت سی خوبیاں ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں اور دوسرے شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں اور تمام عیوب موجود ہیں' جب بھی تم اپنے کو اس سے افضل نہیں سمجھ سکتے' کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے۔ "الاعمال بالخواتیم" (۱) اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہوتا ہے' تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ انہیں اعمال پر ہوگا یا تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوا ہے' اور کیا عجب ہے کہ جس شخص میں اس وقت سر تا پا گناہ ہی گناہ ہیں' اس کا خاتمہ اچھا ہو جائے اور وہ تم سے مرتبہ میں اللہ کے نزدیک اعلیٰ ہو جائے۔

پس کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ نہ سمجھنا چاہئے اور یہ خیال کر لینا چاہئے کہ جس خدا نے دوسرے شخص کو نیک اعمال کی توفیق نہیں دی وہ اس پر بھی قادر

(۱) انما الاعمال بالخواتیم۔ بخاری باب العمل بالخواتیم (ص ۹۶۱ ج ۲) میں موجود ہے۔ مرتب

ہے کہ تم سے نیک اعمال کی توفیق سلب کر کے اس کو دیدے' بڑائی اور عظمت حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک کے لئے زیبا ہے' بندہ کو عاجزی اور خاکساری ہی میں نجات ہے' تواضع اصل عبادت ہے' کیونکہ عبادت غایت ذلت کو کہتے ہیں) اس کو خوب جان لو۔

پھر اے عزیز! تم پر یہ بات چھپی نہ رہنی چاہئے کہ یہ عہد اس کتاب کے تمام عہود پر عمل کرنے کے لئے دہلیز ہے' پس جو کوئی اس دہلیز سے داخل نہ ہوگا وہ اس کتاب کے عہود کے ساتھ خوگر ہونے کی بو بھی نہ سونگھ سکے گا' اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس کو لوگوں سے زیادہ یا ان کے برابر سمجھے گا وہ ان کی مدد (اور فیض باطنی) سے محروم رہے گا' اس لئے کہ فیضان باطنی پانی کے مانند ہے اور پانی نیچے کی جانب پست مقامات ہی میں چلا کرتا ہے' بلند مقامات کی طرف نہیں چڑھا کرتا اور برابر جگہ میں پانی ٹھہرا رہا کرتا ہے' پس اگر اپنے آپ کو کسی کے برابر بھی سمجھو گے تو اس کا فیض ٹھہرا رہے گا تم تک نہ پہنچ سکے گا' اس لئے متکبر کو کسی سے بھی فیض نہیں پہنچ سکتا اور اس مرتبہ والا یعنی صاحب تواضع ہر پاس بیٹھنے والے سے فیض لے لیتا ہے' اس کی طرف فیض خود بخود بہہ کر چلا آتا ہے دوسرا چاہے یا نہ چاہے' پس اس کے مشائخ کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سیدی شیخ عبدالعزیز الدیرینی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے ان کے مشائخ طریق کی بابت سوال کیا کہ کس قدر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے مشائخ کی شمار نہیں کر سکتا' کیونکہ میں ہر شخص سے جس کے بھی پاس بیٹھ جاؤں فائدہ حاصل کر لیتا ہوں' پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

و كل شيخ نلت منه علما ☆ او ادباً فهو امامي حتما

جس کسی سے بھی مجھے علم و ادب ہو حاصل ☆ ہے وہی شیخ مرا اور امام کامل

پس اے عزیز! اپنے نفس کو ہر پاس بیٹھنے والے مسلمان سے کمتر مشاہدہ کر تاکہ تو اہل تواضع میں سے ہو جائے' اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ تجھ کو تیرے ہم سروں پر بلندی عطا فرمادیں گے' کیونکہ حدیث صحیح میں ہے "من تواضع لله رفعه الله" (۱) کہ جو کوئی (خالصتاً) للہ تواضع کرے خدا تعالیٰ اس کو بلند فرمادیں گے۔

---

(۱) کنز العمال ج ۳، ۵۷۳۰، ۵۷۳۵، ۵۷۳۶، ۵۷۳۷، ۵۷۳۸ و شعب الایمان ۸۱۴۰۔ مرتب

پس اگر تو اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا سمجھے گا' ان کا ماتحت ہو جائے گا اور اگر دل سے تو ان کو اپنے سے بڑا سمجھے گا تو ان سے بلند ہو جائے گا' مگر اس نیت سے تواضع اختیار کرنا کہ میں تواضع کے بعد دوسروں سے بلند ہو جاؤں گا تکبر ہی میں داخل ہے۔ بلندی تواضع سے اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو بلندی سے بھاگتا ہو اور دل سے اپنے آپ کو کسی قابل نہ سمجھتا ہو' تواضع خدا کے لئے خالص اسی طرح ہو سکتی ہے' ورنہ بہ نیت رفعت تواضع کرنا تو حظ نفس کے لئے ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے ہم کو اس واسطے اپنا بندہ نہیں بنایا کہ ہم اپنے آپ کو کسی مخلوق سے افضل سمجھا کریں' البتہ بجہت شکر (اگر اپنا کوئی مرتبہ یا مقام جو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے' ظاہر کر دیا جائے تو اس کا مضائقہ نہیں' چنانچہ بعض عارفین سے جو بعض شطحیات و دعاوی منقول ہیں' وہ یا تو کسی خاص حالت میں ان سے صادر ہوئی ہیں یا کبھی نعمت الٰہی کے اظہار کے لئے انہوں نے ایسا کیا ہے' جس کا امر آیت "واما بنعمة ربك فحدث"[1] میں آیا ہے۔ اترانے اور عجب کرنے کے طور پر اپنے کو کچھ سمجھنا کبھی جائز نہیں' بلکہ حق تعالیٰ شانہ نے اس سے ہم کو بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی ارشاد فرمادیا ہے کہ "لایدخل الجنة من فی قلبه مثقال ذرة من کبر یعنی علی اخیه المسلم"[2] جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا (یعنی مسلمان بھائی کے مقابلہ میں) وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

اور ابو بکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول تھا کہ "ذلی عطل ذل الیهود" میری ذلت نے تو یہود کی ذلت کو بھی بیکار کر دیا' مطلب یہ کہ میری ذلت کے سامنے یہود کی ذلت کی بھی کچھ حقیقت نہیں' میں ان سے بھی زیادہ ذلیل ہوں) اس لئے کہ ہر ذلیل کی ذلت موافق اس کی معرفت کے ہوتی ہے یعنی جس قدر اس کو دوسرے کی عظمت و جلال کی معرفت ہو گی اسی قدر وہ اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل سمجھے گا اور اس میں کچھ شک

(۱) اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔ (الضحیٰ ر۱۱) م

(۲) الاذکار للنووی (ص ۳۱۲) مرتب

نہیں کہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو عظمت و جلال خداوندی کی معرفت اس قدر تھی کہ یہود کو ہرگز نہ تھی۔ (پس حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے آپ کو عظمت و جلال خداوندی کی مشاہدہ کے بعد بالکل ہیچ اور نیست و نابود سمجھتے تھے اور یہود باوجود مخلوق کی آنکھوں میں ذلیل ہونے کے اپنے دل میں اپنے آپ کو اب بھی بہت کچھ سمجھتے ہیں' سو واقعی) حق تعالیٰ شانہ کے سامنے شبلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے آپ کو اس قدر ذلیل سمجھتے تھے کہ یہود اس قدر نہ سمجھتے تھے' تو ان کی ذلت یہود کی ذلت سے بہت ہی بڑی ہوئی (کیونکہ یہود کو صرف دوسرے لوگ ذلیل سمجھتے ہیں اور وہ خود اپنے کو ذلیل نہیں مانتے اور حضرت شیخ خود اپنی نگاہ میں بہت ذلیل تھے اگرچہ مخلوق انکی عظمت کرتی تھی) خوب سمجھ جاؤ۔

اور جو شخص مقام تواضع میں ہوتا ہے وہ ہر مسلمان کے لئے جو اس کے پاس آتا ہے (تعظیما) کھڑا ہو جاتا ہے' کیونکہ وہ اس کو اپنے سے افضل جانتا ہے اور اس کے سوا اس کے وجدان میں کچھ نہیں آتا' پھر جب حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و احسان سے اس کو (مقام تواضع میں) کمال (اور رسوخ) عطا فرما دیتے ہیں تو پھر وہ حسب قاعدہ شریعت فاسق کے لئے کھڑا ہونا چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کو زجر (وتنبیہ) ہو جائے اور شریعت مطہرہ کا ادب بھی قائم رہے' کیونکہ قیام صرف علماء و صالحین کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے اور جو شخص علانیہ فسق کرتا ہے وہ اس سے خارج ہے اور حق تعالیٰ نے ہمیں اس شخص کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جس کے لئے کوئی بھی فضیلت ظاہر نہیں ہوئی (یعنی ایسے شخص کے لئے بہ نیت تعظیم کھڑا ہونا جائز نہیں' اگر کسی مصلحت سے مثلاً تالیف قلب بامید اصلاح یا دفع مضرت کے لئے کھڑا ہو جائے' تو وہ جائز ہو گا۔

اور کامل کا نام (اصطلاح اہل طریق میں) عدل ہوتا ہے (کیونکہ وہ اعتدال کی پوری رعایت کرتا ہے اور کنیت ابو العیون ہوتی ہے (جس کے معنے ہیں بہت سی آنکھوں والا) کیونکہ ہر چیز کے لئے اس میں ایک خاص آنکھ ہوتی ہے کہ اس کو اسی سے دیکھتا ہے

مثلاً تواضع خالصاًللہ کی وجہ سے تو وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہر ہم نشین کے مقابلہ میں بنظر حقارت دیکھتا ہے اور ان انعامات وافضال خداوندی پر نظر کر کے جو اس پر فائض ہیں حد شرعی میں رہ کر وہ کبھی اپنے آپ کو ہر پاس بیٹھنے والے سے بڑھ کر دیکھتا ہے۔ (۱)

سیدی ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مقام شکر میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بادشاہوں کی نعمت و دولت کو اپنی نعمت سے کمتر نہ سمجھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ یہ خیال کیونکر (صحیح) ہو سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خود بادشاہ بھی تو منجملہ ان نعمتوں کے ہیں جو اس کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے حق تعالیٰ اسکے دین اور آبرو اور مال کی حفاظت فرماتے ہیں اور ان سے شعائر اسلام قائم رہتے ہیں، اور اگر بادشاہ نہ ہوتے تو دین کا کام سست ہو جاتا (جب بادشاہوں کا تمام ساز و سامان بھی تمہارے ہی واسطے ہے، تو پھر کس لئے ان کی دولت

(۱) حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ کامل کی تواضع کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی چمار کو ایک بڑا قیمتی یاقوت عطا کر دے، تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے کو تو چمار ہی سمجھے گا، مگر یاقوت کو قیمتی جانے گا نہ اپنے چمار ہونے سے یاقوت کو کم قیمت خیال کر سکتا ہے، نہ اپنے پاس یاقوت آ جانے سے اپنی حیثیت کو بھول سکتا ہے، اسی طرح کاملین اپنے آپ کو تمام مخلوق سے بدتر سمجھتے ہیں، مگر جو انعامات الٰہی ان کے اوپر ہوتے ہیں ان کی پوری قدر کرتے ہیں، نہ اپنی ذات کی وجہ سے ان انعامات کو حقیر سمجھتے ہیں، نہ انعامات الٰہی کی وجہ سے اپنی وقعت کچھ زیادہ سمجھتے ہیں، بس یہی خیال کرتے ہیں کہ ہم تو چمار ہی تھے، بلکہ اس سے بھی بدتر، مگر خدا کا احسان و فضل ہے کہ اس نے ہم جیسے نالائقوں کو یہ بیش بہا یاقوت عطا فرمادیا، پس اس طرح سے تواضع اور شکر دونوں کا حق ادا ہو جاتا ہے، اسی لئے کامل جامع اضداد ہوتا ہے کہ جو باتیں آپس میں جمع نہ ہو سکیں ان کو بھی پوری طرح جمع کر دیتا ہے، چنانچہ تواضع اور شکر دونوں کا جمع ہونا بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے، مگر اس مثال سے واضح ہو گیا کہ وہ دونوں کا حق ادا کرتے ہیں تو جس وقت کامل کی زبان سے اپنی نسبت کوئی تعریف کا کلمہ نکلتا ہے وہ تعریف اپنی ذات کی نہیں ہوتی، بلکہ اس نعمت کی تعریف ہوتی ہے جو اس کو عطا ہوئی ہے، اپنے کو تو وہ چمار سے بھی بدتر جانتا ہے۔ (الفاظ مترجم کے ہیں مضمون مولانا سے سنا ہوا ہے۔)

وحشمت کو اپنی نعمتوں سے زیادہ سمجھتے ہو' وہ بھی تو تمہارے ہی اوپر انعام ہے۔

اور ابوالقاسم جنید رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ مقام تواضع اور شکر خداوندی میں اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ رحمت الٰہی کا بالکل اہل نہیں' بلکہ حق تعالیٰ اگر رحم فرمائیں تو یہ محض احسان و فضل ہے' اور غالباً حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہل نہ سمجھنے سے مقصود مستحق نہ جاننا ہے' کیونکہ کوئی مخلوق حق تعالیٰ پر کسی بات کا استحقاق نہیں رکھتی' خوب سمجھ لو' (کیونکہ اہل نہ سمجھنے کے اگر یہ معنی لئے جاویں کہ اپنے کو رحمت الٰہی کا بالکل قابل نہ سمجھے تو اس سے یاس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور رحمت خداوندی سے ناامیدی کافر کو ہوتی ہے' مسلمان ہر حالت میں رحمت خداوندی کا امیدوار اور اس کے قابل ہوتا ہے)۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمتہ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بندہ مقام تواضع کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس میں یہ بات نہ ہو کہ تمام موجودات میں کسی چیز سے اپنا مرتبہ عنداللہ زیادہ نہ سمجھے (یعنی علی التعین کسی سے اپنا مرتبہ خدا کے نزدیک زیادہ نہ سمجھے) البتہ جہاں شارع علیہ السلام کی طرف سے نص صریح وارد ہو (مثلاً جن لوگوں کا جہنمی اور کافر ہونا علی التعین حضور ﷺ نے بیان فرمادیا ہے' ان سے بطور شکر الٰہی کے اپنے کو افضل جاننا ضرور چاہئے اور اجمالاً بدون تعین کے تو تمام کفار و مشرکین واہل بدعت و فاسقین سے اللہ تعالیٰ کا محض فضل واحسان جان کر اپنے کو افضل سمجھنے میں مضائقہ نہیں یعنی یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے مجھے کافر' مشرک وبدعتی وفاسق نہیں بنایا۔ اور تعین کر کے یہ نہ سمجھے کہ میں فلاں کافر یا فلاں بدعتی یا فلاں فاسق سے افضل ہوں)' بلکہ اپنے کو تمام زمینوں سے نیچے اتارنا چاہئے جو کہ ارواح عارفین کی قرارگاہ ہے اور جب تک بندہ اپنے لئے کوئی بلند مرتبہ سمجھتا رہے کہ اس سے تنزل کر کے لوگوں سے ملتا ہو وہ متکبرین میں سے ہے' وہ اگر تواضع بھی کرتا ہے' جب بھی اپنے آپ کو ان لوگوں سے بڑھ کر سمجھتا ہے جن کے سامنے وہ تواضع کرتا ہے' کیونکہ اس نے اپنے واسطے ایک مقام ان سے اوپر سمجھ رکھا ہے' جس سے تنزل کر کے وہ

لوگوں سے تواضع کا برتاؤ کرتا ہے اور عارفین کی تواضع ایسی نہیں ہوا کرتی۔

اور میں نے ان کو بارہا یہ کہتے سنا کہ مقام تواضع کے ساتھ سچے طور پر خوگر ہو جانے والے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کی اذیت کو برداشت کرے اور تکلیف کا مقابلہ انتقام سے نہ کرے (اور ایسا برتاؤ کرے) جیسا غلام اپنے آقا کے ساتھ کرتا ہے' اسی بات نے فقراء کو مخلوق کی تکالیف برداشت کرنے پر دلیر بنا رکھا ہے ورنہ اگر وہ اپنے کو مخلوق سے بڑا یا ان کے برابر سمجھتے تو اسی طرح مقابلہ کرتے جیسا کہ مخلوق کا برتاؤ ہوتا (مگر وہ تو اپنے آپ کو سب کا غلام سمجھتے ہیں)۔

اور اے عزیز! غلام کی حالت میں تم ذرا غور کرو کہ جب اس کو اپنے آقا کا رتبہ معلوم ہو جاتا ہے' جس نے اس کو خرید کیا ہے اور اس کی قیمت تو لکر دی ہے' تو آقا اس کو گالی بھی دے لیتا ہے اور مارتا بھی ہے' مگر وہ کیسا خاموش سر جھکائے کھڑا رہتا ہے' یہی حال متواضع کا ہونا چاہئے۔

اور سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ جب کوئی شخص اس سے کوئی چیز مانگے تو اس سے انکار نہ کرے' (البتہ کوئی شرعی مصلحت ہو تو خیر) جیسا کہ غلام اپنے آقا کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں کبھی یہ بھی خطرہ نہ آوے کہ اس کی تعظیم کے واسطے کوئی کھڑا ہو گا یا وہ قیام کا مستحق ہے جیسا کہ غلام اپنے آقا سے اس کا امیدوار تو کیا وہم بھی نہیں کر سکتا۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اس کی ہجو (یعنی برائی) کرے اور اس کو عیوب کے ساتھ متہم کرے' تو اس سے متاثر (یعنی رنجیدہ و غضب ناک) نہ ہو' بلکہ دل میں یوں کہے) کہ یہ مذمت اور اتہام بجا ہے' میں ایسا ہی ہوں' بلکہ اس سے بھی بدتر ہوں کیونکہ اصلی عیوب کی برائی کرنے والے کو بھی خبر نہیں' اور یہ شخص اگر مجھے برا بھلا کہے تو یہ اس کا اہل ہے (کیونکہ مجھ سے افضل ہے) البتہ اگر شرعی مصلحت [1] اس کے خلاف ہو

(۱) شرعی مصلحت کی یہ صورت ہے کہ مثلاً تم مقتدا ہو اور تمہارے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(تو دل سے تو اپنے کو ان عیوب کے ساتھ متہم [1] ہی سمجھے، مگر زبان سے اپنی برأت ظاہر کردے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اوپر کسی بات کا جھوٹا الزام لگایا گیا تو اگر تم اپنی برأت ظاہر نہ کرو گے، تو اندیشہ ہے کہ لوگ تم سے بدگمان ہو کر استفادہ چھوڑ دیں، جس سے مخلوق کو سخت ضرر پہنچے گا، ایسے وقت میں اپنی برأت کردینا ضروری ہے جیساکہ حضرت یوسف علی نبینا علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں جب شاہی حکم پہنچا کہ آپ رہا کردیئے گئے تو آپ نے اس وقت تک نکلنے سے انکار کیا جب تک کہ ان کے بے قصور اور بری ہونے کی تحقیق نہ کرلی گئی، جب زلیخا نے سب کے سامنے اور دوسری عورتوں نے بھی مجمع عام میں آپ کی برأت و نزاہت کا اقرار کیا، اس وقت آپ قید خانہ سے باہر ہوئے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تفسیر میں اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے اس اہتمام برأت سے معلوم ہوا کہ رفع تہمت میں سعی کرنا امر مطلوب ہے، حدیثوں میں بھی اس کا مطلوب ہونا وارد ہے، منجملہ اس کے فوائد کے یہ بھی ہے کہ لوگ غیبت سے بچیں گے، اپنا قلب بھی تشویش سے محفوظ رہے گا اور گو عزیز کو آپ کی برأت پہلے سے بھی معلوم تھی، مگر اسکے یقین کو مستحکم کرنا اور عام لوگوں کے دلوں سے بدنامی کا رفع کرنا، ایک جدید مصلحت تھی۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنی برأت ظاہر کرے تو نیت یہ ہونا چاہئے کہ لوگ غیبت سے بچ جائیں گے اور میرا دل بھی مطمئن ہو جائے گا۔ دعوئ بزرگی کی نیت سے کبھی برأت کا قصد نہ کرے۔ ۱۲ مترجم

(۱) کیونکہ اگر تم سے وہ برا کام اب تک نہ بھی ہوا ہو تو ممکن ہے کہ کبھی اس کا قصد کیا ہو اور خدا کے نزدیک کرنا اور ارادہ کرنا دونوں برابر ہیں، حدیث میں ہے۔ کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ اور دل سے بھی اور کان سے بھی (دیکھیں مسند احمد ص ۳۴۳ ج ۲ مرتب)۔ اور اگر مان لو کہ اب تک اس کا ارادہ بھی نہیں کیا تو ممکن ہے کہ تم سے آئندہ سرزد ہو جائے اور ظاہر ہے کہ محاورات میں آئندہ کے لحاظ سے بھی کسی صفت کے ساتھ انسان کو موصوف کردیا کرتے ہیں جیسے میزان پڑھنے والے کو مولوی صاحب کہتے ہیں کہ آئندہ ایسا ہو جائے گا۔ اسی طرح تم اپنی برائی کو سن کر یہ سمجھو کہ اگر میں اس سے اب تک بری ہوں، تو ممکن ہے کہ آئندہ مبتلا ہو جاؤں، یہی مطلب ہے دل سے اپنے کو مہتم سمجھنے کا۔ اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے آئندہ بھی کسی گناہ یا برائی کا ارتکاب ممکن نہیں اس کے دماغ میں شیطان گھسا ہوا ہے (بقیہ اگلے صفحہ ۲۱ پر)

اور سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ مسجد میں تنہا داخل ہونے کی جرأت نہ کرے' بلکہ لوگوں کے ساتھ داخل ہو (اور جب مسجد میں آئے اور اس میں کسی کو نہ پاوے تو دروازے پر کھڑا رہے' یہاں تک کہ کوئی دوسرا اس میں داخل ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ داخل ہو جائے کہ اس میں بہت سے اسرار (اور بھید (۱) ہیں) جن کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں' چنانچہ اپنی بعض تصنیفات میں ہم نے ان کو واضح بھی کیا ہے۔ وللہ الحمد۔

نیز سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ جو لوگ اس کو مجلس میں بیٹھنے دیں یا سلام کا جواب دیدیں یا خود اس کو سلام کریں' ان کا احسان مند ہو۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ صوفی اپنے سلوک میں ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے' جہاں اس کو اپنے اندر بہت سے عیوب نظر آتے ہیں اور اپنی خطائیں اور گناہ ایسے کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کی سب کو اطلاع ہے اس وقت اپنے آپ کو وہ ایسا فاسق (و بدکار) سمجھتا ہے' جس کا فسق کھلم کھلا ظاہر ہے' وہ تو اب سلام کے بھی لائق اپنے آپ کو نہیں سمجھتا' کیونکہ (اس کی نظر میں) اپنے اندر گناہ بہت معلوم ہوتے ہیں اور وہ اس کے سامنے ایسے ظاہر اور واضح ہوتے ہیں' گویا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں' اسکے سوا (اس کو اپنے اندر) کچھ مشاہدہ نہیں ہوتا' خصوصاً اگر غضب و جلال خداوندی پر نظر کر کے ان گناہوں کی ہیبت اس کے دل میں زیادہ ہو گئی ہو یا وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے نزدیک باطنی (قلبی) گناہ مرتبہ میں ظاہری گناہوں کے برابر ہو گئے ہیں' کیونکہ حق تعالیٰ شانہ تو سب کو خوب جانتے ہیں' (ایسی حالت میں تو وہ اپنے آپ کو کسی قابل بھی نہ سمجھے گا)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس کو تواضع کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی' مسلمان کو بڑے سے بڑے مقام پر پہنچ کر بھی تقدیر الٰہی سے مطمئن نہ ہونا چاہئے' ہمیشہ لرزاں و خائف رہنا چاہئے اور حسن خاتمہ کی دعا کرتے رہنا ضروری ہے۔ "افامنوا مکر اللہ فلاياً من مکر اللہ الا القوم الخسرون"۔ (۲) ۱۲ ظ

(۲) کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے' سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے' مگر خرابی میں پڑنے والے۔ (الاعراف/۹۹) مرتب

(۱) راز اس میں یہ ہے کہ مسجد عارفین کو ایسی ہی نظر آتی ہے جیسے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیز سچے متواضع کی یہ بھی علامت ہے کہ لوگ جس قدر بھی اپنے واسطے مراتب کمال کا دعوی کریں' یہ سب کو اکثر تسلیم کر لیا کرے اور (دل میں) یوں سمجھے کہ زمین والے آسمان والوں کی باتیں نہیں جان سکتے یعنی کم درجہ والے سے بڑے درجہ والوں کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ (پس اگر مجھے ان لوگوں کے حالات کا علم نہ ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں' کیونکہ میں ان سے کمتر ہوں) پس ہر بندہ کو ان علامات کے ساتھ اپنے نفس کو جانچنا چاہئے۔

اگر ان علامات کا خوگر اپنے نفس کو پاوے تو شکر (الٰہی) بجالائے ورنہ تکبر سے درگاہ خداوندی میں (سچے دل سے توبہ کرنا چاہئے' اس وقت یہ بات جو کبھی کبھی اس کی زبان سے نکل جاتی ہے کہ ہم تو لوگوں کی خاک پا کے بھی برابر نہیں' جھوٹ اور غلط ثابت ہو گی' اس کو خوب سمجھ لو' اور اس پر عمل کرو' اس کی برکت کا مشاہدہ کر لو گے اور خدا تم کو ہدایت کرے۔

(۲) اگر ہم کو اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش ہو تو اپنے نفس کو بلاؤں اور تکالیف کے لئے آمادہ کر لیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کسی بادشاہ کا دربار' اور ظاہر ہے کہ دربار شاہی میں ایسے وقت جبکہ وہاں بجز بادشاہ کے کوئی نہ ہو جانے کی کسی کی ہمت نہیں ہوا کرتی' ہاں اگر دوسرے لوگ بھی دربار میں موجود ہوں تو ہمت بڑھ جاتی ہے' اسی طرح سمجھو کہ مسجد میں جب کوئی نہیں ہوتا اس وقت عارف متواضع کو قدم رکھنے کی ہمت نہیں ہوتی' خوف خداوندی اس پر غالب ہو جاتا ہے' ہاں دوسروں کے ساتھ لگا لپٹا چلا جاتا ہے۔

اسی واسطے بعض مرتبہ سالک کو صف اول میں کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی' حالانکہ صف اول کا ثواب بہت ہے' مگر صف اول کی وہی شان ہے جو بادشاہ کے بالکل قریب ہونے والی جماعت کی ہوتی ہے' بعض دفعہ سالک بوجہ غلبہ ہیبت کے بہت زیادہ قریب یعنی صف اول میں کھڑا نہیں ہو سکتا' ظاہر میں تو اس کو ملامت کریں گے کہ دوسری صف میں کھڑا ہو کر صف اول کے ثواب سے محروم رہتا ہے' مگر کسی کو کیا خبر کہ اس کے لئے دوسری صف ہزار صف اول سے بڑھ کر ہے۔ ۱۲مترجم

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہمارا نفس اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش کرے تو اس کو تکالیف اور بلاؤں کے برداشت کرنے کے لئے پختگی کے ساتھ آمادہ کرلیں' نیز اس بات کے لئے بھی کہ ہمارے اوپر آشنا اور نا آشنا ہر ایک کی طرف سے انکار کثرت سے ہوگا' کیونکہ یہ باتیں اس شخص کو خواہ مخواہ ضرور پیش آتی ہیں جس کو حق تعالیٰ شانہ منتخب و برگزیدہ فرمانا چاہیں۔

پھر اے عزیز! تم پر یہ بات مخفی نہ ہونا چاہئے کہ قوم صوفیہ کی آبرو کے پیچھے جو اکثر لوگ پڑتے ہیں' اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دربار الٰہی میں داخل ہونے کی تمنا کرتا ہے اور اس دربار میں داخل ہونا اس شخص کے لئے حرام ہے جو مخلوق کی نگاہوں میں کوئی بھی مرتبہ اپنے لئے چاہتا ہو' اسی لئے حق تعالیٰ شانہ ان پر مخلوق کو مسلط فرماتے ہیں اور مخلوق کے جھوٹ اور بہتان سے ان کی آبرو کو چاک کرتے ہیں یہاں تک کہ بجز حق تعالیٰ شانہ کے کسی کی طرف ان کو میلان نہیں رہتا۔ اور اس وقت لامحالہ حق تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور فقط اسی کے پاس مرتبہ قرب کے طالب ہوتے ہیں' ایسی حالت میں حق تعالیٰ شانہ ان کو خاص اپنا بنالیتے ہیں' اس کے بعد وہ درجات قرب میں ترقی کرتے ہیں' جہاں تک کہ حق تعالیٰ نے کسی کے لئے مقدر فرمایا ہے اور جب تک بندہ مخلوق کی نگاہوں میں کسی مرتبہ کا خواہاں رہے وہ حق تعالیٰ سے محجوب ہے[1] اور

---

(۱) یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی' جو ابتدائے سلوک ہی سے یہ خواہش کیا کرتے ہیں کہ ہماری تکمیل ہوجائے گی' تو ہم دوسروں کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو! یہ خیال بہت بڑا حجاب ہے' شیطان زبردست تاویلوں سے اس کو آراستہ کیا کرتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو بڑے بننے کی طلب نہیں' بلکہ بغرض شفقت ایسا خیال آتا ہے' مگر حقیقت میں اس کا منشا عجب اور کبر کے سوا کچھ نہیں' خدا کے طالب محض اس کی ذات کے واسطے بنو تکمیل ہو یا نہ ہو چاہے ساری عمر ناقص ہی رہو' بندہ کا کام طلب ہے' وصول و کمال عطا فرمانا محبوب حقیقی کا کام ہے۔ کار خود کن کار بے گانہ مکن (۲)۔ تم اپنا کام کرو جو تم سے لیا جاتا ہے۔ وصول اور کمال کی فکر میں کیوں پڑے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب ☆ کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے۔ (۳)
گر مرادت رامذاق شکرست ☆ نامرادی نے مراد دلبرست (۴) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جس قدر صفات خبیثہ زیادہ ہوں گی اسی قدر رجحانات بڑھتے جائیں گے' حتیٰ کہ بعض اوقات بندہ کے اور اس کے خدا کے درمیان ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ پردے حائل ہو جاتے ہیں (خدا تعالیٰ سب کو اس سے پناہ دے)۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کسی بندہ کو اس وقت تک خاص اپنا نہیں بناتے جب تک کہ شیاطین الانس والجن گروہ بندی کر کے اس کو جھوٹ اور بہتان کا نشانہ نہ بنائیں' جب اس کا نفس مخلوق سے بیزار ہو جاتا ہے اور کسی کی طرف اسے التفات نہیں رہتا' اس وقت اس کو منتخب فرما لیتے ہیں۔

اور شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ لوگ اس کے انبیاء اور اولیاء کرام کے بارے میں کچھ سے کچھ جھوٹ اور بہتان کی باتیں کہیں گے' تو اس نے ایک جماعت کی تقدیر میں شقاوت (اور بدبختی) لکھدی' جنہوں نے خدا کے لئے بیوی اور بچے بنائے' کسی نے اس کی شان میں "ید اللہ مغلولة"[1] کہا (یعنی خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں) پس جب کبھی کسی ولی کا دل ان باتوں سے جو کہ اس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں پریشان ہوتا ہے تو ہاتف غیبی اس کو پکارتا ہے کہ کیا تجھ کو اپنے خدا کے ساتھ اقتداء کافی نہیں (لوگوں نے خدا کی شان میں بھی تو گستاخی کی ہے)؟ اس کے لئے بیوی بچے گھڑ لئے! اور اس کی طرف وہ باتیں منسوب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد میں نے حضرت حکیم الامت کی زبانی سنا ہے' فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی جو نامرادی چاہے وہ ہمارے پاس آئے" سبحان اللہ کیا بات فرمائی' واقعی عشق و محبت نامرادی ہی کا نام ہے' بارگاہ خداوندی میں ہر مقام پر سالک صادق اپنے کو نامراد ہی سمجھتا ہے' کیونکہ نامتناہی بارگاہ ہے' سالک کسی مقام پر نہیں سمجھ سکتا کہ مقصود حاصل ہو گیا اور حصول نسبت جس کا نام اصطلاح میں وصول رکھا گیا ہے اس سے تو نامرادی کی حقیقت منکشف ہونی شروع ہوتی ہے۔

(۲) اپنا کام کر دوسروں کے کاموں میں اپنے آپ کو مت الجھا۔ مرتب

(۳) جدائی اور وصال کیا چیز ہے اصل مطلوب دوست کی رضا ہے' کیونکہ دوست سے سوائے دوست کے تمنا کرنا افسوس کی بات ہے) مرتب (۱) المائدة / ۶۴

کیں جو اس کی عظمت و جلالت کے مناسب نہیں !! حالانکہ سب کے سب اس کے احسانات میں (از سر تاپا) غرق ہیں اور سب کی جانیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس وقت ولی کو اس بات سے تسلی سی ہو جاتی ہے۔

شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے بارے میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ پہلے ابتداء حالت میں ان پر تکلیف مسلط فرماتے ہیں، پھر جب وہ صبر کرتے ہیں تو انجام کار انہیں کو غلبہ ہوتا ہے اور ہم اس عہد پر کتاب ''طبقات الکبریٰ'' کے دیباچہ میں مبسوط بحث کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

(۳) مسجد میں جماعت کے وقت سے پہلے نہ آیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مسجد میں جماعت کے وقت سے پہلے نہ آیا کریں، مگر جبکہ ہم اپنے اندر غیبت اور بیہودہ کلام وغیرہ سے بچنے کی طاقت پاتے ہوں، ورنہ ہمیں مسجد میں جماعت کے وقت سے پہلے کبھی نہ آنا چاہئے اور بعد سلام ودعا کے فوراً نکل جانا چاہئے اور اس عہد پر عمل کرنے میں بہت لوگ کوتاہی کرتے ہیں، بعض لوگ جمعہ کے دن مسجد میں (سویرے) آتے ہیں اور لوگوں کی عیب چینی کرتے ہیں، کبھی کسی بزرگ کی ، کبھی کسی عالم یا قاضی کی، یا محتسب کی، پھر جماعت کے وقت تک اسی (جھگڑے) میں رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا دل (ان بیہودہ باتوں کی ظلمت سے) مردہ ہو چکتا ہے اور مرے ہوئے دل سے وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! کہ مسلمان ایسے نہیں ہوا کرتے، پس اے عزیز! ایسی باتوں سے بچو، کیونکہ شیطان ان باتوں کی تاک میں رہتا ہے۔

(۴) تمام حکام کی صبح و شام حفاظت کیا کریں اور دل سے ان کا خیال رکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم تمام حکام(۱) کی ان کے مرتبہ کے موافق صبح و

(۱) حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا کہ یہ اقطاب کی شان ہوتی ہے، ان کو تمام مصالح عباد کے خیال رکھنے کا حکم ہوتا ہے، اس پر ایک حکایت بیان فرمائی۔ (بقیہ آگلے صفحہ پر)

شام حفاظت کیا کریں اور دل سے ان کا خیال رکھیں' احادیث و آیات میں اس کا امر وارد ہے' کیونکہ ان میں سے ہر اک پر غلط فیصلہ یا ظلم میں مبتلا ہو جانے کا ہر وقت اندیشہ ہے' تو ہمیں (دل سے) ان کی خبر گیری کرنی چاہئے' تاکہ حق تعالیٰ ان کو اس سے بچائے رکھے' اسی طرح ہم کو اپنے نفسوں کی اور تمام گنہگاران امت محمدیہ ﷺ کی اس بات سے حفاظت کرنی چاہئے کہ کسی پر ایسی بلا نازل نہ ہو جو اس کا نشان ہی مٹادے' اسی طرح دریاؤں کے بڑھنے کے زمانہ میں ان کی خبر گیری کرنی چاہئے کہ وہ اس حد تک پہنچ جائیں جس سے زمین بخوبی سیراب ہو سکے' اور پلوں کی نگہبانی کرنی چاہئے کہ ان کو بدمعاش لوگ دریا کی اپنی اصلی حد تک پہنچنے سے پہلے نہ کاٹ دیں' جس سے شہر تباہ و برباد اور کھیتی خراب ہو جائے' ایسے ہی کھیتوں کی حشرات الارض سے اور سخت گرمی اور لو سے اور چوہوں سے نگہبانی کرنی چاہئے' نیز میوہ جات اور ککڑی' کھیرے وغیرہ کے پھولوں کی نگہداشت کرنی چاہئے کہ وہ گرم ہواؤں سے گر نہ پڑیں (جس کا طریقہ یہ ہے کہ اہل ہمت توجہ اور دعاء کریں اور اہل ظاہر دعاء و تدبیر کریں)۔ الحمدللہ رب العلمین

(۵) مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہو کر رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہو کر رہیں جب تک کہ وہ کسی بری بات کی طرف ہم کو نہ بلائیں' حدیث میں جہاں صف برابر کرنے کا امر ہے وہاں یہ بھی ارشاد ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار مولانا محمد علی صاحب سے ریاست بھوپال کے کسی واقعہ کی نسبت دریافت فرمایا کہ اس کا کیا انجام ہوا یا کس طرح ہوا؟ تو مولانا محمد علی صاحب نے اس سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی' اس پر شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ ایک اسلامی ریاست ہے اس کا (اور اسی طرح سب اسلامی ریاستوں کا) خیال رکھنا چاہئے۔ (خیال رکھنے سے مراد باطن سے توجہ اور دل سے دعا کرنا ہے)۔ اقطاب کے سپرد یہ خدمت ہوتی ہے اور عام مسلمانوں کو بھی ان سب باتوں کے لئے دعا کرنی چاہئے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ علامہ شعرانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے قطب تھے۔ واللہ علم ۱۲ مترجم

"ولینوافی یداخوانکم"[1] کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہو جاؤ (یعنی جب کوئی تم کو آگے یا پیچھے کرے تو اس کی اطاعت کرو' ضد اور ہٹ نہ کرو)۔

اے عزیز! یہ بات بھی نرمی میں داخل ہے کہ جب تمہارا گذر ایسی جماعت پر ہو جو کہ اہل مغرب کے طریقہ پر' یا اہل عجم کے' یا صوفیہ مطاوعہ یا شناویہ کے' یا فرقہ رفاعیہ کے طریقہ پر ذکر الٰہی میں مشغول ہیں' تو تم بھی انہی کی طرح اسی آواز اور لہجہ میں ذکر کرو اور ان کے خلاف طریقہ اختیار نہ کرو' جس سے ان کو تشویش ہو' اور نہ خاموش رہو کہ تم سے ذکر کا ثواب فوت ہو جائے گا۔

اور نرمی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب تم کسی مجلس میں جاؤ اور قرائن سے یہ بات تم کو معلوم ہے کہ لوگ تم کو کسی معمولی جگہ پر نہیں بیٹھنے دیں گے تو ادب اور سہولت کی بات یہ ہے کہ تم قصہ مختصر کر کے خود اس جگہ جا بیٹھو جہاں وہ تم کو (تمہارے خیال میں) بٹھلا دیں گے' ورنہ بعض دفعہ وہ تم کو کھینچیں گے' اور تم رکو گے پھر وہ تم کو گھسیٹیں گے تم ان کو گھسیٹو گے' جس سے لوگوں کے دل مشغول ہو جائیں گے' خصوصاً اگر مجلس علم کی یا حلقہ وظیفہ کا ہو' تو بعض دفعہ مجلس میں ایسی گڑبڑ ہو گی کہ شیخ جس مسئلہ کی تقریر کر رہا تھا وہ تمہارے قصہ میں مشغول ہو کر اسے بھول جائے گا' چنانچہ "عہود محمدیہ" میں ہم نے اس کو بوضاحت بیان کر دیا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

(۶) ذکر سے فارغ ہو کر فوراً خلوت میں پہنچ جائیں۔

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی شخص ہمارے میں سے ذکر کر کے فارغ ہو تو فوراً خلوت میں پہنچ جائے تاکہ وارد کو سکون ہو جائے کیونکہ اگر کبھی وارد کے سکون

---

(۱) لفظ "فی ید" کے ساتھ بندہ کو حدیث نہیں ملی البتہ "لینوافی ایدی اخوانکم" کنزالعمال ج ۷/ ۲۰۵۵۳' مسند امام احمد بن حنبل ج۲: ۹۸' ج۵:۲۶۲ والحاوی للسیوطی ج۱: ۸۲ میں موجود ہے' اسی طرح "لینوا بایدی اخوانکم" ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف ص ۹۷ میں موجود ہے۔ ۱۲ مرتب

سے پہلے کوئی شخص ہم سے آکر بات چیت کرنے لگا تو ہم اس پر شور مچانے لگیں گے، جس سے گونگے ہونے کا اور گھٹیا ہو جانے کا اندیشہ ہے' چنانچہ سیدی تاج الدین ذاکر رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی باندی کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور اس کو توضیح کے ساتھ ہم نے کتاب "المنن والا خلاق" میں بیان کیا ہے۔ والحمدللہ رب العلمین۔

(۷) قرآن حفظ کرنے والوں کو حکم کریں کہ اپنی زبانوں کو جھوٹ اور غیبت سے بچائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے تمام قرآن حفظ کرنے والے بھائیوں کو یہ حکم کریں کہ وہ اپنی زبانوں کو جھوٹ اور غیبت سے بچائیں' اور اپنے منہ کو حرام اور مکروہ کھانے سے گندہ نہ کیا کریں' بوجہ تعظیم کلام خداوندی کے' نیز رسول اللہ ﷺ (کے کلام کا بعد کلام اللہ کے) اور دیگر علماء وصالحین کے کلام کا بھی (بعد کلام رسول اللہ ﷺ کے) یہی ادب ہے۔

حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ بعض لوگ حلال کھانا کھانے سے وضو کو ضروری سمجھتے ہیں اور حرام بات کہنے سے وضو نہیں کرتے' (بعض صحابہ کا قول تھا کہ پکا ہوا کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' اور بعض فقہاء نے بھی اس کو اختیار کیا ہے' مگر حنفیہ وضوء سے کلی مراد لیتے ہیں' کیونکہ اکثر صحابہ نے وضوء شرعی کو ایسی حالت میں واجب نہیں مانا) گویا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان لوگوں کی اس حرکت پر انکار فرماتی تھیں (کہ حرام بات منہ سے نکال کے وضوء نہیں کرتے حالانکہ حلال کھانا کھانے سے بعض فقہاء وضوء واجب کرتے ہیں)۔

اور سیدی ابراہیم الدسوقی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے منہ کو تلاوت قرآن کے لئے پاک صاف رکھا کرو کیونکہ اس شخص کی مثال جو کہ اپنے منہ کو حرام بات یا حرام کھانے سے گندہ کر کے بدون توبہ کئے قرآن پڑھنے لگے ایسی ہے جیسے کوئی قرآن کو ناپاکی پر لکھے' یا جیسے کوئی قرآن کو گندگی پر رکھدے' اور ایسے آدمی کا جو حکم

ہونا چاہئے وہ سب کو معلوم ہے۔

اور راز اس میں یہ ہے کہ اہل اللہ بعض باطنی گندگیوں کو ظاہری گندگیوں سے (اپنے مشاہدہ میں) زیادہ پلید سمجھتے ہیں' پس اگر کسی کی زبان مسوڑھوں کے خون سے آلودہ ہو تو وہ اس کو قباحت میں اس سے کم سمجھتے ہیں کہ زبان غیبت یا چغلخوری سے آلودہ ہو' اسی طرح سب کو سمجھ لینا چاہئے۔ واللہ اعلم

(۸) جس شخص کی عادت لڑنے جھگڑنے کی ہو اس کے ساتھ مناظرہ نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کی عادت لڑنے جھگڑنے اور حق بات کا انکار کرنے اور علیت جتلانے کی ہو ہم اس کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ سے دلائل قائم کرنے کا برتاؤ نہ کریں' مگر جبکہ اس کا نفس ٹھنڈا ہو جائے' کیونکہ ایسے آدمی کا نفس جب جوش میں ہوتا ہے تو وہ حد سے بڑھنے لگتا ہے' اور جو کوئی اس کی عقل و فہم کا مقابلہ کرے اس کی آبرو چاک کرتا ہے' چاہے اس کا شیخ ہی کیوں نہ ہو' بلکہ ہمیں ایسے شخص کے ساتھ احسان اور تعظیم کا اور اس کے ہمعصروں میں اس کی خوبیاں پھیلانے کا برتاؤ کرنا چاہئے' یہاں تک کہ جب وہ ہماری طرف محبت کے ساتھ مائل ہو جائے' اس کے بعد پوشیدہ طور پر بدون تعیین کے دوسروں کے حق میں مثالیں بیان کریں مثلاً یوں کہیں کہ جو شخص شریعت کا عالم ہو اس کے لئے دنیا پر اوندھے منہ ہو کر گر پڑنا اور جو کوئی اس کو محبت دنیا سے روکے اس کی آبرو کو پاش پاش کرنا' دنیا جمع کرنے کی حرص کرنا اور خرچ میں بخیل بننا' لوگوں کے وظائف اور تنخواہوں میں خلاف شرع بے جا کارروائی کرنا' اعمال میں ریا کرنا بہت نازیبا ہے۔ لوگوں کا رخ اپنی طرف بزرگی اور تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ پھیرنا چاہتا ہے' رات بھر سوتا ہے اور دن بھر خدا تعالیٰ سے غافل رہتا ہے اور ایسی ہی باتیں (تعریض کے طور پر کہے) جن میں اس کے بعض صفات و اخلاق ناشائستہ کا تذکرہ بھی ہو جائے' شاید کہ اس طرح وہ نصیحت یا خوف خدا اختیار کرے۔

مگر جو کوئی ایسے شخص سے اس قسم کا برتاؤ کرے اس کو اتنی احتیاط کرنی چاہئے کہ تمام برائیاں مخاطب ہی پر نہ ڈالے اور یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ مخاطب ہی مقصود بالکلام ہے' کیونکہ اس سے بعض دفعہ اس کے نفس کی آگ بھڑک جائے گی اور وہ اپنی طرف سے جواب دینے کی فکر کرے گا اور یوں کہے گا کہ بحمد اللہ میں تو ان باتوں سے پاک صاف ہوں' اور بعض دفعہ یہ بھی کہے گا کہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور روکنے سے پہلے اپنے نفسوں کو تو پاک صاف کرو۔

برادرم شیخ افضل الدین جب کسی شخص کو برے کاموں کا مرتکب دیکھتے یا قصد کرنے والا پاتے' تو پہلے ہی سے اس کی اس طرح روک تھام کرتے کہ اپنے لوگوں میں بیٹھ کر اس شخص کی تعریف کرتے کہ مجھے تو بس فلاں شخص کی حالت بہت اچھی معلوم ہوتی ہے' وہ بری باتوں سے کراہت کرتا ہے اور فلاں فلاں کام سے بچتا ہے' اس درمیان میں وہ افعال بھی ذکر کر دیتے ہیں جن میں وہ شخص آلودہ ہوتا ہے یا قصد رکھتا ہے' پس وہ شخص اس برے کام پر پیش قدمی کرنے سے رک جاتا اور جو مبتلا ہوتا تو توبہ کر لیتا تھا یا کم از کم اگر وہ ان کو کھلم کھلا کرتا ہوگا تو بعد اس نصیحت کے کھلم کھلا کرنا چھوڑ دیگا' اور ایسی مصلحت کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

اور سیدی ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک حق تعالیٰ کسی کو ایسی حسن تدبیر اور سیاست عطا نہ فرمائیں جس سے وہ نصیحت کے لئے ایسی تمہید قائم کر سکے کہ دوسرا آدمی اپنی مصلحت اور خوبی سمجھ کر خود اس کام کے لئے سبقت کرنے لگے اس وقت تک کسی کو مسند نصیحت و وعظ پر بیٹھنا جائز نہیں[1]' جس کو حسن سیاست سے حصہ

---

(۱) اس سے آج کل کے واعظین سبق حاصل کریں جو دو چار اردو کتابیں اور واہی تباہی قصے دیکھ کر وعظ کہنے لگتے ہیں کہ وعظ کہنا اور نصیحت کرنا ہر شخص کا کام نہیں' عام خطاب کے ساتھ وعظ کہنے کے لئے علم شریعت کافی طور پر ہونے کی ضرورت ہے تاکہ خدا اور رسول کی طرف غلط مضمون منسوب نہ کر سکے اور خاص طور پر کسی کو نصیحت کرنے کے لئے حسن تدبیر اور ہوشیاری کی ضرورت ہے' نیز عام وعظ میں ایسا مضمون بیان نہ کرنا چاہئے جو کسی خاص آدمی کی طرف (بقیہ آگلے صفحہ پر)

نہیں عطا ہوا وہ اصلاح سے زیادہ فساد برپا کرے گا۔ میں نے ایک بار حمام میں ایک شخص کو دیکھا کہ دونوں رانیں کھولے ہوئے تھا' اس کو ایک عالم نے ڈانٹا کہ او کتے! او یہودی! اپنا ستر ڈھانک' او خدا سے نہ ڈرنے والے! اپنا بدن چھپا' اس شخص کو غصہ آگیا' اس نے وہ کپڑا بھی اتار کر پھینک دیا جو بیچ میں شرمگاہ کے اوپر تھا اور ننگا بیٹھ گیا' اور کہا کہ یہ تیرے منہ کے قابل ہے اے فقیہ۔ اور اگر وہ عالم اس سے اس طرح کہتے کہ صاحب اپنی ران ڈھانک لیجئے' کیونکہ آپ بڑے لوگوں میں سے ہیں اور مجھے غیرت آتی ہے کہ کوئی آپ کا ستر دیکھے' تو وہ ان سے یہی کہتا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے (آپ نے اچھی بات فرمائی) اور ران کو چھپا لیتا' اسے خوب سمجھ جاؤ۔

(۹) مخالفین سے اپنا برتاؤ بھلائی کا قطع نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص ہمارا مخالف یا درپے آبرو ہو ہم اس سے اپنا برتاؤ احسان وسلوک اور بھلائی [۱] کا قطع نہ کریں' بلکہ ہمیں حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے بندوں کے بارے میں ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ فرماتے ہیں'

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اشارہ کرتا ہو' عام نصیحت کرنی چاہئے جس سے ہر شخص اپنی حالت کا موازنہ کرکے سبق حاصل کرے۔ اور خاص خطاب میں وہ صورت اختیار کرنی چاہئے جس کا مخاطب پر جلدی اثر ہو' ہر جگہ سختی کرنا مناسب نہیں' ہاں جن لوگوں پر اپنا زور ہے جیسے اولاد' شاگرد' مرید ان پر گاہے سختی کا بھی مضائقہ نہیں یا زور تو نہیں مگر انداز سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نرمی سے اثر پذیر نہ ہوگا تو وہاں غیروں سے بھی سختی کرنے کا حرج نہیں بشرطیکہ اندیشہ ضرر کا نہ ہو' غرض جس شخص کو حق تعالیٰ فہم وسیاست عطا فرما دیتے ہیں وہ خود نرمی سختی کا موقع سمجھ لیتا ہے' اس کے بدون خاص نصیحت کی اجازت نہیں۔ ۱۲ مترجم

(۱) میں نے اپنے مربی روحانی حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب دام مجد ہم کو اس عہد پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے' مخالفین کے ساتھ خوش خلقی اور مدارات اس طرح فرماتے ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں سے عداوت نکل جاتی اور محبت پیدا ہو جاتی ہے مخالفین کی طرف گذر فرماتے ہیں تو غایت اہتمام سے ان کے ساتھ سلام وکلام فرماتے ہیں' سالکین کو سبق لینا چاہئے اور مخالفین سے یہی برتاؤ کرنا چاہئے۔ (واللہ الموفق ۱۲ مترجم)

کیونکہ ہم ہمیشہ دن رات گناہوں میں مشغول رہتے ہیں اور حق تعالیٰ ہم کو کھانا پانی برابر دیتے رہتے ہیں اور اپنے سلوک واحسان کو ہم سے منقطع نہیں فرماتے اور بعض دفعہ ہم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ ہم کو گھر کے اندر ہی زمین میں گاڑ دیا جائے یا دھنسا دیا جائے (مگر حق تعالیٰ اپنی رحمت سے پردہ پوشی فرماتے رہتے ہیں)۔

مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی اگر لوگوں کو ہماری وہ باتیں معلوم ہو جائیں جن کو حق تعالیٰ شانہ چھپا لیتے ہیں تو وہ ہمیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں' نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر گناہوں میں بو ہوا کرتی تو میرے پاس بوجہ گناہوں کی سخت بدبو کے کوئی بھی نہ بیٹھ سکتا۔ جب بزرگان تابعین کا اپنے نفس کو برائی کے ساتھ متہم سمجھنے میں یہ حال تھا تو ہمارا جو کہ پیٹ اور شرمگاہ کے غلام ہیں' کیا حال ہونا چاہئے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ہر اس شخص پر جو کہ اللہ کے راستہ کی طرف بلانے والا ہو یہ بات واجب ہے کہ ادب اور تمیز سے باہر ہونے والوں کا علاج سلوک واحسان سے کرے۔ محروم کرنے اور سخت بات کہنے سے نہ کرے' کیونکہ وہ راعی (یعنی نگہبان ہے) اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا (البتہ جہاں سختی ہی نافع ہو وہاں مضائقہ نہیں)۔

ایک مرتبہ مجھے ان ذاکرین سے جو میرے پاس رہتے تھے نفرت ہو گئی تھی اور میں نے ان کو چھوڑ دینے کا قصد کیا تو اس رات خواب میں سیدی علی خواص رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تم کو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے ہیں کہ اپنے لوگوں کی صحبت پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے صبر کئے رہو اور اچھی نصیحت سے ہر وقت ان کی خبر گیری کرتے رہو۔ اور اس شخص کی طرح مت بنو جس کی بکریاں دشوار گذار زمین میں منتشر ہو گئیں اور وہ غصہ ہو کر ان کو جنگل میں بھیڑیئے کے واسطے چھوڑ آیا تاکہ وہ ان کو پھاڑ کھاوے۔

(۱۰) اپنے حقیقی رتبہ کو عند اللہ ہر مومن کے رتبہ سے کم سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے حقیقی مرتبہ کو اللہ کے نزدیک ہر مومن کے مرتبہ سے کم سمجھا کریں، جس کی مثال محسوسات میں گویا مٹی ہے، جس کو چلنے والوں کے قدم پامال کرتے ہیں، کتے اس پر موتتے ہیں اور ہمیں اپنے نفسوں کو رات دن کی کسی گھڑی میں زمین سے اونچا نہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ زمین ہماری ماں ہے اور یہ کسی عاقل کو مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو اپنی ماں سے زیادہ سمجھے، اور جو شخص اس مقام میں پختگی حاصل کرے گا اس کو خوشنودی خالق و خلق ہمیشہ حاصل رہے گی اور اس مقام میں پختہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جس قدر عیوب تمام مخلوق میں متفرقا موجود ہیں وہ اگر سب کے سب اس کی طرف منسوب کر دیئے جائیں تو ان میں اپنے مبتلا ہونے کو مستبعد نہ سمجھے، کیونکہ اگر ابھی تک ان میں مبتلا نہیں ہوا تو کیا عجب ہے کہ آئندہ مبتلا ہو جائے یا ان کا کم از کم قصد ہی کرے اور کم از کم دل پر ان کا خطرہ ہی گذرے، کیونکہ آخر معصوم تو نہیں ہے۔

اور یہ عہد اس کتاب کے پہلے عہد کی گویا فرع ہے اور اس عہد پر عمل کرنے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اگر کبھی گر پڑے تو شرمندہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو ہمیشہ زمین ہی پر بیٹھا رہتا ہے بخلاف اس شخص کے جو اپنے آپ کو زمین سے بلند سمجھتا ہے، کیونکہ وہ جب کبھی گرتا ہے اکثر اتنا ہی شرمندہ ہوتا ہے جس قدر وہ اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہے۔ پس وائے افسوس اس شخص پر جو اپنے نفس کو اپنے ہمسروں سے بلند سمجھے کہ اس کی شرمندگی ہمیشہ ہی رہتی ہے، نیز جو شخص اس عہد پر عمل کرتا ہے وہ اگر کبھی گرتا بھی ہے، تو لوگ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں بخلاف اس شخص کے جو اپنے آپ کو لوگوں سے بڑا سمجھتا ہے وہ کبھی گر پڑتا ہے تو اس کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑتا، بلکہ اس کے گرنے پر خوشی کرتے ہیں۔

اور سیدی احمد بن رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کی اخیر وصیت مرض الموت میں یہ تھی کہ تم دم کی طرح پیچھے رہو سر کی طرح آگے نہ بڑھو کیونکہ مار سب سے پہلے سر ہی پر پڑتی ہے، پھر آپ نے ایک کھجور کی طرف اشارہ کیا اور حاضرین سے فرمایا کہ اس کھجور کے درخت کو دیکھو جب یہ سینہ ابھار کر کھڑا ہوا تو حق تعالیٰ نے اس کے پھلوں کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا، اب وہ جس قدر بھی بوجھ اٹھائے کوئی اس کی امداد نہیں کرتا بخلاف کدو کے درخت کے کہ اس نے اپنا رخسارہ زمین پر بچھا دیا تو حق تعالیٰ نے بھی اس کے پھلوں کا بوجھ دوسروں پر ڈال دیا، اب وہ جس قدر بھی بھاری پھل لادے اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

(۱۱) طالب کو جب تک پوری محبت نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے عہد بیعت نہ لیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کسی طالب سے اس وقت تک اپنی نیک تعلیم کے سننے اور تابعداری کرنے کا عہد نہ لیا کریں جب تک کہ اس کو ہمارے ساتھ ایسی محبت نہ ہو جائے کہ ہمارے اوپر بیوی بچوں میں سے کسی کو مقدم (۱) نہ کرے، بوجہ نائب رسول سمجھنے کے مستقلاً نہیں، کیونکہ اگر حضور ﷺ اس بات کو نہ جان لیتے کہ محبت ناصح کو جلد ہدایت حاصل ہونے میں بہت زیادہ دخل ہے تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ ''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے بیوی بچوں اور تمام آدمیوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں (۲)''۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ اس امت میں جو لوگ اللہ کی طرف بلانے والے ہیں

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو بیعت میں جلدی نہ کرنی چاہئے، بلکہ طالب کی عقیدت مناسبت کا کافی امتحان کرنا چاہئے، کیونکہ بدون مناسبت کے کوئی نفع نہیں ہو سکتا۔ حضرت حکیم الامت کا اس پر پورا عمل ہے، چنانچہ مشہور ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) دیکھیں مسلم ج ۱/ ۶۹۔ ۱۲ مرتب

وہ سب حضور ﷺ کے نائب ہیں، پس بوجہ وارث ہونے کے ان کے ساتھ بھی ادب اور محبت وہی ہونی چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ضروری ہے تاکہ مرید میں عبدیت کامل ہو جائے اور اس کو اپنے شیخ کے بارے میں یہ اعتقاد کرنا چاہئے کہ وہ اس کے نفس سے زیادہ اس پر شفیق ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ تھے' چنانچہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں ''النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم '' (۱) کہ نبی ﷺ کو مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق ہے' خوب سمجھو اور جب شیخ کو مرید کی طرف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کو محبت میں اس پر مقدم کرتا ہے تو وہ ہاتھ جھاڑ کر اس سے الگ ہو جاتا ہے (۲)۔

شیخ عارف باللہ عدی بن مسافر رحمتہ اللہ علیہ جو کہ اس طریق کے ایک رکن اعظم ہیں فرماتے ہیں تم کسی شیخ سے ہرگز کچھ نفع نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ تمہارا اعتقاد' بلکہ اس کے ہم جنسوں کے بارے میں ہر اعتقاد سے بڑھا ہوا نہ ہو' اس وقت وہ تمہارے دل کو اپنے سامنے مجتمع اور اپنے غیبت میں محفوظ رکھے گا اور تم کو اپنے اخلاق کے ساتھ مہذب بنادے گا اور مراقبہ و توجہ سے تم کو ادب سکھلائے گا اور اپنے نور باطنی سے تمہارے باطن کو منور کر دے گا اور جب تمہارا اعتقاد اس کے بارے میں کمزور اور سست ہوگا تو تم ان باتوں میں سے اس میں ایک بھی نہ پاؤ گے' بلکہ خود تمہارے باطن کی ظلمت

(۱) الاحزاب/۶

(۲) یہ مسئلہ صوفیہ کی اصطلاح میں ''وحدت مطلب'' کے نام سے مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانہ طلب میں قبل حصول نسبت بجز ایک شیخ کے کسی کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے' زمانہ طلب میں دو شخصوں کی طرف رجوع کرنے سے عادۃ حصول نسبت دشوار ہے اور بعد حصول نسبت چند مشائخ سے استفاضہ میں مضائقہ نہیں (یہ تحقیق حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم کی فرمودہ ہے) مگر اس میں اتنی شرط اور بھی ہے کہ بعد حصول نسبت کے اگر چند مشائخ کی طرف رجوع کیا جائے تو اپنے اصلی شیخ کے ساتھ اعتقاد و محبت میں کمی نہ ہونے پائے' ورنہ ترقی بند ہو جائے گی' بلکہ دوسروں سے بھی جو فیض ہو اس کو اسی کا فیض مشاہدہ کرے۔ ۱۲ مترجم

منعکس ہو کر تم کو مشاہدہ ہو گی کہ تم اپنی صفات کو شیخ کی صفات سمجھو گے' پھر تمہیں اس سے کچھ بھی نفع نہ ہو گا اگرچہ وہ درجہ کے اعتبار سے بہت ہی بڑے اولیاء میں کیوں نہ ہو۔ سیدی علی بن وفاء کے کلام میں ہے۔

ان اردت تسمع قولی ☆ فرغ لقولی مسمعک
من کل ماقال غیری ☆ فی سائر الادوار

اگر چاہتا ہے سنے بات میری ☆ تو غیروں کی باتوں سے کر کان خالی۔

نیز آپ نے اپنی کتاب ''الوصایا'' میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ اہل اللہ کے دل پہاڑوں کے مانند ہیں' سو جس طرح پہاڑ کو سوائے شرک باللہ کے کوئی چیز ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وتخر الجبال هدا ان دعوا للرحمن ولدا'' (۱) کہ پہاڑ ٹوٹ کر اس بات کی وجہ سے گر پڑتے ہیں کہ لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد بنالی۔ اسی طرح ولی کے دل کو اس کی جگہ سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی سوا اس کے کہ اسکا مرید اس کے ساتھ کسی کو محبت میں شریک کرے' یہی بات اس کو اپنی جگہ سے ہٹاتی ہے نہ کہ خدمت میں کوتاہی کرنا' خوب سمجھ جاؤ۔

پھر یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ مشائخ جو مرید سے اپنی تعظیم و تکریم کا اور ہر حکم پر راضی ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں' یہ سب باتیں صرف مرید کے پختہ کرنے اور اس کی ترقی چاہنے کے لئے کرتے ہیں' کیونکہ شیخ ترقی کا زینہ ہے' مرید اس کے ساتھ ادب کا برتاؤ کر کے حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ ادب کرنا سیکھتا ہے' پس جس نے اپنے شیخ کے ساتھ ادب کو پختہ نہیں کیا وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ ادب کرنے کی بو بھی نہیں سونگھے گا۔ جس وقت شیخ مرید کو دنیا کی ایسی چیز سے روک دے جس کے حصول کی اس کو امید تھی' سو اگر وہ اس وقت راضی رہے تو اس کی بدولت اس کو رضاء بالحق کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا (یعنی اگر حق تعالیٰ شانہ بھی اس کو کسی رزق یا تنخواہ سے محروم فرمادیں

(۱) مریم / ۹۰

یا اس پر کوئی بلا نازل فرمادیں یا اس سے سب نعمتیں چھین لیں تو وہ ان حالات میں حق تعالیٰ سے بھی راضی رہے گا) اور اگر وہ شیخ کے اس فعل پر راضی نہ ہو گا تو حق تعالیٰ کے ساتھ بھی اس کو رضا حاصل نہ ہو گی' جبکہ وہ کسی محبوب چیز سے اس کو محروم فرمادیں' اور اگر وہ اپنے شیخ کی ناراضی پر اور اس کے چھوڑ دینے پر صبر کرلے گا اور اس کے چھوٹ جانے پر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے گا تو اگر کبھی خدا تعالیٰ شانہ کی طرف سے بھی یہ باتیں پیش آئیں گی وہ ان پر بھی صبر کرے گا اور ان سب کو برداشت کرلے گا اور خدا کے چھوٹ جانے پر بے چین نہ ہو گا) خدا تعالیٰ ان باتوں سے سب کو پناہ میں رکھے۔ آمین۔ اور اگر شیخ کا ہمیشہ خدمت وغیرہ سے خیال رکھے گا اور اس کی طرف سے غافل نہ ہو گا تو حق تعالیٰ شانہ کی عبادت سے بھی غافل نہ ہو گا' دل سے ہمیشہ خدا تعالیٰ کا بھی خیال رکھے گا اور اسی طرح دوسری باتوں کا بھی خیال کرلو۔

اے عزیز! جس وقت تیرا نفس یہ دعویٰ کرے کہ وہ شیخ کے ہر حکم کا تابعدار ہے' تو اس کا امتحان کرنا چاہئے (ممکن ہے کہ جھوٹا دعویٰ ہو) جیسا کہ اکثر مریدین کی زبان سے ایسے دعوے سرزد ہوتے ہیں کہ ہم شیخ کے سب سے پہلے تابعدار ہیں' پھر جب مرشد ان میں سے کسی کو حکم دیتا ہے کہ اپنی فلاں بیوی کو جس کے بابت میں کہہ چکا ہوں کہ تجھ کو خدا سے مشغول کرتی ہے اور حرام ومشتبہ مال کے لینے پر مضطر کرتی ہے' طلاق دیدے' تیرے واسطے بہتر ہو گا یا یوں کہے کہ اپنا آدھا مال لے آتا کہ تیرے ان غریب بھائیوں میں تقسیم کردوں یا یوں کہے کہ تمام وظائف سے مثل امامت وخطبہ خوانی ودرس وتدریس وروشنی وفراشی واذان وغیرہ کے اپنا حق ساقط کردے تو اس پر وہ مرید راضی نہیں ہوتا اور اس کے چہرے پر ناگواری ظاہر ہو جاتی ہے' یہاں تک کہ تمام حاضرین اس کا مشاہدہ کرلیتے ہیں اور وہ رسوا ہو جاتا ہے اور اگر وہ شیخ کے ارشاد کو قبول کرلیتا تو اچھا ہوتا' کیونکہ مشائخ کاملین انشاء اللہ خیانت نہیں کریں گے اور ہم نہیں جانتے کہ شیخ کی اطاعت کرنے میں مرید کا کونسا نقصان ہوتا ہے جبکہ خود حق تعالیٰ شانہ سب چیزوں کے عوض اس کو ملتے ہیں (اور ہم نہیں سمجھ سکتے) کہ اس شخص کو کیا مل گیا جس

نے بارگاہ خداوندی کی شرکت اور مجالست کو ایک کھال کے ٹکڑے کے بدلے بیچ دیا جو کہ خون اور پیشاب سے دباغت دیا گیا ہے اور اگر اس کو کاٹ کر بازار میں بیچا جائے تو ایک پیسہ کے برابر بھی نہ ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ جس شخص کا اعتقاد اپنے شیخ کے بارے میں یہ نہ ہوں کہ وہ اس پر اس کے نفس سے بھی زیادہ شفیق ہے اور یہ کہ وہ کسی چیز کے چھوڑنے کا حکم صرف اسی لئے کرتا ہے' تاکہ اس سے زیادہ نفیس چیز اس کو دے' تو ایسے شخص کا شیخ کی صحبت میں رہنا محض نفاق سے ہوگا اور ممکن نہیں کہ شیخ اس کو ان رازوں میں سے جن کے ساتھ وہ ترقی کرتا ہے' ایک راز پر بھی مطلع کردے اور جو شخص فقراء کے اسرار معلوم کرنے کے بھی قابل نہیں اس کو گویا ان کی صحبت ہی نصیب نہیں ہوئی' اسی لئے بعض لوگ شیخ کامل کے پاس تیس برس سے زیادہ تک رہتے ہیں اور ان کو شیخ کے اخلاق سے کچھ بھی نفع حاصل نہیں ہوتا' جس کی علامت یہ ہے کہ ایسے لوگ شیخ کی وفات کے بعد خانقاہ سے نکل کر مشائخ وقت کی آبرو کترتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے شیخ کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑا کہ اس کے بعد ہم کسی دوسرے کے محتاج ہوں اور یہی علامت ہے ان میں غضب الٰہی کے مستحکم ہو جانے کی' اگر وہ غضب الٰہی سے سالم رہتا تو ہر صوفیانہ لباس پہننے والے کے سامنے پست ہو جاتا' بوجہ خرقہ مشائخ کی تعظیم کے۔

شیخ عبدالرحیم قناوی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک کتا آپ کے سامنے آیا تو آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے' لوگوں نے اس کی بابت آپ سے عرض کیا تو فرمایا کہ دیکھو اس کی گردن میں کیا ہے؟ دیکھا تو اس کی گردن میں کسی درویش کے جبہ کا ٹکڑا تھا۔

ایک بار سیدی ابوالسعود الجارحی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے صوفیہ کرام کے اسرار کی بابت سوال کیا' (کہ کچھ بیان فرمائیں) آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے تمہارا ہوا نکالنے میں تو اعتبار نہیں' پھر اہل طریق کے اسرار کی بابت میں تمہارا کیونکر اعتبار کر سکتا ہوں۔ اور اسی واسطے بعض مشائخ دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ کو تعلیم و تلقین فرماتے ہیں' جن میں سے ایک بھی کامیاب نہیں ہوتا' کیونکہ لوگوں میں صدق و خلوص

نہیں رہا۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۲) دنیا کی کسی چیز پر مزاحمت اور جھگڑا نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم دنیا کی کسی چیز پر مزاحمت (اور جھگڑا) نہ کریں' کیونکہ دنیا پر جھگڑنے سے دلوں میں دشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے' خصوصاً وہ چیزیں جن میں شان ریاست ہے جیسے تعلیم و تدریس اور اپنے پاس رہنے والوں سے عہد لینا اور بیعت کرنا اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ جو چیز تم کو بواسطہ نزاع اور جھگڑے کے حاصل ہو وہ دنیا ہے اس میں غور کرو' یہ ایسی سچی ترازو ہے جو ایک ذرہ پر بھی جھک جائیگی' کیونکہ آخرت کے جو کام خالص ہوں جنہیں دنیوی قصہ کوئی نہ ہو ان میں نزاع اور مزاحمت نہیں ہو سکتی مثلاً دن کو روزہ رکھنا' رات کو تہجد کی نماز پڑھنا اور مقروض کی طرف سے مال وزن کر کے ادا کر دینا' ان کاموں میں ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ کسی سے جھگڑتا ہو یا اس کی شکایت حاکم یا غیر حاکم سے کرتا ہو (پس جن کاموں میں منازعت و مزاحمت کی نوبت آتی ہے' سمجھ جاؤ کہ ان میں دنیا کی ضرور آمیزش ہے' خالص عمل آخرت ہوتا تو نزاع کا اس میں نام بھی نہ ہوتا)۔

اور اگر انسان کو یہ خواہش نہ ہو کہ اس کے شہر میں طرف اسی کی شہرت ہو' تو وہ اس شخص سے کبھی پریشان نہ ہوتا جس کی طرف اسے چھوڑ کر لوگ متوجہ ہو جائیں اور اس کی تعظیم کرنے لگیں اور اگر وہ دنیا سے بے رغبت ہوتا تو اس شخص سے بہت خوش ہوتا جو اس کے شہر میں ایسا مشہور ہو گیا ہو کہ یہ اس کے سامنے گمنام ہو گیا ہو۔

اور مشائخ کا قول ہے کہ صدیقین کے سروں میں سے سب سے پیچھے حب ریاست نکلتی ہے' کیونکہ مخلوق کسی درویش کی تابعدار مجاہدہ پورا کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے' اس وقت اس کو ریاست حاصل ہو سکتی ہے۔ تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ ریاست کی محبت اپنی طبیعت سے نکال دے اور سیدی الشیخ ابو العباس عمری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ محبت ریاست طالب کے ظہور (یعنی ترقی فیض) کو روکتی ہے۔

(۱۳) عبادات شرعیہ پر تنخواہ نہ لیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم مسجد کی نگہبانی پر اور درس و تدریس پر اور خطبہ خوانی و امامت پر اور اذان و روشنی اور فرش بچھانے پر اور تجوید و قرأت سبعہ پر اور بچوں کو قرآن شریف پڑھانے پر اور جو ان کے سوا عبادات شرعیہ ہیں کسی پر تنخواہ نہ لیا کریں' مگر جب کہ اس کے سوا اور کوئی صورت ہماری آمدنی کی نہ ہو (لے لیا کریں) یہی یہ حدیث" احق ما اخذ تم علیه أجر اکتاب الله "(۱) یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان سب میں زیادہ مستحق اجر لینے کا قرآن ہے' تو یہ اس عہد کے منافی نہیں' کیونکہ حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اجرت سے مراد ثواب آخرت ہو' علاوہ ازیں یہ کہ اس حدیث سے اجرت لینا مستحب تو نہیں معلوم ہوتا (صرف جواز مفہوم ہوتا ہے) اور چند احادیث سے ان کاموں کا صرف ثواب سمجھ کر کرنا مستحب معلوم ہوتا ہے' کیونکہ یہ کام در حقیقت رضا الٰہی یا ثواب آخرت ہی حاصل کرنے کے لئے مشروع ہوئے ہیں۔

اور طالب کے لئے تنخواہ لینے میں (طلب دنیا سے) خلاصی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کام کو محض رضا الٰہی و ثواب اخروی کی نیت سے کرے' پھر وظیفہ مقررہ کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے عطیہ سمجھ کر لے لے اور اس طریق پر سچے طور سے کاربند ہونے کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر وقف کی آمدنی پر کسی کا قبضہ ہو جائے (اور تم کو نہ ملے) جب بھی تم اپنے منصب کو اسی طرح ادا کرتے رہو اور کام کو اوندھا نہ کر دو اور اس میں کسی قسم کی گرانی تمہاری طبیعت پر آمدنی بند ہونے سے نہ ہو اور ناظر وقف اور آمدنی وصول کرنے والوں کی ان باتوں میں کسی سے شکایت نہ کرو' یہاں تک کہ اپنے دوستوں' شاگردوں سے بھی نہ کرو چہ جائے کہ حکام تک نوبت پہنچے' اگر تم سے یہ باتیں سرزد ہوئیں تو جان لو کہ تم اس مقام کے لوگوں میں نہیں ہو۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی اور شیخ محی الدین نووی اور ایک

(۱) ارواء الغلیل للالبانی ۵: ۳۱۷۔ مرتب

جماعت مشائخ کی جن کا ہم نے طبقات میں ذکر کیا ہے' اسی قدم پر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

پھر (!) یہ تو بہت ہی بے ہودہ بات ہے جو (آج کل) امام اور خطیب اور موذن وغیرہ کرتے ہیں کہ تنخواہ بند ہو جانے پر اپنے کام کو اوندھا سیدھا کرنے لگتے ہیں' (ڈھنگ سے نہیں کرتے) اس میں اسلامی شعار کے باطل اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ غفور رحیم۔

(۱۴) کفار اور ظالموں اور فاسقوں کے ہدایا نہ قبول کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کفار اور ظالمین اور فاسقین کے ہدایا ہم نہ کھایا کریں (مگر جبکہ کوئی ایسی مصلحت ہو جو اسی کے مقتضی ہو) کیونکہ جب حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام سے پہلے جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تو

(۱) حضرت حکیم الامت نے اس مقام پر فرمایا کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے ایک مرتبہ درس و تدریس پر تنخواہ لینے سے اپنے طبیعت کی الجھن میرے سامنے ظاہر فرمائی کہ اس سے طبیعت کو سخت نفرت اور پریشانی ہوتی ہے کیونکہ یہ تو صاف دین فروشی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں تنخواہ لینی چاہئے' کیونکہ تنخواہ لے لینے سے کام اچھی طرح ہوتا ہے اور اسکا بار طبیعت پر رہتا ہے اور بدون تنخواہ لئے کام کا بار نہیں ہوتا۔ کہنے لگے کہ تنخواہ لینے میں یہ مصلحت تو ہو گئی' مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے؟ کہ اس میں دین فروشی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی ایک پہچان ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص کو ایک جگہ سے اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ وہ اس کے گذارہ کے لئے کافی ہے' پھر دوسری جگہ سے اس سے زیادہ تنخواہ آنے لگے اور جس جگہ گزار کے موافق تنخواہ ملتی ہے' وہاں دین کی خدمت بھلی اسکے ہاتھ سے زیادہ ہو رہی ہے اور جہاں تنخواہ زیادہ آتی ہے وہاں دینی خدمت بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر یہ شخص زیادہ تنخواہ کی جگہ پر چلا جائے تو یہ بے شک دین فروشی ہے اور معلوم ہو گا کہ اس کو تنخواہ ہی مطلوب ہے، خدمت دین مطلوب نہیں اور اگر وہ قلیل تنخواہ پر قناعت کیئے رہے تو یہ دین فروشی نہیں، اس کو تنخواہ لینا حلال ہے اور مثل رزق قاضی وغیرہ کے ہے' البتہ اگر قلیل تنخواہ پر گذارہ نہ ہوتا ہو اس وقت زیادہ تنخواہ پر چلا جانا دین فروشی میں داخل نہ ہو گا' اس جواب کی تائید علامہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ فللہ درہ من حکیم ۱۲ مترجم

حضور ﷺ نے یہ فرما کر واپس فرمادیا تھا ''نحن لانقبل ہدایا المشرکین''(۱) کہ ہم مشرکین کے ہدایا قبول نہیں کیا کرتے' نیز ان لوگوں کے ہدایا کھانے سے مجبوراً دل کو ان کی طرف میلان ہوگا' چنانچہ اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے ''جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا''(۲) محسن کی محبت فطرتاً قلوب میں رکھی ہوئی ہے اور فطری بات کا قلوب سے نکلنا سخت دشوار ہے' اس لئے خواہ مخواہ میلان ہی ہوگا اور ایسے لوگوں کی طرف دل کا مائل ہونا ان کے افعال کی کراہت کو کم کرکے کسی قدر ان کے افعال کو خفیف سمجھنے کا سبب ہوگا اور یہ بہت ہی سخت بات ہے کہ جو کہ بڑا وبال ہے' ہاں اگر قبول کرنے پر کوئی مصلحت (دینی) مرتب ہو تو قبول کرلینا چاہئے جیسا کہ حضور ﷺ نے مقوقس شاہ سکندریہ کا ہدیہ باوجود اس کے کفر کے قبول فرمالیا تھا اگرچہ (یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ) وہ اہل کتاب میں سے تھا۔ واللہ غفور رحیم

(۱۵) جب مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو پہلے سے زیادہ شیطان سے ڈرتے رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو شیطان سے پہلے سے زیادہ ڈرتے اور بچتے رہیں' کیونکہ جب بندہ ترقی کرکے دربار خداوندی سے قرب حاصل کرتا ہے تو اس کی دشمنی بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کے لئے لشکر زیادہ تیار کرتا ہے۔

اور اس عہد سے طالبین بہت کم خبردار ہیں' وہ تو جب اپنے نفس کو دیکھتے ہیں کہ ترقی کرنے لگا یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ بس اب شیطان پیچھے لوٹ گیا اور یہ اس سے

(۱) ان الفاظ کے ساتھ بندہ کو حدیث نہیں ملی البتہ المعجم الکبیر ج ۳/ ۳۰۹۴ میں ''لا اقبل ھدیۃ مشرك'' اور ج ۳/ ۳۱۲۵ میں ''انا لانقبل من المشرکین شیئا ولکن ان شئت اخذتھا منك بالثمن'' موجود ہے۔ مرتب

(۲) کنز العمال ج ۱۶/ ۴۴۱۰۲۔ م

محفوظ ہو گیا' (حالانکہ یہ خیال غلط ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے وسوسے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں سے کبھی منقطع نہیں ہوتے' بلکہ اس وقت ایسے دقیق اور باریک وساوس قلب میں ڈالتا ہے جن کو بجز اس شخص کے کہ خدا نے اس کو ہدایت دیدی ہو کوئی نہیں سمجھ سکتا' اس کا بہت خیال رکھو (پس حصول نسبت کے بعد بھی سالک کو بے فکر نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اب تو نسبت حاصل ہو گئی اب شیطان کیا کر سکتا ہے؟ یاد رکھو! حصول نسبت کے بعد علاوہ معصیت کے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ مقرباں رابیش بود حیرانی (۱)۔

(۱۶) جب تک ایثار نفس کامل طور پر حاصل نہ ہو والدین و مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہمیں ایثار نفس کا مرتبہ کامل طور پر نہ حاصل ہو جائے' اس وقت تک اپنے والدین و مشائخ کے ساتھ ایک برتن میں نہ کھایا پیا کریں' البتہ اگر اس برتن میں کھانا سب ایک ہی قسم کا ہو جسکے سب حصے یکساں ہوں اور کوئی اعلیٰ و ادنیٰ نہ ہو تو خیر' کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے باپ ماں یا بزرگ کی نگاہ کسی بوٹی پر پڑے یا وہ کوئی عمدہ دانہ چھوارے یا انگور کا جو کہ بہت شیریں ہو' اچھی طرح پک چکا ہو' کھانے کا ارادہ کریں اور بے خبری میں اسے ہم کھالیں تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے' کیونکہ یہ بات کمال احسان کے خلاف ہے جس کا اس آیت میں حکم کیا گیا ہے "وبالوالدین احسانا" (۲) والدین کے ساتھ پورا احسان کرو۔ اور والدین کے حکم میں چچا بھی داخل ہے' کیونکہ حدیث میں وارد ہے "ان العم اب" (۳) کہ کہ چچا بھی باپ ہے۔

---

(۱) مقربین کو زیادہ حیرانی ہوتی ہے م

(۲) الاسرآء/۲۳

(۳) "ان العم اب" کے الفاظ کے ساتھ مجھے حدیث نہیں ملی البتہ "ان عم الرجل صنو ابیہ" مشہور حدیث کنزالعمال ج ۱۳/ ۵۵ ۷۳ ۳ و ج ۱۶/ ۶۸ ۵۴ ۴ میں موجود ہے۔ مرتب

ایسے ہی جن لوگوں کو آیت شریفہ میں والدین کے ساتھ عطف کر کے بیان کیا گیا ہے' ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنا چاہئے جیسے قرابت والے اور یتیم بچے اور مساکین وغیرہ' کیونکہ احسان کا حکم ان کے ساتھ بھی وارد ہے۔

اور ہم کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سے اپنے نفس کی نگہداشت شروع کی اس وقت سے کبھی اپنی والدہ کے ساتھ کھانا نہیں کھایا' لوگوں نے سوال کیا تو فرمایا: مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کسی لقمہ پر میری والدہ کی نگاہ مجھ سے پہلے پڑ گئی ہو اور بے خبری میں اسے میں کھا لوں۔

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) کہ اگر ماں باپ یا جو لوگ آیت میں ان کے ساتھ مذکور ہیں دیکھتے نہ ہوں۔ مثلاً نابینا ہوں یا اندھیرا ہو رہا ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے ان کا احساس زائل ہو گیا ہو یا یتیم بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ اس کو عمدہ اور نفیس کھانوں کی تمیز نہیں' تو ایسے وقت میں ان کے ساتھ کھانے میں مضائقہ نہیں' بشرطیکہ ایثار کی پوری رعایت رکھیں اور پرکھنے والا خود ہی جان لے گا' اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو' اس کی برکتیں نصیب ہوں گی اور اللہ تمہیں ہدایت کرے۔

(۱۷) علماء اسلام اور صوفیہ کرام کی طرف سے خوب جواب دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ علماء اسلام اور صوفیہ کرام کی طرف سے اپنی طاقت اور کوشش کے موافق خوب جواب دیں۔ اور جو لوگ ان پر طعن کرتے ہیں ان کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں' جب کہ ہم جانتے ہیں کہ ان پر طعن اسی شخص نے کیا ہے جو ان کے مراتب پہچاننے سے قاصر ہے' پھر یہ خوب یاد رکھو! کہ جو شخص ایسے لوگوں پر طعن کرتا ہے اس کا نور (قلب) بجھ جاتا ہے اور اس کی تصانیف سے بالکل فائدہ نہیں ہوتا' کیونکہ اس نے ایسے لوگوں کی بے ادبی کی جن کو حق تعالیٰ شانہ نے قیامت تک کے لئے اپنے بندوں کا پیشوا بنایا ہے۔

بھلا ایک معمولی آدمی کے مرتبہ کو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبہ سے کیا نسبت؟ جو وہ امام کے اقوال کی تردید پر جرأت کرے اور ابن جوزی کے مرتبہ کو معروف کرخی اور جنید و شبلی اور ابو یزید بسطامی اور سہل بن عبد اللہ تستری اور جو ان کے مثل بزرگان طریق رحمہم اللہ ہیں ان کے مرتبہ سے کیا نسبت؟ جو وہ ان پر رد کرنے کو تیار ہو گئے' اور اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھ گئے کہ میری جان کی قسم! ان صوفیوں نے تو شریعت کے فرش کو بالکل طے کر کے رکھ دیا' کاش کہ یہ لوگ صوفی نہ بنتے۔

اور اسی کتاب کے ایک دوسرے موقعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ صوفی لوگ تو درجہ جنون سے بھی چند طبقے آگے بڑھ گئے' اور اس کتاب میں انہوں نے سیدنا ابو یزید بسطامی و سہل بن عبد اللہ تستری اور شبلی اور امام غزالی اور ایک جماعت کی جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کی تکفیر صاف صاف لکھدی۔ اور بہت ہی عجیب بات ہے کیونکہ یہی حضرات تو اولیاء کرام میں بڑے بڑے پیشوا اور امام ہیں جو کہ شریعت و طریقت کے جامع ہیں (یہ بھی کافر ہوں گے تو پھر مسلمان کون رہا؟) اور خود ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی تمام کتب رقائق کو (جن میں زہد و اخلاق کے عبرت آمیز مضامین ہیں) ان حضرات کے مناقب سے اور ان کی حکایات سے آراستہ کیا ہے' پس شاید یہ خیال بد گمانی کا ان کو ابتدائی حالت میں رہا ہو (پھر بعد میں رائے بدل گئی اور حسن ظن پیدا ہو گیا ہو) یا کہ یہ باتیں کسی دشمن نے ان کی کتاب میں ملحق کر دی ہوں۔

اور اے عزیز! خوب جان لو کہ ہم نے علماء با عمل میں سے کسی کو نہیں سنا کہ وہ ائمہ اسلام میں سے کسی کے بھی تردید کے درپے ہوئے ہوں' بلکہ وہ تو ان کی طرف سے کوشش کر کے اچھے اچھے جوابات بناتے تھے جیسا کہ شیخ عالم محقق جلال الدین محلی رحمتہ اللہ علیہ نے ''شرح منہاج نووی'' میں کیا ہے کہ مصنف کے کلام کو اچھی سے اچھی محمل پر حمل کرتے ہیں اور کبھی مصنف پر اعتراض یا غصہ ظاہر نہیں کرتے' بلکہ اچھی طرح ان کی باتوں کو بناتے ہیں یہاں تک کہ آج کل اکثر طلبہ نووی رحمہ اللہ علیہ کی باتوں کا جواب

نہیں جانتے (بلکہ شارح کی توجیہ کی وجہ سے ان کو صحیح اور پختہ سمجھتے ہیں) حق تعالیٰ ان اہل انصاف کو جزائے خیر دے۔

اور جنید و غزالی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں ائمہ طریق اور علماء اسلام شہادت دے چکے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں' اب جو کوئی ان پر طعن کرتا ہے وہ آفتاب پر خاک ڈالنا چاہتا ہے' حالانکہ وہ صاف چمک رہا ہے کہ ذرا سی بدلی بھی اس کے سامنے حائل نہیں' کیا وہ چھپکلی کی پھونک سے پہاڑوں کو ہلانا چاہتا ہے؟ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ نے امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت شہادت دی ہے کہ وہ بڑے صدیقین میں سے ہیں۔ یہ شہادت اتنے بڑے شیخ کی زبان سے امام غزالی کی فضیلت کے لئے کافی دلیل ہے۔ اور شیخ محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ علوم ظاہرہ و باطنہ میں پورے تبحر تھے' پھر بھی کتاب ''احیاء العلوم'' کا مطالعہ کیا کرتے اور اس سے مستفید ہوتے تھے اور ان کی طرف سے اچھے اچھے جوابات دیا کرتے تھے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ شریعت میں اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ اپنے سب ہمعصروں پر سبقت لے گئے' یہاں تک کہ آپ کا لقب حجۃ الاسلام پڑ گیا اور آج مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان کی کتابوں پر علماء رجوع کرتے ہیں اور انہیں سے فتویٰ دیتے ہیں اور بعض عارفین نے (روحی فداہ) سیدنا رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) کو امام غزالی کے ساتھ دیگر انبیاء علیہ السلام پر فخر و مباہات فرماتے ہوئے دیکھا ہے کہ حضور ﷺ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: کہ آپ کی امت میں بھی کوئی عالم غزالی جیسا ہے؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں۔ اور علماء مغرب میں سے ایک عالم کو امام غزالی سے انکار تھا اور انہوں نے کتاب ''احیاء العلوم'' جلادی تھی' تو خواب میں اسی عالم نے حضور سیدنا رسول اللہ ﷺ (روحی فداہ) کو دیکھا کہ آپ ان سے چہرۂ مبارک پھیرے ہوئے ہیں' پھر حضور ﷺ نے کسی کو ان کے کپڑے اتارنے کا حکم دیا اور وہ عالم حضور ﷺ کے سامنے کوڑوں سے مارے گئے' پھر وہ عالم جب خواب سے

بیدار ہوئے تو اپنے پہلوؤں پر کوڑوں کی اثر پائے جو کہ مرتے دم تک باقی رہے، پھر ان عالم صاحب نے اس گستاخی سے توبہ کی اور کتاب "احیاء العلوم" کو سونے کے پانی سے لکھوایا، خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائیں۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ (۱) فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کو کسی شخص کی نسبت یہ بات معلوم ہو کہ اس نے کسی مسئلہ میں غلطی کی ہے، تو اول اس سے ملو، اگر وہ غلطی کا انکار کرے تو اس کی تصدیق کرو اور اس کے بعد اس غلطی کی نسبت اس کی طرف کرنا جائز نہ ہو گی۔ اور اگر تم اس سے نہ مل سکو تو اس کے قول کو ستر طریقوں سے بناؤ اور صحیح معنے پر حمل کرو، اگر اس پر بھی تمہارے نفس کو تسلی نہ ہو تو اسی کو ملامت کرو اور کہو کہ میرے بھائی کا کلام ستر صورتوں کا احتمال رکھتا ہے اور تو ان میں سے ایک صورت پر بھی اس کو حمل نہیں کرتا۔

پس اس قول سے معلوم ہوا کہ ہم کو اپنے کسی ہمعصر کی تنقیص محض اس کی نسبت کوئی بات سننے سے جائز نہیں ہو سکتی، بلکہ ہم کو انتظار کے بعد تحقیق کرنی چاہئے اور ان سے ملنا چاہئے یا کم از کم خط و کتابت کرنی چاہئے پس یا تو وہ اس بات کا اقرار کر لیں گے یا انکار کریں گے، اگر وہ اس بات کا اقرار کر لیں (جو کہ ان کی نسبت ہم کو پہنچی تھی) تو ہم کو کوئی صورت اس کے مسلک کی صحیح اور صواب ہونے کی اپنے ذہن میں تلاش کرنی چاہئے اور اس کو علماء کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور اگر علماء اس کے مسلک کو کسی صورت سے صحیح تسلیم کر لیں تو ہمیں بھی اس کا قائل ہونا چاہئے۔ اور اگر علماء اس کے مسلک کو کسی صورت سے نہ پسند کریں اور سب کے سب اس سے انکار کریں تو ہم کو غور کرنا چاہئے کہ وہ ہمعصر اس کے بعد کیا کرتا ہے، اگر وہ اپنی غلطی سے انکار کرے تو ہم کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہئے کیونکہ اب وہ اپنے دین کی طرف رجوع کر چکا اور اگر وہ اپنی اس غلطی ہی پر جما رہے تو اس وقت ہم کو اس کی بات کی اشاعت جائز ہو گی (اور یہ کہنا جائز ہو گا کہ

(۱) آج کل کے علماء کو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد میں غور کرنا چاہئے، افسوس ہم نے اس طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا۔ الا ماشاء اللہ۔ ۱۲ مترجم

فلاں شخص نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے' مگر یہ اشاعت محض) اس شخص پر اور اس کے تبعین پر شفقت ظاہر کرنے کے لئے ہونی چاہئے (کہ شاید اس طرح وہ اپنی غلطی سے رجوع کرے یا اگر اس نے رجوع نہ کیا تو مسلمانوں کو تو اس کی غلطی کا علم ہو جائے گا' تو وہ اس غلطی سے محفوظ رہیں گے) بغض و عداوت اور شفاء غیظ کے طریقہ سے اس کی غلطی کا اظہار نہ کرنا چاہئے (اور سمجھ دار شخص دونوں طریقوں میں بخوبی امتیاز کر لے گا)۔

اور اس بات کی آج کل لوگوں میں بہت ہی کمی ہے' کیونکہ آج کل ہمعصروں میں حسد اور کینے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ اگر کسی ہمعصر کی نسبت کوئی بات سنتے ہیں تو اس کی تحقیق کبھی نہیں کرتے (فوراً اس کے درپے ایذا ہو جاتے ہیں) اور تحقیق نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ مبادا تحقیق کے بعد یہ بات کہیں غلط نہ ثابت ہو جائے' تو پھر وہ غرض نفسانی یعنی ایذاءرسانی حاصل نہ ہو سکے گی اور آج کل لوگ جھوٹ باتیں کثرت سے سنتے ہیں' کیونکہ لوگوں کی آبرو میں پڑنے سے آج کل احتیاط بہت کم کی جاتی ہے۔

سیدی عبدالعزیز دیرینی رحمتہ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوتا کہ کسی نے ان کی غیبت کی ہے' تو اس سے (شفقت کے ساتھ) فرمادیا کرتے کہ اے بھائی! تو نے میرے گناہ اپنی پشت پر کیوں لادے؟ تم کو وہی گناہ بہت تھے جو تم خود اپنی پشت پر پہلے سے لادے ہوئے ہو۔

میں کہتا ہوں کہ لوگوں کی آبرو میں پڑنے کا ادنی نقصان یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ لوگ اس غیبت کرنے والے کے نیک اعمال میں پورے مختار ہوں گے' اگر ان میں سے کوئی کہنے لگے کہ میں تو اس غیبت کے بدلے اس شخص کے سارے اعمال لوں گا اور اس کے بغیر راضی نہ ہوں گا' تو اس کو غیبت کرنے والے کے سارے اعمال دلا دیئے جائیں گے' پس جو شخص کہ ایک مفلس آدمی کو اپنے اعمال میں بااختیار بنادے اس سے بڑھ کر بیوقوف بھی کوئی ہو گا؟

اور یاد رکھو! بعض دفعہ عالم اپنی تصنیف میں کوئی بات لکھتا ہے یا پڑھاتے ہوئے کہتا ہے' پھر اس سے بعد میں یا اسی مجلس میں رجوع کر لیتا ہے' پس کسی دیندار کو ایسی بات کی نسبت

اس عالم کی طرف اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ اس سے دوبارہ مراجعت نہ کرے اور یہ نہ معلوم کرلے کہ اس وقت اس کی کیا رائے ہے اور اب اس کے علم میں اس مسئلہ کے متعلق کیا بات ہے اور اس بارے میں بہت لوگ تباہ ہوگئے ہیں کہ بعض مصنفین کی طرف سے انہوں نے وہ باتیں شائع کردیں جن سے کہ وہ رجوع کرچکے تھے اور تحریف کر کے ان کی طرف وہ باتیں منسوب کردیں جن کے اعتقاد و عمل سے وہ بالکل بری تھے' چنانچہ خود مجھے یہ واقعہ پیش آیا کہ چند مسائل میری طرف سے مصر میں مشہور ہوگئے' جن کا مجھے علم و شعور بھی نہ تھا اور نہ مجھے اس شہرت کا پتہ پہلے پہل چلا اور کسی نے بھی مجھ سے ان مسائل میں مراجعت نہیں کی. واللہ غفور رحیم.

(۱۸) بعبارت عربی جس کا مطلب سمجھ میں نہ آیا علماء ملاحظہ کریں

(۱)(اخذ علینا العهود) ان لا نا كل من المسامیح علی الوجه الذی یعمله الناس فیها الیوم من الحیلة فانه معدو د عنه العارفین من جملة اكل اموال الناس بالباطل وذلك لان الدكان الذی یوجر الجزار اوالمعصرة التی توجر للمعا صری كل یوم بثلاثین نصفا مثلاً لولا توفرما كان یا خذه صاحب حملة الوزر ما اعطی الجزار اوالمعاصری فی كراء الدكان اوالمعصرة كل یوم ثلاثین نصفا ولو حبس وضرب اوان شككت فی قولی فجرب وكان صاحب المسموح یقول للجزار اعطنی ما كان اصحاب الوزریا خذ ونه منك واجعلنی مكانهم ولكن من اراد الحل فلیشتر الذبیحة علی ذمته اوالسمسم بمال حلال لا بما اجتمع عنده من مال المسموح ثم یذبح علی ذمته ویعصر السمسم علیٰ ذمته. واللہ علیم حكیم.

---

(۱) اس عہد کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس لئے بعینہٖ نقل کردیا گیا۔ اہل علم اس میں غور فرمائیں اگر کسی کو صحیح مطلب منکشف ہوجائے، احقر کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ اس میں علامہ نے اپنے زمانہ کی کوئی خاص صورت معاملہ کی ناجائز بتلائی ہے۔ وہ صورت معاملہ سمجھ میں نہیں آئی کہ کس طرح ہوتی تھی' اس لئے تکلف کر کے ترجمہ کی بھی حاجت نہ سمجھی۔ وما انا من المتكلفین. ۱۲ ظ

(۱۹) مال وقف سے ضیافت قبول نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں مال وقف سے ضیافت قبول نہ کریں(۱)، کیونکہ پہلے زمانہ میں کاشتکار اپنے مشائخ واساتذہ کی خدمت میں زمین وقف سے ضیافت وہدایا اس لئے بھیجتے تھے کہ وہ مشائخ وغیرہ بھی ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہتے تھے، کبھی ان کو کپڑے دیدیتے، کبھی اور کوئی چیز دیدیتے اور آج کل یہ بات اس طرح مفقود ہوئی ہے گویا پہلے زمانہ میں اس کا وجود ہی نہ تھا، پس آج کل دیندار عالم یا فقیر کو زمین وقف کے کاشتکاروں سے ضیافت قبول نہ کرنی چاہئے، مگر یہ کہ سلف کی طرح خود بھی ان کے ساتھ احسان کرتا رہتا ہو یا قیمت ادا کر کے پھر قبول کرے، اگر ایسا نہ کیا تو اس نے حرام مال کھایا اور جو گوشت کہ حرام مال سے نشو ونما پائے، جہنم اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

اور اس عہد پر عمل آج کل بہت ہی کم ہو گیا اور دیکھنے والے مشتبہ مال کھانے میں ایک دوسرے کی تقلید کرنے لگے۔

---

(۱) اس کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مصر وغیر میں علماء کے لئے زمینیں وقف ہیں جو کاشتکاروں کو لگان پر دیجاتی ہیں اور لگان وصول کر کے اس میں سے علماء ومشائخ کی تنخواہیں دیجاتی ہیں، تو ان زمینوں کے کاشتکار کبھی ان علماء ومشائخ کی ضیافت ودعوت بھی کیا کرتے تھے، چونکہ یہ رواج عام ہو گیا تو ایک زمانہ میں مثل لگان کے دعوت بھی کاشتکاروں کے ذمہ ضروری سمجھی جانے لگی۔ پہلے زمانہ کے علماء تو دعوت قبول کر کے ان کے ساتھ احسان وسلوک بھی کر دیتے تھے، علامہ کے زمانہ میں چونکہ اس کا رواج عام تھا اس لئے دعوت کو کاشتکاروں کے ذمہ ضروری سمجھا جاتا تھا اور اس کا بدلہ احسان وسلوک سے کوئی نہ کرتا اور ظاہر ہے کہ رواج پڑ جانے کے بعد خلوص نہیں رہا کرتا، ضرور گرانی ہوتی ہے اس لئے اس سے بچنے کا عہد لیا گیا۔
آج کل بھی اس کی ایک نظیر موجود ہے۔ بعض دیہات میں طلبہ کی دعوت رساول کے زمانہ میں بالالتزام ہوتی ہے جس میں سارا گاؤں شریک ہو کر سامان کرتا ہے، اول اول تو خلوص سے شروع ہوتی ہے، پھر التزام کی وجہ سے ضرور گرانی ہوتی ہے، اس کا ضرور خیال کرنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

(۲۰) اگر چاندی سونے کے ڈھیر پر گذر ہو تو اس میں سے ایک دن کی خوراک سے زیادہ نہ لیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم چاندی سونے کے ڈھیروں پر گذریں جن کا نہ دنیا میں کوئی مطالبہ کرنے والا ہو نہ آخرت میں اس کا کوئی حساب ہو' تب بھی اس میں سے بجز اس دن کی خوراک کے زیادہ نہ لیں اور اگر کوئی گدھا سونے سے لدا ہوا ہمارے گھر میں گھس آئے تو ہم کو چاہئے کہ اس کو نکال دیں اور گھر کا دروازہ بند کرلیں اور اپنے لئے اس میں سے کچھ نہ لیں' البتہ کسی دوسرے کی نیت سے لے لیں تو مضائقہ نہیں۔

سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا ابلیس کی بیٹی ہے' پس جو کوئی ضرورت سے زیادہ دنیا لے گا وہ شیطان کا داماد بن جائے گا اور اس کے پاس شیطان کی آمدورفت اپنی بیٹی کی وجہ سے زیادہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ لینے کی مثل دنیا کی آرزو کرنا بھی ہے' کیونکہ آرزو کرنا مثل پیغام بھیجنے کی ہے اور پیغام بھیجنے کے بعد بھی داماد خسر میں ملاقات اور آمدورفت عادۃً ہونے لگتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جس نے ابلیس کی بیٹی سے نہ نکاح کیا' نہ اس کو پیغام بھیجا' ابلیس اس کے پاس نہیں پہنچ سکتا' چنانچہ انبیاء علیہ السلام کے پاس شیطان نہیں پہنچ سکتا۔

اور اس عہد پر پوری طرح عمل کرنے والوں میں سے فضیل ابن عیاض اور امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہم تھے اور اس عہد سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ فقراء کاملین کیمیا بنانے اور مطالب و مقاصد بتلا کر روپیہ پیسہ لینے سے مستغنی ہوتے ہیں' کیونکہ جب وہ بے محنت و مشقت ملنے والے سونے کے ڈھیروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ نہیں لیتے' تو ان کی نسبت یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی جانوں کو کیمیا بنانے کے لئے جڑی بوٹیاں یا دھونکنی دوائیں خریدنے کی یا مقاصد و مطالب کے لئے مٹی کھودنے کی مشقت میں ڈالیں گے تاکہ اس ذریعہ سے یہود و نصاریٰ کے گندے مال اور ان کی خیرات وصول کریں جو کہ مطالب معلوم کرنے کے لئے الگ رکھتے ہیں۔

اور اے عزیز! خوب سمجھ لے کہ اس عہد پر عمل کرنا درویشوں کے اخلاق میں سے ایک ادنیٰ بات ہے' کیونکہ وہ آخرت کی محبت صحیح طور پر اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ دنیا سے بے رغبت نہ ہو جائیں جیسا کہ دنیا کی محبت کامل اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ماسوا سے بے رغبت نہ ہو جائیں' اس بات کو سمجھ لو اور اولیاء اللہ میں سے جو کوئی اس عہد کے ساتھ موصوف ہونے کا اظہار کرے اس کا ادب لازم سمجھو' کیونکہ انشاء اللہ وہ سچا ہو گا اور اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ یہ قیاس تمہارا غلط ہو گا۔ (کار پاکاں را قیاس از خود مگیر)(۱)

(۲۱) اپنے دل کو دنیا کی طرف متوجہ نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے دل کو دنیا کی طرف متوجہ نہ کریں اور اگر کسی کے ذمہ ہمارا دین ہو تو اس کے مطالبہ کی فکر نہ کریں' کیونکہ آخر وہ کس کا بندہ ہے' اور کس کی امت میں ہے' خدا اور رسول کی عظمت کا خیال کر کے کسی مسلمان سے تقاضا نہ کرنا چاہئے' ہاں جو کوئی بدون مانگے ادا کر دے اس سے لے لینا چاہئے اور خرچ کر لینا چاہئے اور جو نہ ادا کرے اس سے دنیا و آخرت میں مطالبہ نہ کرنا چاہئے۔

جس وقت حضور ﷺ اور آپ کے ایک رفیق نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ کے اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے اور وہ رفیق حضور ﷺ سے عرض کرتے کہ ہماری اجرت کا مطالبہ خدیجہ سے کیجئے' تو حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو شرم آتی ہے۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کو چاہئے کہ مدیون سے مطالبہ قرض کا اس نیت سے کرے کہ اچھا ہو یہ شخص مواخذہ آخرت سے چھوٹ جائے' اس نیت سے مطالبہ نہ کرے کہ میرے پاس روپے آئیں گے تو میں ان سے راحت پاؤں گا اور اگر کسی کی اس قدر ہمت ہو کہ مدیون سے اس دین کو معاف کر سکے تو وہ مواخذہ آخرت سے بچانے کی نیت سے بھی مطالبہ نہ کرے (بلکہ معاف ہی کر دے)۔

اور سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ جب کسی پر ان کا ایک درہم بھی قرض ہوتا تو

---

(۱) پاک لوگوں کے کام کو اپنے کام پر قیاس مت کرو۔ مرتب

مطالبہ میں بہت سختی کرتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ میں سختی اس لئے کرتا ہوں تاکہ یہ شخص لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں سستی نہ کیا کرے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب بندہ مقام عبدیت میں راسخ ہو جاتا ہے تو وہ اس بات کو ناگوار سمجھنے لگتا ہے کہ آخرت میں اللہ کے بندوں میں سے کسی پر بھی اس کا کوئی حق ہو' اور مقام عبدیت والا جب کسی وقف وغیرہ کا متولی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے حق تولیت کو ساقط کر دے (یعنی اس کا معاوضہ کچھ نہ لے) یا اپنا کوئی نائب مقرر کرے جو مال وقف کو قاعدہ کے موافق وصول کرے' مگر آمد و خرچ کی طرف خود اپنی توجہ صرف کرے تاکہ مصالح وقف ضائع نہ ہوں۔ واللہ واسع علیم

(۲۲) دنیا اور اس کی لذت کی طرف رغبت سے نہ دیکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دنیا اور اس کی شہوات ولذات کی طرف بے رغبتی کی نگاہ سے دیکھا کریں' رغبت کی نگاہ اس کی طرف نہ کیا کریں' کیونکہ دنیا اس بوسیدہ ہڈی کی مانند ہے جس پر بہت سے کتے چھینا جھپٹی کر رہے ہوں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے ہیں' پس جو کوئی دنیا میں رغبت کرے گا ضرور نجاست سے آلودہ ہو جائے گا اور اس کو کتے کاٹیں گے اور اس پر دانت نکال کر بھونکیں گے' پھر بڑی مصیبت جھیلنی پڑے گی۔

اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جب سے کہ دنیا کو پیدا فرمایا ہے ایک بار بھی اس کی طرف نظر نہیں فرمائی (۱)۔ یعنی دنیا اور طالبان دنیا کی طرف خوشی اور رضا کے ساتھ توجہ نہیں فرمائی' یہ مراد نہیں کہ تدبیر وارادہ کے طور پر بھی نظر نہیں فرمائی' کیونکہ مدبر و خالق تو دنیا کے بھی حق تعالیٰ شانہ ہی ہیں۔ خوب سمجھو۔

اور حدیث میں ہے کہ دنیا حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر نہیں (۲)۔ پس عارف حق تعالیٰ شانہ کے اخلاق کے ساتھ موصوف ہونے اور انبیاء واصفیا کے

---

(۱) احیاء علوم الدین ص ۱۹۸ ج ۳ قال العراقی : ابن ابی الدنیا ھذا الوجه بلا غا والبیھقی فی الشعب من طریقه وھو مرسل۔ مرتب

(۲) مجمع الزوائد ج ۱۰/۲۸۸' کنز العمال ج ۳/۶۱۳۲'۔ مرتب

اخلاق سے متصف ہونے کے وجہ سے دنیا کی طرف کبھی محبت سے نظر نہیں کیا کرتا۔ وہ دنیا میں تصرف کرتا ہے اور تدبیر کے ساتھ خرچ وغیرہ کرتا ہے' مگر دل اس سے خالی ہوتا ہے۔

اے عزیز! جو شخص اس عہد پر پوری طرح عامل ہوگا وہ کبھی اپنی دی ہوئی چیز کو زیادہ نہیں سمجھے گا' خواہ جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو' کیونکہ جو چیز مچھر کے پر سے بھی کم ہے' جب اس کو تمام اہل زمین پر تقسیم کیا جائے' بادشاہوں پر بھی اور غریبوں پر بھی' تاجروں پر بھی اور بازاریوں پر بھی' تو ہر شخص کو جو حصہ ملے گا اس کی مقدار ہی کیا ہوگی جو عارف کی نظر میں اس کی کچھ عظمت ہو کہ اس میں بخل کرے یا اس کو گھر میں اٹھا کر بند کر کے رکھے۔

اسی طرح اس عہد پر پوری طرح عمل کرنے والا زہد کو کچھ بڑی چیز نہ سمجھے گا' کیونکہ اس مچھر کے پر میں سے جس قدر اس کے حصہ میں آیا ہے وہ تو اتنا حقیر و قلیل جزو ہے کہ آنکھ سے نظر بھی نہیں آسکتا تو اس کا لینا اور چھوڑنا ہی کیا' پس گویا زاہد ایک معدوم چیز میں زہد کر رہا ہے' اس کو خوب سمجھو۔ واللہ غنی حمید۔

(۲۳) اپنی زمین کا لگان شاہی لگان کے برابر مقرر نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے پاس کچھ زمین وغیرہ ہو تو ہم شاہی لگان کے برابر لگان مقرر نہ کریں' بلکہ اپنے مرتبہ کے موافق اس سے کم لیا کریں' بادشاہ کے ادب کی وجہ سے (ایسا ہی کرنا چاہئے) اور اس ادب کی رعایت کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا بجز شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اپنے کارندہ کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ خراج شاہی سے ہماری زمین کا خراج کم لیا کرو۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو خراج شاہی کے برابر لگان دیا تو آپ نے زائد واپس فرمادیا اور کہا کہ فقیر کو اس بارہ میں بادشاہ کی برابری نہ کرنا چاہئے' کیونکہ اس کو تو خدا نے بندوں کی گردنوں اور زمینوں کا مالک بنایا ہے' فقیر کو تو نہیں بنایا اور حق تعالیٰ شانہ نے مجھے بھی اس عہد پر اپنی زمین کی آمدنی میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس کا بڑا احسان ہے۔

وللہ الحمد

(۲۴) اپنے نفس کے ساتھ اس قدر مجاہدہ کریں کہ ظاہر و باطن یکساں ہو جائے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے نفس کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ اس قدر کریں کہ ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہو جائے' (کہ جیسے ہم ظاہر میں نیک اعمال کرتے ہیں اسی طرح دل کو بھی امراض باطنہ سے پاک صاف رکھیں) اور اس میں ہر گز سستی نہ کریں (بلکہ ظاہر سے زیادہ باطن کے سنوارنے میں کوشش کریں)۔

اور (اس عہد پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت اس لئے ہے تاکہ) ہم صفت نفاق سے پاک صاف ہو جائیں (کیونکہ جو شخص ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہو وہ بھی ایک طرح کا منافق ہے' نیز اس کی اس لئے بھی ضرورت ہے' (کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو گویا) ہم نے لوگوں سے تو شرم و حیا کی کہ ان سے اپنی برائیوں کو چھپایا) اور خدا سے شرم نہ کی (کہ دل میں برائیوں کو جگہ دی' کیونکہ وہ تو دل کی حالت کو بھی ویسے ہی جانتے ہیں جیسے ظاہری حالت کو' پس اگر ہم کو حق تعالیٰ سے شرم و حیا ہوتی تو ہم ظاہر و باطن دونوں کو گناہوں سے پاک کرتے)۔

خضر علیہ السلام نے سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ کو ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ اس بات سے (ہمیشہ) بچو! کہ تم ظاہر میں تو خدا کے دوست بنو اور باطن میں دشمن (اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ ظاہر میں اولیاء اللہ کے کام کرتے رہو اور دل میں تکبر و حسد وغیرہ لئے بیٹھے رہو جو کہ دشمنان خدا کے کام ہیں) اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر اچھی طرح عمل کرو۔ خدا تعالیٰ تم کو ہدایت کرے۔

(۲۵) اپنے فیض اور توجہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں اور جائز گفتگو میں شامل کر دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب دسویں صدی کا نصب ثانی داخل ہو اور ہمارا فیض باطنی جاری ہونے لگے (اور یہ بات علامہ کے مشائخ کو کشفی طور پر معلوم ہو گئی ہو گی کہ ان کا فیض باطن فلاں وقت میں جاری ہو گا۔ اور اس لئے عہد میں وقت کو بھی بیان فرمایا) تو ہم اپنے فیض اور توجہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں اور ہر جائز گفتگو میں شامل کر دیں تاکہ جو اللہ کا بندہ ہمارا کھانا کھائے یا پانی پیئے یا بات سنے اس پر ہماری توجہ کا اثر اس طرح پڑ جائے کہ وہ مجبور نہ

ہو جائے (کیونکہ ایسا تصرف جس سے مرید مجبور ہو جائے خلاف سنت ہے' انبیاء علیہ السلام کا یہ طریقہ نہ تھا اور حقیقت توجہ کی یہ ہے کہ دل سے دعا اور آرزو کرنا کہ فلاں شخص کی حالت درست ہو جائے یا اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جائے اور اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ کر دینا تاکہ شیخ کے دل کے انوار مرید کے دل میں پہنچ جائیں' کبھی اس توجہ قلبی کا اثر مشائخ کے کھانے پینے کی چیزوں میں اور ان کی باتوں تک میں سرایت کر جاتا ہے کہ جو شخص ان کو استعمال کرتا یا سنتا ہے' اس کو نسبت مع اللہ حاصل ہو جاتی ہے (حضرت علامہ کی یہی شان معلوم ہوتی ہے) تو یہ چیزیں قائم مقام شیخ کے ہو جاتی ہیں (کیونکہ شیخ کی توجہ اور فیض ان میں رکھی ہوئی ہیں' ان کے استعمال سے وہی فائدہ حاصل ہو گا جو کہ خود شیخ کے متوجہ ہونے سے حاصل ہوتا)۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا' جب کوئی شخص خانقاہ میں آتا اور دریافت کرتا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟ تو آپ اس کو بٹھلاتے اور چوبدار کو حکم فرماتے کہ اس کے سامنے کھانا رکھو' پھر فرماتے کہ شیخ یہ ہے اس لئے بعض لوگوں کو یہ گمان ہوتا کہ حضرت شیخ بطور مزاح کے ایسا فرما رہے ہیں' ان کا گمان یہ ہے کہ خانقاہ میں اکثر لوگ صرف کھانے ہی کے واسطے آتے ہیں' حالانکہ حضرت شیخ بطور مذاق کے یہ بات نہ فرماتے تھے' بلکہ وہ واقعی بات کہتے تھے' کیونکہ مطلب آپ کا یہ تھا کہ شیخ سے مقصود کیا ہے؟ توجہ اور فیض فقط' سو یہ چیزیں شیخ نے کھانے پینے کی چیزوں میں رکھ دی ہیں' تو وہ کھانا پانی گویا کہ شیخ کی جسم و روح کی حقیقت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' اسی واسطے سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے (ما شیخ الا اللقیمۃ) کہ ہمارے یہاں تو شیخ لقمہ ہے۔ آمین۔

(۲۶) جب تک بستی میں اپنے سے زیادہ کوئی محتاج معلوم ہو اس وقت تک اپنی ذات کے لئے کوئی ہدیہ و صدقہ قبول نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنی ذات کے لئے کوئی ہدیہ یا صدقہ ایسی حالت میں کسی سے قبول نہ کریں جبکہ ہم جانتے ہوں کہ ہماری بستی میں ہم سے زیادہ بھی کوئی اس کا محتاج ہے' اسی طرح ہم ایسے شخص کا بھی ہدیہ قبول نہ کریں جو اپنے پاس پڑوس یا عزیز قریب کو چھوڑ کر

ہم کو کچھ دینا چاہے باوجود یہ کہ ہمارا گھر اس سے دور ہے (اس لئے ہم اس کے ہمسایہ بھی نہیں ہیں) اور اس کو ہم سے کوئی قرابت بھی نہیں ہے' ہاں اگر ہم اس کے پڑوسیوں اور عزیزوں سے زیادہ محتاج ہوں (تو اس وقت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں)۔

غرض ہم کو کسی سے کوئی شے بدون سخت ضرورت کے نہ قبول کرنا چاہئے' اسی طرح ہم کو چاہئے کہ کسی سے کوئی چیز اپنے نفع کی نیت سے قبول نہ کریں' بلکہ اس شخص کو ثواب آخرت پہنچانے کی نیت کرنا چاہئے اور ان تینوں عہدوں پر کوئی عمل نہیں کر سکتا بجز اس شخص کے جو مقام زہد کو صحیح طور پر طے کر چکا ہو اور اس کی نظر میں دنیا سے دین زیادہ عزیز ہو۔ واللّٰہ غنی حمید۔

(۲۷) ریاست اور سرداری کے کاموں میں اپنے بھائیوں پر پیش قدمی نہ کرنا چاہئے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کام ریاست اور سرداری کے ہیں (مثلاً مشیخت' امامت اور تدریس وغیرہ)' ان میں ہم کو اپنے بھائیوں کا تابع بننا چاہیے' ان کاموں میں اپنے بھائیوں پر پیش قدمی اور سبقت نہ کرنا چاہئے' مگر اس صورت میں کہ وہ خود ہی ہم کو آگے بڑھانا چاہیں یا ہماری پیش قدمی کرنے میں دوسروں کے اوپر سے بلاء و مشقت دفع ہوتی ہو یا ہماری وجہ سے لوگوں کو نیک کاموں کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہو تو اس وقت ہم کو پیش قدمی کرنا مناسب ہوگا' کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو (کہ ایسی نیت سے) نیک کاموں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

سیدی احمد بن الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرض موت میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم ہمیشہ دم بن کر رہو سر بن کر نہ رہو کیونکہ سب سے پہلے سر پر مار پڑا کرتی ہے (مطلب یہ کہ سردار پر سب سے پہلے حملے ہوتے ہیں ماتحت پر حملے کم ہوتے ہیں) اگر کوئی شخص تمہارے سامنے مشیخت ظاہر کرے تم کو اس کا تابع ہو جانا چاہئے (یہ مراد نہیں کہ اس سے بیعت ہو جاؤ' بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اس کے ہوتے ہوئے اپنا بازار مشیخت گرم نہ کرو اور یہ حکم اس وقت ہے

جبکہ وہ شیخ صاحب سنت ہو' صاحب بدعت نہ ہو) اگر وہ تمہارے سامنے بوسہ دینے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو تم اسکے پیر چوم لو' اس بات کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ انشاءاللہ اس کی برکت پاؤ گے اور خدا تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔ آمین۔

(۲۸) جس کو ہماری آبروریزی کی وجہ سے جسمانی تکلیف پہنچی اس سے ملنا جلنا کم کردیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کو ہماری آبروریزی یا برا بھلا کہنے کی وجہ سے تکلیف جسمانی پہنچی اس کی راحت کے خیال سے اس سے ملنا جلنا کم کردیں (کیونکہ ہماری ملاقات سے اس کو تکلیف ہوگی) اور اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لئے اس سے ملنا نہ چھوڑیں (کہ اس نے ہم کو ذلیل کیا تھا، اس لئے اس سے کیوں ملیں)۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس شخص نے ہم کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے تکلیف جسمانی برداشت کی ہے' وہ جب کبھی ہم کو دیکھے گا تو اس تکلیف کے واقعہ کو یاد کر کے اس کے ذہن میں ایک بری صورت قائم ہوگی اور اگر وہ چاہے بھی کہ اس کے ذہن میں کوئی بری صورت نہ آئے تب بھی وہ اس پر قادر نہ ہوگا اور یہ بات اکابر کے حق میں بہت سخت ہے (کہ ان کی وجہ سے کسی کے ذہن میں بری بات یا بری صورت پیدا ہو) تو چونکہ ایسے شخص سے کم ملنا (اس کی راحت کا سبب ہے تو اس سے زیادہ ملنا) اولیٰ و انسب نہ ہوگا' کیونکہ ہمارے ملنے سے بری باتیں اس کے دل میں گذریں گی اور یہ اس کے ساتھ بدسلوکی ہوگی۔ پس اے عزیز! اپنے دشمنوں سے ملنا جلنا اسی نیت سے کم کرنا چاہئے نہ کسی اور نیت سے۔ واللہ غفور رحیم۔

(۲۹) جملہ اقوال و افعال وغیرہ میں توحید خالص حاصل کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جملہ اقوال و اعمال و مملوکات میں توحید خالص حاصل کریں اور کبھی یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز ہماری ہے یا ہمارے پاس ہے' ہاں بطریق مجاز یا بھولے سے زبان سے نکل جائے (تو مضائقہ نہیں) حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں" واعبدوا اللہ ولا تشرکوا

بہ شیئا''(ا) کہ خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ حق تعالیٰ شانہ نے ''شیئا''
ارشاد فرمایا ہے' کسی خاص شئے کو معین نہیں فرمایا۔

بعض بزرگوں کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک دن دعا کی کہ یا اللہ میری مغفرت فرمایئے' کیونکہ آپ کا وعدہ ہے کہ جو شخص آپ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے اس کی مغفرت کر دی جائے گی' اور آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کیا' اچانک ہاتف نے آواز دی کہ دودھ کے دن کا قصہ یاد کرو' اس پر وہ بزرگ شرمندہ ہو گئے اور یاد کیا' کہ ایک دن ان کے سامنے دودھ پیش کیا گیا تھا کہ اس کو پی لیجئے تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ مجھ کو ضرر نہ پہنچائے۔ پس حق تعالیٰ نے ان پر اس کلمہ کی وجہ سے گرفت فرمائی' کیونکہ انہوں نے ضرر پہنچانے کو دودھ کی طرف منسوب کیا' خدا تعالیٰ کی طرف نہ کیا۔ (غرض جو چیز ہے وہ خدا کی ہے اور جو کچھ ہوتا ہے حق تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے)۔

پھر باوجود اس کے کہ ہر چیز حقیقۃً خدا کی ملک میں ہے اور ہم اس کے غلام ہیں' شریعت نے جو لوگوں کی چیزوں کا ان کے قبضہ سے نکالنا بدون اجازت کے حرام کر دیا یہ اس عالم دنیا کے انتظام کے لئے ہے' کیونکہ اگر یہ حدود و قواعد نہ ہوتے تو نظام عالم (بالکل) بگڑ جاتا اور قوی شخص کمزور کی چیزیں لے لیا کرتا (مگر یہ انتظام شریعت حقیقت کے خلاف کسی طرح نہیں' کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ) گویا حق تعالیٰ شانہ حکم فرماتے ہیں کہ جب تم دیکھو کہ میری کسی چیز پر میرے بندے نے بطریق شرعی قبضہ کر لیا تو اب میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ اس کو بدون اس کی اجازت کے ہرگز نہ لو' اگر بدون اجازت کے لوگے تو میں تم کو (اس حرکت پر) سزا دوں گا' پس جو کوئی اس چیز کو قاعدہ شریعت کے خلاف اس بندہ سے لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس سے مواخذہ فقط اس وجہ سے ہوگا کہ اس نے خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی' نہ اس وجہ سے کہ وہ بندہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح اس چیز کا مالک ہو گیا تھا خوب سمجھ لو۔ واللہ علیم حکیم۔

النساء/۳۶

(۳۰) اپنے شیخ میں جو بات نقصان و عیب کی نظر آئے اس کو اپنا عیب سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کو اپنے شیخ میں جو بات بھی نقصان و عیب کی نظر آئے ہم اس کو اپنا نقصان اور عیب سمجھیں' کیونکہ شیخ ہماری حالت کا آئینہ ہے (پس اس کے تمام نقائص کو اپنی طرف منسوب کر کے سمجھنا چاہئے کہ) یہ حالت شیخ کی نہیں' بلکہ اس کے لئے حقیقت میں کوئی دوسری حالت کمال کی ہے جو ہم نہیں جانتے' ہاں اگر ہمارا آئینہ (دل) صاف و شفاف ہو جاتا تو ہم بھی اس کو جان لیتے۔ اسی طرح اگر (اذکار و اشغال کرنے کے بعد) ہمارے (پردہ دل کے) کھلنے میں توقف یا دیر ہو تو ہم کو جائز نہیں کہ اس کا سبب شیخ کی ناواقفیت قرار دیں' بلکہ اس توقف کا سبب اپنی کم ہمتی اور سستی کو سمجھیں۔ کتب طب میں ہے کہ برودت رحم حمل قرار پانے کا سبب ہے تو جب تک کہ مرید کا نفس (خواہشوں اور لذات سے) سرد نہ ہو جائے اور اس میں (بجائے خواہشات حرام کی تپش کے) طلب و اشتیاق محبوب کی سوزش نہ ہو اس وقت تک شیخ سے اس کو کچھ فیض نہ ہو گا' اگر ایسا نہ ہو (بلکہ بعض خواہشیں بجھ گئیں اور کچھ موجود رہیں) تو اس کی مثال گیلی لکڑی کی طرح ہو گی کہ اس میں چنگاری لگانے سے صرف دھواں ہی دھواں اٹھے گا یعنی جھوٹے دعویٰ اور رعونت و تکبر کی باتیں پیدا ہوں گی جو کہ آج کل جہال صوفیہ میں شائع ہو رہی ہیں۔

سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کے حکم کا اتباع مرید پر کبھی دشوار نہیں ہوتا' مگر جب کہ وہ اچھی طرح اس کو (دل سے) قبول نہ کرے اور بجا آوری میں ہمہ تن تیار نہ ہو' نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تم اسی حالت پر رہو گے جس حالت پر اپنے شیخ کو سمجھتے ہو' بس اب جو چاہو سمجھو' پھر دیکھو کیا نظر آتا ہے۔ واللہ علم (مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کے بارے میں مثلاً یہ اعتقاد کرے کہ اس میں تواضع نہیں ہے تو مرید کو بھی مقام تواضع و عبدیت حاصل نہ ہو گا اور اگر یہ اعتقاد کرے کہ میرا شیخ جملہ مقامات عالیہ پر پہنچا ہوا ہے تو مرید کو بھی جملہ مقامات عالیہ سے حصہ حاصل ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ عجیب مضمون ہے۔

سالکین کو اس سے کام لینا چاہئے' واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم)

(۳۱) اپنے دل میں دنیا کی محبتوں میں سے کسی کو جمنے نہ دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دل میں دنیا کی محبتوں میں سے کسی کو جمنے نہ دیں' خواہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی یا محبت ازواج و متاع کی یا کسی دوست کی یا کسی مرغوب شے کی (کسی کو اپنے دل میں جگہ نہ دینی چاہئے) کیونکہ حق تعالیٰ شانہ بڑے صاحب غیرت ہیں' وہ اپنے بندہ مومن کے دل میں غیروں کی محبت دیکھنا پسند نہیں کرتے' ہاں جن لوگوں کی محبت کا خود حق تعالیٰ شانہ نے حکم فرمایا ہے جیسے کہ انبیاء و ملائکہ' صحابہ اور تابعین اور تمام علماء و صالحین و اولیاء کرام تو ان لوگوں کے ساتھ حکم الٰہی کی بجا آوری کے لئے محبت کرنی چاہئے (یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ذکر نفی اثبات "لااله الا الله" میں جو مشائخ طریق تعلیم فرماتے ہیں کہ لفظ "لا" کے ساتھ یہ تصور کرنا چاہئے کہ ماسوائے خدا کی محبت دل سے نکل رہی ہے' اس سے مراد وہی محبت ہے جس کا حق تعالیٰ نے ہم کو حکم نہیں فرمایا۔ انبیاء و مشائخ کی محبت کا نکالنا اس سے مراد نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہوا کرتا ہے' کیونکہ انبیاء و اولیاء کی محبت وہ تو بعینہ محبت حضرت حق جل مجدہ ہے' اس لئے کہ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں محبت غیر سے مراد وہ محبت ہے جس کو وصول الی اللہ میں دخل نہیں اور رسول اللہ ﷺ اور جملہ انبیاء علیہ السلام اور اپنے شیخ اور جملہ اولیاء کرام کی محبت تو حق تعالیٰ کی طرف پہنچانے والی ہے وہ تو حکماً حضرت حق ہی کی محبت ہے) غرض ہم کو نقصان اسی محبت سے پہنچتا ہے جس کا ہم کو حق تعالیٰ شانہ نے حکم نہیں فرمایا (البتہ ازواج و اولاد کے ساتھ اس قدر تعلق و محبت شرعاً ضروری ہے جس کے ذریعہ سے ان کے حقوق ادا کرنے میں سہولت و آسانی ہو اتنی محبت ان کے ساتھ مضر نہیں' البتہ جب ان کی محبت کی وجہ سے احکام الٰہی میں سستی اور فتور ہونے لگے تو اس سے ضرر پہنچے گا)۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بسا اوقات تمہارے بیوی بچوں کو حق تعالیٰ اس لئے مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی ہوتی ہے (اس وقت حق تعالیٰ کو تم پر غیرت آتی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف کیوں متوجہ ہوئے)

اور کبھی ان لوگوں کی (زیادہ) محبت کی وجہ سے جن کی محبت کا حکم ہی فرمایا گیا ہے (خود) تم پر عتاب فرماتے ہیں، پس درویش بھی پچتا رہے اور اس کا چاہنے والا بھی پچتا رہے (واللّٰہ علیم خبیر)

(۳۲) کتاب اللہ وحدیث نبوی کی حقیقی مراد کو اپنے سمجھے ہوئے مطلب میں منحصر نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کتاب اللہ اور حدیث نبوی کا کوئی مطلب دوسروں کے خلاف ہماری سمجھ میں آئی تو ہم حقیقی مراد کو اپنے سمجھے ہوئے معنی میں منحصر نہ کریں تاکہ دوسروں کے لئے بھی دروازۂ فہم کھلا رہے (اس میں تنگی نہ کرنی چاہئے) کیونکہ جب اپنے جیسے ایک انسان کے کلام میں بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے باہر رہ جاتی ہیں تو کلام رب العالمین کا کیا حال ہوگا؟ (اس کی بابت کیونکر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم اس کی حقیقی مراد تک پہنچ گئے ہیں)۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم عارفین کے کلام کی تفسیر کرنے بیٹھو تو یوں مت کہو کہ ان کی مراد یہ ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں اس کا مطلب یہی سمجھا ہوں، ہاں اگر کوئی شخص معرفت الٰہی میں ایسے مرتبہ پر پہنچ گیا ہو کہ اس کو مردان کامل کے مراتب ومدارج کی اطلاع (بطریق الہام کے) ہوتی رہتی ہو (وہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں بزرگ کی اس کلام سے یہ مراد ہے تو اس کو حق ہے اور اس کے لئے یہ بات زیبا ہے)۔ اس مضمون کو اچھی طرح جان لو، خدا تعالیٰ تم کو ہدایت کرے۔

(۳۳) جس قدر حقوق اللہ وحقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں، ہمیشہ ان میں نظر کرتے رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس قدر حقوق اللہ وحقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں، ہمیشہ ان میں نظر کرتے رہیں تاکہ یہ بات معلوم ہوتی رہے کہ ان حقوق کو ہم نے پورا بھی کیا یا نہیں اور اپنے ذاتی حقوق پر کبھی نظر نہ کریں، مگر شکر الٰہی بجالانے کے لئے ہو تو مضائقہ نہیں اور اس

کی ضرورت اس لئے ہے تاکہ ہم ہمیشہ اقرار کرتے رہیں کہ حجت الٰہی ہم پر قائم ہے' تو جس قدر گناہ ہم سے صادر ہوئے ہوں گے ان سے توبہ واستغفار کرنے کی ہم کو توفیق ہوگی۔

اور یاد رکھو! عارف کی پہنچان یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بہت ڈرتا ہے' چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں' (معلوم ہوا کہ جس قدر معرفت الٰہی بڑھتی جائے گی اسی قدر خوف خدا بھی زیادہ ہوگا) پس عارف ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ عفو و مغفرت نہ فرمائیں تو وہ زمین میں دھنسا دیئے جانے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ فقراء کی ایک جماعت نے سیدی شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ کوئی کرامت ظاہر فرمائے جس سے ہمارا اعتقاد پختہ ہو جائے اور آپ سے طریق سلوک حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو؟ آپ ذرا خاموش ہوئے' پھر فرمایا کہ میرے عزیزو! کیا ہم جیسوں کے لئے آج روئے زمین پر اس سے بھی زیادہ کوئی کرامت رہ گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زمین کے اوپر (صحیح سالم) چھوڑ رکھا ہے' اندر نہیں دھنسایا' حالانکہ ہم سالہا سال سے زمین میں گاڑ دینے کے قابل ہو رہے ہیں؟۔

پھر فرمایا کہ قسم خدا کی میں جب زمین پر چلتا ہوں اور ایک قدم ڈال کر دوسرا اٹھاتا ہوں اور زمین کو اپنے پیر کے نیچے بدستور قائم پاتا ہوں' تو ہر قدم پر حق تعالیٰ سے شرماتا ہوں کہ اس نے مجھ کو کس قدر مہلت دے رکھی ہے' پھر فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیٹ میں سے سوختہ جگر کی بو آیا کرتی تھی (کیونکہ خوف الٰہی سے ان کا جگر پک گیا تھا) تو ہمارا کیا حال ہونا چاہئے؟ میں کہتا ہوں کہ خوف الٰہی کے بارے میں سلف صالحین کے حالات ان کے مناقب میں بکثرت مشہور ہیں۔واللہ واسع علیم۔

(۳۴) اگر مال دار لوگ کھلم کھلا زکوۃ نہ نکالتے ہوں تو ان سے بدگمان نہ ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم مالدار لوگوں کو کھلم کھلا زکوۃ نکالتے ہوئے نہ

دیکھیں تو ان سے بدگمان نہ ہوں' بلکہ ان کے ساتھ نیک گمان رکھنے کی کوشش کریں' خصوصاً علماء وصلحاء کے ساتھ (تو ہرگز بدگمانی نہ کریں) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مال ان کے پاس ہے ان کے اعتقاد میں وہ حلال نہیں ہے اور جس کو انسان حلال نہیں سمجھتا وہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اور جو چیز ملک ہی میں داخل نہیں اس میں زکوۃ نہیں ہے' بلکہ وہ تو گم شدہ مال کی مثل ہے' ایسے مال والے کو علماء سے دریافت کر کے ان کے فتویٰ کے بموجب اس مال حرام میں عمل در آمد کرنا چاہئے' اس کو خوب سمجھ لو (اور بالخصوص) کسی عالم کی شان میں زبان درازی کرنے سے ہمیشہ بچتے رہو۔ (کیونکہ غیبت کرنا گوشت کھانا ہے) اور علماء کا گوشت زہر ہے۔ واللہ غنی حمیدہ۔

(۳۵) دوست اور دشمن کی پہچان پیدا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم دوست اور دشمن کی پہچان پیدا کریں تاکہ ہر ایک کے ساتھ مناسب برتاؤ کر سکیں' اور دوست دشمن کا خاص امتیاز یہ ہے کہ جو شخص تمہاری ان صفات حمیدہ کو مٹانا اور بجھانا چاہے جو لوگوں میں تمہاری شہرت کا سبب بن چکی ہیں' مثلاً علم وعمل اور زہد وغیرہ یا ان میں کسی قسم کا خدشہ نکالے اور تمہاری نیت کے خلاف بدل بدل کر ان کو بیان کرے (مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص اس واسطے زاہد بنا ہوا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع ہوں' حالانکہ تم اس ارادہ سے پاک ہو) نیز وہ یہ چاہتا ہے کہ باوجود ان اوصاف کے لوگ تم سے کراہت ہی کرتے رہیں' وہ تمہارا دشمن ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ تمہارا دوست ہے۔

(۳۶) اپنے دوست احباب سے پہلے مخالفین کے ساتھ زیادہ میل جول کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوست احباب اور ملنے والوں سے پہلے زیادہ میل جول اور دوستی ومحبت کے ساتھ ہدیہ وغیرہ بھیجنے کا برتاؤ ان لوگوں کے ساتھ کیا کریں جو ہم سے کراہت کرتے ہیں اور ہماری تنقیص کے درپے ہیں' کیونکہ اس میں جس قدر مجاہدہ نفس ہے ظاہر ہے' نیز اس صورت سے اس تنقیص کرنے والے کی کراہت اور عداوت بھی کم ہو جائے

گی اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہی سہی تو ہم اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے اور وہ ہمارے آبروریزی کے گناہ سے بچ جائے گا۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا ☆ دل دشمناں ہم نکروند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام ☆ کہ بادوستانت خلافست وجنگ[1]

اور جو لوگ ہم سے محبت کرنے والے ہیں ان کو مدارات وغیرہ کی چنداں حاجت نہیں، کیونکہ ان کی محبت تو پختہ ہو چکی ہے۔

(مترجم عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ دشمنی کو محبت کی ساتھ بدلنے کا یہ نسخہ خود حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد فرمودہ ہے "ادفع بالتی ھی احسن فاذاالذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم"(۲) یعنی بدی کو بھلائی کے ساتھ دفع کرو تو جو شخص کہ اس میں اور تمہارے میں عداوت ہو (ایسا ہو جائے گا) کہ گویا بڑا پکا دوست ہے) والحمد للہ رب العالمین۔

(۳۷) گنہگاروں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ تمام اہل معاصی کے ساتھ نرمی سے بات کیا کریں اور اپنے بازو کو ان کے لئے جھکا دیں مثلاً ظلم کرنے والے حکام، شراب خوار، نشہ باز، جواری، چونگی لینے والے، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے (ان سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں) کیونکہ اس طرح وہ جلدی ہمارے مطیع و منقاد ہو جائیں گے اور ان کی کجی کے سیدھا کرنے اور توبہ کی طرف مائل کرنے کا یہ سہل طریقہ ہے۔

جب حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کے نفس کو گناہ گاروں کے پاس بیٹھنے سے نفرت پیدا ہوئی، تو حق تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اے داؤد! جس کی حالت درست ہے

---

(۱) میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کے لوگوں نے دشمنوں کے داوں کو بھی تنگ نہیں کیا، تجھے یہ مقام کب حاصل ہو گا، جبکہ تیرا تو دوستوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہے۔ مرتب

(۲) حٰم السجدۃ ر ۳۴۔

اس کو تو آپ کی ضرورت نہیں اور جس کی حالت خراب ہے اس کی کجی دور کرنے سے آپ اعراض کرتے ہیں' تو پھر آپ کو پیغمبر کس لئے بنایا گیا؟ پھر حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ایک گناہ میں مبتلا کر دیا جس پر ان کو تنبہ ہوا اور حق تعالیٰ سے مغفرت اور معافی مانگی۔ اس کے بعد وہ اس طرح دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ گناہگاروں کو بخش دے تاکہ ان کے ساتھ داؤد کی بھی مغفرت ہو جائے اور اس سے پیشتر وہ یوں دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ نافرمانوں پر جلدی عذاب بھیج دیجئے۔

ابن عطاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس معصیت سے ذلت وانکسار (دل میں) پیدا ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جو عزت و تکبر پیدا کرے' پس اے عزیز! گناہگاروں پر دل سے مہربان ہو جاؤ، ان کو نرمی کے ساتھ نصیحت کرتے رہو' تم اپنے زمانے میں حکیم وقت ہو جاؤ گے اور مگر تم اپنے دل میں اتنی قوت پاؤ کہ ان کے ساتھ میل جول کر کے دین پر ثابت قدم رہ سکو' تو ایسے لوگوں سے ملتے جلتے بھی رہو اور اگر وہ تم سے نفرت کریں تو تم ان کے پیچھے پڑے رہو۔ (مگر آج کل علماء کو مالداروں کے پیچھے اس طرح نہ پڑنا چاہئے کہ ان کو یہ خیال ہو جائے کہ ان کو ہم سے کچھ لالچ ہے کہ اس سے لوگوں کی نگاہ میں علم کی ذلت پیدا ہوتی ہے اور بجائے نفع کے ضرر ہوتا ہے' امراء کے ساتھ ایسے اعتدال کے برتاؤں رکھنا چاہئے کہ دین کی عزت ان کے قلب میں بیٹھ جائے) پھر آہستہ آہستہ' چپکے چپکے گناہوں کی محبت ان کے دل سے اس طرح نکالتے رہو کہ ان کو خبر بھی نہ ہو' یہاں تک کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی کجی دور ہو جائیگی' اگر تم نے اہل معاصی کو چھوڑ دیا اور ان سے نفرت اختیار کی اور ان کے پیچھے نہ پڑے تو ان کی کجی کو کون درست کرے گا؟ اور گناہوں کی نفرت ان کے دل میں کون بٹھلائے گا؟۔

بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ تمہارے بھائی کو سب سے زیادہ تمہاری حاجت اس وقت ہوتی ہے جب کہ گھوڑا ٹھوکر کھا کے اسے گرادے (پس ایسے وقت میں بھی اگر تم کام نہ آئے تو تم کیسے بھائی ہو) اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی طرف بلانے والے کے لئے گناہگار لوگ مثل گم شدہ قیمتی چیز کے ہیں کہ ان کی تلاش میں علماء دین کو لگا رہنا چاہئے' اگر علماء ان کی فکر چھوڑ دیں اور یہ لوگ گمراہی میں بڑھتے رہیں تو اندیشہ ہے کہ علماء سے قیامت کے دن حق تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائیں' اس کو خوب سمجھ لو۔ خدا تم کو ہدایت کرے۔

(۳۸) سفر میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ایسے شخص کے گھر نہ اتریں جو مہمان نوازی میں مشہور ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم دیہات (یا شہروں کا) سفر کریں تو اپنے ساتھیوں کو لے کر ایسے شخص کے گھر نہ اتریں جو مہمان نوازی میں اس وقت مشہور ہو' بلکہ ایسے شخص کے گھر اتریں جو اس صفت کے ساتھ مشہور نہ ہو اور اس کو بھی جانوروں کے چارہ وغیرہ کی تکلیف نہ دینا چاہئے (بلکہ یا تو سواری ساتھ ہی نہ لیں اور اگر لیں تو اس کا انتظام خود کریں)' خصوصاً اگر وہ مشہور مہمان نواز کسی ہمارے ہمعصر درویش کے اعتقاد یا بیعت میں جکڑا ہوا ہو (تب تو ہر گز ہم کو اس کے یہاں نہ قیام کرنا چاہئے) تاکہ اس کے اوپر سے بوجھ ہلکا رہے' کیونکہ مشہور لوگوں کے یہاں بہت لوگ قیام کیا کرتے ہیں (تو ہم کو اس مشقت کا خیال کر کے اپنا بار اس پر نہ ڈالنا چاہئے' دوسری مصلحت ایسے شخص کے پاس قیام نہ کرنے میں یہ ہے کہ مبادا ہماری صفات رذیلہ میں سے کوئی بات اس کی خواہش و مرضی کے موافق اس کو نظر آئے اور اس وجہ سے وہ اپنے شیخ سے بدل جائے تو (یہ بہت نامناسب بات ہے) ہم کو اپنے بھائی کے مرتبہ کا اس کے خاص مریدوں میں لحاظ کرنا چاہئے (اور ایسی کوئی بات نہ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے اس کے مرید ہماری طرف مائل ہوں اور اپنے شیخ سے بدل جائیں) اور یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ آج کل جس شخص کے دستر خوان پر بہت آدمیوں کا ہجوم ہونے لگتا ہے' وہ یا تو لوگوں کا بار اپنے اوپر سمجھتا ہے یا گھبرا کر کہیں بھاگ نکلتا ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳۹) جو طالب علم عمل میں کوتاہی کرتا ہو اس کے پڑھانے سے رک جائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس طالب علم میں کوتاہی عمل کی بو بھی ہم کو معلوم ہو'

---

(۱) حضرت حکیم الامت کا طرز عمل ہے کہ جب کہیں سفر میں تشریف لے جاتے ہیں' ایک خادم سے زیادہ اپنے ساتھ نہیں لیتے اور اگر محبت سے کوئی ساتھ ہو جائے' تو اس کا کرایہ (باقی اگلے صفحہ میں)

اس کے پڑھانے سے رک جائیں اور اس کے حال پر رحم کریں اور اس سے کہہ دیں کہ ہمارے سوا کسی اور سے پڑھ لے' ایسے ہی اگر ہم کو اپنے اندر سے عدم اخلاص کی بو آئے تو علم کے مشغلہ سے باز رہنا چاہئے' کیونکہ بے عمل کو علم پڑھانے سے بجز اس کے کہ اس پر حجت الٰہی قائم ہو جائے اور کوئی ثمرہ نہیں اور اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے' جو شور زمین میں تخم بوتا ہے۔

ہمارے شیخ علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ بدعمل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسا کہ درخت حنظل کو پانی دینا کہ وہ جس قدر سرسبز ہوگا اسی قدر کڑوا ہوگا' اسی طرح جس شخص نے علم کو عمل کے لئے نہ حاصل کیا تو جس قدر اس کا علم بڑھے گا اسی قدر اس میں برائیاں اور عیوب بڑھیں گے۔

طالب علم میں سے کوتاہی عمل کی بو آنے کی سچی علامت یہ ہے کہ ہم اس کو استاد کے سامنے بے ادب پائیں کہ استاد سے بات چیت کرتے ہوئے وہ اپنی نگاہ نیچی نہ کرتا ہو' استاد کے سامنے اس کی تعظیم نہیں کرتا اور پیچھے اس کی حرمت کا پاس ولحاظ نہیں کرتا' اگر وہ مر جائے تو اس کے وظیفے کے لئے یا خاص حجرہ کے لیے یا گھر کے لئے خود کوشش کرتا ہے اور اس کی اولاد سے ان امور میں مقابلہ کرتا ہے (اور اپنے کو ان سے زیادہ مستحق سمجھتا ہے) اپنے شیخ کے کلام کو اپنے فہم (ناقص کی وجہ) سے یا کسی دوسرے کے کلام سے رد کر دیتا ہے' شیخ سے (علوم) حاصل کر کے اسی کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتا ہے' کاہلی کی وجہ سے بے وضو یا حالت جنابت میں بدون غسل کے سو رہتا ہے' اگر اس سے کہا جائے کہ آؤ تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھ کر خدا کو یاد کر لو تو یہ کہنا اسے گراں گذرتا ہے' اگر متولی وقف کے پاس اس کا وظیفہ کبھی رہ جائے تو اس کی شکایت کر کے کچہریوں میں اس کے روپے خرچ کرا دیتا ہے' اعمال دینیہ پر تنخواہ لیتا ہے اور کام نہیں کرتا' کبھی اکٹھی دو امامتیں یا دو مسجدوں کی خطابت جمع کر لیتا ہے باوجود یہ کہ دوسروں کو فتویٰ دیتا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور کھانے پینے کا خرچ سب اس کے ذمہ رکھتے ہیں یا اپنے پاس سے دیدیتے ہیں کہ بازار سے خرید و اور کھاؤ۔ داعی اور میزبان پر سب کا بار ڈالنا بہت ہی ناگوار سمجھتے ہیں۔ ہاں کہیں بہت ہی بے تکلفی اور خلوص ہو تو بعد اصرار میزبان کے منظور فرمالیتے ہیں' مگر بہت کم' یہ باتیں قابل قدر ہیں' ہزار کرامات بھی ان کی باندیاں ہیں۔ واللہ علم ۱۲ مترجم۔

ہے کہ جو شخص یہ کام خود نہ کرے اس کو ان پر تنخواہ لینا حرام ہے' جن باتوں کا پوری طرح ثبوت نہیں ان کے درپے ہوتا ہے' پیٹھ پیچھے لوگوں کی نسبت وہ باتیں بیان کرتا ہے جو ان کے سامنے نہیں کہہ سکتا' کسی شخص سے کوئی بری بات سنکر بدون تحقیق کے اس کو شائع کر دیتا ہے' مسجد میں قرآن پڑھنے کی آواز سن کر بھی لہو و لعب میں مشغول رہتا ہے' مذاق کرتا اور فضول قصے ہانکتا رہتا ہے اور قرآن کے نصائح پر کان نہیں دھرتا' بعض دفعہ بیٹھا ہوا اپنے ہمعصروں کی غیبت کرتا رہتا ہے اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا' جماعت کی نماز کی طرف اس بات سے بھی اس کو رغبت نہیں ہوتی کہ تنہا نماز پڑھنے سے وہ ستائیس گنا زیادہ افضل ہے۔ حرام اور مشتبہ مال کھانے میں تساہل کرتا ہے' اپنے اعضاء کو خلاف شرع کاموں سے روکنے کا اہتمام نہیں کرتا' غیبت اور چغلخوری کو ہلکا سمجھتا ہے اور (بیدھڑک) جو چاہتا ہے کھاتا ہے' دنیا پر گرتا پڑتا ہے اور جو کوئی دنیا کو اس سے روکے یا اس کے وظیفہ (کو اس سے چھین کر خود) لینا چاہئے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے' طول امل کی وجہ سے یہ خیال کبھی اس کے دل میں نہیں آتا کہ شاید ان ہی ایام میں اس کی موت آجائے' دن بھر گدھے' کتے کی طرح لغو کاموں میں رہتا ہے اور رات بھر مردہ کی طرح پڑا سوتا ہے' اخیر شب کی گھڑیاں اس پر گذرتی ہیں وہ جنابت کی حالت میں پڑا سوتا رہتا ہے' ذرا بھی اس وقت کا اثر (اس کے دل پر) نہیں ہوتا' ہاں ایک درہم یا ایک روٹی کے ہاتھ سے جانے پر غمگین ہوتا ہے۔

جن لوگوں کے پاس دنیا دیکھتا ہے یا جو اس کو ہدایا بھیجتے ہیں' ان کی خوشامد کرتا ہے اور غائبانہ ان کو سلام بھیجتا رہتا ہے کہ مبادا کبھی وہ اس سے بے فکر نہ ہو جائیں یا بدل نہ جائیں' کسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ کرنے سے کسی کے ساتھ نہیں رکتا' بالخصوص ایسے مسائل میں جو ابھی تک پیش بھی نہیں آئے (حالانکہ ایسے مسائل میں مباحثہ کرنا بے کار ہے) ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ ہر مسئلہ میں حق اس کی جانب ہو اور کسی کی بات حق نہ ہو۔

جب کبھی اس کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ کسی نے امراء اور حکام یا بڑے طبقہ کے لوگوں میں اس کا ذکر خیر کیا ہے تو اپنے دل میں حلاوت پاتا ہے' خصوصاً اگر یہ معلوم ہو کہ ان کے سامنے اس کے تقویٰ اور زہد کی تعریف کی گئی ہے اور وہ اس کے پاس عقیدت مندی کے ساتھ آنے جانے لگے ہیں (تب تو بہت ہی خوش ہوتا ہے) اور اگر کوئی ان لوگوں کے سامنے برائی سے اس کو

ذکر کر دے تو اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

جس قدر علم میں ترقی ہوتی رہتی ہے' اسی قدر اس کے کھانے' پہننے میں اور اثاث البیت اور اہل وعیال وغیرہ کے لباس وغیرہ میں وسعت اور فراخی ہوتی رہتی ہے' حالانکہ مناسب یہ تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا۔ اس بارے میں تو بحث ومباحثہ کرتا ہے کہ چاشت اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں اور کون سا وقت افضل ہے' مگر خود نہ چاشت پڑھتا ہے' نہ رات کو اٹھتا ہے' اماموں کے اوصاف کی بابت تو گفتگو کرتا ہے (کہ امام کو کیسا ہونا چاہئے) مگر خود امام ہو کر بھی ان صفات سے آراستہ نہیں ہوتا (بلکہ) بسا اوقات حرام مال کھاتا ہے (کوئی اس سے پوچھے کہ) اب وہ تقویٰ کہاں گیا؟ جس کی امام کے لئے شرعاً ضرورت بتلاتے تھے۔

اس مسئلہ میں تو خوب گفتگو کرتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے سویرے جانے کا ثواب اونٹ کی قربانی کے برابر ہے' پھر گائے کی قربانی کی برابر' پھر دنبہ کی برابر' پھر (ایسا ہے) جیسا کہ مرغی (اللہ کے واسطے دی) یا چڑیا (خدا کے واسطے دی) یا انڈہ (خیرات کرے) مگر اس ثواب کے فوت ہو جانے پر کبھی غمگین نہیں ہوتا' بلکہ اسکے بعد بھی ہنستا کھیلتا' مذاق اور لہو ولعب اور غپ شپ میں مشغول رہتا ہے اور خطیب کے عین خطبہ پڑھنے کے وقت لوگوں کی غیبتیں کرتا رہتا ہے' حالانکہ جانتا ہے کہ اس پر کس قدر سخت وعید آئی ہے۔

جمعہ کے غسل کے بارے میں بحث کرتا ہے کہ واجب ہے یا مستحب اور دوسرے دنوں کے غسل سے افضل ہے یا نہیں' مگر اس کا اہتمام کبھی نہیں کرتا' چاہے گرمی ہی کے دن ہوں۔

جنازے کے مسائل اور اس کے ساتھ چلنے کے آداب بیان کرتا رہتا ہے' مگر خود مثل جانوروں کے ان سے غافل ہے' بلکہ بسا اوقات جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے ہنسی مذاق اور غیبت کرتا رہتا ہے۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی مقدار نصاب میں گفتگو کرتا ہے' صدقات نافلہ کے فضائل بیان کرتا ہے' مگر خود ایسا حیلہ کرتا ہے کہ کسی طرح اس کے مال پر سال ہی نہ گذرے (تاکہ زکوٰۃ واجب نہ ہو) پھر زکوٰۃ تو کیا دیتا ایک روٹی بھی خیرات نہیں کرتا' صدقات کا مال کھاتا ہے'

حالانکہ سو اشرفیاں یااس سے بھی زیادہ اس کے پاس ہوتی ہیں، پھر بھی صدقات کے لئے بے جا کوشش کرتا ہے۔

اٹھنا بیٹھنا صوفیوں کے پاس رکھتا ہے (تاکہ اسے لوگ صوفی سمجھیں) مگر خود صوفی نہیں، ذکر اللہ سے زیادہ رات دن بے ہودہ اور لغو باتیں بناتا ہے، سو اشرفیاں اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی مسلمان بھائی سو روپے اپنی بیوی کے لئے مہر میں دینے کے یا اور کسی کام کے لئے اس سے قرض مانگے تو کبھی نہ دے۔ اگر کوئی مسلمان بھائی اس کو امانت دار سمجھ کر اپنے منصب کی جگہ قائم مقام کر کے سفر میں چلا جائے، تو اس میں خیانت کر کے اس منصب کو اپنے لئے مستقل بنانے کی کوشش کرنے لگے اور ذرا بھی باک نہ کرے، حالانکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد بھی پڑھتا رہتا ہے "لا تخونو اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم (۱)" کہ خدا اور رسول سے خیانت نہ کرو، نہ آپس میں امانتوں میں خیانت کرو۔

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی ایذاؤں کے تحمل کرنے کا ثواب بیان کرتا ہے، مگر کبھی ان کی اذیت برداشت نہیں کرتا اور نہ ان کی خبر گیری کرتا ہے، عمدہ کھانا یا شوربا وغیرہ اس کے گھر پکے تو پڑوسیوں کو کبھی نہیں بھیجتا، بلکہ بعض دفعہ حکام کے پاس اپنے پڑوسی کی جھوٹی شکایت کرتا ہے اور (جھوٹے گواہ) اور بے ہودہ حجتیں قائم کر کے دوسروں کو ضرر پہنچا کر اپنے وقف یا ملکیت میں زیادتی کر لیتا ہے اور رہتے سہتے آدمی کو اس سے علیحدہ کر دیتا ہے باوجود یہ کہ اس کو اس زیادہ ملکیت کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

عام لوگوں پر تو روزہ کے آداب میں سختی کرتا ہے، کہ خواہشات (نفسانی) کو چھوڑ دینا چاہئے اور تمام اعضاء کو (خدا کی) مخالفتوں سے بچانا چاہئے، مگر خود دن بھر اس کے خلاف (عمل در آمد) کرتا ہے، اکثر سنتوں کو چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کا چھوڑ دینا جائز ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ ہر سنت کے بدلے جنت میں ایک درجہ ہے، جو اس کے کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، تو جس وقت یہ شخص جنت میں اس درجہ کو طلب کرے گا اس سے کہہ دیا جائے گا کہ تو یہ کہا کرتا تھا کہ اس سنت کو چھوڑ دینا جائز ہے، پس آج تیری یہی سزا ہے کہ اس درجہ سے محروم

(۱) الانفال ر ۲۷

رہے۔

مہینوں اور دن راتوں کی فضیلت میں گفتگو کرتا ہے (کہ کونسا مہینہ افضل ہے اور سال بھر کے دن راتوں میں کونسا دن اور کونسی رات افضل ہے) مگر نہ ان دنوں میں روزہ رکھتا ہے' نہ ان راتوں کو اٹھتا ہے' بلکہ شب قدر میں بھی مردہ کی طرح پڑا سوتا رہتا ہے' حالانکہ شارع علیہ السلام نے ان چیزوں کی فضیلت اس لئے بتلائے ہے کہ ان میں بہترین طاعات ادا کی جائیں اور محرمات و مکروہات سے پرہیز کیا جائے۔

لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ حج کو جاتے ہوئے حلال اور پاکیزہ سفر خرچ لے جایا کریں' مگر اپنا سفر خرچ ہمیشہ حرام اور مشتبہ مال سے لے جاتا ہے۔ دوسروں کو تو کھانا کھلانے اور راستہ میں پانی پلانے کی رغبت دلاتا ہے' مگر خود کسی محتاج کو بھوک اور پیاس سے لب دم دیکھ کر بھی نہ کھانے کو دیتا ہے نہ پانی پلاتا ہے اور یہ حجت نکالتا ہے کہ مجھے خود حاجت ہے (میں دوسروں کو کیسے دوں؟) مگر پرکھنے والا خوب سمجھ سکتا ہے۔

باوجود یہ کہ جانتا ہے کہ صرف ہاتھ سے لین دین کر کے خرید و فروخت کرنے سے بیع فاسد ہوتی ہے اور اس طریقہ کی بیع کر کے کھانا پینا حرام ہے' مگر اس پر بھی کبھی زبان سے معاملہ نہیں کرتا (یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ بدون زبان سے معاملہ کیئے' صرف لین دین سے بیع صحیح نہیں ہوتی' مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر زبان سے کچھ کہے' ہاتھ کے لین دین سے بھی بیع صحیح ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ چونکہ شافعی المذہب ہیں' اپنے مذہب کے موافق کلام فرمارہے ہیں' مگر اس میں شک نہیں کہ حنفی کو بھی زبان سے معاملہ کرنا چاہئے تاکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بھی معاملہ درست ہو جائے' کیونکہ اختلافی مسائل میں حتی الامکان اختلاف سے نکلنا مستحب ہے)۔

اس مسئلہ میں خوب بحث کرتا ہے کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے کسب سے اور ہاتھ کی کمائی سے کھائے' مگر خود دین (فروشی کر کے) کھاتا پیتا ہے۔ لوگوں کو تو رغبت دلاتا ہے کہ بیوی کے حقوق ادا کرنے چاہئیں اور اس کو تکلیف نہ دینی چاہئے' مگر خود باندیاں اس کے اوپر لا کر اور بے انصافی کر کے اس کو رنج دیتا ہے۔ لوگوں کو تین طلاق اکٹھی دینے اور حلالہ کے

لئے نکاح کرنے سے منع کرتا ہے، مگر خود سب کچھ کرتا ہے' اسی طرح تمام فقہی مسائل میں غور کرلو۔

عزیز من! میں نے تم کو راستہ بتلادیا ہے کہ ان مسائل کو تم جانتے ہو' مگر ان پر عمل نہیں کرتے (اس سے تم کو اپنا بے عمل ہونا معلوم ہو جائے گا) اب جن باتوں کو میں نے بیان نہیں کیا ان کو تم خود قیاس کرلو (کہ شریعت کے بہت سے مسائل ایسے ہی ہیں کہ تم ان کو جانتے ہو اور دوسروں کو بتلاتے بھی ہو اور خود عمل نہیں کرتے۔

عزیز من! تم کو اپنے معاصرین اور اہل زمانہ کی حالت سے دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ دنیا میں اخلاص کے بغیر ان کا کام چل رہا ہے اور ان کو منصب اور ہدایا اور صدقات دیئے جاتے ہیں' اس سے یہ مت سمجھنا کہ آخرت میں بھی اسی طرح ان کا کام چل جائے گا (اور بدون اخلاص کے وہاں بھی آؤ بھگت ہوگی) اس میں بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں اور بدون عمل کے فقط علم حاصل کر لینے ہی سے دھوکہ کھائے بیٹھے ہیں' کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ علم حاصل کرنے سے دنیا (اور جاہ) وغیرہ حاصل ہوتی ہے' مگر عاقل وہ ہے جو اپنی نظر بصیرت کی دونوں آنکھوں سے احوال آخرت میں غور کرے اور جس علم و عمل کو وہاں سود مند نہ پاوے اس کو یہیں چھوڑ دے۔

پھر جب بندہ پر اخلاص غالب نہیں ہوتا اور اپنے علم میں کھوٹ اور نقصان کا مشاہدہ کرتا ہے' تو سخت مصیبت کے وقت خدا سے اس طرح دعا نہیں کر سکتا کہ اے اللہ میں اپنے علم کی برکت سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے' باوجود یہ کہ علم تمام اعمال سے بہترین عمل ہے' مگر (چونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا علم خالص اللہ کے واسطے نہیں، بلکہ) اس میں کھوٹ ملا ہوا ہے' اس لئے کبھی اس کے واسطے سے دعا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا' اس وقت اگر ہم اس سے کہیں کہ (تم تو یہ کہا کرتے تھے کہ) علم تمام طاعات سے افضل ہے' اب وہ تمہاری بات کہاں گئی؟ اب علم کے واسطہ سے کیوں دعا نہیں کرتے؟ تو اس کا کوئی بھی جواب اس کے پاس نہ ہوگا (حالانکہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں تین شخصوں کا ذکر ہے کہ وہ کسی پہاڑ میں غار کے اندر بارش سے پناہ لے کر بیٹھے تھے اور غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر آپڑا تھا جس سے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا کہ ان لوگوں نے اپنے خالص نیک عمل کے واسطہ سے دعا کی تھی

تو وہ پتھر ہٹ گیا اور ان کو اس مصیبت سے نجات ملی' اس سے ثابت ہوا کہ اپنے خالص نیک عمل کے واسطہ سے دعا کرنے کو مصیبت کے دفع کرنے میں بہت اثر اور برکت ہے' تو بس خالص نیت سے علم حاصل کرنے کی پہچان یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اس کے واسطہ سے دعا کرنے کی ہمت ہو' اگر نیت میں فتور ہوگا تو خدا کے سامنے اس کا واسطہ دینے کے لئے کبھی زبان نہ اٹھے گی)۔

یہ عمل کی طرف سے بے توجہی کرنے والوں کی ادنی حالت ہے' بھلا (انصاف تو کرو) جس شخص میں یہ تمام صفات مذکورہ مجتمع ہوں اس کی تعلیم (کیونکر گوارا کی جاسکتی ہے اور اس کو پڑھانے، لکھانے کا کیسے) حکم دیا جاسکتا ہے' خصوصاً اگر طالب علم بڑھاپے کے بھی قریب پہنچ گیا ہو اور (اب تک بھی) اس کو عمل کی توفیق نہیں ہوئی (ایسا شخص تو ہرگز تعلیم کے قابل نہیں) یہ تو دنیا سے یقیناً خالی ہاتھ جائے گا کہ اس کے ساتھ عمل کا کوئی حصہ بھی نہ ہوگا یاد رکھو! کہ علم کے لئے کوئی ایسی حد مقرر نہیں کہ وہاں پہنچ کر پھر انسان عمل کی طرف رجوع کرے(۱)۔

---

(۱) جیسا کہ آج کل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر عمل کا اہتمام کریں گے' یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی کامل توفیق نہیں ہوتی' یاد رکھو! ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے پھر نہیں ہوا کرتا' جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے' اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے' اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو وہ اثر آئندہ بھی باقی رہتا ہے' ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔

جب پڑھنے کے زمانہ میں تم احادیث و قرآن کی ورق گردانی کرتے چلے گئے اور ترغیب و ترہیب کا اس وقت تمہارے دل پر اثر نہ ہوا تو آئندہ کیا امید ہو سکتی ہے کہ تم ان سے متاثر ہو گے' جب پہلے ہی تم نے یہ خیال کر کے آنکھیں بند کرلیں کہ یہ وقت ان پر عمل کرنے کا نہیں تو عزیز من! یہ امید مت کرنا کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر ان کا کچھ بھی اثر تمہارے دل پر ہوگا' جب تمہارے نفس نے پہلے ہی بار ان کو ٹال دیا' پھر کیا اثر قبول کرے گا' آج کل طلبہ نے سمجھ لیا ہے "یجوز لطالب العلم مالایجوز لغیرہ" کہ طالب علم کو وہ باتیں بھی جائز ہیں جو دوسروں کے لئے ناجائز ہیں۔ نہ معلوم یہ کون سی آیت ہے یا کونسی حدیث ہے یا کس امام کا فتویٰ ہے؟ کچھ نہیں صرف نفس کی شیطانیت ہے' یہ ہم نے مانا کہ طلبہ کو تحصیل علم کے وقت نوافل اور اذکار بہت زیادہ پابند ہونا مناسب نہیں ہوتا' اور یہ بھی اس شخص (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کے لئے جس کو مطالعہ کتب وغیرہ سے فرصت نہ ملتی ہو، مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب علم کو حرام و حلال کا بھی خیال نہ کرنا چاہئے اور بے دھڑک جھوٹ، فریب، غیبت و شکایت تکبر و حسد، عجب و ریاء وغیرہ کا ارتکاب کر لینا چاہئے، نماز کے ادا و قضا کا بھی اہتمام نہ کرنا چاہئے، صورت وضع میں بھی شریعت کی پابندی نہ کرنا چاہئے۔

اور غضب یہ کہ اساتذہ ان باتوں کو دیکھتے ہیں اور تنبیہ نہیں کرتے، اگر امتحان میں ناکام ہو جائے تو ہزار سختیاں کرتے ہیں، امتحان میں پاس ہوتا رہے تو پھر اس کے اعمال سے کچھ تعرض نہیں کیا جاتا اور بے تکلف اس کو پڑھاتے اور سند فراغ سے ممتاز کر دیتے ہیں، حالانکہ بخدا علم کا اصلی امتحان عمل سے ہے جو اس میں پورا اترے اسی کو کامیاب سمجھنا چاہئے، میری یہ مراد نہیں کہ مطالب و معانی میں طلبہ کی فہم و یادداشت کا امتحان نہ لیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم کا جو اصلی امتحان ہے اس کو بھی پس پشت نہ ڈالا جائے، بھلا اگر اسی بے عملی کی حالت میں یہ شخص سند لے کر مسند وعظ پر بیٹھ کر لوگوں کو نصیحت کرنے لگا تو سننے والوں پر کیسا برا اثر پڑے گا کہ علماء زبان سے تو بہت کچھ کہتے ہیں، مگر خود اپنی ہی عمل سے اپنے اقوال کی تکذیب کرتے ہیں۔

مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس ☆ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبری کنند ☆ چوں بخلوت می رسند ایں کار دیگری کنند(۱)

پھر ہدایت کے بجائے ان کو بھی بے عملی میں جرأت بڑھے گی۔

اے محترم اور بزرگ قوم! خدا کے لئے اس حالت کا جلدی تدارک کرو دیکھو حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعتیه"(۲) یعنی تمہارے میں ہر ایک نگہبان ہے، جس سے اس کی رعیت کی بابت سوال ہوگا۔ پس اے حضرات اساتذہ! آپ اپنے متعلمین و طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعیت ہیں، پس ان کی عملی حالت سے اگر آپ بے توجہی برتیں گے تو کیا آپ سے مواخذہ نہ ہوگا، اس لئے ہمیشہ طالب علم کی ہر حالت پر نظر رکھنا چاہئے بہت زیادہ جاسوسی کی تو ضرورت نہیں، مگر جب اس کی کوئی بات اندازہ و قرائن یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو جائے، اس پر ضرور تنبیہ کرنا چاہئے، بالخصوص اخلاقی کمزوری کی ضرور اصلاح کرنا چاہئے اور واجبات و فرائض کے علاوہ سنن و مستحبات کا بھی اس کو پابند کرنا چاہئے۔

اگر چاشت و اشراق کے وقت وہ کم از کم دو رکعتیں پڑھ لیا کرے اور رات کو اٹھ کر تہجد کی (بقیہ صفحہ گذشتہ)

---

(۱) مجھے ایک اشکال ہے عقل مند عالم سے پوچھو، توبہ کیلئے فرمانے والے خود کیوں کم توبہ کرتے ہیں۔ واعظ محراب و منبر پر کیا خوب جلوہ افروز ہوتے ہیں، جب خلوت میں پہنچتے ہیں تو ان کے کام دوسرے ہوتے ہیں۔ مرتب

(۲) کنز العمال ج ۶، ۱۰/ ۱۴۷ مشکوۃ ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ۔ مرتب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دور کعتیں پڑھ کر مطالعہ کتب میں مشغول ہو جایا کرے اور حدیث پڑھنے والے بجائے فضول باتوں کے چلتے پھرتے زبان سے درود شریف پڑھتے رہا کریں' تو بتلایئے اس سے ان کی تعلیم میں کون سا حرج ہو سکتا ہے' اگر خیال کیا جائے گا تو انشاء اللہ ایسی صورتیں خود بخود ذہن میں آنے لگیں گی جن سے طلبہ میں نور عبادت و حلاوت ذکر بھی پیدا ہو جائے' اور تعلیم میں بھی کوئی کمی کسی قسم کی نہ آنے پائے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ فہم سلیم اور نور ذکاوت عمل اور تقویٰ سے جس قدر پیدا ہوتا ہے اس کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا' تو اس کا اہتمام تعلیم کے لئے معین و مفید ہو گا یا مضر؟

میں نہیں خیال کر سکتا کہ اسکو مضر کیوں سمجھا جاتا ہے' البتہ باقاعدہ سلوک سے اور صوفیہ کے خاندانی طریقۂ ذکر سے ضرور منع کیا جائے کہ اس سے حالات و کیفیات کا غلبہ ہونے لگتا ہے تو تعلیم ناقص رہ جاتی ہے' مگر جو اذکار احادیث میں وارد ہیں' اختصار کے ساتھ ان کی پابندی کرنا اور بلاناغہ تلاوت قرآن کرتے رہنا وغیرہ یہ تو کسی طرح تعلیم میں حارج نہیں ہو سکتی اور یہ تو بہت ہی نازیبا طریقہ ہے کہ ناپسندیدہ اخلاق اور عمل سے بے توجہی کے باوجود طلبہ کو سند دیدی جائے کہ قوم کے پیشوا بن جائیں اور "خویش گم ست کرا رہبری کند" حالانکہ حق تعالیٰ جا بجا علماء یہود کی بابت "لوکانوا یعلمون" فرماتے ہیں کہ کاش ان کو علم ہوتا اور ہم خود اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ چونکہ ان کی حالت ان کے علم کے خلاف تھی' اس لئے حق تعالیٰ نے باوجود علم کے ان کو جاہل شمار کیا اور "لوکانوا یعلمون" فرمایا۔ پڑھنے پڑھانے والے اس کو مسئلہ بلاغت سمجھ کر بیان کر جاتے ہیں اور یہ نہیں خیال کرتے کہ اس سے یہ شرعی مسئلہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس عالم کی حالت' اس کے علم کے موافق نہ ہو وہ خدا کے نزدیک جاہل ہے اور اس کی تفصیل احادیث میں دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جاہل سے بھی بدتر ہے۔

پس اے قوم! سند دیتے وقت یہ تو دیکھ لیا کروں کہ ہم عالم کو سند دے رہے ہیں یا ایسے شخص کو جو شریعت کے نزدیک جاہل ہے' بھلا غور تو کرو' یہ کتنی سخت بات ہے کہ خدا کی کتاب تو ایک شخص کو جاہل بتلاتی ہے اور تم دنیا کے سامنے سند میں لمبے چوڑے تعریفی الفاظ و القاب لکھ کر اس کو عالم ظاہر کرتے ہو" ان هذا الا اختلاق"۔

مگر اس تقریر کا مطلب یہ نہیں کہ عام لوگ علماء بے عمل کی تحقیر و اہانت کیا کریں "نعوذ باللہ" ہرگز نہیں' بلکہ ان کو مثل بدپرہیز طبیب کے سمجھیں' طبیب اگر خود پرہیز نہ کرے گا اپنے آپ مرے گا' مگر مریض کو تو اس کے بتلانے کے موافق ہی علاج کرنا چاہئے' اگر مریض نے اس کی تدبیر کے موافق عمل کر لیا اس کو تو ضرور شفاء ہو جائے گی' طبیب ہر حالت میں قابل تعظیم ہی ہے' نیز عالم بے عمل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کی ایسی مثال ہے جیسے کہ لڑنے والا لڑائی کا سامان جمع کیا کرتا ہے۔(کیونکہ طالب علم بھی نفس و شیطان کے مقابلہ کے لئے پورے سامان سے تیار ہونا چاہتا ہے) تو لڑائی کا ارادہ رکھنے والا اگر ساری عمر سامان ہی جمع کرنے میں ختم کردے تو (اس سے کوئی پوچھے کہ) لڑے گا کب؟ اسی طرح اگر طالب علم ساری عمر علم حاصل کرنے ہی میں صرف کردے۔ تو عمل کس وقت کرے گا (عمل ہی کے وقت تو نفس و شیطان سے مقابلہ ہوتا ہے' اگر اسی کی نوبت نہ آئی تو علم سے فائدہ کیا ہوا؟)۔

میں کہتا ہوں کہ اصل مقصود علم سے بجز عمل کے کچھ نہیں' یہ تو بہت موٹی بات ہے' رہا اور دوسروں کو تعلیم دینا یہ تبعاً مقصود ہے (جس کو آج کل اصل مقصود خیال کیا جاتا ہے' بھلا غور تو کرو کہ صحابہ کرام کی جو اس قدر فضیلت ہے کیا وہ بھی درسیات ہی پڑھاتے تھے؟ ان میں کیا بات تھی؟ جس کی وجہ سے وہ تمام افراد امت میں افضل شمار ہوتے ہیں' ان میں بعض ایسے بھی تھے جو پورا قرآن بھی پڑھے ہوئے نہ تھے' ان میں تو حضور ﷺ کی فیض صحبت سے اخلاص اور عمل ہی بہت زیادہ تھا' جس کی طرف آج ہم کو توجہ نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرات صحابہ علم و معرفت میں بھی سب سے افضل تھے تو عزیز من! وہ علم و معرفت اس قیل و قال کا نام نہیں ہے

وہ تو عمل اور فیض صحبت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

(قال رابگذار مرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو(۱))

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس وکیل سرکاری کی مانند ہے جو خود قانون کے خلاف ورزی کرتا ہے' اس خلاف ورزی کا نتیجہ بدخود دیکھے گا' مگر چونکہ وہ قانون سے واقف ہے اس لئے مقدمات میں اس کی رائے لینے سے فائدہ ہی ہوگا' پس عوام کو تو ان سے پوچھ کر ہی عمل کرنا چاہئے' البتہ جو عالم غلط مسائل بتلاتا ہو اور نفسانی غرض سے جس نے جو پوچھا اسی کے موافق فتویٰ دیدیتا ہو اس سے پرہیز کریں کہ وہ خائن طبیب اور جھوٹا وکیل اور پورا راہزن ہے اور عالم بے عمل اگر صحیح مسائل بیان کرتا ہو اس کی باتوں کو سن لیا کریں اور ان پر عمل کیا کریں' مگر اس کی صحبت اختیار نہ کریں' صحبت کسی عالم باعمل کامل متبع سنت کی اختیار کریں تاکہ آخرت کی طرف رغبت اور عمل کا شوق پیدا ہو خوب سمجھ لو۔ " واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم " ۱۲ مترجم

(۱) قال کو چھوڑ مرد حال ہوجا۔ کسی کامل مرد کے سامنے پامال ہوجا۔ مرتب

اس لئے ہم کو اس شخص کی تعلیم سے ہاتھ روک لینا چاہئے جو اپنے علم کے موافق عمل کا اہتمام نہ کرتا ہو اور اس بات پر نظر نہ کریں کہ شاید حق تعالیٰ آئندہ اس کو عمل کی توفیق عطا فرمادیں، تمہارے لئے بھی اور اس کے لئے بھی اسی میں احتیاط ہے (کہ اس کو رخصت کرو)۔

اور یہ جو بعض حضرات کا قول ہے "تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ" کہ ہم نے تو علم غیر خدا کے لئے پڑھا تھا، مگر وہ کسی کا نہ ہوا آخر کار خدا ہی کا ہو کر رہا۔ تو ایک خاص واقعہ ہے، نادر صورت ہے، ایسے نادر واقعات سے عام حکم نہیں لگایا جا سکتا، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب ترک تعلیم پر لوگ ملامت کرتے تو آپ فرمایا کرتے کہ بخدا اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ فقط خدا کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ہم ان کے گھروں پر خود جا کر پڑھاتے، مگر ان کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ علم حاصل کر کے لوگوں سے بحث مباحثہ کریں اور اس کے ذریعہ سے معاش حاصل کریں (اس لئے ہم نے ان کو پڑھانا چھوڑ دیا)۔

اور فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر علم کے ساتھ نیت بھی خالص ہو تو کوئی عمل اس سے افضل اور اس پر مقدم نہیں، مگر اب تو عمل کے سوا (دوسرے مقاصد) کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ایک بار ایک عالم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا: کہ اے جماعت علماء! تم چراغ (ہدایت) تھے، تمہاری روشنی روئے زمین پر پھیلتی تھی، مگر (اب خود) تمہارے ہی اوپر اندھیرا چھا گیا، تم ستاروں کی مانند تھے کہ تمہارے ذریعہ سے جہل کی تاریکیوں میں راستہ ملتا تھا، مگر (اب) تم خود (راستہ بھول کر) حیرت میں پڑ گئے، کسی کو دیکھو تو حاکموں اور مالداروں کے پاس جا رہا ہے، ان کے تخت و فرش پر بیٹھ کر ان کا کھانا کھاتا ہے، حالانکہ جانتا ہے کہ یہ کہاں سے (اور کس طریقہ سے) کماتے ہیں، اس کے بعد مسجد میں آتا ہے اور بیٹھ کر علم کی تعلیم دیتا اور لوگوں کو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے "حدثنی فلان عن فلان" خدا کی قسم علم حاصل کرنا ان باتوں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی عالم یا عابد میں یہ بات دیکھو کہ وہ امراء اور اغنیاء کی مجالس میں اپنے تقویٰ اور زہد و بزرگی کا تذکرہ ہونا پسند کرتا ہے، تو سمجھ جاؤ کہ وہ ریاکار

ہے۔اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تم طالب علم کو ایسا دیکھو کہ جس قدر اس کے علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر دنیا میں بے رغبتی اور نماز میں خشوع خضوع بڑھتا جاتا ہے' اس کو پڑھاؤ (اور ضرور تعلیم دو) اور اگر یہ دیکھو کہ جتنا علم بڑھتا ہے۔ اسی قدر قیل و قال و بحث و مباحثہ میں ترقی کرتا ہے اور دنیا کی طرف اس کی رغبت بڑھتی ہے' اس کو تعلیم مت دو۔

اور کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوئی تھی یہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس وقت جاہل (اور کم عقل لوگ) علم حاصل کیا کریں گے اور امراء کے پاس بیٹھ کر غرباء سے ایسی غیرت کیا کریں گے جیسا کہ عورتیں مردوں سے غیرت کرتی ہیں' (یعنی غریبوں کے پاس بیٹھنے سے نفرت کریں گے' بس ان لوگوں کو علم سے اتنا ہی حصہ ملے گا (یعنی ان کو صرف جاہ مقصود ہوگی' اس لئے آخرت میں اس علم سے ان کو کچھ نہ ملے گا)۔

اور صالح مری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کے مخلص ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے ہمسروں کے سامنے اس کو جاہل کہہ دیا جائے یا ریاکاری و شہرت پسندی کی صفت سے بدنام کیا جائے تو (اس کا دل خوش ہو اور) طبیعت میں انشراح پیدا ہو اور ریاکار ہونے کی علامت یہ ہے کہ ان باتوں سے دل تنگ ہو (اور طبیعت میں غم و غصہ پیدا ہو) اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ طالب دنیا عالم کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو' کیونکہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور بغیر عمل کیے محض زبانی جمع خرچ سے علم کی تعریف کر کے تم کو فتنہ میں ڈال دے گا (کیونکہ تم اس کی باتوں سے اس دھوکہ میں پڑ جاؤ گے کہ عمل کی چنداں ضرورت نہیں' صرف معلومات بڑھا لینا ہی کافی ہے) اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو اپنے علم سے خوش ہونے کا حق حساب سے فارغ ہونے کے بعد ہو سکتا ہے' کیونکہ اس وقت یہ معلوم ہوگا کہ وہ علم اس کے لئے نافع ہے یا اس پر خدا کی حجت ہے' باقی دنیا میں رہتے ہوئے اس سے خوش ہونا (اور ناز کرنا) ہرگز بجا نہیں اور نہ اس بات پر نظر کرنا چاہئے کہ دنیا میں امراء و اغنیاء سے اہل علم کا کام چل رہا ہے (اور لوگ ان کو ہدایا وغیرہ دیتے ہیں) کیونکہ بسا اوقات وہ علم دوزخ کی طرف وسیلہ ہو جاتا ہے۔

اور ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم پہلے عمل کو پکارتا ہے' اگر اس نے جواب دیا (اور حاضر ہو گیا) تب تو علم رہتا ہے ورنہ رخصت ہو جاتا ہے (یعنی دل سے اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے) میں کہتا ہوں کہ جب انسان کے دل سے علم رخصت ہو گیا تو وہ تو جاہل رہ گیا' عالم کہاں رہا' نیز فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا گذر ایک پتھر پر ہوا جس پر لکھا تھا کہ مجھ کو پلٹ کر دیکھو عبرت حاصل کرو گے' میں نے اس کو پلٹا تو اس پر لکھا ہوا تھا۔

"انت بما تعلم لم تعمل ☆ فكيف تطلب علم مالم تعلم"

کہ تم نے معلوم شدہ باتوں پر تو عمل کیا نہیں' پھر نئی معلومات حاصل کرنے کی کس لئے فکر ہے' یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ علم کو عمل کے لئے حاصل کرو۔ اس میں بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں' اسی لئے ان کا علم تو پہاڑوں کے برابر ہے عمل چیونٹی کے برابر۔

اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے پہلے لوگوں کی تو یہ حالت دیکھی تھی کہ جس قدر کسی کا علم بڑھتا تھا' اسی قدر دنیا میں بے رغبتی اور مال و متاع میں کمی ہوتی جاتی تھی اور آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جتنی علم میں ترقی ہوتی ہے اس سے زیادہ دنیا میں رغبت اور اہل دنیا کے ساتھ مزاحمت بڑھتی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ (میری سمجھ میں نہیں آتا کہ) دنیا اور لذات دنیا کی طرف مائل ہوتے ہوئے عالم کو اپنے علم پر ایمان کیونکر رہ سکتا ہے (کیونکہ علم تو ان باتوں سے منع کرتا ہے؟ اگر وہ اپنے علم کو سچا سمجھتا تو اس کے خلاف کیوں کرتا؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم کو غلط سمجھتا ہے)۔

اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حرام مال کھانے والے علماء اور قراء مردے ہیں کہ آگ سے پیٹ بھر رہے ہیں' (اور کچھ خبر نہیں) اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور اپنے پیٹ کے اندر آگ کی سوزش اور جلن محسوس کرتے۔

اور منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ تم کو علم سے لذت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ تم علم کی باتیں سنتے سناتے اور فقط زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہو' اگر تم اپنے علم پر پوری طرح عمل کیا کرتے تو مزہ اور لذت کبھی نہ پاتے' کیونکہ علم تو اول سے آخر تک دنیا سے نفرت کرنے کی رغبت دلاتا ہے (پھر اس میں لذت کہاں؟)۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم باعمل کی پہنچان یہ ہے کہ تمام امراء و اغنیاء اس کے دشمن ہوں کوئی اس کا (دوستی کے ساتھ) معتقد نہ ہو' کیونکہ ان لوگوں میں خلاف شرع باتیں بہت ہوتی ہیں' اس لئے عالم باعمل کے اعتراضات بھی ان پر بہت ہوں گے (جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس کے دشمن ہو جائیں گے)۔

اور عامر بن عبد اللہ بن قیس تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے علوم جو ہم نے حاصل کئے ہیں قیامت میں تمنا کریں گے کہ کاش ہم نے ان کو حاصل نہ کیا ہوتا (کیونکہ جب ان پر عمل نہیں کیا تو سوائے اس کے کہ اپنے اوپر حجت الٰہی قائم ہوئی اور کیا نفع ہوا؟)۔

اور علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی عالم کسی حاکم یا مالدار کے پاس جا کر اس کا کھانا کھاتا ہے' تو جس قدر کھانا کھائے گا ضرور اسی قدر اس کا دین کم ہو جائے گا (کیونکہ ان لوگوں کا مال مشتبہ ہوتا ہے) اور ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ طالب علم کو چاہئے کہ علم حاصل کرنے میں خالص اللہ کے لئے نیت کرے' کیونکہ جس چیز میں خدا کی لئے خالص نیت نہ کی جائے وہ مضمحل (اور نیست و نابود) ہو جاتی ہے' یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی عالم کسی بڑی جگہ میں بیٹھ کر درس دے رہا ہو اور اس کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت بادشاہ یا کوئی حاکم اس کے پاس آ رہا ہے تو مناسب ہے کہ تعلیم بند کر دے تاکہ یہ لوگ محفل علم میں (درس دیتا ہوا) اس کو نہ دیکھیں (کیونکہ اکثر اوقات ایسی حالت میں جی چاہا کرتا ہے کہ اچھی طرح مسائل کی تحقیق بیان کریں تاکہ آنے والوں کے دل میں اس کی وقعت پیدا ہو اور یہ ریا کا شعبہ ہے)۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عالم کے ریاکار ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو (علم کی وجہ سے) روپے اور اشرفیاں ملیں تو اس کے دل میں حلاوت (اور خوشی) پیدا ہو' اگر وہ مخلص ہوتا تو ایسے وقت میں اس کے دل میں انقباض (اور تنگی) پیدا ہوتی (کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہوتا ہے جب اس میں دنیا کی آمیزش ہونے لگتی ہے' تو مخلص کا قلب ضرور مکدر ہوتا ہے اس لئے علماء کو چاہئے کہ اپنے محبین اور مخلصین کے سوا ہر کس و ناکس کا ہدیہ قبول نہ

کریں، کیونکہ محب مخلص تو محبت کی وجہ سے ہدیہ دیتا ہے اور عام لوگ محض عالم سمجھ کر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ (اس صورت میں ضرور دین فروشی کی صورت ہوگی)۔

اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں تو علماء کو حلال سے بھی پیٹ بھرنا برا ہے، حرام سے پیٹ بھرنا تو کیا کچھ ہوگا، خدا کی قسم میں تو جب کوئی لقمہ کھاتا ہوں، یہ تمنا کرتا ہوں کہ میرے پیٹ میں جا کر ہضم نہ ہو بلکہ) پکی اینٹ کی طرح ہو جائے، کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ پکی اینٹ تین سو برس تک پانی میں رہتی ہے (تو پھر مجھے آئندہ کھانے کی ضرورت ہی نہ ہو) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی عالم دنیا کو عزیز سمجھتا ہے، حق تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت دونوں میں ضرور ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ علماء کا تقویٰ حرام مال اور شہوات نفس سے بچنے میں ہے، کیونکہ جو گناہ عوام کے نزدیک بھی ظاہر ہیں ان سے تو یہ لوگ (بدنامی اور رسوائی کے خوف سے) اکثر بچتے ہی رہتے ہیں۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کبھی اس علم (دین) کی حفاظت کے لئے ایسے لوگوں کو بھی مقرر کیا کرتے ہیں جو خدا کے سوا (دنیوی اغراض کے لئے) اس کو حاصل کرتے ہیں۔ پھر قیامت میں وہ علم ان کے لئے وبال جان ہو کر رہے گا۔ پس (غور سے) دیکھ لو کہ تم کیا حاصل کر رہے ہو (کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ علم تمہاری جان کا وبال ہو جائے)۔

اور بکر بن عبد اللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب علم جس قدر اپنے لباس اور سامان میں زیادتی کرتا ہے اسی قدر حق تعالیٰ کا غصہ اس پر زیادہ ہوتا ہے اور جتنا مال زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی خدا سے دوری ہو جاتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ریاکار عالم کی پہچان یہ ہے کہ (اول تو) لوگوں کو علم کی طرف خوب رغبت دلائے تاکہ اس کے پاس پڑھنے آئیں، پھر اگر کسی دوسرے عالم کے پاس جانے کے لئے کوئی اس سے مشورہ کرے تو اس کو علم کی رغبت نہ دلائے (اگر مخلص ہوتا تو ہر حال میں علم کی ترغیب دیتا خواہ کوئی اس کے پاس پڑھنے آتا یا دوسری جگہ جاتا، مگر جب ساری ترغیب اسی لئے ہے کہ لوگ اسی سے علم حاصل کریں تو یہ ریاکار ہے، اخلاص کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی)۔

اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے عالم کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی

محبت کا خطرہ بھی اس کے دل پر نہ گذرے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ آج کل اس زمانہ میں اکثر علماء حرام اور مشتبہ مال کھانے لگے یہاں تک کہ وہ اپنی شکم اور فرج ہی کی خواہشوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، علم کو ایک پھندا اور جال بنا رکھا ہے جس سے دنیا کو شکار کرتے ہیں، پس ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی بچو۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر فقہاء اور اہل حدیث میں ایک نقص نہ ہوتا تو وہ سب لوگوں سے افضل تھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اب وہ اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا کمانے لگے ہیں، اسی لئے لوگوں کی نگاہوں میں ہلکے ہو گئے، یہ بھی فرماتے تھے کہ انسان کی عقلمندی کی دلیل یہ ہے کہ علم اسی قدر حاصل کرے جس پر پوری طرح عمل کرنے کی قدرت اپنے اندر پاتا ہو جب اس پر عمل کر چکے اس وقت اس کے لئے آگے بڑھنے کا شوق مناسب ہو گا۔

اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مزے دار باتیں بنانے کے لئے علم حاصل نہ کرو کہ جو کچھ سنا بغیر عمل ہی کے اس کو بیان کر دیا، علم کو صرف عمل کے لئے طلب کرنا چاہئے، خدا کی قسم اگر عمل کے لئے لوگ علم حاصل کیا کرتے تو (ہر ہر بات کو) کڑوی دوا کی طرح گھونٹ گھونٹ پیتے، یہ لذت اور مزہ بھول جاتے۔

اور جنید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم کی ایک قیمت ہے اس کو وصول کیئے بغیر کسی کو علم مت دو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ قیمت کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھی (طرح اس کو دل میں) جگہ دینا اور ضائع نہ کرنا (جو یہ قیمت پہلے پیش کر دے) اس کو علوم پڑھاؤ۔

اور ابو عبد اللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کا علم (ریا وغیرہ سے) پاک نہیں اس کا عمل پاکیزہ نہیں ہو سکتا اور جس کا عمل پاکیزہ نہیں، اس کا بدن پاک صاف نہیں اور جس کا بدن ستھرا نہیں اس کا دل بھی پاکیزہ نہیں ہو سکتا اور جس کا دل پاک صاف نہیں اس کا سارا گھر ہی ناپاک ہے (کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کی بوٹی ہے، اور اگر وہ درست رہے تو تمام بدن درست ہو جائے گا، اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن خراب ہو جائے گا، سن لو وہ دل ہے (۱) غرض تمام امور کا دار و مدار اخلاص نیت پر ہے (علم حاصل کرنے میں اگر نیت خالص ہو گی تو سارے کام درست ہو جائیں گے۔

(۱) مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۷۰۔ مرتب

اور ابو محمد عبد اللہ رازی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اپنے عیبوں کو پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کر پھر بھی ان ہی پر قائم رہنا چاہتے ہیں' سیدھے راستہ کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے' وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کر کے اس پر ناز کرنے لگے' فخر و مباہات میں مشغول ہو گئے' اس سے کام لینے کا قصد نہیں کیا (عمل میں مشغول نہیں ہوتے) ظاہری باتوں میں قیل و قال کرتے رہتے ہیں' باطنی (اور قلبی امراض) کی بحث کو چھوڑ دیا تو خدا تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو سیدھا راستہ دیکھنے سے اندھا کر دیا اور ظاہری اعضاء کو طاعات (کی بجا آوری سے) روک دیا۔

اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے ہی رہا کرو' کیونکہ تم فقط علم حاصل نہیں کر رہے ہو' بلکہ اپنے اوپر حجت الٰہی کو اچھی طرح قائم کر رہے ہو اور جب حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث پڑھانا چھوڑ دیا تو لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ خدا تعالیٰ کو اس وقت کیا جواب دیں گے جبکہ یہ سوال ہو گا کہ تم نے میرے بندوں کو علم کیوں نہیں سکھایا؟ تو بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں یہ عرض کر دوں گا کہ آپ نے اس کے لئے اخلاص کا بھی امر فرمایا تھا اور میں نے اپنے نفس میں اخلاص نہیں پایا' اس لئے تعلیم نہیں دی (۱)۔

اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ طلبہ سے فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک تم سے ہو سکے تعلقات کو کم کرو' کیونکہ بخدا اگر میں نفس کی ہر خواہش کو پورا کیا کرتا تو مجھے خوف تھا کہ علم کو چھوڑ کر کہیں داروغہ یا چونگی وصول کرنے والا ہو جاتا (کیونکہ علمی مشغلہ میں دنیا زیادہ نہیں

---

(۱) واقعی بات یہ ہے تدریس کے وقت اکثر اخلاص سے خالی ہوتے ہیں' اس کی کرتے ہیں کہ کسی طرح ہماری بات بنی رہے اگر کوئی طالب علم ہماری تقریر پر اعتراض کرے یا حاشیہ و شرح سے ہمارے خلاف کوئی بات بیان کرے تو نہ طالب علم کی سنتے ہیں۔ نہ محشی و شارح کی بات کو مانتے ہیں اپنی رائے کے مقابلہ میں بے دھڑک اس کا رد کر دیتے ہیں اور سلف صالح کی شان میں بے جا الفاظ کہہ ڈالتے ہیں اور کوشش تو ضرور ہوتی ہے کہ روانی تقریر و زیادت تحقیق میں ہمارا نام ہو جائے۔ غور کرو یہ شہرت پسندی ہے یا نہیں؟ اخلاص اس کا نام نہیں۔ خدا ہمارے حال پر رحم فرمادے۔ ۱۲ مترجم

ملتی زیادہ آمدنی تو ایسے ہی منصبوں سے ہوتی ہے' تو اگر علائق کم نہ کئے جائیں گے' خواہ مخواہ زیادہ مال کی طلب ہو گی پھر اندیشہ ہے کہ علم کو چھوڑ کر دنیا کے دھندوں میں نہ پھنس جائے جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ہزار علم حاصل کرنے والوں میں سے دس پانچ ہی اس میں لگنے والے ہوتے ہیں جو تعلقات کم کر کے قلیل دنیا پر قناعت کئے ہوئے ہیں' اکثر طلبہ دوسرے مشاغل میں پھنس کر علم کو ضائع کر دیتے ہیں' کیونکہ ان کے کھانے' پہننے اور ساز و سامان کے لئے قلیل آمدنی کافی نہیں ہوتی' اس لئے زیادہ آمدنی کی طلب میں دنیا کے دوسرے دھندے طب وغیرہ اختیار کرتے ہیں جن سے علم کا نام و نشان بھی ان میں نہیں رہتا)۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمارا دن بیوقوفوں کی طرح گذرے اور رات جاہلوں کی طرح تو زیادہ علم کو لے کر ہم چاٹیں گے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایسے عالم کی کیا تعریف کی جائے جو بادشاہوں کے خلعت قبول کرتا ہو اور ظالم حکام کے ہدایا کھاتا ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب طالب علم کو دیکھو کہ وہ کھانے پینے میں گڑبڑ کرتا ہے (حلال و حرام کا خیال نہیں کرتا) اس کی تعلیم سے ہاتھ روک لو' اور خدا کی قسم اگر کوئی بندہ پورا علم حاصل کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہو یہاں تک کہ سارا عمل ایک بڑے ستون کے برابر ہو جائے' مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ پیٹ میں جو چیز جاتی ہے وہ حلال ہے یا حرام' تب بھی اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے پہلے لوگوں کو دیکھا ہے کہ تعلیم کے قبل طالب علم سے نیت میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے برسوں ریاضات (و مجاہدات) کراتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ بے ہودہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا جو اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا کھاتے ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ روایات بیان کرنے کا نام علم نہیں' علم وہی ہے جس سے نفع ہو (اور نفع اخلاص کے بغیر نہیں ہو سکتا) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم نے تم کو نفع نہ دیا تو نقصان ضرور پہنچائیگا۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عالم کا مخلص نہ ہونا اس سے پہچانتا ہوں کہ دنیا والوں کی خوشامد زیادہ کرے اور اگر وہ کہیں چلے جائیں تو ان کے پاس سلام بھیجتا رہے اور فقیروں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے علماء کے اوصاف

دریافت کئے (کہ علماء کیسے ہوا کرتے ہیں) آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

تعروا وجاعوا اوالهوا جراظماوا ☆ والاقدام صفوا والجباه قد اورموا

ننگے اور بھوکے اور گرمی دوپہر میں پیاسے رہتے ہیں اور (نماز میں) قدم جما کر کھڑے ہوتے ہیں' یہاں تک کہ پیشانیوں پر (بوجہ لمبے سجدے کرنے کے) ورم ہو جاتا ہے۔

سلف صالحین کے اقوال اس بارے میں کثرت سے ہیں جن میں سے بہت سے "کتاب الطبقات" میں ہم نے لکھ دیئے ہیں' اور اس عہد کے شروع میں جو ہم نے کہا ہے کہ جو طالب علم عمل کا اہتمام نہ کرتا ہو اس کی تعلیم سے ہم کو رک جانا چاہئے' اس سے وہ صورت خود ہی نکل گئی جبکہ طالب علم میں اخلاص و عمل کی ذرا بھی بو ہم کو محسوس ہو ایسے شخص کو ضرور پڑھانا چاہئے' بلکہ اس کی تعلیم کو اپنے تمام اوراد و نوافل پر مقدم کرنا چاہئے' کیونکہ ان کا اثر کرنے والے ہی تک رہتا ہے (اور تعلیم کا اثر بہت دور تک پہنچتا ہے) نیز اس لئے بھی کہ علم سے دین کی حیات اور بقا ہے اور ہر زمانہ میں ہمیشہ علماء کی ایک جماعت قدم اخلاص پر جمی ہوئی ضرور ہوتی ہے جن کے ذریعہ سے حق تعالیٰ اس شریعت کو زندہ کرتے رہتے ہیں' جب تک کہ خدا تعالیٰ کا (دوسرا) حکم آوے (یعنی قیامت کے قریب جبکہ علم اٹھ جائے گا' اس وقت تو مخلصین نہ رہیں گے' باقی اس سے پہلے ہر زمانہ میں مخلصین ضرور موجود رہتے ہیں۔

پس یہ کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں رہی کہ اگر ان بے ہودہ لوگوں کی تعلیم سے ہاتھ روک لیا جائے جو اپنے علم کے موافق عمل نہیں کرتے' تو علم کا نام و نشان مٹ جائے گا' کیونکہ ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ مخلصین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں' ان کے ہوتے ہوئے علم کا نام و نشان نہیں مٹ سکتا۔ واللہ علیم حکیم۔

(۴۰) دوستی ان لوگوں سے کریں جو دنیا سے بے رغبت اور منصبوں سے علیحدہ ہوں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دوستی ان لوگوں سے کریں جو دنیا میں بے رغبت اور اس کے منصبوں سے علیحدہ ہوں اور جو شخص کسی منصب حکومت پر ممتاز ہو اس کی تعزیت کو جایا

کریں اور اس کو پرسادیا کریں، خصوصاً اگر وہ شخص علماء اور صالحین میں سے ہو یا وہ منصب تولیت وقف کا ہو اور یہ (تعزیت) چند وجوہ سے کرنی چاہئے، اول یہ کہ ایسا شخص حب ریاست کی بلا میں گرفتا ہو جاتا ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ ریاست کا مزہ چکھنے کے بعد پھر آسانی سے اس کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں، پھر جدائی آسان نہیں ہوتی، بلکہ اگر کوئی اسکا ہمسر اس کو اس سے چھیننا چاہے تو چھیننے والے کا دشمن ہو جائے گا، حالانکہ منصب ملنے سے پہلے یہ اس سے بالکل مستغنی تھا، کوئی ضرورت اس کی نہ تھی، حق تعالیٰ برسوں (بغیر منصب ہی کے روزی پہنچاتے رہے، ایک دن بھی اس کو نہیں بھولے (مگر منصب ملنے کے بعد نہ معلوم اس کی جدائی کیوں ناگوار ہوتی ہے اور کس لئے یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر روزی کہاں سے ملے گی گذارہ کیسے ہو گا؟ کچھ نہیں یہ اس حب ریاست کا اثر ہے کہ دل میں توکل اور خدا پر بھروسہ نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ دین کی موت کیا ہو گی؟ اس لئے ایسے شخص کو اس کے دین کے مر جانے پر تعزیت اور پرسادینا چاہئے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ متولی وقف اکثر ان لوگوں کے خیال سے جو کہ وقف سے تنخواہ پاتے ہیں (مثلاً امام اور عالم اور خطیب موذن وغیرہ) لگان وصول کرنے میں بہت سختی سے کام لیا کرتا ہے، چاہے کاشتکار کیسا ہی پریشان حال اور تنگدست کیوں نہ ہو، اس سے خالی پڑی ہوئی زمین اور آفت رسیدہ کھیت کا بھی لگان وصول کر لیتا ہے، حتی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے بھی ایک بوری گیہوں کی اس کے گھر میں نہیں چھوڑتے، پس اگر یہ عالم متولی وقف بن کر اسی چال چلا جو سارے حکام اور زمین دار وغیرہ چلتے ہیں اور یہ بھی ان کی طرح کاشتکاروں کے گھر کا غلہ اور دودھ کی گائے وغیرہ بکوانے لگا تب تو علم اور زہد کے طریقہ سے نکل کر ظالموں کے پیشہ میں داخل ہو گیا اور اگر یہ اس طریقہ پر نہ چلا تو جو لوگ وقف میں حقدار ہیں وہ اس کے سر ہوں گے اور کہیں گے کہ تو اس منصب کے لائق نہیں تو لگان وصول کرنے میں سستی اور کوتاہی کرتا ہے، اس لئے جس قدر رقم کاشتکاروں کے پاس باقی ہے اس کا ادا کرنا تیرے ذمہ ہے، اب اس وقت متولی میں اور حقداروں میں نزاع ہو گا اور بقایا رقم کی اس کے اوپر محکمہ مفتش میں نالش کر دیں گے، غرض متولی وقف ان دوہری بلاؤں سے کبھی نجات نہیں پا سکتا، ہاں اگر خالص

اور پاکیزہ دل والوں میں سے ہوا (تو وہ ان سے بچ سکتا ہے) کیونکہ وہ ایسے وقت میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے کاشتکار کی روزی میں پوشیدہ طور پر برکت پیدا کر دیں گے' پھر اس کو لگان ادا کرنا بدون کسی مشقت کے آسان ہو جائے گا' مگر ایسے لوگ بہت کم یاب ہیں۔ متولی او قاف تو کوئی بھی اس شان کا نہ ملے گا الا ماشاء اللہ' پس سوچ لو (کہ تولیت وقف کیسی بری بلا ہے)۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ پہلے جو لوگ اس عالم یا درویش سے فیض اور برکت حاصل کرتے تھے اور علم و عبادت و زہد کی وجہ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے وہ اب خدا کے سامنے اس کے شر سے پناہ مانگیں گے' پھر یہ کہ اس شخص کا جو خاص وقت اللہ کی یاد کا ہوگا وہ بھی مکدر اور مشوش ہو جائے گا' اب نہ اس کا دل نماز میں لگے گا نہ کسی کام میں' تو اس کی حالت بالکل ہی ردی ہو جائے گی' علمی مشغلہ بھی یقیناً کم ہو جائے گا' راتوں کا اٹھنا اور لوگوں کو سوتے ہوئے تہجد کی نماز پڑھنا وغیرہ سب چھوٹ جائے گا (ہاں اسکے بجائے یہ ہوگا کہ) اب اس کا نفس قیمتی لباسوں اور لذیذ غذاؤں اور حسین جمیل عورتوں کی طرف مائل ہو جائے گا کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرنے اور سنگ مرمر وغیرہ کے بلند مکانوں میں رہنے کی خواہش کرے گا' دنیاداروں سے اختلاط کرے گا اور ان سے بھی زیادہ دنیا میں رغبت کرنے لگے گا' پس منصب کی بدولت جس کی حالت اس درجہ کو پہنچ جائے اس کو منصب ملنے کی مبارک باد کیونکر دی جاسکتی ہے' بلکہ اس کی تو تعزیت کرنا مناسب ہے کہ اس کا دین ناقص ہو گیا۔

اور جو شخص منصب والوں کے بارے میں ان خرابیوں کے پیش آنے کا (انکار کرے یا) اس میں شک وشبہ کرے اس کا دل روشن اور صاف ستھرا نہیں (ورنہ اس میں کبھی توقف نہ کرتا' بلکہ کھلی آنکھوں ان خرابیوں کے پیش آنے کا یقین کے ساتھ مشاہدہ کرتا) کیونکہ ہم نے اس زمانہ میں اپنے دوستوں میں سے جس کسی کو حکومت وریاست کے منصب پر پایا ہے اس کی یہی حالت دیکھی ہے کہ (منصب ملنے کے بعد) اپنے دوست آشناؤں سے بدل جاتا اور اپنے کو ان سے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

بلکہ میں نے بعضوں کو اپنی ماں تک سے بدلتا ہوا دیکھا ہے کہ وہ غریب اس سے ملنے کو

گاؤں سے آئی (تو کسی سے یہ نہیں کہا کہ یہ میری ماں ہے) بلکہ بیوی کے خوف سے یوں کہا کہ اس کاشتکار عورت کو کھانا دیدو' اس دیہاتی عورت کو روٹی کھلادو کہ مبادا کہیں بیوی اس کو عار نہ دلائے اور حقیر نہ سمجھے کہ اس کی ماں ایسی ذلیل حالت میں آئی تھی) حالانکہ (اگر یہی خوف تھا تو) اس کو لازم تھا کہ اپنی ماں کو بھی ویسے ہی قیمتی کپڑے پہناتا جیسے کہ بیوی کو پہناتا ہے' حالانکہ بیوی کا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ اس کو جو کی بھوسی ہی کھلائی جائے زیادہ کا تو کیا حق ہو سکتا ہے؟ (مطلب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ماں کے مقابلہ میں اس کا کچھ بھی حق نہیں تھا اگرچہ بعد نکاح کے شریعت نے بیوی کے لئے بھی حقوق مقرر کئے ہیں' مگر ماں کے درجہ سے اس کا درجہ بڑھا دینا بھی جائز نہیں' والدین کی خدمت کے ساتھ بیوی کی بھی رعایت کرنی چاہئے) تو جس علم وصلاح کا یہ انجام ہو کہ دین میں سستی اور بے اعتنائی اور دنیا کی محبت اور دنیا کے لئے لوگوں سے عداوت پیدا ہو اس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ (منصب ملنے سے) پہلے حکام کے پاس لوگوں کی بہت سفارشیں کیا کرتا تھا' پھر جب حاکم نے کچھ خلعت وغیرہ اس کو دیدیا یا شاہی دفتر سے اس کے لئے کچھ (روپے) پیسے مقرر کرادیئے تو اس کے بعد سفارش کرنے سے بالکل رک گیا' پھر اس کے پاس کسی کی سفارش نہ کر سکا کہ مبادا کہیں اس سے یہ منصب وغیرہ اور پیسے نہ چھین لئے جائیں (حالانکہ بخدا سمجھنے کی بات ہے کہ) جب حق تعالیٰ شانہ رات دن ان لوگوں کو بھی روزی دیتے ہیں جو اس کی طرف سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور مخلوق کو تکلیف پہنچاتے ہیں' تو ان لوگوں کو کیسے بھول سکتے ہیں جو اس کی طرف متوجہ ہوتے اور مخلوق کو نفع پہنچاتے ہیں' پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حاکم اس منصب کو جس کی قدر حق تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اس عالم یا درویش سے منتقل ہی کردے گا تو کیا اس کے واسطے مصر جیسے شہر میں دو روٹیاں بھی نہیں رہیں جن سے ہر دن پیٹ بھر لیا کرے۔

اور بعض غیبی آوازوں میں سنا گیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے! میں نے تجھ کو فقط اپنے واسطے پیدا کیا ہے اور فرشتوں کو اس کام پر مقرر کردیا ہے کہ تجھ کو میرے دربار کی طرف کھینچتے رہیں جب تک کہ تو کچھ روٹی اور بدن چھپانے کے لائق کپڑا اپنے اور اہل

وعیال کے لئے مجھ سے لے کر اسی پر قناعت کرتا رہے' اگر اس سے زیادہ تو نے مجھ سے مانگا تو میں اس تعلق کو قطع کر دوں گا جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے' پھر تو میرے دربار کی طرف ایک قدم اٹھانے کی بھی طاقت نہ پائے گا۔

اور عزیز من! (خوب) سمجھ لو کہ جب ہمارا کوئی بھائی یا دوست کسی منصب پر ممتاز کیا جائے ہر حال میں اس کی تعزیت کرنا چاہئے' خواہ اس نے خود درخواست کی ہو یا اس سے کسی نے قبول منصب کی درخواست کی ہو (دونوں حالتیں برابر ہیں تعزیت کرنے میں' دونوں کو جدا نہ سمجھنا چاہئے) بلکہ دوسری صورت (کہ اس سے کسی نے قبول منصب کی درخواست کی ہو) پہلی صورت سے بھی زیادہ سخت ہے' کیونکہ (اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ پہلے) کچھ لوگ حاکم کے سامنے اس کے علم اور زہد و تقوی وغیرہ کی تعریف کرتے ہیں (کہ یہ بڑے بزرگ اور عالم ہیں ان کو یہ منصب دیا جائے یہ اس کے بہت مناسب ہیں) جن کو وہ خاموش ہو کر سنتا ہے تو یہ صورت تو بالکل دین فروشی کی صورت ہوئی کہ اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ دیا (کیونکہ حکام نے وہ منصب اس کی دینداری اور علم ہی کی وجہ سے دیا ہے اور اس نے خاموش ہو کر اس کو قبول کر لیا' اگر مخلص ہوتا تو ضرور اس سے بچنے کی کوشش کرتا(۱) اسی لئے) امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ اور صلہ بن اشیم رحمہم اللہ نے شریک قاضی رحمۃ اللہ علیہ کو مرتے دم تک چھوڑے رکھا (قاضی ہونے کے بعد ان سے نہیں ملے) اور (یہی) فرماتے تھے کہ منصب قضاء سے بچنے کے لئے وہ کوئی تدبیر و حیلہ نکال سکتے تھے' پھر بھی کچھ نہ کیا (اور قضا قبول کر لی' اس لئے ہم ان سے نہ ملیں گے)۔

---

(۱) لیکن اگر کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر معلوم ہو اس وقت اس کی درخواست میں مضائقہ نہیں' کیونکہ ایسی حالت میں اگر تم نے درخواست نہ کی اور کسی نااہل کے وہ کام سپرد ہوا تو مخلوق کو دینی یا دنیوی سخت ضرر پہنچے گا۔' چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کا انتظام خود اپنے آپ کہہ کر اپنے ہاتھ میں لیا تھا' حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے قول سے معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر دیکھے خود اس کی درخواست جائز ہے' مگر مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص قرآن (کا علم) رکھتا ہو پھر بھی دل سے مال و دولت اور مناصب کی طرف راغب ہو اس نے خدا کی آیتوں کے ساتھ کھیل کیا (اور اس کو لہو ولعب بنا رکھا ہے) اور دوسری روایت میں (عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول) ہے کہ جو شخص قرآن کا عالم ہو کر پھر دنیا سے محبت کرے تو قرآن اندر سے اس کو آواز دیتا ہے کہ بخدا میں اس واسطے تیرے پاس نہیں بھیجا گیا' میرے مواعظ ونصائح (آخر) کہاں کھوئے گئے؟ میرا تو کوئی حرف بھی ایسا نہیں جو تجھ سے یہ نہ کہتا ہو کہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کر یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ کو قرآن عظیم کا عالم اس لئے نہیں بنایا کہ تو دنیا سے محبت کرے'بلکہ صرف اس لئے تاکہ اس کے ذریعہ سے تجھ کو سعادت نصیب ہو' پھر خدا کے سامنے قرآن تمہاری سعادت پر گواہ بنے گا (اگر ایسا نہ کیا تو) یاد رکھ! تیرے نصیب میں بد بختی ہو گی' پھر قرآن بھی خدا کے سامنے تیری بد بختی کی گواہی دے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ دنیا کی خواہش کرنا بھی ایک عذاب ہے جو اہل توحید (یعنی مسلمانوں پر خدا نے مسلط فرمایا ہے)۔

امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم کو ذریعہ معاش بنانے سے بچو کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کماؤ اور لوگوں سے یوں کہو کہ ہم کو زیادہ علم حاصل ہے' اس لئے ہم کو (ہدایا) دو حالانکہ جب تم کو پوری طرح زہد ہی حاصل نہیں تو تمہارا علم کیونکر زیادہ ہو۔ اور پہلے عہد میں ہم اس پر پوری طرح کلام کر چکے ہیں (کہ جس علم کے ساتھ عمل اور زہد نہ ہو وہ جہل ہے پس دنیا کی محبت ور غبت کے ساتھ علم کا دعویٰ کرنا اپنی جہل کا اقرار کرنا ہے۔

اسمٰعیل بن علیہ رحمتہ اللہ علیہ (اول اول) ان لوگوں پر اعتراض کیا کرتے تھے جو بادشاہوں کے دروازوں پر جاتے (اور ان کے پاس آمد ورفت رکھتے تھے) اور ان میں اور عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ میں بہت دوستی اور محبت تھی اور زہد وعبادت میں دونوں یکساں تھے' پھر اسمٰعیل بن علیہ رحمتہ اللہ علیہ محکمہ صدقات پر حاکم مقرر ہو گئے تو عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کو اس کا رنج ہوا اور ان کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کے دین ضائع ہونے پر) تعزیت کی تھی اور اخیر میں یہ اشعار لکھے۔

یا جاعل العلم له باز یا ☆ یصطاد اموال السلاطین
احتلت للدنیا ولذا تها ☆ بحیلة تذہب بالدین
وصرت مجنونا بها بعد ما ☆ کنت دواء للمجانین
این روایاتك والقول فی ☆ لزوم ابو اب السلاطین
ان قلت اکرهت فماذاکذا ☆ زل حمار الشیخ فی الطین۔

اے اپنے علم کو باز (کی طرح) بنانے والے کہ اس سے سلاطین کے مال و دولت شکار کرتا ہے۔ تم نے دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کے لئے ایسی (بری) تدبیر اختیار کی جس سے دین ضائع ہونے کا اندیشہ ہے' تم (دنیا کے پیچھے) مجنون ہو گئے' حالانکہ پہلے تم خود مجنونوں کے لئے دوا تھے۔ اب وہ روایتیں اور باتیں کہاں گئیں؟ جو بادشاہوں کے دروازے پر جانے کی بابت آپ بیان کیا کرتے تھے' اگر تم یہ کہو کہ مجھ کو مجبور کیا گیا تو یہ بات نہیں (بلکہ) حضرت کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا۔ اھ

بخدا آدھی رات میں دو رکعتیں پڑھ لینا یا تھوڑی دیر کے لئے انسان کا اپنے نفس کو دنیا کی محبت سے روک رکھنا یا اپنے اعضاء میں سے کسی عضو پر قابو پا لینا یا اپنے دل کو مسلمان کے ساتھ بدگمانی کرنے سے محفوظ رکھنا' ان میں سے ہر بات اس منصب و حکومت سے (ہزار درجہ) افضل ہے' جس کی آج کل ایک دوسرے کو مبارکباد دی جاتی ہے (حالانکہ حقیقت میں مبارکباد دینے کے قابل یہ باتیں تھیں، مگر) پھر بھی ان کی مبارکباد نہیں دیتا (۱)۔

(۱) خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں بھی اس عہد پر عمل کرنے والے بعض اللہ کے بندے موجود ہیں' میرے دینی بھائی اور معزز دوست خواجہ عزیز الحسن صاحب خدا ان کی مقامات میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے' پہلے ڈپٹی کلکٹر تھے' مگر جب سے اس راستہ میں قدم رکھا ہے اسی وقت سے ان کے دل میں حکومت وغیرہ سے نفرت تھی' بالخصوص اس وجہ سے کہ آج کل ایسی ملازمتوں میں بوجہ پابندی قانون کے بہت باتیں خلاف شرع کرنا پڑتی ہیں' مگر بعض مصالح کی وجہ سے تقریباً ۷ سال اس ملازمت پر رہے اور اس عرصہ میں بھی فیصلہ ہمیشہ شریعت کے موافق کیا' پھر جب خدا نے ان کو نسبت مع اللہ سے نوازا تو خود درخواست کر کے اس عہدہ حکومت سے عہدہ تعلیم کی طرف اپنا تنزل کرایا جس میں تنخواہ پہلے سے آدھی ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور میں ۹۴۵ھ میں ایک شخص سے ملا جو خدا کے چھپے ہوئے دوستوں میں تھا' اس نے مجھ سے کہا کہ میری عمر اس وقت ایک سو تیس سال کی ہے' اخیر کے ان تین برسوں میں دنیا جیسی پلٹ گئی ہے ایک سو ستائیس سال میں بھی نہ پلٹی تھی' بیٹا ایسا (معلوم ہوتا ہے) گویا بیٹا ہی نہیں' باپ گویا باپ ہی نہیں' بھائی گویا بھائی ہی نہیں' قرابت داروں سے گویا قرابت ہی نہیں' پڑوسی گویا ہمسایہ ہی نہیں' تمام قلوب میں سے ایک دوسرے کی محبت نکل گئی ہے اور سب کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ اگر کوئی (بیچارہ) کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو اسے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس سے اپنا حال بیان کرے (اور اس سے کسی امداد کی توقع کرے) کیونکہ ہر شخص یا تو (دوسرے کی مصیبت سے) بے فکر ہوتا ہے یا اس کی مصیبت سے خوش ہوتا ہے' اس کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔

پھر فرمایا کہ آج کل انسان درازئی عمر کی کیا تمنا کرے' کیونکہ اس زمانہ میں بڑے سے بڑا بزرگ ایک دن بھی اپنے نفس کو حدود واحکام خداوندی کا پوری طرح پابند نہیں کر سکتا' بلکہ ہر دن گناہوں کے بوجھ میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے' اگر کوئی شخص ایسا بھی فرض کر لیا جائے جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا قرآن کی تلاوت کیا کرتا ہے (اور کسی سے ملنے ملانے کا علاقہ نہیں رکھتا) وہ بھی (گناہوں سے پوری طرح) نہیں بچ سکتا (کم از کم) اس کے دل میں برے برے خیالات اور خطرات ہی آتے ہوں گے یا کسی مسلمان سے بدگمانی ہی رکھتا ہو گا (اگر اور بھی کسی سے بدگمانی نہ کرے تو اپنے گھر والوں ہی سے کسی بات پر بدگمانی کر بیٹھے گا) حتیٰ کہ گھر کی باندی اور خادمہ اگر اس سے کسی بات کی نسبت یہ کہے کہ یہ بات سچی ہے اور یہ اس کی تصدیق نہ کرے (اور بلا تحقیق اس کی بات کو جھٹلا دے تو) اسی سے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ "فلا حول ولا قوة الا با الله العلی العظیم"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سچ ہے جب خدا کی محبت دل میں آتی ہے تو دنیا کی محبت اس میں نہیں رہتی' ظاہر میں ان کے اس فعل پر مضحکہ اڑائیں گے' مگر عزیز من! تم ان کی دل سے قدر کرو اور یہی راستہ اختیار کرو' ہاں اگر حلال روزی تم کو نصیب ہو تو ہفت اقلیم سے بھی تم کو نہیں روکا جائے گا بشرطیکہ دل میں ایسی قوت ہو کہ اتنا مال حاصل کر کے بھی خدا کو نہ بھولو' میں اپنے دوست کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اس موجودہ صورت سے بھی ان کو نجات ملے گی جو اگرچہ جائز ہے' مگر ان پر گراں ہے)۔ ۱۲ مترجم

(۴۱) مسلمان بھائیوں سے بڑا بن کر نہ رہیں کہ ان کی ملاقات کو نہ جایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے بڑا بن کر نہ رہیں کہ اپنی ملاقات وزیارت کے لئے ان کے خود آنے کی خواہش کریں اور اپنے آپ ان کی ملاقات کو نہ جایا کریں یا اگر وہ تقریب نکاح وولیمہ یا اور کسی خوشی میں ہم کو بلائیں تو محض تکبر اور بڑائی کی وجہ سے ان کی درخواست کو رد کر دیں' بلکہ (ہم کو) چاہئے کہ تمام مسلمانوں کے لئے اپنا پہلو جھکا دیا کریں (مگر عزیز من! یہ بھی سمجھ لو کہ بعض دفعہ ترک ملاقات اور انکار شرکت ولیمہ و نکاح کا سبب کچھ اور بھی ہوتا ہے' ہر شخص سے بدگماں نہ ہونا چاہئے کہ بس جو کوئی ملاقات یا شرکت تقریبات سے پرہیز کرے اس کو تکبر ہی سمجھنے لگو' کبھی اس کا سبب) حیاء بھی ہوتی ہے یا کبھی اس تقریب کی شرکت میں اخلاص(۱) نہیں ہوتا (بلکہ بلانے والے کی نیت میں ریاو نمود ہوتی ہے اس کا اثر دوسرے کے دل پر بھی پہنچتا ہے وہ بھی اپنے اندر شرکت محفل کے لئے اخلاص نہیں پاتا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص ملاقات وشرکت نہ کرنے میں بالکل معذور ہے۔

پس اس قاعدہ کو ہر جگہ ہر شخص میں جاری نہ کرنا چاہئے اور قرائن سے ہر شخص کی حالت کا پتہ چل جاتا ہے (کہ تکبر کی وجہ سے نہیں ملتا ملاتا یا حیاء و عدم اخلاص کی وجہ سے) اور

---

(۱) (مترجم عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ آج کل تقریبات میں بیجا اسراف اور فضول خرچی اور پابندی رسوم بہت ہونے لگی ہیں' جن میں اکثر خلوص تو ہوتا ہی نہیں اس کے علاوہ بہت سی باتیں خلاف شرع کی جاتی ہیں' اس لئے علماء صلحاء اکثر ایسی تقریبات کی شرکت سے پرہیز کرتے ہیں' ریاو نمود کی بدولت بہت سے گھرانے تباہ و برباد ہوگئے ہیں' البتہ جن تقریبات میں اتباع شریعت کا لحاظ کیا جائے اور قرائن سے معلوم ہو جائے کہ صاحب تقریب خلوص و محبت کے ساتھ بلانا چاہتا ہے ان میں شرکت کا مضائقہ نہیں' بلکہ ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا خصوصیت کے ساتھ مسنون ہے اور مسنون ولیمہ کی پہچان یہ ہے کہ اس میں غربا اور محتاجوں کو خاص طور پر مدعو کیا جائے' حدیث شریف میں وارد ہے کہ "وہ ولیمہ بہت ہی برا ہے جس میں امراء کو بلایا جائے اور غرباء کو چھوڑ دیا جائے" نیز اس عہد سے معلوم ہوا کہ عارفین تصرف و کرامت قصداً ظاہر نہیں کیا کرتے' اس لئے سالکین کو کشف و کرامت پر کمال کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

تکبر میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ تکبر کرنے والا خدا کی صفت کو چھیننا چاہتا (اور اس میں اپنا حصہ لگانا چاہتا) ہے (حالانکہ تکبر اور بڑائی خاص حق تعالیٰ شانہ کا حق ہے) تو (جو کوئی اس میں اپنا حصہ لگانا چاہے گا) حق تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے (اور اس کو ذلیل و خوار کر دیں گے) جیسا کہ حدیث میں یہ مضمون آچکا ہے' اس لئے اکثر عارفین اس عالم میں اپنا (کسی قسم کا تصرف ظاہر کرنے سے بھاگتے تھے (کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ خدا کی صفت میں حصہ لینا ہوتا ہے' عالم میں تصرف کرنا خاص خدا کا حق ہے' عارفین خود کسی تصرف کا کبھی قصد نہیں کیا کرتے' ہاں گاہے حق تعالیٰ شانہ ان کے ہاتھ سے بلا قصد و ارادہ کوئی کرامت و تصرف ظاہر کر دیتے ہیں جس میں وہ مجبور ہوتے ہیں)۔ واللہ علیم حکیم۔

(۴۲) اپنے دوستوں کو مقامات عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) (دوستوں) اور بھائیوں کو مقامات عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہا کریں اور ان کو نقصان و پستی کی حالت میں برباد و تباہ ہوتا نہ چھوڑیں' کیونکہ ان کی بابت ہم سے سوال کیا جائے گا اور اس عہد پر آج کل اپنے مریدوں (اور شاگردوں) کے بارے میں بہت کم عمل کیا جاتا ہے' جس کی وجہ یا تو ناواقفیت ہے (کہ لوگ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے) یا یہ کہ مریدوں (اور شاگردوں) کو مہمل خیال کیا جاتا ہے (اس لئے ان کی ترقی کا پورا خیال نہیں ہوتا' یہ حالت پہلی صورت سے بھی بدتر ہے' اگر تمہارے نزدیک سب مہمل ہی ہیں تو پھر شخصیت کا بازار کس لئے گرم کیا' کسی کو بھی سلسلہ بیعت و شاگردی میں داخل نہ کیا ہوتا کہ ان کی بابت مواخذہ اور باز پرس سے تو بچے رہتے)۔

پس اس زمانہ میں جس کسی کو ایسا درویش مل جائے جو اس کو نصیحت (اور روک ٹوک کرتا رہے) اور برا بھلا (۱) بھی کہتا رہے تو ضرور اس کو چپٹ جائے (اور اس کے پاس رہ پڑے) اور

(۱) مترجم عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ سالکین اس عہد میں غور کریں اور اس مضمون کی قدر کریں۔ الحمد للہ میں نے حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم و حضرت (بقیہ آگلے صفحہ پر)

اس کی سختی کو برداشت کرنا چاہئے کیونکہ ایسا شیخ کبریت احمر (کی طرح کمیاب) ہے (اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے یاد رکھو! سر پر ہاتھ پھیرنے والے ہزاروں ملتے ہیں مگر کہنے سننے والا بہت کم ملتا ہے)۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

(۴۳) جس شخص کے دل کو دین کے بارے میں مضبوط دیکھیں اس کو نصیحت کرنے کے لئے کسی خاص وقت کا انتظار نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کے دل کو ہم دین کے بارے میں پختہ اور مضبوط دیکھیں اس کو نصیحت کرنے کے لئے کسی خاص وقت کا انتظار نہ کریں بلکہ جلدی نصیحت کر دیا کریں اگرچہ بھرے مجمع میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دوسرے وقت کے انتظار میں ممکن ہے کبھی ہم بھول جائیں اور اس میں شک نہیں کہ نصیحت سراپا خیر (و برکت کی چیز اور نیک کام) ہے پس نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ مجمع میں نصیحت کرنے سے اس شخص کا دل اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا اور مکدر ہو جائے گا ایسے شخص کو چپکے سے نصیحت کرنا

(بقیہ صحہ گذشتہ)) حکیم الامت دام مجد ہم کو اسی قدم پر پایا دونوں حضرات اپنے متعلقین کی بہت زیادہ خبرگیری رکھتے ہیں۔ بعض لوگ ان کو سخت مزاج مشہور کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ اس سختی میں نفع کس کا ہے اس کی قدر عاشقوں کے دل سے پوچھو۔ حضرت سیدی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت سیدی مرشدی کے جلال پر اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میں تری آنکھوں کے قرباں واہ کیا مارے ہیں تیر ☆ ہر دہان زخم تجھ کو مرحبا کہنے کو ہے

اور یہ احقر اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہے۔

میرے دل سے کوئی پوچھے تیرے تیر نیم کش کو ☆ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

بخدا شیخ کی سختی بھی عین شفقت کی دلیل ہے کیا دربار خداوندی میں پہنچنا منہ کا نوالہ ہے؟ کہ زبان پر رکھا اور حلق سے اتر گیا۔

اندریں رہ می تراش وی خراش ☆ تادم آخر دمے فارغ مباش

بعض لوگ اسی سختی سے دلبرداشتہ ہوتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہئے طلب میں کمی اور قسمت میں محرومی ہے۔

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست ☆ عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد ۱۲

چاہئے اور اس کے لئے کسی دوسرے وقت کا انتظار کریں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار خطبہ کے اندر بڑے بڑے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: " انی لاری الغل حشو بواطنکم وداء الامم قبلکم قددب فیکم وما اظن الحق تعالیٰ الا قدتبر أمن افعالکم " کہ میں تمہارے دلوں میں کھوٹ بھرا ہوا پاتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ پہلی امتوں کی بیماریاں تمہارے اندر بھی چلنے لگی ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے افعال سے بالکل بیزار ہو گئے' اس پر تمام حضرات صحابہ نے اپنے سر جھکا لئے (حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بدگمانی نہ کرنا چاہئے' کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جتنی بڑی شان ہے ویسے ہی ان کی ذراسی لغزش دوسرے صحابہ کی نظر میں پہاڑ معلوم ہوتی تھی جن باتوں پر ان حضرات کو تنبیہ کی جاتی ہے' آج ہم ان کو کرنے لگیں تو شاید ثواب کا سبب بن جائیں "حسنات الابرار سئیات المقربین" ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار (خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے' اس وقت آپ کے بدن پر دو قمیض تھے' آپ نے (سامعین سے) فرمایا کہ ذرا خاموش ہو کر سنو) میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اس پر سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بخدا ہم آپ کی بات پر ذرا کان نہ دھریں گے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' کیوں؟ (کیا وجہ) فرمایا کہ آپ کے بدن پر دو قمیض ہیں اور ہمارے ہر ایک کے بدن پر ایک ہی قمیص ہے (مطلب یہ تھا کہ یہ قمیض مال غنیمت سے آئے تھے' جو تقسیم میں ہر ایک کے حصہ میں ایک ایک آیا' پھر آپ کے پاس دو کس لئے ہیں' کیا آپ نے مال غنیمت میں سے اپنا دوہرا حصہ لگایا' جس کا آپ کو کوئی حق نہ تھا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے منبر ہی پر کھڑے کھڑے اپنے صاجزادے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ اے عبداللہ! اے عبداللہ! وہ بولے ہاں (میں حاضر ہوں) فرمایا میں تم کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہ دوسرا قمیص جو میرے بدن پر ہے وہ تمہارا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ گواہ ہے بیشک (یہ دوسرا میرا ہی ہے) اس پر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب جو کچھ کہنا ہو فرمائیے' اب آپ کی بات سنیں گے (ہمیں)

اس جگہ اس بات سے استدلال کرنا مقصود ہے کہ (دیکھو) حضرت ابوالدرداء اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نصیحت کے لئے کسی دوسرے موقعہ اور وقت کا انتظار نہیں کیا' کیونکہ وہ اپنے مخاطب کے دل کو پختہ اور مضبوط جانتے تھے۔

پھر عزیز من! جو کوئی مجمع میں نصیحت کرنے کی وجہ سے (تم پر ناراض ہو) اور تم کو ملامت کرے (کہ مجھے بھرے مجمع میں کیوں کچھ کہا) اس کی یہ ناراضی فقد قلبی نفاق کی وجہ سے ہے (اس کے دل میں ضرور کھوٹ ہے) اور منافق شخص کی (کچھ بھی) رعایت (کی ضرورت) نہیں' بلکہ حق بات صاف صاف اس سے کہنا چاہئے (اور اچھی طرح اس کے کان کھولنے چاہئیں) اگر وہ نفاق سے بچا ہوا ہوتا تو نصیحت سے ضرور خوش ہوتا' خاص کر اس زمانہ میں کہ آج کل نصیحت کرنے والوں کی خود ہی کمی ہے' لیکن جہاں تک ممکن ہو نرمی اور شفقت ورحمت (کا پہلو ملحوظ رکھنا) چاہئے مبادا کہیں تمہاری سختی سے اس کو نیک کام سے نفرت نہ بڑھ جائے (چنانچہ عہد نمبر ۸ میں بیان ہو چکا ہے کہ جس شخص کو نصیحت کا سلیقہ نہ آتا ہو اور حسن سیاست سے حصہ نہ ملا ہو' اس کو نصیحت کرنا جائز نہیں اور سختی سے نفرت بڑھنے کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے) کہ خود اس شخص میں توفیق کی کمی ہے یا تمہارا اخلاص کامل نہیں۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی کو ایک بار دو بار نصیحت کر چکو اور ہر دفعہ میں وہ تمہاری بات نہ مانے تو سمجھ لو کہ اس کا نفس (اسی طرح اپنی پہلی حالت پر) قائم ہے (ابھی اس میں صلاحیت پیدا نہیں ہوئی) تو ایسے شخص کیلئے دوسرے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ (کیونکہ ایسی حالت میں) اگر اس پر نصیحت کی بھرمار کی گئی تو اندیشہ ہے کبھی انکار سے پیش نہ آئے (اور نصیحت کو بالکل بالائے طاق رکھ کر) بات سننے سے بھی صاف انکار نہ کرنے لگے' اگرچہ تم قرآن کی آیتیں ہی کیوں نہ پڑھ کر سناؤ (تو اس صورت میں اس کم بخت کا دین ہی برباد ہو جائے گا) چنانچہ دشمنی اور کینہ رکھنے والوں میں اس حالت کا آج کل مشاہدہ ہوتا ہے۔ (تو ان لوگوں کو بار بار نصیحت نہ کرنا چاہئے مبادا کہیں انکار کر بیٹھیں' تو دین وایمان سے بھی ہاتھ دھو ڈالیں ہاں) جن کے قلوب میں سلامتی ہے ان کو نصیحت (سے ایسا نفع ہوتا ہے) جیسے سونے والا (نیند سے) بیدار ہو جائے (نصیحت سے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں)۔

(۴۴) جو شخص شریعت کی تلوار یا تازیانہ شرع سے مارا گیا ہو ہمارے دل میں اس کے لئے شفقت ورحمت پیدا نہ ہونی چاہئے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو شریعت کی تلوار سے قتل کیا گیا ہو یا تازیانہ شرع سے اس پر مار پڑی ہو' تو ہمارے دل میں اس کے لئے شفقت رحمت پیدا نہ ہونی چاہئے تاکہ حق تعالیٰ کی جانب کی پوری رعایت رہے۔ (کیونکہ جب حق تعالیٰ نے اس کے لئے ایک سزا مقرر فرما دی اور یقیناً حق تعالیٰ ہم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں تو خدا کے نزدیک وہ سزا شفقت و مہربانی کے خلاف نہیں' بلکہ اس وقت وہی عین شفقت ہے' پھر ہم مہربانی کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو کسی جرم کی سزا دے رہا ہو تو سب یہی کہتے ہیں کہ اس وقت باپ کی مار ہی بیٹے کے حق میں شفقت ہے' کیونکہ باپ کو سب سے زیادہ اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے' جب وہ اس سزا کو اپنے ہاتھ سے اس پر جاری کر رہا ہے تو دوسروں کو شفقت و محبت ظاہر کرنے کا کیا حق ہے؟ دوسرے آدمی باپ سے زیادہ کبھی نہیں ہو سکتے' اسی طرح یہاں بھی سمجھو! بلکہ باپ میں تو بوجہ بشریت کے یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید قصور سے زیادہ سزا دے رہا ہو' اس کی سمجھ نے غلطی کی ہو اور حق تعالیٰ کی جناب میں یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ اس نے کسی جرم کی سزا قصور سے زیادہ مقرر کی ہے)۔

پس (بجائے شفقت و غم کے) ہم کو اس خوشی میں مشغول ہونا چاہئے کہ (سزا کی بدولت وہ شخص) گناہوں سے پاک و صاف ہو جائے گا حق تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں جن کو حد زنا میں سزائے تازیانہ دی جائے ارشاد فرماتے ہیں۔ "ولا تاخذکم بھما رافة فی دین الله ان کنتم تو منون با لله والیوم الاخر (۱)" یعنی زنا کرنے والے پر حکم خداوندی جارے کرتے ہوئے تمہارے دلوں میں شفقت نہ آنے پائے' اگر تم کو خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان ویقین ہے۔ تو حق تعالیٰ (اس صورت میں) شفقت نہ آنے کو ایمان کی شرط بتلا رہے ہیں۔

---

(۱) النور ر ۲

شیخ احمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو تنگی اور پریشانی میں بتلا دیکھو تو جلدی سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ یہ بیچارہ اس سزا کا مستحق نہ تھا' کیونکہ اس میں ایک قسم کا دعویٰ ہے کہ تمہاری رحمت و مہربانی اس خدا کی رحمت سے بھی بڑھی ہوئی ہے جس نے اس شخص کے واسطے تکلیف و پریشانی مقدر فرمائی ہے' حالانکہ حق تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ اپنے بندہ پر مہربان ہیں۔ اسی طرح کسی کو (بتلائے مصیبت دیکھ کر) جلدی سے یہ بھی نہ کہہ دیا کرو کہ یہ اسی سزا کے قابل تھا' کیونکہ اس میں ایک گونہ اپنے بھائی کی مصیبت پر مسرت اور خوشی مترشح ہوتی ہے' علاوہ ازیں یہ بات محض تحصیل حاصل بھی ہے (وہ اگر مستحق نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اس پر مصیبت ہی کیوں بھیجتے' جب اس کا اس سزا کے قابل ہونا سب کو معلوم اور کھلی ہوئی بات ہے تو تمہارے کہنے ہی کی ضرورت کیا ہے؟

اور عزیز من! عذاب کا مستحق کون نہیں ہے؟ ہر شخص سزا کے قابل ہے) "**ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظھرھا من دابۃ**(۱)" اگر حق تعالیٰ ہر ہر گناہ پر مواخذہ فرمایا کرتے تو روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتے (مگر خدا کی عنایت ہے کہ ہر بات پر سزا نہیں دیتے' کسی کسی گناہ پر گرفت کرتے ہیں پس کسی کو کیا منہ ہے؟ جو دوسرے کو یوں کہے کہ یہ اسی مصیبت و عذاب کا مستحق ہے۔ کیا یہ کہنے والا گناہوں سے بچا ہوا ہے؟)۔

بلکہ ادب کی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے اس کی مصیبت دور کرنے کی درخواست کرو اور اس کے واسطے صبر و استقلال و عفو و درگذر کا سوال کرو' کیونکہ حق تعالیٰ کسی شخص کے لئے کوئی مصیبت ایسی مقدر نہیں فرماتے جو اس کے کسی سابق عمل کی سزا نہ ہو (ہر مصیبت کسی پہلے عمل کا بدلہ ہوتی ہے سب کو) خدا تعالیٰ نے یاد رکھا اور انسان نے بھلا دیا' اب جن لوگوں کو اس گناہ کا علم نہیں وہ کہتے (پھرتے) ہیں کہ فلانا غریب جھوٹی تہمت میں پھانس دیا گیا' حالانکہ وہ مسکین خدا کی اور بیوی کی طلاق کی قسمیں کھاتا ہے کہ میں بالکل مظلوم ہوں (تو بات یہ ہے کہ) یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس شخص پر فقط جھوٹی تہمت کی وجہ سے (مصیبت آئی اور) یہ مواخذہ اسی کی بناء پر ہوا' حالانکہ بسا اوقات کسی دوسرے گناہ کی وجہ سے پکڑ ہوتی ہے جو اس سے یقیناً سرزد

---

(۱) فاطر/۴۵

ہوا تھا (اور وہ جھوٹی تہمت صرف ظاہر میں سزا اور مصیبت کا ایک بہانہ ہو جاتی ہے) اور انسان ہمیشہ خطائیں کرتا اور بھولتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت فرماتے رہتے ہیں۔ "واللہ غفور رحیم"

(۴۵) اپنے دوستوں کو ہدایت کرتے رہیں کہ ہم جنسوں میں سے جس کی حالت بدل جائے اس پر رحم کیا کریں ہنسیں نہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ذاکر' شاغل' عابد' زاہد' متقی دوستوں کو ہدایت کرتے رہا کریں کہ ان کے ہم جنسوں میں سے جس کی حالت میں تغیر آ جائے مثلاً پہلے وہ جن نیک کاموں کا پابند تھا اب ان کے بجائے برے کام کرنے لگا یا سستی اور کاہلی کرنے لگا (برے کام تو نہیں کرتا، مگر) ان نیک کاموں کو اس نے چھوڑ دیا ایسے شخص کی حالت پر رحم کیا کریں (اس پر ہنسیں نہیں اور نہ اپنے آپ کو اچھا سمجھ کر ناز کریں) کیونکہ (ان کو بھی اس قسم کی حالت پیش آنے سے ڈرتا رہنا چاہئے) ان میں سے ہر ایک پر ایسی حالت پیش آنے کا اندیشہ ہے' کیونکہ ہر زمانہ میں جو حالت اکثر کی ہوتی ہے اسی پر حکم لگایا جاتا ہے۔ (اور آج کل اکثر کی حالت اسی طرح بدل جاتی ہے' پس سب کو ایسا ہی سمجھا جائے گا اس لئے کسی کو اپنی طرف سے بے فکر نہ ہونا چاہئے' ایسا اندیشہ ہر ایک کے واسطے لگا ہوا ہے) ہر عابد' زاہد' متقی' ذاکر' شاغل کو ہمیشہ ڈرنا چاہئے کہ مبادا کہیں وہ دین کی دولت جو اس کے پاس ہے زائل نہ ہو جائے' کیونکہ اس کا دین پر جمار ہنا اس زمانہ کی حالت کے بالکل خلاف ہے' نیک کام کرنے والے آج کل گھٹتے چلے جاتے ہیں اور برے کام کرنے والوں کی زیادتی اور ترقی ہے۔ یہاں تک کہ آخر کار بدکاروں ہی پر قیامت قائم ہو گی۔

اور عزیز من! یہ خوب سمجھ لو کہ ذکر اللہ کرنے والا خدا کا جلیس اور اس کا ہم نشین ہوتا ہے جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر شخص ہمیشہ حق تعالیٰ کی ہم نشینی کے لائق نہیں ہوا کرتا' یہ مرتبہ تو بڑے بڑے اہل دربار کا ہوتا ہے (کہ وہ ہمیشہ دربار الٰہی میں بے تکلف آتے جاتے ہیں' ان پر یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی یہ نعمت ان سے سلب بھی

ہو جائے گی' باقی ہم جیسوں کو اگر ایک دو مرتبہ اس دربار عالی میں باریابی ہو بھی جائے تو بے فکر نہ رہنا چاہئے' نہ معلوم کس دن روک دیا جائے۔

عزیز من! دنیا کے بادشاہوں (کی حالت) میں ہی غور کرلو کہ ہر شخص ان کے پاس بیٹھنے کی (ہمت اور) جرات نہیں کر سکتا اگرچہ وہ کتنا ہی خواہشمند کیوں نہ ہو' بلکہ اگر بالفرض کوئی خود جا کر ان کے پاس بیٹھ بھی جائے تو اس کو جبراً مجلس سے اٹھا دیا جاتا ہے' اس کو خوب سمجھ لو' عالم ظاہر کی حالت عالم غیب کے مشابہ اور اسی کا نمونہ ہے۔ "واللہ علیم حکیم"

(۴۶) جہاں تک ممکن ہو اپنے بھائیوں سے ممتاز ہو کر نہ رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) جہاں تک ممکن ہو اپنے بھائیوں سے کسی خصلت محمودہ میں ممتاز ہو کر نہ رہیں' کیونکہ اس سے ہمارے بھائیوں کی رونق بجھ جائے گی اور ہماری رونق بڑھ جائے گی' تو بس ضرورت کے وقت ہم کو امتیاز ظاہر کرنا چاہئے۔ (بلا ضرورت امتیازی شان بہتر نہیں) اور حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو محبوب کہتے ہیں جس کے پیچھے کوئی تلاش نہ کرے اور سامنے کوئی تعظیم نہ کرے (اس لئے امتیازی شان سے بچنا چاہئے کہ اس سے شہرت ہو جاتی ہے) ہاں اگر کسی کو حق تعالیٰ نے مقتدیٰ بنا دیا ہو وہ معذور ہے' کیونکہ خود اس کی نیت تو ممتاز بننے کی نہیں ہوتی (پس وہ اسی حالت میں خدا کا محبوب ہوتا ہے' حق تعالیٰ خود اس کو مشہور کر دیتے ہیں تاکہ مخلوق کو اس سے فیض پہنچے وہ شہرت اور امتیاز کا طالب نہیں ہوتا)۔

اور امتیاز ظاہر نہ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً سلطان کی طرف سے علماء وصالحین میں مال تقسیم کیا جائے اور ہمارے سوا سب نے قبول کر لیا ہو' کسی نے ان میں سے ہدیہ سلطانی کو رد نہ کیا ہو' تو ادب کی بات یہ ہے کہ جس طرح سب علماء وصالحین نے قبول کر لیا ہم بھی اس کو قبول کر لیں' پھر اس کو غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاویں۔ ہاں اگر مضطر اور مجبور ہوں (تو اس میں سے خود کھانے کا بھی اندیشہ نہیں' لاچاری کے وقت مردار بھی حلال ہو جاتا ہے بشرطیکہ قدر ضرورت سے زیادہ اور جمع کرنے کی نیت سے نہ لیا جاوے۔

اپنے دوستوں کے ساتھ ہماری یہ شان اس وقت تک ہونی چاہئے جب تک کہ وہ دنیا میں منہمک نہ ہوئے ہوں اور جو چیز اپنے پاس آتی دیکھیں اس پر اس طرح نہ جھپٹتے ہوں جیسے درندہ شکار پر دوڑتا ہے' اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو ہم کو بادشاہوں وغیرہ کے اموال بالکل رد کردینے چاہئیں اور اس بارے میں ان سے ممتاز ہو کر رہیں اور کچھ پروانہ کریں' کیونکہ اس وقت ہمارا امتیاز ویسا ہی ہوگا جیسا کہ صلحاء کو اعمال صالحہ کی وجہ سے فاسقین سے امتیاز ہوا کرتا ہے اور اگر ہم میں سے کوئی (ایسے درجہ میں ہو کہ) امراء اور بڑے طبقہ کے لوگوں میں اس کے ذریعہ سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں' اس وقت تو نہایت ضروری ہے کہ ہم امراء کے ان اموال وہدایا کو جو ہماری ذات خاص کے لئے آویں لوگوں کی مصلحت کا خیال کر کے بالکل واپس کردیا کریں' کیونکہ (اس صورت میں اگرچہ ہماری ایک ممتاز شان ہوگی' مگر) یقیناً اس کا ثواب ممتاز نہ ہونے کے ثواب سے میزان اعمال میں بہت بھاری ہوگا۔

آج کل امراء کی نظر میں اس شخص سے زیادہ کسی درویش کی بھی قدر و منزلت نہیں ہو سکتی جو دنیا سے بے رغبت ہو کر ان کے چاندی سونے کو انہی کی طرف واپس نہ کردیتا ہو' پس (اس ذریعہ سے اور) اس ٹٹی کی آڑ میں وہ مخلوق کی ہزاروں حاجتیں ان سے پوری کرا سکتا ہے' کیونکہ وہ جب دیکھیں گے کہ یہ شخص ان چیزوں کی بھی قدر نہیں کرتا جس کے طالب سلاطین دنیا ہیں تو لامحالہ اس کی عظمت اور قدر و منزلت کریں گے اور اس کے پیر چومیں گے اور ہمیشہ اس کی سفارش کو قبول کیا کریں گے اور اس کے برخلاف جب وہ یہ دیکھیں کہ کوئی عالم یا درویش دنیا سے محبت رکھتا ہے اور ان سے مناصب و مراتب کی یا ہدایا و عطایا کی تمنا رکھتا ہے یا تولیت وقف اور مدرسی مشیخت کی درخواست کرتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ حکام کے ذریعہ سے شاہی دستر خوان پر اس کا روزینہ مقرر ہو جائے یا اس کو طلب دنیا کے لئے سفر کرتے اور دنیا جمع کرنے کے لئے ان سے بھی زیادہ پوری ہمت صرف کرتے ہوئے دیکھیں تو پھر وہ اس کے کیونکر معتقد ہو سکتے ہیں۔

مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یا معشر العلما یا ملح البلد ☆ مایصلح الملح اذا الملح فسد

اے علماء کی جماعت تم شہر میں (بمنزلہ) نمک (کے) ہو (بتلاؤ) اگر نمک ہی خراب

ہو جائے تو اس کو کون درست کر سکتا ہے؟ (یعنی کھانے کی لذت اور درستی تو نمک سے ہوتی ہے' لیکن اگر نمک میں خرابی آجائے تو اس کو کونسی چیز درست کر سکتی ہے؟ نمک کی خرابی کا کوئی بھی علاج نہیں ہو سکتا' اسی طرح عوام کی حالت تو علماء کے ذریعہ سے درست ہوتی ہے' اگر علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کو کون درست کرے گا؟۔

پس اے عزیز! اگر تم چاہتے ہو کہ سلاطین و امراء و اکابر دولت کی نظر میں تمہاری عزت و جاہ قائم اور محفوظ رہے تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اور ان کے ہدایا اور خیرات کے دفتر میں اپنا نام نہ لکھواؤ' میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری عظمت ان کے قلوب میں' بلکہ ہر دیکھنے والے کے دل میں ہیبت و محبت پیدا ہو جائے گی اور وہ تمہاری ہر سفارش کو منظور کیا کریں گے۔

اور سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علماء اور عابدوں (کو مٹھی میں کرنے) کے لئے دنیا کی محبت سے زیادہ کوئی جادو نہیں' نیز اس سے بڑھ کر کوئی ایسا مضبوط پھندہ نہیں جس سے ان کا شکار ہو سکے (بس دنیا کی حرص ہی ان کو اپنا شکار بنالیتی ہے' اس کے سوا کوئی چیز ان پر قابویافتہ نہیں ہو سکتی) غور کرو! عقاب جب آسمان میں اڑتا ہوا ہو تو دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' مگر جب اس کو شکار کرنا چاہتے ہیں تو ایک بوسیدہ ہڈی جال میں لگادیتے ہیں جس کے اوپر وہ آسمان سے گرتا پڑتا آتا ہے یہاں تک کہ اس کو پکڑ لیتے ہیں اور بچے تک اس سے کھیل تماشہ کرنے لگتے ہیں' پس انسان وہ ہے جو (یہ واقعات) دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ والسلام۔

(۴۷) خدا کی جانب کو ہمیشہ اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ خدا کی جانب کو ہمیشہ اپنی جانب پر ترجیح دیا کریں اور کبھی ایسا کام نہ کریں جو خدا کی حفاظت و پناہ توڑنے کا سبب بن جائے مثلاً کسی ایسے یتیم اور مسکین کو جس کا بجز خدا کے کوئی مددگار نہیں ایذاء نہ دیں (کیونکہ یہ لوگ اللہ کی پناہ میں ہیں' ان کو ایذاء دینا خدا کی پناہ کو توڑنا ہے) اسی طرح جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہو اسکو بھی

تکلیف نہ دینا چاہئے (کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت سے ادا کرتا ہے وہ دن بھر اللہ کی پناہ میں رہتا ہے(۱)) حجاج بن یوسف باوجود یہ کہ نہایت ہی ظالم وسفاک تھا اس پر بھی ایسے شخص کا کبھی خون نہ کرتا تھا جس نے اس دن صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہو اور یہ کہا کرتا تھا کہ یہ اللہ کی پناہ میں ہے (تو میں خدا کی پناہ کو توڑنا نہیں چاہتا) حتی کہ بعض آدمی اس سے جھوٹ موٹ بھی کہہ دیا کرتے تھے (کہ ہم نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہے) اور بعد میں اس جھوٹ کی اس کو خبر بھی ہوتی جب بھی اس سے اعراض ہی کرتا (اور قتل کا ارادہ نہ کرتا) اور یہ کہتا کہ اس شخص نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے' اب میں اسے قتل نہ کروں گا' مجھے خدا کی پناہ توڑنے سے ڈر لگتا ہے۔

عزیز من! پس ہم کو اس بات سے ڈرنے کا حجاج سے زیادہ حق ہے' تو کبھی ایسے شخص کو تکلیف نہ دینا چاہئے جس کا پناہ خداوندی میں ہونا قرآن وحدیث سے معلوم ہو چکا ہو' یہ کیسی نازیبا حرکت ہے کہ ہم اپنی پناہ کی تو اس قدر رعایت کریں کہ جو کوئی اس میں دست درازی کرنا چاہے اس کے دشمن بن جائیں اور خدا کی پناہ کا کچھ بھی خیال نہ کریں۔

(۴۸) اپنے آپ کو کسی سید سے زیادہ کبھی نہ سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے آپ کو کسی سید سے زیادہ کبھی نہ سمجھیں اگرچہ وہ جاہل ہی ہو اور ہم عالم ہوں' اسی طرح سید کی مطلقہ سے نکاح بھی نہ کریں اگرچہ اس نے تین ہی طلاق دیدی ہوں اور نہ کسی ضرورت میں اس سے خدمت لیں اور اس ادب کا ہر سید کے ساتھ لحاظ کرنا چاہئے (خواہ اس کا نسب صحیح ہو یا اس میں کسی قسم کا شبہ ہو) حق تعالیٰ نے سادات کو جو ہمارے اوپر فضیلت دی ہے وہ ان کے کسی عمل یا بھلائی پر موقوف نہیں' بلکہ یہ فضیلت محض حق تعالیٰ کی سابق عنایات کی وجہ سے ہے جو ان کے اوپر ہو چکی ہیں۔

پھر عزیز من! بعض دفعہ ایسے سید کی تعظیم کرنا جس کے نسب میں لوگ طعن کرتے ہوں رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ہمارے لئے صحیح النسب سید کی تعظیم سے بھی زیادہ وقعت کا

---

(۱) دیکھئے مشکوۃ ص ۶۲ باب فضائل الصلوۃ۔ مرتب

باعث ہو جاتا ہے' کیونکہ صحیح النسب کی تعظیم تو شرعی حد(۱) میں رہ کر ہر شخص کے ذمہ ضروری

(۱) شرعی حد میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر سید فاسق ہو تو اس کی تعظیم اس وقت تک کی جائے جب تک کہ اس کی تعظیم سے دین میں کوئی مفسدہ پیدا نہ ہوتا ہو مثلاً کوئی شخص مقتدائے دین ہے وہ اگر فاسق سید کی عظمت ظاہر کرے اور اس کی تعظیم سے لوگوں کے شبہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو' تو ایسا شخص ظاہر میں تعظیم نہ کرے اور اگر دین میں مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو تو ہر سید کی تعظیم ضروری ہے گو وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ حیثیات مختلف ہیں' فاسق ہونے کی وجہ سے گو وہ قابل تعظیم نہیں' مگر اس میں دوسری بھی حیثیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہے' اس لحاظ سے واجب التعظیم ہے۔

یہ تقریر حضرت حکیم الامت کی ہے اس پر مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرمائی کہ شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے' جب کوئی آپ کو سلام کرتا اگر سنی ہوتا تو جواب میں داہنا ہاتھ آپ کا اٹھتا اور رافضی ہوتا تو بایاں ہاتھ اٹھتا' مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی حدیث میں شاہ صاحب کے شاگرد تھے' ایک بار ایک رافضی سید نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے استاد بڑے صاحب کشف اور بزرگ ہیں۔ ہم تو جب جانیں کہ ہم ان کے پاس جائیں تو ہماری تعظیم کو اٹھیں' کیونکہ ہم سید ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب کی زبان سے نکل گیا کہ اگر تم واقعی سید ہو تو شاہ صاحب ضرور تمہاری تعظیم کو اٹھیں گے۔ یہ بات کہہ کر مولوی صاحب خود بہت گھبرائے' کیونکہ شاہ صاحب کی عادت تھی کہ کسی کی تعظیم کو نہ اٹھتے تھے' مزاج میں سادگی بہت تھی' مولوی صاحب گھبرائے کہ اگر حسب عادت شاہ صاحب اس کی تعظیم کو نہ اٹھے تو میری بات غلط ہو گی' دل میں خدا سے دعا کی کہ الٰہی میری بات رہ جائے۔ غرض وہ رافضی سید شاہ صاحب کے پاس آئے' شاہ صاحب حسب عادت تعظیم کو نہ اٹھے تو مولوی فضل حق صاحب کے دل میں خطرہ گزرا کہ اگر اٹھ جاتے تو کیا تھا؟ اس خطرہ کا آنا تھا کہ شاہ صاحب فوراً کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ سید صاحب! یہ آپ کی سیادت کی تعظیم ہے اور پہلی بار میں اس لئے نہ اٹھا کہ آپ کی مثال ایسی ہے جیسے غلط لکھا ہوا محرف قرآن کہ اس کی تعظیم واجب نہیں (اگرچہ بے ادبی بھی جائز نہیں) بلکہ دفن کر دینے کے قابل ہے' اسی طرح گو آپ سید ہیں' مگر فسق کی وجہ سے آپ کی تعظیم واجب نہیں رہی صرف جائز ہے' تو میں نے ایک جواز پر پہلے عمل کیا' دوسرے جواز پر اب عمل کر لیا' یہ کہہ کر بیٹھ گئے' واقعی عجب مثال بیان فرمائی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ کیا' کہیئے محبت عجب چیز ہے' مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے حضرت ابو طالب کی نسبت کبھی مفرد کا صیغہ استعمال کیا ہو اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے' مگر آخر تو حضور ﷺ کے چچا ہیں' اس نسبت سے بے تعظیمی کے الفاظ زبان سے نہیں نکلتے۔ (بقیہ آگلے صفحہ پر)

ہے۔(اس کی تعظیم تو سب ہی کرتے ہیں کمال محبت تو یہ ہے کہ جس سید کے نسب میں شبہ ہو اس کی بھی تعظیم کی جائے کہ اس کا منشا خالص محبت رسول ہو گی) ذرا غور تو کرو کہ اگر کوئی شخص تمہاری طرف سے تمہارا نام لے کر تمہارے کسی دوست سے کوئی بات کہہ دے اور اس ذریعہ سے کوئی نفیس چیز اس سے مانگے اور وہ محض تمہارے نام کی عظمت کی وجہ سے اس کی حاجت پوری کر دے' باوجود یہ کہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے' اس دوست کی قدر تمہارے دل میں اس سے زیادہ ہو گی یا نہیں جو تمہاری سچی سفارش کے بعد کسی کی حاجت پوری کرے' یقیناً پہلے شخص کی قدر و منزلت تمہارے دل میں بہت زیادہ ہو گی۔ (اسی طرح یہاں سمجھو کہ وہ سید جس کے نسب میں لوگ طعن کرتے ہیں تم اس کی تعظیم محض اس لئے کرو گے کہ وہ حضور ﷺ کا نام لیتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ حضور ﷺ کے یہاں اس کی وہ قدر ہو جو صحیح النسب کی تعظیم سے بھی بڑھ جائے) اس کو جان لو اور عمل کرو۔ خدا تم کو ہدایت دے۔

(۴۹) مرید جب تک تمام حقوق مال و آبرو کے متعلق ادا نہ کر دے اس وقت تک اس سے عہد بیعت نہ لیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مرید سے خاص عہد (یعنی بیعت وغیرہ) اس وقت تک نہ

(بقیہ گذشتہ پر) مولوی عبد الرب صاحب نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ابو طالب کے ایمان نہ لانے سے میرے پیغمبر ﷺ کو بہت صدمہ ہوا' کیونکہ کفر کا انجام ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے' مگر میں اس پر راضی ہوں کہ حق تعالیٰ میرے بجائے ابو طالب کو جنت میں بھیج دیں اور مجھے ان کی جگہ ابد الآباد کے لئے جہنم میں بھیج دے' میں اس پر راضی ہوں' کیونکہ میرے پیغمبر کی تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اور حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ میرے اوپر اس مضمون کا بہت اثر ہوا اور میرے دل نے کہا کہ اگر مولوی عبد الرب صاحب کے پاس کوئی بھی عمل اسکے سوا نہ ہو تو یہی ان کی مغفرت کے لئے انشاء اللہ کافی ہے' کیونکہ اس کا منشاء محض محبت رسول اللہ ﷺ ہے' مگر اس پر بھی لوگوں نے ان کو بھی وہابی کہا' بس آج کل وہابی کے یہ معنی ہیں کہ رسوم مروجہ کو منع کرے۔ چنانچہ لکھنو وغیرہ کی طرف گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے جو منع کرے اس کو بھی وہابی کہتے ہیں' حالانکہ یہ منع کرنا تو غیر مقلدوں کے خلاف ہے' مگر منشاء وہابی کہنے کا وہی ہے کہ وہاں گاؤں میں جمعہ کا رواج ہے جو اس سے منع کرے وہ وہابی کہلاتا ہے۔ ۱۲ مترجم

لینا چاہئے جب تک کہ وہ ان تمام حقوق کو ادا نہ کردے جو اس کے اوپر کسی کے مال یا آبرو کے متعلق ہیں' کیونکہ دربار الٰہی میں داخل ہونا اس شخص کے لئے حرام ہے جس کے اوپر کسی آدمی کا کوئی حق ایسا ہو' جس کے ادا کرنے پر یہ قادر ہے (اور پھر بھی ادا نہیں کرتا) خواہ مالی حق ہو یا آبرو کے متعلق ہو' چنانچہ اہل دل اس کو جانتے ہیں' اور اس عہد پر آج کل بہت ہی کم عمل کیا جاتا ہے' آج کل جو کوئی بیعت ہونا یا صحبت میں رہنا چاہے فقراء اس سے اسی وقت عہد لینا شروع کردیتے (اور سلسلہ میں داخل کرلیتے ہیں) حالانکہ سلف صالحین سے جب کوئی سلسلہ میں داخل کرنے کی درخواست کرتا تھا' تو وہ ظاہر او باطناً ہر طرح اس کی تفتیش کرتے تھے (کہ اس کے ذمہ کسی کا حق تو نہیں) حتیٰ کہ بعضے سانس سے پہچان لیتے تھے کہ کس پر لوگوں کے حقوق ہیں اور کون ان سے بچا ہوا ہے' خدا تعالیٰ سلف صالحین سے راضی رہیں' پس (آج) اگر کسی کو کشف نہ ہوتا ہو تو کم از کم عہد لینے (اور بیعت کرنے) سے پہلے مرید سے پوچھ تو لینا چاہئے کہ تیرے ذمہ (۱) کسی کا حق بھی ہے یا نہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

---

(۱) حضرت حکیم الامت تھانوی دام مجدہم اپنے رسالہ "قصد السبیل" میں تحریر فرماتے ہیں! ہدایت دوم' صحیح ترتیب سلوک کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالص کرے اور اگر کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں' تو ان کو قضا کرنا شروع کردے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جائے یا اہل حقوق سے معاف کرائے' کیونکہ اس کے بعد ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے' اگر عمر بھر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے گا ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لئے بھی قوی عزم رکھے کہ اللہ و رسول کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو اور گو کوئی نفسانی دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے سب برداشت کرے گا اور اللہ و رسول کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دے گا' اگر اتنی ہمت نہیں تو وہ طالب حق نہیں ہے' کیونکہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے۔ ؎

اے دل آن بہ کہ خراب ازے گلگوں باشی ☆ بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ☆ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب توبہ و عزم دونوں ٹھیک ہوگئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے' پھر شیخ کامل کی تلاش۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۵۰) بیعت کے بعد مرید کی نگہداشت سے غفلت نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم مرید سے عہد لے چکیں (یعنی سلسلہ میں داخل کر چکیں) تو اس کی نگہداشت سے غفلت نہ کریں (۱) (اگر اس کے بعد) ہم نے اس کی اصلاح سے غفلت کی تو (یقیناً) ہم نے بزرگوں کے عہد میں خیانت کی اور جو مرید ہماری پرواہ نہ کرتا ہو ہم کو اس کا خیال ان لوگوں سے زیادہ کرنا چاہئے جو ہماری بہت رعایت رکھتے ہیں اور ان کی توجہ وعدم توجہ کا حال ہم کو اپنے دل کے آئینہ میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے' (اس میں) ہم کو توجہ کرنے والے کا چہرہ اور بے توجہی کرنے والے کی پشت نظر آئے گی اور بعض مشائخ کا طرز یہ ہے کہ وہ اعراض کرنے والے مرید کے پیچھے نہیں پڑتے' مگر جو طریقہ ہم نے بتلایا ہے وہ زیادہ مناسب اور مریدوں کے حال پر زیادہ شفقت کا باعث ہے۔ واللہ غنی مجید۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں لگے اھ۔

سبحان اللہ دریا کو کوزہ میں بند کرنا یہی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ نے زبانی اس مقام پر ارشاد فرمایا کہ علامہ شعرانی نے جو فرمایا ہے کہ جس پر کسی آدمی کا حق ہو اس کے لئے دربار الٰہی میں داخل ہونا حرام ہے' اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر اس کی ادائیگی کی فکر و کوشش بھی نہ ہو' کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اداء کی فکر اور سعی میں رہنا بھی بمنزلہ ادا کے ہے۔ ۱۲مترجم

(۱) حضرت حکیم الامت تھانوی شیخ کامل کی پہچان بتلاتے ہوئے رسالہ "قصد السبیل" میں تحریر فرماتے ہیں وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو' یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اھ اور یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ شیخ کا سختی کرنا شفقت نہ ہونے کی دلیل نہیں' بلکہ یہ تو عین شفقت ہے کیونکہ مریض کو بدپرہیزی پر تنبیہ نہ کرنا کون نہیں جانتا کہ اس کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' اگر شفقت کے یہی معنی ہیں کہ مرید کو کچھ نہ کہا جاوے تو اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ ہلاکت میں ڈالنے کا نام آج کل شفقت رکھا گیا ہے' شیخ کی شفقت یہی ہے کہ اس کو منزل مقصود پر پہنچانے کے لئے اپنی ہمت اور توجہ پوری صرف کردے' ظاہر و باطن دونوں کی نگہداشت کرتا رہے' برے کاموں پر روک ٹوک کرتا رہے' اول نرمی سے روکے' اگر نرمی سے فائدہ نہ ہو تو سختی سے کام لے اور عارف ہر موقعہ کو خوب پہچانتا ہے۔ ۱۲مترجم

(۵۱) اپنے بھائیوں کی زیارت کرتے رہا کریں۔

(ہم سے باربار عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے سب بھائیوں کی خواہ وہ مخلص ہوں یا مخلص نہ ہوں' زیارت کرتے رہا کریں اور جب تک ہم کو پیادہ چلنے کی قدرت ہو اس وقت تک سواری وغیرہ نہ ہونے کی وجہ اس کی ملاقات وزیارت نہ چھوڑیں۔ (سواری نہ ہو تو پاپیادہ ملاقات کو جایا کریں) "ان المحب لمن یھواہ زوار" کیونکہ محبت رکھنے والا اپنے دوستوں کی زیارت بہ کثرت کیا کرتا ہے مجنون لیلیٰ سے کہتا ہے۔ ؎

ولو قطعوا رجلی مشیت علیٰ العصا ☆ ولو قطعوا اخری حبیت وحبیت

اگر (دشمن) میرا ایک پیر کاٹ ڈالیں گے تو میں لاٹھی کے سہارے چلوں گا اور اگر دوسرا بھی کاٹ ڈالیں تو میں گھسٹتا ہوا پہنچوں گا۔ اس بارے میں باوجاہت درویش بہت سستی اور غفلت کرتے ہیں' انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی زیارت وملاقات بالکل ترک کردی اور بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم کو کہیں آنے جانے اور مخلوق سے ملنے ملانے کی عادت نہیں' چنانچہ بہت سوں کی زبانی میں نے یہ عذر سنا ہے' مگر دوستوں کی ملاقات چھوڑنے کے لئے یہ عذر کچھ بھی نہیں (محض بے ہودہ جواب اور بے کار حیلہ ہے)۔

اور بعض لوگوں نے مجھ سے یہ عذر بیان کیا کہ میں نے ملنا ملانا صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ مبادا میرے شاگرد اور مرید یہ نہ سمجھیں کہ اگر فلاں شخص ہمارے پیر سے مرتبہ میں بڑھا ہوا نہ ہوتا' تو یہ خود اس کی زیارت کو کیوں جاتے جبکہ وہ ان کی زیارت کو کبھی نہیں آتا' پھر اس خیال کے بعد ان کو میری صحبت سے فائدہ نہ پہنچ سکے گا (میرے فیوض سے محروم ہو جائیں گے) اور یہ بھی ایک عذر بارد ہے' شرعی سنتیں ایسے بہانوں سے چھوڑی نہیں جاسکتیں اور منشا ان سب کا علوم شریعت میں کم مشغول ہونا ہے(۱)۔ واللہ غفور رحیم۔

---

(۱) اگر علوم شریعت میں پوری مشغولی ہوتی تو ایسے بہانے کبھی نہ کرتے' اس سے معلوم ہوا کہ کامل درویش وہی ہے جو ہر کام میں اتباع سنت کا لحاظ رکھے اور علوم شریعت سے کافی طور پر واقف ہو۔ الحمد للہ کہ ہمارے سب مشائخ علوم شریعت میں کامل اور ہر کام میں اتباع سنت کا پورا لحاظ کرنے والے ہیں۔

ادا مھم اللہ وابقا ھم۔ ۱۲ مترجم

(۵۲) جب تک کھانے پینے اور سونے سے پہلے خدا تعالیٰ سے اجازت نہ حاصل کرلیں اس وقت تک کوئی کام شروع نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم کھانے پینے اور پیر پھیلانے اور سونے سے پہلے زبان سے یا فقد دل سے دستوریا اللہ (خداوندا میں اجازت چاہتا ہوں) نہ کہہ لیا کریں' اس وقت تک کوئی کام شروع نہ کریں اگرچہ شریعت کی طرف سے ہم کو اس کے بغیر بھی ان کاموں کی اجازت ہے' لیکن زیادہ ادب اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی پوری نگہداشت اسی میں ہے (کہ ہم پہلے دستوریا اللہ کہہ لیا کریں) کہ اس سے بندہ کی استعداد بنسبت اس شخص کے جو اجازت شرعی کی وجہ سے غفلت کے ساتھ ان کاموں کو کرتا ہے بہت زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ (ملکہ یادداشت پیدا ہونے کا یہ بڑا عجیب طریقہ ہے) اور کھانے پینے پیر پھیلانے اور سونے کے علاوہ جن کاموں میں بھی خواہش نفس کا کچھ شائبہ ہو ان کا بھی یہی حکم ہے (۱)۔ "واللہ علیم خبیر"

(۱) ان میں بھی اس ادب کی رعائت ہمیشہ کرنا چاہئے اور راز اس کا یہ ہے کہ ذاکر شخص خدا کا جلیس اور اس کا ہم نشین ہے تو جس وقت وہ اپنے نفس کی خواہشوں اور لذتوں کے پورا کرنے میں مشغول ہوتا ہے اس وقت گویا وہ دربار الٰہی سے جدا ہونا چاہتا ہے' اور تم دیکھتے ہو کہ جب سلاطین دنیا اور حکام ظاہر کے دربار سے کوئی اٹھنا چاہتا ہے تو پہلے ادب کے ساتھ اجازت مانگا کرتا ہے' اجازت کے بعد اپنے دوسرے کاموں میں مشغول ہوتا ہے' اسی طرح ہر ذاکر شاغل کو اپنے نفسانی کاموں میں مشغول ہونے سے پہلے حق تعالیٰ سے بادب اجازت لینی چاہئے اگرچہ شریعت کی طرف سے عام طور پر سب مباح کاموں کی اجازت معلوم ہو چکی ہے' مگر اس پر کفایت نہ کرنا چاہئے' صراحۃً ہر کام سے پہلے جس میں کچھ بھی نفس کا دخل ہو اجازت لینا چاہئے' دیکھو سلاطین دنیا کے درباری جانتے ہیں کہ دربار کا وقت پورا ہو جانے کے بعد ہم کو اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی بادشاہ کی طرف سے اجازت ہے' مگر پھر بھی وہ ہر دن بار بار اجازت طلب کرتے ہیں اور اس عام اجازت پر کفایت کر کے کبھی بغیر دریافت کیے دربار سے نہیں اٹھتے اور اگر کوئی ایسا کرے اس کو سب بے ادب' بے تمیز سمجھتے ہیں اور اس کو دربار کے قابل نہیں خیال کرتے' اسی طرح تم کو بھی عام اجازت پر کفایت نہ کرنا چاہئے' ہر کام کے لئے خاص طور پر حق تعالیٰ سے اجازت طلب کرو' دیکھو دل میں کیسا نور پیدا ہوتا ہے' وہی نور باطن خدا تعالیٰ کے جواب کی دلیل ہے' واقعی جو شخص اس کی پابندی (باقی اگلے صفحہ پر)

(۵۳) کسی مصیبت زدہ کی حاجت روائی سے چھپ کر نہ بیٹھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی مصیبت زدہ کی (حاجت روائی سے) کبھی چھپ کر نہ بیٹھیں' البتہ کوئی عذر ہو (تو خیر) مثلاً کوئی حال ایسا غالب ہو جس کی وجہ سے لوگوں کا اختلاط (اور مخلوق سے میل جول) دشوار ہو جائے یا اس کے مثل (کوئی اور عذر ہو) اور (اس غلبہ حال کی) سچی علامت یہ ہے کہ ہم جمعہ اور جماعت کے واسطے بھی باہر نہ نکل سکیں اور یہ ایسی بات ہے جس کو صاحب حال ہی کا ذوق سمجھ سکتا ہے' جس پر ایسی حالت نہ گذری ہو وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا کہ غلبہ حال کی وجہ سے جماعت کی نماز اور جمعہ میں جانا کیونکر دشوار ہو جاتا ہے) غلبہ حال میں لوگوں سے ملتے وقت (صاحب حال کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) گویا بدن کا گوشت پھٹ جائے گا۔

سیدی عبد القادر دشطوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ تین روز تک مجھ پر ایسی حالت رہی کہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کی مجھ کو قدرت نہ تھی' نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے' اگر حق تعالیٰ حجاب اور غفلت ڈال کر مجھ پر احسان نہ فرماتے تو میری ہڈیاں اور گوشت الگ الگ ہو جاتے (اور بدن پھٹ جاتا) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ ان قضا نمازوں کو ادا بھی کرتے تھے' فرمایا! بیشک ادا کرنا تو ضروری تھا اگرچہ مہینہ بھر تک وہ حالت رہتی' کیونکہ جذب کی حالت جنون کے تو مشابہ نہیں (جنون میں تو قضا نمازوں کی ادا واجب نہیں ہوتی' مگر جذب میں اگر نمازیں قضا ہو جائیں ان کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے)۔[1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کرے چند ہی روز میں انشاء اللہ اس کو نسبت یادداشت حاصل ہو جائے گی اور گناہوں سے محفوظ ہو جائے گا' کیونکہ جب ہر کام کے لئے حق تعالیٰ سے اجازت لیا کرے گا تو کام کرنے سے پہلے خود بخود اس کو تنبہ ہو جائے گا کہ یہ کام خدا کی مرضی کے خلاف تو نہیں' اس پر عمل کرو' پھر دیکھو کیا نظر آتا ہے' خدا تم کو اور ہم کو' سب کو توفیق دے۔ ۱۲ مترجم

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ جذب کی حالت میں انسان مکلف رہتا ہے اور شرعی احکام کا خطاب اس کے ساتھ متعلق رہتا ہے خواہ کتنا ہی غالب جذب ہو کہ گوشت پوست جدا ہونے کا بھی اندیشہ ہو جائے' البتہ اگر غلبہ حال اس درجہ ہو کہ عقل و حواس بھی بجا نہ رہیں' مدہوشی کی حالت ہوتی ہو' اس وقت شرعی خطاب اس کے متعلق نہ ہو گا۔ ۱۲ مترجم

اور اس غلبہ حال کی یہ بھی علامت ہے کہ لوگوں سے ملتے وقت اسے کسی کا کچھ امتیاز نہ ہوا' اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس کے نزدیک برابر ایک درجہ میں ہوں (یہ مرتبہ غلبہ حال کا پہلے مرتبہ سے کم ہے کہ اس حالت میں ملتا ہے' مگر کچھ امتیاز کسی کا نہیں ہوتا' جب زیادہ غلبہ ہو جاتا ہے تو ملنا دشوار ہو جاتا ہے' ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ گویا گوشت پھٹ کر الگ الگ ہو جائے گا) اس کو خوب سمجھ لو۔ واللہ علی کل شیء شہید.

(۵۴) امور متعلقہ سلطنت و حکومت میں دخل نہ دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حوائج متعلقہ سلطنت و حکومت میں دخل نہ دیا کریں (مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ مشائخ سے مقدمات وغیرہ میں توجہ اور ہمت اور تصرف کی درخواست کیا کرتے ہیں' اس سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے امور میں دخل نہ دیں) مگر یہ کہ ہم صاحب خدمت ہوں (اور امور تکوین ہمارے متعلق ہوں تو دخل دینے کا مضائقہ نہیں) اور وجہ (اس ممانعت کی) یہ ہے کہ درویش کی توجہ سے پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا سلاطین و وزراء کے دل پھیرنے سے زیادہ آسان ہے' کیونکہ ان لوگوں میں عقل و فکر اور امور (انتظامیہ اور مصالح ملکی) میں اجتہاد رائے کا درجہ بہت کچھ ہوتا ہے اور پہاڑ میں یہ باتیں کہاں (اس لئے پہاڑ کا توجہ سے ہٹ جانا آسان ہے اور ان لوگوں کے دلوں کو پلٹنا بہت مشکل ہے' کیونکہ توجہ کا اثر عاقل پر بہت کم ہوتا ہے' خصوصاً جبکہ وہ اپنی رائے پر پختہ بھی ہو' اس حالت میں تو اثر بہت دشوار ہے اور پہاڑ میں نہ عقل نہ مدافعت جس طرح چاہو پلٹ دو' اسی طرح جاہل اور کم عقل لوگوں پر توجہ کا اثر جلدی ہو جاتا ہے کیونکہ ان میں مدافعت کی قوت نہیں ہوتی)۔

اور اگر عزیز من! تم مشہور ہو گئے ہو اور لوگوں کی رجوع حاجات میں ممتاز ہو گئے ہو اور اس بار کے تحمل سے درحقیقت تم عاجز ہو تو حق تعالیٰ سے دعا کرو کہ الٰہی یا تو میرا نام عالم وجود سے مٹا دے کہ کوئی مجھے بزرگ وغیرہ نہ سمجھے اور اگر آپ میرا نام مٹانا نہیں چاہتے تو مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے اور تمام بلاد و قلوب عباد کو میرے واسطے نرم اور پست

فرما دیجئے اور میرے کلمہ خیر کو نافذ فرما دیجئے۔ "یا ارحم الراحمین" پھر اللہ تعالیٰ اگر چاہیں گے ایسا ہی کر دیں گے، وہ دعا کے سننے والے بہت قبول کرنے والے ہیں اور عنقریب بعد چالیس عہدوں کی ذرا اس کی زیادہ تفصیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

(۵۵) جنابت کی حالت میں ہر گز نہ سویا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جنابت کی حالت میں ہر گز نہ سویا کریں، خصوصاً ان اوقات میں جن کی فضیلت وارد ہے جیسے جمعہ کی رات اور شب قدر، پس اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ہمیں حکم کرنا چاہئے کہ ان راتوں میں مجامعت اخیر شب میں جب سو کر اٹھیں اس وقت کریں یا دن میں کیا کریں اور فوراً غسل کر لیں تا کہ روح انسانی حق تعالیٰ شانہ کی جناب میں سجدہ کرنے سے سونے کی حالت میں بھی رو کی نہ جائے، اور نیز رحمت کے فرشتے بھی سوتے ہوئے اس کے پاس رہیں، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جنبی سے ملائکہ رحمت دور رہتے ہیں اور جب فرشتے دور ہو جائیں گے تو (ظاہر ہے کہ) شیاطین پاس آجائیں گے (نیز یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے ہر مسلمان کی روح حق تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں پڑی رہتی ہے جب تک کہ وہ جنبی نہ ہو تو جنابت کی حالت میں سوتے رہنا اگرچہ آسانی کے لئے شریعت نے جائز کیا ہے، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے سامنے روح کو سجدہ سے روک دیا جانا تھوڑی بات نہیں، اس کا ضرور خیال رکھنا چاہئے اور بجائے رخصت کے عزیمت پر عمل کرنا چاہئے، افضل یہی ہے کہ جنابت کا غسل فوراً کر لیا جائے)۔

رہا حضور ﷺ کا بعض اوقات جنابت کی حالت میں سو جانا تو وہ امت کے لئے ایک آسان صورت جائز کرنے کے لئے تھا (حضور ﷺ نے بعض امور بیان جواز کے لئے بھی کئے ہیں تا کہ ضعفاء امت کے لئے آسان حکم بھی معلوم ہو جائے، لیکن پہلے بیان ہو چکا ہے کہ طریقہ سلوک کوشش اور مشقت کا راستہ ہے، سالک کو مباح امور کا عادی نہ ہونا چاہئے، بلکہ اس کو ہمیشہ مستحبات اور افضل صورتوں کو اختیار کرنا ضروری ہے) حضور ﷺ (جب بیان جواز کے لئے بھی کوئی کام کرتے تھے تو آپ) کو اس میں بھی واجب کے برابر ثواب ملتا تھا۔ (کیونکہ جب

حضور علیہ پر تمام احکام شرعیہ کا پہنچانا ضروری تھا' تو جائز امور کا مباح ہونا بھی آپ کے ذمہ بیان کرنا واجب تھا' جس کو حضور علیہ نے عملی صورت سے بیان فرمایا' کیونکہ اگر فقط زبان سے آپ ظاہر فرماتے اور عمل کر کے نہ دکھلاتے تو شاید بعض لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی جرأت نہ ہوتی' اس لئے آپ نے بعض وہ صورتیں جو خلاف اولیٰ تھیں عمل کر کے ظاہر فرمادیں تاکہ ان کا جائز ہونا بخوبی واضح ہو جائے' کسی کو ان کے حرام ہونے کا خیال بھی نہ پیدا ہو کہ مبادا تحریم حلال کے گناہ میں امت مبتلا ہو جائے' تو حضور علیہ کے بیان جواز میں جب اتنی ضروری اور اہم مصلحتیں ہوتی ہیں' تو آپ کو یقیناً جائز صورتوں پر عمل کرنے سے بھی واجب ہی کا ثواب ملتا تھا' پس ہم کو چاہئے کہ جنابت کی حالت میں حتیٰ الامکان نہ سویا کریں اور فوراً غسل کر کے پاک وصاف ہو جایا کریں اور اگر سخت سردی ہو اور پانی اس وقت گرم نہ ہو تو کم از کم تیمم بہ نیت غسل کر کے سویا کریں' اس میں ہرگز سستی نہ کریں اور صبح کو اذان و جماعت سے پہلے نہادھو کر فارغ ہو جایا کریں) اس کو خوب سمجھ لو۔

(۵۶) بے وضو بھی کبھی نہ سویا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حدث اصغر پر بھی (یعنی بے وضو) کبھی دن رات کی کسی ساعت میں نہ سویا کریں ہمیشہ وضو یا (کم از کم) تیمم کر کے سویا کریں' مبادا کہیں ہماری روح اس ناپاکی کی حالت میں نہ قبض کر لی جائے اور عزیز من! جو چیزیں سب علماء کے نزدیک وضو توڑنے والی ہیں جیسے پیشاب' پاخانہ وغیرہ ان کے بعد وضو کرنا بہ نسبت ان چیزوں کے جن سے وضو ٹوٹنے میں اختلاف ہے زیادہ ضروری اور موکد ہے جیسے فصد لینا اور عضو خاص یعنی قبل ودبر کا چھونا وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

(۵۷) بغیر باطنی طہارت کے بھی نہ سویا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کبھی بغیر طہارت باطنی کے بھی نہ سویا کریں' کیونکہ باطنی طہارت ظاہری طہارت کے بالکل برابر ہے اور باطنی ناپاکی کی مثال یہ ہے کہ معاذ اللہ ہم کسی سے حسد یا کینہ یا خیانت و مکر و فریب یا تکبر دل میں لے کر یا خدا تعالیٰ کی کسی تقدیر پر ناراض ہو کر

سوئیں اور اس کے مثل جو دل کی بیماریاں ہیں (ان کو بھی اسی پر قیاس کر لو' غرض سونے سے پہلے دل کو تمام ناپاکی اور گندگیوں سے پاک کر لینا اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کر لینا چاہئے) کیونکہ ممکن ہے کہ انسان کی اسی حالت پر موت آجائے' تو اس کا خاتمہ بہت برا خاتمہ ہوگا اور اگر موت بھی نہ آئی تو (سو جانے کے بعد اس کی روح بارگاہ قرب الٰہی میں تو یقیناً داخل نہ ہو سکے گی جو کہ ملائکہ اور خاص اولیاء اللہ کا مقام ہے۔

اور عزیز من! خوب جان لو کہ سب سے زیادہ دل کو ناپاک کرنے والی چیز دنیا کی محبت ہے' شاید تم تو اس کو گناہ بھی نہ سمجھتے ہو گے اور عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بھول گئے ہو گے "حب الدنيا رأس كل خطيئة" (۱) کہ دنیا کی محبت ہی سب گناہوں کی جڑ اور تمام گناہوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے اس سے کوئی گناہ بھی جدا نہیں ہوا۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص دنیا کی محبت (دل میں) لے کر مر جائے اس کا حشر ایسی پھٹکاری ہوئی چیز کے ساتھ ہوگا جس کو پیدا کرنے کے وقت سے کبھی حق تعالیٰ نے محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا (یعنی اس کا حشر دنیا ہی کے ساتھ ہوگا' جس کے اوپر حق تعالیٰ نے محبت کی نظر کبھی نہیں ڈالی' بلکہ وہ ہمیشہ خدا کے نزدیک مبغوض ہی رہی) اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر (قیامت میں) اٹھے گا پس ہر کوئی غور کر کے دیکھ لیا کرے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے (۲) (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو دنیا کے ساتھ محبت ہوگی اس کا حشر دنیا کے ساتھ ہوگا نعوذ بالله منها) پس اے عزیز! ہر شام اور صبح دنیا کی محبت سے توبہ کیا کرو اس میں سستی نہ کرنا اور خدا تم کو ہدایت دے۔

(۵۸) اگر ہماری عدم موجودگی سے مجلس ذکر میں لوگ کسی دن جمع نہ ہوں تو ہم خود اس کی قضا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہماری وجہ سے ذکر اللہ یا تلاوت قرآن یا درود شریف

وغیرہ کی مجلس میں لوگ جمع ہوتے ہوں اور کسی دن ہم نہ جائیں تو مجلس لوگوں سے خالی رہے یا

(۱) یہ حضور علیہ ﷺ کی حدیث بھی ہے دیکھئے کنز العمال ج ۳ ر ۶۱۱۴ و مشکوۃ ص ۴۴۴ کتاب الرقاق۔ مرتب

(۲) کنز العمال ج۹، ۲۷۳۲۴ و مشکوۃ ۴۲۷ باب الحب فی اللہ۔ مرتب

کچھ لوگ نہ آئیں، تو ہم کو اس کی خود قضا کرنا چاہئے، پس جس قدر ذکر یا تلاوت قرآن یا نبی ﷺ پر درود شریف وغیرہ سب لوگ حاضر ہو کر پڑھتے اسی قدر ہم تنہا بیٹھ کر پورا کر دیں اور یہ ایسی بات ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ہر شخص اپنے دل میں بڑی حلاوت پائے گا، کیونکہ (اس صورت میں) ارشاد خداوندی "ویسارعون فی الخیرات" (۱) کہ وہ ایسے بندے ہیں جو نیک کاموں میں سبقت کرتے اور دوڑتے ہیں اور حدیث نبوی "لا یشبع مومن من خیر" (۲) کہ مسلمان آدمی نیک کاموں سے سیر نہیں ہوا کرتا، دونوں پر عمل ہو جائے گا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

(۵۹) اگر کسی کو کسی پر اعتراض کرتے دیکھیں تو حکمت سے اس کا علاج کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کسی شخص کو کسی پر اعتراض کرتے یا بے آبروئی کرتے دیکھیں، تو حکمت اور عمدہ نصیحت سے اس کا علاج کیا کریں مثلاً اسے یہ کہیں کہ کیوں بھائی کیا تم فلانے سے زیادہ اچھی حالت میں ہو، اگر وہ یہ جواب دے کہ ہاں (میں اس سے اچھا ہوں) تو اس سے کہنا چاہئے کہ اب تو یقیناً تم اس سے بدتر حالت میں ہو، کیونکہ یہی وہ بات ہے جس سے ابلیس پھٹکارا گیا کہ اس نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا تھا "انا خیر منہ (۳)" کہ میں آدم سے بہتر ہوں (تو اپنے آپ کو کسی سے اچھا سمجھنا خود اپنے بدتر ہونے کا اقرار ہے) اور اگر وہ یہ کہے کہ میں اس کے برابر ہوں تو اس سے کہنا چاہئے کہ پھر تم اور وہ دونوں برابر درجہ میں ہو تو تم کو اسکے عیوب چھوڑ کر پہلے اپنے عیبوں کے (معالجہ) میں مشغول ہونا چاہئے۔

پھر اس کو نرمی سے نصیحت کرو کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بیمار آدمی کو دوسروں (کے علاج کی فکر میں پڑنا اور ان) کو دوائیں بتلانا بہت ہی نازیبا ہے (اسے پہلے اپنا علاج کرنا چاہئے) اور اگر

وہ یہ کہے کہ میں اس سے بدتر حالت میں ہوں تو اس سے کہنا چاہئے کہ پھر تم خود مصیبت میں

(۱) آل عمران ۱۱۴

(۲) کنز العمال ج ۱/ ۸۴۱/۱، (۳) ص ۷۶

مبتلا ہو اور مصیبت والا دوسرے (کی فکر) کے واسطے فارغ نہیں ہوا کرتا۔ (پس تم اپنی فکر میں لگو) اس طرح نصیحت کرنے سے شاید حق تعالیٰ اس کو متنبہ فرمادیں اور وہ لوگوں پر اعتراض اور ان کی بے آبروئی کرنے سے توبہ کرے۔ ''واللّٰه علیم حکیم''

(۶۰) رات کے پچھلے تہائی حصہ میں کبھی نہ سویا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم رات کے پچھلے تہائی حصہ میں کبھی نہ سویا کریں اور جمعہ کی رات اور شعبان کی پندرہویں رات اور شب قدر کی راتوں میں تو بالکل نہ سویا کریں، مگر بہت ہی نیند کا غلبہ ہو (تو خیر) اسی طرح اور جو راتیں فضیلت کی ہیں ان میں بھی تمام رات نہ سویا کریں (جیسے عید الفطر و عید الاضحیٰ کی راتیں وغیرہ) کیونکہ ان راتوں میں حق تعالیٰ شانہ کا تجلی فرمانا حدیثوں میں وارد ہے۔ امام سعید کی تفسیر میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہر رات کے پچھلے تہائی حصہ میں تجلی فرماتے ہیں اور جمعہ کی رات میں رات شروع ہونے سے صبح کی نماز ختم ہونے تک تجلی فرماتے ہیں، درویش کو ان اوقات میں سوتا رہنا بہت نازیبا ہے، کیونکہ یہ اوقات جلوس شاہی اور دربار سلطانی کے اوقات ہیں تو جو شخص ان وقتوں میں سوتا رہے، پھر ان کے بعد کوئی حاجت خدا سے مانگے اس کی وہی حالت ہوگی جو اس حاجت مند کی ہوتی ہے جو دیر کر کے ایسے وقت بادشاہ کے پاس آیا جبکہ اجلاس ختم ہو گیا اور دربار برخاست ہو چکا اور بادشاہ خاص محل میں جا کر سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ہو تو اس سے خدام شاہی یہی کہہ دیتے ہیں کہ اب تمہاری حاجت روائی دوسرے اجلاس میں ہو سکتی ہے (پھر آنا) تو وہ ناکام واپس چلا آتا ہے۔

عزیز من! عالم غیب کا انتظام سلطنت بھی عالم ظاہر کے ترتیب مملکت کے مشابہ ہے، چنانچہ بعض بزرگوں نے یہ بات بیان فرمائی ہے، مگر یہ قاعدہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بادشاہ کے سامنے رکتے ہوئے حجاب کے پیچھے پہنچتے ہیں اور جو اہل دل اپنے قلوب کے ذریعہ سے حجابات کو طے کر کے خاص دربار تک پہنچ جاتے ہیں، نیز وہ لوگ جو کسی مصیبت میں مضطر و بے قرار ہو کر دعا کرتے ہیں۔ ان دونوں کی دعائیں ہر وقت قبول ہوتی ہیں، جس وقت بھی وہ اپنی حاجات کے لئے دعا کریں۔ پس اے عزیز! خدائی اجلاسوں کے وقت ضرور حاضر رہا کرو،

تمہاری تمام ضرورتیں اور حاجات پوری ہوتی رہیں گی اور دل تمام افکار دنیا سے راحت و چین میں رہے گا (یہ تجربہ ہے کہ تہجد کی پابندی کرنے والا دن بھر بشاش رہتا ہے' دل کو ایک خاص سرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کسی کو دربار ویسرائے میں تھوڑی دیر کو رسائی ہو جاتی ہے اور حاکم اس سے دو چار باتیں کر لیتا ہے تو اس شخص کی خوشی کی کچھ انتہا نہیں رہتی' بار بار احباب کے سامنے دربار میں اپنے جانے کا واقعہ مسرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے' تو پھر جو شخص دربار حقیقی میں پہنچ جائے اور احکم الحاکمین کے ساتھ نماز میں ہمکلام ہو اس کی خوشی اور بشاشت کا کیا پوچھنا) بخلاف اس شخص کے جو ان اوقات میں سوتا رہے کہ وہ صبح کے وقت سست اور خبیث النفس ہو کر اٹھتا ہے اور اس کی ساری ضرورتیں اور حاجات معطل اور بند پڑی رہتی ہیں (پس سب مسلمانوں کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً ان اوقات تجلی میں ضرور بیدار رہنا چاہئے۔

پھر عزیز من! جب تم کو ان مبارک درباروں اور بزرگ اوقات میں حق تعالیٰ سے کچھ قرب نصیب ہو تو مناسب یہ ہے کہ امور متعلقہ آخرت اور مسلمانوں کے عالم مصالح کے لئے درخواست کرو۔ ہاں اگر انسان کا یقین کمزور ہو تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ اول اپنی ضروریات کے لئے دعا اور درخواست کرے' مگر حد سے نہ بڑھنے پائے۔ (مثلاً کسی محال چیز کی درخواست نہ کرے جیسے نبوت وغیرہ کی دعا۔ نیز حرام اور ناجائز امور کی درخواست بھی نہ کرے اسی طرح جنت کے کسی خاص محل کسی خاص درجہ کی فرمائش نہ کرے اور حتی الامکان حدیث یا قرآن کی دعاؤں کو اختیار کرے) اور اگر یقین کامل عطا ہو چکا ہو تو پھر اول دوسروں کے واسطے دعا کرے اور اپنے لئے دعا مؤخر کرے۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے میں سے کسی کو حق تعالیٰ شانہ کا کچھ قرب نصیب ہو جائے تو اس کو اپنے زمانہ کے تمام مسلمانوں کے لئے سفارش کرنا چاہئے کہ حق تعالیٰ سب سے درگذر فرمائیں' پھر فرمایا کہ شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ میری سفارش میرے زمانہ کے تمام مسلمانوں کے حق میں قبول کر لی جائے' اچانک ہاتف نے کہا کہ ہم نے تمہاری شفاعت سب کے بارے میں منظور کی۔ واللہ غفور رحیم۔

(۶۱) تمام اصحاب خدمت کی امداد کرتے رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم تمام اصحاب خدمت کی جو آفاق زمین میں پھیلے ہوئے ہیں معاونت اور امداد ان کے حفظ مراتب میں نہ کر لیا کریں اس وقت تک نہ کسی رات سوئیں نہ جاگیں (مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے سپرد حق تعالیٰ نے تکوینی خدمت یا شرعی ہدایت وغیرہ کر دی ہے' قطب زمانہ کو ہر صبح و شام ان کی امداد کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے منصب کو اچھی طرح ادا کرتے رہیں۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ قطب زمانہ معلوم ہوتے ہیں اس لئے ان کے مشائخ نے یہ عہد ان سے لیا) اور امداد کی صورت یہ ہے کہ ہم ایک نگاہ قلبی تمام دنیا کی آباد اقلیموں پر اور جتنے دریا عالم کو محیط ہیں ان سب پر ڈالیں اور حق تعالیٰ کا اسم اعظم زبان و دل سے یاد کرتے رہیں' حتیٰ کہ سب سے فراغت ہو جائے اور تمام عالم پر نظر ڈالنے کی وہی صورت ہو گی جو آئینہ پر نظر ڈالتے ہوئے حالت ہوا کرتی ہے تو جس قدر بلاد اور پہاڑ اور دریا آئینہ دل میں بالمقابل نظر آئیں ان سب پر توجہ کرتے اور اسم اعظم پڑھتے رہیں' کیونکہ انشاء اللہ جتنی صورتیں آئینہ قلب کے سامنے آئیں گی) دیکھنے والے کو وہ سب اس میں منقش معلوم ہوں گی(۱) اور ہم نے اس عہد کو رسالہ آداب میں بوضاحت بیان کر دیا ہے۔

---

(۱) سچ ہے " وتحسب انك جرم صغير ☆ وفيك انطوى العالم الاكبر "
انسان سمجھتا ہے کہ میں ذرا سا ہوں، حالانکہ اس میں سارا عالم اکبر سمایا ہوا ہے، آئینہ دل میں دنیا بھر کے شہر اور پہاڑ اور سمندر سب محفوظ ہیں، اس میں جنت اور دوزخ، عرش و کرسی وغیرہ سب کا نقشہ موجود ہے جس کی چاہے سیر کر لے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ ☆ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن درآ ۱۲

مگر ہر شخص کو انکشاف ہونا ضروری نہیں نہ کشف کے درپے ہونا چاہئے، اکثر اہل خدمت بزرگوں کو زیادہ کشف ہوا کرتا ہے اور اہل ارشاد کو یہ کشف کونی کم ہوتا ہے، البتہ القاء علوم و الہام واردات زیادہ ہوتے ہیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں اور وہی زیادہ قابل قدر ہیں خضر علیہ السلام کشف کونی اور مکاشفات ناسوتی میں بڑے ہوئے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کشف الٰہی میں زیادہ تھے اب خود فیصلہ کر لو کس کا مرتبہ زیادہ ہے سچ کہا ہے۔

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوہ یار کے سوا ☆ میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں ۱۲ ظ

(۶۲) مسلمانوں کے ہر غم میں شریک ہونا چاہئے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مسلمانوں پر ہر دن جو مصائب اور افکار نازل ہوتے ہیں' جب ہم کو خبر پہنچے تو ہم بھی اس غم میں شریک ہوں یہاں تک کہ ہر دن آفتاب غروب ہونے کے وقت ہمارے جسم کی حالت (فرط غم سے) گھل گھل کر ایسی ہو جائے جیسے کسی نے آدھ سیر زہر پی لیا ہو تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر پورا عمل ہو جائے. "**المؤمنون كالجسد الواحد اذاشتكى منه عضو تداعى له سائر البدن بالسهر والحمى**"(۱) کہ مسلمان سب ایک جسم کے مانند ہیں' جب ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن (اس کا شریک حال ہوتا ہے اور ہر عضو) بخار اور بیداری میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر ند ☆ کہ در آفرینش زیک جوہر ند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ☆ دگر عضوہا را نماند قرار (۲)

تو (دیکھو) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم مومن ہو تو ہر بیمار آدمی اور جس کو حکام کی کچہریوں میں (ناحق) سزا دی جائے' بلکہ جس مسلمان کی بھی تکلیف کی جب خبر ملا کرے اس میں شریک ہوا کرو (یعنی تمہارے قلب اور جسم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے)۔

(۶۳) جن لوگوں میں عداوت ہو ہر فریق سے یہ کہہ دیا کریں ہم تمہارے ساتھ ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس جماعت میں عداوت اور بغض دیکھیں اور ان میں

---

(۱) یہ حدیث نہیں ملی البتہ مسند امام احمد بن حنبل میں یہ حدیث موجود ہے **مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم مثل الجسد اذا اشتكى منه عضو تداعى سائر الجسد بالسهر والحمى**۔ ج ۴/ص ۲۷۰ اور اسی سے ملتی جلتی حدیث شرح السنۃ میں بھی موجود ہے دیکھئے شرح السنۃ ج ۱۳/ ۳۴۵۹' ۳۴۶۰۔ مرتب

(۲) تمام بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں' کیونکہ ان کی خلقت ایک جوہر سے ہے' جب زمانہ کسی عضو کو درد میں مبتلا کرتا ہے تو دوسرے عضو کو بھی چین نہیں رہتا۔ مرتب

صلح کرانے سے ہم عاجز ہو گئے ہوں تو (دونوں فریق سے مدارات اور خوش اخلاقی کے ساتھ ملتے رہیں اور) ہر فریق سے بطور مدارات کے کہہ دیا کریں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' تمہارے ہی طرف ہیں' لیکن (اس کا خیال رہے کہ) یہ بات کہتے ہوئے دل میں یہ خیال نہ کریں کہ ہم ہنسی مذاق اور دل لگی سے ایسا کہہ رہے ہیں (کیونکہ کسی کا مذاق اڑانا اور محض دل لگی سے اپنے کو اس کا ساتھ بنانا نفاق کی علامت ہے) منافقین کی جو زیادہ مذمت (قرآن میں) کی گئی ہے "وہ انا معکم" (۱) (ہم تمہارے ساتھ ہیں) کہنے کی وجہ سے نہیں' بلکہ صرف ان کے اس بات کی وجہ سے زیادہ مذمت کی گئی کہ وہ "انما نحن مستهزون" (۲) بھی کہتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں (اور محض چال و فریب سے اپنے کو ان کے سامنے مسلمان ظاہر کرتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی صرف اسی بات کا اپنے اس قول میں رد فرمایا "اللہ یستهزئی بهم" (۳) کہ حق تعالیٰ ان کے اس استہزاء اور دل لگی کی پوری سزا ان کو دیں گے (انا معکم کا کوئی رد نہیں فرمایا' کیونکہ اتنا کسی سے کہہ دینا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں فی نفسہ برا نہیں' ہاں استہزاء کی نیت سے کہا جائے تو بے شک برا ہے) اور مدارات اسی کا نام ہے (کہ ہر مسلمان سے کہہ دیا کریں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں) اور عارفین اس کو اچھی باتوں میں اور خصال حمیدہ میں شمار کرتے ہیں اور جب عارفین (کسی سے) کہتے ہیں (کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں) تو وہ اس بات میں بالکل سچے ہوتے ہیں' کیونکہ واقعی وہ تو خیر خواہی اور دعاء سے ہر فریق کے ساتھ ہوتے ہیں (ہر اک کے لئے دعاء خیر کرتے ہیں) جو کہ شرعاً پسندیدہ اور عادت محمودہ ہے' اس کو خوب سمجھ لو' یہ معرفت کا لب لباب اور خلاصہ ہے اور خدا تم کو ہدایت کرے۔

(۶۴) مسلمانوں سے قطع تعلق کرنے میں جلدی نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک اپنے نفس کے باریک باریک دھوکوں کی مبالغہ کے ساتھ تفتیش نہ کر لیں اس وقت تک کسی مسلمان سے قطع تعلق اور بول چال بند کرنے میں جلدی نہ کریں' کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ (واقع میں تو) محض حظ نفس کے لئے قطع تعلق کیا

(۱۔۲) البقرہ/۱۴، (۳) البقرہ/۱۵

جاتا ہے اور نفس اس میں باتیں بنا دیتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے واسطے قطع تعلق کرتا ہوں اور اس پر بہت سی دلیلیں قائم کر دیتا ہے' بالخصوص اگر یہ شخص جو تعلق قطع کر رہا ہے خصومت اور جھگڑا کرنے والا ہو (تب تو اس کے نفس کا کچھ اعتبار ہی نہیں) اور اگر یہ بول چال بند کرنے والا (مسلمانوں سے تعلق قطع کرنے والا) اس بات میں غور کر لیا کرے کہ (اس گناہ کی وجہ سے) اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں پہنچے گا (جب تک کہ اپنے بھائی سے صلح نہ کرے) تو ہرگز کسی سے ترک تعلق نہ کیا کرے اور مسلمان کی عزت و حرمت کا ہمیشہ لحاظ کیا کرے' ہاں اگر دوسرا شخص کسی گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو (اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو تو اس کے چھوڑ دینے میں اور اس سے بات چیت بند کر دینے میں کوئی حرج نہیں) مگر اس وجہ سے ترک تعلق بہت کم کیا جاتا ہے' اکثر اسی شخص سے ترک تعلق کیا جاتا ہے جو ہماری مرضی کی مخالفت کرے اور بس۔ (باقی) حق تعالیٰ جس کی حفاظت چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں خود فرماتے ہیں (ورنہ اکثر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں کہ محض اپنی مرضی کی مخالفت کرنے سے دوسرے آدمی کو چھوڑ بیٹھتے ہیں) اور سب سے بدتر کینہ اور قطع تعلق وہ ہے جو علماء میں ہو یا ان لوگوں میں جو صلحاء کی صورت بنائے ہوئے ہیں کیونکہ اس سے عام لوگوں میں بہت ہی فساد برپا ہوتا ہے۔ واللہ غفور رحیم۔

(۶۵) کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کوئی بھی حق ادا کیا ہے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے نفس نے رات دن میں حق تعالیٰ کا کوئی بھی ضروری حق ذرہ برابر کچھ بھی ادا کیا ہے اور یہ (جب ہو سکتا ہے) کہ ہم اپنے نور ایمان اور پختہ یقین کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ ہمارے جتنے بھی کام ہیں شروع سے لے کر انتہا تک سب کا پیدا کرنے والا خدا ہے (جب سارے اعمال خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی توفیق سے عطا ہوئے ہیں تو اسی کی دی ہوئی چیز سے اس کا حق کیونکر ادا ہو سکتا ہے' بھلا غور تو کرو غلام کے پاس جو کچھ مال و دولت ہے سب اس کے آقا کا عطیہ ہے' اگر وہ اس کو آقا کی خدمت میں پیش کر کے یہ سمجھ لے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا تو اس سے بھی زیادہ کوئی بے وقوف دنیا میں ہے

اور خدا کے ساتھ تو آقا سے بھی زیادہ تعلق ہے' پیدا اس نے کیا' ہوش و حواس عقل و تمیز' بینائی شنوائی' ہاتھ پیر' غذا وغیرہ سب اسی کی پیدا کی ہوئی اور اسی کی دی ہوئی ہیں' جن کے سہارے سے کچھ ٹوٹے پھوٹے اعمال ہم کر لیتے ہیں' پھر حق کس چیز سے ادا کیا اپنے گھر کی کونسی چیز ہے؟ جو خدا کے سامنے پیش کر دی توفیق اور ارادہ و ہمت بھی اسی کی دی ہوئی ہیں خوب کہا ہے۔

جان دی ہوئی اسی کی تھی ☆ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور یہ جو زبان سے ہم کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم بہت ہی قصور وار ہیں' اس سے تو صرف اپنی عاجزی اور خدا کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے' ہاں جس نے دل سے اس کا مشاہدہ کر لیا اس نے اتنا شکر ادا کر دیا جتنا کہ بندوں کے حق میں واجب تھا۔

رہا وہ شکر جس کو حق تعالیٰ کا کمال چاہتا ہے' تو ہم لوگوں نے خدا تعالیٰ کی جیسی قدر جاننا چاہیے ویسی قدر ہی نہیں جانی۔ (بس بندہ کا کامل شکر یہ ہے کہ ہمیشہ یہی سمجھتا ہے کہ اس نے ذرہ برابر بھی خدا کا حق ادا نہیں کیا' نہ تھوڑا نہ بہت' کیونکہ تقصیر اور کوتاہی سمجھنے میں بھی کسی قدر حق ادا کر دینا سمجھا جاتا ہے' حالانکہ انسان کچھ بھی ادا نہیں کر سکتا) اور جس کو کمال شکر کہا جاتا ہے وہ بھی بندہ کے اعتبار سے کامل ہے' خدا کے حقوق کے سامنے وہ بھی کچھ نہیں۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ☆ عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش ☆ کس نتواند کہ بجا آورد (۱)

واللہ علیم خبیر۔

(۶۶) جو کوئی ہماری مدح کرے اس کو ڈانٹ دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کوئی ہماری مدح شعر یا نثر میں کرے خواہ تنہائی میں یا

(۱) بندہ وہی بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر خدا کی بارگاہ میں لائے۔ ورنہ کوئی بھی اپنے خدا کی شان کے مطابق حکم کی اطاعت نہیں کر سکتا۔ مرتب

مجمع میں اس کو ڈانٹ دیا کریں' اور مجمع میں تعریف کرنا تو بہت ہی سخت ہے (اور ڈانٹ دینے کا حکم اس لئے کیا گیا) تاکہ ہم اپنے پروردگار کے ساتھ حمد و مدح میں شریک ہونے سے (ہمیشہ) بھاگتے رہیں (حمد کے لائق حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے' پس جو کوئی اپنی مدح سنتا ہے وہ بھی اپنے کو لائق حمد سمجھتا ہے' تو اک گونہ خدا کی شرکت کو اس نے پسند کیا (اور ذرا سا شرک بھی کفر طریقت ہے) اور اکثر جن باتوں کے ساتھ شعراء آج کل لوگوں کی مدح کرتے ہیں' حس ظاہری خود اس کی تکذیب کر دیتا (یعنی اکثر تعریفوں میں کھلا جھوٹ ہوتا ہے) پس ہم جیسوں کو ہرگز کسی کو اپنی مدح پر جرأت نہ دینا چاہئے اور جو کوئی ہم جیسوں میں یہ دعویٰ کرے کہ مدح سے میرے اندر کچھ تغیر نہیں آتا اس سے کہنا چاہئے کہ جس وقت تمہاری مذمت کی جائے اس وقت اپنے نفس کا امتحان کرو' اگر مذمت کے وقت بھی برائی کرنے والے سے کسی قسم کا تغیر (دل میں) نہ پیدا ہو تو واقعی وہ سچا ہے (اس کو مدح سے بھی تغیر نہ ہوتا ہوگا اور اگر مذمت کے وقت اس کے اندر تغیر پیدا ہو جائے' تو اس کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ مدح سے مجھ کو تغیر نہیں ہوتا' مذمت سے متغیر ہونے والا مدح سے بھی ضرور متاثر ہوگا)۔

سیدی احمد بن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ "جو شخص تمام احوال میں اپنے نفس کو متہم نہ سمجھے اس کا نام مردان (طریق) میں نہیں لکھا جا سکتا" ہم جیسوں میں کوئی کیا دعویٰ کر سکتا ہے کہ مدح سے اس کو تغیر نہیں ہوتا' حالانکہ وہ سر تا پا اپنے شکم و فرج کی لذت اور جاہ و ناموری کی خواہش میں دن رات ڈوبا ہوا ہے۔

برادرم افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مجھ کو اور تمام دوستوں کو یہ وصیت تھی کہ جو کوئی تمہارے عیبوں کو چھپائے اور تمہارے نفس کی تعریف کرے اور تمہاری بات کو سنے اور تمہارے علوم کو پھیلائے اس سے بہت بچتے رہو' کیونکہ وہ باطن میں سب سے بڑا تمہارا دشمن ہے' مگر تم کو خبر نہیں اور جو کوئی تم کو برا بھلا کہے وہ تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے' کیونکہ برا کہنے والا تمہارے پوشیدہ عیبوں پر تم کو مطلع کرتا ہے اور مدح کرنے والا عیوب کو تم سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور بخدا جو دشمن تم کو خدا تک پہنچا دے وہ اس دوست سے ہزار درجہ بہتر ہے جو تم کو خدا تعالیٰ سے جدا کر دے۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب ایک بات انسان کے اندر موجود ہو تو وہ سب سے پیچھے رہ جائے گا' وہ یہ کہ اپنے آپ کو علم و فضل میں دوسروں سے آگے سمجھتا ہو۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ تعریف کرنے والے کی بات کو کان لگا کر سننا ریاکار کی علامت ہے۔ برادرم افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اگر کوئی اس تعریف کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے (کیا جب بھی وہ ریاکار ہے) فرمایا کہ یہ بڑے لوگوں کا مقام ہے ہم جیسوں کا یہ رتبہ نہیں اور جس نے اپنا مرتبہ پہچان لیا وہ (بڑی) راحت میں رہتا ہے۔ واللہ علی حکیم۔

(۶۷) جو کوئی ہماری تعریف کرے اس کے منہ میں مٹی جھونک دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کوئی ہماری تعریف کرے اس کے منہ میں مٹی جھونک دیا کریں' شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ میں مٹی لے کر نرمی سے اس تعریف کرنے والے کے سامنے پھینک دیا کریں' پھر اس سے کہہ دیں کہ جو شخص اس مٹی سے پیدا ہوا ہو جس کو مخلوق کے قدم پامال کرتے رہتے ہیں وہ کب اس قابل ہے کہ تم اس کی مدح کرو(۱)۔ میں کیا چیز ہوں میرا کیا رتبہ ہے (اور یہ الفاظ کہتے وقت) سچے طور پر حقیقتاً اپنے نفس کو برا بھلا کہتے اور دھمکاتے رہیں' حضور ﷺ کا مطلب اس ارشاد سے "احثوا فی وجوہ المداحین التراب" (۲) مداحوں کے منہ میں مٹی جھونک دیا کرو یہی ہے

(جو ہم نے بیان کیا کہ اس سے کہہ دو کہ جس کی اصل پیدائش مٹی سے ہے' وہ مدح کے قابل

(۱) حجۃ اللہ فی زمانہ سیدنا مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بندہ کو مدح و ذم برابر ہے' حضرت حاجی صاحب نے اس پر بہت مبارکباد دی کہ یہ بڑے عارفین کا مقام ہے' اور میں نے اپنے استاد مولانا محمد عبداللہ صاحب دام ظلہم سے سنا ہے کہ ایک بار کسی نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں قصیدہ مدحیہ لکھ کر حضرت کو سنایا جب ختم کر چکے تو حضرت نے ایک مٹھی بھر کر مٹی ان کی طرف پھینک دی' پھر یہ حدیث پڑھی اھ واقعی حضرت والا معرفت واتباع سنت میں حجۃ اللہ تھے۔ ۱۲ مترجم

(۲) کنز العمال ج ۳ / ۷۹۶۰ میں یہ حدیث موجود ہے "احثو التراب فی وجوہ المداحین". مرتب

نہیں)۔

اور عزیز من! سچے دل سے ان الفاظ کے نکلنے کی کسوٹی یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے لئے محفلوں میں کبھی نہ کھڑے ہوں یا کوئی تمہارے منہ پر جوتا رکھ کر چلا جائے ان سے اپنے نفس کی وجہ سے تم ذرا مکدر نہ ہو' کیونکہ تم تو مٹی ہو (پھر اگر منہ پر جوتے کی مٹی بھی لگ جائے تو کیا مضائقہ ہے)۔ واللہ اعلم۔

(۶۸) جو شخص بغیر علم کے بحث کرتا ہو اس سے ہر گز مقابلہ نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کا نفس (بلندی پر) قائم ہو خصوصاً جبکہ وہ بغیر علم کے بحث و مباحثہ کرتا ہو اس سے ہر گز مقابلہ کے ساتھ پیش نہ آئیں' کیونکہ ایسے شخص سے مقابلہ کرنا ہم کو اور اس کو دونوں کو مضر ہو گا' بلکہ ایسے شخص کے ساتھ نرمی اور رحمت کے ساتھ ہم کو گفتگو کرنا چاہئے' بشر طیکہ گفتگو کا موقع بھی ہو (اور ضرورت ہی آپڑے) اور اگر ایسے شخص کے ساتھ ہم نے بھی اسی طرح سختی سے کلام کیا جیسے وہ ہم سے کرتا ہے تو پھر اس پر اعتراض کرنے کا ہمیں کیا حق ہے (کیونکہ جب ہم بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں جس میں وہ گرفتار ہے' تو ہم اور وہ دونوں اس عیب کی وجہ سے قابل اعتراض ہیں) عاقل وہ ہے کہ جس طرح غصہ و غضب میں اپنے کو معذور سمجھتا ہے دوسرے کو بھی معذور سمجھے' کیونکہ وہ بھی اسم قاہر (۱) کے تحت میں

(۱) اسم قاہر کے تحت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ عالم مظہر صفات خداتعالیٰ ہے' ہر چیز اور ہر حالت میں کسی نہ کسی صفت خداوندی کا ظہور ہوتا ہے مثلاً سلاطین میں صفت معز کا اور رعیت میں صفت مذل کا' مالداروں میں صفت باسط کا' تنگدستوں میں صفت قابض کا' علماء و حکماء میں صفت علیم و حکیم کا' راہنما اور رہبروں میں اسم ہادی کا ظہور ہے' اسی طرح تمام چیزوں کو اسی پر قیاس کرو' غرض صفت خداوندی کو اسم سے تعبیر کرتے ہیں' کیونکہ وہ خداتعالیٰ کے نام بھی ہیں اور صفات بھی۔

پس علامہ فرماتے ہیں کہ غصہ کی حالت میں انسان اسم قاہر کے تحت میں ہوتا' یعنی اس وقت حق تعالیٰ کی صفت قہر کا اس سے ظہور ہوتا ہے' مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس تعلق ظہور سے انسان بالکل مجبور ہو جاتا ہے' بلکہ جیسا ارادہ اور جیسی کوشش کی جائے اسی کے موافق کوئی صفت خداوندی اس شخص کے متعلق ہو جاتی ہے' اگر رحمت و شفقت کا ارادہ کرے گا صفت رحیم اس کے متعلق ہو جائے گا اور وہی اس کی تربیت کرے گی' اگر ظلم و جفا غضب و غصہ کو پسند کرے گا صفت قاہر اس کی تربیت کرے گی اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جس کی وجہ سے غصہ اور غضب میں وہ مغلوب ہو گیا) تو عزیز من! جیسا کہ تم اس کی بات کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ تمہارے (دل میں ایک بات جمی ہوئی ہے اور) نفس نے تمہارے ذہن میں اس کو آراستہ و مزین کر دیا ہے' اسی طرح دوسرے کی بھی یہی حالت ہے (پس اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اپنے غصہ کو بجا اور دوسرے کے غضب کو بے جا خیال کیا جائے جیسا کہ تمہارے نزدیک وہ حق بات سے انکار کرتا معلوم ہوتا ہے' اس کی نظر میں تم بھی ایسے ہی معلوم ہوتے ہو' یہ کیا ضرور ہے کہ جس بات کو تم حق سمجھتے ہو وہ سب کے نزدیک بھی حق ہوا کرے اس لئے' دوسروں کو بھی معذور سمجھنا چاہئے جیسا کہ اپنے کو معذور خیال کرتے ہو)۔ واللہ علیم حکیم.

(۶۹) جو لوگ ظالموں اور فاسقوں کے ہدایا اور مشتبہ مال قبول کرتے ہیں ان پر جلدی اعتراض نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو لوگ ظالموں (اور فاسقوں کے) ہدایا اور مشتبہ مال و دولت اور کھانا کپڑا وغیرہ قبول کر لیتے ہیں ان پر جلدی سے اعتراض نہ کیا کریں' بلکہ صبر کر کے دیکھیں کہ وہ اس کو کہاں اور کن لوگوں پر صرف کرتے ہیں' ممکن ہے کہ وہ اس حرام اور مشتبہ مال کو (اپنے صرف میں نہ لاتے ہوں' بلکہ) ایسے لوگوں پر خرچ کرتے ہوں جو اس کے مستحق ہیں جیسے اندھے آدمی' بیوہ عورتیں اور قرض والے اور زیادہ عیالدار (پس جو شخص ظالموں کے ہدایا قبول کر کے اپنی ذات پر نہ خرچ کرتا ہو' بلکہ مستحقین میں صرف کر دیتا ہو وہ اعتراض و ملامت کے قابل نہیں' یاد رکھو!) کوئی مشتبہ روپیہ پیسہ اور حرام لقمہ اور کپڑا ایسا نہیں جس کا کوئی مستحق دنیا میں موجود نہ ہو اور جو لوگ روشن ضمیر ہیں ان کی مثال معمار کی طرح ہے کہ وہ ہر اینٹ کے رکھنے کی جگہ خوب (۱) پہچانا کرتا ہے (اسی طرح عارفین بھی ہر مال کا مصرف خوب پہچانتے ہیں'

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس میں اسی کا ظہور ہو گا۔ اب جو چاہو اختیار کر لو۔ جس شخص کی تربیت مثلاً صفت رحیم کے ساتھ کی جائے گی اس کا منتہی جنت اور جس کی تربیت صفت قہر کے ساتھ کی جائے گی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ۱۲ مترجم

(۱) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا کہ بزرگان سلف کی باتیں دیکھ سن کر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وہ مشتبہ اور حرام مال کو ایسے ہی لوگوں میں خرچ کرتے ہیں جو اس کے مستحق ہیں) اور حق تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے روزی پہنچاتے رہتے ہیں۔

اخیر عمر میں سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ اسی قدم پر تھے۔ نیز سیدی ابو بکر حدیدی اور شیخ محمد منیر بھی اور شیخ محمد بن عراق رحمۃ اللہ علیہم ان لوگوں پر انکار کرتے تھے (جو غرباء کی مصلحت سے حرام اور مشتبہ مال قبول کر لیتے ہیں) اور فرمایا کرتے تھے کہ اس میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرات بھی بالکل اسی طریقہ پر تھے۔ ایک بار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام مطبع ہاشمی میرٹھ میں تھا' حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حجرہ نیچے تھا اور مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اوپر تھا' ایک دفعہ ایک رنڈی اپنی لڑکی کو لے کر آئی' کسی سے سن لیا تھا کہ مطبع میں بزرگ لوگ ٹھیرے ہوئے ہیں' اول مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت ہمارا گذر اسی لڑکی پر ہے اور یہ بیمار ہے' اس کا کام نہیں چلتا کوئی تعویذ دیجئے کہ یہ اچھی ہو جائے اور کام چلنے لگے' مولانا گھبرا گئے فرمایا کہ بزرگ اوپر ٹھیرے ہوئے ہیں ان سے جا کر کہو' وہ اوپر مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی' مولانا حجرہ میں تنہا تھے عورتوں کو دیکھ کر گھبرا گئے فوراً پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئیں؟ اس نے کہا کہ مجھ سے لوگوں نے بیان کیا کہ اوپر ایک بزرگ ٹھیرے ہوئے ہیں' مجھے تعویذ کی ضرورت ہے' پھر وہ سارا قصہ کہنے لگی' مولانا نے فوراً ایک تعویذ لکھ کر اس کے حوالہ کیا' کچھ حال سنا کچھ نہ سنا اور فرمایا کہ بس جلدی یہاں سے رخصت ہو' اس کے بعد مولانا نیچے تشریف لائے اور بہت خفا ہوئے کہ لوگوں کو خدا کا خوف نہیں آتا' نامحرم عورتوں کو میرے پاس بھیج دیا' نہ یہ خیال کیا کہ آخر نفس و شیطان میرے ساتھ بھی ہے' میں فرشتہ تو نہیں ہوں اگر میری نیت میں فتور آ جاتا تو بس میں تو تباہ ہو گیا تھا۔

چند روز گذرے تھے کہ وہی رنڈی بہت سی مٹھائی لے کر آئی کہ اس تعویذ سے میری لڑکی کو آرام ہو گیا اور اس کی آمدنی بڑھ گئی ہے' میں بزرگ صاحب کے واسطے یہ مٹھائی لائی ہوں' مولانا نے فرمایا کہ اچھا رکھ دے اور چلی جا' اس کے بعد مولانا نے مطبع والوں سے فرمایا کہ یہ مٹھائی حرام مال کی ہے' جس شخص کے یہاں فاقہ ہو اس کو تو کھانا حلال ہے اور جس کو ضرورت نہ ہو اس کے لئے حرام ہے' مطبع والوں میں سے کسی نے بھی نہ چکھا' پھر آپ اس کو لے کر سڑک پر کھڑے ہو گئے اور یہی بات سب راستہ چلنے والوں سے فرمادی کہ یہ مٹھائی حرام مال کی ہے جو فاقہ بھرتا ہو اس کے لئے حلال ہے جس کو ضرورت نہ ہو اس کو حرام ہے' جو اہل ضرورت تھے وہ لیتے جاتے تھے اسی طرح سب ختم ہو گئی۔ ۱۲ مترجم

اپنے ذمہ ایک بار لینا ہے اور غنیمت ثواب سے سلامتی مقدم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا میلان بھی اسی طرف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷۰) اپنے دوستوں میں کسی کو دوسروں کے منصب میں بیجا کوشش نہ کرنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھی لوگوں کے منصبوں (اور جاگیروں) میں (اپنی ذات کے واسطے) کوشش نہ کرنے دیں (کہ دوسروں کے منصب یا جاگیر کو اپنی طرف منتقل کرائے) بالخصوص اگر وہ (جاگیریا) منصب کسی بے زبان فقیر کے ہاتھ میں ہو جس کا مددگار مخلوق میں کوئی بھی نہیں یا کسی میت کے ہاتھ میں تھا جو ایسی اولاد یا بھائی وغیرہ چھوڑ کر مر گیا ہے کہ وہ اپنے واسطے اس جاگیر وغیرہ کے منتظر (اور خواہش مند) ہیں (ایسی صورت میں تو کسی غیر شخص کا اس جاگیر کا یا منصب میں اپنے واسطے سعی کرنا بہت ہی نازیبا ہے) اور آج کل قرآن پڑھنے والوں کی ایک جماعت میں یہ مرض پایا جاتا ہے' حالانکہ ان کے واسطے یہ بہت ہی بے جابات ہے کہ ان سے ایسے کام سرزد ہوں حتیٰ کہ میں نے بعض وہ لوگ بھی دیکھے ہیں جو اپنے استاد کے منصب میں جس نے ان کو پڑھایا لکھایا تھا اپنے واسطے کوشش کرتے تھے۔

اور یاد رکھو! جو شخص کوئی منصب یا جاگیر وغیرہ کسی آدمی کے ہاتھ سے نکال کر اس کا دل پھونکتا ہے یا ایسے منصب کے لئے کوشش کرتا ہے جس کے امیدوار میت کے اہل و عیال تھے (اس کو ضرور اس ظلم کا بدلہ ملے گا اور گویا) اس نے خود اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کر دیا ہے' پھر حق تعالیٰ کسی ایسے شخص کو مسلط فرمائیں گے جو خود اس کے یا بعد میں اس کی اولاد کے مقابلہ میں اسی قسم کی بے جا کوشش کر کے اس کا یا اس کی اولاد کا دل جلادے گا اور سب سے زیادہ سخت بات یہ ہے کہ دو آدمی ایک محلے یا ایک مسجد کے رہنے والے ہوں کہ ہر وقت ایک دوسرے کے سامنے آتا (اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا) ہو (پھر ان میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے منصب کو اپنی طرف منتقل کرالے) عقل مند آدمی کے سامنے تو اگر دنیا بھر کے مال و دولت بھی لاکر رکھ دیئے جائیں جن کے لینے سے کسی مسلمان کا دل دکھتا ہو تو وہ (ہرگز ایسے مال و دولت کو

پسند نہ کرے گا' بلکہ) یہی چاہے گا کہ مسلمان بھائی کا دل میلا نہ (۱) ہو' کیونکہ مسلمان کی بہت بڑی حرمت ہے۔

شیخ عبد الرحیم ابناسی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ ان کو ایک میت کی جاگیر دی گئی' جس کی آمدنی روزانہ بارہ نصب تھی (نصب کوئی سکہ ہے جو اس زمانہ میں رائج تھا ممکن ہے کہ نصب درہم ہو) اور سلطان نے اس کی بابت حکم نامہ بھی لکھ دیا' مگر جب آپ کو یہ خبر پہنچی کہ میت نے ایک بچہ چھوڑا ہے' تو فوراً سلطانی فرمان کو واپس کر دیا اور بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ میرے دل کی خوشی چاہتے ہیں تو یہ جاگیر میت کے لڑکے کے واسطے لکھ دیجئے' چنانچہ اسی کے نام لکھ دی گئی' حق تعالیٰ ان سے راضی رہیں۔

اور سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ متقی کو تو وظائف دینیہ کی تنخواہ سے (۲) بھی نہ کھانا چاہئے' کیونکہ اس میں نفس کو انتظار رہتا ہے چنانچہ جس دن یا جس مہینہ یا جس سال میں تنخواہ ملتی ہے وظیفہ والے کا نفس ہمیشہ اس وقت کا منتظر رہتا ہے' یہاں تک کہ جب تنخواہ وصول ہو جاتی ہے اس وقت انتظار رفع ہوتا ہے اور شارع علیہ السلام نے اس چیز کے لینے سے منع فرمایا ہے جو نفس کے انتظار کے بعد آئے۔ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ ایسی چیز ہرگز قبول نہ فرماتے تھے جس کا علم اپنے سامنے آنے سے پہلے ان کو ہو چکا ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ (پہلے معلوم ہو جانے سے) نفس اس کا منتظر ہو جاتا ہے۔

(۱) افسوس آج کل مسلمانوں میں یہ اتفاق ایسا کھو گیا کہ گویا کبھی اس کا نام و نشان ہی نہ تھا' جاگیر یا منصب کو تو الگ رکھئے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جس طرح ہو سکے دوسرے کی مملوکہ جائداد زمین و باغات کو بھی دبالیا جائے' چنانچہ جو زبردست ہیں وہ غریبوں پر جو کچھ ظلم وستم ڈھاتے ہیں ظاہر ہے کسی کی زمین دبالی' کسی کا مکان دبالیا' کسی کا باغ کٹوادیا' وہ ظلم برپا کئے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تو نان شبینہ کا بھی محتاج بنادیا' پھر اس پر شکایت ہے کہ مسلمان ذلیل ہو گئے' پست ہو گئے' ترقی نہیں کرتے' اس حالت کے ساتھ خدا کی نصرت کیونکر ہمراہ ہو سکتی ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) وظائف دینیہ پر تنخواہ ملنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ بطور عقد اجارہ کے پہلے ہی تنخواہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۷۱) اپنے کسی دوست کو خالی وظیفہ یا منصب کے لئے بے ضرورت کوشش نہ کرنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ فقراء میں سے اپنے کسی دوست کو کسی خالی وظیفہ (یا منصب) کے لئے بے ضرورت کوشش نہ کرنے دیں' بلکہ اس کو صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ خود اس سے درخواست کی جائے (کہ اس منصب کو تم قبول کرلو) اس صورت میں (خدا کی طرف سے) اس کی امداد و اعانت کی جائے گی اور اس منصب کے پورا حق ادا کرنے کی توفیق عطا ہوگی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مقرر کی جائے' کام کی مقدار گھنٹوں کی شمار قوانین مخصوصہ کی پابندی وغیرہ طے کرلی جائے' اس صورت میں اگرچہ تنخواہ ملنے سے پہلے نفس کو انتظار ضرور ہوگا' مگر یہ انتظار اختیار سے باہر ہے کیونکہ جب معاملہ صراحۃً طے کیا گیا ہے تو یقیناً نفس کو معلوم ہے کہ ایک ماہ کے بعد میں تنخواہ کا مستحق ہوں گا اور مجھ کو تنخواہ ملے گی' اس لئے یہ صورت حدیث کی ممانعت میں داخل نہیں' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کے تم پہلے سے بطور معاملہ کے مستحق نہیں ہو' بلکہ از سر نو بطور ہدیہ یا عطیہ کے تمہارے پاس آئیں تو اگر کسی قرینہ وغیرہ کی وجہ سے اس کا ملنا پہلے سے معلوم ہو گیا ہو جس سے نفس میں اس کا انتظار پیدا ہو گیا ہو اس کو نہ لیا جائے (اور انتظار سے بھی مراد وہ انتظار ہے جو قصداً پیدا ہوا ہو یہاں تک کہ اگر وہ چیز نہ ملے تو صدمہ اور رنج ہو اور اگر محض خطرہ یا وسوسہ پیدا ہوا ہو' تو وہ اختیار سے باہر ہے وہ بھی ممانعت میں داخل نہیں۔

دوسری صورت وظائف دینیہ پر تنخواہ ملنے کی یہ ہے کہ پہلے سے معاملہ وغیرہ کچھ نہ کیا جائے' بلکہ محض اللہ کے لئے درس و تدریس وغیرہ شروع کی جائے' مگر یہ بات معلوم ہے کہ حاکم اسلام جب کسی کو دین کی خدمت کرتے دیکھتا ہے اس کو تنخواہ وغیرہ دیا کرتا ہے (جیسا کہ مصر وغیرہ میں سلاطین اسلام کے وقت میں ایسا دستور تھا) اس صورت میں چونکہ کچھ معاملہ وغیرہ نہیں ہوتا نہ وقت کی پابندی نہ کام کی پابندی' بلکہ پڑھانے والا خدا کے لئے پڑھاتا ہے۔ سلطان بیت المال سے اس کی خدمت کر دیتا ہے تو یہ تنخواہ اجرت نہیں ہوتی' بلکہ ہدیہ وعطیہ ہوتی ہے عطایا اور ہدایا کی نسبت یہی حکم ہے کہ جو بغیر انتظار نفس کے آئے اس کو قبول کیا جائے' اس کی تدبیر یہ ہے کہ گاہے گاہے تنخواہ واپس بھی کر دیا کرے جس سے التزام اور دوام نہ رہے گا اور انتظار اکثر التزام ہی سے ہوتا ہے' حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ پیر کو بالالتزام ہر ملاقات میں ہدیہ نہ دیا کرے' اس سے اس کو انتظار ہو جاتا ہے۔ ۱۲

"یا عبد الرحمن بن سمرة لا تسأل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها"(۱) عبدالرحمٰن بن سمرہ حکومت کے لئے خود درخواست مت کرنا کیونکہ درخواست کے بعد اگر تم کو حکومت دی گئی تو تم کو اسی کے حوالہ کردیا جائے گا (اور یہ غیب سے امداد نہ ہوگی) اور اگر بدون درخواست کے دی گئی تو اس پر تمہاری اعانت کی جائے گی۔

اور درویش کو (اچھی طرح) جان لینا چاہئے کہ تمام دینی اور دنیوی منصب اور مرتبے اور ظاہری اور باطنی رزق خدا کے فضل سے خود اپنے حقدار کی تلاش میں اس کی کوشش اور تلاش سے بھی کہیں زیادہ گھومتے رہتے ہیں تاکہ اپنے حقدار ہی کے پاس (۲) (پہنچ کر) رہیں اور بعض دفعہ جو اس کے پہنچنے میں دیر ہوتی ہے' تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ طالب کے اندر اس کی شرطیں مجتمع نہیں ہوتیں' اگر طالب میں اس حکومت وولایت کی تمام شرائط مجتمع ہوجائیں تو وہ دوڑ کر خود اس کے پاس پہنچ جائے اور لوگ اپنے آپ اس سے (قبول منصب کی) درخواست کریں اور (خوشامد کرکے) یہ کہیں کہ اس منصب کے لائق تمہارے سوا کوئی نہیں۔ واللہ علیم حکیم۔

(۴۷) اگر سید ہم سے کوئی چیز مانگے فوراً دیدیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی سید (اولاد رسول) دنیا کی کوئی چیز ہم سے مانگے تو (فوراً) دیدیا کریں اگرچہ اس وقت اس کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہو اور اگر ہمارے ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہو تو ادب کی بات یہ ہے کہ دل میں پختہ ارادہ رکھیں کہ اگر یہ چیز ہمارے پاس ہوتی تو ہم فوراً اس شخص کو دیدیتے تاکہ اولاد رسول اللہ ﷺ کی بے حرمتی نہ ہو (یہ بہت ہی بے جا بات ہے کہ) اولاد رسول کی شان کا اہتمام نہ کیا جائے اور (لاپروائی سے) ان پر اس طرح گذر

(۱) اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۰۷ و مشکوۃ ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ۔ مرتب

(۲) اسی طرح سالک کو خود خلافت حاصل کرنے کی تمنا اور درخواست نہ کرنا چاہئے' بلکہ جب شیخ از خود خلافت واجازت عطا فرمائے اس وقت اس منصب کو قبول کرے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی اعانت اور اس کے حق ادا کرنے کی کامل توفیق عطا ہو۔ ۱۲ مترجم

جائیں جیسے چھٹے ہوئے جانور گذرا کرتے ہیں (کہ ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کون کس درجہ کا آدمی ہے)۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی"(۱)اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' صرف اپنی قرابت کے لئے مودت اور دوستی مانگتا ہوں' حق تعالیٰ نے لفظ مودت ارشاد فرمایا ہے جو کہ سخت مضبوط محبت کا نام ہے' کیونکہ محبت تو اس کو کہتے ہیں کہ محبوب کی طرف دل کا میلان ہو اور مودت یہ ہے کہ جان نکلنے تک وہ میلان باقی رہے تو حق تعالیٰ نے قرابت رسول کے ساتھ صرف محبت رکھنے پر ہم کو نہیں چھوڑا' بلکہ اس میں پختگی اور دوام طلب کرتے ہیں اور محبوب کا حق یہ ہے کہ اگر وہ اپنے محب سے کوئی چیز مانگے تو ہرگز انکار نہ کرے حتیٰ کہ جان سے بھی دریغ نہ کرے جیسا کہ شہداء کفار سے لڑنے کے وقت جان پر کھیل جاتے ہیں۔

اور یہ بہت ہی نامناسب بات ہے کہ اولاد رسول کی درخواست پورا نہ کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراشیں اور یہ کہیں کہ جب تک ان کا واقعی سید ہونا ثابت نہ ہو جائے (اس وقت تک ہم ان کی درخواست پوری نہ کریں گے' کیونکہ بعض دفعہ ایسے سید کی خدمت کرنا جس کی سیادت ہنوز ثابت نہیں ہوئی' ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ثابت النسب سید کی خدمت کرنے سے زیادہ باعث وقعت ہو جاتی ہے' چنانچہ پہلے ایک عہد میں یہ مضمون گذر چکا ہے' نیز یہ بہانہ کرنا بھی مناسب نہیں کہ سیدوں کی (زیادہ مراعات و) خاطر داری کرنے سے لوگ ہمیں رافضی کہنے لگیں گے اور تو اور اکثر طالب علموں کو یہ بہانہ کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے (مگر یہ بہانہ بالکل واہیات ہے' کیا لوگوں کی جاہلانہ ملامت سے متاثر ہو کر رسول اللہ ﷺ کے حقوق ضائع کر دیئے جائیں گے؟ حضور ﷺ کی اولاد کے ساتھ محبت وعظمت رکھنا یہ بھی حضور ﷺ کا ایک حق ہے' جس کا امر آیات واحادیث میں وارد ہے محب رسول کی تو یہ شان ہونی چاہئے ؎

ان کان رفضاً حب ال محمد ☆ فلیشهد الثقلان انی رافض

---

(۱) الشوریٰ ر۲۳

اگر آل محمد ﷺ سے محبت رکھنے ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں، اگر کوئی سید رافضی بھی ہو تب بھی اس کی خدمت سے دریغ نہ کیا جائے۔

میں نے بعض علماء سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اولاد رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان حکم لگانا (کہ کون افضل ہیں حضرات صحابہ یا اہل بیت) اس مسئلہ کا فیصلہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ ہی خود فرمادیں گے، باقی ہم تو دونوں کے غلام ہیں اور غلام کا یہ درجہ نہیں کہ اپنے آقاؤں میں کچھ حکم لگائے یا فیصلہ کرے اور انسان کا اپنے آباواجداد اور بزرگوں کی حمایت کرنا ہمیشہ ہر زمانہ میں چلا آرہا ہے۔

اگر کوئی سید اپنے اباواجداد کو دیگر صحابہ پر فضیلت دے تو کیا تعجب ہے) اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ سید کا سنی ہونا کہ وہ حضرات شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھے عجائبات میں سے ہے (کیونکہ اکثر حالت تو یہی ہے کہ انسان اپنے آباواجداد کی طرفداری کیا کرتا ہے اس کے خلاف ہونا بہت نادر ہے' سید کا سنی ہونا اس کی علامت ہے کہ وہ بے جا تعصب اور حمیت اور اتباع رسوم سے پاک ہے' لیکن حمیت اور طرفداری کی وجہ سے اگر سید لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین سے صرف افضل ہی کہیں تو یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں اگرچہ اجماع کے خلاف ضرور ہے' مگر حضرات صحابہ کی شان میں گستاخی اور تبرا کرنا اور ان کو گندے اور برے الفاظ سے یاد کرنا پوری شیطنت اور خباثت ہے جیسا کہ ہندوستان وغیرہ کے شیعہ کرتے ہیں' خدا ان کو ہدایت دے' کیا رسول اللہ ﷺ کے جان نثار دوستوں کو برا بھلا کہہ کر پھر بھی وہ حضور ﷺ سے کسی قسم کی شفقت وعنایت کے امیدوار ہو سکتے ہیں "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" (بقرۃ/۱۵۶) یہ (جو ہم نے بیان کیا کہ سیدوں کی درخواست رد نہ کرنا چاہئے اور ان کے لئے جان ومال سے کبھی دریغ نہ کیا جائے یہ تو) اس وقت ہے جبکہ وہ ہم کو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کا واسطہ بھی یاد نہ دلائے اور اگر وہ حضور ﷺ کا واسطہ دے کر ہم سے کوئی چیز مانگے کہ تم کو میرے نانا کی قسم' میرے نانا کا صدقہ مجھ کو روپیہ یا پیسہ یا روٹی دیدو' اس کی تعظیم واکرام کرنا ہمارے ذمہ نہایت ہی ضروری ہے۔

ذرا غور تو کرو اگر تم مثلاً کسی پاشا (یعنی حاکم) کے پاس بیٹھے ہوئے ہو اور اس وقت کوئی

شخص تم سے کہنے لگے کہ اس سردار پاشا کے صدقہ سے تم مجھ کو چاندی کا سکہ دیدو تو تم کیسے خوش ہو کر اس کو روپیہ نکال کر دیدو گے' بلکہ تعجب نہیں کہ سونے کی اشرفی اس کے حوالہ کر دو یا اس سے بھی زیادہ کچھ کرو' محض اس لئے تاکہ اس حاکم کا دل خوش ہو جائے' بالخصوص اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنے سے پاشا تم کو اپنا محبوب اور مقرب بنالے گا (تب تو کیا کچھ نہ کرو گے) حالانکہ بعض دفعہ وہ حاکم بہت ہی بڑا ظالم ہوتا ہے (مگر اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہوتی) اس میں غور کرو اور اگر (حکام کے خوش کرنے کے لئے) اپنے دل کی ایسی حالت پاؤ تو استغفار کرو (کہ رسول اللہ ﷺ کے خوش کرنے کا تم کو اس درجہ خیال کیوں نہیں۔ واللہ غفور رحیم۔

(۷۳) اپنے پاس روپیہ واشرفی پر رات نہ گذرنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے پاس روپیہ یا اشرفی پر رات نہ گذرنے دیں (۱) اور نہ کل کے واسطے کچھ کھانا وغیرہ رکھیں' ہاں اگر قرض ادا کرنے کے واسطے یا ان محتاجوں کے لئے رکھا جائے جن کی تم خبر گیری کیا کرتے ہو (تو مضائقہ نہیں) حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ کی یہی عادت تھی اور خدا کا شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھے بھی اس عہد کے پورا کرنے والوں کے ساتھ اس وقت تک مشابہت کی توفیق دے رکھی ہے' مجھ پر کبھی صدقہ فطر بھی واجب نہیں ہوا اور خدا سے یہی دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے مرتے دم تک اسی حال پر رکھے آمین۔

(۱) میں نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ عاشق دو قسم کے ہیں ایک عاشق ذاتی' ایک عاشق احسانی' عاشق ذاتی تو ہر حالت میں محبوب سے خوش رہتا ہے تکلیف ہو یا راحت' کلفت ہو یا نعمت اور عاشق احسانی اسی وقت تک خوش رہتا ہے جب تک کہ محبوب کے احسانات اپنے اوپر مشاہدہ کرتا رہے تکلیف اور پریشانی میں اس کی محبت کم ہو جاتی ہے' پھر فرمایا کہ بھائی آج کل ہم لوگ زیادہ تر عاشق احسانی ہیں' عاشق ذاتی کم ہیں جب تک حق تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات اپنے اوپر دیکھتے رہیں محبت بڑھتی ہے' کلفت اور مصیبت میں محبت کم ہو جاتی ہے' اس لئے اس زمانہ میں سالک کے پاس اگر کچھ روپیہ پیسہ ہو تو اس کو جمع رکھے' اس سے نفس کو اطمینان رہے گا اور محبت خدا بڑھے گی۔ اگر سارا خیرات کر دیا اور کلفت کا سامنا ہوا تو اندیشہ ہے کہ خدا سے تعلق کم نہ ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عہد اقویاء کے لئے ہے ضعفاء کے لئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر عمل کرنا اور کچھ رقم اپنے پاس جمع رکھنا ہی مناسب ہے۔ ۱۲مترجم

(مگر) عزیز من! ایک بات یاد رکھو کہ بعض دفعہ جب کسی زاہد تارک الدنیا کے گھر میں اس کے مرنے کے بعد بہت سامال روپے اور کپڑے پائے جاتے ہیں اس سے لوگوں کو اس کے ساتھ بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے (کہ تارک الدنیا ہو کر اس قدر مال و دولت کس لئے جمع کیا) حالانکہ بات یہ ہوتی ہے کہ وہ مال و دولت ظالموں کے ہدایا یا ایسے لوگوں کے مال ہوتے ہیں جو کمانے میں احتیاط اور تقویٰ سے کام نہیں لیتے تو فقراء ایسے مال کے خرچ کرنے اور تقسیم کرنے سے اپنے ہاتھوں کو پاک رکھتے ہیں اور اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے چلے جاتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد خدا تعالیٰ جس طرح چاہیں گے خرچ کر دیں گے (اس لئے ہر شخص پر جلدی سے بدگمانی نہ کرنا چاہئے)۔

(۷۴) ہمارے ہم عصر مخالف کی اگر کوئی تعریف کرے تو ہم کو بھی اس کی تائید کرنا چاہئے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے کسی ایسے ہم عصر کی تعریف کرے جو ہم پر اعتراض کیا کرتا ہے' تو ہم بھی اس تعریف اور مدح میں موافقت (اور تائید) کریں اور اس میں کچھ مین میخ نہ نکالیں' کیونکہ اس میں مجاہدہ نفس بھی بہت زیادہ ہے اور بہت جلد (اس کے دل سے) عداوت زائل ہو جانے کی بھی امید ہے' کیونکہ جب اس ہم عصر کو معلوم ہو گا کہ ہم نے ایسے لوگوں کے سامنے اس کی مدح کی ہے جن کے سامنے اپنی مدح کا ہونا وہ بھی چاہتا ہے تو ضرور وہ ہماری طرف مائل ہو جائے گا اور دشمنی اس کے دل سے کم ہو جائے گی' خاص کر اگر وہ ہم عصر نہ ہماری تعریف کرتا ہو نہ مذمت (تب تو اس کی مدح میں بدرجہ اولیٰ موافقت و تائید کرنا چاہئے۔)

اسی طرح ہم کو رفتار زمانہ کی بھی رعایت کرنا چاہئے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ نے علم و تقویٰ اور بزرگی اور کثرت معتقدین کی وجہ سے مشہور کر دیا ہو ہم کو بھی اس کی تعریف کرنا چاہئے' کیونکہ خدا تعالیٰ نے جو اس کو مشہور کر دیا ہے اور ہم کو گمنام رکھا ہے اس میں ضرور کوئی بڑی حکمت ہو گی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعضے لوگ اپنے ہمسر و ہم عصر کی تنقیص اور

اس پر اعتراض اس غرض سے کرتے ہیں تاکہ اس کے معتقد ہونے سے لوگوں کو (روکیں اور اس سے) نفرت دلائیں، مگر اس سے لوگوں کو اس کا اعتقاد اور زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ (اعتراض کرنے والا) پہلے سے زیادہ مقہور (ہو جاتا ہے اور نظروں سے گر جاتا ہے اور پہلے سے زیادہ گمنام اور پستہ ہو کر ترقی سے) پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شخص خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلتا (اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا اور جس کو خدا نے شہرت بخشی ہے اس کے در پے نہ ہوتا) تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ واللہ علیم خبیر

(یہ عہد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، ذرا اس زمانہ کے علماء اور سالکین غور سے دیکھیں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے، افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس مرض میں ہم سب مبتلا ہیں، کسی ہم عصر کی یا اپنے شیخ کے سوا کسی دوسرے بزرگ کی تعریف سننا ہم کو گوارا نہیں۔ اگر کسی کی تعریف سنتے ہیں تو اکثر یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی اعتراض نکالا جائے اور اگر زبان سے بھی کچھ نہ کہا تو دل سے تو ہرگز خوش نہیں ہوتے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔)

(۷۵) جس شخص کا علم نفس ہی میں رکھا ہو اس سے تہذیب اخلاق کی امید نہ رکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کا علم (ابھی تک) اس کے نفس ہی میں رکھا ہوا ہے (کہ دل تک اس کا اثر نہیں پہنچا) اس سے مجاہدہ اور تہذیب اخلاق کا مطالبہ نہ کریں (نہ اس کی اس سے امید رکھیں) کیونکہ (اس حالت میں تہذیب اخلاق و مجاہدہ نفس پر) وہ قادر نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم کو چاہئے کہ چپکے چپکے اخلاق صالحہ اس کے اندر آہستہ آہستہ پہنچائیں (اول دوسرے کے حق میں مثالیں بیان کر کے (اخلاق حمیدہ کی فضیلت اور خصائل ذمیمہ کی مضرت اس پر ظاہر کریں) یہاں تک کہ علم (کا اثر) اس کے لطیفہ قلب یا لطیفہ روح یا لطیفہ سر تک پہنچ جائے، جب ان میں سے کسی ایک میں بھی (علم کا اثر) پہنچ جائے گا تو پھر اس سے اخلاق حسنہ خود بخود ظاہر ہونے لگیں گے بخلاف (پہلی حالت کے جب کہ علم کا اثر نفس ہی تک پہنچا ہو کہ اس

وقت اخلاق حسنہ کا ظہور بہت دشوار ہے' جب تک علم کا اثر قلب یا روح یا سر میں نہ پہنچ جائے مجاہدات وریاضات سب بے کار ہیں۔

اور یہی حالت طلب کی ہے کہ جب تک طلب کا اثر نفس سے گذر کر لطیفہ قلب یا لطیفہ روح وسر میں سے کسی میں نہ پہنچا ہو اس وقت تک سالک سے ریاضات ومجاہدات (۱) کی توقع بے کار ہے' بلکہ اول آہستہ آہستہ طلب کا اثر ان لطائف میں پہنچانا چاہئے' پھر خود بخود اس کی حالت درست ہوتی چلی جائے گی بخلاف علم) نفس کے' کیونکہ نفس سراپا ظلمت ہے اور ظلمت میں تلبیس ہوتی ہے (اس لئے نفسانی علم سے نور نہیں پیدا ہو سکتا' ایسا علم ہمیشہ دھوکے میں ڈالے رکھتا ہے) اور قلب وروح وسر یہ لطائف سراپا نور ہیں۔ (جب علم وطلب وغیرہ کا اثر ان میں سے کسی میں پہنچتا ہے تو علم میں نورانیت آ جاتی ہے) اور نور (علم) کی پہچان یہ ہے کہ انسان کو حق وباطل کا (پورا) امتیاز ہونے لگے' جس سے حق کی اتباع خود کرنے لگے اور باطل کو چھوڑ دے۔

(۷۶) خدام مسجد اور مؤذن وغیرہ سے دشمنی پیدا نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کسی مؤذن یا کسی خادم مسجد سے خواہ وہ دربان ہو یا فرش بچھانے والا یا روشنی کرنے والا یا پاخانوں اور غسل خانوں کا صاف کرنے والا دشمنی کبھی پیدا نہ کریں' خصوصاً اگر یہ لوگ اپنے فرض منصبی کو محض ثواب سمجھ کر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں (تب تو اور زیادہ ان کا احترام کرنا چاہئے)۔ البتہ کسی ضرورت شرعی سے (اگر عداوت کی جائے تو مضائقہ نہیں مثلاً یہ کہ وہ لوگ حرام کاموں میں مبتلا ہوں) بشرطیکہ (شرعی ضرورت محقق بھی ہو جائے (اور محض بدگمانی سے کام نہ لیا جائے)۔

اور یہ ادب اگرچہ انہی لوگوں کے ساتھ خاص نہیں (بلکہ سب مسلمانوں کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہئے) مگر ان لوگوں کے ساتھ اس ادب کی رعایت کرنا بہت زیادہ ضروری ہے'

---

(۱) پس طالب کو بیعت کرنے میں جلدی نہ چاہیے' جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ طلب کا اثر نفس سے گذر کر قلب یا روح وغیرہ میں پہنچ گیا ہے' ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ طالب کو بیعت سے پہلے کچھ کام بتلا دیا جائے جس سے چند دنوں میں اس کی طلب پختہ ہو جائے گی اور قلب میں طلب کا اثر پہنچ جائے گا۔ ۱۲ مترجم

اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو غیبت سے بچنا چاہئے (حالانکہ غیبت سے بچنا سب کو ضروری ہے' مگر روزہ دار کو خصوصیت کے ساتھ اس سے بچنے کا حکم کیا گیا' کیونکہ اس کی خاص حالت کا یہی تقاضا ہے کہ جب حلال کاموں کو اس نے چھوڑ دیا' کھانا' پینا بند کر دیا تو حرام کاموں سے اس کو بدرجہ اولیٰ بچنا چاہئے' اسی طرح دشمنی کرنا سب سے ناجائز ہے' مگر خدام مسجد سے کرنا سخت ناجائز ہے) اس کو خوب سمجھ لو اور حق تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر کے ان لوگوں سے عداوت نہ کرو' کیونکہ وہ خدا کے دربار کے خادم ہیں جن میں سب سے زیادہ مؤذن (کا مرتبہ) ہے' کیونکہ وہ (اکثر اذان صبح کے لئے رات سے جاگ اٹھتا اور) پچھلی راتوں کو خدائی لشکروں کے ساتھ دربار خاص میں حاضر ہوتا ہے (کیونکہ یہ وقت خاص تجلی الٰہی کا وقت ہے تمام عارفین کی روحیں اس وقت دربار الٰہی میں حاضر ہوتی ہیں' جن میں اکثر اذان دینے والے بھی شریک ہو جاتے ہیں' اگرچہ وہ بڑے عارف نہ ہوں' مگر اس وقت میں جو کوئی بھی جاگتا اور خدا کو یاد کرتا ہے ضرور اس تجلی سے تھوڑا بہت حصہ لے ہی لیتا ہے) اور اس وقت یہ مؤذن سے عداوت رکھنے والا اکثر جنابت کی حالت میں پڑا سوتا رہتا ہے کہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھی نہیں پھٹکتا (کیونکہ جنابت کی حالت میں ملائکہ رحمت پاس نہیں آتے) نیز یہ اس وقت بارگاہ الٰہی سے نکالا ہوا' دور کیا ہوا محروم پڑا ہوتا ہے' تو جو شخص مؤذن سے عداوت رکھے اس نے یقیناً اپنے آپ کو غضب الٰہی کا نشانہ بنا دیا' کیونکہ مؤذن کی بددعا اس پر ناحق ظلم کرنے والے کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔

اور میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات میں اپنے وظیفے و ظائف چھوڑ کر پڑا سو رہا تھا' پھر جو اٹھا تو میں نے دنیا بھر کے اولیاء اللہ کو دیکھا کہ مجھ سے پہلے ہی حق تعالیٰ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہیں' اس وقت کچھ نہ پوچھو کہ مجھ پر کیا گذری' میں تو بیٹھا پیشاب پاخانہ کر رہا تھا' گویا شیطان کے دربار میں تھا اور اولیاء اللہ دربار الٰہی میں حاضر تھے' اس وقت مجھے حق تعالیٰ سے ایسی شرم آئی کہ ہلاکت کے قریب ہو گیا اھ (یہ واقعہ شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے کشف سے دیکھا جو ہر اک کو ہونا کچھ ضرور نہیں' مگر ہم جیسوں کو کشف نہیں ہوتا تب بھی اس میں کیا شک ہے کہ رات کا آخری حصہ خاص تجلی کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں صراحۃً موجود ہے کہ حق تعالیٰ شانہ رات کی آخری تہائی حصہ میں آسمان اول کی طرف نزول فرماتے ہیں (یعنی عالم دنیا کی طرف خاص توجہ فرماتے ہیں) اس وقت پیشاب و پاخانہ جنابت وغیرہ میں مشغول رہنا سالک کو تو مناسب نہیں' یہ سب کام آخری تہائی حصہ سے پہلے کرنا چاہئیں۔ "واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم"

اس کے بعد اس میں کچھ شبہ نہیں کہ امام کا رتبہ سب خدام مسجد سے بڑھا ہوا ہے اس لئے اس سے محبت کرنا اور اس کی دشمنی سے پرہیز کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' کیونکہ امامت میں وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے (اور تم خود سمجھ لو کہ نائب رسول کا کیا حق ہونا چاہئے) خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد کی خدمت کرنے والوں کی مثال وہی ہے جو ایوان شاہی کے دربانوں کی ہے اور جو شخص دربار شاہی میں جانے کا قصد کیا کرتا ہے اس کو خدام شاہی و دربان خاص کے ساتھ ادب سے پیش آنا (اور ان کی عزت و مرتبہ کا پاس کرنا) نہایت ضروری ہوتا ہے' اگرچہ کتنا ہی بڑا امیر ہو (اس کو بھی ان کا ادب کرنا پڑتا ہے) چنانچہ (رات دن) دنیوی حکومتوں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے (پس یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ سلاطین دنیا کے خادموں اور دربانوں کا تو اتنا ادب کیا جائے اور دربار احکم الحاکمین کے دربانوں کا ذرا لحاظ نہ کیا جائے' جو لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حق تعالیٰ کی عظمت نہیں ورنہ امام اور مؤذن کی ایسی بے توقیری نہ ہوتی)۔ واللہ واسع علیم

(۷۷) چغلخور سے تعلق قطع کر دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کوئی ہمارے سامنے کسی مسلمان کا عیب بیان کرے (۱) اس کے مقابلہ میں قطع تعلق کی تلوار (میان سے باہر) نکال رکھیں چاہے کوئی کیوں نہ ہو۔ اس عہد میں آج کل اکثر لوگ کوتاہی کرتے ہیں' ان کو خبردار ہو جانا چاہئے اور جو کوئی

(۱) مترجم عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس کی بہت سختی ہے' اپنے پاس آنے والوں کو تاکید ہے کہ دوسروں کی کوئی بات بیان نہ کریں' اپنی باتیں بیان کریں دوسروں کا سلام پہنچانا بھی طالب کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں' بارہا فرماتے ہیں " کار خود کن کار بیگانہ مکن "(۲) ۱۲ مترجم

(۲) اپنا کام کرو دوسروں کے کاموں میں اپنے آپ کو مت الجھاؤ۔ مرتب

دوسروں کی باتیں ہمارے سامنے بیان کرے اس کو نکال دینا چاہئے' کیونکہ وہ (عیب جو اور) چغلخور ہے اور چغلخور سب آدمیوں سے بدتر ہے' چنانچہ یہ بات شریعت میں صراحۃً مذکور ہے اور حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سامنے بھلائی کے سوا میرے دوستوں کی کوئی بات نہ پہنچاؤ' کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف دل ہو کر آیا کروں (کہ میرے سینہ میں کسی سے کدورت نہ ہو۔)

کفرست در طریقت ماکینہ داشتن ☆ آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن (۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جب کوئی رہنا چاہتا تو آپ اس سے یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ میرے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا، مگر عزیز من! چغلخور اور غیبت کرنے والے سے قطع تعلق چپکے سے آہستہ آہستہ کرنا چاہئے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ہی اس کو تم سے دفع کر دیں' کیونکہ ایسا آدمی بہت برا رفیق ہے (مگر قطع تعلق کی ضرورت وہاں ہے جہاں اپنا زور نہ ہو اور جس پر اپنا زور ہو مثلاً شاگردوں' مرید وغیرہ اس کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہئے کہ پہلے اس سے یہ شرط کر لو کہ ہمارے سامنے کسی کی غیبت و عیب جوئی نہ کرنا' اگر اس کے بعد بھی وہ خلاف ورزی کرے تو سختی سے منع کرو' پھر بھی اس پر جرأت کرے تو سزا دو' جب کسی طرح امید اصلاح نہ ہو تو نکال دینا چاہئے اور اجنبی آدمیوں سے غیبت کے وقت خود علیحدہ ہو جاؤ اور دوسرے وقت نرمی سے نصیحت کر دو' اگر توبہ کر لے تو قطع تعلق کی ضرورت نہیں ورنہ تدبیر سے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دو) کیونکہ انسان کیلئے اپنے ہی گناہ بہت ہیں تو وہ کیسا (برا آدمی) ہے جو دوسروں کے گناہ ہمارے اوپر لادنا چاہتا ہے (کیونکہ جس طرح غیبت کرنے والے کے اوپر دوسروں کے گناہ لادے جاتے ہیں' غیبت سننے والے پر بھی ان کے گناہ ڈالے جاتے ہیں)۔

اور میں اس وقت اپنے دوستوں میں اس عہد پر پختگی کے ساتھ عمل کرنے والا بجز برادر بزرگ محمد خطیب شربینی اور شیخ زین العابدین ابن شیخ عبید البلقسی رحمۃ اللہ علیہم کے کسی کو نہیں جانتا' خدا تعالیٰ دونوں سے راضی رہے' میں جب تک ان کے پاس رہا کبھی یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے کسی کی غیبت کی ہو یا سنی ہو' حق تعالیٰ ہمیشہ ان پر خیر و برکت نازل فرماتے رہیں اور

(۱) ہمارے اس راستہ میں کینہ رکھنا کفر ہے' ہمارا قانون سینہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا ہے۔ مرتب

سب دوستوں کو ان سے نفع پہنچائیں۔

(۷۸) مجاہدہ نفس کو علوم زائدہ پر مقدم کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ریاضت و مجاہدہ نفس میں مشغول ہونے کو علوم زائدہ میں بے ضرورت مشغول ہونے پر مقدم کریں (بھلا) جو شخص مدرس یا مفتی بنا ہوا ہو اس کے لئے یہ کتنی نازیبا حالت ہے کہ شروع نماز سے لے کر اخیر تک خدا کے سوا دوسری چیزوں کا خیال اس کے دل میں آتا رہے' شارع علیہ السلام نے نماز میں خدا سے غافل ہونے کی کسی کو اجازت نہیں دی' بجز اس شخص کے جو کہ ریاضات و مجاہدات نفس سے عاجز ہو گیا ہو اور جو اس پر قدرت رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ پروردگار عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے کی قابلیت و صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک صلاحیت نہ پیدا ہو نمازی ہی نہ پڑھے' کیونکہ نماز چھوڑ کر حق تعالیٰ کا حضور پیدا ہی نہ ہو گا اور جو پیدا بھی ہوا تو اس حضور کی خدا کو ضرورت نہیں جو اس کے احکام کی مخالفت سے پیدا ہو' بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ نماز بھی پڑھتا ہے اور اس میں حسب تعلیم مشائخ حضور کی کوشش بھی کرتا رہے' رفتہ رفتہ حضور کامل پیدا ہو جائے گا)۔

اور جو شخص تمام آداب و احکام شرعیہ میں تامل کرے گا اس کو معلوم ہو گا کہ تمام احکام و آداب شرعیہ اسی بات کا وسیلہ ہیں کہ بندہ اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہونے کے لائق ہو جائے' اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں (مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر یہ مقصود یعنی حضور قلب کسی اور طریقہ سے حاصل ہو جائے تو نماز وغیرہ کی ضرورت نہ رہے گی ہرگز نہیں' کیونکہ حق تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ ان قیود اور شرائط کے ساتھ ساتھ حضور پیدا کرو تو ان کو چھوڑ کر جو حضور پیدا ہو گا وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں' اسی وجہ سے عارفین نے فرمایا ہے کہ آنکھیں بند کر کے نماز میں اگر حضور کامل ہوتا ہو اس سے وہ ناقص حضور افضل ہے جو آنکھیں کھولنے میں ہوتا ہے' کیونکہ اس میں اتباع سنت ہے اور اس میں مخالفت سنت' پس دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے' غرض تمام آداب شرعیہ سے حضور ہی مقصود ہے' مگر ان آداب ہی کے ساتھ

مقصود ہے ان کے بغیر نہیں جس طرح سلاطین دنیا کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے علاوہ قلبی تعظیم وغیرہ کے کچھ ظاہری آداب بھی ہوتے ہیں کہ ان کا بجالانا ہر درباری پر ضروری ہوتا ہے اگر ان میں کوتاہی کرے گا تو بے ادب گستاخ شمار ہو کر دربار سے نکال دیا جاتا ہے' کیونکہ اگرچہ اس کے دل میں بادشاہ کی کیسی ہی عظمت ہو' مگر دوسروں کی نظر میں تو اس نے بادشاہ کو لائق تعظیم ظاہر نہ کیا' اسی طرح دربار خداوندی میں حاضر ہونے کے لئے علاوہ حضور قلب کے کچھ ظاہری آداب نماز کی صورت وضوء وغیرہ بھی ہیں کہ ان آداب کے بغیر وہ دل کی حاضری بھی معتبر نہیں ہوتی' مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اصل مقصود حضور قلب ہی ہے اور ظاہری آداب کا مرتبہ اس کے بعد ہے لیکن ضروری سب ہیں۔

پس ہر شخص کو لازم ہے کہ ایسے لوگوں (سے ملنا) چھوڑ دے جو خدا تعالیٰ کے ادب میں سستی (اور کوتاہی) کرتے ہیں اور (بہانہ کر کے) یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس (ادب) کا چھوڑ دینا بھی تو جائز ہے' کیا انسان کو بلا خشوع و خضوع کے نماز پڑھنا (اس حالت میں) جائز ہو سکتا ہے جب کہ اس کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے دین میں ضرر پہنچے گا اور (ان لوگوں کو چھوڑ کر) خشوع و خضوع والوں سے ملتے رہنا اور ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے رہنا چاہئے کہ اس کی بدولت انشاء اللہ تعالیٰ اس کو خشوع (پیدا ہونے میں امداد واعانت ملے گی' خلاصہ یہ کہ ہر شخص کے ذمہ تکمیل عبادت کے لئے اس حد تک ریاضت اور مجاہدہ نفس واجب ہے کہ حق تعالیٰ کا حضور اس کو بلا تکلف ایسا حاصل ہو جائے کہ طبیعت ثانیہ (۱) بن جائے' ویسا حضور نہ ہو جیسا کہ بعض وہمیوں کو

(۱) آج کل بہت سے علماء ظاہری خشک اس میں کلام کیا کرتے ہیں کہ تصوف کوئی ضروری چیز نہیں' بلکہ بعض تو اس کو بدعت بتلاتے ہیں' اس لئے اس مقام پر قدرے بسط کے ساتھ تحقیق کا پہلو ملحوظ رکھ کر کلام کیا جاتا ہے' حقیقت یہ ہے کہ تصوف نام ہے ''تعمیر الظاہر والباطن'' کا یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و معمور کرنا' ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد حقہ واخلاق باطنہ سے مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد و تواضع وغیرہ جن کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا' آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے ان کی ضرورت ثابت ہے' ان کا حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

آج کل بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ لوگوں نے شریعت کو صرف اعمال ظاہری کا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سفحہ گذشتہ) مجموعہ سمجھ لیا ہے' اخلاق باطنی کا حاصل کرنا ضروری نہیں جانتے' حالانکہ تمام قرآن میں اخلاص اور صبر و شکر و رضا وغیرہ اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے کا امر اور حسد و تکبر و ریاء اور عجب وغیرہ اخلاق رذیلہ کی ممانعت بکثرت وارد ہوئی ہے' جب قرآن میں ان چیزوں کے احکام بھی مذکور ہیں تو یہ شریعت سے باہر کیونکر ہو سکتی ہیں' انہی چیزوں کے حاصل کرنے کا طریقہ تصوف کہلاتا ہے اور اس قدر تصوف تو ہر شخص کے ذمہ فرض ہے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "عہود محمدیہ" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

كذلك أجمع اهل الطريق على وجوب اتخاذ الا نسان له شيخا يرشده الى زوال تلك الصفات التي تمنعه من دخول حضرة الله تعالىٰ بقلبه لتصح صلا ته من باب مالا يتم الواجب الا به فهو واجب' ولا شك ان علاج الا مراض الباطنة من حب الدنيا والكبر والعجب والرياء والحسد و الحقد والغل والنفاق ونحوها كله واجب كما تشهد له الاحاديث الواردة في تحريمه هذه الا مور والتوعد با لعقاب عليها' فعلم ان كل من لم يتخذ له شيخاً يرشده الى الخروج من هذه الصفات فهو عاص الله تعالىٰ ولرسوله ﷺ لا نه لا يهتدى بطريق العلاج بغير شيخ ولوحفظ الف كتاب في العلم فهو كمن يحفظ كتابا في الطب ولا يعرف يتنزل الدواء على الداء فكل من سمعه وهو يدرس في الكتاب يقول انه طبيب عظيم 'ومن رآه حين يسأل عن اسم المرض وكيفية ازالته قال انه جاهل' فاتخذ لك يا اخي شيخاً واقبل يضحي واياك ان تقول طريق الصوفية لم يأت بها كتاب ولا سنة فانه كفر فانها كلها اخلاق محمدية سد اها ولحمتها. واعلم ان كل من رزق الله تعالىٰ السلامة من الامراض الباطنة كا لسلف الصالح والائمة المجتهدين فلايحتا ج الى شيخ بل الانسان على نفسه بصيرة.

ترجمہ:۔ اسی طرح اہل طریق کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کو کسی ایسے شیخ کا دامن پکڑنا واجب ہے جو ان صفات رذیلہ کے زائل کرنے کا طریقہ بتلائے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور قلب کے ساتھ حاضر ہونے سے روکتی ہیں تاکہ اس کے بعد اس کی نماز وغیرہ درست ہو جائے' کیونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب پوری طرح ادا نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہو جاتے ہے (تو شیخ کا دامن پکڑنا بھی واجب ہوگا' کیونکہ اس کے بغیر حضور قلب نصیب نہیں ہو سکتا) نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ امراض باطنہ جیسے حب دنیا' کبر' عجب وریا' حسد و کینہ' بغض' نفاق وغیرہ ان سب کا علاج واجب ہے' چنانچہ جن احادیث میں ان کی حرمت اور ان پر عذاب کی دھمکی وارد ہے وہ اس بات کی شاہد ہیں (کہ ان کا معالجہ واجب و ضروری ہے'

جب معالجہ ضروری ہے تو معالج کی تلاش اور اس کی اتباع بھی ضروری ہوگا)۔

پس معلوم ہوا کہ جس نے کسی کو اپنا مرشد نہیں بنایا جو ان صفات سے نکلنے کا راستہ اس کو بتلادے وہ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کا نافرمان ہے' کیونکہ وہ ان امراض کے علاج کا راستہ بدون شیخ کے ہرگز نہیں پاسکتا اگرچہ ہزاروں کتابیں علم کی یاد کرے' اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی شخص طب کی کتاب حفظ کرلے' مگر مرض کے مناسب دواء کا استعمال نہ جانتا ہو تو جو کوئی کتاب پڑھاتے ہوئے اس کی باتیں سنے گا وہ تو کہے گا کہ یہ بڑا طبیب ہے اور جس نے اس کو ایسے وقت دیکھا ہو جبکہ اس سے کسی مرض کا نام اور اس کے ازالہ کا طریقہ دریافت کیا گیا ہو (اور وہ کچھ بھی نہ بتلا سکا ہو) وہ کہے گا کہ یہ پورا جاہل ہے' اس کو طب سے مس بھی نہیں۔

پس عزیز من! کسی کو اپنا شیخ بناؤ اور میری نصیحت قبول کرو اور خبردار یہ کبھی مت کہنا کہ طریقہ صوفیہ نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے' کیونکہ یہ بات کفر ہے۔ در حقیقت طریقہ تصوف بتمامہ اخلاق محمد ﷺ کا مجموعہ ہے' اس کا تانا بانا ظاہر و باطن سب اسی سے ماخوذ ہے (اور اگر تم کو اس سے شبہ ہو کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں تو یہ طریقہ نہ تھا تو) جان لو کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ نے امراض باطنہ سے سلامتی عطا فرمائی ہے جیسے حضرات سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین ایسے لوگوں کو شیخ کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ ہر شخص اپنی حالت کو خود جانتا ہے' (جس کو ان امراض سے سلامتی نصیب ہو اس کو اب بھی شیخ کی ضرورت نہیں اور اگر مبتلائے امراض ہو تو شیخ کا دامن پکڑنا ضروری ہے)۔

اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ تصوف کا ایک درجہ یعنی برے اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی تحصیل یہ تو ضروری اور فرض ہے' اس کے بعد ایک دوسرا درجہ ہے وہ مستحب ہے وہ یہ کہ ظاہری اعضاء کو علاوہ ضروری طاعات کے غیر ضروری طاعات نوافل وغیرہ میں مشغول کرنا اور باطن کو دوام ذکر اللہ میں منہمک کر دینا یہ مرتبہ در حقیقت مستحب ہے' مگر بعض وجوہ سے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد مائۃ حاضرۃ لازالت برکاتہ علینا ماطرۃ "رسالۃ کشف" میں حقیقت میں طریقت واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

خلاصہ سلوک:۔

(۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے' (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے' (۳) نہ دنیا کی کار برآمدی کا وعدہ ہے' (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے' اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آئے' خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں' (۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا

ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے' عبادت میں خطرات ہی نہ آئیں' ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرائی خبر ہی نہ رہے'(٦) نہ ذکر شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے'(۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے' بلکہ اصل مقصود و حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کے ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے' ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز' روزہ' حج و زکوۃ وغیرہ اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارۂ قسم اور جیسے لین دین دوسرے مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و طعام و کلام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو "علم فقہ" کہتے ہیں۔ اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا' خدا سے ڈرنا' خدا کو یاد رکھنا' دنیا سے محبت کم ہونا' خدا کی مشیت پر راضی رہنا' حرص نہ کرنا' عبادت میں دل کا حاضر رکھنا' دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا' کسی کو حقیر نہ سمجھنا' خود پسندی نہ کرنا' غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو "سلوک" کہتے ہیں۔

اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض واجب ہے' نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے جیسے خدا کی محبت کم ہونے سے نماز میں سستی ہو گئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی گئی یا بخل سے زکوۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبہ غضب سے کسی پر ظلم ہو گیا' حقوق تلف ہو گئے وغیرہ وغیرہ اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط بھی کی جائے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی' پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری' لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم بھی ہوتا ہے تو نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے' ان ضرورتوں سے پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے اور ان کا علاج و تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے۔

پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہریہ و باطنیہ کی پابندی ہے' دوسرا مستحب کہ کثرت سے ذکر کرنا ہے' پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضاء قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضاء قرب حاصل ہوتا ہے' یہ خلاصہ ہے سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

اب اس بیان کے بعد کوئی بتلائے کہ تصوف ضروری چیز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو بدعت بتلاتے ہیں انہوں نے ذکر وغیرہ کی خاص ہیئت اور ترکیب کو تصوف کا مقصود سمجھ لیا ہے (اگلے صفحہ پر)

دیکھا جاتا ہے کہ وہ نماز میں حق تعالیٰ کا حضور حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس پر قدرت نہیں پاتے تو بار بار ہوا میں ہاتھوں کو جھٹکتے اور سینے پر دھرتے ہیں' مگر پھر بھی حضور نہیں حاصل ہوتا' تو بات یہ ہے کہ وہ یوں چاہتے ہیں کہ ریاضت اور مجاہدہ کا تمام راستہ ایک لحمہ میں خلاف قاعدہ طے کر جائیں اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا' اس کو خوب سمجھ لو اور عمل کرو' خدا تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یا بعض مسائل مثلاً وحدۃ الوجود کی تحقیق میں تصوف کو منحصر خیال کر رکھا ہے' حالانکہ طریقہ ذکر و شغل وغیرہ مثل طبی معالجات کے بتلائے جاتے ہیں نہ وہ عبادت سمجھے جاتے ہیں نہ مقصود اور مسائل کی زبانی تحقیق کو تصوف سے کوئی بھی تعلق نہیں' بلکہ دراصل وہ حالات ہیں جو سالک کو پیش آتے ہیں' کبھی سالک کی تسلی کے لئے زبانی ان کو بتلادیا جاتا ہے۔ تصوف کے تمام اصول و فروع وغیرہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں' جن کو تحقیق مطلوب ہو رسالہ "حقیقۃ الطریقہ من السنۃ الانیقۃ" ورسالہ "مسائل السلوک من کلام الملک الملوک" مصنف حضرت حکیم الامت دام فیضہم ملاحظہ کریں۔

پس تصوف کی ضرورت اور اس کا ہر طرح مطابق سنت ہونا معلوم کر کے ہر مسلمان پر اس کے ضروری حصہ کا حاصل کرنا واجب ہے اور اس کے لئے یہ بہانہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کو اس کے لئے فراغت نہیں ملتی' کیونکہ اول تو ضروری اور واجب کام کے لئے دوسرے مشاغل کا کم کرنا عقلاً لازم ہے' دوسرے بحمد اللہ اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت دامت برکاتہم نے اس راستہ کو ایسا صاف اور سہل بنادیا ہے کہ کم فرصت اور کم ہمت حضرات بھی کامیاب ہو سکتے ہیں چنانچہ رسالہ "قصد السبیل" جو کہ عطر تصوف ہے اس کے لئے کافی دلیل اور شاہد عدیل ہے' اس رسالہ میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے عامی فارغ و عامی مشغول و عالم فارغ و عالم مشغول چاروں قسم کے آدمیوں کے لئے دستور العمل بتلادیئے ہیں' بس حجت الٰہی تمام ہو چکی اور خدا کا راستہ ہر اک کے لئے سہل طریقہ پر کھول دیا گیا ہے' اب بھی اگر وصال خدا کی محبت مسلمان کے دل میں نہ پیدا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو خدا کی محبت اور طلب ہی نہیں' جن لوگوں کے دلوں میں الحاد اور بد دینی کے شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کے اوپر بہت زیادہ ضروری ہے کہ طریقہ تصوف کے ذریعہ سے اپنے دل میں یقین اور اطمینان پیدا کریں' کہیں خدانخواستہ خاتمہ برا نہ ہو اور جو لوگ علم ظاہری پڑھ رہے ہیں یا پڑھ چکے ہیں وہ بالخصوص اس راستہ کو ضروری سمجھیں کہ اصلی علم وہی ہے جو دل میں اپنا اثر پیدا کردے۔ والسلام ۱۲ مترجم

(۷۹) ختنہ وغیرہ کی تقریب میں نہ جایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ختنہ یا شادی وغیرہ کی تقریب میں شریک ہونے کے لئے کسی کی درخواست منظور نہ کیا کریں' بالخصوص اگر ہم علماء اور صلحاء کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں (جب تو ہرگز ایسی تقریبات میں نہ جایا کریں) لیکن اگر کوئی ایسی مصلحت ہو جس سے جانے کو نہ جانے پر ترجیح ہو جائے (تو شرکت میں مضائقہ نہیں مثلاً ہم کو یہ امید ہو کہ ہماری شرکت سے خرافات اور رسوم میں کمی ہو جائے گی' تو ایسی صورت میں شرکت کرنے کو ترجیح ہو گی' کیونکہ بات یہ ہے کہ شرکت تقریبات میں (آج کل) مفاسد اس کثرت سے ہیں جو کسی جاننے والے پر پوشیدہ نہیں (آج کل) یہ (تقریبات) مقابلہ اور تفاخر کے لئے (زیادہ تر) کی جاتی ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے لوگ بھی (اسی مرض میں مبتلا ہیں) لوگ آپس میں گفتگو اور بحث کیا کرتے ہیں فلانے کی تقریب فلاں کی تقریب سے زیادہ شاندار تھی۔

اس کو بھی جانے دو بھلا جس عالم یا بزرگ کی داڑھی سفید ہو گئی ہو اور وہ لوگوں کا مقتدا بنا ہوا ہو اس کے لئے تو بہت ہی نازیبا ہے کہ بچوں اور فاسقوں کے ساتھ مل کر لہو و لعب کے مواقع میں شریک ہو' جہاں وہ خدا سے (اس درجہ) غافل ہوتے ہیں کہ اگر یہ ان کو کسی نیک بات کا حکم کرنا چاہے تو وہ پلٹ کر اس کی بات بھی نہ سنیں' نیز بسا اوقات تقریبات میں لہو و لعب کا سامان (راگ باجہ) بھی ہوتا ہے جن کو یہ عالم حرام سمجھتا ہے یا بھانڈ وغیرہ ہوتے ہیں' جو لوگوں کو ہنساتے اور ان سے مسخرہ پن کرتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو علماء اور صلحاء کی شان کے خلاف اور ان کی ہیبت و عظمت کی کھونے والی ہیں اور لوگوں میں سے ان کی توقیر ضائع کر دینے کا سبب ہوتی ہیں' پس ان باتوں میں اپنے وقار و عظمت کا پاس کرنا ہر عالم و متقی اور خطیب و واعظ وغیرہ کو لازمی طور پر ضروری ہے۔

عزیز من! ذرا سوچو تو سہی اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن منبر کے پاس بیٹھ کر نمازیوں کے سامنے لہو و لعب اور غپ شپ ہنسی مذاق کرتا رہے اس کے بعد اسی حالت میں پھر وہ منبر پر پہنچے تو اس کی تعظیم کیونکر کی جا سکتی ہے' اس کی بات کی طرف کوئی بھی دل سے توجہ نہ کرے گا'

اسی راز کی وجہ سے خطبہ کے وقت تک خطیب کے ایک حجرہ میں تنہا پوشیدہ بیٹھے رہنے کی رسم چلی آتی ہے (تاکہ خطبہ سے پہلے لوگوں کے ساتھ بے جا اختلاط اور فضول بات چیت نہ ہونے پائے) جس سے وعظ و نصیحت کا اثر زائل ہو جاتا ہے تو جب تھوڑی دیر کی فضول باتوں سے ایسا ضرر ہوتا ہے تو بھلا تقریبات کی مجلسوں میں جہاں صدہا خرافات ہوتی ہیں جانے کا کیا کچھ نقصان نہ ہوگا' جب ایسے لہو ولعب کے مجمعوں میں فاسقوں اور بے ہودہ لوگوں کے ساتھ علماء و صلحاء شریک ہوں گے تو ان کی عظمت و وقار لوگوں کے دلوں میں خاک رہے گی۔

پس اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اور یہ بہانہ مت کرو کہ میں تو صرف ایک ضرورت کے لئے گیا تھا (ایسے مواقع میں ضرورت سے بھی نہ جانا چاہئے) کیونکہ پرکھنے والا (اس کے ضرر کو) خوب سمجھتا ہے اور بالفرض اگر تم نے صاحب تقریب کی کم عقلی کی وجہ سے اس کی خاطر داری کا قصد کیا تو اس کو سوچ لو کہ اس پر جو نتیجہ بد مرتب ہوگا کہ دلوں میں سے تمہاری ہیبت و عظمت نکل جائے گی اور لوگ تمہارے وعظ نصیحت کو (آئندہ توجہ سے) نہ سنیں گے' اس ضرر کو تم خود بھی اس کم عقل صاحب تقریب کی خاطر داری سے بدرجہا زیادہ قابل لحاظ سمجھو گے اور بالخصوص اگر اس تقریب میں امراء اور بڑے طبقہ کے لوگ قاضی اور تجار وغیرہ بھی ہوئے تب تو تمہارے نہ جانے سے (صاحب تقریب کو رنج یا غم کا) کچھ بھی اثر نہ ہوگا اور نہ تقریب کی شان میں کچھ کمی آئے گی۔

مگر آج کل اس زمانہ کے علماء اور درویشوں میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے کہ تقریبات میں بکثرت جاتے ہیں اور طبعی طور پر اس سے حیاء کم کرتے ہیں' حالانکہ ہم نے قریب قریب سو علماء اور صلحاء کی صحبت پائی ہے جو وفات پا کر اس وقت آغوش رحمت الٰہی میں ہیں ان میں سے کسی کو بھی ہم نے (مرتے دم تک) کبھی کسی تقریب (۱) میں نہیں دیکھا پس اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

(۱) الحمدللہ والمنتہ کہ آج جس بات کو ہمارے علماء وقت نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے' علامہ شعرانی رحمتہ اللہ علیہ بھی جو کہ چار سو برس پہلے گذرے ہیں اس کو منع فرماتے ہیں اور نہ صرف منع' بلکہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے مشائخ نے اس پر عہد لیا ہے کہ تقریبات میں کبھی نہ شریک۔ (بقیہ آگے)

(۸۰) عرسوں کی دعوت قبول نہ کیا کیا کریں۔

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ان بڑے بڑے عرسوں کی دعوت بھی قبول نہ کیا کریں جو مسلمانوں کی قبروں پر کیئے جاتے ہیں اور بالخصوص اگر مصر کے قبرستانوں میں عرس ہو اور تم کو بلا جائے تو کبھی نہ جاؤ' کیونکہ ان میں کثرت سے مسلمانوں اور اولیاء اللہ اور شہداء وغیرہ کی قبروں کو پاخانے پیشاب اور گدھے خچروں کی لید سے ناپاک اور پلید کیا جاتا ہے' لوگوں نے آج کل بڑی کوشش کی کہ مصر کے قبرستانوں میں ایک قبر کی برابر جگہ مل جائے جہاں کوئی مردہ دفن نہ ہوا ہو' چاہے راستوں پر ہی مل جائے مگر کوئی جگہ نہیں ملی (تو ایسی حالت میں جو لوگ وہاں جائیں گے وہ سوا اس کے کہ قبروں کے اوپر کو چلیں اور وہیں پیشاب پاخانہ کریں' وہیں گدھے خچر باندھ لیں اور کیا کریں گے؟

اور (غضب یہ ہے کہ) اولیاء اللہ کے مزارات کے مجاور آج کل (عرس وغیرہ کے موقع پر) دوسرے مسلمانوں کی قبروں کے وہ نشان بھی جو ولی کے مزار کے سامنے ہوتے ہیں مٹا ڈالتے ہیں تاکہ اس جگہ زائرین کے گدھے خچر کھڑے ہوں' محض اس وجہ سے کہ ان مجاوروں کو ان سے کچھ پیسے روپے یا روٹی کے ٹکڑے مل جاتے ہیں' اس کو خوب سمجھ لو' خبردار! کبھی انجان بن کر ایسی جگہ چلے جاؤ' پھر جب پیشاب یا پاخانہ کا تم کو تقاضا معلوم ہوگا تو مجبور ہو کر وہیں قضائے حاجت کرنا پڑے گی' اس کے بدون چارہ نہ ہوگا اور اگر ایسا ہی جانا ضروری ہے تو جانے سے ایک یا دو دن پہلے کھانا پینا چھوڑ دو یہاں تک کہ تم کو اپنے نفس پر اطمینان ہو جائے کہ وہاں جا کر پیشاب پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور علماء نے علاوہ قبروں پر بیٹھنے (اور چلنے پھرنے) اور پیشاب وغیرہ کرنے کے اور بھی بہت سی باتیں بیان کی ہیں جن کی وجہ سے شرکت عرس کے لئے بلانا (اور جانا) بالکل ہی ساقط (اور بے اصل) ہو جاتا ہے' پس معلوم ہوا کہ ایسے عرس وغیرہ میں

(بقیہ ص ۱۵) ہوا کریں' حالانکہ اس زمانہ میں اس قدر خرافات بھی نہ ہوتی تھیں جو آج کل تقریبات میں رسوم کی پابندی سے ظاہر ہو رہی ہیں' اس لئے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے خدام و حققِ طریقت میں یہ عہد لیا ہے کہ شادی و غمی کی تقریبات میں شریک نہ ہوا کریں۔ ۱۲ مترجم

جانا(ا)ضروری یا مستحب اسی وقت تک ہو سکتا ہے جبکہ کوئی مانع شرعی اس کے معارض نہ ہو اور موانع شرعیہ کتب فقہ میں اچھی طرح ثابت ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(ا) ذرا صوفیہ زمانہ اس عہد میں غور فرمائیں کہ جن عرسوں کی شرکت کو وہ بڑی عبادت سمجھے ہوئے ہیں پہلے زمانہ کے صوفیہ اس کی شرکت نہ کرنے کے لئے اپنے مریدوں سے کس طرح تاکید کے ساتھ عہد لیا کرتے تھے' حالانکہ اس زمانہ میں عرسوں کے اندر وہ خرافات بھی نہ ہوتی تھیں جو آج کل ظہور میں آرہی ہیں' پہلے زمانہ کے صوفیہ کرام صرف اسی وجہ سے عرسوں میں جانے کو منع کرتے تھے کہ ان میں قبروں کی بے حرمتی ہوتی تھی اور آج کل قبروں کی بے حرمتی کا تو کیا ذکر عرسوں میں فاسق فاجر لوگوں کا اجتماع' رنڈی بھڑوں کا ناچ رنگ' امردلڑکوں کا گانا بجانا' ستار' باجہ کے ساتھ قوالی فحش اور بے حیائی کا بازار گرم' وہ عفت سوز واقعات ہوتے ہیں کہ الامان الحفیظ نماز اور اذان کے وقت بھی خدا کی یاد کا خیال نہیں آتا' بلکہ بعض جگہ عین نماز کے وقت تک قوالی ہوتی رہتی ہے' پھر اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا' چومنا' ان کے سامنے جھکنا' ان سے مرادیں مانگنا اور ان کے لئے نذریں اور منتیں ماننا' چڑھاوے چڑھانا' غرض ہر قسم کی شرک کی باتیں کی جاتی ہیں' پھر اس پر بھی صوفی کے صوفی اور وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے مقامات طے کرنے والے اپنے آپ کو بتلاتے ہیں۔ خدا کے سامنے جا کر معلوم ہو گا کہ توحید کیا اسی کا نام تھا؟

الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ کا سلسلہ صوفیہ سلف کے بالکل مطابق اتباع سنت پر تلا ہوا اور رنگ توحید میں رنگا ہوا اور شرک و بدعات سے بالکل پاک صاف ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ "لاتتخذ وا قبور انبیاء کم مساجد(۲). ولا تتخذوا قبری عیدا" (۳) یعنی انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو معبود نہ بناؤ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جب حضور ﷺ اپنی قبر پر عرس کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں تو اولیاء اللہ کی قبریں تو کس شمار میں ہیں' حالانکہ جس حصہ زمین سے حضور ﷺ کا جسد اطہر ملا ہوا ہے علماء کے نزدیک وہ عرش سے بھی افضل ہے۔

پس اے قوم! ذرا انصاف سے کام لو اور احکام خداوندی کو پس پشت نہ ڈالو' اس میں شک نہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات سے فیوض و برکات حاصل ہوتی ہیں' مگر اسی طریقہ سے برکات حاصل کرو جو شریعت مطہرہ نے بتلایا ہے۔ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ☆ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید ۱۲ مترجم(۴)

---

(۲) یہ حدیث نہیں ملی ہاں مسند احمد ج ۶ ص ۳۴ میں یہ حدیث موجود ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۸۱) بیباک لوگوں کا کھانانہ کھائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ایسے لوگوں کے گھر کا کھانانہ کھایا کریں جو کمانے میں بے باکی سے کام لیتے ہیں (کہ حرام و حلال کا کچھ خیال نہیں کرتے) یادنیا کے ساتھ فخر و نمود کرتے ہیں (یعنی فخر ودکھلاوے کے واسطے دعوتیں کرتے ہیں' اخلاص اور محبت سے نہیں کرتے) یا دین فروشی کرکے دنیا کھاتے ہیں جیسے وہ درویش لوگ جن کا بجز درویشی کے (اور کچھ) پیشہ نہیں (درویشی کو ذریعہ معاش بنار کھاہے' ایسے لوگوں کا کھانا بھی نہ کھانا چاہئے) کیونکہ یہ سب کھانے بدن میں پہنچ کر (ظلمت اور) گندگی پیدا کرتے ہیں جیسا کہ بخیل آدمی کے گھر کھانا بھی ایسا ہی اثر رکھتا ہے' ان باتوں کا تجربہ کیا گیا ہے۔

اور حرام و مشتبہ مال میں جرأت کرنے والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات قسم قسم کے مختلف کھانے کھایا کرتے ہوں' کیونکہ اگر یہ لوگ اپنی کمائی میں حلال روزی کی تلاش کرتے تو اپنے پاس اتنی گنجائش نہ پاتے کہ رنگ برنگ کے کھانے تیار کرائیں' خصوصاً اس زمانہ میں جس میں ہر قسم کے مال و متاع کی کساد بازاری ہے اور پیشہ ور آدمی بدون جان کھپائے اور موت کا مشاہدہ کئے روزی حاصل نہیں کر سکتا۔

اور جو عابد، زاہد اپنے دین کے ذریعہ سے کماتا ہے' اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ نیند سے اٹھے تو مدہوش کی طرح کھڑا ہو کہ دیر تک اسے ہوش ہی نہیں آتا۔

اور جو شخص دین فروشی کر کے نہیں کھاتا اس کی علامت یہ ہے کہ اگر وہ تمام اعمال

(بقیہ صفحہ گزشتہ) لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياء هم مساجد۔ تقول عائشة يحذ رهم مثل الذى صنعوا۔ اسی طرح ج٦ ص ٢٧٤ میں یہ حدیث موجود ہے۔ ان عائشة قالت كان على رسول ﷺ حميصة سودا حين اشتد به وجعه قالت فهو يضعها مرة على وجهه ومرة يكشفها عنه ويقول قاتل الله قوما اتخذوا قبور انبياء هم مساجد يحرم ذلك على امته۔ مرتب

(۳) مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۶۷ و مسند ابی یعلی الموصلی ج ۱/ ۲۶۹ ۴۔ مرتب

(۴) پیغمبر کے طریقہ کے خلاف جو شخص راستہ اختیار کرے گا وہ ہرگز منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

صالحہ سے خالی بھی ہو جائے جب بھی لوگ اس کی خدمت (اور اس کے ساتھ احسان وسلوک) نہ کم کریں (پس جس کے ساتھ لوگوں کو ایسی محبت ہے کہ وہ چاہے کسی حال میں رہے ہر حال میں اس کی خدمت کریں' ایسے شخص کو اپنے دوستوں، شاگردوں و مریدوں سے ہدایا قبول کرنا جائز ہے) اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ اگر کوئی گناہ کرتے مجھ کو دیکھ لیں گے تو مجھ سے اعراض اور بے رخی کرنے لگیں گے اور اپنی خدمت وغیرہ بند کردیں گے تو یہ شخص دین فروشی کرکے دنیا کماتا اور کھاتا ہے (اس کو ان لوگوں سے ہدایا قبول نہ کرنا چاہئیں) خوب سمجھ جاؤ۔

ایک بار امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں گئے' تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے آدھی روٹی اور آدھی لکڑی رکھدی اور فرمایا کہ اے حسن (جو کچھ حاضر ہے) کھاؤ' کیونکہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں حلال روزی میں وسعت و فراخی نہیں ہو سکتی اھ۔ پھر عزیز من! اگر تقدیر سے لاچار ہو کر کبھی تم کو ایسے بیباک (اور حرام و حلال کی) پروانہ کرنے والوں کے گھر کھانا ہی پڑ جائے اور خدا نے تمہاری قسمت میں وہ کھانا مقدر ہی کردیا ہے تو دستر خوان پر جو سب سے کمتر اور گھٹیا کھانا ہو اس میں سے چند لقمے کھا کر بس کردیا کرو۔

میں نے سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہ ایک بار کسی ظالم کے پاس گئے تو آپ نے اپنی آستین میں سے ایک روٹی نکال کر دستر خوان پر رکھی اور اسی میں سے کھایا اور حق تعالیٰ جس کو بچانا چاہتے ہیں تو جس طرح چاہتے بچالیتے ہیں۔

(۸۲) حاجت مند سائل کو خالی واپس نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی حاجت مند سوال کرنے والے کو کبھی (خالی) واپس نہ کیا کریں'(۱) البتہ اگر وہ کسی ایسی چیز کا سوال کرے جس کی ہم کو اپنے نفس کے لئے یا ان لوگوں کے لئے جن کی خبر گیری ہمارے ذمہ فرض ہے ضرورت اور حاجت ہو (تو اس کے سوال

(۱) لیکن جو لوگ قوی اور تندرست ہوں کمانے کھانے کے لائق ہوں' پھر بھی گداگری کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے ہیں ان کو دینا جائز نہیں' کیونکہ اس طرح سوال کرنا حرام ہے اور حرام کی اعانت بھی حرام ہے اور ان لوگوں کو دینے سے سوال پر ان کو جرأت بڑھتی ہے۔ ۱۲ مترجم

کو رد کرنے کا مضائقہ نہیں) بالخصوص اگر اس چیز کے دینے کے بعد ہماری حالت بھی ویسے ہی ہو جائے جیسے اس کی حالت ہے کہ ہم خود محتاج بن بیٹھیں (ایسی صورت میں بھی سوال کرنے والے کی درخواست پوری نہ کرنا چاہئے) حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "**ولا تجعل يدك مغلولةً الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً**" (۱) اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے (کہ غایت بخل سے بالکل ہی ہاتھ روک لیا جائے) اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے (کہ اسراف کیا جائے) ورنہ الزام کھائے ہوئے تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے (کہ سب الزام دیں گے کہ اتنا کیوں دیا جو آپ محتاج رہ گیا)۔

اور حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بار اپنے آپ کو ایک سائل کی ضرورت کے لئے بیچ دیا تھا جس نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کوئی ایسی چیز اس کو دیدیں جس سے اپنی جان بچائے (اس وقت آپ کے پاس کوئی چیز نہیں تھی تو آپ نے اپنے نفس کو کسی کے ہاتھ بیچ دیا یعنی اجارہ پر دے دیا)۔

اور جب مجھ کو یہ مقام حاصل ہوا تو میرے وہ احباب جو مجھ کو کپڑے وغیرہ دیا کرتے ہیں کپڑے دیتے وقت یہ شرط لگا دیا کرتے کہ اگر میں کسی کو وہ کپڑے دینا چاہوں تو انہی کو واپس کردوں (کسی دوسرے آدمی کو نہ دوں' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میں کسی سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا تو جو کوئی مجھ سے کچھ مانگتا ہے میں فوراً اس کو دے ڈالتا ہوں تو جو ہدیہ میرے پاس آتا ہے وہ نہ میرے پاس رہتا ہے نہ دینے والے کے پاس رہتا ہے' مجھ سے بھی گیا اور ان سے بھی گیا اس لئے دینے والے اب یہ شرط کر لیتے ہیں کہ جب تک میں استعمال کروں کرتا رہوں' جب کسی کو دینا چاہوں تو ان ہی کو واپس کردوں) وجہ یہ کہ میرا ذریعہ معاش صرف یہی ہے کہ میں ضرورت کے وقت حق تعالیٰ سے مانگتا ہوں (۲) (پھر حق تعالیٰ کسی کے دل میں میرا خیال ڈال

---

(۱) الاسراء/۲۹

(۲) اس سے پہلے عہد میں علامہ نے بیان فرمایا ہے کہ جن درویشوں کا ذریعہ معاش کچھ بھی نہیں محض دین فروشی کر کے دنیا کماتے ہیں ان کا کھانا مت کھاوالخ۔ اس سے شاید کسی کو شبہ ہوا ہو کہ توکل کرنا اچھا نہیں' کچھ ذریعہ معاش اختیار کرنا چاہئے' مگر یہ مطلب علامہ کا ہرگز نہیں' چنانچہ اس عہد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دیتے ہیں وہ میری خدمت کر دیتا ہے اس لئے میں اپنے پاس کوئی چیز جمع نہیں کرتا' جب سب خرچ ہو جاتا ہے' پھر حق تعالیٰ سے مانگ لیتا ہوں تو پھر حق تعالیٰ مجھ کو عطا فرما دیتے ہیں)۔ واللہ غنی حمید۔

(۸۳) جب کوئی ہم پر ظلم کرے اپنے آپ کو اس سے زیادہ کا مستحق سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی ظالم ہمارے اوپر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھیں (اور یہ خیال کریں کہ) جو شخص آگ میں جلانے کے قابل ہو پھر ذرا سی راکھ اس پر ڈال کر اس سے صلح کر لی جائے تو اس کو مکدر اور ناخوش ہونا کب مناسب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں علامہ نے خود اپنی حالت بیان فرمائی ہے کہ میرا ذریعہ معاش بجز خدا سے مانگنے کے اور کچھ نہیں' جس سے معلوم ہو گیا کہ آپ متوکل تھے' بلکہ پہلے عہد کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو محض بزرگی اور دینداری کی وجہ سے لوگ ہدایا دیتے ہیں ان کا مال حلال نہیں' یہ دین فروشی ہے اور اگر کسی کی خدمت کرنے والے ایسے مخلص دوست ہوں جو ہر حال میں اس کی خدمت کرنے والے ہوں' خواہ یہ بزرگی کے کام کرتا رہے یا کچھ بھی نہ کرے' ایسے مخلصوں کا ہدیہ قبول کرنے کا مضائقہ نہیں وہ حلال مال ہے' اس کو دین فروشی نہ کہا جائے گا۔

اس کی شرح حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل سے واضح ہوتی ہے' آپ پہلی ملاقات میں کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ پہلی ملاقات میں جو کوئی ہدیہ وغیرہ دیتا ہے وہ محض عالم سمجھ کر اور بزرگ سمجھ کر دیتا ہے تو ایسا ہدیہ لینا دین فروشی ہے' ہاں جب بار بار کی ملاقات کے بعد کسی کو اپنے سے محبت اور خلوص پیدا ہو جائے' پھر وہ محبت کی وجہ سے خدمت کرے گا' محض بزرگی یا علم کی وجہ سے نہ کرے گا' محبت پیدا ہو جانے کے بعد وہ ہمیشہ خود ہی خدمت کرنا چاہے گا خواہ ہماری بزرگی رہے یا نہ رہے۔

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ بحمد اللہ خدا نے مجھ کو ایسے احباب عطا فرمائے ہیں کہ اگر میں خدانخواستہ بگڑ بھی جاؤں جب بھی وہ ضرور میری خدمت کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ جو ہدیہ ہم کو محض اس وجہ سے دیا جائے کہ ہم عالم یا بزرگ مشہور ہو گئے ہیں اس کا قبول کرنا دین فروشی ہے اور جو ہدیہ محبت اور خلوص کی وجہ سے دیا جائے اس کا قبول کرنا سنت ہے' دین فروشی نہیں' بس متوکل کو ہر کس و ناکس کا ہدیہ قبول کرنے سے احتیاط کرنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

ہے' (بلکہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ بڑی بلا سے نجات ملی' تھوڑی سی ہی سزا پر بات ٹل گئی۔
رسیدہ بود بلائے وے بخیر گذشت۔(۱))

پس جب ہم کو کسی ظالم کی طرف سے تکلیف وغیرہ پہنچے فوراً اس بات کو دلنشین کرلیا کریں کہ ہم تو اپنی خطاؤں کی وجہ سے دوزخ کی آگ میں جلائے جانے کے قابل تھے بہت اچھا ہوا کہ اس ذرا سی تکلیف پر فیصلہ ہوگیا' کیونکہ مصائب و تکالیف سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور گناہوں کی مغفرت سے عذاب دوزخ ٹل جاتا ہے) علاوہ ازیں یہ کہ ظلم کرنے والوں نے اس وقت تک ہم پر ظلم نہیں کیا جب تک کہ خود ہم نے اپنے نفس پر یا کسی دوسرے پر ظلم نہیں کیا (پھر ظالم کو کیوں الزام دیتے ہو اپنے آپ کو الزام کیوں نہیں دیتے؟)۔

اور جو شخص دنیا کے ظالموں کی حالت میں غور کرے گا وہ ان کو ارادۂ خداوندی کے لحاظ سے جہنم کے فرشتوں کی طرح سمجھے گا (جیسا کہ حق تعالیٰ نے جہنم کے فرشتوں کو نافرمانوں کے عذاب کے لئے مقرر فرمایا ہے اسی طرح ان ظالموں کے ہاتھوں سے گنہگار بندوں کو ان کی نافرمانیوں کی سزا ملتی ہے) فرق اتنا ہے کہ جہنم کے فرشتے حکم الٰہی سے اس کام پر مامور ہیں اور یہ ظالم اس کام کے لئے مامور نہیں ہیں' بلکہ خدا کا ارادہ ان کے ہاتھوں سے پورا ہو جاتا ہے اور (ظاہر ہے) کہ اس عالم میں ارادۂ خداوندی سے حجت نہیں چل سکتی (بلکہ یہاں تو حکم شرعی سے حجت چل سکتی ہے۔ پس ظالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ فلاں شخص پر سختی کی جائے اور وہ ارادہ میرے ہاتھوں پورا ہو گیا تو میں گنہگار نہیں ہوں' بلکہ خدائی ارادہ پورا کرنے کی وجہ سے میں بھی جہنم کے فرشتوں کی طرح بے قصور و بے خطا ہوں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جہنم کے فرشتے حق تعالیٰ کے ارادہ کو اس کے حکم سے پورا کرتے ہیں اور تم نے خدا کے ارادہ کو پورا تو کیا' مگر بدون اجازت اور بدون حکم کے پورا کیا' نہ خدا تعالیٰ نے تم کو اس واسطے پیدا کیا نہ اس کام کے لئے مقرر کیا' تو تمہاری اور جہنم کے فرشتوں کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص مجرم ہو کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو اور حاکم نے اس کے لئے قتل کا حکم تجویز کرلیا ہو اور وہ چاہتا ہے کہ یہ مجرم قتل کیا جائے' اب ایک صورت تو یہ ہے کہ حاکم جلاد کو حکم دے کہ فلاں شخص کو

(۱) مصیبت آ پہنچی تھی' مگر الحمد للہ خیریت سے گذر گئی۔

جان سے مار ڈال‘ اس نے حکم حاکم کے بعد اس کو مار ڈالا‘ ایک یہ صورت ہے کہ کوئی اجنبی آدمی بدون حاکم سے پوچھے بغیر اس کے حکم کے اپنے آپ اس کو مار ڈالے‘ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں حاکم کا ارادہ پورا ہو جائے گا‘ مگر سب جانتے ہیں کہ جلاد اگر مارے تو وہ بے قصور ہوگا اور یہ دوسرا شخص مجرم اور قصوروار سمجھا جائے گا‘ کیونکہ اس نے بھی اگرچہ حاکم کی مراد پوری کردی‘ مگر چونکہ بدون اجازت کے اور بلا حکم حاصل کیئے جرأت کی اس لئے سزایاب ہوگا‘ مگر مجرم اس صورت میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بلا قصور مارا گیا‘ کیونکہ وہ تو قتل کا مستحق ہو ہی چکا تھا جلاد کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو کیا! دوسرے کے ہاتھ سے مارا گیا تو کیا! اس کو تو وہی سزا ملی جو حاکم کی تجویز کردہ سزا تھی۔

پس اسی طرح دنیا میں ظالم جن لوگوں پر ظلم کرتا ہے ان کے لئے حق تعالیٰ پہلے سے وہ سزا اور مصیبت تجویز کر چکے ہوتے ہیں اور اس ظالم کے ہاتھوں سے وہ ارادہ الٰہی پورا ہو جاتا ہے‘ مگر چونکہ اس ظالم نے خدا کے ارادہ کو بلا اجازت اور بدون خدا کے حکم کے پورا کیا اس لئے یہ خود بھی مجرم اور قصوروار ثابت ہوگا‘ خدا تعالیٰ نے اس کو کب حکم دیا تھا کہ تو ہمارے فلاں ارادہ کو پورا کر دینا‘ اور جہنم کے فرشتوں کو حق تعالیٰ کا حکم ہو چکا ہے اس لئے وہ بالکل بے قصور ہیں‘ مگر جن پر ظالموں نے ظلم کیا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم بے قصور مصیبت میں گرفتار کیئے گئے‘ وہ تو ہر حال میں خطا اور قصور سے مارے گئے‘ چاہے ظالموں کے ہاتھ سے مریں یا فرشتوں کے ہاتھ سے‘ کیونکہ ان ظالموں کے ہاتھ سے بھی حق تعالیٰ ہی کا ارادہ پورا ہوا‘ خدا تعالیٰ نے تمہاری نافرمانیوں کی سزا پہلے ہی تجویز کر دی تھی جو دنیا کے ظالموں کے ہاتھوں پوری ہو گئی اگرچہ ظلم کرنے والے بھی عذاب سے بچے نہ رہیں گے‘ کیونکہ انہوں نے بھی بدون اجازت کے دخل در معقول دیا اگرچہ خدا ہی کے ارادہ کو پورا کیا‘ مگر ان سے کس نے کہا تھا وہ خدائی ارادوں کے پورا کرنے والے کون تھے؟

دوسرا فرق ان ظالموں اور جہنم کے فرشتوں میں یہ ہے کہ جہنم کے فرشتے اپنا غصہ نکالنے کے لئے‘ اپنا جی ٹھنڈا کرنے کے لئے کسی کو عذاب نہیں دیتے‘ وہ محض حکم کے بندے اور فرمان کے تابع ہوتے ہیں ان کی نیت حکم خداوندی بجالانے کے سوا کچھ نہیں ہوتی اور ان

ظالموں کی نیت تو صرف اپنا غصہ نکالنے اور دل ٹھنڈا کرنے کی ہوتی ہے' ان کے دل پر اس کا وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہم خدا کے ارادے کو پورا کررہے ہیں اور وسوسہ آ کیونکر سکتا ہے جبکہ ان کو پہلے سے خدا کے ارادے کی ذرا بھی خبر نہیں ہوتی' نہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے پس ان کو کیا منہ ہے؟ جو اپنی برأت کے لئے یہ حجت نکال سکیں کہ ہم نے تو خدا کے ارادے کو پورا کیا تھا۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سناوہ فرماتے تھے کہ حاکم سایہ ہے اور رعیت جسم ہے' اگر جسم ٹیڑھا ہوگا اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اگر بدن سیدھا ہوگا اس کا سایہ بھی سیدھا ہوگا' پس ٹیڑھے حاکم کو ہمیشہ رعیت کے اعمال صالحہ ہی سیدھا کرسکتی ہیں یہاں تک کہ وہ نیزے کی طرح بالکل سیدھا ہو جائے گا (اس میں ذرا بھی کجی نہ رہے گی) اور سیدھے حاکم کو ہمیشہ رعیت کے بدکار اور فاسق اور نافرمانوں ہی کے اعمال بد ٹیڑھا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ کانٹے کی طرح (یادرندوں کے ناخنوں کی طرح) ٹیڑھا ہو جاتا ہے' پس جو کوئی ہم سے اپنے حاکم یا اس کے ماتحتوں کی بے انصافی کی شکایت کرتا ہے اس سے ہم کو اس شکایت کرنے والے ہی کا ٹیڑھا پن معلوم ہوتا ہے (ضرور اس نے بھی خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی ہوگی جس کی وجہ سے خدا نے حاکم کو اس کے حق میں ٹیڑھا کردیا)۔

اور عزیز من! یہ بات تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ آج کل ایسے زمانہ میں ہیں جو کہ علامات قیامت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے (اس زمانہ میں ہر شخص کو گناہوں سے بچناد شوار ہورہا ہے اور جس قدر قیامت قریب ہوتی جائے گی اسی قدر گناہوں کی کثرت ہوگی) پس عقل مند آدمی جس طرح اپنے آپ کو معذور سمجھتا ہے' اسی طرح دل میں اپنے حاکم کو بھی معذور سمجھتا ہے اور اس کے افعال پر نرمی سے انکار کرتا ہے سختی نہیں کرتا' کیونکہ (وہ جانتا ہے کہ) حاکم کا ظلم انہی اعمال کی سزا ہے جو مخلوق سے صادر ہورہے ہیں' جن کو خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں اور بندوں نے (دل سے) بھلا دیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "**وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر**"(۱)

(۱) الشوریٰ ر ۳۰

جو کچھ مصیبت (۱) تم کو پیش آتی ہے یہ انہی اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں کیئے ہیں اور حق تعالیٰ بہت سے گناہوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

(۸۴) جب کوئی دوست قید ہو جائے اس کی ملاقات کو زیادہ نہ جائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی ہمارا دوست وغیرہ قید ہو جائے تو اس کے بھائیوں اور دوستوں کو حکم کریں کہ قید خانہ میں اس کے ملاقات وزیارت کو بہت زیادہ نہ جایا کریں' نہ وہاں اس کے لئے بہت کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں' بلکہ اگر ہم کو قدرت ہو تو ان کو اس کی ملاقات سے بالکل روک دیں اور ہر دن سوائے ایک سوکھی روٹی کے زیادہ کچھ نہ بھیجنے دیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قیدی پر جس قدر زیادہ تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اسی قدر قید کی مدت کم ہو جاتی ہے (تو جس قدر اس کو قید خانہ میں تکلیف پہنچے پہنچنے دیں) یہاں تک کہ ایک دن اس کے اوپر ایک مہینہ یا سال بھر کے برابر ہو جائے' کیونکہ قید (۲) بھی ایک سزا ہے تو جتنا اس کا نفس ذلیل ہوگا اتنا ہی جلدی وہاں سے) نکلنے کا مستحق ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) یہاں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ مصیبت تو نیک بندوں پر بھی آتی ہے تو کیا ان کو بھی گناہوں کی سزا ملتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نیک بندوں پر مصیبت کبھی نہیں آتی' کیونکہ مصیبت وہ ہے جس سے دل کو پریشانی لاحق ہو' اولیاء اللہ تکلیف میں بھی شاداں وفرحاں رہتے ہیں ان کے جسم کو تو تکلیف ہوتی ہے' مگر روح کو تازگی رہتی ہے' وہ تو زبان حال سے یوں کہتے رہتے ہیں۔ ؎

درد از یار ست درماں نیز ہم ☆ دل فدائے او شد و جاں نیز ہم (۳)

پس اہل اللہ پر مصیبت کی صورت آتی ہے حقیقت میں وہ مصیبت نہیں ہوتی اور اگر کبھی نیک بندوں کو مصیبت سے پریشان دیکھا جائے تو سمجھیں گے کہ ان سے بھی کوئی خطا ہوئی ہوگی' جس کی یہ سزا ملی ہے' کیونکہ آخر وہ بھی بشر ہیں اپنے مرتبہ کے لحاظ سے کبھی ان سے بھی خطا ہو جاتی ہے' پس معیار یہ ٹھیرا کہ جس کو مصیبت سے پریشانی اور دل کی بے چینی لاحق ہو اس کے حق میں وہ سزا ہے اور اگر دل پریشان نہ ہو تو اس کے لئے وہ نعمت ہے اور درجے بلند کرنے کے لئے بھیجی گئی ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) یہی حکم حالت قبض کا ہے' جتنا شدید قبض ہوگا اتنا ہی جلدی زائل ہوگا اور بسط بھی قوی حاصل ہوگا' پس قبض کی حالت میں سالک کو کام میں لگا رہنا چاہئے اور پریشانی کم کرنے کی تدبیریں نہ کرے' البتہ توبہ و استغفار کثرت سے کرتا رہے تاکہ نفس کی ذلت کامل ہو جائے۔ ۱۲ مترجم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۸۵) ٹیکس ادا کرنے میں جلدی کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے شہر کے اوپر کوئی تاوان یا ظالمانہ ٹیکس ڈالا جائے تو اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اس کے ادا کرنے میں ہم بھی جلدی کریں اور اس ظالم حاکم کے پاس کسی رئیس یا عالم و بزرگ کی سفارش نہ لے جائیں (تاکہ اس طریقہ سے اپنے اوپر سے اس تاوان و ٹیکس کو ٹالنا چاہیں) پھر اگر وہ ظالم خود ہی (ہمارا روپیہ) واپس کر دے اور ہم کو (اس تاوان و ٹیکس سے) آزاد کر دے تو یہ ہمارے واسطے حق تعالیٰ کی حمایت و حفاظت ہوگی اور اگر وہ لے کر دھر لے تو اس وقت مخلوق کی نگاہوں میں ہماری (عزت اور) پردہ پوشی ہوگی (کیونکہ نہ دینے کی صورت میں ممکن تھا کہ ہمارے اوپر سختی کی جاتی اور خواہ مخواہ ذلت پیش آتی) اور جو شخص درویشوں کی جماعت میں ہونے کا دعویٰ کرے اس کو ایسے وقت میں دوسروں سے زیادہ جوانمردی (اور سخاوت) کرنا چاہئے اور کسی مانگنے والے کو (خالی) واپس نہ کرنا چاہئے اگرچہ سوال کرنے والا کوئی ظالم ہی کیوں نہ ہو (اس کی درخواست کو بھی رد نہ کرے اور وہ جو کچھ تاوان یا ٹیکس مانگے فوراً دیدے۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ (۱) کا یہی طریقہ تھا، وہ ہمیشہ معمولی آدمیوں کی طرح سب تاوان اور ٹیکس دیدیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے حق تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں فرماتے جو اپنے بھائیوں سے ممتاز ہو کر رہے (کہ دوسرے تو ٹیکس وغیرہ ادا کریں اور یہ اپنی عزت و وجاہت کی وجہ سے بچا رہے) اور یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اس صورت میں جو کچھ اس ظالم کو دیا جائے گا اس کے حق میں وہ مال حرام ہوگا، تو فقیر اور درویش کو یہ کب مناسب ہے کہ لوگوں کو حرام مال دے (بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس کو اس حرام سے بچانا چاہئے) اس کا جواب یہ ہے کہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (۳) تکلیف دوست کی طرف سے ہے اور دوا بھی، دل اس پر فدا ہے اور جان بھی۔ م

(۱) بات یہ ہے کہ جہاں ٹیکس وغیرہ نہ دینے سے ذلت و بے حرمتی کا اندیشہ ہو وہاں تو دیدینا ہی اچھا ہے اور جہاں ذلت وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں بھی مقتدا اور پیشوا کو تو دیدینا ہی چاہئے مگر خوشدلی سے دینا چاہئے تاکہ مانگنے والے کو حرام مال کا گناہ نہ ہو۔ دیدینے میں یہ نفع ہے کہ اگر دوسرے وقت اس کو نصیحت کی جائے گی تو اثر زیادہ ہوگا اور اگر رعایت و سفارش سے تم نے اپنے کو بچالیا پھر اس کو نصیحت کی اس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ظالم جو کچھ وصول کرتا ہے یا آئندہ کرے گا وہ مال اس کے حق میں اسی وقت (۱) حرام ہوگا جب کہ دینے والا ناخوشی سے دے اور اگر درویش خوشی ہی سے اس کو دیدیتا ہو جب تو حرمت نہ ہوگی (تو علی خواص رحمۃ اللہ علیہ طیب نفس اور خوش دلی کے ساتھ سب تاوان ادا کر دیتے تھے اس لئے یہ اشکال لازم نہیں آتا)۔

الحمد للہ کہ الدر المنضود کا حصہ اول ختم ہوا۔

"وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ کمایجب ویرضی ربنا امین"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صورت میں نصیحت کا اثر نہ ہوگا۔ خوب سمجھ جاؤ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

(۱) سبحان اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ظالموں کا سوال بھی رد نہ کیا جاتا تھا اور باوجود یہ کہ جو تاوان اور ٹیکس وہ مانگتے تھے صریح ظلم اور کھلی زیادتی ہوتی تھی اور اس طرح مانگنا ان کو یقیناً ناجائز تھا، مگر اللہ والے ان کو بھی خوشی سے دیدیا کرتے تھے اور دل میں اس کا بار نہ آنے دیتے تھے تاکہ مانگنے والا حرام مال نہ کھائے۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ ظالموں کو تو خوشی سے کون دیتا غریب محتاجوں کو بھی خوشی سے نہیں دیا جاتا، اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی مدرسہ یا انجمن کے جلسہ میں کوئی چندہ دیتا ہے تو محض شرم یا دباؤ اور دوسروں کے لحاظ سے دیتا ہے، خوشی سے دینے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے بعض علماء چندہ کو برا سمجھتے ہیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ خوشی اور اخلاص سے دینی کاموں میں کوئی روپیہ صرف کرے اکثر لحاظ اور دباؤ سے دیتے ہیں اور بعض چندہ وصول کرنے والے بھی بہت بے جا طریقہ استعمال کرتے ہیں جس سے خواہ مخواہ بھی دینے والے ناگواری کے ساتھ دیتے ہیں، یاد رکھو! کسی مسلمان کا مال جب تک کہ وہ خوش ہو کر نہ دے لینا حلال نہیں "لایحل مال امرء مسلم الابطیب نفسٍ منہ" (۲) مگر یہ نوبت یہاں تک اس لئے پہنچی کہ ہم نے خوشی سے دینا چھوڑ دیا، اس لئے اب وہ لوگ دباؤ اور شرم دلا کر وصول کرنے لگے۔

اور بالخصوص اکثر علماء تو کسی کو کچھ دیتے ہی نہیں نہ خوشی سے نہ بلا خوشی کے یہ تو صدقہ اور خیرات سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے ہیں، کوئی ان سے پوچھے کہ اگر تم صدقات اور خیرات سے مستغنی ہو تو ان غریبوں سے کس لئے چندہ لے لیتے ہو جو تم سے بھی زیادہ غریب اور دو آنہ روز کماتے ہیں اور یہ حدیث کیا دوسروں ہی کے واسطے ہے "اتقوا النار ولو بشق تمرۃ" (۳) کہ جہنم کی آگ سے بچو چاہے چھوارے کا ٹکڑا ہی دیدیا کرو، تو کیا علماء کے پاس صدقہ خیرات کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا، اگر زیادہ نہ دیں کچھ تو دے دیا کریں، صدقہ اور خیرات کے ثواب سے کیوں محروم رہتے ہیں؟ یاد رکھو بخل بہت برا مرض ہے (بقیہ آگے)

اس سے بچنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

(۱) کنز العمال ج ۱/ ۳۹۷، و مشکوٰۃ ص ۲۵۵ باب الغصب والعاریۃ۔ مرتب

(۲) مسلم ج ۱/ ۶۸، مسند احمد بن حنبل ج ۴/ ۲۵۶ و ۲۵۸ و کنز العمال ج ۶/ ۸ ۱۵۹۳، ۱۶۰۸۹۔ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ الدر المنضود حصہ اول

اس ضمیمہ میں دو مضمون ہیں۔

اول ان احادیث[1] کا حوالہ اور تخریج جو اس کتاب میں مذکور ہوئی ہیں

(عہد ا) فی الحدیث الصحیح "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ" حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص خدا کے لئے تواضع (اختیار) کرے حق تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرمائیں گے اس حدیث کو ان الفاظ سے ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے کذا فی العزیزی اور مسلم نے عفو و تواضع کے

(۱) احادیث کی شان بہت زیادہ قابل اہتمام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بدون تحقیق کے کسی بات کا منسوب کردینا جائز نہیں۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ تو خود بڑے محدث ہیں، مگر صوفیہ کے کلام میں ضعیف احادیث بکثرت پائی جاتی ہیں، اس لئے احقر نے اس کا اہتمام کیا کہ اس کتاب میں جس قدر احادیث مذکور ہوئی ہیں ان کا حوالہ بیان کردیا جاوے اور صحت و ضعف پر جہاں تک اطلاع ہوجائے تنبیہ کردی جائے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مجھ کو یہ خیال اور اہتمام بھی مکرمی مولانا سید احمد حسن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم کی برکت سے پیدا ہوا اور اس کام میں مولانا ممدوح سے بہت کچھ مدد ملی، بلکہ حصہ اول کی اکثر احادیث کی تخریج مولانا ہی نے تتبع اور تلاش کرکے فرمائی۔ حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو خدمت احادیث کی توفیق دے۔ انشاء اللہ آئندہ حصص میں ہر حدیث کی بابت ساتھ ساتھ تنبیہ کردی جائے گی۔ یہ امر بھی قابل اطلاع ہے کہ صحابہ اور تابعین کے اقوال کی تخریج کا اہتمام نہیں ہوسکا اور جو احادیث اپنی نظر سے نہیں گزریں وہاں لکھ دیا گیا کہ مجھ کو یہ حدیث نہیں ملی۔ ناظرین میں سے کسی کو مل جائے تو اطلاع فرما کر مشکور فرمائیں۔ والسلام مترجم۔

باب میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے **"ما تواضع احد لله الا رفعه الله"۔**

لا یدخل الجنة من فی قلبه مثقال ذرة من کبر (جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا) مسلم نے عبداللہ بن مسعود سے بایں الفاظ روایت کی ہے **لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر، کذا فی المشکوة۔**

عہد اول کے حاشیہ میں ہے کہ حدیث میں ہے کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے اور کان سے بھی اور دل سے بھی الخ۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم وغیرہما نے بایں الفاظ مرفوعاً روایت کیا ہے **"کتب علی ابن آدم نصیبه من الزنا مدرک ذلک لا محالة، العینان زناهما النظر، والاذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الکلام، والید زناها البطش، والرجل زناها الخطا، والقلب یهوی ویتمنی، ویصدق ذلک الفرج أو یکذبه، زاد فی روایة المسلم وغیره: والفم یزنی وزناه القبل"** (ترجمہ) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کے زنا کا ایک حصہ لکھا ہوا ہے جو اس کو لامحالہ پہنچ کر رہتا ہے، آنکھوں کا زنا (نامحرم کو) دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا فحش (بات کا) سننا ہے اور زبان کا زنا (فحش کلام) کہنا ہے اور ہاتھ کا زنا (نامحرم کو) پکڑنا ہے اور پیر کا زنا (حرام جگہ) قدم اٹھانا ہے اور دل خواہش و تمنا کرتا ہے (یہ دل کا زنا ہے) اور شرمگاہ اس خواہش کو سچا یا جھوٹا کر دکھلاتی ہے (یہ تو سب سے بڑا زنا ہے) مسلم وغیرہ کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ منہ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا بوسہ لینا ہے کذا فی العہود المحمدیہ۔

(عہد ۴) علامہ فرماتے ہیں کہ آیات و احادیث میں اس کا امر وارد ہے کہ ہم حکام کی حفاظت کیا کریں اور دل سے ان کا خیال رکھیں الخ آیت تو یہ ہے ﴿**واطیعوا الله والرسول واولی الامر منکم**﴾ (النساء/۵۹) خدا تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی اور مسلمان حکام کی دل سے تابعداری کرو۔ احادیث یہ ہیں **"روی الشیخان وغیرهما مرفوعاً انصر اخاک ظالماً او مظلوماً فقال رجل یا رسول الله انصره اذا کان مظلوماً افرأیت ان کان ظالماً کیف انصره قال تحجزه او قال تمنعه من الظلم فان ذلک نصره** (بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مظلوم کی تو میں مدد کر سکتا ہوں یہ بتلایئے کہ ظالم کی مدد کیونکر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔

وروی مسلم والنسائی مرفوعاً "الدین النصیحة قلنا لمن یا رسول الله. قال لله ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم (مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی (کا نام) ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور رسول کی اور مسلمان حاکموں کی اور عام مسلمانوں کی۔

وروی الطبرانی مرفوعاً من لا یهتم بامر المسلمین فلیس منهم ومن لا یصبح ویمسی ناصحاً لله ولرسوله ولکتابه ولامامه ولعامة المسلمین فلیس منهم۔ طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی حالت کی فکر نہ رکھے وہ مسلمان نہیں اور جو شخص صبح و شام خدا و رسول و کتاب کی اور اپنے حاکم و امام کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں نہ رہے وہ بھی مسلمانوں میں داخل نہیں۔

(عہد ۵) وفی الحدیث فی الامر بتسویة الصفوف ولینوا فی ید اخوانکم اھ اور حدیث میں جہاں صف برابر کرنے کا حکم ہے وہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے مرفوعاً ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے "سووا صفوفکم وحاذوا بین مناکبکم ولینوا فی ایدی اخوانکم" ورجاله موثقون کما فی مجمع الزوائد۔ صفوں کو برابر کرو اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اھ اسکے راوی سب ثقہ ہیں۔

(عہد ۸) "والکذب یجوز لمصلحة" اور مصلحت کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے یہ اشارہ ہے ایک حدیث کی طرف جس کو نسائی کے سوا سب اہل متن نے روایت کیا ہے "عن ام کلثوم بنت عقبة رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول لیس بالکذوب الذی یصلح بین اثنین ویقول خیرا وینمی خیرا وفی روایة مسلم

قالت ولم اسمعه یرخص فی شیء مما یقول الناس کذب الا فی ثلث الحرب والاصلاح بین الناس وحدیث الرجل امرأته وحدیث المرأة زوجها" وہ شخص جھوٹا نہیں جو دو آدمیوں میں صلح کرادے اور اچھی بات کہہ دے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے) اچھی بات پہونچادے (یعنی جھوٹ موٹ کہہ دے کہ فلاں شخص تیری تعریف کرتا تھا اور تجھے اچھا کہتا تھا تاکہ اس طرح سے دوسرے کے دل میں سے عداوت نکل جائے یہ جھوٹ جائز ہے)۔

"عن اسماء بنت یزید رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ یا ایها الناس ما یحملکم علی ان یتابعوا علی الکذب کتتابع الفراش فی النار الکذب کله حرام الا فی ثلث خصال رجل کذب امرأته لیرضیها، ورجل کذب فی الحرب فان الحرب خدعة، ورجل کذب بین مسلمین لیصلح بینهما" اخرجه الترمذی کذا فی التیسیر۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا کہ جھوٹ پر ایسے گرے پڑتے ہو جیسا کہ پروانہ آگ میں گرتا ہے (یاد رکھو!) جھوٹ بالکل حرام ہے بجز تین صورتوں کے ایک یہ کہ کوئی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے جھوٹ بول دے۔ دوسرے یہ کہ لڑائی میں جھوٹ بول دے، کیونکہ لڑائی چال کرنے ہی (کا نام) ہے۔ تیسرے یہ کہ دو مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کے لئے جھوٹ بول دے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صریح جھوٹ ان میں بھی جائز نہیں اور حدیث میں جھوٹ سے مراد توریہ ہے جس کو سننے والے جھوٹ سمجھیں، مگر اس کی نیت میں دوسرے معنی صحیح ہوں۔

(عہد ۹) "کل راع مسئول عن رعیته" ہر نگہبان (ذمہ دار) سے اس کے ماتحت کے بابت سوال ہوگا۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو شیخین وغیرہما نے بایں الفاظ روایت کیا ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته" ہر شخص تمہارے میں سے کسی نہ کسی کا نگہبان (اور ذمہ دار) ہے اور ہر نگہبان سے اس کے ماتحت کے بابت سوال ہوگا۔

(عہد ۱۱) "لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من اهله وولده والناس اجمعین" تمہارے میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو

اہل وعیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس حدیث کو شیخین اور امام احمد اور نسائی وابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بایں الفاظ روایت کیا ہے "لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین" کذا فی کنز العمال۔

(عہد۱۳) "حق ما اخذتم علیه اجراً کتاب الله" جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان سب میں قرآن اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کو بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بعض روایات سے قرآن پر اجرت لینے کی ممانعت[1] معلوم ہوتی ہے۔ "عن ابی سعید وصححه الحاکم رفعه تعلموا القرآن واسئلوا الله به قبل ان یتعلم قوم لیسألون به الدنیا، کذا فی الفتح. قرآن کو سیکھو اور خدا تعالیٰ سے اس کے ذریعہ مانگو قبل ازیں کہ ایک جماعت ایسی آوے جو قرآن کو اس لئے سیکھیں گے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کا سوال کریں۔ "اخرج احمد وابو یعلی من حدیث عبد الرحمن بن شبل رفعه "اقرؤا القرآن ولا تغلوا فیه ولا تجفوا عنه ولا تاکلوا به الخ وسنده قوی کذا فی الفتح" حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اس سے بے پروائی بھی نہ کرو اور نہ اس کے ذریعہ سے کھاؤ۔

(عہد۱۴) "قوله ﷺ لما اهدی له حکیم بن حزام قبل اسلامه هدیة نحن لا نقبل هدایا المشرکین" جب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم مشرکین کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے۔ حکیم بن حزام کی روایت مجھ کو نہیں ملی۔ البتہ ترمذی نے عیاض بن حمار سے بایں لفظ روایت کی ہے انه اهدی للنبی ﷺ هدیة او ناقةً فقال النبی ﷺ اسلمت فقال لا قال فانی نهیت عن زبد المشرکین اھ یعنی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی

(۱) تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا حسب فتوی متاخرین جائز ہے اور ممانعت کی روایات کو اس صورت پر حمل کرتے ہیں جب کہ مقصود قرآن سیکھنے سے محض دنیا ہی ہو اور اگر مقصود دین ہو، پھر کسی کو پڑھا کر تبعاً دنیا بھی مل جاوے تو جائز ہے۔

خدمت میں کوئی ہدیہ یا اونٹنی پیش کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو انہوں نے عرض کیا کہ نہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو مشرکین کے ہدیہ سے منع کیا گیا ہے وقال الترمذی حدیث حسن صحیح ۔

قبل ﷺ هدیة المقوقس ۔ حضور ﷺ نے مقوقس (شاہ اسکندریہ) کا ہدیہ قبول فرمایا اس واقعہ کو زیلعی نے واقدی سے مفصل نقل کیا ہے اور زادالمعاد و سیرۃ بن ہشام میں بھی مقوقس کا حضور ﷺ کی خدمت میں دو باندیاں ہدیۃً بھیجنا لکھا ہے جن میں ایک کا نام ماریہ قبطیہ تھا جو حضور ﷺ کی ام ولد ہیں جن سے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ پیدا ہوئے ۔ اور دوسرے کا نام سیرین تھا جو حضور ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دیدی تھی ۔

"جبلت القلوب علی حب من احسن الیها" احسان کرنے والے کی محبت فطری طور پر قلوب میں رکھی ہوئی ہے اس حدیث کو علامہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اربعین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔

(عہد ۱۶) چچا باپ کے مثل ہے الخ اس حدیث کو صحاح میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے "عم الرجل صنو ابیه" آدمی کا چچا اس کے باپ کے مثل ہے، لیکن اس وقت مجھ کو حوالہ نہیں ملا ۔

(عہد ۱۷) اور لوگوں کی آبرو میں پڑنے کا ادنی ضرر یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ اس شخص کے اعمال میں بااختیار ہو جائیں گے الخ ۔ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "ان رسول اللہ ﷺ قال اتدرون ما المفلس؟ قالوا المفلس فینا من لادرهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی بصلوة وصیام وزکوة ویاتی قدشتم هذا وقذف هذا و اکل مال هذا وسفک دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار اھ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو مفلس

اسے کہتے ہیں جس کے پاس نہ نقد ہو نہ سامان ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو (قیامت میں) نماز روزہ زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے گا، مگر کسی کو اس نے گالی دی تھی، کسی کو اتہام لگا دیا تھا، کسی کا مال کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، کسی کو پیٹا تھا۔ پس ان میں ہر ایک کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی، اگر حق ادا ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہ اس کے سر ڈالے جائیں گے، پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

(عہد ۲۱) **"ولما رعی رسول اللہ ﷺ الجمال والغنم لخدیجة فی ایام الجاھلیة ھو ورفیق له وکان یقول لرسول اللہ ﷺ طالب لنا خدیجة فیقول ﷺ انا استحیی اھـ"** جب نبوت سے پہلے حضور ﷺ اور آپ کے ایک رفیق حضرت خدیجہ کے اونٹ بکریاں چرایا کرتے تھے تو وہ ساتھی آپ سے عرض کرتے کہ خدیجہ سے (ہماری اجرت کا) مطالبہ کیجئے تو آپ ﷺ فرمادیا کرتے کہ مجھ کو تو شرم آتی ہے اھ اور یہ حدیث مجھ کو نہیں ملی باقی آپ ﷺ کا بکریاں چرانا صحاح میں موجود ہے۔

(عہد ۲۲) **ان اللہ من منذ خلق الدنیا لم ینظر الیھا** اھ اس حدیث کو حاکم نے اپنی تاریخ میں بسند ضعیف ان الفاظ سے روایت کیا ہے **ان اللہ تعالیٰ لم یخلق خلقا ھو ابغض الیه من الدنیا وما نظر الیھا منذ خلقھا بغضاً لھا اھـ کذا فی الجامع الصغیر** حق تعالیٰ نے دنیا سے زیادہ اپنے نزدیک مبغوض چیز کوئی پیدا نہیں کی اور جب سے اس کو پیدا کیا ہے بوجہ کراہت کے کبھی اس کی طرف (رضا کے ساتھ) نہیں دیکھا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

دنیا وہ ہے جو خدا سے انسان کو غافل کردے۔ **"وفی الحدیث ان الدنیا لا یزن عند اللہ جناح بعوضة"** اس حدیث کو ترمذی اور ضیاء نے بسند صحیح مرفوعاً بایں الفاظ روایت کیا ہے **"لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضة ما سقی کافرا منھا شربة ماء" کذا فی الجامع الصغیر**۔ اگر دنیا خدا کے نزدیک مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے اھ۔

"انا اعرفکم باللہ واخوفکم منہ" اس حدیث کو شیخین رحمہما اللہ نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے "انی لاعلمھم باللہ واشدھم لہ خشیۃ اھ" میں سب آدمیوں سے زیادہ خدا کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔

(عہد ۳۹) "صلوۃ مع الجماعۃ افضل من صلوۃ منفرداً بسبع وعشرین درجۃ اھ" اس حدیث کو شیخین نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بایں الفاظ روایت کیا ہے' قال رسول اللہ علیہ وسلم "صلوۃ الجماعۃ افضل من صلاۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ" کذا فی التیسیر اھ" جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے افضل ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے سویرے جانے کا ثواب اونٹ کی قربانی کے برابر ہے الخ اس حدیث کو مالک اور شیخین وغیرہما نے مرفوعاً بایں الفاظ روایت کیا ہے "کذا فی العھود المحمدیہ "من اغتسل یوم الجمعۃ غسل الجنابۃ ثم راح فی الساعۃ الاولیٰ فکانما قرب بدنۃ، ومن راح فی الساعۃ الثانیۃ فکانما قرب بقرۃً، ومن راح فی الساعۃ الثالثۃ فکانما قرب کبشا املح، ومن راح فی الساعۃ الرابعۃ فکانما قرب دجاجۃ، ومن راح فی الساعۃ الخامسۃ فکانما قرب بیضۃً فاذا خرج الامام حضرت الملائکۃ یستمعون الذکر اھ"۔

جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے جنابت کا غسل (یعنی جس طرح جنابت کے لئے مبالغہ کے ساتھ خوب پاک صاف ہوا کرتے ہیں اس طرح غسل کرے یا یہی مراد ہو کہ بیوی سے مجامعت کر کے غسل کرے تاکہ ظاہری صفائی کے ساتھ دل کی صفائی ہو جائے کہ شہوت نفسانی کو سکون ہو جائے) پھر پہلی ساعت میں نماز جمعہ کے لئے جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری ساعت میں جائے تو گویا اس نے بڑے سینگ والے دنبہ کی قربانی کی اور جو چوتھی ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی خیرات کی اور جو پانچویں ساعت میں جائے تو گویا اس نے ایک بیضہ خیرات کیا پھر جب امام (خطبے کے لئے) نکلتا ہے تو ملائکہ ذکر سننے کے لئے

حاضر ہو جاتے ہیں (یعنی اس کے بعد آنے والوں کا نام فضیلت میں نہیں لکھا جاتا، چنانچہ امام احمد وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے "حتی اذا خرج الامام رفعت الصحف" جب امام نکل آتا ہے اس وقت صحیفے (جن میں آنے والوں کے نام لکھے جاتے تھے) اٹھا لئے جاتے ہیں (یعنی طے کر دئے جاتے ہیں) اور یہ ساعات غالب یہ ہے کہ زوال کے بعد سے اعتبار کی جاتی ہے۔

جمعہ کا غسل واجب ہے یا مستحب اور دوسرے دنوں کے غسل سے افضل ہے یا نہیں اھ اس کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں "روی ابن ماجة باسنادٍ حسن ان هذا یوم عید جعله الله للمسلمین فمن جاء یوم الجمعة فلیغتسل وان کان طیب فلیمس منه وعلیکم بالسواک اھ" جمعہ کا دن خدا نے مسلمانوں کے لئے عید کا دن بنایا ہے جو کوئی جمعہ میں آوے اس کو چاہئے کہ غسل کرے اور اگر خوشبو (میسر) ہو تو لگا لے اور مسواک کو لازمی سمجھو اھ "وفی روایة للطبرانی ورواته ثقات ان الغسل یوم الجمعة لیسل الخطایا من اصول الشعر استلالاً کذا فی العهود اھ" جمعہ کے دن کا غسل گناہوں کو بالوں کی جڑوں میں سے بالکل نکال دیتا ہے "وروی مسلم وغیره مرفوعاً غسل الجمعة واجب علی کل محتلم" مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن نہانا ہر بالغ کے ذمہ واجب ہے، (علماء نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں جمعہ کو نہانا واجب تھا جب کہ مسلمانوں کے پاس کپڑے کم تھے اور پسینہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، پھر بعد میں مستحب یا سنت باقی رہا) "وروی ابن خزیمة فی صحیحه والطبرانی مرفوعاً من اغتسل یوم الجمعة کان فی طهارة الی الجمعة الاخریٰ اھ" جو کوئی جمعہ کے دن غسل کر لے وہ دوسرے جمعہ تک (گناہوں سے) پاک صاف رہے گا۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں تین شخصوں کا ذکر ہے الخ اس روایت کو شیخین اور ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے قال رسول الله ﷺ انطلق ثلثة نفر ممن کان قبلکم حتیٰ اواهم المبیت الی غار فدخلوا فیه، فانحدرت صخرة من الجبل فسدت علیهم الغار، فقالو انه لا ینجیکم من هذه

الصخرة الا ان تدعوا الله تعالیٰ بصالح اعمالکم، فقال احدهم اللهم انه کان لی ابو ان شیخان کبیر ان وکنت ارعی علیهما ولا اغبق قبلهما اهلا ولا مالاً وانه نأی بی طلب الشجر یوماً ولم ارح علیهما حتی ناما فحلبت لهما غبرقهما فوجدتهما قدنا ما فکرهت ان اغبق قبلهما اهلا ومالا وکرهت ان او قظهما والصبیة یتضاغون عند قدمی والقدح علی یدی انتظر استیقاظهما حتی برق الفجر اللهم ان کنت تعلم انی فعلت ذلک ابتغاء وجهک ففرج عنا ما نحن فیه هذه الصخرة فانفرجت شیئاً لا یستطیعون الخروج.

وقال الآخر اللهم انه کانت لی ابنة عم هی احب الناس الی فاردتها علی نفسها فامتنعت منی حتی المت، بها سنة من السنین فجاء تنی فاعطیتها مأته وعشرین دیناراً علی ان تخلی بینی وبین نفسها ففعلت حتیٰ اذا قدرت علیها قالت لایحل لک ان تفض الخاتم الا بحقه فتحرجت من الوقوع علیها فانصرفت عنها وهی احبُ الناس الیَّ وترکت الذهب. اللهم ان کنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فیه فانفجرت الصخرة غیر انهم لا یستطیعون الخروج.

فقال الثالث اللهم انی کنت استاجرت اجراء فاعطیتهم اجرهم غیر رجل واحد ترک اجره وذهب فشمرته له حتی کثرت منه الاموال فجاء نی بعد حین فقال یا عبد الله ادّالیّ اجری فقلت کل ما تری من البقر والغنم والابل والرقیق اجرک اذهب فاستقه فقال یا عبد الله لا تستهزء بی فقلت انی لا استهزأبک اذهب فاستقه فاخذه کله اللهم ان کنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فیه فانفرجت الصخرة فخرجوا یمشون اهـ کذا فی التیسیر".

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں تین شخص چلے جارہے تھے یہاں تک کہ خواب گاہ کے لئے ایک غار میں ٹھکانا لیا، اس میں داخل ہوئے تو ایک پتھر پہاڑ سے لڑھک کر آیا اور غار کا منہ بند کر دیا، انہوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر (کی مصیبت) سے تم کو نجات

اسی طرح ملے گی کہ تم اپنے نیک اعمال کے واسطے سے حق تعالیٰ سے دعا کرو، پس ایک نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ! میرے دو ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میں ان کی (خدمت) کے لئے جانور چرایا کرتا تھا اور ان سے پہلے کسی کو شام کا دودھ نہیں پلاتا تھا نہ اہل وعیال کو نہ کسی کو۔ ایک دن میں درختوں کی تلاش میں بہت دور نکل گیا اور شام کے وقت (معمول کے موافق) ان کے پاس نہ پہنچا حتیٰ کہ دونوں لیٹ گئے تو میں نے ان کے لئے شام کا دودھ دوہا (اور ان کے پاس لے گیا) تو ان کو سوتا ہوا پایا تو میں نے یہ ناگوار سمجھا کہ ان سے پہلے کسی کو پلاؤں اور یہ بھی ناگوار سمجھا کہ ان کو جگاؤں اور میرے بچے (بھوک کی وجہ سے) میرے پیروں میں (پڑے) چیخ رہے تھے اور پیالہ میرے ہاتھ پر تھا، میں ان کے جاگنے کا منتظر تھا حتیٰ کہ صبح نمودار ہوگئی۔ اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام آپ کی رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو ہم سے یہ مصیبت جو اس پتھر کی وجہ سے آئی ہے دور کر دیجئے۔ تو پتھر کچھ ہٹ گیا جس میں نکلنے کی گنجائش نہ تھی۔

دوسرے نے کہا کہ اے اللہ! میری ایک چچا کی بیٹی تھی جو سب سے زیادہ مجھ کو محبوب تھی، میں نے اس سے خواہش کی کہ مجھے اپنے اوپر قابو دیدے، اس نے مجھ سے انکار کیا یہاں تک کہ ایک سال اس کو قحط (کا صدمہ) پہنچا تو میرے پاس آئی، میں نے اس کو ایک سو بیس اشرفیاں اس شرط سے دیں کہ مجھے اپنے نفس پر قابو دیدے، اس نے منظور کیا حتیٰ کہ جب میں نے اس پر قابو پالیا تو وہ کہنے لگی کہ تجھ کو مہر کا توڑنا خلاف قاعدہ جائز نہیں تو میں نے اس پر گر پڑنے کو گناہ سمجھا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا حالانکہ مجھے وہ بہت ہی محبوب تھی اور اشرفیاں اسی کے پاس چھوڑ دیں۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے آپ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے تو جس بلا میں ہم گرفتار ہیں اس کو دور کر دیجئے تو پتھر کچھ اور ہٹ گیا، مگر اب بھی نہ نکل سکتے تھے۔

تیسرے نے کہا کہ اے اللہ! میں نے چند آدمیوں کو مزدوری پر رکھا تھا، پھر میں نے سب کو ان کو مزدوری ادا کر دی بجز ایک شخص کے جس نے اس کے لینے سے انکار کیا اور اپنا حق چھوڑ کر چل دیا تو میں نے اس کے حق (میں کاشت کرنی شروع کی اور اس کو بڑھایا) حتیٰ کہ

اس سے (بڑھتے بڑھتے) بہت مال ہوگیا۔ پھر وہ ایک زمانہ کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بندۂ خدا میری مزدوری ادا کردے۔ میں نے اس سے کہا جس قدر گائے، بکریاں اور اونٹ اور غلام تو دیکھ رہا ہے یہ تیری مزدوری ہے جا ان سب کو ہانک لیجا۔ وہ کہنے لگا کہ خدا کے بندے مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا تو ان سب کو لیجا، پھر اس نے وہ سب لے لئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام آپ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے تو ہم سے اس بلا کو دور کردے جس میں ہم گرفتار ہیں تو پتھر (بالکل) ہٹ گیا اور وہ سب نکل کر چلتے ہوئے اھ۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "**اذا أصابهم المطر فاوا والی غار الخ**" کہ ان لوگوں کو بارش کا سامنا ہوا تو ایک غار میں پناہ لی اور اسی روایت میں کاشت اور زراعت کرنے کا بھی ذکر ہے "**وانی عملت الی ذلک الفرق فزرعته الخ کذا فی الترغیب**" اس حدیث سے اخلاص کی برکت معلوم ہوتی ہے، نیز یہ کہ اپنے خالص عمل کے واسطے سے دعا کرنا مصیبت کو ہٹا دیتا ہے۔

(عہد ۴۰) قرآن حق تعالیٰ کے سامنے سعادت یا بدبختی کی شہادت دیگا الخ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو صحیح ابن حبان میں جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "**القرآن شافع ومشفع وما حل مصدق من جعله امامة قاده الی الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقطه الی النار کذا فی الترغیب**" قرآن شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جاوے گی اور وہ (اہل قرآن) کے لئے کوشش اور خصومت کرنے والا اور تصدیق کرنے والا ہے جو اس کو اپنا امام بنادے گا اس کو جنت میں پہنچادے گا اور جو اس کو پس پست ڈال دے گا اس کو دوزخ میں گرادے گا۔

(عہد ۴۱) تکبر میں ادنی بات یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفات کو چھیننا چاہتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے الخ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ابوداؤد وابن ماجہ نے اور ابن حبان رحمہم اللہ نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "**قال اللہ تعالیٰ الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما**"

قذفته الی النار" حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکبر اور عظمت میری رداء اور ازار ہیں جو کوئی ان کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ اور طبرانی نے ایک مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے "من تکبر قصمه الله" جو تکبر کرے گا حق تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے اھ۔ کذا فی الترغیب۔

(عہد ۴۶) "والله تعالیٰ یحب من عباده الذی ان غاب لم یفتقد واذا حضر لایوبه له" یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ابن ماجہ اور حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے "ان الله یحب الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین ان غابوا لم یفتقدوا وان حضروا لم یعرفوا قال الحاکم صحیح ولا علة له کذا فی الترغیب" حق تعالیٰ نیک متقی چھپے ہوئے لوگوں کو چاہتے ہیں جو اگر غائب ہوں تو کوئی ان کی تلاش نہ کرے، حاضر ہوں تو کوئی پہچانے بھی نہیں۔

(عہد ۴۷) من صلی الصبح فی جماعة فهو فی ذمة الله جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی وہ اللہ کی پناہ میں ہے۔ اس کو طبرانی اور ابن ماجہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ورجاله رجال الصحیح کذا فی الترغیب.

وفی قصة یعقوب علیه السلام یقول الله تعالیٰ انی لم احبّ من خلقی شیئا حبی الیتامیٰ والمساکین الخ رواه الحاکم والبیهقی والا صبهانی واللفظ له وقال الحاکم کذا فی سماعی حفص بن عمر بن الزبیر واظن الزبیر وهما وانه حفص بن عمر بن عبد الله بن ابی طلحة فان کان کذلک فالحدیث صحیح اهـ کذا فی الترغیب . حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مخلوق میں سے کسی کو اس قدر نہیں چاہتا جس قدر یتامی اور مساکین کو چاہتا ہوں۔

(عہد ۵۵) ملائکہ جنبی سے دور رہتے ہیں الخ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے اور ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے "عن علی کرم الله وجهه عن النبی ﷺ لا تدخل الملائکة بیتاً فیه صورة ولا کلب ولا جنبٌ" فرشتے اس گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں تصویر ہو یا کتا ہو یا کوئی جنبی ہو۔ کذا فی الترغیب.

(۲) حضور ﷺ بعض دفعہ بدون غسل جنابت کے بھی سو رہے الخ مسلم نے عبداللہ بن قیس سے روایت کیا "قال سألت عائشة رضی اللہ عنها عن وتر رسول اللہ ﷺ فذکر الحدیث قلت کیف کان یصنع فی الجنابة اکان یغتسل قبل ان ینام ام ینام قبل ان یغتسل قالت کل ذلک قدکان یفعل ربما یغتسل فنام وربما توضأ فنام الحدیث" میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے وتر کے بابت سوال کیا پھر پوری حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ حالت جنابت میں کیا کرتے تھے آیا سونے سے پہلے غسل کرتے تھے یا نہانے سے پہلے سو رہتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہر طرح کرتے تھے، بعض دفعہ غسل کر کے سو رہے اور بعض دفعہ (بدون غسل کے صرف) وضو کر کے سو رہے الخ حالت جنابت میں بدون وضو یا تیمم کے سو رہنا مکروہ ہے اور غسل کر کے سونا افضل ہے۔

(عہد ۵۷) شاید تم عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھول گئے ہوگے "حب الدنیا رأس کل خطیئة الخ بیہقی نے اس حدیث کو انہی الفاظ سے اسناد حسن کے ساتھ حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ کذا فی المقاصد باقی عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہونا میری نظر سے نہیں گذرا وفی الترغیب عن حذیفة رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ الخمر جماع الاثم والنساء حبائل الشیطان وحب الدنیا رأس کل خطیة ذکره رزین ولم اره فی شیء من اصوله۔

(۲) "یحشر المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل" انسان اپنے دوست کے دین پر قیامت میں اٹھے گا پس ہر شخص دیکھ لیا کرے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے الخ اس حدیث کو ابوداؤد وترمذی وغیرہ نے اس طرح روایت کیا ہے ہے "المرء علی دین خلیله الخ ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے اور اس معنی میں ایک حدیث متواتر بھی ہے "المرء مع من احب" انسان جس کے ساتھ محبت کرے اسی کے ساتھ ہوگا۔

(عہد ۶۰) ان راتوں میں حق تعالیٰ کا تجلی فرمانا حدیثوں میں وارد ہے الخ وہ حدیثیں

یہ ہیں "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعنی فاستجیب لہ، من یسألنی فاعطیہ، من یغفر نی فاغفر لہ" متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم ثم یبسط یدیہ ویقول من یقرض غیر عدوم ولا ظلوم حتی ینفجر الفجر" حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پروردگار جل وعلا ہر رات کو جب کہ پچھلا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں (اور اہل دنیا پر تجلی اور رحمت فرماتے ہیں) اور یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے کون دعا کرتا ہے تاکہ میں بخش دوں (متفق علیہ حدیث ہے اور مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر اپنے ہاتھ کھول دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کون قرض دیتا ہے ایسے (مالک) کو جو نہ تو نادار ہے نہ کمی کرنے والا ہے۔ فجر طلوع ہونے تک (یہی فرماتے رہتے ہیں)۔

"وروی الترمذی مرفوعاً وقال حدیث حسن صحیح غریب اسنادا اقرب ما یکون الربُّ من العبد فی جوف اللیل الآخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن" حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب بندہ کو رات کے آخری حصہ میں نصیب ہوتا ہے، پس اگر تم اس وقت خدا کی یاد کرنے والوں میں ہوسکو تو ہو جاؤ۔

"وروی مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً ان فی اللیل ساعۃ لا یوافقھا رجل مسلم یسأل اللہ فیھا خیراً من امر الدنیا والآخرۃ الا اعطاہ ایاہ" حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں مسلمان بندہ حق تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی جو بھلائی مانگے حق تعالیٰ ضرور اس کو عطا کر دیتے ہیں اھ۔

جب ہر رات کی یہ فضیلت ہے تو جن راتوں کی زیادہ خصوصیت ہے ان میں زیادہ تجلی اور زیادہ قرب ہونا خود سمجھ میں آ سکتا ہے۔ جمعہ کی رات میں تمام رات تجلی ہونا صراحۃً تو کسی حدیث سے مجھ کو معلوم نہیں ہوا البتہ اشارۃً ضرور معلوم ہوتا ہے۔

"روی البیھقی عن انس مرفوعاً قال وکان ﷺ یقول لیلۃ الجمعۃ لیلۃ

اغر ویوم الجمعة یوم ازہر" کذا فی المشکوٰۃ"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات بہت روشن رات ہے اور جمعہ کا دن بہت شاندار دن ہے۔ "وروی الطبرانی فی الکبیر عن ابی عبیدة عن ابیه "قال سارعوا الی الجمعة فان الله یبرز الی اهل الجنة فی کل یوم جمعة فی کثیب کافور فیکونوا منه فی القرب علی قدر تسارعهم" الحدیث کذا فی الترغیب وابو عبیدة لم یسمع من ابیه وقال بعضهم سمع منه اهـ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کی (نماز کی) طرف جلدی کیا کرو کیونکہ حق تعالیٰ جنتیوں پر ہر جمعہ کے دن کافور کے ٹیلہ پر تجلی فرمایا کریں گے تو حق تعالیٰ کا قرب ان کو اسی قدر نصیب ہوگا جتنی وہ جمعہ کی نماز میں سبقت کرتے ہونگے "روی عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان یوم الجمعة ولیلة الجمعة اربعة وعشرین ساعة لیس فیها ساعة الا ولله فیها ستمائة عتیق من النار" الحدیث رواه ابو یعلی والبیهقی باختصار کذا فی الترغیب۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات اور دن کے چوبیس گھنٹے ہیں اس کی ہر ساعت میں حق تعالیٰ چھ سو آدمی جہنم سے آزاد کرتے ہیں۔

اور شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں بہت احادیث وارد ہیں ایک حدیث یہ ہے "یطلع الله الی جمیع خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الالمشرک او مشاحن" رواه الطبرانی وابن حبان فی صحیحه کذا فی الترغیب۔ حق تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات میں تمام مخلوق پر نظر فرماتے ہیں، پھر تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتے ہیں بجز مشرک اور کینہ (اور دشمنی) رکھنے والے کے اھ۔

اور شب قدر کی تجلی کے بارے میں یہ حدیثیں ہیں رواه البیهقی وقال الحافظ المنذری حدیث حسن مرفوع "ینادی مناد من السماء کل لیلة یعنی من شهر رمضان الی انفجار الفجر یا باغی الخیرتمم وابشر، ویا باغی الشر اقصر وابصر هل من مستغفر فیغفر له، هل من تائب یتاب علیه، هل من داع یستجاب له، هل من سائل یعطی سؤله" الحدیث۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کی ہر رات میں صبح طلوع ہونے تک آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب تو کام پورا کرتا رہ اور خوش رہ اور اے بدی کے طالب بس کر اور آنکھیں کھول۔ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی درخواست منظور کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے اھ۔ جب رمضان کی ہر رات میں صبح تک تجلی رہتی ہے تو شب قدر کا کیا کہنا۔

بیہقی اور نسائی کی روایت میں ہے **فیه لیلة خیر من الف شهر من حرم خیرها فقد حرم الخیر کله اھ کذا فی العهود۔** رمضان میں ایک رات ہزار مہینے سے افضل ہے (یعنی شب قدر) جو اس کی خیر (برکت) سے محروم رہا وہ ساری بھلائی سے محروم رہا اھ

"روی البیهقی مرفوعاً اذا کان لیلة القدر نزل جبریل فی کبکبة من الملائکة یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر الله عزوجل" الحدیث کذا فی المشکوة۔ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کے لشکر کے ساتھ اترتے ہیں اور جو شخص کھڑا یا بیٹھا خدا کو یاد کر رہا ہو اس پر (سکینہ و) رحمت وغیرہ نازل کرتے ہیں۔

اور عیدین کی رات کے بارے میں یہ حدیثیں ہیں **"روی الطبرانی فی الاوسط والکبیر مرفوعاً من احیی لیلة الفطر ولیلة الاضحی لم یمت قلبه یوم تموت القلوب" کذا فی الترغیب۔** جو عید الفطر و عید الاضحیٰ کی رات کو (خدا کی یاد میں) بیدار رہا اس کا دل اس روز نہ مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے **"وروی الترمذی فی روایة مرفوعاً صیام کل یوم منها تعدل بصیام سنة وقیام کل لیلة منها بقیام لیلة القدر۔ کذا فی التیسیر۔** عشرہ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔

(عہد ۶۲) **قوله ﷺ المؤمنون کالجسد الواحد الخ** سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اس حدیث کو شیخین نے بایں الفاظ روایت کیا ہے **"مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر**

البدن بالسهر والحمى اهـ كذا فى التيسير۔ مسلمانوں کی مثال دوستی اور رحمت وشفقت میں ایک بدن کی مانند ہے کہ جب اس میں سے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوجاتا ہے "وروى احمد ومسلم المؤمنون كرجل واحد ان اشتكى رأسه اشتكى كله وان اشتكى عينه اشتكى كله اهـ" سب مسلمان ایک تن واحد کی مثل ہیں کہ اگر سر میں تکلیف ہوتو سارے بدن میں تکلیف ہوتی ہے، اگر آنکھ میں تکلیف ہوتو سارے بدن کو تکلیف ہوتی ہے۔

(عہد ۶۴) المهاجر لا يرفع له الى السماء عمل" مسلمانوں سے قطع تعلق کرنے والے کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں پہنچتا اھ یہ مضمون ایک حدیث کا ہے جس کو ابن ماجہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے "عن ابن عباس رضى الله عنهما عن رسول الله ﷺ قال ثلثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤسهم شبراً رجل ام قوماً وهم له كارهون وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط واخوان متصارمان اهـ كذا فى الترغيب.

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز سر سے اوپر ایک بالشت بھی نہیں بلند ہوتی ایک وہ شخص جو کسی قوم کی اس حالت میں امامت کرے کہ وہ اس سے ناراض ہوں (یعنی وہ اس کو امام بنانا نہیں چاہتے، یہ زبردستی امام بنا ہوا ہے بشرطیکہ ان کی ناراضی کسی شرعی وجہ سے ہو) دوسرے وہ عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ تیسرے وہ دو مسلمان جو آپس میں قطع تعلق کئے ہوئے ہوں۔

(عہد ۶۷)"احثوا فى وجوه المداحين التراب" تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی جھونک دو اھ۔ رواه الترمذى وغيره باسنادٍ حسن كذا فى العزيزى۔

(عہد ۷۰) شارع علیہ السلام نے اس چیز کے لینے سے منع کیا ہے جو انتظار نفس کے بعد آئے اھ۔ روى احمد باسناد صحيح "من بلغه عن اخيه معروف من غير مسئلة ولا اشراف نفس فليقبله ولا يرده اهـ" حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اپنے کسی بھائی سے بدون سوال اور بغیر انتظار نفس کے کوئی احسان پہنچے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے رد نہ

کرنا چاہئے۔

(عہد ۷۶)"یا عبد الرحمن بن سمرة لا تسئل الامارة فانک ان اعطیتها من غیر مسئلة اعنت علیها وان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها اھ" اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! حکومت وغیرہ خود نہ مانگو کیونکہ اگر تم کو بدون مانگے مل گئی تو اس میں تمہاری اعانت کی جائے گی اور اگر مانگے سے ملی تو تم کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا (اور امداد کچھ نہ ہوگی) اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ کذافی الترغیب۔

(عہد ۷۷) چغلخور بدترین مخلوق ہے الخ روی احمد باسناد حسن "شرار عباد الله المشاؤن بالنمیمة" بدترین مخلوق چغلی کھانے والے ہیں۔ امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

"قوله ﷺ لا تبلغونی عن اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر" رواه ابوداؤد وسکت عنه. حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے اصحاب کی کوئی بات نہ پہنچایا کرو، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف دل ہو کر آیا کروں اھ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر سکوت کیا۔

(عہد ۷۹) حدیث میں ہے کہ برا ولیمہ وہ ہے جس میں اغنیاء کو بلایا جائے اور فقیروں کو چھوڑ دیا جائے الخ اس حدیث کو شیخین نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "قال رسول الله ﷺ شر الطعام طعام الولیمة یدعی لها الاغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله" متفق علیه کذا فی المشکوٰة۔

(عہد ۸۰) لا تتخذوا قبری عیداً میری قبر کو عید مت بناؤ اس حدیث کو نسائی نے بایں الفاظ روایت کیا ہے "لا تتخذوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم" میری قبر کو عید مت بناؤ اور میرے اوپر درود بھیجتے رہو کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے چاہے تم کہیں ہو۔

"لا تتخذوا قبور انبیائکم مساجد" اس حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہے "لعن الله

الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد" خدا یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(عہد ۸۵) "**اتقوا النار ولو بشق تمرۃٍ**" جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ ایک چھوارے کا ٹکڑا ہی خیرات کردو۔ یہ حدیث متواتر ہے یعنی یقیناً صحیح ہے۔ شیخین وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے۔

(مضمون دوم)

یہ حدیثیں لکھنے کے بعد جی چاہا کہ اپنی اجازت حدیث جو کہ اعلیٰ حضرت سیدی ومرشدی المحدث الفقیہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ کو حاصل ہوئی ہے اس کتاب کے اخیر میں ملحق کروں تاکہ وہ محفوظ بھی ہوجائے اور کتاب کے لئے باعث برکت ہو۔

اجازت حدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد فخر الاولين والآخرين وعلى آله واصحابه وازواجه واولياء ه اجمعين. اما بعد، فيقول المفتقر الى رحمته به القوى خليل احمد بن الشاه مجيد على الانصارى الايوبى الانبهتوى عفى الله عنه أن أخى فى الله مولانا الشيخ ظفر احمد العثمانى الديوبندى ثم التهانوى قرأ على شيئا من أوائل الكتب الصحاح الستة فى جماعة، وسمع منى نبذاً من المسلسلات لشاه ولى الله المحدث قدس سره، وطلب منى إجازتها، وقد حصل لى القراء ة والسماع لجميع كتب الحديث وغيرها أولاً على شيخى وأستاذى الحبر الكامل والبحر الفاضل الفائق بأنواره على النيرين الشمس والقمر مولانا الشيخ محمد مظهر النانوتوى الصديقى رحمه الله رحمة واسعة، ثم قرأت بعض الصحاح أعنى الجامع الصحيح للبخارى والشمائل للترمذى والمسلسلات للشيخ ولى الله قدس سره ومسند الجنّ المسمى بالنوادر والدر الثمين كلاهما له، وأوراقاً معدودةً من صحيح الإمام مسلم وشيئا من مسند الدارمى على مولانا الشيخ عبد القيوم بن مولانا الشيخ عبد الحى المرحوم البوفالى ثم البدهانوى رحمهما الله برحمة من عنده، فحصل لى منه الإجازة العامة سنة ألف ومائتين وثلاث وتسعين من الهجرة النبوية على صاحبها أفضل الصلاة وأزكى التحية، وذلك حين إقامتى فى بوفال على خدمة التدريس بالمدرسة السليمانية.

ثم لما تشرفت بخير بلاد الله مكة المشرفة زادها الله كرامة ونوراً وزرت البيت الحرام أول مرة سنة ألف ومائتين وثلاث وتسعين، حصل لی هناک إجازة عامة من مولانا الشيخ السيد أحمد بن زينی دحلان المکی، مفتی السادة الشافعية بمكة المحمية، ثم لما اكتحلت بغبار طيبة، وتشرفت بزيارة خير البقاع روضة سيد المرسلين صلاة الله وسلامه عليه إلى يوم الدين، وحضرت عتبة مولانا الشيخ عبد الغنی الدهلوی المجددی المهاجر المدنی رحمه الله تعالیٰ، قرأت عليه من أوائل الكتب الستة، فأجازنی بإجازة عامة سنة ألف ومائتين وأربع وتسعين ۱۲۹۴.

ولی إجازة عامة من مولانا الشيخ السيد أحمد البرزنجی، مفتی السادة الشافعية بالمدينة النبوية سابقا، أجازنی بها سنة ألف وثلاث مائة وتسع وعشرين. وفی هذه السنة حصلت لی إجازة عامة من مولانا الشيخ بدر الدين المحدث الشامی مراسلةً، فأجزت الأخ المذكور كما أجازنی مشائخی الأعلام بكل ما يجوز لی روايته ودرايته من كتب الحديث الصحاح الستة والموطأئين للإمامين الهمامين الإمام مالک بن أنس الأصبحی والإمام محمد بن الحسن الشيبانی، ومسند الدارمی والمسلسلات للشيخ ولی الله المحدث الدهلوی والمسلسل بإجابة الدعاء فی الملتزم خاصة وغيرها من كتب الحديث والتفسير والفقه والأصول والمنقول والمعقول إجازة عامة، وأجيزه أن يجيز غيره ممن تأهل لهذا الفن الشريف بالشرائط المعتبرة عند علماء هذا الشان، وأوصيه بتقوى الله فی السر والاعلان، وأن يجتنب عن الأمور المحدثة فی الدين، وعن طلب الدنيا ولذاته، وأن لا ينسانی فی دعواته الصالحة، وصلى الله تعالى على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه وبارک وسلم.

حرّره العبد الأثيم خليل أحمد عفا الله عنه، شوال سنة ۱۳۳۲هـ.

ہم سے عہد لیا گیا

الدر المنضود

ترجمہ

البحر المورود فی المواثیق والعہود

حصہ دوم

تالیف

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ

ترجمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب قدس سرہ

ترتیب و پیشکش

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

ناشر

ادارہ اسلامیات کراچی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الدر المنضود ترجمة البحر المورود

الملقب به وصیت مشائخ

حصہ دوم

(۸۶) جو کوئی قرب خداوندی کا دعویٰ کرے اور علامات موجود ہوں تو ہم اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کوئی قرب خداوندی کا دعوی کرے ہم اس کے دعوے کو تسلیم کر لیا کریں (انکار کے درپے نہ ہوں) بشرطیکہ اس میں قرب الٰہی کی علامات ظاہر بھی ہوں اور وہ علامات یہ ہیں کہ اس میں خدا تعالٰی سے خوف و خشیت ہو، خالق اور مخلوق سے حیا کرتا ہو اور اپنے آپ کو ہر اک ہم نشین سے کم سمجھتا ہو اور عام مسلمانوں سے اس طرح باتیں کرتا ہو جیسا کسی بڑے [1] بادشاہ سے گفتگو کر رہا ہے اور

---

(۱) یہ علامت جو علامہ نے بیان فرمائی ہے، یہ خاص آپ کا ذوق ہے، آپ کے اوپر مسکنت اور تواضع کا بہت زیادہ غلبہ معلوم ہوتا ہے، عارف کامل کے لئے متواضع ہونا تو ضروری ہے، مگر یہ ضرور نہیں کہ تواضع کا اثر بات چیت میں بھی ہر ایک کو معلوم ہو جایا کرے، تواضع کا اصلی محل قلب ہے یعنی دل میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے جب اس کا بہت غلبہ ہو جاتا ہے تو بات چیت سے بھی معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بہت ہی ذلیل سمجھتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تواضع دل ہی میں رہتی ہے، اقوال و افعال سے ہر ایک کو اس کا پتہ نہیں چلتا، چنانچہ جو صوفیہ کرام اہل ارشاد و صاحب سیاست و انتظام ہوتے ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

باتیں کرتے ہوئے مخاطب پر آواز بلند نہ کرتا ہو اور اس کے مثل بہت سی علامات ہیں۔ پس اگر ہم اس کو ان علامات کے خلاف پائیں تو ظاہر میں اس کے دعوے کو رد کردیں اور باطن میں (اب بھی) تسلیم کرتے رہیں (کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی طبیعت میں اخفاء بہت زیادہ ہو اس لئے ہم کو علامات سے اس کی حالت کا پتہ نہ چلا ہو، چنانچہ صوفیہ میں ایک فرقہ ملامتی کہلاتا ہے، وہ اپنی حالت کو بہت چھپاتے ہیں، ظاہری علامات سے ان کو کوئی بزرگ نہیں کہہ سکتا، مگر پاس رہنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعی وہ کس درجہ اور کس مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے)۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے سناوہ فرماتے تھے کہ مقربان الٰہی کے آداب میں ہزار ادب تو اصل الاصول ہیں اور ان کی فروع بہت زیادہ ہیں۔

اور عزیز من! یہ بات جان لینی چاہئے کہ صوفیہ کرام جہاں کہیں قرب کا لفظ بولتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ دل سے اس بات کا مشاہدہ ہو جائے کہ میں حق تعالیٰ شانہ کے سامنے ہوں (بس قرب خداوندی کے یہی معنی ہے، جب دل میں یہ مشاہدہ[1] پختہ ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس بندہ کو اپنا بنا لیتے ہیں) اور جس وقت

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ان کی حالت کا ہر ایک کو پتہ نہیں چلتا، عام لوگ ان کی سیاست وانتظام کو دیکھ کر تکبر کا شبہ کرنے لگتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ تکبر سے پاک ہوتے ہیں اور طالب کی اصلاح کے لئے سیاست اور سختی اختیار کرتے ہیں۔ ۱۲مترجم

(۱) اور یہی مرتبہ حصول نسبت کے نام سے مشہور ہے جس کو اصلاح میں درجہ تکمیل کہتے ہیں۔ سالکین اسی کے لئے کوششیں کرتے ہیں، اس کے بعد احکام شرعیہ پر استقامت نصیب ہو جاتی ہے، پھر وہ طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں جس سے رضاالٰہی جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہو جاتی ہے، اس کے بعد اور بہت سے مراتب ہیں جن کی کوئی حد وانتہا نہیں، کثرت ذکر اور اجتناب معاصی سے نسبت کو قوت اور دن بدن ترقی ہوتی رہتی ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست ☆ ہر چہ بروے می روی بروے مایست[2]

(۲) اے بھائی: یہ بارگاہ لامتناہی ہے۔ اگر تم یہاں سے گزرو تو بس چلتے رہو۔ ۱۲مرتب

کوئی دل اس مشاہدہ سے خالی ہوتا ہے وہ اس وقت شیاطین کے دربار میں ہوتا ہے، کیونکہ اس عالم میں دو ہی دربار ہیں (ایک دربار خدا، دوسرا دربار شیطان) جب ان میں سے کسی ایک میں داخل ہوگا دوسرے سے نکل جائے گا اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ نماز اور خارج نماز (کہ انسان ان دو حالتوں سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا یا تو نماز میں ہوگا یا نماز سے باہر ہوگا، نماز پڑھتے ہوئے نماز سے خارج نہیں ہوتا اور نماز سے باہر ہو کر نماز میں نہیں ہوتا، اسی طرح دربار خدا میں ہوتے ہوئے شیطان کے دربار میں نہیں ہوتا اور شیطان کے دربار میں ہوتے ہوئے خدا کے دربار میں نہیں ہوتا۔

اور خدا کے دربار میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس بات کا مشاہدہ کرتا رہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں، جب اس مشاہدہ سے غافل ہوگا وہ اس وقت خدا کے دربار میں نہیں، بلکہ شیطان کے دربار میں ہے، اسی لئے حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں نے امت محمدیہ کے گناہوں میں غور کیا تو غفلت سے بڑا کوئی گناہ نہیں پایا" اھ کیونکہ غفلت کے وقت انسان شیاطین کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے، پھر اس سے جو گناہ بھی سرزد ہو جائے کچھ بعید نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جب غفلت سے بڑا کوئی گناہ نہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور حق سے بڑی کوئی طاعت نہیں، حضور حق نصیب ہو جائے تو ساری طاعات اور تمام اعمال آئینہ کی طرح سامنے ہو جاتے اور سہل ہو جاتے ہیں) پس گویا کہ حق تعالیٰ شانہ شیطان اور اس کے لشکروں سے فرماتے رہتے ہیں کہ جو کوئی میرے دربار سے باہر ہو جائے تم اس کے پیچھے لگ جاؤ چنانچہ ارشاد ہے ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم في الاموال والاولاد وعدهم وما يعدهم الشيطان الاغرورا، ان عبادی ليس لك عليهم سلطان، وكفى بربك وكيلا﴾ (بنی اسرائیل / ۶۴، ۶۵) اور ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے (یعنی اغواء و وسوسہ سے) اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا (مراد شیاطین کا لشکر ہے کہ سب مل کر گمراہ کرنے میں خوب زور

لگا دیں) اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدہ کرنا اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ میرے خاص بندوں پر (جو مجھ تک پہنچ جائیں) تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کافی کارساز ہے (معلوم ہوا کہ شیطان کا قابو اسی پر چلتا ہے جو خدا کے دربار سے باہر ہو اور جو دربار قرب میں داخل ہو جاتا ہے اس پر شیطان کا قابو نہیں چل سکتا)۔

اور میں نے بعض غیبی خدائی آوازوں میں سوتے ہوئے سنا ہے (گویا حق تعالیٰ فرما رہے ہیں) کہ جو کوئی میرے دربار سے باہر ہوتا ہے میں اس پر اپنے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہوں، پس دربار الٰہی سے نکلنے والا اپنے ہی نفس کو ملامت کرے (شیطان کو الزام نہ دے، کیونکہ اس نے خود ہی دشمن کو اپنے اوپر قابو دیا پھر دوسروں کو کیوں الزام دیتا ہے)۔

دربار الٰہی کے کوچوں میں کوئی کوچہ ایسا نہیں جس کے دروازے پر ایک شیطان بیٹھا ہوا نہیں جو ہر وقت اس کا منتظر رہتا ہے کہ ان میں سے کوئی خدا کی مرضی کے خلاف ذرا قدم باہر نکالے تو میں اس پر اس طرح سوار ہو جاؤں جیسا کہ انسان گدھے پر سوار ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے اور جس طرف چاہے اس کو پھیر دیتا ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مباح بھی دربار خداوندی میں داخل ہے (اور جو شخص جائز کاموں میں مشغول ہے وہ دربار الٰہی سے باہر نہیں) مگر مباح کام میں مشغول ہونا شیطان سے اتنا نہیں بچا سکتا جتنا کہ فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات وغیرہ میں مشغول ہونا اس سے بچا سکتا ہے جو کہ مباح سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور اس کی وجہ کہ مباحات انسان کو شیطان سے زیادہ دور نہیں کر سکتے یہ ہے کہ رضاء الٰہی کے تمام مراتب میں مباح کا درجہ سب سے ادنیٰ ہے اس کے بعد وہی چیزیں ہیں جن کا بندہ سے سرزد ہونا خدا کو پسند نہیں۔ پس مباح گویا ان کاموں کا دروازہ ہے جن کا بندہ سے صادر ہونا حق تعالیٰ نہیں چاہتے (تو جو شخص دروازہ سے گذر کر اندر پہنچے گا وہ تو دشمن سے بالکل محفوظ ہو گیا اور جو دروازہ ہی پر کھڑا رہا وہ دشمن سے پوری طرح محفوظ نہیں اگر

ذرا بھی ایک قدم باہر ہوا تو دشمن کے پنجہ میں گرفتار ہو جائے گا) کیونکہ (ظاہر ہے کہ) دروازہ سے باہر ہو جانا بھی دربار سے نکل جانا ہے اس کے بعد یہی درجہ ہے اور کچھ نہیں۔ خوب سمجھ لو (اور ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ اکثر اوقات واجبات یا مستحبات میں مشغول رہا کرو، کیونکہ ان میں اگر سستی ہو گی تو مباح کی طرف اترو گے جب بھی معصیت سے بچے رہو گے اور خدا سے دور نہ ہو گے اور اگر مباحات ہی میں مشغول رہے تو ان میں ذرا سی سستی کرنے سے معصیت کی طرف آجاؤ گے اور دربار الٰہی سے نکل جاؤ گے (واللہ یتولیٰ ھداك)۔

(۸۷) اپنی طبعی صفات بشریہ کے مشاہدہ سے غافل نہ رہا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنی طبعی صفات بشریہ کے مشاہدہ سے غافل نہ رہا کریں (بلکہ ہمیشہ ان میں تامل اور غور کرتے رہیں) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وفی انفسکم افلا تبصرون﴾ (الذریٰت/۲۱) کہ خود تمہاری ذات میں (دلائل قدرت و توحید خداوندی) موجود ہیں، پھر تم ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ اور جو شخص اس مقام میں پختہ ہو جائے اس سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ سوا شرک کے کسی اچھی یا بری صفت سے بھی جو اس کی طرف منسوب کی جائے اپنی براءت کرنے لگے (اور اپنے آپ کو پاک صاف سمجھے، بلکہ وہ ہر برے سے برے کام میں اپنے مبتلا ہو جانے کو ممکن خیال کرے گا) کیونکہ ہر شخص میں ان تمام صفات کی قابلیت موجود ہے جو کہ تمام عالم میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ؎

اتحسب انك جزء صغير
وفيك انطوى العالم الاكبر

کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو ایک ذرا سا جسم ہے حالانکہ تیرے اندر تمام عالم اکبر سمایا ہوا ہے (اور دنیا بھر کی تمام صفات اچھی اور بری تیرے اندر موجود ہیں کیونکہ) جب ایک طینت کی خمیر میں وہ تمام چیزیں ملائی جائیں جو کہ تمام عالم وجود میں (پھیلی ہوئی)

ہیں خواہ وہ جواہر ہوں یا اعراض یہاں تک کہ (سب مل ملا کر) ایک (جسم و) روح بن جائے پھر اس کو متفرق کر دیا جائے اور اس کے جس قدر چھوٹے سے چھوٹے اجزاء عقلاً ہو سکتے ہیں بنائے جائیں تو عقل یہی فیصلہ کرے گی کہ اس کے ہر ہر جزو میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو تمام اجزاء میں متفرق طور پر پھیلی ہوئی ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام کے سوا تمام بنی آدم کی طینت کا یہی حال ہے (کہ ان کی طبیعت میں تمام عالم کی خاصیتیں موجود ہیں کیونکہ انسان کے اندر وجود بھی ہے جس میں تمام عالم کا یہ شریک ہے، جسمیت بھی ہے جس میں جمادات کے ساتھ شریک ہے، نشوونما بھی ہے جس میں نباتات کا شریک ہے، جان اور حس و حرکت بھی ہے جن میں تمام حیوانات کا ساتھی ہے، اربعہ عناصر اس کے اندر مجتمع ہیں جس سے آگ، پانی، ہوا اور مٹی اور تمام صفات اس کے اندر جمع ہیں، اس کو عقل و ادراک بھلے برے کی تمیز بھی ہے جس میں جنات اور ملائکہ کے مشابہ ہے۔ غرض اس میں حیوانات اور جنات اور فرشتوں کی، بلکہ تمام عالم کی طبائع موجود ہیں، پھر ان کی صفات اس میں کیوں نہ ہوں گی)۔

اور (ہر چند کہ انبیاء علیہم السلام کی طینت بھی دوسرے انسانوں کی طرح بنائی گئی ہے، مگر حق تعالیٰ نے ان کی طبیعتوں میں سے برائی کا مادہ نکال دیا ہے) اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام ہر برائی میں مبتلا ہونے سے معصوم ہوگئے، کیونکہ حق تعالیٰ نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ ان کی طینت اور طبیعت کو خدا تعالیٰ نے اپنی عنایت سے پاک صاف کر دیا ہے اور ان کی تمام صفات کو اچھا ہی بنایا ہے (کہ ان میں برائی نام کو بھی نہیں)۔

باقی انبیاء علیہم السلام کے سوا جتنے بھی ہیں سب اپنی اصلی حالت پر ہیں (کہ ان کے خمیر میں تمام عالم کی صفات رکھی ہوئی ہیں، اچھی بھی اور بری بھی) اور جو باتیں پیدائش کے وقت سے فطری ہوں ان کا بدون ذات کے معدوم ہوئے زائل ہو جانا محال ہے (جب تک انسان کی ذات ہے تمام اچھی بری صفات کی قابلیت بھی اس میں ضرور رہے گی) لیکن جب تک کہ خدا کی عنایت بندہ کے شامل حال ہے اس وقت تک

تمام صفات حمیدہ اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور بری صفات سب کی سب یا بعض معطل اور بیکار پڑی رہتی ہیں کہ ان کو کام میں نہیں لایا جاتا (اور اگر خدا تعالیٰ کی عنایت بندہ کو گھیرے ہوئے نہ ہو تو اس وقت بری صفات کا استعمال ہونے لگتا ہے اور صفات حمیدہ بیکار ہو جاتی ہیں (ان کا اثر ظاہر نہیں ہوتا) اسی لئے بعض دفعہ تم نیک آدمی کو بخیل اور بزدل پاؤ گے اور تمہارے دل پر اس کا بوجھ معلوم ہوگا کہ تم کو اپنے اندر اس کا اعتقاد وغیرہ کچھ نہ معلوم ہوگا اور کبھی معاملہ اس کے برعکس دیکھو گے (کہ اس سے اعتقاد بھی ہوگا، محبت بھی ہوگی اور تمام خوبیاں اس کے اندر نظر آئیں گی)۔

پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انسان کے اندر تمام صفات اس طرح چھپی ہوئی ہیں جیسا کہ گٹھلی میں کھجور کا درخت پوشیدہ ہوتا ہے تو بزرگی کے مرتبہ پر پہونچ جانے کے بعد اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا۔ پس (اس تقریر سے) معلوم ہو گیا کہ ولی محفوظ ہو کر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسی وقت تک ملحق (اور جب ہی تک ان کے مشابہ) رہتا ہے جب تک کہ وہ (گناہوں سے) محفوظ رہے[1] اس وقت لوگ اس سے

---

(۱) صوفیہ کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح ولی بھی ایک مقام پر پہنچ کر گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، مگر دونوں کی حفاظت میں فرق بہت بڑا ہے۔ نبی سے گناہوں کا سرزد ہونا عادۃً محال ہو جاتا ہے اور ولی سے عادۃً بھی محال نہیں ہوتا، البتہ ایک خاص مقام پر پہنچ کر دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا کہ نبی سے گناہوں کا سرزد ہونا ایسا محال ہے جیسا کہ عقلمند آدمی سے پیشاب پاخانہ کا کھانا پینا۔ ان کو طبعاً گناہوں سے ایسی ہی نفرت ہوتی ہے جیسا کہ ہم کو پیشاب پینے یا پاخانہ کھانے سے ہے۔ ان کو قصداً گناہ کی طرف کبھی میلان نہیں ہوتا اور ولی کو گناہوں سے ایسی نفرت ہوتی ہے جیسا کہ مریض کو مٹھائی وغیرہ سے کہ طبیعت کو تو میلان ہوتا ہے، مگر چونکہ طبیب نے منع کر دیا ہے اور مضر بتلایا ہے اس لئے جرأت نہیں کرتا اور اس سے بچتا ہے، مگر چونکہ طبیعت میں میلان اور تقاضا موجود ہے، اس لئے اگر کبھی ہمت سے کام نہ لیا تو غلطی کر بیٹھے گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

امداد کے طالب ہوں گے اور یوں کہیں گے کہ حضور ذرا ہمارے حال پر توجہ کیجئے اور ہم کو فیض پہونچایئے اور اگر عنایت خداوندی اس کے شامل حال نہ ہو تو صفات حمیدہ سب معطل ہو جائیں گی اور بری صفات کو حرکت ہو گی، پھر اسی شخص کے بارے میں لوگ یوں کہنے لگیں گے کہ خدا اس کی شر سے پناہ میں رکھے اور اس سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں، کیونکہ اب وہ محفوظ نہیں رہا۔

اس تحقیق کو خوب سمجھ لو یہ بہت نفیس بات ہے اور ہمیشہ جتنی برائی کی باتیں تمہاری طرف منسوب کی جائیں سب کو مان لیا کرو اگرچہ تمہارے اوپر اس حقیقت کا انکشاف بھی نہ ہو کیونکہ اگر ابھی تک تم کسی برائی میں مبتلا نہیں ہوئے ہو تب بھی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ولی کو مرتے دم تک مجاہدہ کی ضرورت رہتی ہے، لیکن مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں ایسا فرق ہے جیسا کہ غیر شائستہ اور شائستہ گھوڑے میں، گھوڑا شائستہ ہونے کے بعد بھی کبھی شوخی شرارت کیا کرتا ہے، مگر ذرا سے ایڑ کے اشارہ میں سیدھا ہو جاتا ہے اور غیر شائستہ گھوڑا جب شرارت پر آتا ہے تو کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ یہی فرق ہوتا ہے مبتدی اور منتہی میں، منتہی کے نفس کو بھی معصیت کی طرف میلان کبھی ہوتا ہے، مگر تھوڑی سی ہمت اور توجہ سے سیدھا ہو جاتا ہے اور مبتدی کو بہت دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ مجاہدہ سے امراض باطنیہ کا قلع قمع نہیں ہوتا، اس میں بہت سے مشائخ بھی غلطی میں مبتلا ہیں، بلکہ مجاہدہ سے امراض میں ضعف اور اضمحلال ہو جاتا ہے بالکل قلع قمع انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ولی سے کبھی گناہ ہو جاتے ہیں نبی سے نہیں ہو سکتے۔ پس مجاہدہ کی تکمیل کے بعد کوئی یہ نہ سمجھے کہ اب میں گناہ سے بچ گیا۔ مجاہدہ کی تھوڑی بہت ضرورت اب بھی رہے گی اور ساری عمر رہے گی ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش[1]

حضرت حکیم الامت کی اس تحقیق کی علامہ کے کلام سے پوری تائید ہوتی ہے۔ ۱۲ مترجم

(۱) اس راستہ میں اپنے آپ کو تراشتا اور چھیلتا رہ اور آخری لمحہ تک ایک سانس کیلئے بھی غافل مت ہو۔ ۱۲ مرتب

اندیشہ مبتلا ہونے کا ضرور ہے تم ہر وقت اس کے قابل ہو اور (اسی وجہ سے) بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی کی نسبت قطعی جنتی ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، ہاں اگر کسی کی نسبت کوئی نبی ہی شہادت دیدے وہ البتہ مستثنیٰ ہے (اس کو یقیناً جنتی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ حضرات صحابہ عموماً اور عشرۂ مبشرہ خصوصاً) باقی ان کے سوا کسی دوسرے کی نسبت جب تک کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں نہ پہونچ جائیں ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ کسی گناہ سے بالکل محفوظ ہو گیا (اس سے پہلے کیسے خبر ہے کہ وہ کیا سے کیا ہو جائے) ﴿یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب﴾ (الرعد/۳۰) خدا تعالیٰ جو چاہیں لکھ دیں جو چاہیں مٹادیں اور انہی کے پاس اصل کتاب ہے (تقدیر کی کسی کو کچھ خبر نہیں) ہاں اگر حق تعالیٰ کسی (ولی) کو کسی کے خاتمہ کی یا اور کسی حالت کی ایسے طریقہ سے اطلاع دیدیں جس میں تغیر اور تبدل کا احتمال نہ رہے تو اس میں اس وقت کلام نہیں۔ اور خدا تعالیٰ [1] تم کو ہدایت کرے۔

---

(۱) الہام اور کشف دوسروں کے حق میں ظنی ہوتا ہے، مگر صاحب کشف کے حق میں قطعی ہوتا ہے۔ اگر کسی کو کشف صحیح سے کوئی بات معلوم ہو جائے اس پر یقین کرنا اس کو جائز ہے، چنانچہ جو لوگ خضر علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے، بلکہ ولی کامل کہتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے اپنے کشف سے اس معصوم بچے کا جس کا قصہ قرآن میں ہے۔

آئندہ چل کر کافر ہونا معلوم کیا تھا اس لئے اس کو قتل کرنا آپ کے لئے جائز تھا۔

لیکن اس پر ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ خضر علیہ السلام کیا اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ اپنے کشف سے کسی بات کا یقین کر کے اس کے موافق عمل کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ شریعت میں کشف کی وجہ سے قتل وغیرہ جائز نہیں اور یقیناً اس وقت خضر علیہ السلام شریعت محمدیہ کے پابند ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا ولی ہوں۔

اس کا جواب حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان امور میں بمنزلہ ید قدرت کے ہوتے ہیں جیسا کہ ملائکہ علیہم السلام کی شان ہے وہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرتے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۸۸)اپنے پر خوشی کی ضیافتوں اور ولادت کی تقریبات میں جانے کا دروازہ نہ کھولیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں اپنے اوپر خوشی کی ضیافتوں اور ولادت کی تقریبوں میں جانے کا دروازہ نہ کھولیں، البتہ اگر کسی بڑے ولی کامل کے ایصال ثواب کے واسطے (دعوت) ہو یا کسی مسکین غریب کی دلداری کے لئے (تقریب ولادت وغیرہ میں) جایا جائے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہاں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو) اور اولیاء کاملین میں سے امام شافعی اور امام لیث اور ذوالنون مصری اور سیدی احمد بدوی اور سیدی ابراہیم دسوقی وغیرہ رحمہم اللہ ہیں، کیونکہ یہ لوگ برکت وجود عالم ہیں، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ واللہ واسع علیم۔

(۸۹)نذر و منت اور تعزیت میت کا کھانا نہ کھایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ نذر و منت کا، تعزیت میت کا کھانا نہ کھایا کریں اور نہ تیسویں [۱] اور ساتویں کا (کھانا کھائیں) حتیٰ کہ دفن وغیرہ کے وقت اگر کوئی شخص لوگوں کو پانی پلاتا پھرے اس سے پانی بھی (لیکر) نہ پئیں۔ اسی طرح ختنہ اور شادی کی تقریب کا اور بڑی بڑی دعوتوں کا کھانا جو محفلوں میں (کھلایا جاتا) ہے۔ علی ہذا ان ضیافتوں کا کھانا جن میں عادۃً تکلف ہوتا ہے نہ کھائیں، البتہ کسی شرعی مصلحت سے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ان امور میں وہ مجبور محض ہوتے ہیں اور مجبوری کی حالت میں تکالیف شرعیہ باقی نہیں رہتیں اور اس کی دلیل قرآن میں بھی موجود ہے ﴿وما فعلته عن امری﴾ (الکھف ر ۸۲) کہ میں نے اپنے اختیار سے کچھ نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔ ۱۲مترجم

(۱) یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس زمانہ میں میت کا چالیسواں اور دسواں ہوتا ہے اس زمانہ میں تیسواں اور ساتواں ہوتا تھا کہ ایک ہفتے اور ایک مہینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے واسطے کھانا پکاتے تھے، چونکہ اس میں خلاف شرع باتیں ہوتی تھیں اس لئے منع کیا گیا۔ ۱۲مترجم

کھانے کو نہ کھانے پر ترجیح ہو جائے (تو مضائقہ نہیں مثلاً کسی کے یہاں فاقہ ہو، کھانے کو کچھ پاس نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے ان کھانوں کی اجازت ہے۔ اب ان سب کی ممانعت کی وجہ بتلاتے ہیں)۔

رہا نذر و منت کا کھانا تو (اس سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ) شارع علیہ السلام نے نذر کی مذمت بیان فرمائی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے "ان النذر لا یقدم شیئا ولا یوخرہ وانما یستخرج بہ من البخیل" حقیقت یہ ہے کہ نذر و منت کسی (مقدر) چیز کو مقدم و مؤخر نہیں کر سکتی، بلکہ صرف اس ذریعہ سے حق تعالیٰ بخیل کا کچھ مال نکال دیتے ہیں (اس حدیث کو انہی الفاظ سے بخاری و مسلم وغیرہ سب نے بجز ترمذی کے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کذا فی التیسیر)۔

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ جس چیز کی انسان نذر کرتا ہے، اگر اس کی عظمت اس کے دل میں نہ ہوتی تو اس کو اپنے ذمہ لازم نہ کرتا (مگر وہ اس لئے اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے) کہ مبادا کبھی نفس اس سے ہٹ نہ جائے (مثلاً بیماری وغیرہ میں نذر کر لیتے ہیں کہ صحت ہو جائے تو اتنا غلہ یا روپیہ خیرات کرینگے تو یہ نذر اسی واسطے کی جاتی ہے کہ اس قدر غلہ یا روپیہ گھر سے نکالنا نفس کو گراں ہوتا ہے اور وہ اس میں پس و پیش کرتا ہے تو نذر کے ذریعہ سے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں تاکہ نفس مجبور ہو کر خرچ ہی کر دے) اور یہ صفت بخیل کی ہوتی ہے اور بخیل کا کھانا بیماری (پیدا کرتا) ہے (اس لئے نذر و منت کا کھانا نہ کھانا چاہئے)۔

رہا تعزیت کا کھانا اور جو اس کے بعد ذکر کئے گئے ہیں تو (اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ) تعزیت اور ساتویں اور تیسویں کے کھانوں میں لوگوں کی باتوں (اور طعن و تشنیع) کے خوف سے اکثر توسع کیا جاتا ہے (کیونکہ تعزیت کے دن مسنون تو صرف یہ ہے کہ میت والوں کے لئے کھانا بھیج دیا جائے، مگر عموماً اس میں اس قدر توسع کیا جاتا ہے کہ ساری برادری کو دعوت دی جاتی ہے) اور (ایصال ثواب کے لئے جو تیسرے دن یا ہفتہ اور مہینہ کے بعد کھانا پکایا جاتا ہے وہ عموماً میت کے ترکہ میں سے ہوتا ہے) اور بسا

اوقات ورثہ میں نابالغ بھی ہوتے ہیں (ان کا حصہ جدا نہیں کیا جاتا، بلکہ مشترکہ ترکہ میں سے یہ کھانے کھلائے جاتے ہیں) حالانکہ وصی کو ایسا کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر ورثہ سب بالغ ہوں (یا نابالغوں کا حصہ جدا کر دیا گیا ہو) اور سب ورثہ (بخوشی) اس کی اجازت دیدیں (اور خاص دن یا خاص تاریخوں کی پابندی بھی نہ ہو) تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ نام و نمود کے خیال سے بھی سلامتی ہو۔

رہے بڑی بڑی دعوتوں اور ختنہ اور شادی کی (تقریبات کے کھانے تو (ان سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ) اکثر ایسی (تقریبات میں) دعوتیں کرنے والوں کی نیت اچھی نہیں ہوتی محض شہرت و نام آوری اور نفسانی خواہشات (مطلوب) ہوتی ہیں اور جس کو میری اس بات میں شک ہو اس کو چاہئے کہ جب یہ لوگ کھانا تیار کر چکیں ان سے یوں کہے کہ ان کھانوں کو بیوہ عورتوں اور اندھے محتاجوں اور یتیم بچوں اور مسکین آدمیوں اور بوڑھی عورتوں میں تقسیم کر دیں اور دنیاداروں اور بڑے طبقہ کے لوگوں کو نہ کھلائیں، اگر وہ اس بات کو مان لیں تب تو (سمجھنا چاہئے کہ) نیت اچھی ہے، کیونکہ محتاج لوگوں کا کھانا قیامت کے دن میزان اعمال میں ان کے واسطے زیادہ بھاری ہوگا اور اگر اس بات کو منظور نہ کریں تو (جان لینا چاہئے کہ) محض ریاء و نمود اور شہرت ہی مطلوب ہے۔

عزیز من! سمجھنے کی بات ہے کہ (دنیاداروں کو تو اسی وقت کھلانا مناسب ہے جب کہ محتاجوں سے کھانا بچ رہے اور) جب تک محتاجوں سے فاضل نہ ہو، امراء کو پہلے کھانا مناسب نہیں (مگر آج کل الٹا دستور ہے کہ تقریبات میں اول انہی لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے جو اس کے محتاج نہیں اور محتاجوں کو بالکل نہیں پوچھتے یا بعد میں بچا ہوا ان کو کھلا دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں آیا ہے "شر الطعام طعام الوليمة يمنعها من يأتيها ويدعى اليها من يأباها" (رواہ مسلم مرفوعاً کذا فی الترغیب) برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس سے ان لوگوں کو تو رد کیا جاوے جو خود اس کی طرف آویں (یعنی ضرورت مند محتاج لوگ) اور ان لوگوں کو بلایا جاوے جو آنے سے انکار کریں (یعنی دنیادار غیر محتاج)

اھ۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کو محض تفاخر اور شہرت مقصود ہے)
اور رسول اللہ ﷺ نے تفاخر [1] والوں کا کھانا کھانے سے ہم کو منع فرمایا ہے۔

اور یہ تو ساری گفتگو اس وقت ہے جب کہ کھانا حلال کمائی کا ہو (کہ باوجود حلال ہونے کے بھی اگر نیت درست نہ ہو تو اس کا کھانا منع ہے) پھر وہ کھانا تو کیا ہی کچھ ہوگا جس میں ایسا مال لگایا گیا ہو کہ مکر وحیلہ اور فریب و دغابازی کے ساتھ کمایا گیا ہے (اور

---

(۱) اس حدیث کو ابوداؤد نے بایں الفاظ روایت کیا ہے "ان رسول الله ﷺ نهى عن طعام المتباريين ان يوكل اهـ قال العلامة في العهود المحمدية "والمتباريان هما المتفاخران بالطعام، وفي الترغيب قال الحافظ الصحيح انه عن عكرمة عن النبي ﷺ مرسل المتباريان هما المتماريان المتباهيان اهـ وقال في التيسير عن ابن عباس رضى الله عنه قال نهى رسول الله ﷺ عن طعام المتباريين السباق والقمار اخرجه ابو داؤد يقال بارى فلان فلانا اذا عارض فعله. اهـ
حضور ﷺ نے متبارین کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے اس لفظ کی شرح علامہ شعرانی اور حافظ منذری نے متفاخرین کے ساتھ کی ہے یعنی بنیت تفاخر کھانا کھلانے والے۔اور تیسیر کی روایت میں خود حدیث میں اس کی شرح یہ آئی ہے کہ (شرطیہ) گھوڑ دوڑ کرنے والے اور جوا کھیلنے والے کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے اس لئے یہ حدیث مقصود مقام کے لئے صریح نہ رہی۔ دوسری حدیث اس مقصود کے لئے صریح یہ ہے قال ﷺ "كلوا واشربوا وتصدقوا مالم يخالطه اسراف ولا مخيلة" رواه النسائى وابن ماجة ورواته اى عمرو ثقات محتج بهم فى الصحيح كذا فى الترغيب ص ۳۷۸۔ قلت وعمرو بن شعيب هو ابن محمد بن عبد الله بن عمرو بن العاص قال محمد اسمٰعيل (البخارى) رأيت احمد واسحق وذكر غيرهما يحتجون بحديث عمرو بن شعيب. قال وقد سمع شعيب بن محمد بن عبد الله بن عمرو الخ كذا فى الترمذى ص ۴۳ ج ۱.
حضور ﷺ نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو اور خیرات کرو جب تک کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) اور تکبر (وتفاخر) کی آمیزش نہ ہو۔ ۱۲ مترجم

نیت بھی درست نہیں) اور اس کے کھانے والے بھی وہ لوگ (تجویز کیے گئے) ہیں (یعنی دنیادار امراء) جن کا کھلانا حضور ﷺ کو منظور نہیں جیسا کہ اوپر اس طرف اشارہ ہو چکا ہے (ایسی حالت میں تو کسی طرح ان تقریبات کا کھانا جائز نہیں) اور ہم نے ولیموں میں کھانا کھانے اور لوگوں کے فرش پر بیٹھنے کے آداب تفصیل کے ساتھ رسالہ ''الادب'' میں بیان کر دیئے ہیں (اس میں مفصل کلام کیا گیا ہے) واللہ غفور رحیم۔

(۹۰) غریب، مزدور پیشہ آدمی کا کھانا کھانے سے پہلے مخفی طور پر اس کی امداد کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ غریب، محتاج، مزدوری پیشہ آدمی (اگر ہماری دعوت کرنا چاہے تو ہم اس کے کھانے کی طرف اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھائیں جب تک کہ اس کے رزق میں مخفی طور پر برکت پیدا کر کے ہم اس کی امداد نہ کر سکیں۔ پس اگر ہم کو اپنی بابت یہ بات معلوم ہو کہ ہم (اس طریقہ سے) اس کی امداد پر قادر نہیں ہیں تو مناسب یہ ہے کہ اس کے گھر کا کھانا چھوڑ دیں اور اس کی (دل شکنی اور) دلداری[1] کی پروانہ کریں کیونکہ ہمارے نزدیک سلامتی ہر غنیمت و منفعت سے مقدم ہے (اور اس صورت میں سلامتی اسی میں ہے کہ ایسے لوگوں کا کھانا نہ کھائیں اگر چہ

---

(۱) میرے نزدیک اس میں ایک تفصیل ہے وہ یہ کہ غریب، محتاج دو قسم کے ہیں ایک تو متوکلین ہیں جن کو خدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے ایسے غریبوں کا کھانا کھالینا ہر حال میں مناسب ہے خواہ ہم ان کی امداد کر سکیں یا نہ کر سکیں، ان کی دعوت قبول کر لینے میں ان کی دلداری ہے اور نہ قبول کرنے میں دلشکنی ہے۔ دوسرے عام ہیں جن کو توکل کا درجہ پوری طرح حاصل نہیں ہوا، ایسے لوگوں کی دعوت اگر قبول کی جائے تو ان کی امداد بھی ضرور کی جائے خواہ ظاہراً یا باطناً اور اگر امداد پر قدرت نہ ہو تو دعوت نہ قبول کرنا بہتر ہے اگر چہ ان لوگوں کی دعوت قبول کرنے میں ان کی دلداری ہوتی ہے، مگر جب ان کو ہماری دعوت کے بعد گھر میں کسی قسم کی کمی معلوم ہو گی اس وقت یہ خیال ضرور ہو گا کہ اگر ہم دعوت نہ کرتے تو کئی روز تک بے فکری سے کھاتے رہتے تو یہ دلداری قابل اعتبار نہیں، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دعوت قبول کرنے میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ اس کی دلداری ہو جائے گی، آج کل) غریب آدمی کا ہر لقمہ بڑی مشقت سے حاصل ہوتا ہے خصوصاً اگر اس کی نگاہ بھی کمزور ہو اور مزدوری پیشہ سے وہ عاجز بھی ہو گیا ہو، ایسی حالت میں تو وہ محتاج آدمی کے احسان سے بچتے رہنا اس کی دلداری سے (بدرجہا) بہتر ہے۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ درویش کو کسی غریب آدمی کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) البتہ اگر ہم ان کی ظاہراً یا باطناً امداد کر دیں گے تو پھر ان کو یہ خیال نہ آئے گا، بلکہ دعوت کر کے خوش ہوں گے۔

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کی مکافات کرتے اور بدلہ دیا کرتے تھے "عن عائشه رضی الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ یقبل الهدية ويثيب عليها" اخرجه البخاری وابوداؤد والترمذی كذا فی التيسير.

یہ تو ظاہری امداد کی صورت تھی اور جب آپ ﷺ کسی کے یہاں دعوت میں کھانا کھاتے تو فراغت کے بعد اس کے لئے دعاء فرمایا کرتے تھے اور حضور ﷺ کی دعا مستجاب تھی اس لئے ضرور داعی کے گھر میں برکت ہو جاتی تھی۔

عن جابر رضی الله عنه قال صنع ابوالهیثم رضی الله عنه طعاماً فدعا رسول الله ﷺ واصحابه فلما فرغوا قال اثيبوا اخاكم قالوا وما اثابة قال ان الرجل اذا دخل بيته واكل طعامه وشرب شرابه فدعا له فذلك اثابته. اخرجه ابوداؤد وكذا فی التيسير۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے ایک دن کھانا (عمدہ) پکایا اور رسول اللہ ﷺ کی اور آپ کے اصحاب کی دعوت کی۔ جب سب (کھانے سے) فراغت پا چکے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کا بدلہ دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بدلہ کس طرح دیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! کہ جب کسی شخص کے گھر میں جا کر کھانا کھایا جائے اور پانی پیا جائے، پھر سب اس کے لئے دعا کر دیں تو یہی اس کا بدلہ ہے۔ اھ دعاء کرنا یہ امداد باطنی ہے۔ پس یہ عہد بحمد اللہ سنت کے بالکل موافق ہے۔ ۱۲ مترجم

کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا اس وقت تک مناسب نہیں جب تک کہ ایک سال کی روزی سے اس کی امداد نہ کر دے۔

اور برادرم شیخ افضل الدین رحمہ اللہ کا بھی اپنے دوستوں کے ساتھ یہی برتاؤ تھا (کہ جب تک اپنے غریب دوستوں کی امداد ایک سال کی روزی سے نہ کر دیتے اس وقت تک ان کی دعوت قبول نہ کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ غنی حمید.

(۹۱) اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کئے ہوئے ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کئے ہوئے کام ہیں (ہم ان کے ثواب کے مستحق ہیں) بلکہ صرف خدا کے فضل واحسان پر نظر کر کے ثواب طلب کیا کریں اور اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص اپنے نیک اعمال پر اس وجہ سے ثواب طلب کرے گا کہ اس نے خود یہ اعمال کئے ہیں تو اس کے لئے کچھ بعید نہیں کہ برے اعمال کی سزا دینے کے واسطے بھی ترازوئے اعمال قائم کی جائے، کیونکہ (وہ بھی اسی کے کئے ہوئے اعمال ہیں) سمندر تو ایک ہی ہے (اگر سمندر کو اپنے موتی جواہرات پر ناز ہے تو اس کی تلخی اور جھاگ بھی تو اسی کے لئے عیب ہے)۔

اور حدیث [۱] میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ "میں اس عمل کو قبول

---

(۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يقول الله تعالیٰ " انا اغنی الشركاء من الشرك من عمل عملا شرك معی فيه غيری تركته وشركه" اخرجه مسلم كذا فی التيسير۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں شرک سے زیادہ غنی ہوں (پس) جو کوئی ایسا عمل کرے گا جس میں میرے ساتھ کسی کو شریک کرے، میں اس عمل کو اور شرک کو دونوں کو چھوڑ دوں گا (یعنی میں ایسے عمل سے غنی ہوں، وہ میرے قابل نہیں، نہ میں اس کو قبول کروں)۔ ۱۲ مترجم

نہیں کرتا جس میں میرے سوا کسی کو شریک کیا جائے'' اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کا نفس بھی تو خدا کا غیر ہے (تو اپنے نفس کو بھی کسی عمل میں شریک نہ کرنا چاہئے یعنی اپنے کسی عمل پر خود بھی نظر نہ کرے، بلکہ یہ سمجھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا جو کچھ عمل ہو جاتا ہے یہ حق تعالیٰ کا فضل واحسان ہے اور اگر وہ اس پر ثواب عطا فرمادیں یہ بھی ان کی محض رحمت ہے) خوب سمجھ جاؤ۔

پس ہر عارف اپنے تمام اعمال کو درحقیقت خدا تعالیٰ کے لئے سمجھتا ہے (کہ اس کے پیدا کئے ہوئے اور اس کی توفیق کے بعد ہمارے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے ہیں) اور (اس لحاظ سے) تبعاً شرکت مجازی کے طور پر اپنی طرف بھی ان کو منسوب کر دیتا ہے اور (اسی لئے) عارف '' ایاك نعبد و ایاك نستعین'' صرف تلاوت قرآن کی نیت سے کہتا ہے (اس کے معنی پر غور نہیں کرتا، کیونکہ بظاہر ''ایاك نعبد'' میں عبادت کو اپنی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے کہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں حالانکہ عارف یہ سمجھتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا یہ جو کچھ عبادت ہو رہی ہے درحقیقت خدا تعالیٰ ہم سے یہ کام لے رہے ہیں، اس لئے عارف کی '' ایاك نعبد'' کہتے ہوئے صرف تلاوت کی نیت ہوتی ہے، معنی پر نظر نہیں ہوتی)۔

جب اس کو سمجھ گئے تو عزیز من! جو کچھ حق تعالیٰ سے (ثواب وغیرہ) طلب کرنا چاہو اس کو محض احسان وفضل کے طریقہ سے طلب کرو، اس میں کچھ حرج نہیں (اپنا عمل سمجھ کر مت مانگو) واللہ واسعٌ علیمٌ۔

(۹۲) ہمیشہ یہ اعتقاد پیش نظر رکھیں کہ حق تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمیشہ یہ اعتقاد اپنے پیش نظر رکھیں کہ حق تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ (اس اعتقاد کے ہمیشہ پیش نظر رکھنے سے) حق تعالیٰ کی تقادیر پر ہمارے دل میں ناخوشی نہ پیدا ہوگی اور

جو شخص اس اعتقاد کی نگہداشت سے غافل رہے گا وہ ضرور تقدیر سے ناخوش ہوگا، بلکہ (بعض دفعہ) اعتراض اور بے رخی تک میں مبتلا ہو جائے گا۔

شبلی رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو بعد وفات کے دیکھا تو میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے کہ مجھ کو بخش دیا اور کسی بات پر مجھے عتاب نہیں کیا، البتہ ایک بار میری زبان سے اتنی بات نکل گئی تھی کہ اس سال زمین کو بارش کی ضرورت ہے، اس پر حق تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا کہ اے جنید! کیا تم مجھے خبر دینا چاہتے تھے حالانکہ میں علیم و خبیر (دانائے راز) ہوں (پس معلوم ہوا کہ عارفین سے ذرا ذرا سی بات پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے جو ادب کے خلاف ہو، خواہ زبان سے نکلے یا دل میں گذرے، اس لئے ہمیشہ یہ اعتقاد پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ ہمارے مصالح کو جانتے ہیں تاکہ کسی وقت کسی تقدیری امر پر دل میں ناخوشی یا تکدر نہ آنے پاوے) اس کو اچھی طرح جان لو۔

(۹۳) سفارش کے لئے پیادہ پا جایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ سفارش کے لئے پیادہ پا جایا کریں اور بدون ضرورت کے سوار نہ ہوا کریں کیونکہ جس کے پاس ہم سفارش لے جا رہے ہیں وہ اس وقت گویا کہ ہمارا اور جس کی ہم سفارش کرنا چاہتے ہیں اس کا سردار ہے تو اس کا ہم کو ادب کرنا چاہئے اور (ہم سے یہ بھی عہد لیا گیا ہے کہ) فقط توجہ قلبی سے کبھی کسی کی حاجت نہ پوری کیا کریں، بلکہ جس شخص کے پاس جا کر وہ حاجت پوری ہو سکتی ہو اس کے پاس ہم کو جانا چاہئے۔

کیونکہ حدیث[۱] میں ہے "من مشی فی قضاء حاجة اخیه حتی یثبت له

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنه مرفوعاً" المسلم اخو المسلم" الحدیث اخرجه مسلم وابوداؤد زاد فیه رزین "ومن مشی مع مظلوم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حقا عند حاکم ثبت اللہ قدمیہ علی الصراط" جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیادہ پا جائے حتیٰ کہ حاکم کے پاس جا کر اس کا حق ثابت کردے، حق تعالیٰ اس کے دونوں قدموں کو پل صراط پر ثابت رکھیں گے اھ۔ اور جو شخص محض توجہ قلب سے لوگوں کی حاجت روائی کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ پل صراط پر ثابت قدم نہ رہے، کیونکہ وہ اپنے پیروں سے تو کسی مسلمان کی ضرورت میں چلا ہی نہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو، یہ بہت نفیس مضمون ہے۔

(۹۴) بدون ظاہری اور باطنی طہارت کے کسی کی سفارش کے لئے حکام کے پاس نہ جایا کریں

(اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ بدون ظاہری اور باطنی طہارت کے کسی کی سفارش کے لئے حکام کے پاس نہ جایا کریں (بلکہ جانے سے پہلے اپنے دل کو تمام

(بقیہ صفحہ گذشتہ) حتی یثبت لہ حقہ یثبت اللہ تعالیٰ قدمیہ علی الصراط یوم تزول الاقدام" قال الحافظ المنذری ولم ارہ فی شیء من اصولہ. وعن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ من کان وصلتہ لاخیہ المسلم الی ذی سلطان فی مبلغ بر اوتیسیر عسیر اعانہ اللہ علیٰ اجازۃ الصراط یوم القیٰمۃ عند دحض الاقدام" رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط وابن حبان فی صحیحۃ کلاھما من روایۃ ابراھیم بن ھشام الغسانی.

جو روایت مصنف نے بیان فرمائی ہے وہ رزین کی روایت ہے جس پر حافظ منذری نے کلام کیا ہے۔ ہاں اس مضمون میں دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو حافظ منذری کے قاعدہ پر حسن سے کم نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو کسی صاحب حکومت کے پاس پہونچادے تاکہ اس کو کچھ بھلائی پہنچ جاوے یا مشکل آسان ہوجائے حق تعالیٰ قیامت کے دن پل صراط سے پار ہونے میں اس کی امداد فرمائیں گے جب کہ بہت سے قدم پھسلتے ہوں گے۔ ۱۲ مترجم

ظلمتوں سے اور ظاہر کو سب نجاستوں سے پاک کرلیا کریں) اور اس میں راز یہ ہے کہ حکام اور تمام وہ لوگ جن کے سپرد حق تعالیٰ نے مخلوق کی حاجتیں کردی ہیں وہ دربار الٰہی کے دروازے ہیں (درحقیقت حاکم کچھ نہیں کرتا، بلکہ حق تعالیٰ جو کچھ چاہتے ہیں اس کے ہاتھوں ظاہر کردیتے ہیں) اور کسی مظلوم کے اوپر سے مصیبت کم کرنے کی جو درخواست (حکام ظاہری سے) کی جاتی ہے وہ (درخواست) درحقیقت حق تعالیٰ سے کی جاتی ہے (جس کو حق تعالیٰ ان حکام وغیرہ کے ذریعہ سے پورا کردیتے ہیں۔

پس حاکم کے دربار میں جاتے ہوئے یہ سمجھو کہ تم حق تعالیٰ سے درخواست کرنے جارہے ہو، اسلئے جانے سے پہلے ظاہر و باطن کی پاکی اور صفائی کا اہتمام اچھی طرح کرلیا کرو) پھر اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس وقت حاکم کا مزاج اس شخص کی طرف سے بدلا ہوا ہے جس کی ہم سفارش کرنا چاہتے ہیں تو حاکم کی موافقت کرتے ہوئے (اس وقت) ظاہر میں ہم کو اس شخص سے انحراف کرنا چاہئے (کیونکہ غصہ کے وقت سفارش کرنا کارآمد نہیں ہوتا، بلکہ ایسے وقت میں غصہ والے کی موافقت کرنے سے اس کا غصہ کم ہوجاتا ہے) پھر ہم کو سفارش کے لئے دوسرے وقت کا انتظار کرنا چاہئے جیسا کہ حضور ﷺ (پہلے پہل) ان لوگوں کے بارے میں جو الٹے پیروں شریعت سے ہٹ گئے ہیں قیامت کے دن غضب الٰہی کی موافقت کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ دور ہوجاؤ، دور ہوجاؤ، پھر اسکے بعد ان لوگوں کے حق میں شفاعت [1] فرمائیں گے۔

---

(۱) عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انی فرطكم على الحوض من مر علی شرب لم يظمأ ابداليردن علی اقوام اعرفهم ويعرفونني ثم يحال بيني وبينهم فاقول انهم منی فيقال انك لا تدری ماا حدثوا بعدك. فاقول سحقا سحقا لمن غير بعدی. متفق عليه كذا فی المشكوٰة.

وفی رواية لهما عن ابی هريرةؓ مرفوعا قال بينا انا قائم على الحوض اذا زمرة حتى اذا عرفتهم خرج رجل من بينی وبينهم فقال لهم هلم قلت الی این قال الی النار والله فقلت ما شانهم فقال انهم ارتدوا على ادبارهم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس حدیث میں جو "ارتد وا علی ادبارھم" آیا ہے (کہ وہ لوگ الٹے پیروں پیچھے ہٹ گئے تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے تقویٰ اور زہد اور رات کو جاگنے میں اور اسلامی گناہوں کے ارتکاب میں اور اسی طرح دوسرے کاموں میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت اختیار کی تھی اور یہ معنی نہیں کہ وہ کافر ہو گئے تھے کیونکہ اگر وہ کافر ہو گئے ہوتے تو پھر حضور ﷺ ان کی شفاعت نہ فرماتے (کیونکہ کفار کے لئے شفاعت نہ ہو گی) یہ مطلب (اس حدیث کا) شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب سفارش کرنے والے کو قرائن سے حاکم کی بابت یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ اسکی سفارش قبول نہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) القھقریٰ وفی آخرہ فلا اراہ یخلص منھم الامثل ھمل النعم اھ کذا فی الترغیب۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے پہلے حوض پر پہنچوں گا جو کوئی مجھ پر گذرے گا وہ اس کا پانی پئے گا اور جس نے ایک بار اس کا پانی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہو گا اور میرے پاس بہت سی قومیں آویں گی جن کو میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان میں آڑ کر دی جاوے گی، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں تو مجھ کو جواب ملے گا کہ آپکو خبر نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں کی۔ تو میں کہوں گا دور ہو جاؤ، ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد (میرے طریقہ کو) بدل دیا۔

اور دوسری روایت میں "ارتدوا علی ادبارھم" کا لفظ بھی ہے اور اخیر میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ ان میں سے کوئی نجات بھی پاوے گا، مگر (تھوڑے سے) گم شدہ جانوروں کے مانند آھ۔

تو ممکن ہے کہ یہ تھوڑے سے جو نجات پاویں گے ان کی نجات حضور ﷺ کی شفاعت کے بعد ہو اور یہ لوگ گنہگار ہوں گے اور جن کو نجات نہ ہو گی غالباً یہ وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے بعد خلافت صدیق میں مرتد ہو گئے تھے۔ ۱۲ مترجم

کرے گا ایسی حالت میں اس کو سفارش کے درپے ہونا مناسب نہیں، بلکہ لوگوں کو ان علماء اور بزرگوں وغیرہ کا پتہ بتلادے جسکی سفارش کو حکام رد نہیں کرتے تاکہ سفارش چاہنے والا (اس کی سفارش لے جاکر) بے فائدہ مصیبت میں نہ پڑے اور (بعض لوگ) کبھی بے تدبیری سے سفارش کرتے ہیں تو مقصود میں اور بھی توقف اور زیادہ دشواری پیش آجاتی ہے تو اس ظالم پر پہلے تو ظلم کی وجہ سے ایک ہی گناہ تھا اب (اس بے ڈھنگی سفارش کے بعد) جو وہ حق بات کو رد کرے گا تو اس کے ذمہ دو گناہ ہو جائیں گے (ایک ظلم کا دوسرے حق بات کے رد کرنے کا یعنی سفارش قبول نہ کرنے کا)۔

اور سید علی خواص رحمہ اللہ (پہلے تو) میرے پاس مظلوموں کو بھیجدیا کرتے تھے تاکہ میں حضرت شیخ کی طرف سے (حکام وغیرہ کے پاس) ان کی سفارش لکھ دیا کروں، پھر ۹۴۳ھ کے شروع ہوتے ہی انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اب آئندہ میری طرف سے کسی کے لئے سفارش کسی کے پاس لکھ کر نہ بھیجنا۔ میں نے عرض کیا کیوں؟ (کیا وجہ؟) فرمایا کہ (اب تک تو) لوگوں کے دلوں میں کچھ خوف خدا اور آخرت کے لئے ثواب جمع کرنے کی کسی قدر رغبت و محبت تھی سو گذشتہ رات میں حق تعالیٰ نے اس کو بھی دلوں سے اٹھالیا۔ پس اب جو کوئی تمہارے پاس کوئی حاجت لاوے (کہ فلاں حاکم وغیرہ سے میری سفارش کردو) اس سے کہدیا کرو کہ حاکم کے غلاموں (اور دربانوں) کو دنیا کی کوئی چیز بطور رشوت کے دیدینا وہ تمہارا کام نکال دیں گے (اور مجبوری کے وقت مظلوم کو رشوت دے کر کام نکال لینا جائز ہے، جب کہ اس کے بغیر کام ہی نہ چل سکے)۔

پھر فرمایا کہ عنقریب (ایسا ہوا کرے گا) لوگ حکام کے حاشیوں کو رقمیں دیا کریں گے تاکہ ان کا کام درست کردیں (مگر وہ رقم بھی لے لیں گے اور پھر بھی مقصود پورا نہ کریں گے، پھر اگر وہ اپنی رقم واپس لینا چاہیں تو کبھی واپس نہ کریں گے۔ واللہ علیمٌ حکیم.

(۹۵) حکام کو اپنی صحبت میں داخل کرنے کی کوشش نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حکام کو اپنی صحبت (و بیعت) میں داخل کرنے کی کوشش نہ کریں اور اگر اتفاقاً ان میں سے کوئی ہماری صحبت اختیار کرے پھر کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں جانے لگے جو علانیہ اور پوشیدہ ہر طرح ہمارا مخالف ہو تو ہم اس مرید کو چپکے چپکے تدبیر کے ساتھ اس طرح (اپنے سے) جدا کرنے کی کوشش کریں کہ وہ خود ہی ہم سے علیحدہ ہو جاوے اور اس کا اعتقاد اس درویش کے بارے میں عمدہ (اور پختہ) کرتے رہیں جس کی صحبت میں وہ ہم سے جدا ہو کر گیا ہے، خواہ ہم کو یہ بات ظاہری طریقہ سے معلوم ہوئی ہو یا باطنی طریقہ سے، کیونکہ ہر تعمیر کرنے والا اپنی عمارت کو دوسرے کی عمارت سے ممتاز کر لیا کرتا ہے۔

پس مرید کی باطنی حالت سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ہم سے تعلق رکھتا ہے یا کسی دوسرے سے بھی اس کو تعلق ہے، اگر دوسرے سے تعلق ہوگا تو اس کی باطنی حالت میں ضرور کوئی تغیر ہم کو محسوس ہوگا (جس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہماری عمارت نہیں) اور جب دو معمار ایک دیوار کی تعمیر میں باہم تعارض[1] کرنے لگیں (یعنی ہر اک دوسرے کے خلاف طریقہ پر چلنا چاہے) تو یقیناً وہ اس (عمارت) کو معرض خطر میں ڈال دیں گے (کہ وہ کمزور اور سست ہو کر جلدی منہدم ہو جائے گی یہی حالت اس مرید کی ہوگی جو دو مختلف مشرب والے بزرگوں سے ایک ہی وقت میں تعلق رکھنا چاہے کہ وہ ہرگز کامیاب نہ ہوگا۔ اس کی باطنی عمارت ہمیشہ کمزور اور سست ہی رہے گی)۔

اور مشائخ کا طریقہ سراپا خیر خواہی ہے اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں ہوتی (اس لئے جب ہم مرید کو دوسرے شیخ کی طرف مائل دیکھیں تو اس کو اسی کے ساتھ وابستہ

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں مشائخ کا طریقہ مختلف نہ ہو، بلکہ ایک سلسلہ اور ایک ہی طریقہ و مشرب ہو تو ایک کے مرید کو دوسرے سے فیض لینے میں حرج نہیں بشرطیکہ اصلی شیخ کی محبت و عقیدت میں کمی نہ آوے۔ ۱۲ مترجم

کرنے کی کوشش کریں کیونکہ مرید کی خیر خواہی اسی میں ہے، ایسی حالت میں اس کو خواہ مخواہ اپنے ساتھ لگا لپٹا رکھنا اس کا راہ مارنا ہے کہ اس کو نہ وہاں سے کامل فیض ہوگا نہ یہاں سے)۔

پس درویش کو مناسب نہیں کہ اپنی صحبت (اور بیعت میں) ہر کس و ناکس کو قبول کرے بجز ان لوگوں کے جو ہر حال میں اس کے اشارہ پر چلتے ہوں یہاں تک کہ اگر سارا شہر بھی اس درویش کی مخالفت پر تل جائے تو وہ لوگ (اس وقت بھی) اسی کے حکم وارشاد کو (ہر بات پر) مقدم کریں اور ایسے لوگوں کا وجود بہت ہی کم ہے۔ پس (باقی) لوگوں سے دوری ہی بہتر ہے، والسلام۔

(۹۶) تنگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی راضی رہیں جیسا کہ فراخی کی صورت میں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے اوپر دنیا میں (تنگی اور) کمی کر دی جائے تو اس صورت میں بھی ہم اپنے پروردگار سے ایسے ہی راضی رہیں جیسا کہ فراخی کی صورت میں ہم ان سے خوش رہتے ہیں، لیکن وسعت (وفراخی) کی حالت میں (پہلے سے زیادہ) ڈرتا رہنا بھی چاہئے کیونکہ (خدا تعالیٰ کا ہمیں) دنیا (کی نعمتیں) کم عطا کرنا عنایت (ولطف) کی طرف مائل ہے (یعنی اس بات کی علامت ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے حال پر متوجہ ہیں) اور زیادہ دنیا عطا کرنا استدراج کی طرف مائل ہے (کہ اس میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ دنیا میں ہم کو مشغول کر کے کہیں دفعۃً نہ پکڑ لیا جاوے اور یہ اندیشہ تنگدستی کی حالت میں نہیں ہوتا، اس لئے وسعت دنیا کی صورت میں ڈرتا رہنا بھی چاہئے)۔

پھر جب حق تعالیٰ دنیا کو ہمارے اوپر وسیع فرمادیں اور خرچ کرنے کیلئے ہمارے ہاتھ کھول دیں [1] اور بلا ضرورت ہم مال کو روکنے (اور جمع کرنے) کے درپے نہ ہوں

(۱) یہ مطلب نہیں کہ فضول خرچی کرنے لگیں، بلکہ مراد یہ ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تو ہم کو حق تعالیٰ سے راضی رہنا چاہئے، اور اس حالت میں ہمارا اطمینان قلب تنگدستی کی حالت سے زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ تنگدستی میں فقر (وفاقہ) سے پریشان ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، طبیعت انسانی کا اکثر خاصہ یہی ہے کہ تنگدستی میں سکون قلب کم ہوتا ہے (البتہ بعض طبائع ایسی بھی ہیں جن کو کثرتِ مال سے پریشانی اور قلت دنیا سے سکون نصیب ہوتا ہے) پس ہر حالت کے مناسب جدا قول ہے۔

عزیز من! خوب سمجھ لو کہ انبیاء اور اصفیاء اور ان کے کامل متبعین کا طریقہ دنیا میں کمی ہی اختیار کرنا ہے اور دنیا میں کمی مطلوب ہونے کے لئے حضور ﷺ کا یہ ارشاد کافی دلیل ہے "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا"[1] اے اللہ! خاندان محمد کا رزق بقدر قوت مقرر کر دیجئے۔ اور مقدار قوت وہ ہے جس سے صبح وشام میں (خرچ کرنے کے بعد) کچھ نہ بچے تو جس حالت کو حضور ﷺ نے اپنے واسطے اور اپنے اہلِ بیت کے واسطے پسند فرمایا ہے اس سے کامل تر کوئی حالت نہیں (پس دنیا میں کمی اور قلت ہونا یہی حالت زیادہ بہتر ہے)۔

اور عزیز من! یہ بات تم پر مخفی نہ رہنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے جو اپنے اہل بیت کیلئے یہ حالت طلب کی ہے کہ ان کا رزق بقدر قوت ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کو بھی ان کے ہاتھ سے روزی نہ پہونچائیں۔ اس کو خوب سمجھ لو، کیونکہ خاندان نبوت کی نسبت مشہور یہ ہے کہ ان پر رزق بہت وسیع وفراخ تھا حتی کہ امام علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہ بعض دفعہ ایک آدمی کو دس ہزار دینار (تقریباً تیس ہزار روپئے) عطا فرما کر پھر یہ کہا کرتے تھے کہ بھائی اس وقت میں نے تمہارے واسطے اپنے پاس یہی پایا۔ اھ۔

(تو ان مشہور واقعات سے اشکال ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے تو اپنے خاندان کے واسطے قلت دنیا کی دعا کی تھی) اور آپ ﷺ کی دعا بلاشک وشبہ مقبول ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شرعی حدود میں رہ کر ہم اس کو خرچ کرنے لگیں۔ ۱۲ مترجم

(۱) اخرجه الشيخان والترمذى عن ابى هريرة كذا فى التيسير وفى رواية اخرى كفافا والكفاف الذى لا يفضل عن الحاجة. ۱۲ مترجم

(پھر اہل بیت پر دنیا اس قدر فراخ کیوں ہوئی؟) پس یہی کہا جائے گا کہ حضور ﷺ کا اس دعا سے یہ مطلب تھا کہ وہ اپنی ذات کے لئے دنیا میں زیادہ توسع نہ کریں، یہ مقصود نہ تھا کہ دوسروں پر بھی سخاوت نہ کریں۔

(۹۷) حق تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں یعنی ان کی قدر و منزلت پہچانیں اور نیک کاموں میں ان کو خرچ کریں، اپنے نفس کی خواہشوں میں ان کو صرف نہ کریں جیسے (لذیذ) کھانا پینا اور (عمدہ پوشاک) پہننا (بے ضرورت) نکاح کرنا (بے ضرورت) مکانات بنانا اور ان کی آرائش و زینت کرنا وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ (ان میں مشغول ہو کر) اپنے یتیم اور مسکین پڑوسی کو بھول جائیں جو ہمارے پہلو میں رہتا ہے اور اس کی ایک روٹی کے ٹکڑے یا (تھوڑے) شوربے سے یا اور کسی قسم کے سلوک و احسان سے بھی خبر گیری نہ کریں۔

پس جو شخص ان مذکورہ بالا خواہشوں میں دنیا کو صرف کرتا ہے اس نے نعمتوں کو اتنی جلدی زائل ہونے کے قریب کر دیا کہ پلک جھپکنے کی بھی دیر نہ لگے گی، پھر خدا نخواستہ اگر وہ نعمتیں ہمارے پاس سے منتقل ہو گئیں اور اس کے بعد حق تعالیٰ سے ہم ان کی دوبارہ درخواست کریں تو بعض دفعہ ہماری دعا قبول نہ کی جائے گی، کیونکہ حق تعالیٰ ایک بار ہمارا امتحان کر چکے تو انہوں نے ہمارے پاس اپنے کسی بندے کے لئے کوئی خیر نہ پائی، تو اس نے ان نعمتوں کو ان لوگوں کی طرف منتقل کر دیا جن کے پاس اس کے بندوں کے لئے خیر تھی۔

اور اس عہد میں تمام لوگ حتیٰ کہ علماء اور خانقاہوں کے مشائخ بھی بہت زیادہ خیانت کرتے ہیں کہ بعضے لوگوں کا نفس حالت فقر میں تو اچھا خاصہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے رہتے ہیں اور کپڑے بھی پہناتے ہیں، پھر جب دنیا ان پر وسیع ہو جاتی ہے تو دوسروں کو (بالکل) بھول جاتے ہیں اور (اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ)

پھر تنگی کی بھی شکایت کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے غریب محتاج مریدوں (اور دوستوں) کی امید منقطع ہو جائے اور وہ ان سے (کسی چیز کا) سوال نہ کر سکیں حالانکہ بعض دفعہ ان کے گھر میں سامان اور کپڑے (وغیرہ) اس قدر ہوتے ہیں جن کی قیمت سو اشرفیوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اور میں نے ایک فقیر کو دیکھا ہے جو تین درہم میں کھانا تیار کرتا تھا، ایک درہم کی لکڑی لیتا تھا اور ایک درہم کا تیل اور ایک درہم کا خرفہ خرید تا تھا اور اس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور پڑوسیوں میں بھی تقسیم کرتا تھا تو کیا تم اس سے بھی گئے گذرے؟ حالانکہ تم کھانے کے اوپر ہر دن بیسیوں درہم، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضائع کر دیتے ہو۔ نہ یتیم کو، نہ مسکین کو، نہ پڑوسی کو، بلکہ تمہارا پیٹ بیت الخلاء کی طرح ہو گیا کہ رات دن بھرا جاتا ہے اور خالی کیا جاتا ہے۔

عزیز من! اگر تم ہانڈی میں ذرا پانی زیادہ کر دیتے تو اپنے پڑوسیوں میں اس کو تقسیم کر سکتے تھے اگرچہ وہ سو (یا اس سے بھی زیادہ) ہوتے کیونکہ کھانے میں چکنائی زیادہ ہونے سے پانی بڑھا دینے کی گنجائش ہو جاتی ہے۔

اور عزیز من! نعمتوں کے ساتھ برابر تاؤیہ بھی ہے کہ بچا ہوا کھانا حقارت کے ساتھ کوڑیوں پر ڈال دیا جائے، کتوں کے واسطے بھی نہ ڈالا جائے (کیونکہ بچا ہوا کھانا کوڑیوں پر پھینکنے سے تو اچھا یہ ہے کہ جانوروں کو کھلا دیا جائے) اسی طرح روٹی کو پیروں سے روندنا (اور پامال کرنا اس میں بھی نعمتوں کی بے قدری ہے)۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک روٹی کا ٹکڑا دیکھا کہ اس پر غبار لگ گیا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو اٹھا کر غبار صاف کر کے خود نوش فرمالیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ[1] اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا

---

(۱) قلت لم اجد هذا الحديث فى الكتب الموجودة، فمن وجده فليحرر. وقدروى جابر رضى الله عنه انه ﷺ قال اذا وقعت لقمة احدكم فلياخذها فليمط ما كان بها من اذىً وليأكلها ولا يدعها للشيطان. الحديث رواه مسلم كذا فى الترغيب (باقی اگلے صفحہ پر)

برتاؤ کیا کرو، کیونکہ اللہ کی نعمتوں کو جب کسی گھر والے سے نفرت ہو جاتی ہے تو پھر اس کے پاس دوبارہ بہت کم آتی ہیں۔

اور منقول ہے ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دریائے نیل میں تھوکتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا "تعست یا مغیض! تبصق علی اکرم نعم اللہ عزوجل علی عبادہ"۔ ارے کم بخت! تیرا ناس ہو تو خدا کی سب سے بڑی نعمت پر تھوکتا ہے، جو اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے۔اھ

پس اے عزیز! اگر تم اپنے اوپر ہمیشہ نعمتوں کا فائض ہونا چاہتے ہو تو ان کا شکر ادا کرتے رہو اور دل کھول کر محتاجوں کو دیتے رہو اور اس غلام کی طرح نہ بن جاؤ جس کو کریم آقا نے اپنے مال میں نائب بنادیا ہو کہ اس کے دوسرے غلاموں پر (قاعدہ کے موافق) خرچ کرتا رہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے حاجت سے زیادہ جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف اسی واسطے ہے کہ تم اس کو حق تعالیٰ کے دوسرے بندوں پر خرچ کرتے رہو، کیونکہ حق تعالیٰ بڑے حکیم ہیں (ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا تو حکمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر شخص کو بقدر حاجت دیا جائے، زیادہ نہ دیا جائے۔ پس جو مال و متاع حاجت سے زیادہ کسی کو دیا گیا ہے وہ اس شخص کے واسطے نہیں، بلکہ دوسروں کے واسطے ہے اور اس شخص کو صرف خرچ کرنے کے لئے نائب بنایا گیا ہے)

اور سیدی داؤد غرب رحمہ اللہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

اذا رزق اللہ الفتی ما یصونه
وسلمه من فتنة وضلال
وعافاہ مع امن واصبح شاکیاً
لدقة حال او لقلة مال

(بقیہ صفحہ گذشتہ) وفی المقاصد الحسنة وفی المستدرك للحاکم من طریق غالب بن قطان عن کریمة بنت الهمام عن عائشه رضی اللہ عنها ان النبی ﷺ قال" اکرموا الخبز" قال شیخنا فهذا شاهد صالح اھ۔ ۱۲ مترجم

فقل نعم ان انت احکمت قیدھا
بشکر والا اذنت بزوال

(ترجمہ) جب حق تعالیٰ انسان کو اس قدر روزی عطا فرماوے جو اس کی آبرو کو محفوظ کردے اور اللہ تعالیٰ شرک و گمراہی سے اس کو بچائے اور امن کے ساتھ اس کو صحت و عافیت بھی دیدے اور پھر بھی وہ شکستگی حال یا قلت مال کی شکایت کرنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں، اگر تم شکر (کی زنجیر) سے مضبوطی کے ساتھ ان کو سنبھالے رہو گے تو یہ رہیں گی ورنہ عنقریب زائل ہو جائیں گی۔

اور سیدی ابراہیم جعبری رحمہ اللہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

خبز وماء وظل. ذاك النعيم الاجل
جحدت نعمة ربی. ان قلت انی مقل

روٹی اور پانی اور سایہ (یعنی رہنے کے قابل گھر) یہ بہت بڑی نعمت ہے، اگر میں اب بھی اپنے آپ کو قلیل المال کہوں تو میں نے خدا کی نعمت کی (بڑی) ناشکری کی۔

اور ہم نے رسالۂ آداب میں اس عہد پر مبسوط کلام کیا ہے۔ واللہ علیم حکیم

(۹۸) بالغ نوکروں میں سے کسی کو اہل وعیال کے سامنے جانے کی اجازت نہ دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ بالغ (اور جوان) نوکروں میں سے کسی کو اپنے پیچھے اپنے اہل وعیال کے سامنے جانے کی اجازت نہ دیں اگر چہ وہ خصی (یعنی خواجہ سرا) ہی ہوں، جن کو مردوں کی طرح خواہش نہ ہوتی ہو، کیونکہ ان کو بھی اجنبی عورتوں کی طرف نظر کرنا اور تنہائی میں ان کے پاس آنا جانا حرام ہے۔

پس عزیز من! اپنی عورتوں کا خواجہ سرا غلاموں سے بھی ویسا ہی پردہ کراؤ جیسا کہ خواہش والے آزاد مردوں اور غلاموں سے پردہ کراتے ہو اور بڑے طبقہ کے لوگوں نے جو خواجہ سراؤں کو اپنی بیبیوں اور باندیوں کے پاس آنے جانے کی اجازت دے

رکھی ہے وہ صرف اس واسطے کہ ان کی طرف سے یہ اطمینان ہے کہ یہ ان کی بیوی، باندیوں سے زنا نہیں کر سکیں گے، کیونکہ ان کے پاس آلۂ شہوت ہی نہیں، لیکن (زنا نہ کر سکنے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ وہ کچھ اور بھی نہ کر سکیں گے مثلاً شہوت کے ساتھ نظر کرنا، چھونا تقبیل وغیرہ کرنا، ان افعال کے لئے تو آلۂ شہوت کی ضرورت نہیں۔ پس خواجہ سرا غلاموں سے ان) تمام باتوں کا تو اطمینان نہیں ہو گیا، یہ تو ایسا ہے جیسا کہ ایک ظلم دوسرے ظلم سے کم ہوتا ہے (اسی طرح زنا سے کم درجہ میں اور بھی گناہ ہیں تو ایک گناہ یعنی زنا کا انتظام کر لیا، لیکن دوسرے مفاسد کا کیا انتظام کیا؟

بلکہ بعض دفعہ خواجہ سراؤں سے زنا بھی صادر ہو جاتا ہے، کیونکہ بعض دفعہ ان کی قوت بالکلیہ زائل نہیں ہوتی تو ایسا شخص جماع پر قادر ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس کو بیکار سمجھ کر بے تکلف عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت دیدیتے ہیں، جس سے بعض دفعہ زنا کی نوبت آجاتی ہے اور اگر اس کی نوبت بھی نہ آئے تو نظر شہوت اور لمس و تقبیل پر تو وہ ضرور قادر ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ زنا ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔

پس غیرت مند آدمی اس کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا اور آج کل تو یہ غضب ہے کہ امراء کے گھروں میں جوان مرد نوکروں سے بھی پردہ نہیں کراتے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**.

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ جس طرح بعض اوقات مطبخ کی کالی کلوٹی باندیوں سے ہنسی مذاق کرنے کو تمہارا جی چاہتا ہے حالانکہ تم عقل اور شرافت اور کمال کا دعویٰ کرتے ہو اسی طرح تمہارے پیچھے تمہاری بیوی کا بھی جی چاہ سکتا ہے کہ حبشی کالے کلوٹے غلام سے ہنسی مذاق کرے، بلکہ اس کا اس میں مبتلا ہو جانا تم سے زیادہ قریب الوقوع ہے کیونکہ وہ شہوت میں تم سے بڑھی ہوئی ہے[1]۔

---

(۱) اطباء نے لکھا ہے کہ عورت کی شہوت مرد سے زیادہ ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے، کیونکہ شہوت کمزور کو زیادہ ہوتی ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور آج کل باندیوں سے وطی بکثرت کی جاتی ہے جس سے جبریل علیہ السلام کے قول کی تصدیق ہو گئی جو حدیث اسلام میں وارد ہے "من علامة الساعة ان تلد الامة ربتها"[1] (قیامت کی علامت یہ ہے کہ باندی اپنی سیدہ کو جنے گی یعنی لوگ باندیوں سے بکثرت جماع کریں گے اور باندی کے پیٹ سے آقا کی اولاد آزاد ہوتی ہے تو وہ اولاد اپنی ماں کی آقا ہو جاوے گی کیونکہ ماں باندی ہے اور اولاد آزاد ہے اھ۔ اس حدیث کے چند مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک معنی یہ بھی ہیں جن کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے)۔

پھر باندیوں سے مجامعت کرنے والے کو سب سے زیادہ بری صورت یہ پیش آتی ہے کہ جب باندی کو حمل رہ جاتا ہے تو وہ اپنی بیوی کی دلداری اور دل جوئی کے خیال سے اپنے بچہ سے انکار کر دیتا ہے (کہ یہ میرا حمل نہیں ہے کسی اور کا ہو گا جس سے بلاوجہ ایک پاک دامن پر زنا کا بہتان لگتا ہے) اور (اس سے بڑھ کر یہ کہ) بعض لوگوں نے باندی کے پیٹ سے اپنے بچہ کو بیچ بھی دیا (تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ بچہ اس کے نطفہ کا نہیں، بلکہ یقیناً کسی دوسرے کا ہے تاکہ اس کی بیوی اور اس کا خاندان راضی رہے) خدا تعالیٰ ایسی جہالت سے بچائے۔ نسأل اللہ العافیة آمین.

(۹۹) اپنے بھائیوں کو صحبت اولیاء کے آداب بتلاتے رہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے بھائیوں (اور دوستوں) کو صحبت اولیاء کے آداب بتلاتے رہیں، جن میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں محض خدا کے لئے رہیں یا (اگر اپنی غرض ہی کے واسطے رہیں تو محض) اس لئے کہ وہ میدان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور کمزور کو ضبط کی بھی قوت کم ہوتی ہے، چنانچہ قوی المعدہ کو بار بار بھوک نہیں لگتی اور کمزور معدہ والے کو بار بار بھوک ستاتی ہے اور اس کو بھوک کا ضبط کرنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ پس شہوت عورت میں زیادہ ہے اور قوت مرد میں زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۲ مترجم

(۱) مسلم: ص ۳۰ ج ۱ کتاب الایمان۔ ۱۲ مرتب

قیامت میں ان کی دستگیری فرمائیں گے اور یہ غرض نہ ہونی چاہئے کہ جب ان پر کوئی ظلم کرے گا تو وہ بزرگ دنیا کی مصیبتوں سے ان کو بچائیں گے جیسا کہ (امراء) اور حکام دولت کا ایسا خیال ہوا کرتا ہے، کیونکہ ان لوگوں کو اولیاء کی صحبت سے صرف یہی غرض ہوتی ہے کہ وہ ان کے حوائج میں توجہ فرمائیں گے (تو سب کام مرضی کے موافق ہوتے رہیں گے) اور جو کوئی ان کے منصب کے لئے بے جا کوشش کرے گا اس کو روک دیں گے (یعنی بزرگوں کی توجہ سے ہمارا منصب ہمیشہ قائم رہے گا، کوئی ہم کو معزول نہ کر سکے گا) اگرچہ یہ جتنا چاہیں ظلم میں بڑھتے رہیں اور رعیت کو تکلیف اور مصیبت پہونچاتے رہیں اور بخدا ایسی توجہ اور ایسا تصرف تو آج کل کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی نہیں کر سکتا (کہ باجود تمہارے ظلم وستم کے تم کو مصیبتوں سے بچائے) کیونکہ (آج کل) بلائیں (بارش کی طرح) بہت زیادہ نازل ہو رہی ہیں اس کو خوب سمجھ لو۔

پھر ایک ادب اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے والے کے لئے یہ ہے کہ اپنے نفس کے لئے کوئی (عمدہ) چیز کھانے پہننے کی (ان کے ہوتے ہوئے) خاص نہ کرے (بلکہ ایسی چیزوں میں شیخ کو اپنے نفس پر مقدم کرے) اور نہ (بدون اس کی اطلاع کے) نکاح کرے اور نہ ان کی اہل وعیال واولاد اور اصحاب کے لئے کچھ مال ومتاع خرچ کرنے میں بخل کرے۔

اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے والے کو جان لینا چاہئے کہ وہ جو کچھ ولی کی خدمت میں پیش کرتا ہے وہ اس دولت کے مقابلہ میں ایک پیسہ کے برابر بھی نہیں جو اس کے ہاتھوں سے حاصل ہوگی یعنی دنیا وآخرت کی بھلائی اور بہبودی اور مصائب وشدائد کے وقت دستگیری واعانت اور اگر کبھی شیخ خود یہ کہے کہ تم اگر ہمارے ساتھ دنیوی سلوک اور ہماری جماعت کے ساتھ احسان نہیں کرتے تو ہمارے پاس نہ رہو تو اس بات سے شیخ پر انکار نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بعض دفعہ ایسی باتوں سے شیخ اس کا امتحان کرنا چاہتا ہے، محبت دنیا کی وجہ سے وہ یہ بات نہیں کہتا کیونکہ اگر محبت دنیا اس کا منشا ہوتی تو ولی نہ ہو سکتا اور نہ حق تعالیٰ اس کو دوسروں پر رفعت وبلندی عطا فرماتے۔ شیخ اس

امتحان سے مرید کے اس دعوی کی تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ حضرت آپ مجھ کو تمام مال ودولت سے زیادہ محبوب ہیں جیسا کہ اکثر تجار ایسے دعوے کیا کرتے ہیں وہ جب کسی فقیر کی صحبت اختیار کرتے ہیں تو (قسمیں کھاکر) کہتے ہیں کہ واللہ حضور! ہمارے نزدیک جان ومال اور اولاد وغیرہ سب سے زیادہ عزیز ہیں، پھر جب شیخ ان سے کسی فقیر کو دینے کے لئے (امتحان کے طور پر) ایک دینار طلب کرتا ہے تو وہ ان پر گراں گذرتا ہے جس سے وہ رسوا ہو جاتے ہیں (کیونکہ امتحان کی کسوٹی سے ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دعویٰ محض باتیں ہی باتیں ہیں)۔

اور سیدی شیخ یوسف عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خانقاہ کے دربان سے فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص خانقاہ کا دروازہ کھٹکھٹائے تو (کواڑ کی درازوں سے دیکھ لیا کرو (کہ کچھ اپنے ساتھ بھی لایا ہے یا خالی ہاتھ آیا ہے) پس اگر یہ معلوم ہو کہ فقراء کیلئے کوئی چیز اپنے ساتھ لایا ہے تب تو دروازہ کھول دو۔ ورنہ (سمجھ لو کہ ان کا مقصود) محض بیہودہ زیارتیں (اور فضول ملاقاتیں) ہیں (اس صورت میں دروازہ نہ کھولا جائے)۔

بعض لوگوں نے اس بارے میں شیخ سے عرض کیا (کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ خالی ہاتھ آنے والوں کے لئے دروازہ نہ کھولا جائے اس سے تو محبت دنیا کا شبہ ہوتا ہے؟) آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس سب سے زیادہ عزیز چیز [1] اپنا وقت ہے اور اہل دنیا کے پاس سب سے زیادہ عزیز دنیا ہے۔ پس اگر وہ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز ہمارے لئے

---

(۱) اس مضمون سے دنیا کمانے والے پیر بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ ہمارا قدیمی اصول صحیح ہو گیا کہ ''خالی آوے خالی جاوے'' مگر حاشا اللہ شیخ کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ اس قول کا منشا صرف یہ ہے کہ بعض مشائخ کے یہاں اہل دنیا کا ہجوم دنیاوی مطالب کے لئے زیادہ ہونے لگتا تھا اور طلب خدا کے لئے شاذ ونادر ہی کوئی آتا تھا، اس سے ان کو تکلیف ہوتی تھی اور وقت بہت ضائع ہوتا تھا اس کی روک تھام کے لئے وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے۔
چنانچہ ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ جو خالی ہاتھ آوے اس کے لئے دروازہ نہ کھولا جاوے،
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

خرچ کریں تو ہم بھی اپنی عزیز چیز کو ان کے لئے خرچ کر دیں گے (یعنی کچھ وقت ان کی ملاقات کیلئے نکال دیں گے ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تو اپنی پونجی کو قفل لگا کر رکھیں اور ہم اپنی پونجی کو زیارت و ملاقات میں ضائع کریں۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ ہم کو اپنا وقت ضائع کرنا مقصود نہیں، اس لئے آنے والوں کے لئے ہم نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے، اس سے آنے والوں کے خلوص کا امتحان ہو جائے گا اور غیر مخلصوں کے آنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۰۰) دنیوی غرض کے لئے کسی کو اپنی صحبت میں داخل نہ کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دنیوی غرض کے لئے کسی (سے دوستی نہ کریں اور نیز اس غرض سے کسی) کو اپنی صحبت (وبیعت) میں داخل نہ کریں "فان کل ما کان لغیر اللہ یضمحل ویفنی" کیونکہ جو کام اللہ کے لئے نہیں ہوتا وہ مضمحل اور فنا ہو جاتا ہے (پس جو دوستی دنیا کے لئے ہوگی وہ برقرار نہیں رہ سکتی) اور للّٰہی دوستی کی پہچان اور اس) کا معیار یہ ہے کہ ہم اپنے دوست سے شرعی وجہ کے سوا اور کسی وجہ سے (کسی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اب جس کو بہت ہی محبت ہوگی وہی آوے گا جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے شیخ سے شکایت کی کہ ہجوم خلائق سے میں بہت تنگ آگیا ہوں۔ شیخ نے کہا کہ تمہارے پاس جو غرباء آتے ہیں ان کو کچھ روپیہ قرض دیدیا کرو اور جو امراء آئیں ان سے روپیہ مانگا کرو تو جو دنیا کے لئے آتے ہیں آہستہ آہستہ سب آنا چھوڑ دیں گے۔

بزرگان سلف تو اس تدبیر سے دنیا والوں کو اپنے پاس آنے سے روکنا چاہتے تھے اور آج کل ان باتوں کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور اس کو تصوف کے اصول میں داخل کیا گیا ہے کہ "خالی آوے خالی جاوے" حالانکہ اول تو یہ محض ہجوم خلائق کم کرنے کی ایک تدبیر تھی اور اگر کسی محقق کے کلام میں یہ الفاظ قاعدہ کے طور پر موجود بھی ہوں تو اس کا وہ مطلب نہیں جو طالب دنیا مشائخ نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو اخلاص سے خالی آوے وہ فیض سے خالی جاوے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

صورت میں) بھی نہ بدلیں۔ پس اگر اس دوست کی عادت مثلاً یہ ہو کہ جب ہم حج سے واپس آتے ہوں تو وہ ہمارے استقبال کو شہر سے باہر آتا ہو (اور ہمارے واسطے) کھانا اور کپڑا ساتھ لے کر ملنے آتا ہو، پھر وہ اس (دستور) کو قطع کر دے اور ہمارے گھر میں آکر دوسرے آدمیوں کی طرح (خالی) سلام کرنے لگے تو اگر اس صورت میں ہم اس سے بدل جائیں (اور پہلی سی آؤ بھگت اور محبت میں کمی کر دیں) تو (جان لو کہ) ہماری دوستی اللہ کے واسطے نہ تھی (بلکہ محض دنیا کے واسطے تھی، کیونکہ اگر ہماری دوستی اللہ کے واسطے ہوتی تو اس حالت میں ہم اس سے ہرگز نہ بدلتے۔ آخر اس نے خدا کا کونسا گناہ کیا؟ (اور شریعت کے خلاف کیا بات کی ؟) خصوصاً[1] اگر وہ محتاج اور پریشان حال بھی ہو اور ہم اس کے ہدیہ کی مکافات بھی (ویسی) نہ کرتے ہوں جیسی وہ (ہدیہ لانے میں) مشقت برداشت کرتا ہے (تب تو ہمارا بدل جانا بہت ہی عجیب ہو گا۔ اس صورت میں تو

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ ہدیہ کی بارے میں حضرت حکیم الامت کا دستور العمل بہت ہی عجیب وغریب ہے (۱) اول ملاقات میں کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے کیونکہ خلوص ومحبت کا حال معلوم نہیں (۲) مخلصین کا ہدیہ بالالتزام نہیں لیتے، بلکہ التزام سے منع فرماتے ہیں (۳) ہدیہ دینے والے کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں قبول کرتے اور دو ہدیوں میں کم از کم ایک مہینہ کا فصل ضروری سمجھتے ہیں (۴) اگر کوئی مخلص جوش میں آکر زیادہ مقدار پیش کر دے تو اس میں کچھ قبول کر لیتے ہیں اور زیادہ مقدار واپس کر دیتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ بعض دفعہ مخلص دوست جوش محبت میں بہت زیادہ دیدیتے ہیں، مگر میں اتنا قبول کرتا ہوں کہ جوش ختم ہونے کے بعد بھی اس ہدیہ کے دینے سے اس کے دل میں ویسا ہی انشراح رہے جیسا کہ جوش کے وقت تھا اور ساری مقدار قبول نہیں کرتا، کیونکہ جوش محبت میں تو اس کی گرانی ہدیہ دینے والے کے دل پر نہیں ہوتی، مگر جوش ختم ہونے کے بعد ممکن ہے کہ نفس پر بار معلوم ہو کہ یہ میں نے کیا حماقت کی کہ اتنی مقدار دے ڈالی، اس لئے میں اتنا ہی لیتا ہوں جس کا اس کے دل پر کبھی بار نہ ہو اور اس سے زیادہ کو جائز نہیں سمجھتا اگرچہ ہدیہ دینے والا کیسا ہی مخلص ہو۔ اس پر اکثر لوگ نظر نہیں کرتے اور مخلصین کے ہر ہدیہ کو قبول کر لینا جائز سمجھتے ہیں۔ فللّٰہ درہ من حکیم۔ ۱۲ مترجم

اگر وہ ہدیہ پیش بھی کرے تو ہم کو قبول نہ کرنا چاہئے تھا نہ کہ الٹا ہدیہ نہ لانے سے ہم کو ناگواری پیدا ہو)۔

(۱۰۱) اپنے بھائیوں میں سے کسی کو فقیروں پر انکار نہ کرنے دیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے بھائیوں (اور دوستوں اور مریدوں) میں سے کسی کو ان فقیروں پر انکار (اور بدگمانی) نہ کرنے دیں جو دروازوں اور دوکانوں پر (بھیک) مانگتے پھرتے ہیں اگرچہ وہ زبردستی کر کے مانگتے ہوں (کیونکہ ان میں ہر طرح کے فقیر ہوتے ہیں، سچے بھی اور جھوٹے بھی تو ہر شخص سے جلدی بدگمان ہو جانا اچھا نہیں اور سچے) فقیروں کا بعض دفعہ (سوال کرنے سے) یہ مقصود ہوتا ہے کہ مخلوق کے اوپر سے قسم قسم کی بلاؤں کو جو ان پر نازل ہوا چاہتی ہیں) دفع کر دیں اور ان کے گناہوں کے دریاؤں کو خشک کر دیں (کیونکہ صدقات سے بلاؤں کا ٹل جانا اور گناہوں کا معاف ہو جانا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے۔

پس یہ مت سمجھو کہ ہر بھیک مانگنے والا اپنا ہی پیٹ پالتا ہے، بلکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو مخلوق کو بلاؤں سے بچانا چاہتے ہیں۔ پس ہر ایک سے بد اعتقاد ہو جانا مناسب نہیں رہا دینا یا نہ دینا یہ شریعت کے حکم کے موافق ہونا چاہئے جس کو ضرورت مند معذور دیکھو اس کو دیدو اور جس کو تم معذور نہ سمجھو اس کو نہ دو، لیکن برا بہر حال میں کسی کو نہ کہو) اور (جہاں کچھ معلوم نہ ہو کہ یہ معذور ہے یا غیر معذور وہاں دیدینا ہی اچھا ہے کیونکہ) حدیث میں ہے کہ سائل [1] کا کسی دروازہ پر کھڑا ہونا خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤمن کے لئے ہدیہ ہے (یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو تمہارے گھر پر بھیجا ہے تاکہ

---

(۱) عن ابی بن کعب رضی اللہ عنه مرفوعاً الا ادلکم علی هدایا اللہ تعالیٰ الی خلقه قلنا بلی قال الفقیر من خلقه هو هدیة اللہ تعالیٰ قبل ذالك او ترك. رواه ابن النجار. وفیه عبد اللہ بن معاویة ضعیف وذکره ابن حبان فی الثقات کذا فی کنز العمال. ۱۲ مولانا احمد حسن سنبھلی

تمہارے ہاتھ سے اس کو روزی پہونچاوے تو خدا کے ہدیہ کی عظمت کرنا چاہئے، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ خدا کا ہدیہ وہی سائل ہو سکتا ہے جس کو خدا نے سوال کرنے کی اجازت دی ہے اور جس کو اجازت نہیں دی، بلکہ اس کو مانگنا حرام کیا ہے جیسے ہٹا کٹا مضبوط جوان وہ خدا کا ہدیہ نہیں اور نہ اس کو دینا جائز ہے)۔

اور (حضرت) محمد بن حسین...... رضی اللہ عنہ جب اپنے دروازہ پر کسی سائل کو (کھڑا ہوا) دیکھتے تو (دیکھتے ہی) اس کے سامنے تبسم فرماتے...... اور (خوش ہو کر) یوں کہتے کہ مرحبا اس شخص کے لئے جو میرا توشۂ آخرت کی طرف بلا اجرت کے پہنچاتا ہے (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کے دل میں مانگنے والوں کی کیسی وقعت تھی کہ وہ ان کو کچھ دے کر اپنا احسان نہ رکھتے تھے، بلکہ ان کے احسان مند ہوتے تھے کہ یہ ہمارا کھانا وغیرہ آخرت میں بلا اجرت پہونچاتے ہیں)۔

اور (جیسا کہ اپنے دوستوں کو بھیک مانگنے والے فقیروں کے ساتھ بد اعتقادی سے روکنا ضروری ہے) اسی طرح (جب کسی سائل کا معذور و غیر معذور ہونا معلوم نہ ہو) تو اپنے دوستوں (اور مریدوں) کو یہ بہانا بھی نہ کرنے دیں کہ یہ تو کمانے (کھانے) کی قدرت رکھتے ہیں (ان کو کیوں دیا جائے) ان کو تو سوال کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ (بہانا محض) بخل (کرنے) کے لئے ایک حجت ہے (ورنہ جب تم کو اس کا معذور و غیر معذور ہونا کچھ معلوم نہیں اور اتنی بات معلوم ہے کہ سوال کرنا اس کا پیشہ نہیں ہے تو تم کو اسے کچھ دینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا)۔

اور حضور ﷺ سائل کو (ہمیشہ کچھ نہ کچھ) دے ہی دیا کرتے تھے اگر چہ وہ (ظاہر میں) غنی ہی (معلوم ہوتا) ہو کیونکہ بعض دفعہ انسان کے ذمہ قرض اس قدر ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ چاہے ظاہر میں اچھا لباس ہی پہنے ہو، مگر حقیقت میں قابل رحم ہے اور شرعاً اس کی امداد کرنا باعث ثواب ہے بشرطیکہ اس نے سوال کو پیشہ نہ بنالیا ہو، محض ضرورت کی وجہ سے سوال کرتا ہو اور قرائن سے اکثر ہر حالت کا پتہ چل جاتا ہے اور اگر قرائن سے کچھ نہ معلوم ہو تو مسلمان کے ساتھ یہ

بد گمانی کرنا کیا ضرور ہے کہ وہ بلا ضرورت سوال کرتا ہوگا۔ پس ایسی حالت میں اس کی امداد کرنا ہی مناسب ہے)۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے "للسائل حق وان جاء علی فرس"[1] مانگنے والے کا حق ہے (کہ اس کا سوال پورا کیا جاوے) اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہی آئے (یعنی اگر چہ ظاہری صورت سے کھاتا پیتا معلوم ہوتا ہو، مگر جب تم کو اس کی حقیقت حال کی خبر نہیں تو تم کو اس پر بد گمانی کرنے کا بھی حق نہیں، ممکن ہے کہ وہ سخت مجبوری سے سوال کرتا ہو، البتہ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ اس نے سوال کا پیشہ اختیار کر لیا ہے تو پھر اس کو دینا جائز نہیں[2] اور نہ اس کو سوال کرنا جائز ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سوال کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جن کے لئے حق تعالیٰ نے دنیا میں

---

(۱) عن زید بن اسلم قال قال رسول الله ﷺ "اعطوا السائل ولوجاء علی فرس" اخرجه مالك ولا بی داؤد عن "...... للسائل حق ولوجاء علی فرس" کذا فی التیسیر. ۱۲مترجم

(۲) عن قبیصة بن مخارق رضی الله عنه قال تحملت حمالةً فاتیت رسول الله ﷺ اسأله فیها فقال اقم حتی تأتینا الصدقة فنأمر لك بها ثم قال یا قبیصة ان المسئلة لا تحل الا لا حد ثلثة. رجلٌ تحمل حمالة فحلت له المسئلة حتی یصیبها ثم یمسك، ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسئله حتی یصیب قواما من عیش اوقال سداداً من عیش، ورجل اصابته فاقة حتی یقوم ثلثة من ذوی الحجی من قومه لقد اصابت فلاناً فاقة فحلت له المسئلة حتی یصیب قواماً من عیش او قال سداداً من عیش. فما سواهن من المسئلة یاقبیصة سحت یا کلها صاحبها سحتاً. رواه مسلم.

(ترجمہ) قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ضمانت کر لی تھی (یعنی کوئی دیت یا کسی کا قرض اپنے ذمہ لے لیا تھا) تو میں حضور ﷺ کے پاس اس کے بارے میں امداد مانگنے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ٹھہر و جب ہمارے پاس صدقہ (کا مال) آوے گا اس میں سے تمہارے واسطے (امداد کا حکم کر دیں گے، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے قبیصہ! سوال کرنا تین شخصوں کے سوا کسی کو حلال نہیں، ایک وہ شخص جس نے کوئی ضمانت (اپنے ذمہ) لے لی ہو اس کو مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ ضمانت پوری ہو جائے، پھر (سوال سے) رک جائے۔ دوسرے وہ شخص جس کے مال پر کوئی ایسی آفت آپڑی ہو جس نے سارے مال کو تباہ کر دیا اس کو سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بقدر جینے کے (کچھ مال) اس کو مل جائے۔ تیسرے وہ شخص جس کو فاقہ پہونچا ہو یہاں تک کہ تین معتبر شخص اس کی قوم میں سے (گواہ بن کر) کھڑے ہوں کہ فلاں شخص فاقہ زدہ ہے تو اس کو بھی سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بقدر جینے کے اس کو (کچھ مال) ملجائے۔ اوران کے سوا جتنے سوال ہیں اے قبیصہ! وہ سب حرام ہیں جن کے ذریعہ سے مانگنے والا حرام کھاتا ہے۔ یہ مسلم کی روایت ہے اھ

وعن حبشی بن جنادة قال قال رسول الله ﷺ ان المسئلة لا تحل لغنی ولا لذی مرة سوی الالذی فقر مدقع او عزم مفظع ومن سال الناس لیشری به ماله کان خموشاً فی وجهه یوم القیمة ورضفا یا کله من جهنم فمن شاء فلیقل ومن شاء فلیکثر. رواه الترمذی.

وعن سهل بن الحنظلیة قال قال رسول الله ﷺ من سأل وعنده ما یغنیه فانما یستکثر من النار قال النفیل وهو احد رواته فی موضع آخر وما الغنی الذی لا ینبغی معه المسئلة قال قدر ما یغدیه ویعشیه وقال فی موضع آخر ان یکون له شبع یوم اولیلة ویوم. رواه ابوداؤد.

حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوال کرنا نہ غنی کو جائز ہے نہ تندرست مضبوط آدمی کو، ہاں اس شخص کو جائز ہے جس کو فقر نے مٹی میں ملادیا (اور وہ کمانے پر بھی قادر نہیں یا مزدوری وغیرہ اس کو ملتی نہیں) یا اس شخص کو جس پر اتنا قرض ہو جس نے پریشان کر دیا ہو اور جو شخص اپنا مال زیادہ کرنے کے لئے سوال کرے تو اس کے چہرہ میں زخم ہو نگے اور (سوال کر کے جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ) جہنم کے گرم پتھر ہو نگے جن کو وہ کھاوے گا، تو اب جو کوئی چاہے سوال کم کرے اور جو کوئی چاہے زیادہ کرے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مانگنے کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش مقدر نہیں فرمایا خواہ وہ خدا سے مانگیں (جیسا کہ متوکلین کی شان ہوتی ہے) یا بندوں سے مانگیں (جیسا کہ بھیک مانگنے والوں کی حالت ہے۔

پس کسی کو دوکانوں اور دروازوں پر سوال کرتا ہوا دیکھ کر برا بھلا مت کہو، نہ اس سے بدگمان اور بداعتقاد ہو، اپنے دل کو سمجھالو کہ ممکن ہے یہ معذور ہو اور ہم کو اس کے عذر کی خبر نہ ہو اور وہ عذر دلیل اس کی ہو کہ خدا نے اس کی تقدیر میں رضا کے ساتھ مانگنا ہی لکھا ہو اور اس کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش مقدر نہ کیا ہو۔ غرض اس طرح سے وہ معذور ہے) اور (یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے واسطے سوال نہ کرتا ہو، بلکہ دوسرے محتاج معذوروں کے واسطے مانگتا ہو)۔

میں نے ایک فقیر کو دیکھا ہے جو دن بھر چکر لگاتا ہوا لوگوں سے مانگتا تھا، لیکن خود اس میں سے ایک لقمہ بھی نہ کھاتا تھا، بلکہ اس کو بوڑھی عورتوں اور اندھوں اور یتیموں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس کفایت کی مقدار ہو اور وہ سوال کرے تو وہ (اپنے لئے) جہنم کی آگ زیادہ کررہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ وہ مقدار کفایت کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے مانگنا جائز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنی مقدار جس سے صبح و شام کا کھانا کھا سکے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک دن پیٹ بھر سکے یا ایک دن رات (کے لئے کافی ہو سکے) یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ اھ

ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ تندرست مضبوط کو اور جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو اس کو مانگنا حرام ہے اور ایسے کو دینا حرام کی اعانت ہے اور حرام کی اعانت بھی حرام ہے۔ پس مانگنے والے کا تو یہ حکم ہے اور دینے والوں کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی حالت معلوم ہو جائے کہ اس کو مانگنے کی ضرورت نہیں یا اس نے مانگنے کا پیشہ اختیار کر لیا ہے اس کو نہ دیں جہاں کچھ معلوم نہ ہو یا اس کا معذور و محتاج ہونا معلوم ہو اس کو دیدیں اور ہر حالت میں برا بھلا کسی کو نہ کہیں ممکن ہے کہ سوال سے اس کی کوئی اور غرض ہو جس کی ہم کو خبر نہ ہو۔ پس علامہ کا کلام فقہاء کے خلاف نہیں۔ ۱۲ مترجم

میں تقسیم کیا کرتا تھا روزانہ ہر شخص کا ایک معین حصہ اس نے اپنے ذمہ مقرر کر رکھا تھا (اور لوگوں سے مانگ مانگ کر ان کو پہونچاتا تھا) تو میں نے اپنے دوستوں کو اس کا پتہ بتلایا (کہ دیکھو اس سے بدگمان نہ ہونا، اس کی بہت اچھی حالت ہے، یہ اپنے واسطے سوال نہیں کرتا)۔

تو ایک دن میرے دوستوں نے اس کو روٹی اور پنیر بیچتے ہوئے دیکھا۔ وہ میرے پاس آکر کہنے لگے کہ اس فقیر کے بارے میں جو بات آپ نے فرمائی تھی وہ غلط ثابت ہوئی، کیونکہ آج ہم نے اس کو جمع کی ہوئی چیزیں بیچتے ہوئے دیکھا ہے (اگر وہ دوسروں کے لئے مانگتا تو وہی روٹیاں جو مانگ مانگ کر جمع کی تھیں ان کو دے آتا، بیچنے کی اسے کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہی واسطے سوال کرتا ہے اور اپنا پیٹ بھر کر باقی فروخت کر کے ان کی قیمت جمع کرتا ہے) میں نے کہا کہ (پہلے اس سے دریافت تو کرو (پیچھے ہی بدگمانی کرنا)۔

چنانچہ انہوں نے اس سے دریافت کیا (کہ آج تم نے یہ چیزیں فروخت کیوں کیں؟) کہنے لگا کہ آج بوڑھی عورتوں نے یہ بات کہی کہ ہم کو اس وقت روٹیوں کی ضرورت نہیں، آج تم روٹیوں کو بیچ کر ہمارے واسطے روئی خرید کر لاؤ ہم اسے کاتیں گے اور (کچھ) صابون لے آؤ اس سے ہم (کپڑے وغیرہ) دھوئیں گے، پس (یہ جواب سن کر) میرے دوستوں نے اپنی بدگمانی سے رجوع کیا۔

اور سیدی یوسف عجمی رحمہ اللہ کا طریقہ دنیا سے بالکل خالی ہاتھ رہنا اور کسی زمین یا وقف وغیرہ کی آمدنی پر مطلق اعتماد نہ کرنا تھا اور جب کسی دن حق تعالیٰ (خانقاہ کے) فقراء کے لئے کچھ فتوحات نہ بھیجتے تو وہ (خانقاہ سے) نکل کر مصر کی گلی کوچوں میں فقراء کے لئے مانگتے پھرا کرتے تو (قاعدہ آپ کے سوال کا یہ تھا) کسی دوکان پر یا گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوکر (زور سے) اللہ کہتے اور (لفظ اللہ کو) اتنا لمبا کھینچتے کہ جھومتے جھومتے گرنے کے قریب ہو جاتے، جس سے ناواقف آدمی یہ گمان کرتا تھا کہ یہ کوئی افیون کھانے والا ہے (افیون کے نشہ میں جھوم رہا ہے۔ پس عزیز من! ہر مانگنے

والے کی جدا حالت ہے، سب کو جھوٹا اور پیٹ کا بندہ سمجھنا اچھا نہیں) اور ہم نے[1] اسرار الآداب میں اس مضمون پر مفصل گفتگو کی ہے۔ واللہ واسع علیم۔

---

(۱) علامہ کا مقصود اس عہد سے صرف اس قدر ہے کہ دوکانوں اور دروازوں پر بھیک مانگنے والوں کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے اور نہ بلا تحقیق ان سے بدگمان ہونا چاہئے، چنانچہ بہت سے احتمالات بیان کر کے اس مقصود کو واضح کر دیا ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ ہٹے کٹے مضبوط آدمی اگر مانگنے کا پیشہ اختیار کرلیں تو ان کو بھی دینا چاہئے اگر چہ بعض الفاظ سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے، مگر احقر نے ان کا مطلب قوسین کے درمیان میں واضح کر دیا ہے۔

اور زیادہ تفصیل چاہو تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا جواب ملاحظہ ہو جو اسی عہد کی بعض عبارات کے متعلق حضرت نے تحریر فرمایا تھا۔

(الجواب) شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اور ہمارے فقہاء ومشائخ کے کلام میں کوئی تعارض نہیں اور دونوں کے دعوے صحیح ہیں اور ہر ایک کے پاس دلائل قویہ ہیں، شیخ کی قوت دلیل تو خود سوال میں مسلم ہے اور فقہاء کی دلیل کے دو مقدمے ہیں کہ سوال ایسے شخص کو حرام ہے للاحادیث الصحیحۃ اور حرام پر انکار مشروع ہے اور عدم تعارض اس لئے ہے کہ تناقص کے شرائط میں سے وحدات ثمانیہ بھی ہیں جن میں ایک وحدت شرط بھی ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ شیخ خاص اس صورت میں منع کر رہے ہیں جب یہ انکار کسی مفسدہ وار تکاب منہی عنہ کی طرف مفضی ہو مثلاً تکبر علی السائل و تقویت بخل۔ پس اس تکبر کا یہ علاج بتلایا ہے کہ اسکو اپنا محسن سمجھے گو سائل کا قصد احسان کا نہ ہو، مگر احسان تو اپنی حقیقت میں احسان ہی ہے گو عدم قصد کے سبب اجر نہ ملے گا اور بخل کا یہ علاج بتلایا ہے کہ اس سائل میں احتمال استحقاق سمجھے چنانچہ ان کا قول ربما کان الخ اس میں نص ہے اور احتمال استحقاق پر اس سائل کا حدیث للسائل الخ کے عموم میں داخل ہونا محتمل ہے گو اس احتمال پر عمل واجب یا جائز نہ ہو، مگر یہ احتمال علی الاطلاق حرمان سائل کے جزم کا تو انسداد کر دے گا اور یہ علاج ہے بخل کا۔

اور چونکہ حرمت سوال غیر مستحق مسئلہ مشہورہ ہے، اس لئے اس کے مرتکب کو نہی کرنا واجب تو نہیں غایۃ مافی الباب مستحب ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۰۲)دوستوں کو تکلیف پہنچانے والے سے خلاصی کا طریقہ سکھلائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے دوستوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو خواہ وہ ان کا پڑوسی ہو یا شہر کا سردار اور چودھری ہو تو اپنے دوستوں کو اس سے خلاصی پانے کا طریقہ سکھلائیں خصوصاً اگر وہ (موذی) حکام یا قاضیوں یا چونگی والوں کے پاس مقدمہ لے جانے کے درپے ہو (تب تو ضرور اس سے بچنے کی تدبیر بتلائیں اور اپنے دوستوں کی مصیبت سے بے فکر ہو کر نہ بیٹھیں) اور ان لوگوں کی ایذاء سے بچنے کا قریب (اور سہل) تر طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو حکم کریں کہ ان لوگوں کے ساتھ (کوئی) دنیوی احسان کر دیا کریں اور خوشامد اور خدمت سے پیش آئیں اور (اس طریقہ کو خلاف شرع نہ سمجھیں، کیونکہ) ان میں سے کوئی بات بھی کسی درجہ میں حرام نہیں (دفع ضرر کے لئے شرعاً ان باتوں کی اجازت ہے)۔

اور لوگوں کا یہ کہنا کہ ظالم کے سامنے عاجزی کرنے سے فقط اس کی سرکشی اور زیادتی ہی بڑھتی ہے (اور کچھ نفع نہیں ہوتا) یہ محض ان کے نفس کی بنائی ہوئی بات ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ (حم السجدہ/۳۴) برائی کو بھلائی کر کے دفع کرو تو جو شخص کہ اس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہو گی (ایسا ہو جائے گا) گویا کہ بڑا پکا دوست ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور خود فقہاء نے لکھا ہے کہ جو مستحب مفضی الی المفسدہ ہو اس کو ترک کر دینا واجب ہے اور یہ مستحب غیر کامل کے لئے مفضی ہے کبر و بخل کی طرف اس لئے واجب الترک ہو گا۔

یہ شرح ہے کلام شیخ کی اور فقہاء اس صورت میں انکار کو مشروع کہتے ہیں جب یہ مفاسد نہ ہوں اور گو فقہاء نے یہ قید نہیں لگائی جیسے شیخ نے قیدیں لگادی ہیں، مگر فقہاء کا قاعدہ افضاء الی المفسدہ اس کی دلیل ہے باقی چونکہ ان کی نگاہ ایسے مفاسد پر کم جاتی ہے لہٰذا تعرض جزئی نہیں کیا۔ فافہم ۱۲ مترجم ۲۵/ شوال ۱۳۳۵ھ

اور حق تعالیٰ اصدق القائلین ہیں (سب سے زیادہ بات میں سچے ہیں تو یقیناً دشمن کے ساتھ احسان کرنے سے اس کی دشمنی کم ہو جائیگی۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ ظالم کے سامنے عاجزی اور خوشامد کرنے سے اس کی سرکشی اور زیادتی بڑھتی ہے)۔

پس عقلمند کی دانائی اس میں ہے کہ جو شخص اس کی (شکایت کرتا اور) چغلیاں کھاتا ہو اس کے ساتھ احسان (وسلوک) کرے اور اس کے ساتھ خوشامد اور عاجزی سے پیش آوے اور اگر اس کے پاس ایک ہی لقمہ ہو اسی سے اس کی خاطر ومدارات کردے اور اس قسم کی باتیں کہہ دے کہ بھائی ہم تو تمہارے تابعدار ہیں، تمہارے سے کم رتبہ والے ہیں، ہمارا یہ حوصلہ نہیں کہ تمہارا مقابلہ کریں، اگر ہم سے کوئی خطا ہو گئی ہو للہ معاف کردو) کیونکہ اطمینان قلب کے ساتھ انسان کا بھوکا رہنا پریشانی کے ساتھ پیٹ بھرنے سے زیادہ اچھا ہے اور جو شخص پریشانی کا محرک ہوا ہے وہی اس کو دور بھی کر سکتا ہے۔

پس جس حاکم کی یہ مظلوم پناہ لینا چاہتا ہے اس کو (روٹی) دینے سے (خود) دشمن کو (کچھ) دے دینا زیادہ بہتر ہے (کیونکہ دشمن کی خاطر ومدارات کرنے سے دشمن کی جڑ کٹ جائے گی اور ہمیشہ کی راحت ہو جائے گی اور حاکم کو دینے دلانے سے بہت سے بہت تم ایک مرتبہ پریشانی سے چھوٹ جاؤ گے، مگر جب دشمنی کی جڑ باقی ہے تو آئندہ پھر اس سے اندیشہ ہے)۔

اور کم عقل لوگ (آج کل) اکثر ایسا ہی کرتے ہیں کہ دشمن کو محروم رکھتے ہیں (اسے کچھ نہیں دیتے) اور حکام کو (دیتے دلاتے) کھلاتے پلاتے رہتے ہیں اور اگر وہ ایسا کرے کہ جتنا حکام کو دیتے دلاتے ہیں اس سے بھی کم دشمن کو دیدیتے تو ممکن تھا کہ جس طرح اس نے تکلیف کا دروازہ خود کھولا تھا ویسے ہی وہ اس کو بالکل بند کر دیتا (اور اب روپیہ بھی صرف کرتے ہیں اور تکلیف کا دروازہ بند نہیں ہوتا)۔

پس اس (طریقہ) کو خوب سمجھ لو (اے کاش کہ ہندوستان کے مقدمہ باز حضرات اس مضمون پر غور کریں تو ہزار ہا روپیہ کچہریوں میں رشوت کی نذر نہ ہوا

کرے اور قوم میں اتفاق بھی رہے۔ اس طریقہ سے روپیہ بھی بچتا ہے اور دشمنی کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔ افسوس ہندوستان میں ہزاروں گھر مقدمات سے تباہ ہو گئے، مگر اب تک عقل نہیں آئی۔ خدایا ہم کو فہم دے ۱۲ مترجم) اور اس پر عمل کرو اور اپنی تکلیف دینے والے کو معذور سمجھو کیونکہ اس نے تم کو اسی وقت تکلیف پہنچائی ہے جب کہ تمہاری طرف سے بکثرت تکالیف پہونچنے کے سبب اس کا دل تنگ ہو گیا (کیونکہ خواہ مخواہ کوئی کسی کو تکلیف نہیں پہنچایا کرتا، اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کو تم تکلیف دیتے ہو وہی تم کو ایذا پہنچاتا ہے) تو وہ تم کو تکلیف دے کر اپنی کلفت کم کرنا چاہتا ہے تاکہ (تمہاری پریشانی اور مصیبت کو دیکھ دیکھ کر) اس کے نفس کو راحت (اور دل کو ٹھنڈک) ہو اور اگر تم اس کے لئے راحت کا دروازہ کھول دیتے اور کبھی کوئی غم اسے نہ پہنچاتے تو وہ بھی تم کو کبھی تکلیف نہ دیتا۔ واللہ علیم خبیر.

(۱۰۳) اپنے دوستوں کو حکم کریں کہ بڑوں کی سفارش قبول کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے سب دوستوں کو (خواہ وہ) تاجر ہوں یا نہ ہوں یہ حکم کریں کہ بڑے لوگوں کی سفارش کو قبول کیا کریں جیسے اپنے استاد یا (بڑے بڑے) تاجر اور (بزرگ) درویش (کہ یہ لوگ اگر کسی شخص کی ہم سے سفارش کریں کہ اس کے ذمہ جو تمہارا قرض ہے معاف کردو یا کم کردو تو ہم کو قبول کرلینا چاہئے) بالخصوص (اگر) خستہ حال پریشان صورت لوگ جن کی کوئی بھی وقعت نہیں کرتا (کسی کے بارے میں ہم سے سفارش کریں تو ان کی بات ضرور مان لینی چاہئے، کیونکہ ایسے لوگوں کی سفارش قبول کرنے میں ثواب زیادہ ہے)۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ادب کی بات یہ ہے کہ سفارش کرنے والے کی خاطر داری کو ہم اپنی تمام خواہشوں اور اقوال پر مقدم کریں۔ پس (اگر وہ کسی خطاکار کی معافی کے لئے سفارش کرے تو) ہم اس خطا کرنے والے کو معاف کردیں (اور اس سے درگزر کریں) اور (اگر مدیون سے تمام قرض

معاف کر دینے کی سفارش کرے تو) ہم اس مدیون کو اپنا قرض معاف کر دیں جس کے ادا کرنے سے وہ عاجز ہو گیا ہے اور (اگر کسی مدیون سے قرضہ قسط وار وصول کرنے کی سفارش کرے تو) ہم اس شخص کے لئے قسطیں مقرر کر دیں جس کے واسطے (سفارش کرنے والا) قسطیں مقرر کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ واللہ غفور رحیم۔

(۱۰۴) اپنے دوستوں کو قرضداروں اور قرض خواہوں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں (اور مریدوں) کو ان کے قرضداروں اور قرض خواہوں کے ساتھ نرمی سے بات چیت کرنے کا حکم کریں، کیونکہ جس کا ان کے ذمہ قرض چاہتا ہے اس کے تو یہ دنیا اور آخرت (دونوں جہان) میں قیدی ہیں یہاں تک کہ اس کا پورا حق ادا کر دیں (تو پھر قیدی بن کر اس کے ساتھ سخت کلامی کرنا بڑی بے حیائی ہے اور جس پر ان کا قرض چاہتا ہے تو (اس کے ساتھ بھی سختی نہ کرنا چاہئے، کیونکہ) آج کل لوگوں پر افلاس (اور غربت) زیادہ غالب ہے اور تنگدلی اور پریشانی اس کا لازمی خاصہ ہے اور (اس پریشانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر قرضخواہ کی طرف سے کسی وقت زیادہ تقاضا ہوا تو) بعض دفعہ وہ اس کے حق ہی سے مکر جاتا (اور قرض کا انکار کر بیٹھتا) ہے بالخصوص اگر قرض پر شہادت بھی نہ ہو (تب تو اس کو انکار کر دینا بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے)۔

پھر یہ شخص (جس کا قرض چاہتا ہے) حاکم کو اور بیچ والوں کو قرضہ کا کچھ حصہ رشوت میں دینا (طے) کر لیتا ہے (کہ اگر میرا قرض وصول ہو گیا تو میں آپ لوگوں کو اس میں سے اتنا اتنا دوں گا) اور جھوٹی شہادتیں قائم کرتا (پھرتا) ہے (جس کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم اور بیچ والے اور جھوٹے گواہ اس قدر رقم وصول کر لیتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں بچتا) اور پورا حق ضائع ہو جاتا ہے، چنانچہ بار بار ہم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے (اور یہ ساری خرابی سخت کلامی سے پیدا ہوتی ہے جس سے پریشان ہو کر قرضدار نے حق کا انکار کیا تھا) پس (اپنے قرضدار سے) نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا

زیادہ بہتر [۱] ہے۔ والسلام

(۱۰۵) تمام لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے تجارت پیشہ دوستوں کو اور ان کے سوا سب (لوگوں) کو صدقہ (خیرات کرنے) کا حکم کریں کہ کوئی دن بھی اس سے خالی نہ گذرے اگرچہ ایک روٹی یا ایک پیسہ یا ایک پیاز یا چھوارہ یا ایک کشمش ہی دیدیا کریں یا (اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم) دو رکعت (نفل) نماز (ہی پڑھ لیا کریں [۲]) یا (یہ نہ ہوسکے تو) ایک بار "سبحان اللہ" یا "لا الہ الا اللہ" ہی کہہ لیا کریں اور یہ (حکم) اس لئے

(۱) میرے دوستو! اگر معاملات درست رکھنا چاہتے ہو اور باہم دوستی اور اتفاق سے رہنا چاہتے ہو تو ان مضامین پر عمل کرو ورنہ زبانی جمع خرچ سے اور اتفاق اتفاق پکارنے سے کیا ہوتا ہے؟ دیکھو معاملات میں یہ ہے شریعت کی تعلیم جس کے ہر ہر لفظ پر دنیا و آخرت کی راحت ساتھ ساتھ ہے۔ الٰہی اپنے حبیب کی امت کو ہمت اور عمل کی توفیق دے آمین۔ ۱۲ مترجم۔

(۲) رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی مرفوعاً عن اللہ تبارك وتعالیٰ " یا ابن آدم ارکع لی اربع رکعات اول النہار اکفك آخرہ" کذا فی الحصن، وروی مسلم وابوداؤد و ابن ماجه عن ابی ذر رضی اللہ عنه" یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقةٌ وکل تحمیدة صدقة وکل تہلیلة صدقة وکل تکبیرة صدقة" کذا فی الحصن والحرز۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تو میرے واسطے دن کے پہلے حصہ میں چار رکعت نماز پڑھ لیا کر میں دن کے آخری حصہ تک تیرے (تمام حوائج اور تمام مصائب سے) کفایت کروں گا (اکثر علماء نے اس حدیث کو اشراق اور چاشت کے نوافل پر محمول کیا ہے) اور مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ صبح کو ہر شخص کے (بدن کے) ہر جوڑ پر بلاؤں سے حفاظت کے لئے صدقہ (لازم) ہوتا ہے اور وہ (صدقہ مال ہی سے ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ) ہر تسبیح (یعنی سبحان اللہ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تحمید (یعنی الحمد للہ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تہلیل (یعنی لا الہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تکبیر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کریں تاکہ اس دن میں ان کے اوپر کوئی بلا نازل نہ ہو" قال ﷺ باکروا بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها الخ" حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (ہر دن) صبح سویرے صدقہ دیا کرو کیونکہ بلاء صدقہ کے اوپر کو کود کر نہیں آسکتی (بلکہ صدقہ اس کو روکے رہتا ہے "روی الطبرانی مرفوعاً الصدقة تشد سبعین باباً من السوء" صدقہ مصیبت کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے) اور جس قدر صدقہ زیادہ دیا جاوے گا اسی قدر بلا زیادہ دفع ہو گی۔ واللہ اعلم۔

(۱۰۶) صدقہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ صدقہ خالص خدا تعالیٰ کے لئے دیا کریں (یعنی اخلاص کی پوری رعایت رکھیں) اور بڑی بڑی (قیمتی) چیزیں خیرات نہ کیا کریں (کیونکہ ایسی چیزیں خیرات کرنے میں اکثر نیت خالص کم ہوتی ہے، بس صدقہ خیرات اتنا کیا کریں جس کا نفس پر بار نہ ہو) ہاں اگر قیمتی چیزیں خیرات کرنے سے (بھی) ہمارا یقین کمزور نہ ہو اور نہ بعد میں ہم کو (یہ) پشیمانی ہو کہ (ہائے ہم نے اتنی قیمتی چیز کیوں خیرات کر دی اور نہ (دل دل میں) یوں کہیں کہ کیا اچھا ہوتا جو ہم کچھ خیرات کر دیتے اور کچھ (اپنے پاس) رکھ چھوڑتے (اس صورت میں قیمتی چیزیں خیرات کرنے کا بھی مضائقہ نہیں اور سارا مال دیدینے میں بھی حرج نہیں) اور یہ (جو ہم نے کہا ہے کہ قیمتی چیزیں جب تک کہ ایسی حالت نہ ہو خیرات نہ کریں یہ) اس وجہ سے ہے تاکہ حضور ﷺ کے اس ارشاد پر (ہمارا پورا) عمل ہو "لایخرج احدکم صدقة الا طیبة بها

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (یعنی اللہ اکبر کہنا) صدقہ ہے وحدیث باکروا بالصدقة الخ رواه البیهقی مرفوعا. وروی موقوفا عن انس رضی الله عنه وهو الاشبه قاله الحافظ المنذری اهـكذا فی العهود. قلت والموقوف فی مثله له حکم المرفوع واخرجه رزین عن علی بلفظ "بادروا بالصدقة فان البلاء لا یتخطاها" اهـ كذا فی التیسیر وفی الحدیث "اتقوا النار ولو بشق تمرة" رواه الشیخان وغیرهما وعدوه من المتواتر. حدیث میں ہے کہ (جہنم کی) آگ سے بچو اگرچہ ایک ٹکڑا چھوارے کا دیدو۔ ۱۲ مترجم۔

نفسه قارة بها عينه"[1] کہ کوئی شخص صدقہ (خیرات) نہ کرے، مگر اس حالت میں کہ اس کا دل اس (صدقہ) سے خوش ہو اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں یعنی (اس کے دل پر صدقہ کا ذرا بار نہ ہو) کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل یقین اور پورا بھروسہ ہے کہ حق تعالیٰ (مال و متاع خیرات کردینے کے بعد) اس کو ضائع (اور پریشان) نہ کریں گے۔

اور حدیث میں ہے "خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى"[2] بہتر صدقہ وہ ہے جو (خیرات کرنے والے کے پاس) غنا (اور بے فکری) چھوڑ جائے یعنی (صدقہ دینے والا اس کی وجہ سے خود محتاج اور فکر مند نہ ہو جائے (اب) یا تو وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ (یقین کامل اور پورا بھروسہ ہونے کی وجہ سے) غنی اور بے فکر) رہے (اس صورت میں تو سارا مال دے دینے کا بھی مضائقہ نہیں) یا (اگر ایسی حالت نہ ہو تو کچھ مال خیرات کرے اور کچھ رکھ چھوڑے تاکہ) اس کے علاوہ (جو) سامان (مال و متاع) دنیا (کا بچے اس) کے ساتھ (بے فکر اور) غنی رہے اور ہم نے اس (عہد) پر رسالہ "الآداب" میں مفصل گفتگو کی ہے۔ واللہ واسع علیم۔

(۱۰۷) ہمیشہ رہنے والے اور بڑھنے والے نیک اعمال کو مقدم کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ نیک کاموں میں ان چیزوں کو مقدم کریں جو ہمیشہ رہیں اور ان کا ثواب (دن بدن) بڑھتا رہے جیسے (ضرورت کے موقع پر) کنواں بنا دینا اور نکاح کرنے والے کی امداد کر دینا اور جو (کام) اس کے مثل ہوں (جن کا ثواب ہمیشہ ملتا رہے مثلاً غریبوں کے لئے زمین جائداد وقف کر دینا) کیونکہ زمانہ دراز تک جس قدر پانی اس کنویں سے نکلے گا اور جس قدر اولاد اس نکاح سے پیدا ہوگی (اور جب تک زمین وقف سے پیداوار رہے گی) اتنا ہی زیادہ ثواب ہم کو (ہمیشہ) پہنچتا رہے گا۔

---

(۱)

(۲) نسائی ج۵ رقم ۲۵۳۴، ۲۵۴۴ و مسند احمد ص ۲۷۸ ج ۲۔ ۱۲ مرتب۔

اور شیخ محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ نکاح میں (کسی کی) (امداد و) اعانت کرنا غلام آزاد کرانے اور جہاد میں امداد کرنے سے بھی افضل ہے، کیونکہ نکاح (سے ہر قسم کے لوگ پیدا ہوتے ہیں تو وہ) ہر موجود کی اصل ہے مجاہد کی بھی اور غیر مجاہد کی بھی، اگر نکاح نہ ہو تو کوئی مخلوق پیدا نہیں ہو سکتی وہ طاعات نافلہ میں سب سے افضل ہے (پس اس میں اعانت کرنا بھی دوسرے نیک کاموں میں امداد کرنے سے افضل ہے) واللہ اعلم[۱]۔

---

(۱) **ف**:- نکاح میں امداد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کرنے والے کو اگر مال کی ضرورت ہو تو اس کو مالی مدد دیجائے باقی کسی جگہ کسی کے رشتہ لگانے کی کوشش کرنا آج کل مناسب نہیں، کیونکہ بعد میں نہ معلوم دونوں میں موافقت آوے یا نہ آوے اور راحت سے گذرے یا مصیبت سے۔ اگر موافقت آ گئی اور راحت سے زندگی بسر ہو گئی تب تو رشتہ لگانے والے کا کوئی نام نہیں لیتا اور اگر خدانخواستہ موافقت نہ آئی اور کلفت پیش آئی تو سارا الزام بیچ والے پر رکھا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے رشتہ لگایا تھا، اس نے ہماری لڑکی کا راہ مار دیا، اس لئے آج کل اس جھگڑے میں نہ پڑنا چاہئے۔

ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ اگر اپنے آپ کوئی اچھی جگہ معلوم ہو تو اس کو موقع بتلا دیا جاوے اور یہ کہہ دیا جائے کہ کوشش تم خود کر لو۔ موقع ہم نے بتلا دیا ہے۔ اسی طرح لڑکی والے سے بھی کہہ دیا جائے کہ تم خود سوچ سمجھ کر جیسا مناسب سمجھو ویسا کرو، ہمارے کہنے سے کچھ مت کرنا۔ اس معاملہ میں اپنے حقیقی بھائی سے بھی یہی برتاؤ کرنا چاہئے، کیونکہ آج کل اس کا بہت تجربہ ہو چکا ہے کہ کسی کی بیٹی کے رشتہ منگنے میں رائے دینے سے بعد میں بہت رنج اٹھانا پڑتا ہے۔

حضرت حکیم الامت سے جب کوئی اپنی بیٹی وغیرہ کے رشتے منگنے میں رائے مشورہ لیتا ہے (خواہ وہ حقیقی بھائی کیوں نہ ہو) صاف فرمادیتے ہیں کہ میں رائے کچھ نہ دوں گا تم اپنی رائے سے جو چاہو کرو، ہاں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کروں گا کہ جہاں بھی ہو بہتر ہو، خدا برکت دے۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم۔

(۱۰۸) کسی کو کوئی چیز دے کر اس کو بدلہ سے بے فکر کر دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ) جب ہم کسی کو کوئی ایسی چیز دیں کہ لینے والے کو اس کی مکافات (اور بدلہ دینے) کا طبعی طور پر فکر ہو تو ہم اس کو مکافات سے بے فکر کر دیں اور دینے کے وقت ہی اس سے صاف کہہ دیں (کہ تم اس کی مکافات کے فکر میں نہ پڑنا میں اس کا بدلہ لینا نہیں چاہتا) تاکہ اس کو تھوڑی دیر کے لئے بھی فکر نہ ہو اور یوں کہنے کی ضرورت نہ پڑے کہ "واللہ مجھے اس چیز کی کچھ حاجت نہ تھی جو فلاں شخص نے بھیجی ہے اور حیران ہوں کہ اس کی مکافات کس چیز سے کروں"۔

چنانچہ ہم نے تجار کو اور حجاز اور شام وغیرہ سے آنے والوں کو بکثرت دیکھا ہے (کہ جب وہ سفر سے واپس آتے ہیں اور دوست احباب ان کے لئے ہدایا اور تحفے بھیجتے ہیں تو) وہ یہی بات کہتے ہیں (اس لئے ہم کو چاہئے کہ بدلہ لینے کی نیت سے کسی کو کوئی چیز نہ دیں اور دینے کے وقت ہی اس کو بے فکر کر دیں کیونکہ جس ہدیہ سے دوسرے شخص کو فکر اور پریشانی ہو اس میں کچھ خیر نہیں)۔

پھر اگر وہ اس (کہدینے) کے بعد بھی مکافات کرے اور ہمارے (بدلہ) معاف کرنے کو قبول نہ کرے تو ہم کو چاہئے کہ اس کے اس فعل پر ناگواری (اور ناخوشی) کا اظہار کریں (اور یہ کہدیں کہ ہم کو آپ کی اس تکلیف سے صدمہ ہوا کہ آپ خواہ مخواہ معاوضہ دینے کی فکر میں پڑے) اور (یہ کہہ کر) اس کا ہدیہ واپس کر دینا چاہئے اگر واپسی سے اس کو رنج و صدمہ پہونچنے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر ہم کو (قرائن سے) یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے محض (ظاہر داری اور) بھلا بننے کو یہ ہدیہ بھیجا ہے اور (دل سے) یہی چاہتا ہے کہ واپس ہو جائے تو (اس صورت میں تو) ضرور واپس کر دینا چاہئے (مگر) ایسی تدبیر سے کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم کو اس کی ظاہر داری کا پتہ چل گیا ہے۔ واللہ اعلم [1]۔

---

(۱) ف:- یہ عہد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اس سے اندازہ ہو گیا ہو گا (باقی اگلے صفحہ پر)

(۱۰۹) اہل و عیال اور خدام کو ساتھ لے کر کسی کی ملاقات کو نہ جایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے اہل و عیال (اور خدام) کو ساتھ لے کر کسی کی ملاقات کو نہ جایا کریں، کیونکہ بال بچوں سمیت کسی دوست کے گھر پر جانے سے ضرور اس کو گرانی ہوگی گو وہ ظاہر نہ کرے خصوصاً اگر اس کا گھر بھی تنگ ہو جس میں متعدد کمرے نہیں ہیں یا تمہارا جانا سردی کے موسم میں ہو اور اس کے یہاں لحاف بستر ے کم ہیں (تب تو اس غریب پر اور بھی زیادہ مصیبت ہے)، اور مثل مشہور ہے "خَفَّ تعوم" ہلکے پھلکے رہو گے (جبھی) تیر سکو گے (اور اگر بوجھ لاد کر تیرو گے ضرور ڈوبو گے مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا بوجھ کسی پر نہیں ہے اسی وقت تک محبت اور دوستی بھی ہے اور اگر تم دوستوں پر بوجھ ڈالو گے تو ضرور کسی دن دھوکا کھاؤ گے)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ آج کل ملنے ملانے اور مجلس آرائی کرنے اور حلوے اور مٹھائیاں اور مرغابیاں پکانے (یا پکوانے) کے دن نہیں رہے۔ بس (آج کل) غم کے سوا کچھ نہیں رہا (ہر شخص ہموم و افکار میں مبتلا ہے تو ایسی حالت میں کوئی کیا کسی کی خاطر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ بزرگان سلف کو اس امر کا کس قدر اہتمام تھا کہ ہماری وجہ سے دوسرے شخص کو ذرا سی بھی پریشانی اور فکر نہ ہو۔ الحمد للہ کہ حضرت حکیم الامت کے یہاں اس خاص امر کی بہت زیادہ تعلیم ہوتی ہے اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ نوافل اور تسبیح پڑھنے والے کی قدر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا نفع اسی کی ذات تک محدود ہے۔ میرے دل میں تو اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے جس سے دوسرے کو کچھ ایذاء نہ پہونچے خود بھی آزاد رہے اور دوسروں کو بھی آزاد رکھے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ☆ کسے را باکسے کارے نباشد [(۱)]

سچ ہے " المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده "[(۲)] مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔ ۱۲ مترجم

(۱) جنت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں۔ کسی کو کسی سے کوئی کام نہیں۔ ۱۲ مرتب عفی عنہ

(۲) بخاری کتاب الایمان۔

تواضع کرے اور کس طرح دل کھول کر کنبہ بھر کی دعوت کرے؟ اس لئے زیادہ آدمیوں کو ساتھ لے کر کسی کے گھر نہ جانا چاہئے، اس زمانہ میں ہر شخص پر اس سے گرانی ہوتی ہے اور پہلے وقتوں میں اس قدر پریشانی اور افکار نہ تھے، اس زمانہ میں لوگ خوشی سے دس بیس آدمیوں کی مہمان داری کر لیا کرتے تھے) اور جو شخص اپنے زمانہ کی حالت سے ناواقف ہو کر ایسا کرے گا اس کو اخیر میں ضرور کدورت اور دل تنگی پیش آئے گی اور جس کو اس میں شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے[1] واللہ غفور رحیم۔

(۱۱۰) مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دل لگانے کا طریقہ

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو یہ حکم کریں کہ اگر وہ مرنے سے پہلے خدا کے ساتھ دل لگانا چاہتے ہیں تو (اپنے دوکان اور گھر کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے بیٹھ رہیں اور جو کچھ پہلے زمانہ میں کما چکے ہیں اسی میں سے کھاتے (پیتے) رہیں اور (حقیقت یہ ہے کہ) دنیا اور دنیا والے اور دنیا کمانے کے (حلال) طریقے گذر گئے (اب کچھ لطف نہیں رہا)۔

بس اب تو (فراخی کی جگہ تنگی اور) پھیلاؤ کے بعد سمٹنی شروع ہو گئی ہے باغات اور کنویں اجاڑ ہو گئے اور (کمانے کھانے کے) تمام طریقے مندھے پڑ گئے۔ تجارت پیشہ آدمی اکثر اوقات اپنی خوراک بھی حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ اصل سرمایہ ہی میں سے کھاتا پیتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ اعتقادی کمزوری (اور دل کا لگاؤ خدا کے ساتھ نہ ہونا) اور بندہ اور خدا کے درمیان میں دل کی حالت کا خراب ہونا یہ (مصیبت) جدا ہے، چنانچہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے۔ **فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** (پس آج کل یکسوئی اور تنہائی ہی بہتر ہے)۔

اور اگر دوکان کھولنے کی بہت ہی ضرورت پڑے تو اس میں نیت اچھی ہونی

---

(۱) ف:- سبحان اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم ہے حضرت حکیم الامت کا مذاق بعینہ یہی ہے جیسا کہ حصہ اول میں ایک مقام پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ باتیں بہت زیادہ قابل قدر ہیں۔ ۱۲ مترجم

چاہئے (مثلاً یہ) کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نفع پہنچاؤں گا اور جو غریب آدمی کمائی کر کے نہیں کھا سکتے ان کی مدد کروں گا کہ (اس نیت سے دوکان کھولنے میں) اگر دنیا نہ ملی تو آخرت میں ثواب تو انشاء اللہ مل ہی جاوے گا[1]۔

(۱۱۱) کسی سے مشورہ لیں تو اپنے دل میں چھپی ہوئی بات کو اس کے سامنے آراستہ کر کے نہ بیان کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ) جب ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لئے کسی سے مشورہ لیں تو اپنے دل کی چھپی ہوئی بات کو اس کے سامنے آراستہ کر کے (اور بنا بنا کے) نہ بیان کریں خواہ (ہمارے دل میں) اس کام کے کرنے کی رغبت ہو یا چھوڑنے کی طرف میلان ہو (جس سے مشورہ لیا جاوے اس کے سامنے کسی ایک جانب کی مصلحتیں ہرگز بیان نہ کریں) کیونکہ اس میں اپنی ذات کے ساتھ بھی اور اس بزرگ کے ساتھ بھی جس سے ہم مشورہ لے رہے ہیں بہت بڑی خیانت ہے، کیونکہ جب ہم نے اپنے مشیر کو (خود ہی) تشویش میں ڈال دیا تو اس کے مشورہ سے ہم کو بھی تشویش ہی بڑھے گی (کیونکہ جب ہم نے ایک جانب کی مصلحتیں اس کے سامنے بیان کر دیں تو اس وقت وہ اپنی ذاتی رائے نہ خود معلوم کر سکے گا نہ ہم سے بیان کر سکے گا، بلکہ ہماری بیان کردہ مصلحتوں کے موافق جواب دیگا) اور اگر ہم اس سے اپنے دل کی بات صاف کہدیں (کہ ہماری میلان اس طرف ہے اور مصلحتیں کچھ بیان نہ کریں) تو حق تعالیٰ اس معاملہ کو اس کی زبان پر ہمارے لئے روشن کر دیں گے (کیونکہ اس صورت میں وہ جو کچھ مشورہ دے گا وہ اس کی ذاتی رائے ہو گی جس سے ہم کو اپنی رائے کا صحیح یا غلط ہونا صاف معلوم

---

(۱) ف:- یہ بالکل اس زمانہ کا فوٹو ہے، کیونکہ حلال کمائی آج کل بہت دشوار ہو گئی، اکثر لوگ جھوٹ فریب سے کمائی کرتے ہیں، مگر اس میں نہ لطف ہے نہ برکت نہ حلاوت نہ راحت۔ بس آج کل قناعت کر کے تھوڑے سے مال میں گذر کرنا اور مخلوق سے یکسو رہنا بہت ضروری اور مفید ہے۔ ۱۲ مترجم

ہو جائے گا)[1] واللہ علی حکیم۔

(۱۱۲) اپنے تجارت پیشہ دوستوں کو حکم کریں کہ ظالم تاجروں کا طریقہ اختیار نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ) اپنے تجارت پیشہ دوستوں وغیرہ کو یہ حکم کریں کہ وہ بازار میں (اپنے) ہمسایہ (تاجروں) کے ساتھ (مروت اور) ادب کا لحاظ رکھا کریں اور ظالم تاجروں کا طریقہ اختیار نہ کریں کہ سستے سودے پر اس طرح گر پڑیں جیسے شکاری درندہ شکار پر دوڑا کرتا ہے اور اپنے غریب ہمسایوں کو (خالی ہاتھ) چھوڑ دیں کہ وہ حسرت کی نگاہوں سے اس (سودے) کو تکتے رہیں، پھر (طرہ یہ کہ بعض تاجر) ایسی بری حرکت کے بعد فائدے (اور منافع حاصل کر کے اس وقت بھاگ جاتے ہیں جب کہ بازار پر کوئی تہمت (یا شکایت) آتی ہے یا تاوان (اور جرمانہ) ڈالا جاتا ہے اور ان مصیبتوں کیلئے غریب تاجروں کو چھوڑ جاتے ہیں حالانکہ ان کو مناسب یہ تھا کہ جس طرح وہ فائدہ حاصل کرنے میں سب سے آگے رہتے ہیں اسی طرح تاوان کی رقم بھی

---

(۱) ف:- آج کل یہ مرض عام ہے کہ اکثر آدمی مشورہ لینے سے پہلے خود ایک جانب کو ترجیح دے لیتے ہیں اور مشیر سے اپنی رائے کی موافقت چاہتے ہیں، اس لئے حضرت حکیم الامت کا معمول ہے کہ مشورہ بہت کم دیتے ہیں۔ دوسرے آج کل مشورہ کو حکم سمجھا جاتا ہے حالانکہ مشورہ اور چیز ہے اور حکم دوسری شے، چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ تم اپنے خاوند سے جدائی اختیار نہ کرو تو انہوں نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مشورہ ہے، تو حضرت بریرہ نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کر سکتی اور اس کی وجہ سے حضرت بریرہ پر نہ کوئی گناہ عائد ہوا نہ حضور ﷺ ناراض ہوئے۔

بس یہ ہے مشورہ کی حقیقت مگر آج کل اس میں بہت غلو کیا جاتا ہے، بزرگوں کے مشورہ سے لوگ اپنے آپ کو مجبور سمجھنے لگتے ہیں اور اس کی ممانعت کو بے ادبی سمجھتے ہیں، اس لئے بھی حکیم الامت مشورہ دینے سے احتراز کرتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

سب سے پہلے ادا کریں۔

پھر (یہ یاد رکھو! کہ) جو لوگ ایسے وقت میں بھاگ جاتے ہیں اور جرمانہ ادا کرنے میں غریبوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے حق تعالیٰ بسا اوقات ان کے مال پر (کوئی) دوسری آفت اور مصیبت ڈال دیتے ہیں (کبھی مال چوری ہو جاتا ہے، کبھی آگ لگ جاتی ہے، کبھی اس کے قرضدار قرض سے انکار کر کے رقم دبا لیتے ہیں) تو اگر (کسی وقت) کوئی اس کا مال ظلماً چھین لے یا (قرض وغیرہ کا) انکار کر دے (اور اس طرح رقم دبا لے) تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے (بلکہ اپنے کئے کو بھگتے، کیونکہ یہ مصیبت اس نے اپنے ہاتھوں اپنے سر لی ہے) اور حق تعالیٰ اپنے بندہ کی اسی وقت مدد فرماتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد کرتا ہے[1] واللہ اعلم۔

(۱۱۳) کسی کا مال چھڑانے کی ذمہ داری نہ لیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے تمام دوستوں کو منع کر دیں کہ وہ کسی امیر کا مال غریب سے (وصول کرنے) یا کسی غریب کا مال (دوسرے) غریب سے چھڑانے کی ذمہ داری (اپنے سر) نہ لیا کریں (کیونکہ ایسی ذمہ داری میں اکثر بے لطفی ہو جاتی ہے) اور نہ اپنے قرض کو ایسے شخص کی طرف منتقل کریں جو (مدیون سے) اس قرض کے وصول کرنے پر (ان سے زیادہ قدرت رکھتا ہو جیسے زبردست حکام یا ان کے ملازم (اور نوکر) وغیرہ (اور ان لوگوں کی طرف قرض کے منتقل کرنے کی صورت یہ ہے کہ مقروض سے یہ کہہ دیا جائے کہ ہمارے قرض کی رقم فلاں حاکم یا اس کے ملازم کو دیدینا اور حاکم یا اس کے ملازم سے کہدیا جائے کہ تم مدیون سے ہماری رقم وصول کر لینا سو ایسا نہ کرنا چاہئے) کیونکہ جو چیز ان (زبردست) لوگوں سے یا ان کے ذریعہ سے وصول ہوتی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی (کیونکہ یہ لوگ وصول کرنے میں بہت تشدد سے کام لیتے ہیں، پھر اس مال میں کیا خاک برکت ہو گی جس کے وصول کرنے کے لئے

---

(۱) جیسا کہ حدیث میں ہے "واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ". مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۔ مرتب

ایک مسلمان کو بہت زیادہ پریشان کیا گیا ہو) خصوصاً اگر (وہ قرض) ایسے تنگدست آدمی سے (وصول کیا گیا) ہو جو (اپنی تنگدستی اور نادہندی کی وجہ سے) زمانۂ دراز تک قید میں رکھا گیا ہو (تب تو اس میں کچھ بھی برکت نہ ہو گی)۔

(۱۱۴) کسی شخص کو عدالت میں حاضر کرنے کا ضامن نہ بنیں

(اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو اس سے بھی منع کریں کہ کسی شخص کو (تاریخ معین پر عدالت میں) حاضر کرنے کے ضامن نہ بنا کریں، ہاں اگر اپنے دل کو اس بات پر پکا کرلیں کہ جتنی رقم اس شخص کے ذمہ ہے (اگر وہ وقت پر حاضر نہ ہوا تو) یہ خوشی کے ساتھ وہ رقم (اپنے پاس سے) ادا کر دیں گے (اس صورت میں ضامن بننے کا مضائقہ نہیں) اور اگر ان کا دل اس بات پر پکا نہ ہو تو ان کو ہرگز مناسب نہیں کہ کسی شخص کو (وقت معین پر) حاضر کرنے کے ضامن بنیں اگرچہ وہ حقیقی بھائی ہی (کیوں نہ) ہو اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حاضری کے وقت (کبھی) وہ شخص بھاگ جاتا ہے جس کی ضمانت کی گئی تھی اور (کچہری والے) ضامن سے جبراً تاوان وصول کر لیتے ہیں، چنانچہ ہمارے بعض احباب کو ایسا واقعہ پیش آیا ہے اور اس نے (اس کے بعد) ضامن بننے سے توبہ کی۔ واللہ علیم حکیم۔

اسی طرح ہم اپنے دوستوں کو اس سے بھی منع کریں کہ وہ (مردوں کے) ترکہ کا مال اپنے مال میں نہ ملایا کریں (یعنی اگر کسی مردہ کا ترکہ بازار میں نیلام ہوتا ہو تو اس کو نہ خریدیں کیونکہ مردے کا مال بیچنے میں اس کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے کہ اس کو پوری قیمت پر فروخت کیا جاوے، بلکہ اس میں اکثر تساہل سے کام لیا جاتا ہے جس سے مردہ کی یتیم اولاد کو نقصان پہنچتا ہے)۔

البتہ اگر ہمارے خریدنے میں یتیموں کا نفع اور (ان کی مصلحت) ہو اور بازار کے چودھری یا اس جیسے بدمعاش لوگوں کی رعایت (مد نظر) نہ ہو (جو یہ چاہا کرتے ہیں کہ کسی طرح جلدی نیلام ختم ہو جاوے اور یہ سامان تھوڑی بہت قیمت سے کسی کے سر

مڑھ دیا جائے) نیز ہماری خریداری اس وقت ہو جب کہ تمام لوگوں کی رغبتیں[1] پوری ہو چکی ہوں (اور سب لوگ بولی بول چکے ہوں آگے بولی بولنے والا کوئی نہ ہو) اور دلال بھی اسباب کو لے کر (بازار میں) کئی مرتبہ گھوم چکا ہو (اس وقت خریدنے کا مضائقہ نہیں)۔

اور (یہ یاد رکھو! کہ) لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی مردہ کا مال کسی کے خوف یا خاطر سے (سستے داموں میں) خریدا گیا ہے اس سے سارے مال کی برکت زائل ہو گئی ہے حتی کہ بعض لوگ بیشمار دولت کے بعد تنگدستی میں مبتلا ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح اگر (ہمارے احباب کے) قرضداروں نے قرض دینے سے انکار کا ارادہ کیا ہو یا ٹالنے لگے ہوں تو ہم اپنے احباب کو (حکام سے) شکایت (یا نالش) کرنے میں جلدی کرنے سے منع کریں اور ان کو یہ حکم کریں کہ وہ (زمانہ کے) گرم اور سرد سے اپنا دل بہلاتے رہیں (اور اپنے نفس کو یہ امید دلائیں کہ شاید قرضدار کسی وقت خود ہی انسانیت پر آجائے اور خدا کا خوف کر کے قرض ادا کر دے اور (عدالت میں جلدی سے نالش اس لئے نہ کریں کہ) بعض دفعہ حکام کے پاس شکایت لیجانے سے قرضدار کے نفس میں (انتقام کا) جوش بڑھ جاتا ہے تو وہ سرے سے قرض ہی کا انکار کر دیتا ہے (کہ میرے ذمہ تو کچھ بھی نہیں خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگاتے ہیں) اور بعض دفعہ جھوٹی شہادت اس بات کی پیش کر دیتا ہے کہ میں نے تو ان کا قرض فلاں وقت میں بیباق کر دیا ہے (یہ دوبارہ مجھ سے کیسا مطالبہ کرتے ہیں؟)۔

چنانچہ ایک بار میرے سامنے ایک شخص نے ایسی ہی جھوٹی شہادت قائم کی تھی، پھر میں نے اس کو نصیحت کی (اور سمجھایا) تو اس نے حق کا اقرار کیا اور اپنے گواہوں کا

---

(۱) افسوس ہے کہ آج کل اس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا اور مردہ کے مال کو منحوس سمجھ کر یا لاپروائی کی وجہ سے بہت کم قیمت پر خرید لیا جاتا ہے، جس سے مردہ کی یتیم اولاد کو بہت نقصان پہنچتا ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

جھوٹا ہونا تسلیم کیا اور (میرے سامنے حقدار کا) حق ادا کیا "وما کان الرفق فی شیٔ الا زانہ" اور نرمی جس کام میں بھی ہوگی اس کو سنوار دے گی (اس لئے اپنے قرضداروں سے جہاں تک ہو سکے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے اور عدالتی چارہ جوئی میں جلدی نہ کیا کریں)۔

اسی طرح ہم اپنے (تاجر) دوستوں کو راس المال (یعنی اصل قیمت) پر بہت زیادہ نفع لینے سے بھی منع کریں اگرچہ خریدار (خوشی اور) طیب خاطر ہی سے کیوں نہ دیتا ہو اور اگر وہ خوشی سے زیادہ نفع دینے پر راضی نہ ہو یا اس کو اصل قیمت کی خبر ہی نہ ہو اس سے تو زیادہ نفع لینا بہت ہی برا ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کے رزق سے برکت زائل ہو جائے گی، کیونکہ جتنا زیادہ نفع لیا جاتا ہے اس کو وہ جن چرا لیتے ہیں جو ایسے خرید وفروخت کی خبروں پر مقرر کئے گئے ہیں جس میں مکروفریب یا کسی کی ہیبت وخوف سے کام لیا گیا ہو یا وہ (معاملہ شرعاً) باطل ہو جیسا کہ امام جامع ازہر شیخ عثمان رحمہ اللہ کو ایک طویل قصہ میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے جب کہ جن ان کے پاس پڑھا کرتے تھے۔

پس عزیز من! (ہمیشہ) تھوڑے نفع سے (اپنی چیزیں) بیچا کرو اور اگر خریدنے والا (تم کو) زیادہ نفع (اپنے آپ بھی) دے تو اس کو (فوراً) واپس کر دیا کرو اور میں خداتعالیٰ پر (بھروسہ کرکے) تمہارے لئے رزق میں برکت کی اور (قلبی) حلاوت کی ذمہ داری کرتا ہوں جس کو تم اپنے دل میں اس زیادہ نفع سے بھی لذیذ تر پاؤ گے اور اگر (اتفاقاً) کوئی چیز تم نے (بہت) سستے داموں (میں) خریدی ہو تو (اور دوسرے کے ہاتھ اس کو بازاری قیمت پر فروخت کرنا چاہو) تو خریدار کو اس کی اطلاع کر دو (کہ مجھے یہ چیز بہت سستے داموں میں ملی ہے، مگر اس کی اصلی قیمت وہی ہے جو میں تم سے لے رہا ہوں) ورنہ (اگر تم نے خریدار کو اس کی اطلاع نہ کی تو) تم اس کو دھوکہ دینے والے ہوں گے (کیونکہ وہ یہی سمجھے گا کہ جس قیمت پر میں خرید رہا ہوں بائع کو اسی کے قریب قریب داموں میں یہ چیز ملی ہوگی اور اس نے مجھ سے زیادہ نفع نہیں لیا اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم کو بہت کم داموں میں یہ چیز ملی تھی اور تم نے اس سے زیادہ نفع لیا ہے تو

شاید وہ ان داموں سے خریدنے پر راضی نہ ہوتا۔ پس اسکو دھوکہ میں مت ڈالو) جیسا کہ تم نے اس شخص کو دھوکہ دیا ہے جس نے تمہارے ہاتھ یہ چیز (بہت کم داموں میں) فروخت کی تھی کہ تم نے معمولی قیمت سے کم (قیمت) میں اس کی چیز خریدلی (اور اسکو خبر بھی نہ کی کہ اس کی اصلی قیمت یہ نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ ہے۔

پس عزیز من! (اس مکرو فریب سے) اپنے دین کو بچاؤ کیونکہ (جو فائدہ اس طرح حاصل کیا جائے گا وہ گندہ ہے اور) تم وہی کھاؤ گے جو اپنے واسطے پکاؤ گے (یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مردار کا سڑا ہوا گوشت پکاؤ اور وہ نہایت عمدہ اور لذیذ ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تم مکرو فریب سے دنیا کماؤ اور اس کے کھانے سے تمہارے دل میں ایمان کی حلاوت پیدا ہو جائے)۔

اسی طرح (ہم سے یہ عہد بھی لیا گیا ہے کہ) اپنے دوستوں کو ایسا بھی نہ کرنے دیں کہ وہ اصلی داموں میں (اپنا مال) فروخت کر دیں اور نفع (کچھ) نہ لیں، بلکہ (ان کو چاہئے کہ) نفع ضرور لیں اگرچہ تھوڑا ہی ہو اور خدا تعالیٰ اس تھوڑے ہی میں برکت کردیگا اور یہ (بغیر نفع کے بیچنے کی ممانعت) اس لئے ہے کہ (تجارت اور) بیع تو نفع ہی کی واسطے (کی جاتی ہی اور اسی لئے) موضوع ہوئی ہے (پھر جو چیز جس غرض کے لئے موضوع ہے اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے) اور جو شخص اصلی قیمت پر (اپنا مال) فروخت کرے گا اگرچہ (اپنے) دوست ہی کے ہاتھ فروخت کرے وہ ضرور (ایک دن) خسارہ اٹھائے گا، پھر (بہت) پشیمان ہوگا (اور پچھتائے گا اس لئے تجارت کا اصول[1] ہمیشہ یہ ہونا

---

(۱) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو دھوکا دیا جائے کہ زبان سے تو یہ کہہ دیا کہ بھلا میں آپ سے کیا نفع لیتا اور پھر نفع لگا لیا جیسا کہ آج کل عام مرض ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ بدون نفع کے میں آپ کو بھی نہ دوں گا چاہے آپ نفع کم ہی دیدیں۔ ۱۲ مترجم

چاہئے کہ دوستوں اور عزیزوں کو بھی بغیر نفع کے کوئی چیز نہ دی جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) جو لوگ ہمارا کہنا مانتے ہوں ان کو کرایہ بلاضرورت زیادہ نہ لینے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو لوگ ہمارا کہنا مانتے ہوں ان کو ایسا نہ کرنے دیں کہ وہ اپنے کسی (کرایہ دار) پر گھر کا یا دوکان کا یا آٹے کی چکی کا یا تیل نکالنے کے کولھو وغیرہ کا کرایہ (بلاضرورت) زیادہ کردیں یا زمین کا لگان بڑھا دیں، مگر جب کہ کرایہ عام رواج سے بہت ہی کم ہو تو (اس صورت میں) کرایہ دار سے مشورہ کر کے (کچھ) بڑھا دینے کا مضائقہ نہیں اور (یہ صورت) تو بہت ہی زیادہ قبیح ہے کہ کرایہ عام رواج سے بھی بڑھا دیا جائے، کیونکہ اس سے کرایہ دار کو سخت تکلیف ہوتی ہے کہ یا تو اس کو اتنی گراں اجرت کے ادا کرنے میں تکلف ہوتا ہے یا اس گھر کو چھوڑتے ہوئے (اس کو) پریشانی ہوتی ہے خصوصاً اگر دوکان اور کولھو (وغیرہ) میں (اس کی رقم بہت لگ گئی ہو یا) اس کا سامان بہت زیادہ (جمع) ہو گیا ہو تب تو (گھر چھوڑتے ہوئے) پریشانی اور صدمہ سے اس کی جان نکلنے لگتی ہے اور (ایک مسلمان کو اس طرح پریشان کر کے گھر سے نکالنا بڑا ظلم ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر سے بے گھر کرنے کو اور قتل کرنے کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے (چنانچہ ارشاد ہے "لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ الخ" (البقرۃ/۸۴) آپس میں ناحق خون نہ کرو اور اپنے بھائیوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو اھ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو گھر سے بے گھر کرنا اور قتل کرنا قریب ہی قریب ہے)۔

اور اس (بیجا حرکت) میں اوقاف کے مستحقین زیادہ مبتلا ہیں (کہ وہ وقف مکان یا وقف زمین کا کرایہ بڑھانے میں کچھ بھی تامل نہیں کرتے) اور ان کا قول یہ ہے کہ وقف کی چیز کا (کرایہ) زیادہ کر دینا (بالکل) حلال ہے (چاہے کرایہ دار پر اس سے کیسی ہی مصیبت آجائے) پھر (طرہ یہ کہ) یہ لوگ (کرایہ وغیرہ زیادہ کر کے) وقف کی تعمیر (اور درستی) میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتے، بلکہ متولی وقف اور ناظر اور وصول کنندہ کے ساتھ اتفاق (اور میل) کر کے ساری آمدنی خود ہی کھا جاتے ہیں" واللہ علی کل

شیئٍ شھید“اور حق تعالیٰ ہر بات کو خوب جانتے ہیں۔

(۱۱۶)جو تاجر ہمارا کہنا مانتے ہوں ان کو دنیا میں بہت زیادہ منہمک ہونے سے روکیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو لوگ تجار میں سے ہمارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو دنیا میں بہت زیادہ منہمک ہونے سے روکیں کیونکہ جو شخص دنیا میں بہت منہمک ہوتا ہے اس سے آخرت کے کام چھوٹ جاتے ہیں اور (بلکہ مال) جمع کرنے (کی فکر) میں اس کا کھانا (پینا) بھی چھوٹ جاتا ہے۔

اور دنیا میں زیادہ انہماک کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہر موقع کی تاک میں لگا رہے (کہ ہر وقت یہی دھن رہتی ہے کہ زیادہ آمدنی کی کوئی نئی صورت اختیار کرے حالانکہ مسلمان کو یہ چاہئے کہ جب خدا تعالیٰ کسی ایک طریقہ سے گذر کے موافق اس کو رزق پہونچاتے رہیں تو اسی پر قناعت کئے رہے)۔

اور (ایک علامت یہ ہے کہ) وہ دنیا کی طلب میں بہت (سفر کرتا اور) چلتا پھرتا رہے کہ تم اس کو اپنی جگہ میں بہت کم رہنے والا پاؤ۔

اور (ایک علامت یہ ہے کہ) وہ دنیوی مصیبت کے وقت اتنی زیادہ عاجزی اور مسکنت اختیار کرے کہ جماعت کی نماز فوت ہونے پر ویسی مسکنت (اور ندامت) ظاہر نہ کرے۔

اور (ایک علامت یہ ہے کہ) اس کے چہرہ پر (فکر اور) پریشانی کی وجہ سے سیاہی (اور بے رونقی رہتی) ہو تو اگر (کبھی) وہ ہنستا بھی ہے (اندر سے) گھٹ کر ہنستا ہے۔

اور (ایک علامت یہ ہے کہ) وہ قرآن (مجید) سننے سے (اپنے دل میں) لذت نہ پاتا ہو۔ پس یہ چند علامتیں ہیں دنیا میں انہماک کرنے والوں کی۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۷) اپنے شاگردوں، مریدوں کے مال میں سے اپنی ذات کے واسطے کوئی چیز قبول نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے (شاگردوں اور) مریدوں کے مال میں سے اپنی

ذات کے واسطے کوئی چیز قبول نہ کریں، مگر جب کہ وہ مرید اپنے مال کو ہمارا مال سمجھتا ہو کہ ہم جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں (تو اس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہو) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرید سے (اپنے فائدہ کی چیز قبول کرنے سے اس کو شیخ پر ناز ہو جاتا ہے اور شیخ اس کی (نظر میں مثل اہل و) عیال کے (اس کا تابع) ہو جاتا ہے تو (اس صورت میں دین کا) نفع کم ہو جاتا ہے (یہ نقصان تو مرید کا ہوا) اور (شیخ کا نقصان یہ ہے کہ اس کی نظر مریدوں کی دنیا پر ہو جاتی ہے) بالخصوص اگر شیخ کا قدم طریقت میں راسخ نہ ہوا تب تو اس کا دل ایسا خراب ہو جائے گا جیسا کہ (بعض دفعہ) چکی کا گلہ خراب ہو جاتا ہے تو (اس میں سے آٹا نہیں نکلتا اسی طرح) شیخ سے (بھی) نفع بند ہو جاتا ہے۔ واللہ غنیٌّ حمید۔

(۱۱۸) بغیر شرعی قدرت کے ہم نکاح اور حج نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ بغیر شرعی قدرت کے ہم نکاح اور حج نہ کریں (نکاح کے لئے شرعی قدرت یہ ہے کہ مہر اور نفقہ ادا کرنے کی وسعت ہو۔ اور حج کے لئے یہ شرط ہے کہ واپسی تک کے لئے اپنے اہل وعیال کا خرچ دے کر اس کے پاس اتنی رقم موجود ہو جس میں آمد و رفت کی سواری کا کرایہ اور کھانا پینا بسہولت ہو سکے) کیونکہ جو شخص دوسروں کے دینے (دلانے) پر اعتماد کر کے نکاح یا حج کرتا ہے (وہ بالآخر پریشان ہوتا ہے) پھر کچھ نہ پوچھو کہ اس پر کیا گذرتی ہے (اس لئے مشائخ کو چاہئے کہ وہ مریدوں کے نذرانے پر بھروسہ کر کے حج یا نکاح کا ارادہ نہ کیا کریں)۔

اور شارع علیہ السلام نے ان چیزوں کا حکم صرف انہی لوگوں کو دیا ہے جو دوسروں سے مانگنے کے محتاج نہ ہوں اور جو شخص مخلوق کے ہاتھوں کو تکتا ہو اس کو ان (کاموں) کا حکم نہیں کیا گیا (تو جس شخص کو حج یا نکاح وغیرہ کا شریعت نے حکم نہیں دیا اس کو یہ کہاں جائز ہے کہ ایک نفل طاعت کیلئے دوسروں سے سوال کرنے کا اپنے کو محتاج بنائے اور مانگنا کبھی زبان مقال سے ہوتا ہے کبھی زبان حال سے کیونکہ جب کوئی

شیخ خالی ہاتھوں حج کا ارادہ کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مریدوں سے امداد طلب کرتا ہے) اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے حکم سے باہر ہو گا وہ اپنی (نفسانی) خواہش کی سپرد کر دیا جائے گا جو اس کو ذلت کے گڑھے میں گرا دے گی (اور خدا کی طرف سے اس کی کچھ امداد (نہ ہو گی)۔

پھر (بدون قدرت کے) ایسا کام کرنے میں ایک ادنیٰ خرابی یہ ہے کہ اگر یہ شخص دیندار اور دنیا سے پرہیز کرنے والا بھی ہوا تو وہ اپنی بزرگی اور دینداری کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرے گا (کیونکہ وہ از خود اگرچہ سوال نہ کرے گا مگر لوگ اس کو دیندار سمجھ کر ضرور یہ چاہیں گے کہ اس کے حج یا نکاح میں امداد کریں یہ سراسر دین کو دنیا کا ذریعہ بنانا ہے) خدا ہم کو اس سے بچائے۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے جب کوئی شخص فرض ادا کرنے کے بعد دوسرے حج یا (دوسرے) نکاح کے لئے مشورہ لیتا تھا تو وہ یہ فرمادیا کرتے تھے کہ میرے سوا (کسی اور) سے مشورہ کرو (میں اسکے بارے میں مشورہ نہ دوں گا) اس پر بعض لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ (آپ مشورہ کیوں نہیں دیتے؟) کیا یہ کام سنت نہیں ہے تو یہ جواب دیا کہ یہ (بالکل) صحیح ہے (کہ یہ کام سنت ہے)، مگر (آج کل) ایسی سنتوں کے ادا کرنے سے لوگوں کی عمریں قاصر ہیں، بس اب تو (انسان کی) عمر میں اتنی ہی گنجائش ہے کہ وہ ضروری امور کو بجالائے (اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں) واللہ اعلم۔

(۱۱۹) ہم کوئی وقف کریں تو اس میں ایسی شرطیں نہ لگائیں جو مستحقین کے اوپر گراں ہوں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ) جب ہم کوئی وقف کریں تو اس میں ایسی شرطیں نہ لگائیں جو مستحقین کے اوپر گراں ہوں کیونکہ بعض دفعہ [1] وہ ان شرطوں میں کوتاہی

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ آج کل مدارس عربیہ میں بعض قواعد بہت سخت ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کریں گے تو حرام مال کھاویں گے (اس لئے کہ شرعاً شرائط واقف کی رعایت کرنا واجب ہے اور ان کی مخالفت کر کے وقف کی آمدنی کا استعمال ناجائز ہے)۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ وقف کرنا بجز ان لوگوں کے جو بہت مالدار ہوں (اور کسی کو) مناسب نہیں اور جو لوگ (غریب ہیں کہ) کپڑا بننے کا کام کرتے ہیں یا اپنے ہاتھ کی صنعت سے کماتے کھاتے ہیں ان کو وقف نہ کرنا چاہئے، کیونکہ ان لوگوں کے ہاتھ سے دنیا (کی دولت) جلدی نکل جاتی ہے تو وقف کر کے (بعد میں) پچتاتے ہیں، پھر (ان میں سے بعضے) اپنے وقف ہی کے حقداروں کے پاس آکر ان سے ایک کرتہ کی قیمت یا کوئی چاندی کا سکہ مانگتے ہیں جس سے شام کے واسطے کھانا خریدیں اور وہ ان کو ایک پیسہ بھی نہیں دیتے اور (صاف) کہدیتے ہیں کہ اب تم اجنبی ہوگئے ہو (تم کو وقف میں کوئی حق نہیں رہا)۔

چنانچہ (ہمارے) بعض دوستوں کو ایسا واقعہ پیش آیا ہے (پس ہر شخص کو وقف کی جرأت نہ کرنا چاہئے، اور اگر کسی کو بہت ہی شوق ہو تو اس میں یہ شرط ضرور لگادے کہ اپنی زندگی تک میں اس کی آمدنی سے منتفع ہوتا رہوں گا) واللہ غنی حمید۔

(۱۲۰) غلاموں کے اوپر بہت زیادہ بندش نہ کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ غلاموں کے اوپر (بہت) زیادہ بندش نہ کیا کریں کہ ان کو (کسی وقت) اپنی خواہشیں پوری نہ کرنے دیں (بلکہ ان کی راحت کا پورا خیال کرنا چاہئے۔ اگر غلام جوان ہو اور اس کو شادی کی ضرورت ہو تو اس کو نکاح کی اجازت دیدینا چاہئے) کیونکہ وہ (اپنے نفس کے روکنے میں) دوسروں سے کم صابر ہوتے ہیں، اسی لئے غلاموں کی سزا شراب وغیرہ کے پینے میں آزاد آدمیوں کی سزا سے کم رکھی گئی ہے اور جب ہم

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جن کی پابندی مدرسین پر گراں ہوتی ہے اور ان میں اکثر کوتاہی ہوجاتی ہے جس سے تنخواہ میں حرمت کا شبہ ہوجاتا ہے، اسلئے اہل مدارس کو اس کی جانب توجہ کرنا چاہئے۔ واللہ واسع حلیم ۱۲ مترجم

لوگ باوجودیکہ ہم کو (آزادی اور) کمال (عقل) کا دعویٰ ہے اپنے نفس کو خواہش سے روکنے پر قادر نہیں ہوتے تو غلام (اس پر) کیونکر قادر ہوگا جو کہ خود بھی ذلیل ہے اور اپنے خاندان اور گھر بار سے جدا بھی ہے اور ایک شخص کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ بازاروں میں بکتا بھی رہا ہے۔

اور بعض دفعہ ہر خریدنے والے نے اس پر (بہت بری طرح) حکومت کی ہے کہ آفتاب نکلنے سے عشاء کے وقت تک اس سے خدمت ہی لیتا رہا اور (ذرا بھی) اس پر رحم نہیں کیا اور دن بھر میں ایک ساعت کے لئے بھی اس کو سونے (اور لیٹنے) کی مہلت نہیں دی (تو ایسی حالت میں اس غریب کو اپنے نفس کی اصلاح اور تہذیب اخلاق کا کیا موقع مل سکتا اور وہ تعلیم وغیرہ کیونکر حاصل کر سکتا ہے؟) اور اگر غلاموں کے لئے ہمیشہ کی غلامی کے سوا اور کوئی بندش بھی نہ ہوتی تو یہی ان کی پست ہمتی اور کم حوصلگی کے لئے) کافی تھی چہ جائیکہ وہ ہمیشہ آقاؤں کی خدمت میں بھی لگے رہتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ جس طرح اپنے آپ کو جسمانی راحت دینے میں معذور سمجھتے ہیں اسی طرح ان کو بھی معذور سمجھیں) اور اگر کسی وقت وہ اپنے بدن کو راحت دینا چاہیں تو ان پر سختی اور بندش نہ کریں۔

بلکہ انسانیت کی بات تو یہ ہے کہ کسی وقت ان سے خود کہہ دیا کریں کہ بس جاؤ آرام کرو) اور (سیدنا) رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت (مرض وفات میں) یہ تھی کہ "الصلوة وما ملکت ایمانکم"[1] نماز کا پورا پورا لحاظ رکھو اور ان غلاموں[2] کا جو تمہاری ملک میں

---

(۱) ابن ماجہ ص ۱۹۸ ابواب الوصایا و مسند احمد ص ۱۱۷ ج ا۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ۔

(۲) میں کہتا ہوں کہ جب زرخرید غلاموں کا یہ حق ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی راحت رسانی کا اخیر وقت تک خیال رکھا اور نماز کے برابر اس کو ضروری سمجھا تو ان نوکروں کا تو کیا کچھ حق ہونا چاہئے جو کہ درحقیقت آزاد ہیں اور صرف چند روپیوں کی غرض سے کسی کی خدمت کرتے ہیں، کیونکہ شرعاً غلام پر آقا کا بہت زیادہ حق ہے وہ تو ہر طرح اس کی ملک ہے اور نوکر کسی طرح بھی ملک میں نہیں ہیں، سو ان پر اس قدر زیادتی کرنا کیونکر جائز ہوگی؟ جیسے آج کل کی جاتی ہے کہ ان غریبوں کو کسی وقت بھی راحت نہیں دی جاتی۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور لحاظ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

ہیں (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے حضور ﷺ کو غلاموں کی راحت کا کس درجہ خیال تھا کہ وصال کے وقت تک آپ ﷺ نے دل سے ان کو نہیں بھلایا اور ان کی راحت رسانی کو نماز کے برابر ضروری فرمایا) واللہ حلیم حکیم۔

(۱۲۱) اپنے دوستوں کو کسی کے ساتھ ہرگز نہ جھگڑنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو کسی دوکاندار یا شریک کے ساتھ (کسی بات پر) ہرگز جھگڑا نہ کرنے دیں خصوصاً لیموں یا (ناشپاتی یا) بھی بیچنے والے (کنجڑوں) سے (ایک ایک لیموں وغیرہ پر جھگڑا کرنا تو بہت ہی بیجا ہے) اور جس شخص کے پاس (گھر میں) سو اشرفیاں یا اس سے (بھی) زیادہ ہوں اس کے لئے تو یہ بات بہت ہی نازیبا ہے کہ وہ کنجڑوں سے (پھل) خریدنے کے بعد ایک لیموں یا ایک ناشپاتی (زیادہ لینے) کے لئے جھگڑا کرے اس کو خوب سمجھ جاؤ۔ اور اس پر عمل کرو اور خدا تم کو ہدایت کرے۔

(۱۲۲) درمیانی چال اختیار کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو کھانے اور پہننے میں ایسا تکلف کرنے سے منع کریں جس کو وہ ہمیشہ نباہ نہیں سکتے (بلکہ ان کو چاہئے کہ ایسی درمیانی چال اختیار کریں جس کو وہ آسانی کے ساتھ ہمیشہ نباہ سکیں) اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا اور خوشی کے ساتھ (اپنی) معمولی حالت (رکھنے) پر قناعت نہ کرے گا تو وہ عنقریب مجبور ہو کر اس پر قناعت کرے گا (کیونکہ فضول خرچی کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے کہ ایک دن ہاتھ بالکل تنگ ہو جاتا ہے تو اس وقت مجبور ہو کر وہی معمولی چال اختیار کرنی پڑتی ہے جس سے پہلے نفرت کی جاتی تھی)۔

اسی طرح ان کو دوسرے کے مال میں گل چھرّے اڑانے سے بھی منع کریں (یعنی اگر کسی نے ان کے پاس اپنا مال امانت رکھ دیا ہو تو اس میں گل چھرّے نہ اڑائیں) مگر یہ کہ (ان کو تجارت کی غرض سے کسی نے روپیہ دیا ہو اور) اس کے منافع میں سے کچھ خرچ کرلیں (تو اس کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسی قدر خرچ کریں جتنا اپنے حصہ میں آیا ہے اور دوسرے کے

حصہ میں سے بالکل خرچ نہ کریں) کیونکہ جو شخص دوسرے کے مال کو بلا تکلف خرچ کرتا ہے (وہ ایک دن ضرور ذلیل ہوتا ہے) بالخصوص اگر (اس نے غیر کا مال) کھانے پینے میں خرچ کیا ہو جو کہ (تھوڑی دیر کے بعد) بیت الخلاء میں پاخانہ بن کر نکل جاتا ہے جس کا واپس کرنا (مالک کی طرف کسی طرح) ممکن نہیں (تو اس صورت میں اس سے زیادہ بے وقوف کوئی بھی نہیں، کیونکہ اگر غیر کے مال سے کپڑا یا زیور یا برتن وغیرہ خریدے جاتے تو مالک کے تقاضے کے وقت ان چیزوں کو فروخت کر کے اس کی رقم ادا کی جا سکتی تھی، لیکن کھانے پینے میں خرچ کرنے کے بعد تمہارے ہاتھ میں ایسی کوئی چیز نہ ہو گی جس کو بیچ کر تم مالک کی رقم ادا کر سکو پس دوسرے کا روپیہ کھانے پینے میں تو ہرگز خرچ نہ کرنا چاہئے)۔

اسی طرح ہم اپنے دوستوں کو عید کے دن (یا اور کسی تقریب میں) اولاد کے لئے (نئے) کپڑے بنانے سے بھی منع کریں اگرچہ [1] ان کے بچے (نئے کپڑوں کے لئے کیسی ہی ضد کرتے اور) روتے (چلاتے) ہوں اور ان کی ماں بھی غصہ ظاہر کرتی ہو (کسی کی کچھ پروانہ کریں) کیونکہ (ان بے جا تکلفات کا ہمیشہ نباہنا دشوار ہے اگر ایک دفعہ تم نے اپنی ذاتی رقم سے ان کو عید کے لئے کپڑے بنا بھی دئے تو دوسری دفعہ ممکن ہے کہ تمہارا ہاتھ تنگ ہو اور تم کو قرض کرنا پڑے۔ پس) اپنے بچوں کے رونے (دھونے) کو اور ان کی ماں کے غصہ کو برداشت کر لینا قرضخواہوں کے جھگڑے جھیلنے سے اور (نادہندی کی صورت میں) قید خانہ بھگتنے سے زیادہ آسان ہے۔ واللہ غنی حمید۔

---

(۱) سبحان اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس وقت بھی ایسے حکماء امت موجود ہیں جو مسلمانوں کو سلف صالحین کا راستہ بتلاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بے جا رسوم اور تکلفات کو اپنے خدام میں سے بہت کچھ مٹا دیا ہے، مگر افسوس بہت سے مسلمان اس تعلیم کی قدر نہیں کرتے "وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون"(ترجمہ: اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ الشعراء ر ۲۲۷۔ مرتب) ۱۲ مترجم

اپنے دوستوں کو وجوب زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرنے دیں

(۱۲۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے تجارت پیشہ دوستوں کو ایسا نہ کرنے دیں کہ وہ (اپنے مال میں) وجوب زکوٰۃ سے بچنے کے لئے ایسے طریقے (اور حیلے) اختیار کریں جن سے (مال پر) زکوٰۃ کا سال نہ گذرے (جیسا کہ آج کل بعض تاجر یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال تمام ہونے سے پہلے تجارتی مال کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے برائے نام اپنی بیوی یا بیٹے کو ہبہ کر دیتے ہیں اور آئندہ سال پھر اس سے لے لیتے ہیں، سو وہ یاد رکھیں کہ اس ترکیب سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی یہ ہبہ محض برائے نام ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ بیوی یا بیٹا سال بھر کی آمدنی خود لینا چاہے یا اس میں اپنے اختیار سے کچھ اور تصرف کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اور بعض صورتیں ایسی بھی ہے جن سے فی الحقیقت حولان حول قطع ہو جاتا ہے، مگر محض زکوٰۃ سے بچنے کے لئے ان کا اختیار کرنا بھی بہت برا ہے) کیونکہ (شرعاً) یہ فعل مکروہ ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ایسی صورتیں اختیار کرنا (اپنے پاس سے) (خدا کی) نعمتیں زائل کرنے اور برکت رزق کے مٹانے کا سبب ہے اور (اس طرح یہ شخص) اپنے مال کو اپنے ہاتھوں) آفات (اور مصائب) کیلئے پیش کرتا ہے کہ کبھی (اس طرح کرنے سے) مال چوری ہو جاتا ہے، کبھی جل جاتا، کبھی غرق ہو جاتا ہے، کبھی قرضدار قرض سے انکار کر دیتا ہے، کبھی کوئی ظالم قابو پا کر اس کا مال چھین) لیتا ہے اور جس کو اس میں شک ہو وہ (ایسا) کر کے (دیکھ لے اور) تجربہ کرے اور حدیث میں آیا ہے "حصنوا اموالکم بالزکوٰۃ"[1] اے لوگو! اپنے مال کو زکوٰۃ ادا کر کے (آفات سے) محفوظ کرو۔ پس جو تاجر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے مال کی ہمیشہ زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر بھی اس کے مال پر کوئی آفات آوے تو (سمجھ جاؤ کہ) وہ زکوٰۃ نکالنے (کے دعوے) میں جھوٹا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول یقیناً سچا ہے۔

پس تم حضور ﷺ کے قول کی تصدیق کرو اور تاجر کے قول کو جھوٹا سمجھو، کیونکہ

---

(۱) کشف الخفاء ومزیل الالباس ص ۳۴۲ ج ۱۔ ومجمع الزوائد ص ۶۳ ج ۳ کتاب الزکاۃ باب فرض الزکاۃ۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

بعض دفعہ یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں زکوۃ دیتا ہو لیکن اس کے دل پر گرانی ہوتی ہو سو ظاہر ہے اس صورت میں زکوۃ قبول نہیں ہوتی، پھر وہ زکوۃ کیا ہوئی محض نام ہی نام ہوا اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آمدنی کے حساب میں غلطی ہو جاتی ہے اس لئے زکوۃ پوری نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر سال کچھ نہ کچھ ذمہ میں رہ جاتی ہے اور یہ شخص اپنے کو بری الذمہ سمجھتا ہے تو حق تعالیٰ کسی وقت کسر پوری کر دیتے ہیں، پھر آفات کی کمی اور زیادتی زکوۃ کی کمی زیادتی کے موافق ہوتی ہے (اگر زکوۃ زیادہ نکالے گا آفات زیادہ دفع ہوں گی اور کم نکالے گا تو کم دفع ہوں گی)۔

اور مالدار (آدمی) کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں اگر وہ کسی فقیر کو ایک درہم (تقریباً چار آنہ) بھی دیتا ہے تو وہ (ثواب میں) بعض دفعہ پہلے زمانہ کے ہزار اشرفیوں کے برابر ہو جاتا ہے (کیونکہ (آج کل) کمائی کے ذریعے بہت کم ہیں اور صدقہ دینے والے بھی کم ہیں (اس لئے اس زمانہ کے فقراء پہلے زمانہ کے فقیروں سے زیادہ تنگدست ہیں اور ظاہر ہے کہ ثواب کی کمی اور زیادتی کا مدار ضرورت پر ہے، پس آج کل چونکہ غرباء زیادہ ضرورت مند ہیں اس لئے زکوۃ کا ثواب بھی پہلے سے زیادہ ہے، پس اتنے عظیم الشان ثواب کا چھوڑنا بہت ہی محرومی کی بات ہے) اور جب (آج کل گھر (بار) والوں پر (بھی) پریشانی کی حالت ہے تو ان لوگوں کا تو کیا حال ہوگا جن کے پاس بجز بھیک مانگنے کے کوئی بھی سامان نہیں۔

اور ایک مرتبہ مجھ سے ایک (سوال کرنے والے) شخص نے بیان کیا کہ میں (آج) مصر کی سڑکوں پر باب الزویلہ [1] سے لے کر باب الشعریہ تک (بھیک مانگتا) گذر گیا تو مجھے (صرف) تین سکے چاندی کے ملے (جن میں ایک سکہ تقریباً ایک آنہ کا ہوتا ہے)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کبھی کسی سائل کو (محروم) واپس نہ کرتی تھیں (کچھ نہ کچھ ضرور دیدیا کرتیں) اگرچہ ایک کشمش یا ایک چھوارہ ہی ہو اور ایک بار آپ نے ایک سائل کو ایک انگور دیا، تو اس نے کم سمجھ کر اس کو واپس کر دیا۔ آپ نے اس کے پیچھے اپنا آدمی) بھیجا اور اس سے پوچھا کہ تو قرآن پڑھتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہاں ہاں (پڑھا کرتا

---

(۱) مصر کے دو محلوں کے نام ہیں ۱۲ مترجم

ہوں) تو آپ نے کہا کہ کیا حق تعالیٰ نے (قرآن میں) یہ نہیں فرمایا ﴿فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیراً یرہ﴾ (الزلزال /۷) کہ جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا (قیامت میں) اس (کے ثواب) کو بھی دیکھ لے گا۔ اب بتلاؤ کہ اس انگور میں کتنے ذرے ہوں گے؟ (ظاہر ہے کہ بہت ہوں گے، پھر تم نے اس کو کم سمجھ کر کیوں واپس کیا؟) تو اس (سائل) نے وہ انگور لے لیا اور کہا کہ حق تعالیٰ آپ کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں (آپ نے مجھے بہت بڑا علم عطا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو جو کچھ بھی مل جائے اسے حقیر سمجھ کر واپس نہ کرے) پس اس بات کو خوب سمجھ لو۔

(۱۲۴) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بہت زیادہ احسان کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ (اپنے) عزیز قریب رشتہ دار کے ساتھ بہت زیادہ احسان کیا کریں اور اس پڑوسی کے ساتھ بھی جو کہ محض حیاء (وشرم) کے سبب سوال کرنے سے بچتا ہے نہ کہ تکبر کی وجہ سے، اسی طرح ان لوگوں کے ساتھ بھی احسان کریں جو سمندر میں کشتیوں کے ناخدا ہیں، اور ان لوگوں کے ساتھ بھی جو راستوں پر راہ چلنے والوں کے محافظ ہیں، یا پانی پلانے والے ہیں یا تنور لگا کر روٹیاں پکانے والے ہیں، اور اس بوڑھے آدمی کے ساتھ بھی احسان کریں جو باوجود بڑھاپے کے مزدوری یا پیشہ کر کے کھاتا کماتا ہے اور لوگوں سے نہیں مانگتا) اسی طرح اس شخص کے ساتھ بھی جو کہ اپنی پونجی سر پر رکھ کر دن بھر گھومتا رہتا ہے (تاکہ کوئی شخص اس کے پاس سے کچھ خریدے تو اپنے بال بچوں کی پرورش کرے۔ اور ان لوگوں سے ان کے (خاص) حق میں جھگڑا کرنا بہت ہی بری بات ہے کیونکہ ان کے منافع سب کے لئے عام ہیں اور ادب کی بات یہ ہے کہ ہم ان کا حق بدون مانگے ہی دیدیا کریں۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۲۵) ہم اپنی اولاد کو ضروریات دین کی تعلیم دینے کے بعد کوئی ہنر وپیشہ بھی سکھلا دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنی اولاد کو ضروریات دین کی تعلیم دینے کے بعد کوئی

(ہنر اور) پیشہ (بھی ضرور) سکھلا دیں، کیونکہ جس کے ہاتھ میں کوئی پیشہ نہیں ہوتا وہ اپنے دین کو دنیا کا ذریعہ بناتا ہے (یعنی مقدس اور دیندار بن کر بیٹھتا ہے تاکہ لوگ معتقد ہو کر اس کی خدمت کریں اور یہ سراسر دین فروشی ہے) یا اپنی لسانی (اور زبان زوری) سے دنیا کماتا ہے (کہ شہر در شہر وعظ اور تقریر کرتا پھرتا) اور (اپنا رنگ جمانے کے لئے) زبان درازی کے ساتھ دوسروں کی بے آبروئی کرتا یا (کم از کم) دل میں (تو) ان سے عداوت (اور بغض و) کینہ ضرور رکھتا ہے (جس سے انجام کار اس کا دین بالکل ہی برباد ہو جاتا ہے، اس لئے چاہئے کہ اولاد کو عالم بنا کر کوئی پیشہ ضرور سکھلا دیں تاکہ اس کو ان ہتھکنڈوں کی ضرورت نہ پڑے)۔

اور پہلے زمانہ میں لوگ (عام طور پر) علماء اور حفاظ کی (بہت) تعظیم کیا کرتے اور ان کے لئے (خود ہی خوشی سے) وظائف مقرر کرتے اور ہدایا (اور نذرانے) بھیجتے رہتے تھے اور (اپنی) تقریبات (وغیرہ) میں (بھی) ان کی خبر گیری رکھتے اور ان سے یہ کہہ دیتے تھے کہ تم (اپنے علمی مشغلہ میں) مشغول رہو ہم تمام) تمہاری ضرورت کو پورا کرتے رہیں گے (اس لئے اس زمانہ میں عالم کے لئے کوئی پیشہ جاننے کی اتنی زیادہ ضرورت نہ تھی)، مگر اب تو علماء کا یہ حال ہے کہ ان کو اتنا بھی میسر نہیں آتا جس سے وہ اپنے اہل و عیال ہی کا خرچ چلا سکیں (زیادہ تو کیا ہوتا) یہاں تک کہ دن بھر (مارے مارے) پھرتے ہوئے ان کا دل (و دماغ) بھی پگھل جاتا ہے، پھر اس (مشقت) کے بعد بھی ان کو صدقہ (و خیرات کا مال) کھانے کو ملتا ہے، اس لئے آج کل عالم کے لئے پیشہ (اور ہنر) کا سیکھ لینا بڑی مبارک[۱] (چیز اور عین) مصلحت

---

(۱) علماء اور طلبا کو اس عہد پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے، کیونکہ آج کل عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ علماء ہمارے چندوں کے محتاج ہیں اور ہم چندہ کے دباؤ سے جو کام چاہیں ان سے لے سکتے ہیں اور افسوس یہ ہے کہ بعض علماء بھی چندہ کے دباؤ میں آکر عوام کی موافقت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ انشاء اللہ اپنے ولد عزیز برخوردار عمر احمد سلّمہٗ اللہ کو علم دین سے فارغ کرنے کے بعد کوئی پیشہ ضرور سکھلا دوں گا اور اگر میں اس وقت تک زندہ نہ رہا تو میں اپنے ورثہ کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اس ارادہ کو پورا کر دیں اور کوئی مناسب پیشہ اس کو ضرور سکھلا دیں۔ واللہ حلیفتی علیہ ۱۲ مترجم

ہے اگرچہ کوئی ادنیٰ ہی سا پیشہ ہو جیسے چمڑہ رنگ لینا (کتابوں کی جلدیں وغیرہ، پھر اگر حق تعالیٰ کسی دوسرے طریقہ سے اس کو (مالی) وسعت عطا کردیں فبھا ورنہ انشاء اللہ وہ پیشہ اس کو لوگوں کی بھیک مانگنے سے (ضرور) مستغنی کردیگا۔ واللہ واسع علیم

(۱۲۶) اپنی اولاد اور غلاموں کی مدد کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنی اولاد اور غلاموں کی مدد کیا کریں اور جو کوئی ان کو ایذاء دے یا پریشان کرے اس سے ان کا بدلہ لیا کریں تاکہ (شرعاً) ہمارے اوپر جو ان کا حق ہے اس سے ہم سبکدوش ہو جاویں، کیونکہ وہ ہماری (نگہبانی اور) ماتحتی میں ہیں (اس لئے ان کی حفاظت اور حمایت ہمارے ذمے لازم ہے، باقی) اس حیثیت سے ہم کو ان کی حمایت نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہماری اولاد اور ہمارے غلام ہیں کیونکہ جو شخص طبعی محبت کی وجہ سے اپنی اولاد کی حمایت اور مدد کرتا ہے وہ جانوروں کی مثل ہے، (طبعی محبت کی وجہ سے تو جانور بھی ایسا کیا کرتے ہیں۔ پس مسلمان کو مناسب یہ ہے کہ وہ محض حکم الٰہی کی تعمیل اور اولاد کے شرعی حقوق ادا کرنے کے خیال سے ان کی حمایت کرے) اور جو شخص اپنی اولاد کی حمایت (بالکل) نہ کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی (کہ تم نے اپنی اولاد کے حقوق ادا کرنے میں کیوں کوتاہی کی) واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۱۲۷) ہمارا جو مقروض قرض ادا کرنے پر قادر ہو اس سے سختی سے قرض کا مطالبہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص پر ہمارا قرض آتا ہو اور وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو اس سے سختی کے ساتھ اپنے حق کا مطالبہ کرنا چاہئے، مگر نیت یہ ہونی چاہئے کہ اچھا ہے یہ بے چارہ جلدی ہمارے حق سے سبکدوش ہو جاوے۔ اور یہ مطالبہ اور سختی وغیرہ اس وقت کریں جب کہ ہم خوش دلی کے ساتھ اپنا حق معاف کرنے سے عاجز ہو گئے ہوں یا تو اس وجہ سے کہ ہم کو اس مقدار حق کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ) ہم اس کے لئے مضطر ہیں یا اس وجہ سے کہ وقت اتنا نہیں ہے کہ ہم مجاہدہ وریاضت کر کے اپنے نفس کی اصلاح کریں کہ وہ

خوشی کے ساتھ اپنا حق معاف کرنے پر راضی ہو جائے، پھر جس صورت میں کہ ہم مدیون کو اپنا حق معاف کرنا چاہیں تب بھی اس وقت تک معاف نہ کریں جب تک ہم کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ آخرت میں ہماری معافی کا احسان اٹھانے پر راضی ہے (خلاصہ یہ ہے کہ جب اپنا حق معاف کرنا چاہے تو پہلے مدیون کو اطلاع کر دے کہ اگر تم چاہو تو میں خوشی سے اپنا قرضہ معاف کر سکتا ہوں)۔

اور اپنے حق کے مطالبہ میں) ہماری یہ نیت نہ ہونی چاہئے کہ مدیون کے پاس سے رقم آجاوے گی تو اس سے ہمارے بہت کام چلیں گے، کیونکہ یہ نفع تو طبعاً خود ہی حاصل ہو جائے گا (اس کے لئے نیت ہی کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس نیت میں نفع یہ ہوگا کہ تم ثواب سے محروم رہو گے اور پہلی نیت میں تم کو ثواب ملے گا) تو جو شخص اپنا حق وصول کرنے کے لئے کسی غنی پر سختی کرے بشرطیکہ اس کی وہی نیت ہے جو اوپر مذکور ہوئی ہے تو اس نے مدیون کے ساتھ بڑا احسان کیا (کہ اس کو ایک بوجھ سے سبکدوش کرنا چاہتا ہے) اور (حقیقت میں) یہ شفقت بصورت مشقت ہے اور عنقریب آخرت میں وہ مدیون اس شفقت کا شکریہ ادا کرے گا (اگرچہ دنیا میں اس سختی کی وجہ سے قدرے ناگواری اس کو ضرور ہوگی)۔

اور بعض عارفین (کی یہ حالت تھی کہ وہ) ہزار ہزار دینار خیرات کیا کرتے اور بہت لوگوں سے اپنا قرضہ زیادہ مقدار میں معاف کر دیا کرتے تھے اور بعض دفعہ (جب کہ مدیون معافی کو قبول نہ کرتا تو) نہایت سختی کے ساتھ مطالبہ کرتے تھے اور یہ فرماتے کہ ہم کو یہ بات ناگوار ہے کہ آخرت میں خدا تعالیٰ کی کسی مخلوق پر ہمارا کوئی احسان رہے، کیونکہ ممکن ہے کہ مدیون آخرت میں ہم سے یہ کہنے لگے کہ اگر تم دنیا میں مجھ سے اپنے حق کا مطالبہ کرتے تو میں ضرور تم کو ادا کر دیتا (تم نے خواہ مخواہ آخرت میں میرے اوپر احسان رکھا) تو اس صورت میں وہ ہمارے اوپر الزام قائم کر دے گا (ہاں اگر مدیون دنیا ہی میں اس پر راضی ہو جائے کہ ہم اس کو اپنا حق معاف کر دیں تو پھر وہ ہم کو یہ الزام نہ دے سکے گا۔ اس صورت میں معاف کر دینا ہی بہتر ہے) واللہ علی کل شیءٍ شهيد.

(۱۲۸) اپنے تاجر دوست کو تاکید کریں کہ زیادہ فائدہ کی امید پر سامان تجارت کو خطرہ میں نہ ڈالیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں تاجروں کو اس بات کی تاکید کریں کہ اگر کوئی شخص ان کو زیادہ فائدہ کی امید دلائے تو اس کو اپنا مال دے کر سامان تجارت کو خطرہ میں نہ ڈالیں اگر چہ وہ (ان کا مال) رہن کے بدلہ میں لیتا ہو، کیونکہ بعض دفعہ ایسا شخص مکار ہوتا ہے اور بعض دفعہ وہ شئی مرہون اس کی بی بی یا دوست کی ملک ہوتی ہے تو بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو دوسرے کا حق ہے اور آج کل تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے ایسی حرکتیں بہت لوگ کرنے لگے ہیں کہ ایک دوسرے کو دھوکہ دینا انہوں نے سیکھ لیا ہے کہ اس کا عمامہ لے کر اس کو پہنا دیا اور کسی کی چیز لے کر کسی کے پاس رہن رکھدی) اور یہ سب کچھ کر کے قید خانہ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ یا علماء وصالحین کا وسیلہ ڈھونڈھنے لگے اور صاحب مال کے پاس لوگوں کی سفارشیں پہنچانے لگے (تا کہ اس دباؤ میں آکر وہ اپنا حق معاف کر دے۔ چنانچہ ہم نے اس کا بہت مشاہدہ کیا ہے۔ اور بخدا (ان صورتوں میں) صاحب مال ہی بیوقوف ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ اپنے مال کو اپنے قبضہ میں رکھ کر اس سے خود اپنا خرچ بھی نکالنے پر قادر نہیں تو دوسرا شخص اس کو اتنا زیادہ نفع کیونکر دے سکتا ہے جس کا وہ وعدہ کرتا ہے حالانکہ تجارت کے نفع سے وہ دوسرا شخص خود بھی کھائے پہنے گا اور اس کے اہل وعیال بھی۔ پس خبردار تم کبھی ایسی حماقت نہ کرنا اور اگر تم کو میری بات میں شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔ واللہ یتولی ھداك۔

(۱۲۹) اپنے دوستوں میں سے کسی کو تجارت کے لئے سفر کرنے کا مشورہ نہ دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں کسی کو تجارت کے لئے سفر کرنے کا مشورہ نہ دیں جب کہ وہ اپنے شہر میں روٹی اور کپڑا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے (گذارہ

کے موافق) پاتے رہتے ہوں، کیونکہ آج کل غالب یہی ہے کہ سفر میں نفع نہیں ہوتا اور اگر ایک دفعہ کسی کو نفع ہوتا ہے تو دس بار نقصان ہوتا ہے۔

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے تو اسباب (معاش) کا معطل کرنا لازم آتا ہے (حالانکہ اسباب معیشت کا قائم رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر اسی طرح سب لوگ سفر کرنا چھوڑ دیں گے تو ذرائع معاش بند ہو جائیں گے) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ دلوں کے اندھے (دنیا میں) شاہی لشکر سے بھی زیادہ ہیں اور وہ سفر کرنے اور مشقتیں جھیلنے کے لئے سب کی طرف سے قائم مقام ہیں وہ کسی وقت بھی ان کاموں سے تھک کر نہیں بیٹھتے (پس اپنے احباب کو ایسا مشورہ دینے سے اسباب معاش ہرگز تعطل نہیں ہو سکتے) اور جس شخص کو حق تعالیٰ نے نور (فہم) عطا کیا ہو اس کو انہی کاموں کے لئے سعی کرنا چاہئے جن میں ضروریات دین اس سے فوت نہ ہوں (اور سفر میں اکثر ضروریات دین فوت ہو جاتی ہیں۔ پس عقلاء کو حتی الامکان اس سے احتراز ہی لازم ہے)۔

ہاں اگر کسی وقت اسباب معاش کا قائم رہنا اسی شخص پر موقوف ہو گیا ہو جو ہم سے سفر کے لئے مشورہ لے رہا ہے اس وقت یہی مناسب ہے کہ ہم اس کو تجارت کے لئے سفر کا مشورہ دیں (مثلاً ایسی صورت ہو کہ بستی بھر میں اس کے سوا کوئی شخص اتنا سرمایہ نہیں رکھتا کہ دوسرے ممالک سے مال خرید کر لائے یا اس کی تجارت سے مسلمانوں کو زیادہ نفع ہوتا ہے اور دوسروں سے نہیں تو ایسے شخص کو سفر تجارت کا مشورہ ضرور دیا جائے) کیونکہ اس وقت یہ سفر بھی ضروریات دین میں داخل ہے۔

اسی طرح تاجروں میں سے کسی کو یہ مشورہ بھی نہ دیں کہ وہ غیر کا مال لے کر سفر کریں جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ دوسرا شخص اس کی ہر بات کو سچا سمجھے گا اور سفر سے واپس آکر یہ جو کچھ اپنی کلفت یا نقصان کی حالت بیان کرے گا وہ بدون قسم اور گواہوں کے اس کی تصدیق کرے گا اور یہ بات آج کل بہت کم پائی جاتی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں سفر تجارت کرنے والوں کی زیادہ تر نیت اپنے نفع کی ہوتی ہے اور مالدار بھی (آج کل) ایسے طماع ہیں کہ انکی تمام تر نیت یہ ہوتی ہے کہ پورا نفع انہی کو مل جائے اور جو ان کی طرف

سے سفر کرتا ہے اسے کچھ بھی نہ ملے۔ اور یہ نیت برکت کو مٹا دیتی ہے (جس کی نحوست سے سفر تجارت میں نفع کم ہوتا ہے) پھر وہ سفر کرنے والا اگرچہ دیندار صالح آدمی ہو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جاتا، وہ بے چارہ خدا کی اور طلاق کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ بخدا میں نے اس مال میں نہ خیانت کی ہے نہ چوری کی، مگر صاحب مال اس کی تکذیب ہی کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی قسم میں سچا ہوتا ہے۔ کیونکہ تجارت میں نقصان صرف ان دونوں کی بدنیتی سے ہوا ہے کہ ہر ایک یوں چاہتا تھا کہ اسی کو زیادہ نفع ملے شریک کو نہ ملے۔

پھر اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو اپنا مال دے کر سفر میں بھیجنے کے لئے ہم سے مشورہ چاہے تو ہم کو اسے یہ مشورہ دینا چاہئے کہ اپنے سارے مال کے دسویں حصے سے زیادہ اس کو ہرگز نہ دے، بلکہ اس سے بھی کم ہو تو زیادہ بہتر ہے تاکہ (خدانخواستہ) اگر اس سفر میں مال پر کوئی آفت آجائے تو اس کے پاس (گھر میں) اتنا تو بچ جائے جس سے وہ اپنی آبرو بچا سکے۔

ایک بار میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا سارا مال تجارت کیلئے باہر بھیج دیا اور وہ سب کا سب دریا میں غرق ہو گیا۔ پھر تین مہینے کے اندر اس کی یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں سے بھیک مانگنے لگا۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں جو شخص اپنے مال میں اٹکل پچو کام کریگا (اور انجام کو نہ سوچے گا) اس کی جزاء خسارہ کے سوا کچھ نہیں، والسلام۔

(۱۳۰) صنعت و پیشہ میں مخلوق کو نفع رسانی کا قصد کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے دوستوں کو اس بات کی ہدایت کریں کہ وہ دنیا کے ہر صنعت اور ہر پیشہ میں مخلوق کی نفع رسانی کا قصد کریں کسی سے کوئی چیز بیچیں یا خریدیں، یا کسی کا کپڑا سیویں یا کھانا پکاویں یا صنعت و حرفت کا کوئی کام کریں تو اس میں اوّلاً صرف مخلوق کو نفع پہنچانے کی نیت کریں اور اپنے نفع کو تابع سمجھیں، اپنے آپ کو نفع پہنچانے کی اولاً نیت نہ کریں۔ اور اگر کبھی اتفاقاً کوئی کام بغیر اس نیت کے ہو جائے تو اس کام سے اور اس کے منافع سے منتفع نہ ہونا چاہئے (بلکہ جس کام میں مخلوق کی نفع رسانی کی نیت نہ کی ہو اور اس سے کچھ رقم حاصل ہوئی ہو اس کو خیرات کر دینا چاہئے اپنے صرف میں نہ لانا چاہئے۔ دو تین بار اس

طرح کرنے سے نفس کو عادت ہو جائے گی پھر کوئی کام بدون اس نیت کے نہ ہو گا) اور اگر کوئی معاملہ (بیع و شراء وغیرہ کا) بدون اس نیت کے سرزد ہو گیا ہو تو اعادہ کر کے اس کو دوبارہ نفع رسانی مخلوق کی نیت سے کرنا چاہئے۔

یہ سب کچھ اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ ہمارے دوستوں کے سب کام عبادت میں داخل ہو جائیں، محض عادت کے طور نہ ہوا کریں اور تاکہ حق تعالیٰ نے ایسی نیت کرنے والوں کے لئے جس امداد کی ضمانت فرمائی ہے وہ بھی اس ضمانت میں داخل ہو جائیں جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے "اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ"[1] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی امداد اس وقت تک فرماتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی امداد میں لگا رہے۔

اور بھلا باورچی کا اس میں کیا نقصان ہے کہ جب وہ تہائی رات سے کھانا پکانے میں لگتا ہے تو اس میں یہ نیت کر لے کہ اس کھانے سے لوگوں کو نفع پہنچے گا اور اپنی ذات کے نفع کی نیت نہ کرے، کیونکہ (کھانے کی) قیمت سے اس کو تو ہر حال میں نفع پہنچ ہی جائے گا چاہے اس کی نیت کرے یا نہ کرے۔

اور جو شخص اپنی حرفت اور صنعت میں نفع خلق کی نیت کرتا رہے گا وہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہے گا خواہ کیسا ہی پیشہ کرے بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو اور ہر چند کہ ان کاموں کے ساتھ مخلوق کا نفع خود ہی وابستہ ہے (اور ان کے ہر صورت میں مخلوق کو نفع پہنچتا ہے) چاہے کوئی نیت کرے یا نہ کرے، لیکن ہم نے نیت کی ترغیب (اور تاکید) محض اس لئے کی ہے تاکہ حضور ﷺ کے اس قول پر عمل ہو جائے "انما الاعمال بالنیّات وانما لکل امرء ما نوی"[2] اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو وہ نیت کریگا تو حضور ﷺ نے ہر اس عمل کو جس میں کوئی (شرعی) نیت نہ ہو فضول (اور لغو) قرار دیا ہے

---

(۱) ترمذی ص ۲۶۳ ج ۱۔ ابواب الحدود باب مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۰۔ ۱۲ مرتب

(۲) بخاری ص ۲ ج ۱ کتاب الایمان باب کیف کان بدء الوحی۔ مسلم ص ۱۴۰ ج ۲ کتاب الإمارہ باب قولہ ﷺ انما الاعمال بالنیۃ۔

یقینی طور پر اس میں ثواب نہیں اگر چہ اس حیثیت سے کسی قدر ثواب کی امید ہے کہ لوگوں کو بہر حال اس سے نفع پہنچا ہی ہے (اگر چہ کرنے والے نے نفع خلق کی نیت نہیں کی)۔

پھر (یاد رکھو! کہ) اس عہد پر وہی شخص عمل کر سکتا ہے جو دنیا میں زاہد (ہو اور اس سے محبت نہ رکھتا) ہو ورنہ جو شخص دنیا پر فریفتہ ہو گا اس کو تو اپنی صنعت و حرفت میں پیسوں ہی کی فکر ہو گی لوگوں کو نفع پہنچانے کا خیال (کبھی خطرہ کے درجہ میں بھی) اس کے دل پر نہیں آسکتا اور ہر مرتبہ کے لئے خاص لوگ ہوا کرتے ہیں۔ واللہ واسع علیم۔

ہمارے اوپر کسی کا حق ہو اور ہم اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ ادا کر دیں تب بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم اس حق سے پوری طرح سبکدوش ہو گئے

(۱۳۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے اوپر اگر کسی کا کوئی حق ہو اور ہم اس کو ادا کر دیں اور نہایت احتیاط کے ساتھ ادا کر دیں تب بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم اس حق سے پوری طرح سبکدوش ہو گئے خواہ وہ حق مالی ہو یا آبرو (وغیرہ) کے متعلق ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ آخرت میں ہمارے اوپر کوئی باریک بات (ایسی) نکال دیں (کہ وہاں تک ہمارا ذہن بھی نہ گیا ہو) اور ذرہ ذرہ کا حساب لینے لگیں۔

پس عزیز من (مخلوق کے) حقوق کو اس طرح ادا کرو کہ ہر وقت اندیشہ اور خوف ہی کرتے رہو یہاں تک کہ میزان آخرت سے پار ہو جاؤ (کہ اس کے بعد بے خوف ہو جانے کا وقت ہے) سلف صالحین اسی طریقہ پر چلتے تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور خدا تعالیٰ تم کو بھی (اس کی) ہدایت کرے۔

اوقات ضرورت کے سوا قرض مانگنے والے کو قرض نہ دیا کریں

(۱۳۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو کوئی ہم سے قرض مانگے تو اوقات ضرورت کے سوا اس کو قرض نہ دیا کریں اور اگر ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ ایسی خواہشوں میں خرچ کرنے کے لئے قرض مانگتا ہے جو اس کے لئے (دنیا یا آخرت میں) مضر ہیں تب تو ہر گز نہ دیں اگر چہ وہ ہم کو کیسی ہی قسمیں دیتا ہو، کیونکہ وہ (پورا) جاہل ہے جس کی جہالت کی بات

ہر گز نہ سنی جائے گی۔ پھر ایسے قرض کی ادائیگی میں غیب سے امداد بھی نہیں کی جاتی تو جو کوئی ایسے شخص کو کچھ دے تو اس کی وصول ہونے کی امید بس خدا ہی سے رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فراخی کی صورت میں اسراف کے بجائے محتاجوں کی امداد کریں

(۱۳۳)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب حق تعالیٰ ہمارے اوپر دنیا کو فراخ (اور وسیع) فرماویں تو ہم کو اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر توسع کر کے اس میں اسراف نہ کرنا چاہئے، بلکہ فقیروں محتاجوں اور یتیموں اور بیوہ عورتوں پر خرچ کرنے میں توسع کرنا چاہئے اور خود ہم کو دس درہم سے قریب قیمت کا کپڑا پہننا چاہئے (جو تقریباً پونے تین روپے کے برابر ہوتے ہیں) اس پر زیادتی نہ کریں اور جہاں اظہار نعمت کا (شرعاً) حکم ہے اس کے لئے ہم کو اتنی قیمت کا لباس انشاء اللہ کافی ہو گا۔

اور اسی لئے جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے پاس ہر قسم کا مال ہے گائیں، اونٹ، بکریاں سب کچھ موجود ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "افلا نری اثر نعمة الله علیك"[1] کہ پھر ہم تیرے اوپر خدا کی نعمت کا اثر کیوں نہیں دیکھتے؟ تو حضور ﷺ نے لفظ اثر کے ساتھ تعبیر فرمایا کہ کھانے اور پہننے میں کمی کرنے کی طرف اشارہ فرما دیا ہے ہم (اس حدیث سے) یہی مطلب سمجھتے ہیں۔

اور حضرت (سیدنا) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "اخشوشنوا فی هذا الدار" دنیا میں موٹی جھوٹی حالت سے رہنا چاہئے (یعنی ہر حالت میں ایسے ہی رہو) پس روٹی (ہر طریقہ سے) کھاؤ اگرچہ نمک ہی کے ساتھ ہو اور گدھے کی سواری کرو اگرچہ تنگی ہی پیٹھ ہو اور (ہر قسم کا) کپڑا پہنو اگرچہ موٹا ہی ہو اور (ہر قسم کی) عورتوں سے نکاح کرو اگرچہ بدصورت باندی ہی ہو، کیونکہ یہ دنیا تمہارا گھر نہیں ہے اور نہ تمہارے قیام کی جگہ ہے۔ پھر ہم کو اس خستہ حالت میں (بھی) اپنے پروردگار عزوجل سے راضی رہنا چاہئے۔

اور (سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام حواریین سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ موٹی ٹاٹ کا (لباس) پہننا اور بے چھنے ہوئے جو کی روٹی کھانا اور کوڑیوں پر سونا،

---

(۱) دیکھئے مسند احمد ص ۱۱۳ ج ۲ و ص ۳۸۰ ج ۴۔ مرتب

مرنے والے کے لئے بہت ہے۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے سناوہ فرماتے تھے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے آج کل وسعت دی ہو اس کو قیمتی اونی لباس اور قندھاری شال وغیرہ پہننا اور چینی کے برتنوں میں کھانا مناسب نہیں اور یہ باتیں خود امیر کی ذات کے لئے ہم کو ناپسند ہیں اور جو شخص اپنے غلام کو ایسا (قیمتی) لباس پہناتا ہو وہ تو کیا کچھ ہو گا۔

اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنے گھوڑے کو قیمتی چار جامہ اور سرخ (ریشمی) جھول اور مطلے مذہب رکابین اور لگام پہناتا ہو اور ایسے گدّے پر سوار ہوتا ہو جس کی قیمت تیس اشرفیوں کے قریب ہو وہ تو جانوروں کے مثل ہے، کیونکہ یقیناً اس کے محلّہ میں بہت سے مسلمان غریب محتاج ہوں گے تو اس کے ذمے یہ واجب تھا کہ جس طرح اپنے جانوروں کی خبر گیری کرتا ہے اسی طرح اس غریب ہمسایہ کے لباس وغیرہ میں خبر گیری کرتا (تو جو شخص مسلمانوں کو چھوڑ کر جانوروں کی اتنی خاطر کرے اس کے جانور ہونے میں کیا شبہ ہے)۔

پھر یہ تمام تر گفتگو تو اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص ان تکلفات کی قیمت حلال کمائی سے پاتا ہو جس میں کسی کا کچھ حق نہ ہو۔ اور جو لوگ خرافات ایسی کمائی سے کرتے ہوں جو سراسر مکر و فریب اور دھوکہ دہی اور حیلوں سے حاصل ہوئی ہو پھر اس کے ساتھ قلوب بھی کجی کی طرف مائل اور نفوس بھی پریشان اور عقلیں بھی سلب ہو چکی ہوں (ایسے لوگ تو کیا کچھ ہوں گے)۔

پھر آج کل زمانہ ایسا ہے جس میں روزی بدون موت کا مشاہدہ کئے ہوئے حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ بازار کے صنعت و حرفت والے اور کھیتی کرنے والے اس حالت کو خوب جانتے ہیں جو کہ محتسب اور حاکم اور چودھری اور چونگی والوں کو لازمی طور پر اتنا دیتے ہیں جو کہ (قانوناً) ان کے ذمے لازم نہیں ہوتا اور باوجود تنگدستی کے کاشتکار سے آفت زدہ زمین کا لگان بھی علاوہ مقررہ لگان کے وصول کیا جاتا ہے حتی کہ وہ بے چارہ لگان ادا کرنے کے لئے) اپنے مویشی اور غلہ اور بکریاں اور مرغیاں اور بطخ وغیرہ سب بیچ دیتا ہے یہاں تک کہ (خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے کہ) ایک رات کی خوراک کا بھی مالک نہیں رہتا اور اگر وہ خرمن میں

اپنے گیہوں کے پاس جاتا ہے تاکہ اپنی اولاد کے لئے کچھ آٹا حاصل کرے تو ظالم لوگ اس کو اتنا موقع بھی نہیں دیتے، بلکہ اس کے سامنے ہی اس کا سارا غلہ لوٹ لیتے اور اس سے کہہ دیتے ہیں کہ (ابھی تم انتظار کرو) یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں کہ اس شہر میں کوئی افتادہ زمین ہے یا نہیں (اگر کوئی افتادہ زمین ہوئی تو اس کا لگان بھی اسی زمین سے وصول کیا جائے گا جس میں کاشت کی گئی ہے) پھر اگر وہ غلہ افتادہ زمین کے لگان کو ادا نہ کر سکا تو کاشتکار کو بیڑیاں پہنا کر جیل خانہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پس عزیز من! اپنے زمانہ (کی حالت) کو خوب دیکھ لو اور (خرچ کرنے میں) اختصار سے کام لو کیونکہ یہ زمانہ ایسا نہیں ہے جس میں تم تکلفات کر کے (صحیح) سالم رہ سکو، بلکہ (اس صورت میں) آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی تمام نعمتیں تمہارے پاس سے جاتی رہیں گی۔ واللہ یتولی هداك ان شاء

گھوم پھیر کے بیچنے والے اور راستوں کی دکانوں کا کھانا نہ کھایا کریں

(۱۳۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو لوگ کھانا لے کر گھومتے پھرتے ہیں ہم ان سے (خرید کر) کھانا نہ کھایا کریں، اسی طرح جو کھانے راستوں (کی دکانوں) پر رکھے ہوتے ہیں (ان کو بھی نہ خریدیں)، کیونکہ ان میں نگاہوں کی سمیت کا اثر آجاتا ہے اور جب کھانے پر کسی کی نظر پڑتی ہے تو لوٹ کر اس میں سے سمیت کا اثر ضرور آجاتا ہے بالخصوص جب کہ وہ دھوپ میں رکھا ہوا ہو۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مچھلی اور بھنے ہوئے پنیر اور بھنے ہوئے گوشت اور دودھ پر سب سے زیادہ نظر کا اثر ہوتا ہے اور ایسے کھانوں پر (نہ معلوم) دن بھر میں کتنے (لوگوں کی) نگاہیں پڑتی ہوں گی (اور کتنے غریب، محتاج آدمی ان کو حسرت کے ساتھ تکتے ہوں گے) پھر ان کو ایک لقمہ بھی ان میں سے نصیب نہیں ہوتا۔

پس عزیز من! تم ایسے کھانے ہرگز نہ کھایا کرو، مگر جب کہ تم ان متوکلین میں داخل ہو گئے ہو جن کو نظر سے کچھ ضرر نہیں ہوتا (اس وقت اس کا مضائقہ نہیں) اور میں حق

تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو لوگ کھانا (سرپر) لئے لئے پھرتے ہیں ان کے پاس خدا تعالیٰ ایسے آدمیوں کو بھیجدیں جو ان کا کھانا (توخرید کر) کھالیں اور نظر کا اثر ان پر نہ ہو۔ واللہ غنی حمید۔

جتنی عبادت کی توفیق مل رہی ہے اس پر شکر کرتا رہے

(۱۳۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر حق تعالیٰ نے ہماری قسمت میں طاعات (عبادات) تھوڑی مقدار میں رکھی ہوں تو ہم اس حالت میں بھی خدا تعالیٰ سے بعینہ اسی طرح راضی رہیں جبکہ رزق ظاہری میں تقدیر الٰہی پر راضی رہنا واجب ہے، پھر اگر ہم حق تعالیٰ سے کچھ زیادہ مانگنا چاہیں تو یہ درخواست تفویض کے ساتھ ہونی چاہئے اور انجام کا علم خدا کے سپرد کرنا چاہئے (یعنی اس طرح دعا کرنی چاہئے کہ بارالٰہا اگر میرے لئے زیادہ عبادت مضر نہ ہوں تو مجھ کو زیادہ کی توفیق عنایت کیجئے)، کیونکہ بعض دفعہ بدون تفویض کے ہم کوئی چیز خدا سے مانگتے ہیں اور انجام کار اس میں ہمارے لئے ہلاکت ہوتی ہے مثلاً ایک شخص مال اور قوت میں زیادتی کی درخواست کرتا ہے جب حق تعالیٰ یہ چیزیں اس کو (بکثرت) عطا کر دیتے ہیں تو وہ تکبر کرنے اور مخلوق پر بڑائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ خدا ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

پس بندہ کو تھوڑی ہی (عطا) پر راضی رہنا چاہئے حق تعالیٰ اسی کو (ثواب میں) دوچند (اور سہ چند) کردیں گے، چنانچہ وہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں ﴿واللہ یضاعف لمن یشاء﴾[1] اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں دونا (ثواب) عطا کر دیتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہم کسی وقت حق تعالیٰ سے اعمال صالحہ میں ترقی (اور زیادتی) کی درخواست کریں، پھر ان سے ہمارے اندر عجب اور کبر پیدا ہو جاوے اور اعمال صالحہ سے ہم خدا پر ناز کرنے لگیں اور اپنے دل میں یوں کہیں کہ یہ بات (بہت) بعید ہے کہ خدا تعالیٰ ہم جیسوں سے مواخذہ (اور گرفت) فرمائیں تو (آخر کار ان امراض کی وجہ سے) ہم ہلاک (اور تباہ) ہو جاویں گے۔

---

(۱) البقرۃ/۲۶۱۔

اور (خوب سمجھ لو کہ) حق تعالیٰ نے ہم کو صرف علم کے بارے میں زیادتی (اور ترقی) کی درخواست کا حکم فرمایا ہے کیونکہ اس کی بدولت ہم کو حقائق امور کا انکشاف ہو جاتا ہے باقی اعمال میں زیادتی کی درخواست کا حکم نہیں دیا (چنانچہ قرآن میں ﴿قل رب زدنی علما﴾[1] فرمایا ہے اور ﴿قل رب زدنی عملاً﴾ نہیں فرمایا) اور جب کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، (بلکہ محض رحمت و فضل سے یہ دولت نصیب ہو گی) تو اب اعمال پر اعتماد کرنا فضول ہے، بلکہ صرف اللہ عزوجل کی رحمت ہی پر اعتماد کرنا واجب ہے (اور رحمت زیادہ اعمال پر موقوف نہیں، بلکہ تھوڑے عمل کرنے والے پر بھی ہو سکتی ہے، بلکہ یہ لوگ رحمت کے زیادہ مستحق ہیں۔

پس خدا نے جس قدر اعمال کی توفیق دی ہو ان پر راضی رہنا چاہئے اور دوسروں کے زیادہ اعمال کو دیکھ کر اپنے اعمال کی بے قدری اور خدا کی ناشکری نہ کرنا چاہئے) اور خلاصۂ (کلام) یہ ہے کہ جو شخص اپنے اختیار کو اپنے پروردگار کے اختیار میں فنا کر دے گا وہ یہ سمجھ جائے گا کہ حق تعالیٰ اس کی مصلحتوں کو اس سے زیادہ جانتے ہیں (پھر وہ خود اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے گا) وما یعقلھا الا العالمون.

(۱۳۶) اپنے دوستوں میں سے کسی کو خزانوں کی تلاش اور تحصیل مقاصد کے دھندوں میں مشغول نہ ہونے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم اپنے دوستوں میں سے کسی کو خزانوں کی تلاش میں اور تحصیل مقاصد کے دھندوں میں مشغول نہ ہونے دیں جیسا کہ آج کل ایک بے وقوف جماعت اس (خبط) میں مبتلا ہے جن کو ابلیس نے محض ایک خیالی ڈھکوسلے میں پریشان کر رکھا ہے جس کا تذکرہ تو لوگوں کی زبانوں پر ہے، مگر عنقا اور دیو کی طرح اس کی اصلیت کچھ بھی نظر نہیں آتی۔

اور ہمارے زمانہ میں ایک بڑی جماعت اس (بیہودہ) شغل میں منہمک ہے اور جو کچھ دنیا

---

(۱) طٰہٰ / ۱۱۴۔

(کی دولت) ان کے پاس تھی وہ سب تعویذوں اور (فلیتوں کی) آمدنیوں میں اور زمین کھودنے والوں کی مزدوری میں اور مکار لوگوں کو مٹھائی کھلانے میں انہوں نے ضائع کردی (اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے نہ ان کو کوئی خزانہ ملا نہ مقصود کا پتہ چلا اور الٹا پہلا سرمایہ بھی کھو گیا) فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اپنے دوستوں میں سے کسی کو کیمیاگری کے علم میں مشغول نہ ہونے دیں

(۱۳۷) (اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو علم جابر میں بھی مشغول نہ ہونے دیں جس کو کیمیا کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی غایت (محض) دھوکہ ہے (کہ چاندی سونے کی صورت بنائی آجاتی ہے اور حقیقت میں وہ چاندی اور سونا نہیں ہوتا آگ میں رکھنے کے بعد اس کی قلعی کھل جاتی ہے) اور دھوکہ باز آدمی سخت سزا اور رسوائی کا مستحق ہوتا ہے اور بعض دفعہ لوگ اس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔

اور (صحیح کیمیا آج کل کسی کو نصیب نہیں ہوتی کہ عمدہ اور کھرا سونا یا چاندی بن جائے، کیونکہ) جابر رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ یہ علم اس شخص کے ہاتھ پر صحیح طور سے ظاہر نہیں ہو سکتا جو دنیا سے محبت رکھتا ہو کیونکہ یہ علم علوم حکمت میں سے ہے اور حکمت اس شخص کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی جو دنیادار ہو (اب تم خود دیکھ لو کہ محبت دنیا سے آج کل کون بچا ہوا ہے)۔

پھر جابر رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد سے یہ عہد لے بھی لیا ہے کہ اپنی کتابوں میں کوئی تدبیر کامل طور پر بیان نہ کریں، بلکہ اس کے درجے اور شرائط ناقص طریقہ سے بیان کریں اور اس کے صحیح علم کو ان لوگوں کو دیں جو کہ کشف کے ذریعہ سے سچی کیمیا جان چکے ہیں (تو معلوم ہوا کہ آج کل جو لوگ کیمیاگر ہیں وہ محض دھوکہ باز اور مکار ہیں سچے کیمیاگر وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو کشف سے معلوم ہے) اور ہم نے اس مضمون پر رسالہ "الآداب" میں مفصل کلام کیا ہے اور جو شخص خانقاہ میں کیمیا کا شغل رکھتا ہو اس کو باہر نکال دینا واجب ہے تاکہ وہ دوسرے ذاکرین کی حالت خراب نہ کریں۔ واللہ غنی حمید

اپنی وسعت کے موافق اچھے سے اچھا لباس جو ہم کو ملے وہ پہنا کریں

(۱۳۸)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کپڑا میلا ہو جائے تو اس کو جلدی دھو لیں اور (اپنی وسعت کے موافق) اچھے سے اچھا جو لباس ہم کو ملے وہ پہنا کریں تاکہ آقا کی عظمت کا اظہار ہو، کیونکہ غلام کی وجاہت اس کے آقا کی عظمت پر دلالت کیا کرتی ہے اور محض اسی وجہ سے سچے درویشوں نے عمدہ لباس پہننا اور نماز میں قیمتی جائے نماز پر بیٹھنا اختیار کیا ہے وغیرہ وغیرہ، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے درباری لوگ ہیں (اور درباری کی عزت وجاہت سے صاحب دربار کی عظمت ظاہر ہوتی ہے) اس کے سوا کسی اور کے لئے وہ ایسا نہیں کرتے۔

اور جن درویشوں نے پھٹے پرانے میلے کپڑے اور پیوند لگے ہوئے پہنے ہیں ان کا مقصود خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی ذلت اور عبدیت کا ظاہر کرنا تھا تو ان کی حالت بھی خدا ہی کی طرف راجع ہے۔ پس ایک جماعت جمال کے لئے ہے (جن پر صفت جمال کا ظہور ہو رہا ہے) اور ایک جماعت جلال کیلئے ہے (ان پر صفت جلال کا غلبہ ہو رہا ہے اور ہر جماعت اپنے اپنے درجہ میں کامل ہے۔ واللہ علیم حکیم۔

(۱۳۹) مقروض آدمی سے ہدیہ قبول نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کی نسبت ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر لوگوں کا قرض ہے جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہے اگرچہ ایک ہی درہم ہو اس کا کوئی صدقہ اور ہدیہ قبول نہ کریں، کیونکہ دَین (کا ادا کرنا) صدقہ اور ہدیہ (دینے) پر مقدم ہے اس شخص کو پہلے اپنا قرض ادا کرنا چاہئے تھا، اس کے بغیر صدقات اور ہدایا کا دروازہ کھولنا مناسب نہ تھا) بالخصوص اگر قرضدار (اپنے قرض کا) مطالبہ کر رہا ہو اور یہ اس کو ٹال رہا ہو (تب تو اس کو صدقہ اور ہدیہ دینا جائز بھی نہیں)۔

اور حدیث میں ہے **"مطل الغنی ظلم"**[1] غنی کا (اپنے قرضدار کو) ٹالنا ظلم ہے تو جب ہم اس **مدیون کا مال** (صدقہ یا ہدیہ کے طور پر قبول کر کے) کھائیں گے تو گویا ہم نے

---

(۱) بخاری ص ۳۲۳ ج ا کتاب الاستقراض باب مطل الغنی ظلم۔ ۱۲ مرتب

قرض ادا نہ کرنے یا کم ادا کرنے میں اس کی مدد کی اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا (اس لئے جب تک وہ لوگوں کے قرض سے سبکدوش نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا کوئی ہدیہ اور صدقہ قبول نہ کریں)۔

اور میں نے اپنے ہم عصروں میں اس مقام پر بھائی افضل الدین رحمہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھا، وہ اس کے بہت زیادہ رعایت فرمایا کرتے تھے۔ واللہ غفور الرحیم۔

(۱۴۰) معزول آدمی کی ایسی تعظیم نہ کریں جیسی تعظیم معزولی سے پہلے کرتے تھے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص اپنے (مرتبۂ) حکومت (اور ولایت) سے معزول کر دیا گیا ہو ہم اس کی تعظیم ویسی نہ کریں جیسی ایام ولایت میں کرتے تھے، بلکہ اس میں کمی کر دینی چاہئے، کیونکہ تعظیم حقیقت میں مرتبہ کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قل انما انا بشر مثلکم﴾ (الکہف/۱۱۰) (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں اس سے معلوم ہوا کہ مرتبۂ ذات میں نبی اور غیر نبی سب برابر ہیں کیونکہ سب انسان ہی ہیں) پھر (اس کے بعد) حق تعالیٰ نے ''یوحیٰ الیّ'' میں مرتبہ کا ذکر کیا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں فرق یہ ہے کہ نبی کی طرف خدا تعالیٰ کی وحی آتی ہے) پس رسول اللہ ﷺ رسالت کے ساتھ ہم سے ممتاز ہو گئے (اگر رسالت کی شان نہ ہوتی تو آپ ﷺ بھی ہمارے ہی جیسے انسان ہوتے) پس جو شخص کسی حاکم یا صاحب خدمت کی تعظیم ایام معزولی میں بھی ویسی ہی کرے جیسی ایام ولایت میں کیا کرتا تھا وہ طریق حکمت سے (یقیناً) چوک[1] گیا اور اب جس قدر وہ اس معزول کو بڑھاوے گا اسی قدر اپنے مقام

(۱) میں کہتا ہوں کہ اگر اسی طرح ایک شیخ نے کسی شخص کو خلعت اجازت و خلافت عطا فرمایا ہو، پھر کسی شرعی وجہ سے اس نے اپنی اجازت و خلافت منسوخ کر دی ہو تو خدام شیخ کو چاہئے کہ اب اس شخص کی تعظیم اس قدر نہ کریں جتنی ایام خلافت میں کرتے تھے کہ اب اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا شریعت اور طریقت دونوں کے خلاف ہے اور اب جس قدر اس معزول کی تعظیم کی جاوے گی اسی قدر اپنے رتبہ کو گرایا جائے گا، خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

سے گر جائے گا جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

(۱۴۱) اپنے دوستوں میں سے کسی کو راگ باجہ اور گانے کی طرف کان نہ لگانے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو آلات مطربہ (یعنی راگ باجہ وغیرہ) کی طرف اور جوان مردوں اور عورتوں کے گانے کی طرف کان نہ لگانے دیں اور (اگر کسی کو بعض صوفیہ کے فعل سے شبہ ہو گیا ہو تو اس کو جان لینا چاہئے کہ) حدیث میں ہے "من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ"[1] جو شخص شبہ کی باتوں سے بچتا رہے اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچالیا (تو ان چیزوں کا حرام ہونا اول تو یقین ہے اور کم از کم شبہ تو ضرور ہے اور سالک متقی کو شبہات سے بھی بچنا چاہئے)۔

اور بعض صوفیہ سے جو ستار وغیرہ کا سننا منقول ہے تو انہوں نے صرف غلبۂ حال کے وقت اور بطور دوا (اور علاج) کے ایسا کیا ہے جیسا کہ شفاخانوں میں پاگلوں (کے علاج) کیلئے یہ چیزیں رکھ دی جاتی ہیں تاکہ ان کے دماغ کو (راگ باجہ سے فرحت اور) تراوت پہنچے۔ اس حالت کے سوا صوفیہ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اور اس کے بارے میں دیندار آدمی کو یہی بات کافی ہے کہ آئمہ مذاہب اربعہ کے ظاہر کلام سے زیادہ تر ان چیزوں کی حرمت ہی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ غنی حمید

قواعد سلف کے خلاف قرآن شریف پڑھنے سے منع کریں

(۱۴۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو احباب ہمارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو ایسے لہجوں میں قرآن پڑھنے سے منع کریں جو قواعد سلف کے خلاف ہوں اور اس حکم میں اذان دینا اور امام کے پیچھے (پکار کر) تکبیر کہنا بھی قرأت قرآن کے مثل ہے اور (اس کا یہ مطلب نہیں کہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ) خوش آوازی (دوسری چیز ہے وہ) تو فطری اور پیدائشی امر ہے (اس کی مخالفت نہیں ہے) باقی وہ راگ اور لہجہ جس کو محفلوں

(۱) اتحاف السادۃ ص ۳۲ ج ۶، ارواء الغلیل ص ۱۵۶ ج ۷۔ ۱۲ مرتب

میں قرآن پڑھنے والے قرّاء اختیار کرتے ہیں اور (اس میں قواعد سلف کے خلاف) حروف کو توڑتے اور غیر مد کی جگہ مد کرتے ہیں وہ حرام ہے جیسا کہ بعض فقہاء نے اس کی حرمت پر فتویٰ دیا ہے۔

دوسری (خرابی اس میں) یہ (ہے) کہ جب امام نماز کے وقت لہجہ اور نغمہ کی رعایت کرتا ہے تو اس وقت وہ حق تعالیٰ کے حضور سے غائب ہو جاتا ہے اور جو چیز نماز میں سب سے زیادہ اشرف ہے وہی اس سے فوت ہو جاتی ہے، تو ایسی حالت میں اس کو امام یا قاری بننا مناسب نہیں، البتہ جس شخص کو لہجہ کی رعایت خدا تعالیٰ کے حضور سے غائب نہ کرے (اس کے لئے نماز میں لہجہ کے ساتھ قرآن پڑھنا ممنوع نہیں بشرطیکہ قواعد سلف کے موافق ہو) اور سیدنا رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "حسنوا القرآن باصواتکم"[1] قرآن کو خوش آوازی سے پڑھا کرو تو اس سے حروف قرآن کو فصاحت اور عمدگی کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے جیسا کہ آئمہ قراءت رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے (کہ وہ حروف کو مخارج وصفات کے ساتھ ادا کرتے تھے) اہل عشق کی سی راگنیاں مراد نہیں ہیں۔ واللہ غفور الرحیم

(۱۴۳) جب ہم کو لوگوں میں کچھ عزت حاصل ہو جائے تو اپنی سابقہ حالت کو نہ بھولیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کو (کسی دوسری جگہ جا کر) لوگوں میں کچھ عزت حاصل ہو جائے تو اپنی اس حالت کو نہ بھولیں جس پر ہم اپنی بستی میں (رہتے) تھے کہ لوگوں کے درمیان ذلیل و خوار تھے زمین کا لگان دیا کرتے اور کھیتی کیا کرتے اور (غلہ) کاٹتے تھے اور بھینس (بکریاں) اور ہر قسم کے جانور چرایا کرتے اور پھٹے پرانے موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس حالت کو بھی نہ بھولیں جو اس دوسری بستی میں عزت حاصل ہونے

---

(۱) مشکاۃ: ص۱۹۱ کتاب فضائل القرآن باب آداب التلاوۃ الخ رقم ۲۲۰۸ واتحاف السادۃ ص ۴۹۷ ج۴، کشف الخفاء ص ۳۴۲ ج۱۔ ۱۲ مرتب

سے پہلے تھی کہ ہم روٹیوں کا طباق سر پر رکھ کر تنور تک لیجاتے (اور وہاں سے اپنے گھر پر لاتے) اور گھر کی مٹی (ٹوکریوں میں بھر کر) کوڑیوں پر ڈالتے اور کھانے کی ضروریات بازار سے لایا کرتے اور محلہ کے کنویں سے پانی کا گھڑا بھرا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اور اس عہد میں وہ (دیہاتی) لوگ بہت خیانت کرتے ہیں جو کہ شہر میں آکر بس جاتے اور تاجروں اور اعلیٰ طبقہ والوں جیسا لباس پہننے لگتے ہیں کہ اب ان کے نفسوں کو دیہات اور کاشتکاری کی طرف اپنی نسبت کرنے سے نفرت آتی ہے اور جس حالت پر وہ پہلے تھے اس کو (بالکل) بھول جاتے اور اپنی اصل ہی کا انکار کر دیتے ہیں (چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دوسری جگہ جا کر جولاہہ اور ڈوم بھی اپنے کو شیخ اور سید کہنے لگتا ہے)۔

حتی کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ اس کا باپ دیہات سے اس کے ملنے کے لئے آیا تو اس پر یہ بات بہت ہی گراں ہوئی کہ اپنے دوست آشناؤں میں اقرار کرے کہ یہ میرا باپ ہے، بلکہ (اس سے انجان بن کر) اپنے غلاموں سے یہ کہا کہ بڈھے کسان کو شام کی روٹی کھلا دینے سے نہ بھول جانا اور (یہ کہہ کر) اپنے خچر پر سوار ہو کر چلدیا۔

اسی طرح میں نے ایک اور شخص کو دیکھا کہ اس نے کسی امیر (اور حاکم) کی لڑکی سے شادی کر لی تھی تو اس کے بعد اپنی ماں سے انجان بن گیا اور (جب وہ اس سے ملنے کے لئے آئی تو بیوی سے) یوں کہنے لگا کہ بڈھی کسان عورت کو شام کے وقت روٹی کھلا دینا اور ماں سے یہ کہہ دیا کہ اگر تو نے کسی سے (میری نسبت) یہ کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو میں تجھے گھر سے باہر نکال دوں گا۔ نسأل الله العافية.

پس عزیز من! اس عہد کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو (اور اپنی پچھلی حالت کو کبھی نہ بھولو) کیونکہ اس سے تم کو خدا تعالیٰ عزوجل کا شکر بجالانے کی زیادہ توفیق ہوگی اور مقام شکر حاصل ہونے میں بڑی مدد ملے گی۔ واللہ یتولی هداك.

واعظ اور خطیب سے جو باتیں سنیں سب کو اپنے نفس پر محمول کریں

(۱۴۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے تمام دوستوں کو یہ حکم کریں کہ جب وہ کسی واعظ یا خطیب کی مجلس میں حاضر ہوں تو جتنی باتیں اس سے سنیں سب کو اپنے نفسوں پر

محمول کریں اگرچہ تاویل بعید ہی کے ساتھ محمول ہوں۔(اور یہ سمجھیں کہ سب وعظ ونصیحت ہم کو کی جارہی ہے اور جو خرابیاں بیان کی جاتی ہیں وہ سب ہمارے اندر موجود ہیں اور اگر کوئی خرابی اس وقت تک ہمارے اندر موجود نہیں تو آئندہ پیدا ہو جانے کا احتمال ہے)۔

اور جو لوگ طریق صوفیہ پر ابھی تک نہیں چلے وہ سب اس عہد میں بہت خیانت کرتے ہیں (کہ واعظ کے تمام وعظ کو دوسروں کے حق میں سمجھتے) اور اپنے نفس سے انجان بن جاتے ہیں جو کہ ہر برائی کا ٹھکانہ (اور ملجاوماویٰ) ہے۔

اور میں اکثر ان لوگوں کو جو جامع ازہر وغیرہ میں واعظوں کی مجلس میں جاتے ہیں۔یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ آج تو شیخ نے ظالموں اور فاسقوں کی خوب ہی خبر لی۔اور (یہ کہتے ہوئے) وہ اپنے نفسوں کے ظلم اور مصیبت کو (بالکل) بھول جاتے ہیں، حالانکہ اسی وقت اپنے بھائیوں وغیرہ پر ان کا ادنی ظلم یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ (غلط) بدگمانی کرتے اور ایسے برے برے طریقوں پر ان کو محمول کرتے ہیں جن کا خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گزرا ہوگا اور یہ ظلم ایسا (عام) ہے جس سے اکثر لوگ نہیں بچ سکتے (پھر کسی کا کیا منہ ہے کہ وہ دوسروں کو ظالم وفاسق سمجھے اور اپنے کو پاک وصاف؟)۔

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص واعظ کے بیان کو دوسروں کے حق میں سمجھتا ہو (اور غیروں ہی پر سب باتوں کو محمول کرتا ہو) اس کا تو وعظ میں نہ جانا ہی بہتر ہے۔والسلام

(۱۴۵) جو ہم سے نفرت کرے اور ہماری تنقیص کرے تو ہم اس پر رحم کرتے ہوئے اس کے ساتھ شیریں کلامی اور بکثرت آمدورفت کرکے اس کا علاج کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کی طرف سے ہم کو یہ خبر پہنچے کہ وہ ہم سے (نفرت اور) کراہت رکھتا ہے، اور لوگوں اور (اپنے) دوستوں میں ہماری تنقیص کرتا ہے اس کی حالت پر رحم کرتے ہوئے ہم کو اس کے ساتھ شیریں کلامی اور بکثرت آمدورفت کرکے اس (مرض) کا علاج کرنا چاہئے تاکہ ایک مسلمان سے نفرت اور کراہت کرنے کی

وجہ سے اس کا سرمایۂ (آخرت) کم نہ ہو جائے اور (یہ برتاؤ اس کے ساتھ) اس (طبعی) ناگواری کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہماری ذات خاص کی بے آبروئی کرتا ہے اور جب کسی شخص کی طرف سے کوئی ناگوار بات ہم کو پہنچے تو حتی الامکان اس سے تغافل برتنا (اور لاپروائی کے ساتھ بات کو ٹال دینا) ہمارے ذمے واجب ہے، کیونکہ اپنے دین کو نقصان سے بچانے کا یہی ایک طریقہ ہمارے لئے رہ گیا ہے۔

اور جو شخص فساد برپا کرنے کے لئے ایسی بات ہم تک پہنچاوے اس کے سچے ہونے پر کبھی التفات نہ کریں کیونکہ خداتعالیٰ نے ایسے شخص کو فاسق فرمایا ہے (پھر تم کس لئے اس کو سچا اور معتبر سمجھتے ہو) مگر چونکہ بات پہنچانے والے کے کلام سے (اک گونہ) شک پیدا ہو گیا ہے کہ شاید یہ خبر صحیح ہو (اور یہ بھی ممکن ہے کہ) اس نفرت کرنے والے کے چہرہ پر کسی وقت ایسے آثار ظاہر ہوں (جن سے اس خبر کی تائید ہوتی ہو) یا کسی پردہ کی آڑ میں خود اسی کی زبان سے ہم وہ ناگوار بات سن چکے ہوں ان وجوہ سے یہ ضروری ہے کہ ہم اس (کی نفرت) کا علاج کریں۔

اور ہم کو (یہ بھی) چاہئے کہ (ایسی) بات پہنچانے والے کو (فوراً اس کے منہ ہی پر) جھٹلا دیں اور صاف کہہ دیں کہ حاشا وکلا فلاں شخص ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کی غیبت کرے اور (مخلوق کی) آبرو کے پیچھے پڑے اگرچہ ہمارا دل اس کے خلاف شہادت دے رہا ہو (اور ناقل کی بات کو سچا ہی سمجھتا ہو) کیونکہ شریعت کی موافقت کرنا اور اسی (کے حکم) پر عمل کرنا اپنے دل کے فیصلہ (پر عمل کرنے) سے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ دل سے انہی امور میں فتویٰ لیا جاتا ہے جن کے احکام شریعت نے بیان نہ کئے ہوں۔ خوب سمجھ لو۔

اور عزیز من! تم کو جاننا چاہئے کہ آج کل کسی عاقل کو یہ مناسب نہیں کہ جب اس کو کسی شخص کی طرف سے کوئی (ناگوار) بات پہنچے تو اس کو عتاب کرنے لگے کیونکہ بعض دفعہ عتاب کے بعد ایسی (ناگوار) بات پیش آتی ہے جو پہلے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے، بس (آج کل تو) درگذر کرنا ہی عقلمندی ہے، ہاں اگر دوسرے شخص کی دینداری سے یہ امید ہو کہ وہ ہمارے عتاب سے نادم ہوگا اور (خطا کا) اقرار کر کے معافی چاہے گا تو اس کو (بے شک)

عتاب کردینا چاہئے۔

غرض (اچھی طرح) معلوم ہو گیا کہ عاقل کو یہ نہ چاہئے کہ جس شخص کی بابت اس کو یہ خبر پہنچے کہ وہ اس کی آبروریزی کرتا ہے تو خود بھی اس کا مقابلہ ایسی ہی نفرت اور آبروریزی سے کرنے لگے، کیونکہ اس سے بات بڑھ جائے گی اور معاملہ ناگوار صورت اختیار کرلے گا، بخلاف اس کے اگر ہم تحمل (اور بردباری) اور درگذر سے کام لیں (تو اس صورت میں اچھا نتیجہ پیدا ہونے کی امید ہے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب اس (مخالف) کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس (ناگوار) بات سے جو ہم تک پہنچائی گئی تھی اس کی براءت ظاہر کی اور اس کی نسبت یہ کہا ہے کہ خدا کی پناہ فلاں شخص ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کی آبرو کے پیچھے پڑے تو یہ سن کر اس پر ندامت طاری ہو جاتی (اور آئندہ کے لئے ہماری آبروریزی سے بالکل باز آجاتا) ہے اور (دشمن کو زیر کرنے کے لئے) یہ بہت بڑی سیاست (اور نہایت مجرب تدبیر) ہے۔ اس پر تم کو عمل کرنا چاہئے۔ واللہ یتولی ھداک.

ہمارے شہر میں اگر کوئی شیخ یا واعظ ایسا آجاوے جس کیطرف ہمارے سارے معتقدین ڈھل جاویں تو ہم کو اس سے خوش ہونا چاہئے

(۱۴۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہمارے شہر میں کوئی واعظ یا شیخ ایسا آجاوے جس کی طرف ہمارے سارے معتقدین ڈھل جاویں حتی کہ ہمارے پاس ایک طالب بھی نہ رہے تو ہم کو اس (شیخ اور واعظ) سے خوش ہونا چاہئے اور اگر کسی وقت ہم کو اس سے تکدر یا دل تنگی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم مخلوق خدا پر ریاست (اور بڑائی اور جاہ) حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کو بھلائی پہنچانے کی خواہش نہیں رکھتے (کیونکہ دوسرے شیخ کے پاس جانے میں ہمارے معتقدین کا تو کوئی نقصان نہیں ہوا ان کو تو اس سے بھی وہی خیر حاصل ہو سکتی ہے جو ہم سے حاصل ہوئی تھی، تو اس تکدر کی علت ان کی ہمدردی اور خیر خواہی تو نہیں ہو سکتی، پھر اس کے سوا اس تکدر کا اور کیا سبب ہے کہ ہماری جاہ میں فرق آگیا؟۔ معلوم ہوا کہ ہم ابھی تک حب جاہ کے مرض میں مبتلا ہیں جس کا علاج کرنا چاہئے)۔

اور (یاد رکھو! کہ درجات اور مراتب سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنے بندوں

میں سے جن پر چاہتے ہیں ان کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ اور کسی غلام کو اپنے آقا سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ اپنے فلاں مرتبہ سے مجھے کیوں معطل کیا اور فلاں شخص کو وہ منصب کیوں دیدیا؟۔ اور (علاوہ ازیں یہ بھی) ممکن ہے کہ وہ شیخ حقائق اور احکام شرعیہ کو ہم سے زیادہ جانتا ہو۔ پھر (اس صورت میں) ہمارا اس سے مکدر ہونا (محض) حماقت ہے۔ والسلام۔

الغرض ہم کو چاہئے کہ جدھر حق تعالیٰ (کی مرضی) گھومے ہم بھی اسی طرف گھوم جائیں اور (جب اس کی مرضی یہ ہے کہ مخلوق ہم کو چھوڑ کر دوسرے شیخ کی طرف متوجہ ہو تو) ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ موافقت کر کے جو اس کی طرف جا رہے ہیں اس شیخ کی شاگردی اختیار کرنا چاہئے۔

پھر (اس کے بعد) اس کی حالت میں نظر کرنا چاہئے۔ پس اگر ہم اس کو اس مرتبہ کا اہل پائیں اور اس کے پاس اپنے سے زیادہ علم دیکھیں تو اس علم کو اس سے حاصل کریں اور اگر علم و معرفت میں اس کو اپنے سے کمتر پائیں تو ایسی تدبیر کے ساتھ (مسائل وغیرہ کی) اس کو تعلیم دیں کہ اسے خبر بھی نہ ہو جس کی صورت یہ ہے (کہ جو مسئلہ اس کو معلوم نہ ہو اس کا) جواب سوال کی صورت میں (اس کے سامنے) بیان کر دیں۔ مثلاً یوں کہدیں کہ (اس مسئلہ میں) بعض علماء کا تو یہ قول ہے جناب اس میں کیا فرماتے ہیں اس طریقہ سے وہ مسئلہ بھی اس کو معلوم ہو جائے گا اور کسی کو یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ ہم نے اس کو تعلیم دی ہے "واللّٰہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ"[1] اور حق تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے (تو جب تک ہم اس شیخ کی مدد تعلیم اور تلقین سے کرتے رہیں گے حق تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ رہے گی) اس کو خوب سمجھ لو۔ اور اس پر عمل کرو۔ واللہ یتولی ہداک۔

(۱۴۷) خدا تعالیٰ کا ذکر محض تعمیل حکم کی غرض سے کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم خدا تعالیٰ کا ذکر محض تعمیل حکم کی غرض سے کیا کریں

(۱) ترمذی ص ۲۶۳ ج ۱، ابواب الحدود باب ماجاء فی الستر علی المسلم، مسند احمد ص ۲۵۲ ج ۲۔ ۱۲ مرتب

جیسا کہ بقیہ (تمام) عبادات بھی اسی غرض سے کرنی چاہئیں کسی اور علت کا قصد نہ ہونا چاہئے مثلاً (خدا تعالیٰ کی) پاکی بیان کرنا (اور عیبوں سے اس کو پاک کرنا) وغیرہ کیونکہ حق تعالیٰ کے لئے کمال مطلق ثابت ہے، اس کی جانب میں کوئی بھی عیب نہیں جس سے ہم اس کا پاک ہونا بیان کریں، پھر ہم جیسوں کو (ذکر کے بعد) یہ دعویٰ نہ کرنا چاہئے کہ ہم ذکر میں حق تعالیٰ کے جلیس (اور ہم نشین) ہوتے ہیں (اگرچہ حدیث میں یہ مضمون موجود ہے "انا جلیس من ذکرنی"[1] کہ جو کوئی مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین ہوتا ہوں۔

مگر عزیز من! ہمارا ذکر ہی کیا ہے جس پر ہم اس دولت کے حصول کا دعویٰ کریں؟ ہمارا ذکر سراسر غفلت اور غیبت کے ساتھ ہوتا ہے اس پر اگر ہم سے مواخذہ نہ ہو یہی غنیمت ہے، خدا کی ہم نشینی تو بڑی بات ہے اور) اس لئے (بھی ہم کو یہ دعویٰ نہ کرنا چاہئے) کہ شاید کسی وقت کوئی ہم سے یہ پوچھنے لگے کہ تم نے خدا تعالیٰ کی ہم نشینی سے کیا فائدہ حاصل کیا تو اگر ہم نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا تو دوسرا ہم سے یہ کہے گا کہ پھر تم خدا تعالیٰ کے ہم نشین ہرگز نہیں ہوئے، کیونکہ اگر تم صحیح طور پر اس کے ہم نشین ہوئے ہوتے تو اس کے درباروالوں کے اخلاق میں سے کچھ حصہ تم کو ضرور ملتا، اس لئے کہ اس کی بارگاہ میں جو کوئی داخل ہوتا ہے اس کو تحفے کے طور پر بے شمار اخلاق ضرور عطا ہوتے ہیں۔

اور شاید جھوٹے آدمی کو اس (جواب کے آگے شرمندہ ہونا پڑے (کیونکہ یہ جواب فی نفسہ بالکل صحیح ہے) اور حضرت جنید رحمہ اللہ سے ایک بار کسی نے سوال کیا کہ یہ علم (عظیم) آپ نے کس سے حاصل کیا ہے جس کی نظیر ہم آپ کے ہمسروں میں نہیں پاتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تیس سال تک خدا کے سامنے بیٹھنے سے مجھ کو یہ علم حاصل ہوا ہے۔ واللہ علیم حکیم۔

جب تک ہم دنیا میں رہیں اس وقت تک راحت نہ ڈھونڈیں

(۱۴۸) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب تک ہم دنیا میں رہیں اس وقت تک راحت

---

(۱) کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۲، اتحاف السادہ ص ۲۸۷ ج ۶۔ ۱۲ مرتب

(و آرام) نہ ڈھونڈیں، کیونکہ جس قدر ہم تعب برداشت کریں گے اسی کے موافق جنت میں درجے ملیں گے۔ اور (تعجب ہے کہ) دنیا میں کوئی شخص راحت کا طالب کیونکر ہوتا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ شانہ (سیدنا) محمد ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فاذا فرغت فانصب﴾[1] یعنی جب آپ کسی کام میں مشغول ہوں اور اس سے فارغ ہو جائیں تو ان احکام (واحوال) کے لئے محنت کیجئے جو آپ کے پاس ہر ساعت میں آتے رہتے ہیں تو (جب حضور ﷺ کو بھی محنت ومشقت سے چھٹکارا نہیں تو دوسروں کے لئے) راحت اور چین کہاں ہو سکتا ہے؟۔

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ عارفین راحت میں ہیں وہ ان کے حالات سے (بالکل) جاہل ہے (عارفین کو دنیا کے افکار سے بے شک راحت ہو جاتی ہے، لیکن آخرت کا فکر اور غم ان کے دل پر ایسا سوار ہوتا ہے جو کسی وقت ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا چنانچہ حدیث میں ہے "من جعل هموم‍ه هما واحداً هم الاخرة كفى الله همومه"[2] جو شخص اپنے تمام افکار کو ایک فکر (میں مدغم) کردے یعنی فکر آخرت میں تو حق تعالیٰ (دنیوی) افکار سے اس کی حفاظت کریں گے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عارفین بے فکر نہیں ہوتے، بلکہ دنیا کے افکار سے علیحدہ ہو کر صرف آخرت کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور یہ فکر ایسا ہے جو تمام لذات وشہوات کو منغض کر دیتا ہے)۔

اور عارفین کو راحت کہاں ہو سکتی ہے جب کہ تمام مخلوق کی بابت ان سے باز پرس ہونے والی ہے؟ اور ان کو کس طرح چین نصیب ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ذرہ ذرہ کا ان سے حساب لیں گے؟ تو جو شخص اس عالم میں تنعم (اور عیش سے) بسر کرتا ہے وہ اسی وجہ سے تنعم میں رہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو حقوق اس کے ذمہ رکھے ہیں وہ ان سے بے خبر ہے۔ والسلام۔

پس اس مضمون کو (اچھی طرح) سمجھ لو کہ یہ بہت نفیس مضمون ہے اور خبردار بعض

---

(۱) انشراح/۷۔

(۲) مشکاۃ ص۷۸ ج۱ رقم ۲۶۳ واتحاف السادۃ ص۸۷ ج۱ وص۱۵۴ ج۴۔ ۱۲ مرتب

صوفیہ کے اس ظاہری قول سے (دھوکہ مت کھانا "حُبَّ وَنَم" کہ (خدا سے) محبت پیدا کر لو اور (چین سے) سو رہو (کیونکہ اس قول کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ خدا سے محبت پیدا کرنے کے بعد تم کو دنیا کے افکار سے چین ہو جائے گا اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آخرت کی فکر بھی نہ رہے گی۔ حدیث میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی حالت یہ بیان کی گئی ہے "کان طویل الفکرۃ دائم الاحزان" کہ آپ اکثر اوقات سوچ اور فکر میں رہا کرتے اور ہمیشہ غمگین رہتے تھے، پھر آپ ﷺ کے بعد وہ کون ہے جو آخرت سے بے فکر ہو سکے)۔ واللہ یتولی ھداك.

کسی رات نیند کے غلبہ سے اگر وظیفہ چھوٹ جائے تو ہم کو تقدیر کی وجہ سے تکدر و رنج نہ ہونا چاہئے

(۱۴۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کسی رات نیند کے (غلبہ) سے ہمارا وظیفہ چھوٹ جائے تو ہم کو تقدیر کی وجہ سے (رنج اور) تکدر نہ ہونا چاہئے (جیسا کہ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ آج ہماری قسمت پھوٹ گئی، تقدیر الٹ گئی، رات بھر سوتے ہی رہے)، بلکہ اس وجہ سے تکدر ہونا چاہئے کہ ہم نے اپنے آقا کی خدمت میں سستی کی (خلاصہ یہ کہ رات بھر سونے کا اصلی سبب تو یہ ہے کہ اس رات تمہارے واسطے یہی مقدر تھا اور ظاہری سبب یہ ہے کہ تم نے جاگنے کا اہتمام اور فکر نہیں کیا، انتظام میں کوتاہی کی۔ پس رنج اپنی سستی پر کرنا چاہئے کیونکہ وہ تمہارا فعل ہے اور تقدیر پر رنج نہ کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کا فعل ہے)۔

اور منقول ہے کہ (حضرت) ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک رات میرا وظیفہ ناغہ ہو گیا اور میں رات بھر سوتا رہا تو مجھے اس سے تکدر پیدا ہوا، کیونکہ اس وقت تک مجھے اپنے اعمال پر اعتماد تھا۔ تو (غیب سے) مجھے اس کی یہ سزا ملی کہ بہت سے فرض اعمال نیند کی وجہ سے قضا ہو گئے، پھر میرے باطن میں (غیب سے) یہ آواز آئی کہ اے ابراہیم! ہمارے غلام بن جاؤ، راحت میں رہو گے، اگر تم کو سلا دیں سوتے رہو اور اگر (کسی دن) اٹھا دیں تو اٹھ جاؤ اور درمیان میں تمہارا کوئی دخل نہیں اھ۔ پس اس مضمون کو سمجھ جاؤ اور جو قاعدہ ہم نے (اوپر) تم کو بتلایا ہے اس پر عمل کرو۔ واللہ یتولی ہداک۔

(۱۵۰) اپنے دوستوں کو یقین حاصل کرنے کے طریقے بتلاتے رہیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے دوستوں کو یقین (حاصل کرنے) کے طریقے بتلاتے رہیں تاکہ وہ روزی کی فکر میں بہت زیادہ مشغول نہ ہوں۔ پس ان کے سامنے یہ مضمون (بار بار) بیان کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق (کی ایک) معین (مقدار) ہر بندہ کی قسمت میں لکھ دی ہے جو اس کی توجہ (اور کوشش) سے بڑھ نہیں سکتی اور بے توجہی (کے ساتھ کوشش نہ) کرنے سے گھٹ نہیں سکتی۔ اور جو شخص رات دن دنیا (کمانے) میں منہمک رہے اس کو بھی اتنا ہی ملے گا جتنا دنیا سے بے رخی کرنے والے کو ملتا ہے (کیونکہ مقدر سے زیادہ کسی کو نہیں مل سکتا خواہ وہ کوشش کرے یا نہ کرے)، پس یہی (رزق کی) بنیاد ہے اور جو اس پر (اعتماد کرکے) بیٹھ جائے گا اس کا دل پریشانی اور مشقت سے راحت میں رہے گا۔

پھر عزیز من! اس قاعدہ (پر اعتماد کرنے) کے بعد تم کو رزق کی طرف نفس کو پاکیزہ کرکے انشراح قلب کے ساتھ چلنا چاہئے کہ (تمہارے) دل میں حرص (و طمع) اور کسی سے مزاحمت (کا خیال) نہ ہو کیونکہ رزق کبھی خود تمہاری طرف آیا کرتا ہے اور کبھی تم کو رزق کی طرف چلنا پڑتا ہے پس (اس قاعدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص سعی کرنا چھوڑ دے، بلکہ بعضوں کے لئے سعی کرنا افضل ہے اور بعض کے لئے سعی نہ کرنا بہتر ہے۔ پس) نہ یہ کہنا چاہئے کہ ہمیشہ سعی کرنا ہی بہتر ہے اور نہ یہ کہنا چاہئے کہ مطلقاً سعی نہ کرنا ہی بہتر ہے، بلکہ اپنے اپنے درجہ میں یہ دونوں حالتیں کامل ہیں، کیونکہ تم کو وقوع کے بعد ہی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے (کہ میری قسمت میں کیا ہے آیا رزق میری طرف آئے گا یا مجھ کو اس کی طرف جانا پڑے گا) باقی حرکت کرنے سے پہلے تم کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۵۱) اپنے نفس کے لئے ان مقامات کو تسلیم نہ کریں جن کے حصول کا وہ دعویٰ کرتا ہے

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے نفس کے لئے ان مقامات کو تسلیم نہ کریں جن کے حصول کا وہ دعویٰ کرتا ہے جیسے رضا و تسلیم یا حق تعالیٰ کے اختیار میں اپنے اختیار کا فنا ہو جانا

(وغیرہ وغیرہ) کیونکہ ہم جیسوں کو خالص طور پر یہ مقامات حاصل نہیں ہو سکتے تو ممکن ہے کہ کسی وقت ہمارا نفس تلبیس میں ڈال کر ہم کو ہلاک کر دے۔

پھر یہ بات مخفی نہ ہونی چاہئے کہ مقام رضا یا تسلیم (حاصل ہو جانے) کے بعد بھی نفس (میں کسی قدر) خفی منازعت (باقی رہ جاتی ہے جس) سے (وہ) بچ نہیں سکتا، کیونکہ رضا[1] مشتق ہے راض یروض (ریاضۃً سے (جس کے معنی رام کرنے کے ہیں) چنانچہ بولتے ہیں "رُضْتُ الدابة حتى ذلت" (میں نے جانور کو رام کرلیا یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو گیا) اور یہ بات معلوم ہے کہ سرکش جانوروں ہی کے لئے ریاضت کا حکم کیا جاتا ہے (تو جب مقام رضا کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ریاضت اور مجاہدات کرتے کرتے احکام الٰہی پر راضی ہو جائے تو یقیناً اس کے بعد بھی اس میں کسی قدر سرکشی کا مادہ ضرور رہے گا جیسا کہ شائستہ گھوڑوں میں تعلیم و تہذیب کے بعد بھی کسی قدر سرکشی باقی رہتی ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کبھی کبھی شائستہ گھوڑا بھی شوخی کرنے لگتا ہے) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سرکشی عین منازعت ہے (اور جب نفس میں منازعت باقی ہے تو خالص مقام رضا کہاں نصیب ہوا؟)۔

اور اسی طرح مقام تسلیم میں بھی گفتگو ہے کیونکہ تسلیم بھی منازعت ہی کے بعد ہوا کرتی ہے (پس سمجھ لینا چاہئے کہ ہم لوگ مقام رضا و تسلیم حاصل ہونے کے بعد بھی نفسانی منازعت سے پاک نہیں ہو سکتے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مقامات خالص طور پر ہم کو نصیب نہیں ہو سکتے تو ایسے دعاوی سے احتراز کرنا چاہئے) اور ہم رسالہ "الآداب" میں اس عہد پر مبسوط کلام کر چکے ہیں۔ واللہ واسع علیم.

(۱۵۲) ہر جاہل کے ساتھ بردباری سے کام لیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم ہر جاہل کے ساتھ حلم (اور بردباری) سے کام لیا کریں حتیٰ کہ اس شخص کے ساتھ بھی (حلم کا برتاؤ کریں) جو (محض) اپنی عقل سے بدون دلیل نقلی کے ہم سے علمی گفتگو کرتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کی اپنے اس قول میں

---

(۱) اس جگہ اشتقاق لفظی مراد نہیں، بلکہ معنوی مراد ہے۔ ۱۲ مترجم

تعریف فرمائی ہے ﴿واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾ (الفرقان/ ۶۳)اور ایسے بندے ہیں کہ جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ (پس ہم کو معاف کرو)ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔

اور ہم نے جھگڑا کرنے والے کو جاہلوں میں اس لئے شمار کیا ہے کہ مجادل جس بات کا انکار کرتا ہے وہ اس کے بارے میں علم کا درجہ نہیں رکھتا، بلکہ اس سے جاہل ہے، پھر (انکار کی وجہ سے)اس کا علم کم ہو گیا (کیونکہ اگر وہ اس بات کو مان لیتا تو اس کے علم میں اضافہ ہو جاتا) جیسا کہ جہلاء میں جو لوگ اپنے مد مقابل عالم کی بات مان لیتے ہیں تو اکثر ان کا علم (پہلے سے) زیادہ ہو جاتا ہے۔

اور جاہل کو (قطع کلام کے لئے) سلام اسی وقت کیا جائے جب کہ اس میں ترقی کی قابلیت نہ ہو اور اس کے نفس نے جس بات کو خوشنما کر کے دکھلایا ہے اس سے (اس کے نکلنے کی امید نہ ہو، ورنہ اگر ہم اس میں ترقی کی صلاحیت پائیں تو (جو بات وہ نہیں جانتا اسے بتلانی چاہئے اور)درجات علم تک اس کو پہنچانا چاہئے۔واللہ علی حکیم.

(۱۵۳)ہر دعا میں اجابت اور قبولیت کا اعتقاد رکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سے ہر دعا میں اجابت (اور قبولیت)کا اعتقاد رکھیں، اگرچہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں کہ ہماری کوئی بھی دعا قبول کی جائے، مگر حق تعالیٰ تو اس کے اہل ہیں (کہ وہ ہم جیسے گنہگاروں کی دعا قبول فرمالیں) پس ہم کو (محض) فضل (واحسان خداوندی) پر نظر کر کے دعا مانگنی چاہئے، پھر اگر اجابت (اور قبولیت)کا کوئی اثر نظر نہ آوے تو ہم کو اسی طرح (خدا سے)خوش رہنا چاہئے۔ جیسا کہ اجابت کی صورت میں ہم خوش ہوا کرتے ہیں، کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

پھر (یہ سمجھ لینا چاہئے کہ)اجابت سے مراد یہ ہے کہ (جب بندہ دعا کرتا ہے تو) حق تعالیٰ فرماتے ہیں "لبيك عبدي"اے میرے بندے میں سن رہا ہوں اور یہ مراد نہیں ہے کہ حاجت (ضرور)پوری ہو جاتی ہے جیسا کہ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں اور دعاء سے بھی

حاجت کا مانگنا مراد نہیں، بلکہ بندہ کا (خدا کو پکارنا) مثلاً یا اللہ، یا رب کہنا مراد ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿واذا سألك عبادی عنی فانی قریب. اجیب دعوة الداع اذا دعان﴾ (البقرة/۱۸۶) اور اگر میرے بندے میری نسبت آپ سے سوال کریں تو (فرما دیجئے کہ) میں (ان سے) نزدیک ہوں، جب کوئی بندہ مجھ کو پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی بات کا جواب دیتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مسلمان بندہ (خدا کو پکارتا ہے اور) اے اللہ (یا اے خدا) کہتا ہے تو حق تعالیٰ (اس کے جواب میں) "لبیك عبدی" ضرور فرماتے ہیں (پس ہر دعا کے لئے یہ اجابت لازمی ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری دعا مستجاب نہیں ہوئی وہ دعا اور اجابت کے معنی ہی نہیں سمجھے۔

پس جان لینا چاہئے کہ دعا کے معنی خدا کو پکارنا اور اجابت کے معنی حق تعالیٰ کا اس کے جواب میں " لبیك عبدی" فرمانا ہے، سو ان دونوں میں کبھی تخلف نہیں ہوتا) پھر اس کے بعد بندہ کا یہ کہنا کہ مجھ کو فلاں چیز دید یجئے یا عافیت عطا کیجئے۔ یا مجھ پر رحم فرمایئے وغیرہ وغیرہ ان کے متعلق خدا تعالیٰ کو اختیار ہے اگر وہ چاہیں دنیا ہی میں یہ چیزیں بندہ کو عطا فرما دیں یا آخرت کے لئے ان کو ذخیرہ بنا کر جمع رکھیں اور اس میں بھی بندہ کے حال پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے، کیونکہ اگر وہ بندہ کی ہر درخواست کو پورا کر دیا کریں تو اس سے بعض دفعہ اس کی دنیا و آخرت (دونوں) کو نقصان پہنچے گا۔

جیسا کہ ثعلبہ کا واقعہ حضور ﷺ کے ساتھ پیش آیا ہے کہ اس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ میرا مال زیادہ ہو جائے۔ الحدیث (آپ ﷺ نے انکار فرمایا اس نے اصرار کیا تو آپ نے دعا فرما دی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرما کر اس کے مال میں بہت برکت کی، پھر جب زکوۃ فرض ہوئی اور اس سے زکوۃ ادا کرنے کو کہا گیا تو انکار کر بیٹھا۔ جس پر حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کے لئے سخت وعید نازل فرمائی[1]۔

---

(۱) دیکھئے اسد الغابۃ ص ۳۵۰ ج ۱۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

پس ہر دعا کرنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ تفویض کے ساتھ دعا مانگا کرے (یعنی اس کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا کرے) مثلاً یوں عرض کرے کہ الٰہی فلاں چیز مجھ کو عطا کر دیجئے بشرطیکہ آپ کے نزدیک میرے لئے اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہو، پھر اگر حق تعالیٰ عطا فرمادیں گے تو اسی میں بھلائی ہوگی اور اگر روک دیں گے تو اسی میں بہتری ہوگی۔

لیکن ایسی دعاؤں میں کہ اے اللہ! مجھ کو اسلام پر موت نصیب کر یا میری مغفرت فرمادے، کوئی قید بڑھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی طرف تو بندہ ہر حال میں مضطر ہے (اور ان امور کا دنیا و آخرت میں بہتر ہونا یقینی طور پر معلوم ہے اور ایسی دعاؤں کا شریعت میں حکم بھی وارد ہے)۔

اور عزیز من! تم کو جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے اجابت کی خبر ہم کو (محض) اسی لئے دی ہے کہ مانگنے والا احتیاط سے کام لے اور جو کچھ وہ مانگے اس میں خوب غور کرے، کیونکہ اجابت ضرور ہوتی ہے (یعنی ہر درخواست کے بعد حق تعالیٰ "لبيك عبدي" ضرور فرماتے ہیں) اسی طرح بندہ کا مطلوب بھی ضرور حاصل ہوتا ہے خواہ دنیا میں حاصل ہو جائے یا آخرت میں۔

ہم کو اکرم الاکرمین (پروردگار عالم) سے تمام مسلمانوں کے ساتھ اسی (برتاؤ) کی امید ہے۔ (پس دعا میں پوری طرح آداب شاہی کی رعایت کرنا چاہئے، کوئی دعا حق تعالیٰ کے خلاف مرضی نہ ہونی چاہئے) اور اس مضمون پر رسالۃ الآداب میں ہم سے مبسوط کلام کیا ہے اور اس میں اداب دعا کے متعلق بھی (چند) فوائد بیان کئے ہیں۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۵۴) اپنے دوستوں میں سے کسی کو اس کے ہمعصر کے ساتھ حسد نہ کرنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو اس کے کسی ہمسر (یا ہمعصر) کے ساتھ حسد نہ کرنے دیں، بلکہ جس نعمت پر وہ اس سے حسد کرتا ہے مثلاً لوگوں کا اس کی طرف زیادہ متوجہ ہونا یا اس کو بہت ہدایا دینا یا زہد و عفت کے ساتھ اس کی تعریف کرنا، ایسی

نعمتوں کے حصول کا طریقہ اس کو بتلادیں اور اس سے کہیں کہ تم بھی اس راستہ پر چلو جس سے وہ (ہمعصر) ان نعمتوں تک پہنچا ہے تو تم بھی اس کے مثل ہو جاؤ گے۔ باقی اس کے مرتبے تک پہنچنے کے اسباب کو بغیر اختیار کئے تمہارا اس سے حسد کرنا بجز اس کے کہ تم کو پہلے سے زیادہ نقصان اور حرمان پہنچائے اور خدا سے دور کردے اور کچھ فائدہ نہ دے گا۔ چنانچہ اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پس اچھی طرح سمجھ لو۔

(۱۵۵) حق تعالیٰ مخلوق کے سامنے ہمارے عیوب ظاہر کردیں تو ہم حق تعالیٰ کا شکر بجالائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب حق تعالیٰ مخلوق کے سامنے ہمارے عیوب ظاہر کردیں تو ہم حق تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور جب وہ ہم کو اپنے بندوں میں رسوا کردیں تو یہ سمجھ کر غایت درجہ خدا سے راضی رہیں کہ اس نے ہمارے ساتھ یہ برتاؤ کسی حکمتِ کاملہ ہی کی وجہ سے کیا ہے، جس پر ہم جیسوں کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ پس ہم کو اس معاملہ میں خدا تعالیٰ کی تقلید کرنا چاہئے اور یہ کہنا چاہئے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مخلوق پر ہمارے عیبوں کو اسلئے ظاہر کردیا کہ وہ ہم کو ان سے مطلع کردیں تاکہ ہم ان سے باز رہیں اور آئندہ ہمیشہ ان سے بچتے رہیں، کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ جب کسی عیب کے ساتھ لوگوں میں اس کی تنقیص ہونے لگتی ہے تو وہ اپنے ظاہر و باطن کو اس سے (پوری طرح) بچالیتا ہے۔

پھر (اس صورت میں دوسروں کو ملامت ہرگز نہ کرنی چاہئے کیونکہ) حقیقت میں ملامت کے قابل ہم ہی ہیں کہ ہم نے خدا تعالیٰ سے غافل ہو کر ایسے افعال کا ارتکاب کیا جو کہ (بدنامی اور) پردہ دری کا سبب بن گئے اور اگر ہم خدا تعالیٰ (کے احکام) کی نگہداشت رکھتے اور اس سے پوری طرح شرماتے تو ہرگز تنہائی میں کوئی گناہ نہ کرتے۔

پھر جب اس بات سے ہم کو تنبیہ نہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ ہمارے افعال سے باخبر ہے، تو اس نے مخلوق کو ہماری حالت سے مطلع کردیا تاکہ (آدمیوں ہی سے شرما کر) ان عیبوں سے ہم باز آجائیں اور اس میں (منجانب اللہ) ہمارے لئے بہت بڑی دھمکی ہے کہ ہم کو مخلوق (کے مطلع ہونے) کی تو پرواہ ہے اور خدا تعالیٰ کے مطلع ہونے کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ اس بات کو

(خوب) سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ تم خود ہی اس کی برکت دیکھ لو گے۔ واللہ یتولی ہداک۔

(۱۵۶) مسجد میں ریح ہرگز نہ نکالیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ مسجد میں ریح ہرگز نہ نکالیں، اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا ادب ملحوظ رکھیں، کیونکہ یہ خرافات مسجدوں کے لئے مناسب نہیں ہیں، بلکہ پیشاب و پاخانہ کی طرح اس کا محل بھی پاخانہ اور بیت الخلاء اور (جنگل کی) اجاڑ زمینیں ہیں۔ پھر اگر کبھی اتفاقاً مسجد میں ہم سے ریح صادر ہو جائے تو قریب ہزار دفعہ کے ہم کو خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور (جرمانہ کے طور پر) جس قدر ہو سکے صدقہ بھی کرنا چاہئے (تاکہ آئندہ پھر ایسی حرکت نہ ہو)۔

پس جو لوگ مسجدوں کے مجاور ہیں ان کو چاہئے کہ جب وہ ریح نکالنا چاہیں تو اپنے آپ کو وضو کی نالی تک جانے کی تکلیف دیں تاکہ وہاں جا کر ریح صادر کریں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اتنی ہی قدر و منزلت کرتے ہیں جتنی وہ خدا کی قدر و منزلت کرتا ہے اور جن لوگوں نے بارگاہ قرب تک ترقی کی ہے انہوں نے ادب اور عزائم ہی کو اختیار کر کے ترقی کی ہے، رخصتوں پر عمل کر کے (قرب حاصل) نہیں (کیا)۔

اور برادرم افضل الدین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو مسجدوں میں رہنے والوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ مسجدوں میں زیادہ (کیونکر) بیٹھتے ہیں اور اگر وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ادب (وعظمت) کی رعایت کرتے تو مسجدوں میں (زیادہ) ٹھہرنے کی ہرگز طاقت نہ رکھتے، کیونکہ وہ خدا سے بات چیت کرنے کی جگہ اور مشاہدۂ حق کا محل ہے اھ اور ظاہر ہے کہ جس جگہ بادشاہوں کی زیارت اور بات چیت نصیب ہوتی ہے اس کے بہت حقوق اور آداب ہوتے ہیں) واللہ واسع علیم۔

اپنے نفس کو ان لوگوں کی باتوں کا جواب دینے میں مشغول نہ کریں جو ہماری آبروریزی اور تنقیص کرتے ہیں

(۱۵۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے نفسوں کو ان لوگوں کی (باتیں) رد کرنے میں

مشغول نہ کریں جو ہماری آبروریزی اور تنقیص کرتے ہیں، کیونکہ جو شخص اپنے نفس کے لئے (خود) انتقام لیتا ہے وہ پریشان ہوتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کو خدا کے حوالہ کر دے اور اسی پر اعتماد رکھے حق تعالیٰ بے یار و مددگار کے اس کی نصرت فرماتے ہیں اور (یادرکھو! کہ) حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمارے اوپر اسی لئے مسلط فرماتے ہیں کہ ہم اس کی بارگاہ سے (دور) بھاگے ہوئے ہیں۔

پس عقل کی بات یہ ہے کہ جب مخلوق کسی کی ایذا کے درپے ہو تو وہ کثرت استغفار کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے اور استقلال و محبت اور سچائی کے ساتھ اس کی طاعت (بجالانے) پر توجہ کرے اس وقت اللہ تعالیٰ لوگوں کی ایذا سے اسے بچالیں گے، ورنہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے بے رخی کرتے ہوئے اپنے نفس کی طرف سے جوابدہی میں مشغول ہونا مخلوق کو اس سے دفع نہیں کر سکتا اور (اس صورت میں) تکلیف کا زمانہ دراز ہو جاتا ہے اور (ان قصوں میں پڑنے سے) خدا کی طرف متوجہ ہونا بھی اس کو نصیب نہیں ہوتا اور جس کو اس بات میں شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اور میں نے ایک مرتبہ سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے ایک شخص کی شکایت کی (کہ وہ مجھ کو ایذا پہنچاتا ہے) تو آپ نے فرمایا کہ "تم اس (کے خیال) سے ہٹ جاؤ (اور خدا پر نظر رکھو) وہ تمہارے ایذا کے خیال سے ہٹ جائے گا" اھ پھر چند روز کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں تو اس (کے خیال) سے ہٹ گیا، مگر وہ (ابھی تک) میرے (ایذا کے خیال) سے نہیں ہٹا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم پوری طرح اپنے (خیال) کو اس سے ہٹا لیتے تو وہ ضرور تمہارے (ایذا) سے ہٹ جاتا۔ پس اپنے نفس کی تفتیش کرو (شاید اس میں کوئی برا خیال اس کے متعلق باقی رہ گیا ہو) تو میں نے (اپنے نفس کی) تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ میں اس کے دعاوی کے بارے میں اس سے بدگمانی رکھتا ہوں (اور یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جس قدر دعویٰ کرتا ہے، سب جھوٹے ہیں) پھر میں نے حق تعالیٰ کی جناب میں (اس بدگمانی سے بھی) توبہ کی تو وہ شخص خود ہی میرے پاس آیا اور حضرت شیخ کو صلح کے لئے واسطہ بنایا۔

اور (عزیز من!) یہ بات ظاہر ہے کہ دشمن کو تمہارے اوپر اسی وقت قابو مل سکتا ہے

جب کہ تم ٹیڑھی چال چلو اور (اگر تم بالکل) سیدھے چلو تو اس کو تمہاری مذمت اور تنقیص کا موقع ہرگز نہیں مل سکتا۔ پس ملامت تمہارے ہی اوپر ہے (دشمن کو ملامت کرنا فضول ہے) الغرض یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو شخص دشمن سے اپنے (خیال) کو ہٹا لینے کا دعویٰ کرے اور دشمن اس (کی ایذا رسانی کے خیال) سے نہ ہٹے تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔

اور میں نے اپنے والد سیدی الشیخ خضر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص تم کو ایذا پہنچائے اور حق تعالیٰ تم کو اس ایذا کے سبب پر مطلع نہ کریں تو تم کو بہت جلدی اس (ایذا دینے والے) سے مصالحت اور میل جول کر لینا چاہئے اور اس سے یہ کہنا چاہئے کہ بھائی میں حق تعالیٰ سے تیرے حق (میں کوتاہی کرنے) کی معافی مانگتا ہوں اور خبردار! مصالحت میں دیر ہرگز نہ کرنا، اور نہ اپنے دل میں یہ کہنا کہ مجھے تو یاد نہیں آتا کہ میں نے کبھی اس شخص کو ایذا دی ہو یا برائی کے ساتھ کبھی اس کا تذکرہ کیا ہو، پھر مجھے اس سے (ملنے ملانے اور معافی چاہنے کی) کیا ضرورت ہے جیسا کہ عام لوگ اس (خیال) میں مبتلا ہو جاتے ہیں (پس تم ایسا ہرگز نہ کرنا) کیونکہ اس سے کینہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر تم اس کے علاج میں پریشان ہو جاؤ گے (اور بہت کوشش کرو گے) کہ (کسی طرح) تمہارے دل سے یہ مرض زائل ہو جائے (مگر پھر اس کا دل سے نکلنا دشوار ہو گا) اور اگر تم (پہلے ہی) مصالحت میں جلدی کرتے تو یہ مرض پیدا ہی نہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اسی کو محبوب رکھتے ہیں جس کی عادت تحمل اور درگذر کرنے کی ہو۔ واللہ غفور الرحیم۔

حصہ دوم ختم، الحمدللہ

ہم سے عہد لیا گیا

الدر المنضود

ترجمہ

البحر المورود فی المواثیق والعہود

حصہ سوم

تالیف

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ

ترجمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب قدس سرہ

ترتیب و پیشکش

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

ادارہ اسلامیات کراچی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ سوم الدر المنضود

(۱۵۸) ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص حاکم کی عدالت میں بلایا جائے تو اس کو ان آداب کی تعلیم دیں جو مصائب و تکالیف کے متعلق ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کوئی شخص حاکم کی عدالت میں بلایا جائے "اور خدا اس سے پناہ میں رکھے" تو اس کو ان آداب کی تعلیم دیں جو مصائب و تکالیف کے متعلق ہیں تاکہ (انکی برکت سے) اگر خدا نے چاہا تو وہ سلامتی کے ساتھ عدالتِ حاکم سے نکل آوے۔ پس ہم اس سے یہ کہیں کہ جب حاکم کا فرستادہ تمہارے پاس آوے تو اس کے ساتھ حسب توفیق روپیہ پیسہ سے سلوک کرو اور (جو جرم تم پر قائم کیا گیا ہے) ایسے [1] جرائم میں فرستادہ کو عموماً جتنا دیا جاتا ہو تم اس سے زیادہ دو (تاکہ وہ احسان سے شرمندہ ہوکر حاکم سے تمہارے متعلق اچھی باتیں کہے، کوئی دشمنی کی بات نہ کہے)۔

پھر جب فرستادہ کے ساتھ چلو تو عدالت حاکم میں داخل ہونے سے پہلے جتنا ہو سکے صدقہ خیرات بھی کرو۔ پھر اپنے آپ کو ان اصحاب خدمت کی جوتیوں کے نیچے سمجھو جو عدالت حاکم میں موجود ہیں۔ پھر عدالت کے دروازہ پر قدم رکھتے ہوئے اپنے دل میں یہ کہو کہ "اے اصحاب خدمت آج میں آپ کی پناہ میں اپنے کو دیتا ہو" (اور ان آداب کی ضرورت) اس لئے (ہے) کہ حاکم اللہ تعالیٰ کی صفت جبار کا مظہر ہے۔ تو جو شخص ابتدا میں

---

(۱) قلت و یجوز الرشوۃ لدفع الشر عن نفسه اولا جار حقه اذا لم یمکن حصوله بدونها۔ ۱۲ظ

اس کے سامنے پست نہ ہو گا۔ وہ آخر میں کوڑے اور قینچیوں سے اس کے سامنے ذلیل ہو گا۔ پھر اپنے دل میں یہ بھی کہے کہ "اے اصحاب خدمت میں تمہاری جوتیوں کی خاک ہوں۔ تم اس معاملہ میں مجھ سے اپنی نظر (عنایت) کو بند نہ کرو۔ اور مجھ پر حاکم کو اور اس کے عملہ کو شفقت ورحمت کے ساتھ مہربان کر دو"۔

پھر جب حاکم کے سامنے کھڑا ہو تو دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور یوں کہے۔

"**اللهم انت ولي وناصري وربي ومولائي، لا تكلني الى نفسي طرفة عين**" اے اللہ آپ ہی میرے ولی اور مدد گار اور پروردگار اور آقا ہیں، مجھے ایک پل کے لئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے، (بلکہ اپنی حفاظت میں رکھئے) اور یہ تصور کرے کہ وہ اور حاکم اور اس کا عملہ اور مدعی ومدعا علیہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور وہ سب کو دیکھ رہا ہے۔ اور حاکم سے ڈرنا ہرگز نہ چاہئے ورنہ وہ تم پر قابو یافتہ ہو جائے گا، بلکہ حاکم کو ایک بے جان پتھر سمجھنا چاہئے۔ جو بدون حق تعالیٰ کے ذرا ہل نہیں سکتا۔

پھر اس کا منتظر رہے کہ حق تعالیٰ اس کی زبان سے کیا (بات) نکالتے ہیں در آں حالیکہ حاکم پر اپنی نظر کو منحصر نہ کرے، بلکہ اس کے پروردگار پر (نظر کرے دل سے اسی کا) خیال رکھے۔ اور جس جرم کا واقع میں اس نے ارتکاب کیا ہو اس کے متعلق اپنی طرف سے کچھ جواب (نہ دے، بلکہ جواب) دینے سے احتراز کرے۔ کیونکہ اس میں حق جل وعلا کے ساتھ (گستاخی اور) چالبازی ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا اس نے حیاء کی رسی (اپنی گردن سے) نکال پھینکی۔ اور وہ خدائے عزوجل کے غضب کا مستحق ہو گیا۔ (کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا کہ حاکم صفت جبار کا مظہر ہے۔ تو اس کے سامنے بات بنانا گویا خدا کے سامنے بات بنانا ہے)۔

ہاں اگر اس نے اس جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو (جو اس پر قائم کیا گیا ہے) اس صورت میں اپنی طرف سے جواب دہی کا مضائقہ نہیں؛ لیکن اگر کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو (اس حالت میں بھی) جواب نہ دینا ہی افضل ہے، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "انا ولي من سكت" میں خاموش رہنے والے کا حامی ہوں۔ اور نیز اگر حق تعالیٰ کو ہمارا امتحان مقصود نہ ہوتا تو وہ ہم کو مصائب میں مبتلا نہ فرماتے۔ (بس جب خدا نے امتحان کے لئے ہم کو مصیبت میں ڈالا ہے) تو

اپنی طرف سے جوابدہی کرنا ہم سے بلا کو دفع نہ کریگا، بلکہ بعض دفعہ ہم (اپنی طرف سے) مدافعت کریں گے اور (اس) سوء ادبی کی وجہ سے کسی دوسرے راستہ سے بلا ہم پر واقع ہو جائے گی۔

اور جاننا چاہئے کہ جو شخص امتحان میں مبتلا ہوتا ہے وہ (اکثر متہم ہوا کرتا ہے۔ (اور متہم کا اپنی طرف سے جواب دینا فائدہ مند نہیں ہوتا) اور اسی لئے کوئی اس کی مدد بھی نہیں کرتا۔ اور اپنی براءت کی متعلق (وہ کچھ ہی کہے) اس کی کوئی بات بھی قبول نہیں کی جاتی اگرچہ (واقع میں) وہ سچا ہی ہو۔ اور (اگر مبتلائے امتحان متہم نہ ہوا کرتا تو) حاکم اور اس کا عملہ اور محلّہ کے آدمی ایک بے وقوف باندی کی اس بات کو کہ فلاں قاضی (یا عالم) نے اسے خراب وخستہ کیا ہے محض اس کے کہنے سے بدون کسی شہادت کے (ہرگز) نہ مانتے۔ اور نہ قاضی کی یہ حالت ہوتی کہ وہ اپنی براءت پر شہادت قائم کرتا پھرتا ہے، مگر قبول نہیں ہوتی۔ (حالانکہ اس دعوی سے پہلے قاضی کا ایسا اعتبار تھا کہ باندی کی بات کی اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔

مگر شب وروز کا مشاہدہ ہے کہ بڑے سے بڑے متقی کی نسبت ایک بدکار وفاحشہ بھی اگر یہ دعوی کردے کہ اس نے میرے ساتھ منہ کالا کیا ہے تو عام طور پر فاحشہ کی بات کو جلدی قبول کر لیا جاتا ہے اور سب لوگ اس دیندار کو متہم سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ اپنی براءت کے لئے کیسی ہی قسمیں کھائے، شہادتیں قائم کرے، سب بے سود سمجھی جاتی ہیں۔ اس میں راز یہی ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، وہ متہم ہو جاتا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ملزم ہر حال میں سکوت اختیار کرے۔ اور اپنی براءت وصفائی کے لئے جوابدہی کی کوشش نہ کرے۔ اگر وہ حقیقت میں بے خطا ہے تو حق تعالیٰ اس کا بے خطا ہونا کسی دوسرے طریق سے ظاہر کردیں گے)۔

اور بعض بزرگوں سے حسین (بن منصور) حلاج۔ اور امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کی بابت سوال کیا گیا کہ حسین حلاج کا خون تو جب زمین پر گرا ہے تو ہر قطرہ سے اللہ اللہ لکھا گیا۔ اور امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے خون سے ایسا نہیں ہوا؟ ان

بزرگ نے جواب دیا کہ صفائی کی ضرورت متہم کو ہوا کرتی ہے، چونکہ حسین حلاج کو ایک دینی تہمت کی بناء پر قتل کیا گیا تھا۔ (کہ لوگ ان کو کافر و زندیق سمجھتے تھے) اس لئے (تہمت سے بری کرنے کے واسطے حق تعالیٰ نے قتل کے بعد ان کی یہ کرامت ظاہر کی کہ خون کے ہر قطرہ سے "اللہ اللہ" لکھا گیا اور یہ) کتابت مذکورہ ان کے موحد (کامل) ہونے کی شہادت دیتی تھی۔

اور امام حسینؓ بن علیؓ (کسی دینی تہمت کی بناء پر قتل نہ ہوئے تھے، بلکہ) خلافت وسلطنت کے قصہ میں قتل ہوئے تھے (ان کے موحد و دیندار ہونے میں کسی کو کچھ شبہ نہ تھا، اس لئے وہاں ایسی کرامت کے اظہار [1] کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جس سے ان کی توحید کا ثبوت دیا جائے۔ غرض جو شخص بلاوجہ کسی تہمت میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ خود اس کی براءت ظاہر کر دیتے ہیں)۔

پھر ان آداب کی رعایت کر کے اگر ملزم کو رہائی حاصل ہو جائے تو چاہئے کہ وہ حاکم کو

---

(۱) ہاں جس قصہ میں ان کو قتل کیا گیا تھا۔ اس میں ان کی حقانیت دوسری کرامتوں کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے ظاہر کر دی۔ مثلاً قتل کے بعد ان کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا جو ان کی حقانیت ومقبولیت کی دلیل تھی۔ اور جب ان کا سر نیزہ پر رکھا ہوا ایک صحابی کے مکان سے گزرا۔ جو یہ آیت پڑھ رہے تھے ﴿ام حسبت ان اصحاب الكهف والرقيم كانوا من آيتنا عجبا﴾ (الکھف/۹) تو سر مبارک سے بآواز بلند یہ جواب سنا گیا "والله ان حالي اعجب منهم" یعنی بخدا میرا قصہ اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ (کیونکہ اصحاب کہف کو ایک کافر بادشاہ نے تنگ کیا تھا، جس سے بھاگ کر وہ ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے اور مجھے ان لوگوں نے قتل کیا جو خود بھی مسلمان ہیں۔ اور مجھے بھی مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو میرے نانا کی امت کہتے ہیں)۔

نیز جن لوگوں نے آپ کے قتل میں کچھ بھی حصہ لیا تھا۔ ان میں کا ہر شخص مرنے سے پہلے کسی بڑی آفت میں ضرور مبتلا ہوا۔ کوئی اندھا ہو گیا، کوئی جذامی، کسی کے ہاتھ پیر بے کار ہو گئے، کسی کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ (کیا) یہ کھلی نشانیاں نہیں اس مقتول شہید مظلوم کی مقبولیت وحقانیت کی؟ فاعتبروا يا اولي الابصار۔ ۱۲ مترجم۔

عادت کے موافق نذرانہ دے، اگر کچھ نہ ہو تو اپنا عمامہ اور کرتہ ہی دے دے اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر (عدالت سے) نکل جائے۔ اور اگر اس کو سزا و مشقت کا سامنا ہو تو رات دن استغفار کی کثرت کرے، اور ان ائمہ و بزرگان دین (کے قصوں) سے عبرت حاصل کرے جو اس سے پہلے مبتلائے مصائب ہوئے ہیں۔ اور جیلر جو کچھ بھی اس سے مانگے (دیدے اور) اس میں بخل نہ کرے۔ اور (یہ سمجھ لے کہ) ہر مصیبت (ایک نہ ایک دن) ختم ہونے والی ہے۔ خواہ سزا کا خاتمہ ہو کر یا سزا یافتہ کو موت آکر۔ اور ہم نے اس مضمون پر دوسری کتاب میں مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ علیم حکیم

(۱۵۹) اپنے دوستوں کو امر کریں کہ وہ اپنے نفس کو حق تعالیٰ کی مرضی کے کاموں پر مجبور کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو امر کریں کہ وہ اپنے نفوس کو حق تعالیٰ کی مرضی (کے کاموں) پر مجبور کیا کریں، جیسے ناگواری کی حالت میں وضو کامل کرنا وغیرہ وغیرہ (محض) اس غرض سے کہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر عمل ہو جائے۔ (اس کے سوا اور کوئی غرض نہ ہونی چاہئے) اور (شارع علیہ السلام نے جو ناگواری کی حالت میں کامل وضو کرنے کی ترغیب دی ہے) یہ حقیقت میں ہمارے ساتھ مشقت کی صورت میں رحمت کی گئی ہے (کیونکہ اس سے ہم کو ثواب عظیم ملتا ہے اور اخلاص کا درجہ حاصل ہوتا ہے)۔

عزیز من! خوب سمجھ لو کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے سخت سردی کے وقت میں ہم کو کامل وضو کرنے کی ترغیب اس لئے دی ہے تاکہ ہم (اتباع سنت کے لئے، تکمیل وضو پر ہمیشہ مواظبت کریں، اور گرمی کا زمانہ آنے تک ہم کو اس کی عادت ہو جائے تو یہ حالت ہر وقت پیش نظر رہے۔ اور جب گرمی کے دنوں میں پانی کے استعمال سے ہمارے اعضاء کو لذت حاصل ہو تو ہم اس وقت لذت نفسانی سے نکل جائیں۔ اور اس نکلنے کی ضرورت اسلئے ہے تاکہ ہم خدا تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کی خواہش سے پاک صاف کرلیں (کہ ہمارا ہر کام محض

رضائے الٰہی کے واسطے ہو، خواہش نفسانی کا کچھ بھی شائبہ باقی نہ رہے) کیونکہ بعض دفعہ ہمارے نفس کو ان (دقیق باتوں) کا پتہ نہیں چلتا تو وہ گرمی کے زمانے میں تکمیل وضو میں خوب مبالغہ کرتا ہے جس کا منشا اتباعِ سنت کا قصد نہیں ہوتا، بلکہ صرف ٹھنڈے پانی سے لذت حاصل کرنے کا ارادہ ہوتا ہے (مگر نفس یہ سمجھتا ہے کہ میں اتباع سنت کے لئے تکمیل وضو میں مبالغہ کر رہا ہوں)۔

اور جو کوئی بھی (مقصود سے) پیچھے رہا ہے وہ حظِ نفس کے اتباع ہی کی وجہ سے پیچھے رہا ہے۔ پس اگر گرمیوں میں نفس یہ دعویٰ کرے کہ مجھ کو پانی کے استعمال سے جو لذت حاصل ہو رہی ہے اس کا منشا محض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تکمیل وضو کا امر فرمایا ہے، تو ہم کو اس سے کہنا چاہئے کہ پھر جاڑوں میں تجھ کو یہ لذت کیوں نہیں حاصل ہوتی؟ (حالانکہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کا حکم تو اس وقت بھی موجود تھا، مگر جاڑوں میں تیری یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ وضو کر کے اس کی ایسی حفاظت کرتا تھا کہ چند نمازیں اسی ایک وضو سے پڑھتا تھا تاکہ ہر وقت تازہ وضو کی ضرورت نہ ہو۔ اور گرمیوں میں تو اس کی وہ حفاظت نہیں کرتا، بلکہ نہایت شوق سے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کی کوشش کرتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ گرمیوں میں تازہ وضو کرنا اور مبالغہ کے ساتھ ہر عضو کو بار بار دھونا محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے ہے، اتباع سنت کے واسطے نہیں ہے) اور اس وقت تم کو نفس کا (دھوکہ اور اس کے دعوی کا) جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے گا۔

اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عارف اپنے نفس کو لذت وراحت دینے کے وقت بھی حق تعالٰی کے حقوق کی رعایت کر سکتا ہے مثلاً اسی صورت میں جب گرمی کے وقت اس کے نفس کو راحت ولذت کے خیال سے ٹھنڈے پانی کے استعمال کی خواہش غالب ہو تو وہ یہ نیت کر لیتا ہے کہ میرے نفس کو گرمی کی شدت سے جو تکلیف پہونچی ہے میں اس کو دفع کرنا چاہتا ہوں، (کیونکہ حق تعالٰی نے نفس کی کلفت دفع کرنے کا بھی امر فرمایا ہے اور وہ یہی نیت جاڑوں میں گرم پانی کے استعمال کے وقت کر لیتا ہے)۔ تو اس نیت سے اس کو ثواب مل جاتا

ہے، کیونکہ وہ نفس[1] کی تکلیف کو دفع کر کے اس پر احسان کر رہا ہے (اور جیسا کہ دوسروں پر احسان کرنا موجب ثواب ہے، اسی طرح اپنے نفس پر احسان کرنا بھی ثواب ہے۔ پس عارف لذت وراحت کے کاموں میں بھی حق تعالیٰ کے حکم کا خیال رکھتا ہے) واللہ غفور الرحیم

(۱۶۰) رات کو بدون وتر پڑھے نہ سوئے

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ کسی رات بھی بدون وتر پڑھے نہ سوئیں تاکہ حق تعالیٰ کو ہم سے محبت ہو، کیونکہ حدیث میں ہے "ان اللہ وتر یحب الوتر"[2] (اللہ تعالیٰ منفرد ہیں اس لئے وہ وتر کو محبوب رکھتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی ایک رکعت منفرد ہوتی ہے) اور جو شخص

---

(۱) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ اپنے مرید کے یہاں گئے، جس نے نیا مکان بنایا تھا جس میں جا بجا روشندان تھے، اس سے پوچھا کہ یہ روشندان تم نے کس لئے رکھے ہیں؟ عرض کیا کہ حضرت روشنی اور ہوا کے لئے۔ فرمایا: افسوس! اگر اس کی بجائے تم یہ نیت کر لیتے کہ اس سے اذان کی آواز سنائی دیا کرے گی تو روشنی اور ہوا تو جب بھی آتی، مگر اس کے ساتھ تم کو ہمیشہ اس روشندان کی وجہ سے ثواب بھی ملتا۔ اور اب صرف روشنی اور ہوا ہی کا آرام ہوا، ثواب کا کام کچھ نہ ہوا۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں جو آتا ہے "ان فی بضع احدکم صدقة"[3] کہ مسلمان کو اپنی بیوی یا باندی سے مجامعت کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے یعنی جب کہ وہ اس میں یہ نیت کرے کہ اس فعل کی وجہ سے میں اور میری بیوی و باندی زنا سے بچے رہیں گے۔ طاعات میں یکسوئی حاصل ہوگی یا نیک اولاد نصیب ہوگی جس سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھے گی وغیرہ وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

(۲) بخاری: ج ۲ ص ۹۴۹ کتاب الدعوات. باب "للہ مائة اسم غیر واحد"۔ ترمذی: ص ۱۰۳ ج ۱ "باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم". ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

(۳) مسلم: ج ۱ ص ۳۲۴ کتاب الزکوة باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف۔ ۱۲ مرتب

وتر پڑھ کر سوتا ہے وہ ایسا کام کر کے سوتا ہے جو حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔ پس اگر اس رات میں حق تعالیٰ ہماری روح قبض کرلیں تو ہم کو اس جماعت میں شامل فرمائیں گے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنا محبوب بنایا ہے۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کو تہجد کی ایسی عادت ہو کہ نیند کی وجہ سے اس کے ناغہ ہونے کا اندیشہ نہ ہو ایسے شخص کے لئے وتر کا مؤخر کرنا (اور تہجد کے وقت اخیر شب میں پڑھنا افضل اور شرعاً) مطلوب ہے، مگر بعض (صوفیہ) کا اس صورت میں بھی اختلاف ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ وتر پڑھ کر سونا ہمیشہ مطلوب ہے، خواہ جاڑے کی راتیں ہوں یا گرمی کی، کیونکہ (سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کا) منشا اندیشۂ موت (سے بچنا) ہے، نہ یہ کہ طلوع فجر سے وتر کے ناغہ ہونے کا اندیشہ ہے (اور ظاہر ہے کہ موت کا اندیشہ ہر وقت ہے اور ہر شخص کو ہے اس میں جاڑے، گرمی سب برابر ہیں، اس لئے ہر شخص کو وتر پڑھ کر سونا چاہئے، خواہ تہجد کا عادی ہو یا نہ ہو)[1] واللہ علیم خبیر

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ احادیث سے دونوں قولوں کی تائید ہوتی ہے۔ پہلے قول کی تائید اس حدیث میں ہے "عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخر فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشھودۃ وذلک افضل (رواہ مسلم ج۱ ص۲۵۸)

ترجمہ حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اخیر شب میں نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو وہ اول شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں اٹھنے کی امید ہو وہ اخیر شب میں وتر پڑھا کرے۔ کیونکہ اخیر شب کی نماز مشہودہ ہے (یعنی اس میں قلب حاضر رہتا ہے، یا ملائکہ آتے ہیں) اور افضل ہے۔

اور دوسرے قول کی تائید اس حدیث سے ہوئی ہے۔ "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث صیام ثلثۃ ایام من کل شھر ورکعتی ضحی وان اوتر قبل ان انام (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ ج۱ ص۹۰)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۱۶۱) حق تعالیٰ کی رحمت کو کسی مسلمان سے بھی دور نہ سمجھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو کسی مسلمان سے بھی دور نہ سمجھیں (اگرچہ وہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو) کیونکہ رحمت الٰہی ہر چیز کو عام ہے (لہٰذا ہر مسلمان اس کے قابل ہے) اور بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گنہگار کے تمام گناہ دن کے دن معاف فرمادیتے ہوں، اور ہر روز شام کے وقت وہ بخشا بخشایا ہوتا ہو۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ تمام گنہگاروں کو یک لخت (صفحہ ہستی سے) مٹادیتے۔ (مگر جب ایسا نہیں کیا گیا تو جس طرح یہ احتمال ہے کہ شاید ڈھیل دینے کے واسطے ان کو مٹایا گیا ہو، اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ شاید حق تعالیٰ ہر روز ان کے گناہ معاف کر دیتے ہوں، پھر تم احتمال اول کو متعین کر کے گنہگاروں کو نا قابل رحمت کیوں سمجھتے ہو) اور ہم نے رسالۃ الآداب میں اس عہد پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ غفور الرحیم۔

اپنے زمانہ کے آدمیوں کے ساتھ انہی کی روش پر چلتے رہیں

(۱۶۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے زمانہ کے آدمیوں کے ساتھ (انہی کی روش

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نیز اس حدیث سے بھی قول ثانی کی تائید ہوتی ہے عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال لابی بکر متی توتر قال اوتر من اول اللیل وقال لعمر متی توتر قال آخر اللیل فقال لابی بکر اخذ ھذا بالحذر وفی روایۃ بالحزم وقال لعمر اخذ ھذا بالقوۃ (اخرجہ ابوداؤد وسکت عنہ ھو والمنذری باسناد رجالہ رجال مسلم (عون المعبود ص ۵۳۹ ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم وتر کب پڑھتے ہو؟ کہا اول شب میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم وتر کب پڑھتے ہو؟ تو کہا اخیر شب میں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے احتیاط اور ہوشیاری سے کام لیا۔ اور حضرت عمر کی بابت فرمایا کہ انہوں نے قوت کی جانب کو اختیار کیا۔ ۱۲ مترجم

پر) چلتے رہیں، اور جیسے [1] وہ ہماری باتوں میں آجاتے ہیں (کبھی) ہم بھی ان کی باتوں میں آجایا کریں۔ اور جیسے وہ ہمارے سامنے (اپنا) رنگ بدل دیتے ہیں ہم بھی ان کے سامنے (اپنا) رنگ بدل دیا کریں، مگر یہ (سب کچھ محض) ظاہراً ہونا (چاہئے) حقیقۃً نہ ہو (نا چاہئے) اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ "من خدعنا انخدعنا له" (کہ جو شخص ہم کو دھوکا دیتا ہے ہم اس کے دھوکہ میں آجاتے ہیں) یعنی (اپنی) جو حالت وہ ہمارے

---

(۱) بظاہر مطلب یہ ہے کہ عارفین کو چاہئے کہ اپنے پاس آنے جانے والوں کے مذاق کی رعایت کیا کریں، اور کبھی کبھی ان کی دلجوئی کے لئے ان کے مذاق کی باتیں بھی کر لیا کریں، یہ نہ ہو کہ ہر وقت اپنے ہی مذاق کی باتیں کرتے رہیں، کہ اس سے چند روز میں ان کی طبیعت اکتا جاتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم زمانہ جاہلیت کی باتیں اور قصے بیان کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ بھی ان کی اس قسم کی باتوں میں شریک رہا کرتے اور تبسم فرماتے رہتے تھے۔

اور اس آخر زمانے میں ہم نے حضرت شیخ الوقت مولانا گنگوہی قدس سرہ کی یہ حالت سنی ہے کہ آپ کے پاس کوئی مقدمہ والا آتا تو کچھ دیر آپ اس سے مقدمہ کی باتیں کرتے۔ کوئی دیہاتی آتا تو اس کے ساتھ کچھ دیر اس کے مذاق کی باتیں فرماتے۔ غرض جس قسم کا جو شخص آتا اس کے ساتھ اسی کے مذاق کی باتیں کیا کرتے تھے جس سے محض اس کی دلجوئی مقصود ہوتی تھی ورنہ باطناً مولانا کو ان امور سے کیا تعلق تھا۔

یہی مطلب علامہ کے اس ارشاد کا کہ جیسے اور لوگ ہماری باتیں سنتے ہیں کبھی ہم بھی ان کی باتیں سن لیا کریں اور جیسے وہ ہمارا رنگ اختیار کرتے ہیں، تھوڑی دیر کو ہم بھی انکا رنگ اختیار کر لیا کریں اور یہ محض ظاہراً ہو، سچ مچ نہ ہو کیونکہ ظاہراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے پاس آنے والوں کا رنگ اختیار کر لینے اور ان کے مذاق کی باتیں کر لینے سے ان کی وحشت زائل اور انس پیدا ہو جاتا ہے، پھر باہم انس ہو جانے سے وہ بہت جلد تمہارے مذاق پر آجائیں گے، اسی لئے عارف کو اپنے زمانہ والوں کی حالت سے واقف ہونا چاہئے۔ اور اصلاح کا طرز ان کی حالت کے مناسب اختیار کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

سامنے ظاہر کرتا ہے ویسی ہی حالت ہم اس کے سامنے ظاہر کرتے ہیں (اور یہ مطلب نہیں ہے کہ سچ مچ دھوکہ میں آجاتے ہیں)۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے کہ عاقل کو اپنے زمانہ (کی حالت) سے واقف کار ہونا چاہئے (پس اصلاح کے لئے وہی طرز اختیار کرے جو ان کی حالت کے مناسب ہے) اور اب (گذشتہ) حالات میں بہت تغیر ہو گیا ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے اور (پہلے) طریقے بدل گئے اور بجائے اعمال کے باتیں ہی باتیں رہ گئیں۔ اور ہر نیک و بد (کسی نہ کسی) بلاء میں گرفتار ہے فلا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ (لہٰذا اب اصلاح کے لئے وہ طریقہ ناکافی ہے جو پہلے زمانہ میں کافی تھا۔ پس عارف کو اپنے زمانہ کی رعایت لازم ہے)۔

(۱۶۳) اپنے ہم عصر لوگوں کے حالات کو زمانۂ گذشتہ کی میزان سے موازنہ نہ کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ہم عصر لوگوں (کے حالات کو) زمانۂ گزشتہ کی میزان سے موازنہ نہ کیا کریں، کیونکہ ہم خود اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر دن ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ ناقص (ہوتا جاتا ہے) اور بندوں کے ساتھ تو (ہمارے) معاملہ کی کیا ہی حالت ہو گی، پھر ہمیں کیسے مناسب ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کو سلف صالح یعنی صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی میزان سے موازنہ کریں (اور ان کے احوال و اعمال کو سلف صالح کے احوال و اعمال سے مقابلہ کر کے دیکھیں اور یہ چاہیں کہ یہ بھی ان جیسے ہو جاویں، ایسا نہیں ہو سکتا)۔

اور (امام) حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ واللہ ہم نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جن کے سامنے ہم چور (معلوم ہوتے) تھے (مگر ان کے بعد ہم ہی مقتدا سمجھے جانے لگے۔ سچ ہے "کبرنی موت الکبراء"۔ بڑوں کے مرنے نے مجھے بڑا بنادیا) پس اب اس کے سوا کچھ نہیں رہا کہ (دن بدن) پستی ہی بڑھتی جائے اور اپنے سے (بھی) اور (اپنے ہم عصر) لوگوں سے (بھی) چشم پوشی کی جائے (اور اس کی طلب و سعی نہ کی جائے کہ ہم پہلے بزرگوں جیسے بن جائیں) ورنہ ہم اور ہمارے زمانے والے سب کے سب پریشانی اور تعب میں

پڑ جائیں گے، کیونکہ ہم اس زمانہ میں اپنے سے پہلی مخلوق کا تلچھٹ ہیں، اور ہمارے اوپر پانی اور مٹی کا عنصر غالب ہے اور ظاہر ہے کہ جب مٹی اور پانی کو حرکت دے کر تقریباً تیس دفعہ چھانا جائے اور ہر دفعہ میں صاف (وشفاف) حصہ نکال لیا جائے تو اس (آخری حصہ) کا کیا حال ہوگا (یقیناً آخر میں چوڑا ہی رہے گا۔ پھر اگر تم یہ چاہو کہ اس چوڑے میں وہی صفائی آجائے جو پہلے پانی میں تھی تو عادۃً یہ نہایت مستبعد ہے[1] اور اس کی کوشش کرنا محض بے سود ہے)۔

پس اس زمانے میں استغفار سے بڑھ کر کوئی دوا نافع تر نہیں، بلکہ اگر ہم میں سے کوئی

---

(۱) خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں ہماری استعداد کے موافق جو کچھ ظاہری اعمال و باطنی احوال ہم کو حاصل ہو جائیں، ان کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور سلف صالحین کے اعمال واحوال سے موازنہ کر کے ان کو بیکار و فضول نہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں نعمت الٰہی کی ناشکری ہے۔ ع ۔

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے[2]

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سلف کے واقعات و مجاہدات و قوت حالات و رفعت کیفیات و علو مقامات پر نظر کر کے جب اپنے اعمال واحوال پر نظر کرتے ہیں تو مایوس و ناامید ہو جاتے ہیں کہ بس ہم کو نہ خشوع حاصل ہے، نہ توکل، نہ ورع ہے، نہ تقویٰ، نہ ہمارے اندر ایمان ہے، نہ اسلام، پھر شیطان اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ مسلمان ہونا بڑا مشکل ہے اگر آدمی مسلمان ہو تو پہلے بزرگوں کی طرح ہو ورنہ ایسے ناقص و کمزور اسلام سے جو اب تک ہم کو نصیب ہوا ہے کیا فائدہ؟ علامہ اس عہد میں ایسے ناامید لوگوں کی اصلاح فرماتے ہیں کہ تم پہلے لوگوں کی طرح ہونے کی طلب نہ کرو، پس اپنی استعداد کے موافق جس قدر دولت تم کو حاصل ہے اس پر شاکر رہو اور ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرو جو تم کو خدا نے دے رکھی ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ حلال و حرام وواجبات و فرائض کی بھی پروا نہ کرو، کیونکہ حلال و حرام وغیرہ کے متعلق جو احکام ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان پر تم عمل نہ کر سکو اسلئے کہ احکام شرعیہ ہر زمانے کے موافق ہیں اور کسی زمانے میں کوئی بھی ان پر عمل کرنے سے عاجز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حرام و حلال وغیرہ میں اس درجہ مبالغہ واحتیاط کی کوشش نہ کرو جیسی سلف صالح کرتے تھے کیونکہ ویسی احتیاط تم سے نہیں ہو سکتی، نیز ان مجاہدات وریاضات کی بھی (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲) ترجمہ: مصیبت ہوتی اگر یہ بھی نہ ہوتے۔ ۱۲ مرتب

شخص ساری عمر بیٹھا ہوا اپنے گزشتہ گناہوں ہی سے استغفار کرتا رہے تو وہ اس نقصان کی بھی تلافی نہیں کر سکتا جو پہلے گناہوں سے ہو چکا ہے، اگلے گناہ تو الگ رہے۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم استغفر اللہ.

(۱۶۴) دوستوں کو منع کریں کہ وہ خدائے عزوجل کو چھوڑ کر ہمارے اوپر بھروسہ نہ کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے دوستوں کو منع کریں کہ وہ خدائے عزوجل کو چھوڑ کر ہمارے اوپر زیادہ بھروسہ نہ رکھیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت کو ہم ان سے دفع نہیں کر سکتے۔ اور اس عہد میں آج کل بہت لوگ خیانت کر رہے ہیں۔ بس یوں کہتے ہیں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سعی نہ کرو جو وہ لوگ کرتے تھے، کیونکہ تمہاری قوتیں اور استعداد اس قابل نہیں، بلکہ تم کو اپنی ہمت واستعداد کے موافق احتیاط اور مجاہدات کرنے چاہئیں۔ اس سے انشاء اللہ تم مقرب ومقبول ہو جاؤ گے، اور استغفار کی کثرت کرنا چاہئے، اس سے تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احکام شرعیہ پر فقہاء امت کے فتوؤں کے موافق عمل کرنا تو ہر زمانے میں تمام مخلوق کے لئے یکساں طور پر آسان ہے، البتہ احتیاط وورع میں طریقۂ عمل ہر زمانے کا جدا ہے، پہلے لوگ شریعت کے ہر حکم کو نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرتے تھے جس میں تمام آداب ومستحبات کی پوری رعایت ہوتی تھی، اس زمانہ میں ہم اس درجہ کا عمل نہیں کر سکتے اور نہ ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ سلف صالح کی طرح ہم بھی اعمال کو بجالائیں، بلکہ ہم کو اپنی طاقت وہمت کے موافق کام کرنا چاہئے، اور پہلے لوگوں کے حالات ومقامات کی ہوس نہ کرنا چاہئے۔

بس واجبات وفرائض کو ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اور مستحبات وآداب وفضائل کی رعایت جس درجہ سلف کرتے تھے اس کے درپے نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس میں ہم ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اس میں برابری کی کوشش کرنے سے پریشانی بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ مترجم

کہ جب تک ہمارا پیر زندہ ہے اس وقت تک ہمیں کچھ فکر نہیں، (وہ سب بلاؤں کو ہم سے دفع کرتا رہے گا) اور آخرت میں بھی وہ ہماری دستگیری کرے گا، حالانکہ بعض دفعہ ان کے شیخ کے متعلق علم الٰہی میں مقدر ہو چکتا ہے کہ وہ جہنم کا کوئلہ ہے تو (اب) ان کا بھروسہ (محض ایک) نیست و نابود چیز پر ہوا۔ اور جب سید المرسلین ﷺ (اپنی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے فاطمہ اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے بچالو، کیونکہ خدا تعالیٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا[1]۔ تو دوسروں کا پوچھنا ہی کیا۔

اور ایک دفعہ برادرم افضل الدین رحمہ اللہ سیدی علی خواص رحمہ اللہ کی خدمت میں اس حالت سے حاضر ہوئے کہ وہ ایک بڑے حادثہ میں گرفتار تھے، جو مصر کے اصحاب خدمت کی طرف سے ان پر واقع ہوا تھا جس میں وہ شیخ سے مدد چاہتے تھے، مگر شیخ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ وہ کہنے لگے اے میرے آقا! شیخ نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر التجا کی۔ شیخ نے اس پر بھی التفات نہ کیا۔ اور یہ فرمایا کہ تم یوں سمجھ لو کہ میں مر گیا، اور میرے مرنے کے بعد جو کچھ کرتے وہی اب کرو۔ غرض (اس معاملہ میں) کچھ بھی (ان کی) مدد نہ کی۔

میں نے (بعد میں شیخ سے) عرض کیا کہ جناب نے ان کی مدد کیوں نہ فرمائی؟ تو ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ برتاؤ ان کے ساتھ اس لئے کیا ہے تاکہ وہ ابھی سے ان بلاؤں کے برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں جو (میرے بعد) آئندہ زمانے میں آنے والی ہیں، جن کے سامنے یہ بلا دسویں حصہ کی بھی نسبت نہیں رکھتی، اور اگر آج میں ان کی مصیبت کو اپنے اوپر لے لیتا (اور ان کو ہلکا پھلکا کر دیتا) تو یہ ان کے حق میں برائی ہوتی (بھلائی نہ ہوتی) کیونکہ

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ میرے قبضہ میں کچھ نہیں ہے، بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ پس یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اس سے شفاعت کی نفی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ شفاعت خدا تعالیٰ کے اذن سے ہوگی۔ پس وہ بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں نہیں، خدا ہی کے اختیار میں ہے اور حق تعالیٰ اپنے اختیار سے اس کی اجازت عطا فرمائیں گے۔ ۱۲ مترجم

اس کے بعد اگر کوئی مصیبت ان پر آتی تو وہ ان کی کمر توڑ ڈالتی (اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے ہی یہ لوگ مصائب کے برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔اور بالکل بے فکر ہو کر نہ رہیں۔اگر یہ میرے سامنے اس کے عادی ہو جائیں گے تو بعد میں بھی پریشان نہ ہوں گے) پس اس بات کو خوب سمجھ لو[1] اور اس پر عمل کرو (اور اپنے دوستوں کو منع کرو کہ وہ محض تمہارے بھروسہ پر بے فکر نہ رہا کریں، بلکہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اسی پر بھروسہ رکھا کریں) واللہ یتولی هداك.

اس زمانہ میں اپنے علم و عمل کے نقصان کی وجہ سے رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہوا کریں

(۱۶۵)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں اپنے علم و عمل کے نقصان کی وجہ سے رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہوا کریں اور (یہ سمجھ لیں کہ) جب تک ہمارے پاس ایمان (کی دولت) اور سیدنا رسول اللہ ﷺ و علماء و صلحاء کی محبت ہے اس وقت تک انشاءاللہ عفو الٰہی ہمارے شامل حال ہے۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ بس اس زمانہ میں ایمان کامل ہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو (اور اسی کا زیادہ اہتمام کرو) کیونکہ وہ تمہارے دین کی بنیاد ہے۔جس پر تم جتنے نیک کاموں کی عمارت قائم کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ا راگر بندہ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس تمام علوم و اعمال سے مفلس ہو کر پہونچے اور فقط ایمان (کامل) ہی

---

(۲) سبحان اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم ہے جس پر سو جان سے قربان ہو جانا چاہئے۔الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ کا اس پر پورا عمل ہے،وہ کبھی اپنے دوستوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنے دیتے نہ معاملات تکوین میں نہ ترقی سلوک میں۔اسی لئے انہوں نے شغل رابطہ کو چھوڑ دیا کہ اس سے عادۃً مرید کو شیخ پر اعتماد زائد ہو جاتا ہے۔اور اسی لئے شغل توجہ کو بھی ترک کر دیا، کیونکہ اس میں بھی مرید خود راستہ قطع کرنے کا عادی نہیں ہوتا، بلکہ محض توجہ کے سہارے پر چلتا ہے اور جب شیخ بطریق متعارف توجہ نہ دے گا تو طالب اپنی ہمت سے بڑھتا چلے گا، مگر شیخ مخفی طور پر اس طرح توجہ کرتا ہے کہ بعض دفعہ مرید کو خبر بھی نہیں ہوتی۔۱۲ مترجم

اس کے پاس ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ خدا کے سامنے علوم واعمال کا ذخیرہ اس حالت میں لے جائے کہ اس کے ایمان میں کسی قدر نقص ہو۔ پس (خوب سمجھ لو) انسان کے کمال ونقصان کا مدار ایمان ہی کے قوی یا ضعیف ہونے پر ہے (علوم واعمال کی کمی زیادتی پر اس کا مدار نہیں) اور بسا اوقات تھوڑا عمل قوت ایمان کی وجہ سے (خدا کے نزدیک) زیادہ اعمال سے بڑھ جاتا ہے۔ واللہ علیم حکیم

(۱۶۶) حق تعالیٰ سے ہمیشہ یہ درخواست کیا کریں کہ وہ ہماری کوئی بددعا امت محمدیہ کے کسی فرد کے حق میں کبھی قبول نہ فرمائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حق تعالیٰ سے (ہمیشہ یہ) درخواست کیا کریں کہ وہ ہماری کوئی بددعا امت محمدیہ کے کسی فرد کے حق میں بھی کبھی قبول نہ فرمائیں۔ ہماری اولاد یا اہل وعیال تو الگ رہے۔ اور یہ (درخواست) اس لئے (کرنی) چاہئے تاکہ آئندہ غصہ کی حالت میں اگر ہم اپنے بچے یا خادم یا دوست یا اور کسی پر بددعا کردیں تو حق تعالیٰ اس کو قبول نہ فرمائیں (اور بددعا کا اثر ان لوگوں پر نہ ہو) اور حق تعالیٰ (اپنے بندوں کے) سوال کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں۔ تو وہ ہماری بددعا کو کسی کے حق میں قبول نہ فرمائیں گے اگر (کبھی) ہم غصہ سے اس پر بددعا کردیں۔

اور حضور ﷺ کی اخیر میں یہ عادت تھی کہ جب لوگ آپ سے کسی پر بددعا کرنے کے لئے کہتے تو آپ بددعا سے اعراض کرکے۔ (اس کے بجائے) دعاء خیر فرماتے اور حق تعالیٰ سے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں بشر ہوں اور مجھے بھی انسانوں کی طرح (کبھی) غصہ آجاتا ہے، اے اللہ! اگر میں کسی پر (غصہ سے) بددعا کردوں یا اس کو برا بھلا کہوں تو آپ میری بددعا وغیرہ کو اس شخص کے لئے (گناہوں کا) کفارہ اور پاکی کا سبب بنادیجئے۔ (عزیز من!) اس کو خوب سمجھ لو۔ (اور اس پر عمل کرو) کیونکہ یہ بہت ہی نافع ہے۔

(۱۶۷) روٹی کا حجم چھوٹا کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ روٹی کا حجم چھوٹا کیا کریں (یعنی بڑی بڑی اور موٹی موٹی روٹیاں نہ پکایا کریں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد پر عمل کرنے کے لئے (اور وہ ارشاد یہ ہے) ''اصغر وا قرصکم یبارك الله لکم فیه'' یعنی روٹیاں چھوٹی پکایا کرو، حق تعالیٰ تم کو اس میں برکت دینگے۔ اور (تجربہ ہے کہ) چھوٹی روٹی پیٹ بھرنے میں بڑی روٹی کا کام دیتی ہے۔ اور یہ عہد (اپنے مریدوں سے) بہت سے مشائخ اولیاء نے لیا ہے۔ جن میں سیدی احمد بدوی اور سیدی ابراہیم دسوقی، اور سیدی ابراہیم تنبولی، اور سیدی احمد زاہد اور سیدی مدین اور سیدی محمد غمیری رحمہم اللہ بھی ہیں۔

مگر ان میں سے بعض تو روٹی کے چھوٹا کرنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور بعض متوسط درجہ اختیار فرماتے تھے۔ ''والله یضاعف لمن یشاء'' (البقرۃ/۲۶۱) اور شاید اس کا راز یہ ہے کہ روٹی کے چھوٹا کرنے میں اس کی عزت و عظمت و بلندیٔ مرتبہ کا اظہار ہے (اور یہ بتلانا کہ ہم اس چھوٹی سی چیز کے بھی بہت زیادہ محتاج ہیں) کیونکہ وہ نظام وجود کا مدار (اور ہستی کے باقی رکھنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اسی لئے اس کے واسطے شکلِ کروی اختیار کی گئی ہے جو تمام اشکال میں افضل ہے۔

اور شیخ محی الدین نے روٹی کی فضیلت میں یہ اشعار ارشاد فرمائے ہیں۔

(۱) اذا عاینت ذاسیر حثیث فذاك السیر فی طلب الرغیف

جب تم کسی تیز چلنے والے کو دیکھو تو (سمجھ لو) کہ یہ چلنا روٹی کی تلاش میں ہے۔

(۲) به وله تجارات الذراری وارواح اللطائف والکثیف

اس کے بدلے اور اسی کے لئے اولاد تک کو بیچا جاتا ہے اور عمدہ نفیس اور گھٹیا جانداروں کو۔

(۳) وتیسیر المثقفة الجواری بموج البحر و الریح العسیف

اور اس کے لئے مضبوط کشتیوں کو چلایا جاتا ہے دریا کی موج میں اور سخت ہوائیں۔

(٤) وقطع مهامة فيح تباری بها الانعام بالسير العنيف

اور وسیع چٹیل میدانوں کو طے کیا جاتا ہے جن میں سواری کے جانور سخت تیز روی کے ساتھ چلتے ہیں۔

(٥) يضج الخلق ان عدموه وقتا عن اذن الواحد البر الرؤف

مخلوق چیخ اٹھتی ہے اگر ایک وقت ان کو روٹی نہ ملے خدائے واحد، مہربان ومحسن کے حکم سے۔

(٦) هو المعنى ونحن اذا نظرنا به عند التفكر كالحروف

اگر نظر تفکر سے دیکھا جائے تو روٹی معنی ہے اور ہم حروف کے مثل ہیں۔

(٧) اليس الله صيره عديلا لرؤيته على رغم الانوف

کیا خداتعالی نے (متکبروں کی) ناک رگڑ کر روٹی کو اپنے دیدار[1] کے برابر نہیں کیا؟ یعنی حدیث میں ہے کہ روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت اور ایک فرحت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت۔ (اس میں افطار کی فرحت کو فرحت لقاء خداوندی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ افطار کی فرحت سے مراد وہ خوشی ہے جو روزہ دار کو روزہ پورا کرنے (اور کھانے پینے) کے وقت حاصل ہوتی ہے اس کو خوب سمجھ لو!!! اور خبردار! روٹی پر اپنا پیر کبھی نہ رکھنا، کیونکہ یہ تمہارے گھر سے نعمتوں کے منتقل ہونے (اور سلب ہو جانے) کا سبب ہے۔ واللہ غنی حمید۔

(١٦٨) کھانے پینے کے وقت اپنے دل میں یہ مضمون حاضر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کھانے پینے کے وقت اپنے دل میں یہ مضمون حاضر رکھیں کہ حق تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے (اس کو اس کی احتیاج نہیں)۔ پھر کھانے سے فارغ

---

(۱) اشارہ ہے اس حدیث کی طرف۔ للصائم فرحتان، فرحة عند الافطار بطعامه، وفرحة عند لقاء الرحمن۔ (دیکھیں مسند احمد ص۵۱۶ ج۵ مرتب) اھ ۱۲ مترجم

ہونے تک یہ اعتقاد رکھیں، بلکہ مشاہدہ کی طرح یقین جانیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے اس کے دستر خوان پر (بیٹھے) ہیں اور حق تعالیٰ ہم کو اور ہماری حرص کو اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کرنے کو دیکھ رہے ہیں، اور ہم اس سے محجوب نہیں، وہ ہماری بے ادبی اور عدم ایثار کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

پس جو شخص اس (مراقبہ) پر مواظبت کرے گا اس کا نفس کھانے سے (جلدی) سیر ہو گا۔ اور اس کو (زیادہ) حرص نہ پیدا ہو گی۔ کہ کھانے سے پیٹ ہی نہ بھرے۔ نیز اس کو اپنے بھائیوں پر ایثار کرنے کی بھی خواہش ہو گی، اس خدا کی عظمت کے خیال سے جس کے وہ بندے ہیں اور اس بات کو جاننے والے ہی سمجھتے ہیں۔

(۱۶۹) کھانے پینے کی چیز سامنے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شبہ والی چیز سے بچالے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں جب کھانے یا پینے کی کوئی چیز ہمارے سامنے آئے تو ہم پوری توجہ کے ساتھ یوں کہیں کہ ''اے اللہ! اگر اس میں کوئی شبہ ہو تو ہمیں اس کے کھانے سے بچائیے اور اگر آپ نے ہمارے واسطے اس کا کھانا یا پینا مقدر ہی فرمایا ہے تو اپنے فضل و کرم سے ہمارے پیٹ میں اس کو ٹھہرنے نہ دیجئے، کیونکہ اس میں جو کچھ شبہ ہے اس سے ہم ناواقف ہیں'' جو شخص (حق تعالیٰ سے) یہ عرض معروض کرے گا اس نے اپنی باگ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دی، اب یا تو وہ اس کو اس چیز کے تناول سے بچالیں گے اور اگر تناول ہی مقدر ہوا تو قے کے راستے سب نکل جائے گا۔

اور ہم کو (کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ) اپنے لباس اور سواری اور رہنے کے گھر اور دنیا کے جملہ اسباب تمتع میں بھی (حق تعالیٰ سے) ایسا ہی کہنا چاہئے، پھر اگر حق تعالیٰ نے چاہا تو وہ کپڑا یا سواری وغیرہ ہمارے پاس رہے گی، یا ہم اس سے الگ ہو جائیں گے یا وہ چیز ہم سے جدا ہو جائے گی۔

اور یہ عہد مجھ سے سیدی شیخ عمرؒ بجائی مغربی نے اس وقت لیا تھا جبکہ میں نوجوان امرد

(بے ریش) تھا اور جب سے میں نے اس پر عمل کیا ہے اس وقت سے اس وقت تک میرے پاس اور میرے پیٹ میں حلال خالص کے سوا کوئی چیز نہیں ٹھہرتی اور نیز اس وقت سے اس وقت تک مجھے کسی کپڑے اور کسی جوتہ میں پیوند لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی، کیونکہ ان میں سے کوئی چیز تو میرے پاس مہینہ بھر تک رہتی ہے، کوئی ایک ہی ہفتہ رہتی ہے، کوئی ایک لحظہ یا کم وبیش ٹھہرتی ہے۔ پھر میں اس کو خدا تعالیٰ کے انعام کا شکر ادا کرنے کے لئے جو اس نے میرے حال پر فرمایا ہے۔ نیز نعمتوں کا حق صحبت خوبی کے ساتھ ادا کرنے کے لئے جلدی صدقہ (وخیرات) کر دیتا ہوں کیونکہ نعمتوں کا اچھا حق صحبت یہ ہے کہ ان کو شرعی قاعدہ کے موافق اس شخص سے نہ روکا جائے جو ہم سے زیادہ ان کا حاجت مند ہے۔ اور حق تعالیٰ کی یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان کو حلال آمدنی زیادہ میسر ہو، جو اس کی حاجت سے اتنی زیادہ ہو کہ اس میں سے صدقہ (وخیرات) بھی کر سکے۔ پس میرے پاس حلال چیز کے ٹھہرنے کی مدت اکثر ضرورت ہی کے موافق ہوتی ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ (ضرورت رفع ہونے کے بعد میں کسی چیز کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ وللہ الحمد

اور (عزیز من!) پہلے زمانے کے لوگ تو (عموماً) اپنے خرید وفروخت اور تمام معاملات وحالات میں تقویٰ (واحتیاط) سے کام لیتے تھے۔ اس لئے (اس زمانہ میں) اکثر لوگوں سے حق تعالیٰ نے اس عمل[1] (مذکور) کو معاف کر دیا تھا (مگر اب لوگوں کے معاملات کی وہ حالت نہیں رہی) پس (آج کل) تمام درویشوں اور متقیوں کو ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ کھانے یا پینے کے وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر وہ مضمون عرض کیا کریں جو اس عہد میں ہم نے بیان کیا ہے۔

اور برادرم افضل الدین رحمہ اللہ کے سامنے جب کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کی جاتی تو وہ یوں کہا کرتے تھے کہ "اے اللہ! اگر یہ حرام ہے اور آپ نے اس (کے تناول) کو میرے لئے مقدر فرمایا ہے تو مجھ سے (اس کے متعلق) مواخذہ نہ فرمائیے اور اس کے (اصلی) مالکوں

---

(۱) یعنی ان کو کھانے پینے کے وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر وہ مضمون عرض کرنے کی ضرورت نہ تھی جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ ۱۲ مترجم

کو مجھ سے راضی کر دیجئے۔ "یا ارحم الراحمین واکرم الاکرمین" میں نے عرض کیا کہ مواخذہ تو حرمت معلوم ہونے کی فرع ہے (جب آپ کو یقینی طور پر اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو پھر مؤاخذہ کا کیا اندیشہ ہے؟) فرمایا کبھی بندہ سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کہ اس نے پوری طرح تفتیش کیوں نہیں کی اور کبھی (مؤاخذہ اُخروی تو نہیں ہوتا، مگر) اس حرام مال کی وجہ سے کوئی جسمانی مضرت پہونچ جاتی ہے، گو بندہ کو (اس کی حرمت کی) اطلاع نہ ہو، جیسے زہر نقصان دیتا ہی ہے (گو تم نے بے خبری ہی میں کھایا ہو)۔

اور سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ اس وقت کوئی چیز کھاتے تھے جب ان کی عقل وشعور اور قوت کے سات حصوں میں سے چھ حصہ فنا ہو جاتے۔ اور ایک حصہ باقی رہ جاتا۔ اور اس کے بھی فنا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو اس وقت خودکشی (کے گناہ) سے بچنے کے لئے کچھ کھا لیا کرتے تھے (اور اس حالت میں تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ ناجائز اور مشتبہ مال تو کیوں نہ حلال ہوگا) خدا تعالیٰ ان بزرگوں سے راضی ہو۔ پس تم اس عہد پر عمل کرو۔ واللہ غفور الرحیم۔

(۱۷۰) جب اپنے دل میں قبولیت دعا کی حلاوت پائیں اس وقت اپنے دوستوں کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب کبھی ہم اپنے دل میں قبولیت دعا کی حلاوت پائیں اس وقت اپنے دوستوں کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کرنے سے غفلت نہ کریں۔ (بلکہ) ان کے [1] حقوق

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ ہمارے مشائخ نے توجہ متعارف کا طریقہ چھوڑ کر یہی طریق دعا اختیار فرمایا ہے، کہ جو اپنے خاص احوال واوقات میں اپنے مریدوں اور دوستوں کے واسطے دعا فرماتے رہتے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے موافق ہے اور توجہ متعارف سے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ توجہ متعارف میں شیخ مرید کی طرف متوجہ ہو کر خود کچھ دیتا ہے۔ اور طریق دعا میں خدا کے ہاتھ سے ان کو نعمتیں دلوانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توجہ کا اثر راسخ و دیرپا نہیں ہوتا، اور شیخ کی دعا سے جو نعمت مرید کو حاصل ہوتی ہے وہ قائم و دائم ہوتی ہے۔ ۱۲ مترجم

ادا کرنے کے لئے (ایسے وقت میں ضرور دعا کریں)۔

اور چاہئے کہ اس دعا میں حق تعالٰی پر کسی قسم کی قید نہ لگادیں کہ مثلاً ہمارے دوستوں کو) فلاں خاص چیز حاصل ہو جاوے، مگر جب کہ انہوں نے کسی خاص بات (کے لئے دعا) کی درخواست کی ہو تو (اس وقت خاص چیز کے لئے دعا کرنے کا بھی حرج نہیں) اور وجہ (قید نہ لگانے کی) یہ ہے کہ حق تعالٰی ان کی مصلحتوں کو ان سے اور ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ لوگ اس دنیا میں کس مرتبے (اور کس حالت و مقام) وغیرہ کے مستحق ہیں (اور کس کے مستحق نہیں)۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں اپنے دوستوں کے لئے بکثرت دعا کیا کرو اور ان کے لئے اللہ تعالٰی کے اسم "لطیف" کے وسیلہ سے سوال کیا کرو، اور اسی طرح اور جو نام اس کے مثل ہیں جیسے مغیث، اور رحیم، اور غفار، حنان، وغیرہ۔

(اس کے بعد کچھ عبارت سمجھ میں نہیں آئی۔ جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) واللہ سمیع علیم۔

(۱۷۱) کسی یہودی یا نصرانی سے علاج نہ کروائیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ کسی یہودی[1] یا نصرانی (ڈاکٹر و حکیم) کی رائے سے کبھی دوا (اور علاج) نہ کیا کریں، اور نہ اپنے دوستوں کو ایسا کرنے دیں۔ اور اندھا یہودی حکیم تو سب سے بدتر ہے۔ اور وجہ (اس عہد کی) یہ ہے کہ جو حکیم معالج ہوتا ہے وہ حصولِ شفا میں ہمارے اور خدا تعالٰی کے درمیان واسطہ ہے۔ (کہ حق تعالٰی اس کے واسطہ سے ہم کو شفا دیتے ہیں) اور کسی عاقل کو یہ کب مناسب ہے کہ اپنے اور خدا تعالٰی کے درمیان ایک (دشمن خدا) یہودی کو واسطہ بنائے؟ جس پر خدا کا غضب نازل ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ[2] (واسطہ بنانا) دوا

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ ہندو بھی اسی حکم میں داخل ہیں، کیونکہ علت سب میں مشترک ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ فطرۃً انسان بندۂ احسان ہے۔ جس شخص کی طرف سے اس پر کسی قدر احسان ہوتا ہے دل خواہ مخواہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

داروہی میں کیوں نہ ہو۔ (اتنا توسط بھی نامناسب ہے) اور ہم نے ''رسالۃ الآداب'' میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

(۱۷۲) کھانا اس طرح نہ کھائیں کہ کوئی آنکھ ہم کو دیکھ رہی ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کھانا اس طرح نہ کھائیں کہ کوئی آنکھ ہم کو (کھاتے ہوئے) دیکھ رہی ہو۔ خواہ وہ نوکر ہو یا کتا، بلی۔ خصوصاً اگر یہ بھوکے ہوں۔ (تب تو ان کے سامنے ہرگز نہ کھانا چاہئے) اور وجہ (اس کی) یہ ہے کہ بعض نگاہوں میں ایک زہر ہوتا ہے جو اس سے نکل کر ہر مقابل چیز میں سرایت کر جاتا ہے۔ خاص کر دھوپ میں (تو جلدی اثر ہوتا ہے) دوسرے اس میں بھوکے پر رحم بھی ہے، خصوصاً بلی پر، کیونکہ وہ کمزور بھی ہے، اور اپنے پاس کھانے کے لئے کچھ ذخیرہ بھی جمع نہیں کرتی۔

اور عزیز من! ذرا سوچو تو کہ کتا اور بلی (کھاتے ہوئے) تم کو کس طرح گھورتے ہیں۔ جب تم لقمہ منہ کی طرف لیجاتے ہو تو وہ اپنا سر اونچا کرتے ہیں اور جب تم اس کو منہ میں رکھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور ظاہر ہے کہ علاج معالجہ بدون توجہ و شفقت و تسلی و تشفی کے نہیں ہوسکتا، تو جب ایک کافر ڈاکٹر بیماری کی حالت میں ہمارے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرے گا لا محالہ ہمارے قلب کو اس کی طرف رجحان ہوگا۔ اور کفار کی طرف قلب کا رجحان اور دل میں ان کی جگہ ہونا بہت سخت بات ہے۔ جس کو مؤمن صادق خود احساس کر سکتا ہے۔ اس لئے حتی الامکان اس سے بہت احتراز چاہئے، مسلمانوں کو بعض دفعہ عورتوں کی بیماری میں میموں سے علاج کرانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ مسلمان عورتوں نے حکمت و ڈاکٹری کا سیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جہاں تک ہو سکے اس سے بھی بچنا چاہئے۔ کیونکہ عورتوں کے قلوب مردوں سے بھی زیادہ محسن کی طرف جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی چند روزہ بیماری میں میموں کی صحبت کا کچھ اثر ضرور قبول کر لیتی ہیں۔ الا من عصمها الله.

اور اگر کسی سخت ضرورت سے علاج کرانا ہی پڑے تو مشن کی میموں کا علاج تو کبھی نہ کرائیں۔ سرکاری شفاخانوں کی میموں سے کرالیا کریں۔ اور اس میں بھی چند امور کا لحاظ رکھیں۔ جنکا ذکر وعظ ''الکمال فی الدین للنساء'' میں مفصل موجود ہے۔ یہ وعظ طبع ہو چکا ہے۔ ۱۲ مترجم

لیتے ہو تو سر جھکا کر مایوس ہو جاتے ہیں کہ یہ لقمہ تم ان کی طرف نہیں پھینکو گے۔ پس سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو تم اس منہ تکنے والے کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لو یا ان سے چھپ کر کھاؤ، اور کھانے سے فارغ ہو کر بچا کھچا ان کو دیدو۔

اور عزیز من! سب سے بڑھ کر تمہارے خادم کو مصیبت کا سامنا اس وقت ہوتا ہے جب کہ رمضان میں وہ روزہ دار ہو، اور افطار کے وقت تم کو اور تمہاری اولاد اور دوستوں کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہو اور اس انتظار میں ہو کہ ان سے کچھ بچے تو میں بھی کھاؤں۔

عزیز من! ایسے وقت میں خادم کو ایک جدا برتن میں کھانا دیدینا چاہئے تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ ساتھ کھاتا رہے۔ اور تمہارے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فارغ ہو جاوے۔ واللہ یتولی ھداك.

(۱۷۴) خوب پیٹ بھر کر نہ کھایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ خوب پیٹ بھر کر کبھی نہ کھایا کریں۔ خصوصاً رمضان شریف کی راتوں میں، بلکہ رمضان میں تو اس مقدار سے بھی کم کھانا چاہئے جتنا ہم اور دنوں میں کھاتے ہوں، کیونکہ یہ مہینہ تو بھوکا رہنے ہی کا ہے، اور جو شخص افطار اور سحری میں پیٹ بھر کر کھائے اس نے گویا روزہ ہی نہیں رکھا۔ اور وہ اس اثر (مقصود) کے اعتبار سے جس کے لئے روزہ مشروع ہوا ہے، روزہ نہ رکھنے والے کے حکم میں ہے۔ اور وہ اثر (مقصود) قوت شہوانیہ کا کمزور کرنا ہے۔ جس سے بدن میں (گھنے کی لئے) شیطان کے راستے تنگ (اور بند) ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اثر اس شخص سے بہت دور ہے جو گوشت اور شوربے سے پیٹ بھر (کر کھانا کھا) تا ہے۔ ہاں اگر کوئی عورت (بچے کو) دودھ پلانے والی ہو یا کوئی شخص دن میں مشقت کے کام کرتا ہو (جیسے قرآن یاد کرنا۔ درس دینا، پڑھانا، وعظ کہنا، ہل جوتنا وغیرہ) تو اس کو یہ بات انشاء اللہ مضر نہ ہوگی۔ (یعنی اس کو پیٹ بھر کر کھانے کا مضائقہ نہیں)۔

اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں اچھی طرح بھوکا رہے گا وہ آئندہ رمضان تک شیطان سے محفوظ رہے گا، کیونکہ روزہ دار کے بدن کے لئے روزہ بمنزلہ ڈھال

کے ہے جب تک وہ اس کو (کسی گناہ سے) پھاڑے نہیں[1]، اور اگر وہ (کوئی گناہ کر کے) اس (ڈھال) کو پھاڑ دے گا تو شیطان اس پھٹن ہی (کے راستہ) سے (اس کے بدن میں) داخل ہو جائے گا۔

اور ہم نے رسالہ "الآداب" میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ علیم حکیم.

(۱۷۴) حتی الامکان ہر شخص کا کھانا نہ کھایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حتی الامکان ہر شخص (کے یہاں) کا کھانا نہ کھایا کریں، کیونکہ (آج کل) اکثر لوگ کمائی میں حلال و حرام کی پروا نہیں کرتے اور) لقمۂ (حرام) ہر کھانے والے میں اس کے درجہ کے موافق (ضرور) اثر کرتا ہے۔ عام مؤمنین پر تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان سے افعال شنیعہ صادر ہوتے ہیں، جن کی ان کو (کبھی) عادت (بھی) نہ تھی۔ اور کاملین پر یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کو فضول (خیالات اور بیہودہ) خطرات کثرت سے آنے لگتے ہیں۔ اور جو کاملین سے بھی اونچے ہیں ان پر جو کچھ اثر ہوتا ہے اس کو اسی درجہ کے لوگ سمجھ سکتے ہیں۔

پھر عزیز من! یہ بات تم سے مخفی نہ رہے کہ اگر تقدیر سے کبھی ایسا ہو جائے کہ تم ایسی نامناسب چیز کھالو جس پر شریعت کو کچھ اعتراض ہے تو اس کو قے کر کے (پیٹ سے) نکال دینا چاہئے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آیا ہے[2]۔ واللہ غفور

---

(۱) مسند احمد ص۱۸۵ ج۱۔ مرتب

(۲) واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ان کا غلام کچھ دودھ کما کر لایا اور آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے پی لیا۔ پینے کے بعد اس نے کہا کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ یہ دودھ کیسا تھا؟ فرمایا نہیں۔ کہا میں نے زمانۂ جاہلیت میں جھوٹ موٹ بطور کہانت کے ایک شخص کو کچھ بتلا دیا تھا۔ اس کے موافق اس کا کام ہو گیا، تو وہ مدت کے بعد آج مجھ سے ملا اور اس کہانت کی اجرت میں یہ دودھ اس نے مجھے دیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر منہ میں انگلی ڈال کر سارا دودھ قے کر دیا، کیونکہ کہانت حرام ہے۔ اور اس کی اجرت بھی حرام ہے۔ ۱۲ مترجم

الرحیم

(۱۷۵) اپنی حالت کے درست ہو جانے سے دھوکہ نہ کھائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی حالت کے درست ہو جانے سے دھوکہ نہ کھائیں، اور نہ اس سے کہ ہمارے ہاتھوں نیک کام بہت ہو رہے ہیں مبادا کہیں اپنے اعمال پر عجب نہ پیدا ہو جائے اور اس کا برا انجام مخفی نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے گھی میں زہر ملا ہوا ہو (کہ ظاہر میں خوشنما معلوم ہوتا ہے اور باطن میں قاتل)۔

اور اسی طرح اگر ہم تقدیر سے کسی ایسے کام میں مبتلا ہو جائیں جو ہم کو (شرمندہ اور) سرنگوں کر دے تو (اس وقت) اپنے پروردگار کی تقدیر پر ناخوش نہ ہوں (کہ اس نے ہمارے لئے یہ گناہ کیوں مقدر کیا) کیونکہ حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس میں ہمارے لئے کیا مصلحت ہے، جیسے بزمایہ [1] یہ دودھ کی اصلاح کرتا ہے، تم کو معلوم ہے کہ دودھ کا رنگ اور مزہ کتنا پاکیزہ ہے مگر بایں ہمہ اس میں بزمایہ کے ملانے کی ضرورت ہوتی ہے جس کی صورت بھی بدنما اور بو بھی خبیث ہے، کیونکہ اس سے دودھ جم جاتا اور مدت تک برقرار رہتا اور زمانہ کے تغیر و آفات کا متحمل ہو جاتا ہے، اور اگر بزمایہ (اسمیں) نہ ہو تو وہ بہت جلد متغیر ہو کر ضائع ہو جائے (اسی طرح گناہ گو خبیث اور بری چیز ہے، مگر بعض دفعہ اس سے انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے، اگر انسان سے کبھی غلطی اور خطا نہ ہو تو وہ عجب و کبر میں مبتلا ہو کر بہت جلد تباہ ہو جائے اور عجز و نیاز کی صفت سے بالکل محروم ہو جائے)۔

اور ابن وفار حمہ اللہ تعالیٰ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

کلما یشعران وقتی راق　　　یخترع تشویشا یظلم الآفاق

(ترجمہ) جب بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا وقت بہت اچھا ہے تو حق تعالیٰ تشویش پیدا

---

(۱) جیسے شترمایہ اونٹ کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، اسی طرح بکری کا بچہ جب تک دودھ پیتا ہو گھانس نہ کھاتا ہو، اس کے پیٹ سے بھی ایک زرد چیز نکالی جاتی ہے، عربی میں اس کو انفحہ اور منفحہ کہتے ہیں، اس سے بھی دودھ کو جمایا جاتا ہے۔ کذا یظهر من القاموس۔ ۱۲ مترجم۔

کر دیتے ہیں جو آفاق کو تاریک کر دیتی ہے (یعنی جب سالک پر بسط کا غلبہ ہوتا اور وہ اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر قبض شدید کو مسلط فرمادیتے ہیں)

اور سیدی افضل الدین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کی ایسی مثال ہے[1] جیسے مٹھائی میں زہر ملا ہوا ہو، اور جس کو حق تعالیٰ چاہتے ہیں بچالیتے ہیں (یعنی عبادات جس طرح لذیذ و شیریں ہیں اسی طرح ان میں یہ زہر بھی ملا ہوا ہے، کہ عبادت کرنے والے کو اس سے عجب و تکبر ہونے لگتا ہے۔ (الامن شاء اللہ)

(۱۷۶) اپنی تربیت کے لئے علماء صالحین میں سے کوئی نہ ملے تو شریف لوگوں سے ادب حاصل کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم کو اپنی تربیت اخلاق کے لئے علماء صالحین میں سے کوئی دستیاب نہ ہو تو ہم بڑے طبقہ کے (مہذب اور) شریف لوگوں سے ادب حاصل کریں، کیونکہ ان کے اندر وہ آداب ہوتے ہیں جو دوسروں میں نہیں ہوتے، مثلاً حیاء و کرم اختیار کرنا، اور اپنی مجالس میں فحش بات نہ کہنا اور اگر اپنے دوستوں اور آشناؤں میں سے کسی کے متعلق فحش بات معلوم ہو جاوے تو اس کی اشاعت نہ کرنا اور معمولی آدمیوں کے ساتھ بہت تواضع سے پیش آنا، حتیٰ کہ اکثر شرفاء اپنے گھر کے دربان سے[2] بھی زیادہ متواضع ہوتے ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو (اور ان لوگوں سے اخلاق و آداب سیکھو)۔

(۱۷۷) مجذوبوں سے میل جول نہ رکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مجذوبوں سے اختلاط نہ کیا کریں، مگر جب کہ ہم کو اپنے نفس کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہمارے دل میں بیہودہ خطرات ان کے اختلاط کے وقت نہ

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ عبادات میں اخلاص کی رعایت لازم ہے، ہمارے حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ حجابات نورانی حجابات ظلماتی سے اشد ہیں۔ سمعتہ من سیدی حکیم الامت دام مجدہم۔ ۱۲ مترجم

(۲) یعنی ان کے نوکروں اور خادموں میں بھی کچھ تکبر ہوتا ہے، مگر ان میں نہیں ہوتا۔ ۱۲ مترجم

آوینگے، (اس حالت میں ان سے اختلاط کا مضائقہ نہیں) کیونکہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو خطرات مذمومہ پر مطلع کر دیتے ہیں تو ان کے سامنے برا خطرہ (دل میں) آنا ایسا ہے جیسا کوئی شخص برا کام کھلم کھلا کرے، یا زبان سے ظاہر کر دے۔

اور سیدی محمد سوسی، شیخ مدین رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھے رہا کرتے تھے اور (حاضرین میں سے) جس کے دل میں بری بات کا خطرہ آتا، فوراً کھڑے ہو کر لاٹھی سے اس کو مارتے، اور فرماتے کہ تجھ کو شرم نہیں آتی، اور اس میں وہ کسی کا لحاظ نہ فرماتے تھے، خواہ فقیر ہو یا امیر ہو۔

اور سیدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ مجذوبوں کو دل سے سلام کیا کرو، اور ان کے ساتھ اپنی طرف سے بات چیت کی ابتداء نہ کیا کرو، نہ خود انہیں کچھ دو، (ہاں وہی گفتگو شروع کریں تو جواب دیدیا کرو)۔

(۱۷۸) اہم کام میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرنا نہ چھوڑیں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ کسی اہم کام میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرنا نہ چھوڑیں جیسے نکاح کرنا، اور سفر حج کرنا، اور گھر کی تعمیر کرنا، یا کسی بڑی خوشی کا سامان کرنا، یا بیوی کو طلاق دینا وغیرہ وغیرہ، تاکہ اگر (خدانخواستہ) اس کام کی وجہ سے ہم کسی مصیبت (یا پریشانی) میں مبتلا ہو جائیں تو وہ (مشورہ دینے والے) ہماری امداد کریں، اور ہر ایک یوں کہے کہ میں نے اس کام کا مشورہ اس کو دیا تھا (میرے کہنے سے اس نے یہ کام کیا ہے، اس لئے مجھے اس کی امداد کرنا چاہئے) تو اس کے دوست (احباب پریشانی کے) بوجھ کو تقسیم کر لیں گے، (اور یہ تنہا مصیبت میں نہ مرے گا) اور جس کام میں کسی سے مشورہ نہ کیا ہو اس میں اگر کچھ پریشانی پیش آئے تو لوگ اس کی امداد نہیں کرتے، بلکہ بعض تو خوش ہوتے ہیں۔

سیدی افضل الدین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مشورہ ایسا ہے جیسے سوتے کو جگانا، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جو جگانے سے بھی نہ جاگیں (اسی طرح ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مشورہ سے صحیح بات نہ معلوم ہو، بلکہ اکثر مشورہ کرنے سے کوئی بہتر صورت ضرور نکل آتی ہے)

اور ہم نے اس مضمون پر دوسری کتابوں میں مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ واسع علیم.

(۱۷۹) صبح وشام استغفار کثرت سے کیا کریں

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ (ہر دن) صبح وشام استغفار کثرت سے کیا کریں، خواہ ہم سے اس دن کوئی گناہ سر زد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور میرے نزدیک آج کل کامل تر استغفار یہ ہے کہ بندہ ہزار دفعہ صبح کو اور ہزار دفعہ شام کو یوں کہا کرے "استغفر اللہ العظیم الذی لاالہ الا ھوا الحی القیوم واتوب الیہ من کل ذنب فعلتہ الی وقتی ھذا" (میں اس خدا تعالیٰ عظیم و برتر سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جو حی و قیوم ہے مغفرت چاہتا ہوں، اور اس کی طرف ان سب گناہوں سے توبہ کرتا ہوں جو میں نے اس وقت تک کئے ہیں)۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کرنا تو (اس کو) عذاب سے زیادہ قریب (کر دیتا) ہے، کیونکہ وہ اس وقت (اپنے نزدیک) گویا حضرت حق سے بے فائدہ خطاب کر رہا ہے اور اس کا گستاخی ہونا ظاہر ہے) اور ان گناہوں کو پیش نظر کر کے استغفار کرنا جو اپنے کو معلوم ہیں ناقص استغفار ہے، کیونکہ ممکن ہے اس سے کوئی گناہ ایسا ہوا ہو جو خدا تعالیٰ کو یاد ہو اور یہ بھول گیا ہو، اس لئے ہم نے (صیغۂ مذکورہ میں) گناہ کو نکرہ استعمال کیا (جو تمام گناہوں کو شامل ہے) ان کو بھی جو یاد ہیں اور ان کو بھی جو ہم کو یاد نہیں۔

اور اس مقام پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ فرشتوں کا استغفار تو کامل ہوتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کا بھی جو ملائکہ کے مثل ہیں، (حالانکہ فرشتے تو اپنے کو بے گناہ سمجھ کر ہی استغفار کرتے ہیں، کیونکہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں، پھر تم نے یہ کیسے کہا کہ اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کرنا عذاب سے قریب ہے)۔

جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو ان لوگوں میں ہے جو حق تعالیٰ شانہ سے اپنی ذات کے واسطے مغفرت طلب کرتے ہیں (اور فرشتے اپنی ذات کے لئے استغفار نہیں کرتے، بلکہ مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، پس وہ اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا استغفار دوسروں کے لئے ہے، مگر جو شخص اپنے واسطے مغفرت طلب کرتا ہو اس

کا اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کرنا یقیناً گستاخی ہے[1])۔

(۱۸۰) اپنے دوستوں کو قیل و قال کی مجلسوں میں نہ بیٹھنے دیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنی دوستوں کو قیل و قال کی مجلسوں میں نہ بیٹھنے دیں نہ لوگوں کے عیوب (چھاننے) اور ان احکام کی طعن تشنیع میں پڑنے دیں جن کو والیان ملک مقرر کرتے ہیں۔ جیسے قاضی اور امیر البلد اور افسر فوج وغیرہ وغیرہ، یہ حکم تو اس وقت ہے جب کہ یہ لوگ (چوپالوں اور) کوڑیوں پر بیٹھ کر یہ باتیں کریں، اور اگر مسجدوں میں یا جامع مسجد میں اس کام کے لئے بیٹھیں، اس حالت سے کہ وہاں قرآن پڑھا جارہا ہو اور اس کی طرف کوئی بھی کان نہ لگاتا ہو اس کا تو بھلا پوچھنا ہی کیا (اس سے تو نہایت سختی کے ساتھ منع کرنا چاہئے) خوب سمجھ لو، (میں کہتا ہوں کہ اخبار بینی[2] بھی اس میں داخل ہے سالکین و مسلمین کو اس سے احتراز چاہئے)۔

(۱۸۱) فتنہ کے دنوں میں اپنے گھر میں رہا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ فتنہ کے دنوں میں جب کہ لوگوں کے دل پریشان ہوں

---

(۱) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ تم اس کا ثبوت دو کہ ملائکہ اپنے کو بے گناہ سمجھتے ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کا ثبوت دو کہ ان کا استغفار مسلمانوں کے استغفار سے کامل تر ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر وہ اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کریں تو یہ گستاخی میں داخل نہ ہوگا، کیونکہ ان کا ایسا سمجھنا جھوٹ نہیں، مگر انسان ناقص کو اپنے کو بے گناہ (سمجھنا ضرور گستاخی ہے، کیونکہ وہ تو سراپا گناہ ہے، پھر کیسے اپنے کو بے گناہ سمجھتا ہے، اور انسان کامل کا اپنے کو بے گناہ سمجھنا اگرچہ جھوٹ نہ ہوگا، مگر عادت یہ ہے کہ انسان جتنا کامل ہوتا ہے اتنا ہی اپنے کو خطاوار و گناہگار سمجھتا اور حق تعالیٰ سے تو لرزاں، ترساں ہوتا ہے، اس لئے وہاں عادۃً یہ امر ممتنع ہے کہ وہ اپنے کو بے گناہ سمجھ کر استغفار کرے۔ ۱۲ مترجم

(۲) اخبار بینی میں مفاسد مذکورہ کا ہونا مشاہد ہے، اس کے متعلق حضرت حکیم الامت دام ظلہم کا رسالہ "اخبار بینی" قابل مطالعہ ہے۔ ۱۲ مترجم

اپنے گھر میں رہا کریں، اور چلنا پھرنا اور شہروں میں سفر کرنا کم کردیں، جب تک ہمارے پاس (کھانے کو) روٹی (موجود) ہو اور کسی کا ایسا قرض بھی نہ ہو جس کی ادا کا مطالبہ ہو۔

نیز فتنہ اور پریشانی کے دنوں میں گھر بھی تعمیر نہ کریں، نہ کوئی باغ لگائیں، نہ کوئی خوشی کریں، نہ فرحت کی جگہ میں (دوست احباب کی) دعوت کریں، اور نہ ہنسیں، نہ مذاق کریں، نہ (بیوی سے) ہم صحبت ہوں، نہ لباس فاخرہ پہنیں، نہ بلا ضرورت خوشبو لگائیں (اور ضرورت کے وقت مضائقہ نہیں) اور سخت ضرورت (کی مثال) یہ ہے کہ ہم کو حق تعالیٰ کے سامنے ہونے کا مشاہدہ ہو (تو اس وقت دربار الٰہی کی حاضری کے لئے عمدہ لباس پہننے اور خوشبو لگانے کی اجازت ہے) اور منجملہ ضرورتوں کے یہ بھی (ایک ضرورت) ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے مجمع میں ملنے جائے۔

نیز ہم کو (ایسے ایام میں) حمام میں بھی نہ جانا چاہئے۔ اور نہ کپڑے دھونے چاہئیں، البتہ کسی نجاست ظاہری یا شرعی کی وجہ سے (مضائقہ نہیں) اور نہ زینت کے لئے کپڑے پہننے چاہئیں۔ ہاں کسی ضرورت سے (پہننے کا حرج نہیں) جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اور (ضرورت کے وقت بھی) محض تنعم کے طور پر لوگوں کی مصیبت و پریشانی سے غافل ہو کر یہ کام نہ کریں، کیونکہ ایسا کرنا حقیقت میں بہائم کی خصلت ہے (انسان کی یہ خصلت نہیں کہ اس کو دوسروں کا فکر نہ ہو محض اپنا ہی فکر ہو) کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی حالت سے فکر مند نہ ہو وہ ناقص مسلمان ہے۔ اور ہم نے رسالہ ''الآداب'' میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ واسع علیم

(۱۸۲) کوئی ظالم یا اس کا نوکر ہمارے سلسلہ میں داخل ہو تو اس کو ادب کا طریقہ سکھلانا چاہئے

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی شخص ظالموں میں سے یا ان کے نوکروں میں سے ہمارے سلسلہ میں داخل ہونا چاہے اور اس ملازمت سے علیحدگی اختیار کرنے میں ہماری اطاعت نہ کرے خواہ وہ ملازمت ظلم ہی کی ہو (جیسے چونگی وغیرہ کی) یا ملازمت تو ظلم کی نہ ہو مگر وہ خود اس میں ظلم کرنے سے باز نہ آئے تو ہم اس شخص سے قطع تعلق نہ کریں، بلکہ اس کو

ادب (کا طریقہ) سکھلائیں۔ اور اس کو مخلوق خدا پر شفقت کرنے اور اپنے نفس کے لئے اور اہل و عیال کے لئے تھوڑی (آمدنی) پر راضی رہنے کا حکم کریں اور اس سے یہ کہیں کہ اگر تو اس منصب کی آمدنی میں ضرورت سے زیادہ ہاتھ پھیلائے گا اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی نہ کریگا تو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں تجھ کو عذاب ہوگا۔ اور جہاں تک ہم سے ہو سکے اس کو ڈرائیں۔

قطع تعلق کرنے سے یہ صورت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ظلم کی ملازمتیں آج کل خالی نہیں رہ سکتیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور ان عہدوں پر کوئی نہ کوئی شخص ضرور مقرر ہوگا۔ خواہ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے۔ (جب یہ عہدے خالی نہیں رہ سکتے تو ہمارا ان لوگوں سے قطع تعلق کرنا اور ان عہدوں سے ان کے علیحدہ ہونے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ اگر ایک مسلمان الگ ہو بھی گیا تو کوئی دوسرا اس جگہ پر آجائے گا اور نہ معلوم مسلمانوں کے ساتھ وہ دوسرا شخص کیسا برتاؤ کرے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ اس عہدے پر کوئی اپنا ملنے والا ہی رہے جس پر ہمارا تھوڑا بہت اثر ہو، کیونکہ ہماری نصیحت اور سمجھانے بجھانے سے وہ ضرور کچھ سنبھل کر کام کرے گا اور بہ نسبت دوسروں کے وہ پھر مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہوگا) کیونکہ اب حکام میں ایسا کوئی نہیں رہا جو ظلم کے مٹانے میں کسی درویش کی سفارش کو قبول کرلے، اور جس کسی کو درویشوں میں سے اس بات میں شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھ لے، (ایسی حالت میں اس کو غنیمت سمجھو کہ ان عہدوں پر کوئی تمہارے سلسلہ کا آدمی متعین ہو۔ کیونکہ اس سے امید ہے کہ کسی وقت میں تمہارے کہنے سے وہ ظلم کو مٹادے گا)

اور ہم نے رسالۃ ''الآداب'' میں اس عہد پر خوب مفصل کلام کیا ہے اور اس میں والی اور افسر چونگی اور مشعلچی اور کوتوال اور شیخ العرب و محتسب وغیرہ سب کے متعلق احکام بیان کئے ہیں۔ اس کو دیکھنا چاہئے۔ واللہ علیم حکیم

(۱۸۳) کسی زمین میں ہم سے خدا کی نافرمانی ہو جائے تو اسی زمین میں کوئی نیک کام بھی کرلیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کسی زمین میں ہم سے خدا کی نافرمانی ہو جائے تو جب

تک ہم اس میں کوئی نیک کام نہ کرلیں اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹیں۔اگر چہ دو رکعت نماز ہی پڑھ لیں (کم از کم) "استغفر اللہ" یا "لا الہ الا اللہ" اور اس کے مثل (کوئی کلمہ ذکر) ہی کہہ لیں تاکہ جس طرح وہ زمین اپنے اندر گناہ کرنے کی ہمارے متعلق گواہی دے گی، اسی طرح اپنے اندر نیک کام کرنے کی بھی ہمارے لئے گواہ بن جائے جب قیامت کے دن اس سے گواہی طلب کی جائے گی۔ پھر اس کے بعد ہم اس زمین سے الگ ہو جائیں۔

اسی طرح جب کسی ظالم کو عہدۂ ظلم سے الگ کیا جائے تو اس کو بھی معزول ہونے سے پہلے کوئی نیک کام کر کے الگ ہونا چاہئے جیسا کہ بعض (عارفین) نے فرمایا ہے تو جیسا وہ عہدہ اس کے خلاف گواہی دے گا، اسی طرح اس کے موافق بھی گواہی دیگا اور یہ باریک بات ہے جس پر اکثر لوگوں کی نظر نہیں پہنچتی، بلکہ وہ (اس کے خلاف) یوں کہتے ہیں کہ جب کسی جگہ میں تم سے خدا کی نافرمانی ہو جائے تو فوراً وہاں سے الگ ہو جاؤ۔ اور اگر وہ ہماری طرح (نیک کام کر کے الگ ہونے کو) کہتے تو دونوں پہلوؤں کی رعایت کر لیتے۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ ملامت حقیقت میں گناہ کرنے والے پر ہے نہ کہ اس زمین پر۔ پس لوگوں کا اس زمین کو برا کہنا مجازاً ہے بوجہ اتصال (بالمعصیت) کے۔ اس کو خوب سمجھ جاؤ، کیونکہ نفیس بات ہے، واللہ حفیظ علیم.

(۱۸۴) ہمارا کوئی دوست کسی بد کی صحبت میں بیٹھنے لگے تو اس سے قطع تعلق کرنے میں جلدی نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارا کوئی ایسا دوست جو ہمارے نزدیک نیک آدمی ہے کسی بد کی صحبت میں بیٹھنے لگے تو ہم اس سے قطع تعلق کرنے میں جلدی نہ کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نیت یہ ہو کہ اس بد کو خفیہ طور پر آہستہ آہستہ نصیحت کرے تاکہ وہ اپنی بدی سے توبہ کرے، بلکہ ہم کو مناسب یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب کی طرف نظر نہ کیا کریں۔

اور جو شخص اپنے دوست سے بدوں کی صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے قطع تعلق کرے اس سے یہ کہیں کہ تیرا قطع تعلق کرنا اس کی دلیل ہے کہ تو اپنے آپ کو نیک سمجھتا ہے، اگر

تو اپنے آپ کو بھی بد سمجھتا تو اس حالت میں اس سے قطع تعلق نہ کرتا، کیونکہ اس وقت غایۃ الامر یہ ہے کہ وہ ایک بد کی صحبت چھوڑ کر دوسرے بد کی صحبت میں چلا گیا۔

بلکہ ہم کو مناسب یہ ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ اپنے دوست کے تعلق کو دیکھ کر اس کی نیکی پر استدلال کریں اور یہ سمجھیں کہ اگر وہ نیک نہ ہوتا تو ہمارا یہ دوست جو ہمارے نزدیک نیک آدمی ہے اس کی صحبت ہرگز اختیار نہ کرتا اور اس کے متعلق جو بری باتیں مشہور کی جاتی ہیں جب تک ہم کو ان کی تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک ان کو سوء ظن (بدگمانی) پر محمول کرنا چاہئے جو (اکثر) فاسقوں کو (نیک) مسلمانوں سے ہوا کرتی ہے، کیونکہ آج کل بغض و حسد کینے والے لوگوں میں بکثرت موجود ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ اور خدا تعالیٰ تم کو بذات خود ہدایت کریں۔

(۱۸۵) ہمارے گھر جس قدر غیر موذی جانور و کیڑے وغیرہ رہتے ہوں ان کی خبر گیری کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے گھر میں جس قدر جانور[۱] اور کیڑے مکوڑے رہتے ہوں جیسے بلی اور نیولا، اور مکھی، اور چیونٹی وغیرہ، ان سب کی خبر گیری کریں اور اپنے آپ ان کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں رکھدیا کریں یا کسی معتبر خادم اور بال بچے کو اس کی ہدایت کردیں، خصوصاً رمضان کے دنوں میں کیونکہ ان دنوں میں لوگ کھاتے پیتے نہیں ہیں تو بلی (وغیرہ) کو کھانے کی کوئی چیز (گری پڑی) نہیں ملتی۔ پس کھانے والے کو مناسب ہے کہ شام یا صبح کے کھانے میں سے حشرات الارض کے لئے کچھ بچادیا کرے اور ان کے لئے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے چھوڑ دیا کرے۔

یہ سب اس لئے (کرنا چاہئے) تاکہ حق تعالیٰ ہم کو ان لوگوں کے دفتر میں داخل کردیں جو جانوروں کے ساتھ بھی احسان کرنے والے ہیں اور جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی

---

(۱) اس سے موذی جانور مستثنیٰ ہیں جیسے چوہا، سانپ، بچھو، چھپکلی وغیرہ ان کے لئے تو قتل کا حکم ہے، مار ڈالنا چاہئے۔ ۱۲ مترجم

کریگااس کواس دن دیکھ لے گا جس دن کوئی شخص اپنے کسی عمل کو بھی (نظر سے) غائب نہ پائے گا۔

اور ہم کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے گھر میں رہنے والے جانوروں کو انہی کی ذات کے حوالہ کردیں (اور خود خبر نہ لیں) کیونکہ بعض دفعہ اس کی سزا میں حق تعالیٰ بھی ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیتے ہیں (اور خود خبر گیری نہیں فرماتے) تو ہم بھی بھوکے یا پیاسے ہلاک ہو جاتے ہیں، جیسے وہ جانور ہلاک ہوئے تھے۔

اور عزیز من! یہ جانور تیرے پاس آمدورفت یا قیام محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ تیرے ساتھ حسن ظن کر کے تجھ سے احسان اور عطا اور نیکی کے امیدوار ہوتے ہیں۔ پس (اپنے امیدوار کی) امید و گمان کو تم ناکام مت کرو۔

اور عزیز من! جب تم کسی چیونٹی کو چلتے پھرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے جان دینے پر آمادہ ہو کر اپنے سوراخ سے محض خوراک کے لئے نکلی ہے کیونکہ سوراخ سے نکل کر وہ سخت معرض خطر میں ہے، کبھی جوتے کے نیچے آجانے کا اندیشہ ہے، کہیں جانوروں کے جسم سے پس جانے کا خطرہ ہے تو جب تم اس کو چلتا پھرتا دیکھو تو اس کے راستہ میں کوئی چیز ڈالدو (تاکہ وہ جلدی ہی اپنے سوراخ میں واپس چلی جاوے) یا اس کے سوراخ کے دروازہ پر کوئی ایسی چیز رکھ دو جسے وہ کھا سکتی ہو۔ جیسے آٹا، یا دانہ، یا پانی (یا شکر وغیرہ) اور اس پر روزی حاصل کرنے کا راستہ آسان کردو حق تعالیٰ تم پر تمہاری روزی کا راستہ آسان کردیں گے۔

اور عزیز من! جب حق تعالیٰ تم کو وسعت دیں تو اس بات سے بچو کہ اپنے گھر میں گھومنے والی چیونٹیوں کے لئے روزی تک پہونچنے سے کوئی رکاوٹ پیدا کردو۔ جیسے تار کول لگادینا یا چھت میں چھینکا لٹکادینا یا (کھانے پینے کی چیز کو) ایسی جگہ رکھنا جہاں وہ نہ پہونچ سکے۔ کیونکہ شاید حق تعالیٰ بھی عدل کے قاعدہ سے تمہارے واسطے کوئی ایسا آدمی مقرر کردیں جو تمہارے رزق کے راستہ میں ایسی رکاوٹ پیدا کر کے تم کو پریشان کردے جیسے تم اپنے گھر کے جانوروں کے رزق میں رکاوٹ کر کے ان کو پریشان کرتے ہو۔ اور اگر رکاوٹ کرنے کی

ایسی ہی ضرورت ہو تو ان جانوروں کے لئے ایک خاص حصہ الگ مقرر کردو (اور اس کو ان کے سامنے رکھ دو) کیونکہ وہ بھی سب گھر والوں کے ساتھ رزق میں شامل ہیں، پھر اس کے بعد (اگر چاہو تو) رکاوٹ کر دو۔

اور (دیکھو!) اگر بلی تمہارے دستر خوان پر سے مرغی (کا گوشت یا کچھ اور) اٹھالے جائے تو ازراہ کرم اس کے مارنے سے بچو، کیونکہ اس نے یہ اسی وقت اٹھایا ہے جب کہ تمہارے بخل کا اسے تجربہ ہو گیا۔ اور تمہارے احسان وسلوک سے ناامید ہو چکی اور بارہا دیکھ چکی کہ تم ہڈیوں کو اس قدر چباتے (اور چوستے) ہو کہ ان پر گوشت اور کھال اور پٹھوں کا نام بھی نہیں رہتا۔ پھر گندہ بنا کر پھینک دیتے ہو (جو بلی کے کسی کام کا نہیں رہتا) اور اگر تم اس کی خبر گیری رکھتے چاہے مرغی کے چھیچھڑے اور رگ پٹھے اور سر (پیر) ہی اس کے سامنے ڈال دیا کرتے یا ہڈی پر کچھ گوشت کا حصہ چھوڑ کر اسے دے دیا کرتے تو وہ (دستر خوان پر سے کچھ) نہ اچکتی۔ پس ملامت (جو کچھ ہے) تم پر ہے اس پر کچھ ملامت نہیں (پھر اسے کیوں مارتے ہو؟) واللہ اعلم۔

(۱۸۶) اپنے احوال اور طاعات میں سے کسی میں بھی کمال کا دعویٰ نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے احوال اور طاعات میں سے کسی میں بھی حتیٰ کہ ایمان میں بھی کمال کا دعویٰ نہ کریں، کیونکہ شرط کمال یہ ہے کہ اس پر (آگے) زیادتی نہ ہو سکے۔ اور یہ بات نادر الوجود ہے (طاعات یا احوال یا ایمان میں بجز انبیاء علیہم السلام کے ایسا کامل کون ہے جس کی ان صفات میں زیادت کی گنجائش نہ ہو، یقیناً ہر شخص جس درجہ پر ہے اس سے آگے بھی اور درجات ہیں پھر دعویٰ کمال کیا۔ ۱۲)

اور جو شخص اس عہد پر راسخ ہو جائے گا وہ کبھی اس شخص سے مکدر نہ ہو گا جو اسے ناقص الدین یا فاسق (جاہل وغیرہ) کہہ دے۔ اور (یاد رکھو! جو شخص زبان سے کمال کا دعویٰ کرے اور واقع میں وہ کامل نہ ہو اس کے افعال ہی اس کو جھٹلا دیں گے (اور جو واقع میں کامل ہو گا وہ زبان سے دعویٰ کبھی نہ کرے گا۔ ہاں کبھی تحدث بالنعمۃ کے طور پر بیان کر دے تو اور

بات ہے۔ اور دعویٰ اور تحدث بالنعمة کو تاڑنے والے تاڑ لیتے ہیں ہر شخص کا طرز بیان اور لب ولہجہ کہہ دیتا ہے کہ یہ دعویٰ کر رہا ہے یا اللہ جل شانہ کے انعامات کو اپنے اوپر ثابت کر رہا ہے۔ ۱۲)

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مؤمن کامل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نزدیک (نظر سے) غائب ہونے والی چیزیں مشاہدہ کی ہوئی چیزوں کے برابر ہوں۔ یعنی جن باتوں کی حق جل وعلا شانہ نے خبر دی ہے ان میں کسی قسم کا شک نہ ہو اور ایسا یقین ہو جیسا آنکھ سے دیکھی ہوئی بات کا یقین ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی جان ومال اور بیبیوں کے متعلق اس پر اتنا اطمینان ہو کہ اگر اس کو اپنی بیوی اور بال بچوں کے پاس چھوڑ کر گھر سے چلے جائیں جن میں اعلیٰ سے اعلیٰ خوبصورت بھی ہوں تو اس پر کسی قسم کی تہمت کا ان کے دل میں وسوسہ بھی نہ آئے۔ پس ایسا شخص مؤمن کامل ہے (اس کو سمجھ کر پھر دعوی کا منہ کرنا) اس مضمون کو خوب سمجھ لو۔ یہ بہت نافع ہے، واللہ یتولی هداك

(۱۸۷) تلاوت قرآن یا مطالعہ حدیث کو منقطع کرنے کا ایک ادب

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم تلاوت قرآن میں مشغول ہوں، یا حدیث شریف کے پڑھنے میں، یا اولیاء علماء میں سے کسی سے بات چیت کر رہے ہوں تو تلاوت وقرأت اور گفتگو کو ان سے کم رتبہ لوگوں کے ساتھ بات کرنے کے لئے اس وقت تک قطع نہ کریں جب تک پہلے یوں نہ کہہ لیں کہ یا الٰہی میں اجازت چاہتا ہوں[1]۔ یا کہ یا نبی اللہ میں اجازت چاہتا ہوں[2]، یا اے جناب میں اجازت چاہتا ہوں[3]، کہ فلاں سے ایک بات کر لوں۔ جو شخص اس عمل پر مداومت رکھے گا اس کو حق تعالیٰ کا حضور اور کامل یادداشت حاصل ہو جائے گی۔

---

(۱) یہ تلاوت قرآن کے درمیان میں بات چیت کرنے کے وقت کہے۔ ۱۲

(۲) یہ حدیث کے درمیان میں بات کرنے کے لئے کہے، مگر یہ ہر ایک کو جائز نہیں۔ ۱۲

(۳) یہ کسی عالم یا بزرگ سے بات کرتے ہوئے دوسرے سے گفتگو کرنے کے لئے کہے۔ ۱۲

اسی طرح ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیج رہے ہوں یا دعا میں مشغول ہوں اور اس وقت نیند آنے لگے تو خاموش ہو جایا کریں، کیونکہ ادب کی بات یہ ہے کہ ہم حق تعالیٰ سے مناجات میں اس وقت تک کبھی مشغول نہ ہوں جب تک حواس پوری طرح مجتمع نہ ہوں اور توجہ سے ایک بال بھی غافل نہ ہو (مگر جس کو ابتداء میں ایسی توجہ پر قدرت نہ ہو وہ بتکلف جس طرح ہو سکے ذکر میں مشغول ہو جایا کرے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ توجہ کامل نصیب ہو جائے گی، البتہ نیند کے وقت ہر شخص کو زبان سے ذکر موقوف کر دینا چاہئے، مبادا غفلت میں زبان سے کچھ کا کچھ نکلنے لگے۔ ۱۲) واللہ علیم حکیم.

(۱۸۸) جماع کے وقت اپنے دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جماع کے وقت اپنے دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کریں، کیونکہ وہ بھی عبادت ہے (تو اور عبادت کی طرح اس میں بھی حضور مع اللہ کا خیال رکھنا چاہئے۔ ۱۲) اور اس عہد پر بجز اس شخص کے جو شہوت بہیمیہ کے دائرہ) سے نکل چکا ہو اور کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات نادر الوجود ہے۔ ورنہ اکثر لوگ تو لذت جماع میں (مغلوب ہو کر) حق تعالیٰ سے، بلکہ لذت کے سوا ہر چیز سے غافل ہو جاتے ہیں۔ پس عزیز من! اگر ہمیشہ نہ ہو سکے تو کبھی کبھی تو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ یتولی ھداک.

(۱۸۹) جن ایام میں حمل قرار پانے کی توقع ہو ان میں اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ درست نہ ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جن ایام میں حمل (قرار پانے) کی توقع ہو ان میں اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ درست نہ ہو، کیونکہ بعض دفعہ ایسے وقت نطفہ قرار پا جاتا ہے جب کہ ہماری حالت درست نہیں ہوتی، تو لڑکا بھی انہی صفات پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اس کے حق میں برا ہوتا ہے، اب یہ بات معلوم

ہو گئی کہ لڑائی جھگڑے کے دنوں اور جن ایام میں قلب دنیا پر متوجہ ہو اور حب جاہ اور غفلت عن اللہ میں منہمک ہو، جماع کرنا مناسب نہیں، ورنہ لڑکا بھی انہی صفات کے ساتھ متصف ہو کر پیدا ہو گا۔ واللہ علیم حکیم۔

اور عنقریب چار ورق کے بعد یہ عہد ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ آئے گا

اپنی بیوی اور باندی کی نگاہ میں اپنی عزت کو محفوظ رکھا کریں

(۱۹۰)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنی بیوی اور باندی کی نگاہ میں اپنی عزت کو محفوظ رکھا کریں، مثلاً اگر کبھی ان کو (کسی بات پر) ہم نے سزا دی ہو تو اس دن جماع نہ کریں، کیونکہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنی بیوی کی نگاہ میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اسے اپنے سامنے خوشامد اور نرمی کا برتاؤ اور اس کے علاوہ جماع سے پہلے جو کچھ برتاؤ ہوتا ہے وہ سب کرتے ہوئے دیکھے گی تو اس وقت اس کو اپنا غلام سمجھے گی۔

پس جو شخص سزا دینے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کرے تو چند روز کے بعد اس طریقہ سے یہ کام ہونا چاہئے کہ بیوی پر یہ بات ظاہر نہ ہو کہ اس کو بغیر میرے پاس آئے چارہ نہیں۔ (اور میرے بغیر یہ رہ نہیں سکتا۔ ۱۲) واللہ علیم حکیم۔

ہمارے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسے شخص کو ایذا نہ پہنچانے پائے جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہو

(۱۹۱)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسے شخص کو ایذا نہ پہنچانے پائے جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہو جیسا کہ حجاج بن یوسف عفا اللہ عنہ کے متعلق اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے (کہ وہ باوجود سخت ظالم ہونے کے اس کا خیال رکھتا تھا کہ جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی ہو اسے نہ ستاتا تھا۔ ۱۲) کیونکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور پناہ میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کی عظمت کا خیال کر کے کسی دین دار کو (حکام کے یہاں) ایسے شخص کی شکایت کرنا مناسب نہیں جو خدا کی پناہ میں ہے، گو بجا شکایت ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے شرعی دَین (وغیرہ کا مقدمہ) ہاں اگر ایسی ضرورت ہو جس میں خدا تعالیٰ

اس کو معذور قرار دیں تو مضائقہ نہیں اور حدیث میں ہے "کہ جو شخص یہ جاننا چاہے کہ اللہ کے نزدیک اس کا کتنا رتبہ ہے تو وہ یہ دیکھ لے کہ خدا کی قدر اس کے دل میں کتنی ہے[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ کو (اپنے یہاں) وہی جگہ دیتے ہیں جو اس نے خدا کو اپنے دل میں دے رکھی ہے۔ اس کو سمجھ لو اور (دیکھ لو کہ تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کی ذمہ داری کی کتنی قدر ہے اور)

خبردار! یہ تاویل نہ کرنا کہ میں نے تو اس کو ابتداءً ایذا نہیں دی، بلکہ ارشاد خداوندی ﴿فمن[2] اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم﴾[3] پر عمل کر کے اس کی ایذا کا بدلہ دیا ہے اور (اس تاویل کے وقت) حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھلادو ﴿فمن عفاو اصلح فاجره علی الله﴾[4] (کہ جو شخص معاف کر دے اور معاملہ کو سنوارے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے) یہ نفس کی باریک چال ہے جس سے وہ (تمہاری نظر میں) اللہ عزوجل کی ذمہ داری کے توڑنے کو معمولی بات بنانا چاہتا ہے۔

اور بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی حاکم تم سے یہ کہہ دے کہ فلاں شخص آج دن بھر کے لئے میری پناہ میں ہے، میری خاطر سے تم اسے کچھ مت کہنا، پھر تکلیف نہ دینا تو دیکھنا اس دن تم اس کی کیسی حد سے زیادہ خاطر کرو گے (کیوں؟) محض عظمت حاکم کے خیال سے۔ پس اللہ کا سب سے زیادہ حق ہے۔ اللہ کا سب سے زیادہ حق ہے۔ اللہ کا سب سے زیادہ حق ہے۔ والله یتولی هداك.

(۱۹۲) روشنی لے کر جماعت کے لئے نہ آیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے دوستوں میں جو لوگ عشاء اور صبح کی نماز جماعت

---

(۱) دیکھئے حدیث: من أراد أن یعلم ماله عند الله فلینظر مالله عنده۔ کنزالعمال ج۱۱ص۹۴ رقم ۳۰۷۵۷۔ ۱۲مرتب عفااللہ عنہ

(۲) جو کوئی تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس کے برابر اس پر زیادتی کرلو۔ ۱۲مترجم

(۳) البقرة/۱۹۴۔ (۴) (الشوریٰ/۴۰)

کے ساتھ پڑھنے کے پابند ہیں ان کو اس پر متنبہ کردیں کہ وہ روشنی (ساتھ) لے کر جماعت کے لئے نہ آیا کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "بشر المشائين فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیٰمة"[1] جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں ان کو قیامت کے دن نور کامل (حاصل ہونے کی) بشارت سنادو۔ تو حضور نے قیامت میں نور کامل حاصل ہونے کو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ یہاں مسجدوں میں بغیر چراغ کے جایا جائے اور اس سے یہ بات مفہوم[2] ہوتی ہے کہ جو شخص یہاں روشنی میں چلے گا وہاں اس کا نور کم ہوگا۔ ہاں اگر مثلاً راستہ خطرناک ہو تو پھر (روشنی ساتھ لینے کا) مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۹۳) ہر نوارد مہمان کا اکرام کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ہر نووارد مہمان کا اکرام کیا کریں، خواہ وہ آدمی ہو، مسلمان یا کافر، یا حیوانات میں سے کوئی جانور ہو، یا ان کے سوا اور کوئی ہو، حتیٰ کہ ایام اور ساعات اور منٹوں اور پلوں، اور قلبی واردات اور خواطر کا بھی اکرام کیا جاوے، ہر نوع کے مناسب جدا اکرام ہے۔ پس مسلمان مہمان کا اکرام تو یہ ہے کہ اس سے بشاشت کے ساتھ ملیں، اور کھانا کھلائیں، اور بستر، چادر، (یا لحاف) اس کو دیدیں، اور شیریں کلامی سے اس کے

---

(۱) ابوداؤد: ص ۸۳ ج ۱ کتاب الصلاة باب ماجاء فی المشی الی الصلاة. وابن ماجه: ص ۵۷ ابواب المساجد باب المشی الی الصلوٰة۔ ۱۲مرتب عفااللہ عنہ

(۲) میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بشارت ایسی ہو جیسے حدیث میں بیماری اور فقر اور دیگر مصائب کے تحمل پر ثواب کی بشارت آئی ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ بیماری نہ آئے تو کوشش کر کے بیمار بنے یا مصیبت نہ آئے تو خود اپنے سر پر بلا لے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تقدیری طور پر یہ واقعات پیش آئیں تو اس ثواب کو سن کر تسلی حاصل کرے، اسی طرح یہاں بھی غرباء کو بشارت ہے کہ اگر تم کو مسجد میں جانے کے لئے روشنی نہ ملے اور اندھیرے میں جانا پڑے تو اس ثواب سے اپنے کو تسلی دو۔ یہ مطلب نہیں کہ اگر خدا نے وسعت دی ہو جب بھی نعمت سے کام نہ لو۔ واللہ اعلم ۱۲مترجم

ساتھ پیش آئیں وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ کافر مہمان کے ساتھ بشاشت وخاطر مدارات کا برتاؤ زیادہ کرنا چاہئے تاکہ اس کو اسلام سے الفت پیدا ہو۔

اور ایام وساعات اور منٹوں اور پلوں کا اکرام طاعات سے اور کثرت ذکر اللہ اور کثرت استغفار سے کرنا چاہئے تاکہ وہ ہم سے خوش اور شکر گذار ہو کر جدا ہوں اور اپنے خالق جل وعلا کے پاس جاکر ہماری برائی نہ کریں۔

اور واردات وخواطر کا اکرام یہ ہے کہ ہم اپنے باطن (قلب) کو (اور بطن (پیٹ) کو حرام اور شبہات سے پاک وصاف رکھیں۔ اور اگر ہم سے ان چیزوں کا (پورا) اکرام نہ ہو سکے تو ہمیں کثرت سے استغفار کرنا چاہئے، اور ہم نے اس مضمون پر رسالہ ''الآداب''(۱) میں مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

(۱۹۴) کسی مہمان کے لئے کبھی تکلف نہ کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی مہمان کے لئے کبھی تکلف نہ کیا کریں۔ اگر چہ وہ بڑا معزز آدمی ہو یا نیک اور بزرگ ہو تاکہ تکلف کا دروازہ بند ہی ہو جائے جس سے سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں بیزاری ظاہر فرمائی ہے ''نحن معاشر الانبیاء براء من التکلف''(۲) (ہم جماعت انبیاء تکلف سے پاک ہیں) سیدی الشیخ عبدالکلیم بن مصلح ساکن بلاد منزلہ اسی قدم پر تھے۔

لیکن یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ کوئی (دینی) مصلحت تکلف کو مرجح نہ ہو۔ پس کسی کافر کے لئے بامید اسلام تکلف کرنا (کہ وہ ہماری غایت درجہ خاطر داری سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے گا یا کم از کم مسلمانوں سے مانوس ہو جائے گا) یا کسی فاسق کے لئے بامید توبہ تکلف کرنا (کہ وہ ہماری خاطر داری سے شرمندہ ہو کر گناہ سے باز آجائے گا یا ہم سے

---

(۱) اگر کسی اللہ کے بندہ کو یہ رسالہ دستیاب ہو جائے تو کم از کم نقل کے لئے ہم کو کچھ دنوں کے لئے دیدیں اور مطبوعہ ہو تو پتہ بتلادیں۔ ۱۲منہ

(۲) احقر کو یہ حدیث نہیں ملی۔ مرتب

مانوس ہو کر ہمارا طریقہ اختیار کرلے گا ۱۲) تو (یہ برا نہیں، بلکہ) ایسے مواقع میں مہمان کی دلجوئی کے لئے تکلف کرنا محمود ہے۔

پھر عزیز من! یہ خوب جان لو کہ جو شخص مہمانوں کے لئے تکلف کرے گا تو اس پر ضرور ان کے آنے سے گرانی ہوگی اور اپنا دروازہ بند کرلے گا (کہ کسی مہمان کے واسطے بھی نہ کھولے گا) اور وہ ان سے بھاگتا پھریگا۔ چاہے کچھ مدت بعد ہی سہی (مگر تکلف کا یہ انجام ایک دن ضرور ہوگا۔ ۱۲) کیونکہ اس میں وہ سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے (اور خلاف سنت کاموں سے ضرور کسی وقت گرانی ہوتی ہے) اور جس کو شک ہو وہ تجربہ کرکے دیکھے۔

اور ہم نے کئی عہدوں میں بار بار اس پر مفصل گفتگو کی ہے اور ہم نے (ایک مقام پر) یہ بھی کہا ہے کہ اس زمانے میں ادب یہ ہے کہ مہمان کو کھانا تھوڑا دیا کریں، خصوصاً رمضان کی راتوں میں کیونکہ اس زمانے کے کھانوں میں شبہ زیادہ ہے، تو جو شخص اپنے مہمان کے لئے اتنا کھانا بھیجے جس سے وہ پیٹ بھر لے تو اس نے اس کے ساتھ ایسی طرح بدسلوکی کی ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی (وہ بے چارہ یہی سمجھتا رہا کہ میزبان نے میری بڑی خاطر کی، اور یہ نہیں جانتا کہ اس نے اس کے پیٹ کو حرام و شبہات سے بھر دیا ہے کہ جس سے اب نفس و شیطان کا غلبہ ہوگا، اور ان کا مقابلہ بہت دشوار ہوگا، کچھ پیٹ خالی رہتا تو نور کی بھی گنجائش رہتی اب تو راستہ ہی بند ہو گیا۔ ۱۲)

اور (خلیفۂ راشد) عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب وہ خلیفہ کی زیارت کے لئے آئے آدھی روٹی اور آدھی لکڑی رکھی تھی اور فرمایا، اے حسن! کھاؤ، اس زمانے میں حلال مال میں اسراف (و تکلف) کی گنجائش نہیں۔

اور سیدی الشیخ علی خواص (بعض دفعہ) مہمان کو صرف پانی پلا دیا کرتے اور فرماتے کہ آج تو ہم کو سب سے زیادہ حلال پانی ہی ملا، اور کھانا (چاہو تو وہ) ہمارے سوا دوسروں کے پاس ہے، اور ہر مقام کی لئے خاص لوگ ہیں۔

(سب کو اس مقام کی ہوس نہ کرنا چاہئے، بلکہ فقہا کے فتوی سے جو چیز حلال ہو اسے حلال سمجھ کر کھالینا چاہئے، زیادہ تقوی ہر شخص کے مناسب نہیں)۔ واللہ واسع علیم

(۱۹۵) تمام موجودات پر رحم کرنے کی عادت اختیار کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ تمام موجودات پر رحم کرنے کی عادت اختیار کریں، لیکن رحمت میں ایسا مبالغہ بھی نہ کریں کہ ذبیحہ ہی پر دل پگھلنے لگے، اور (رحم کی وجہ سے) اس کو ذبح نہ کریں، کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ اس پر رحیم و مہربان ہیں، اور انہوں نے ہم کو ذبح کا حکم دیا ہے۔ تو (معلوم ہوا کہ ذبح کرنا خلاف رحم نہیں۔ پس) ہم کو جانور ذبح کرنا چاہئے، اور رحمت میں حد سے زیادہ مبالغہ نہ کرنا چاہئے، تاکہ رحمت الٰہیہ کا پہلو بڑھا رہے جو کہ سب مہربانوں سے زیادہ رحیم ہیں اور رحمت کا کچھ حصہ چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ ذبیحہ پر رحم کرنا اگرچہ محمود ہے، مگر یہاں ایک بات ایسی ہے جو رحمت سے بھی بڑھ کر ہے (یعنی امتثال امر)۔

پس رحمت کے لئے ایک خاص حکم (اور خاص حد) ہے جس سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے۔ جس کی دلیل وہ لوگ ہیں جن کے قتل و قتال کا حق تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ (کہ وہاں بجائے رحمت کے اظہار غلظت کا حکم ہے۔ ولیجدوا فیکم غلظة [1]) واللہ اعلم

(۱۹۶) سلام کرنے میں پہل کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کے متعلق قرینہ سے ہم کو معلوم ہو جاوے کہ یہ ابتداءً ہم کو سلام کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو ہم خود ہی پہلے اسکو سلام کریں، اور اتنی دیر توقف نہ کریں کہ وہ اول ہم کو سلام کرلے تو پھر ہم جواب دیں، اس خیال سے کہ جواب سلام کا ثواب زیادہ ہوگا، کیونکہ جواب دینا واجب ہے (اور ابتداءً سلام کرنا سنت ہے) اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے ان میں سب سے افضل اور زیادہ محبوب واجبات ہی ہیں (یہ خیال صحیح نہیں) کیونکہ یہ واجب اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، یہاں ابتداء بالسلام ہی جوابِ سلام سے افضل اور زیادہ موجب ثواب ہے اگرچہ وہ سنت ہے اور یہ واجب ہے۔

---

(۱) ترجمہ: اور چاہئے کہ پاویں تم میں سختی۔ (التوبة ر ۱۲۳)۔ ۱۲ مرتب

شیخ الاسلام زکریا اور شیخ شہاب الدین آرملی رحمہما اللہ وغیرہ نے یہی فتویٰ دیا ہے، پس تم بھی تامل کرو، اور مسئلہ کو منقح کرلو۔

اور شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ جب کسی شخص کی نسبت ہم کو معلوم ہو جائے کہ اسے ہمارا سلام کرنا ناگوار ہے اور گمان غالب یہ ہو کہ وہ ہمارے سلام کا جواب بھی نہ دیگا تو ایسے شخص کو ابتداءً سلام کرنا چھوڑ دینا چاہئے، (محض) اس کے دین پر شفقت کے لئے، کیونکہ (اس صورت میں) اگر ہم نے اسے سلام کیا تو جوابِ سلام نہ دینے کے گناہ میں مبتلا کر دیا، اور اگر ہم سلام نہ کریں تو یہ اس پر رحمت ہو گی کیونکہ ہم اس کے ارتکاب گناہ کا سبب نہ بنیں گے، بلکہ گناہ میں اور اس میں حائل ہو جائیں گے۔ شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو تو سلام کرنا چاہئے، گو وہ جواب نہ دے۔

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس صورت میں مخاطب کی دینداری سے ہم کو یہ گمان غالب ہو جائے کہ وہ جواب سلام ضرور دیگا، مگر کراہت اور نفرت کے ساتھ دیگا تو ہمیں اس پر سلام کرنا چاہئے، اور بہت بلند آواز سے ابتداءً ہی کرنا چاہئے تاکہ ایک تو ہم جوابِ سلام دینے کا ثواب اسے پہنچادیں اور دوسرے اپنے سلام کے ذریعہ سے اس کی کراہت کو بقدر اس کے ایمان اور نفس کی صلاحیت کے کم کردیں اگر وہ شخص فطرتاً اخلاق حسنہ پر مجبول ہوا ہو (ورنہ بعض تو ایسے کج طبع ہوتے ہیں کہ تم ان کو ہزار سلام کرو وہ کبھی نہیں پسیجتے) اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔

اور خبردار! اپنے دشمن کو سلام کرنا کبھی نہ چھوڑو جیسا کہ بعض بیوقوف لوگوں کا طرز ہے جو اپنے اس فعل کی تاویل میں یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ اس شخص سے قطع تعلق (اور ترک سلام) جائز ہے، کیونکہ یہ محرمات (شرعیہ) کا ارتکاب کر رہا ہے حالانکہ (یہ تاویل محض اس وجہ سے ہے کہ اس کو اس شخص پر کسی ذاتی خصومت کی وجہ سے غصہ آرہا ہے اور) اگر اس کے دل اس کے ساتھ اچھے ہوتے تو یہ کبھی اس پر انکار نہ کرتا (اور کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے بھی اس کی دوستی اور ملاقات کو ترک نہ کرتا۔) واللہ علیم حکیم۔

(۱۹۷) سید زادی سے نکاح اس وقت کریں جب آپ اپنے آپ کو اس کے خدام میں سے سمجھ لیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی سید زادی سے اس وقت تک نکاح نہ کریں جب تک کہ ہم اپنے آپ کو اس کے خدام میں سے نہ سمجھ لیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر ہے، تو جو شخص اپنے کو اس کا غلام سمجھے اور یہ بات ذہن نشین کرے کہ جس وقت بھی وہ اس کی اطاعت سے باہر ہوگا یا اسے کچھ تکلیف دے گا تو آبق (یعنی گنہگار، نافرمان) ہو جائے گا وہ تو سید زادی سے نکاح کرلے اور جو ایسا نہ ہو اس کو یہ امر مناسب نہیں۔

اور جو شخص برکت حاصل کرنے کے لئے سیدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہو اس سے کہا جائے کہ سلامت غنیمت پر مقدم ہے (یعنی ضرر سے بچنا تحصیل منافع پر مقدم ہے) خصوصاً اگر اس سیدہ کے اوپر دوسرا نکاح کیا یا ہم صحبت ہونے کے لئے کوئی باندی وغیرہ خرید لایا یا اپنے بخل وطمع سے اس کو تکلیف دینے لگا (تو اس صورت میں بجائے حصول برکت کے نزول غضب کا اندیشہ ہے) اور مسلمان کو سید زادی کی برکت حاصل کرنا یوں بھی تو ممکن ہے کہ اس کے ساتھ احسان کرے اور بدون نکاح کے زیارت[1] کرلیا کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بجز اس شخص کے جس کا نفس مرچکا ہو اور زہد فی الدنیا کا مقام پوری طرح طے کرچکا ہو اور اس کے دل میں ایمان ایسا پیوستہ ہو گیا ہو کہ اسے اولاد رسول ﷺ اپنی اولاد اور اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہوں اور کوئی بھی سید زادی کے حقوق ادا کرنے اور اس کی تعظیم بجالانے پر قادر نہیں، کیونکہ جس چیز سے سیدوں کو تکلیف[2] ہوتی

---

(۱) بشرطیکہ زیارت میں محض اعتقاد حصول برکت کو دخل ہو، شہوت نفس کا شائبہ نہ ہو، ورنہ زیارت حرام ہوگی اور صورت اولیٰ میں بھی سیدہ کے خاوند اور باپ وغیرہ کی اجازت اور انکا زیارت کے وقت ہمراہ ہونا شرط ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) اس سے مراد ناحق تکلیف ہے، یہ مطلب نہیں کہ ان کو بجا تکلیف بھی نہ دی جائے کہ اگر کوئی مدعی سیادت امانت میں خیانت کرنے لگے یا لوگوں کو از خود ایذا پہونچانے لگے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہے وہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ایذا پہنچاتی ہے۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ اس سید زادی کی طرف نگاہ اٹھانے سے بھی لوگوں کو روکتے تھے جو چادر لنگی کے ساتھ موزے پہنے ہوئے، نقاب پوش بھی ہو، اور دیکھنے والوں سے فرماتے کہ بھلا اگر کوئی تمہاری بیٹی کی طرف ایسی حالت میں نگاہ اٹھانے لگے کہ وہ چادر اوڑھے ہوئے، موزے پہنے ہوئے، نقاب پوش ہو تو کیا تم کو اس سے بے چینی نہ ہو گی؟ تو ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کو بھی اس فعل سے ایذا ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دنیادار آدمی کو چاہئے کہ جب وہ سید زادی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے خصوصاً[1] اگر موزہ یا جوتہ بیچے یا اس کا قصد کرے یا اور کسی قسم کا علاج معالجہ کرے تو حضور ﷺ سے غایت درجہ شرمندہ اور نادم ہو کر یہ کام کرے۔

اور عزیز من! اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو احکام جزئیہ پر سختی کے ساتھ عمل کرتے ہیں اور مثلاً تم کو سیدہ کے متعلق کوئی گواہی دینے کے لئے اس کا دیکھنا ضروری ہو تو باطنی طور پر پہلے صاحب شرع سے اس کی اجازت لے لو اور دیکھو (کیا جواب ملتا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرو ۱۲)۔

اور عزیز من! اگر تم کو اولاد رسول ﷺ سے کامل محبت ہے تو جو چیز وہ تم سے خریدنا چاہیں تم بطور ہدیہ کے ان کو دید و اور ہدیہ میں تو (آنکھ سے) دیکھنے کی ضرورت نہیں (بلکہ نیچی نگاہ کر کے بھی ہدیہ دے سکتے ہو، ہاں بیع و شرا میں البتہ بعض دفعہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بعد میں قیمت کا مطالبہ کر سکیں ۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تو اس کو ان افعال پر زجر و تنبیہ بھی نہ کی جائے۔ یہ ہرگز مراد نہیں کیونکہ احکام شرعیہ اور حدود میں کسی کی رعایت نہیں، البتہ بلاوجہ کسی کو تکلیف دینا عموماً گناہ ہے اور سیدوں کو تکلیف دینا زیادہ موجب وبال ہے۔ ۱۲ مترجم

(۱) اس کی تخصیص غالباً اس لئے کی ہے کہ عرب میں یہ رواج تھا کہ موزہ اور جوتہ کو خریدار کے سامنے اس کے پیر کے برابر قطع کیا جاتا تھا۔ اس میں بیچنے والے کو پیر کا چھونا اور دیکھنا پڑتا تھا۔ ۱۲ مترجم

(۱۹۸) ہماری مالدار بیٹی یا بہن کے لئے کوئی غریب سید زادہ پیغام دے تو رد نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کے ساتھ قیمتی جہیز (اور بہت کچھ مال ومتاع) ہو اور اس حالت میں کوئی غریب سید زادہ جو نان ونفقہ اور مہر کے سوا (اس جہیز کے مقابلہ میں کچھ ساز وسامان) نہیں دے سکتا اس کے ساتھ نکاح کا پیغام دے تو ہم اس سے نکاح کر دیں اور (غربت کی وجہ سے) اس کا پیام رد نہ کریں، کیونکہ فقر ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے پیام کو رد کیا جائے، بلکہ یہ تو شرف کی چیز ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تمنا کی ہے، بلکہ آپ ﷺ نے حق تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ "میرا حشر فقیروں، مسکینوں کی جماعت کے ساتھ ہو"[۱] اور آپ ﷺ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا ہے کہ اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر قوت کر دیجئے[۲] یعنی اتنا کہ صبح وشام میں دوسرے وقت کے لئے کچھ نہ بچے تو جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ تو بہت بڑا شرف ہے۔ اور جو شخص کسی غریب سید زادہ کو جس نے اس کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا تھا (محروم) واپس کریگا اس پر غضب (الٰہی) کا اندیشہ ہے۔ واللہ غنی حمید۔

(۱۹۹) سوال کرنے والے سید کو جس قدر ممکن ہو ضرور دیں

(اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم کسی سید زادہ یا سید زادی پر اس حال میں گذریں کہ وہ سڑکوں پر لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو جس قدر روپیہ یا غلہ یا کپڑا دینا ہم

---

(۱) دیکھئے حدیث "اللھم احینی مسکینا وتوفنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین" ترمذی ص ۶۰ ج ۲ باب ماجاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیاء ھم۔ ومستدرک ص ۳۲۲ ج ۴۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

(۲) دیکھئے حدیث "اللھم ارزق آل محمد قوتا" بخاری ص ۹۵۸ ج ۲ کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی ﷺ و"حدیث اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا" مسند احمد ص ۲۳۲، ۴۴۶ ج ۲ (مسانید ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

سے ممکن ہو ضرور ان کو دیدیں۔ یا اپنے پاس قیام کرنے کی ان سے درخواست کریں کہ ہم بقدر کفایت جتنا ہم سے ہو سکے گا آپ کی خدمت کریں گے۔

اور جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو اس سے یہ حرکت بہت ہی نازیبا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد کو سڑکوں پر سوال کرتے ہوئے دیکھے اور انہیں کچھ بھی نہ دے، ویسا ہی گذرتا ہوا نکل جاوے۔ واللہ غفور الرحیم

(۲۰۰) کسی قوم پر کسی کام میں آگے بڑھنے اور بڑا بننے کی کوشش نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی قوم پر کسی کام میں آگے بڑھنے اور بڑا بننے کی کوشش نہ کریں، مگر یہ کہ وہ خود ہی ہم سے درخواست کریں یا ہمارے آگے بڑھنے میں ان کی مصلحت ہو گو وہ مصلحت ہماری اور ان کی مشترک ہی ہو تو اس وقت ان کی مصلحت کے خیال سے ہم کو آگے بڑھ جانا چاہئے (گو بعض کو ہماری پیش قدمی ناگوار ہی ہو)۔

اور علماء نے فرمایا ہے کہ فاسقوں کی ناگواری کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ جو شخص اپنے نفع رساں سے کراہت کرے وہ جاہل ہے (تو) اگر ہماری امامت یا خطابت سے فساق کو ناگواری ہو اور وہاں ہمارے سوا نماز پڑھانے والا کوئی نہ ہو (اس صورت میں ہم کو امامت کرنا چاہئے اور جاہلوں کی نفرت کا خیال نہ کرنا چاہئے) اور ہم نے اس عہد پر چند بار مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ واسع علیم۔

(۲۰۱) مواقع غفلت میں جیسے بازار اور سیر و تفریح کی جگہ حق تعالیٰ کو ضرور یاد کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مواقع غفلت میں جیسے بازار اور سیر و تفریح کی جگہ ہے، حق تعالیٰ کو ضرور یاد کیا کریں اس نیت سے تاکہ غافلوں پر رحمت نازل ہو جو شخص ایسا کرے گا وہ مخلصین میں شمار ہوگا اور اس ذکر کا نام ”خلوت عارف“ ہے۔

شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مواقع غفلت میں چپکے چپکے ایسی طرح ذکر

کرنا چاہئے کہ کسی کو ہمارے ذکر کی اطلاع نہ ہو تا کہ مخلوق پر رحمت اس طرح نازل ہو کہ انہیں خبر بھی نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ ذکر کے بارے میں وارد تو یہ ہوا ہے کہ زور سے، بلند آواز کے ساتھ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۰۲)جب ہماری برائیاں مخلوق پر ظاہر ہو جائیں تو ہم مخلوق کے ساتھ زیادہ احسان کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہمارے اندر عیوب کی کثرت ہو اور ہماری برائیاں مخلوق پر ظاہر ہو جائیں اور ہم سے صحیح طور پر توبہ نہ ہو سکے تو (اس حالت میں) ہم مخلوق کے ساتھ احسان زیادہ کیا کریں خصوصاً لوگوں کو قرض دینا (کثرت سے شروع کریں) کیونکہ یہاں (دنیا میں) سخاوت و کرم سے زیادہ عیب چھپانے والی کوئی چیز نہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص سخی کی تعریف کرتا ہے گو اس سے نفع بھی نہ پہونچا ہو (تو لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کو بکثرت قرض دینے سے تمہارے عیوب لوگوں کی نظروں سے چھپے رہیں گے)۔

اور عزیز من! (بخیل) فاسق سے قطع نظر کر کے تم صرف بخیل آدمی کی حالت میں غور کرو (جس میں بخل کے سوا اور کوئی عیب نہ ہو) تو لوگوں کو اس سے گرانی اور نفرت ہی ظاہر کرتے اور اس کی آبرو میں طعن کرتے ہوئے پاؤ گے اگرچہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ بھی نہ آتا ہو (معلوم ہوا کہ بخل کے ساتھ سارے کمالات مخفی ہو جاتے اور کرم کے ساتھ تمام عیوب پر پردہ پڑ جاتا ہے ۱۲) واللہ علیم حکیم۔

(۲۰۳)احادیث فضائل پر عمل کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ احادیث فضائل پر عمل کیا کریں اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ صرف ضعیف ہی ہوں (موضوع نہ ہوں) اس میں بے باک لوگوں کے طرز کی مخالفت ہے (جو حدیث کو محض ضعف کی بنا پر رد کر دیتے ہیں) خصوصاً ان احادیث کو جن

میں بہت ثواب بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہ لوگ اس تھوڑے سے عمل پر اتنے بڑے ثواب کے حصول کو مستبعد سمجھتے ہیں اور کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ ثواب کی مقدار قیاس سے مدرک نہیں ہو سکتی، پھر انہوں نے مقدار عظیم کو مستبعد کیسے کہا؟ کیا ان کو قیاس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس عمل کا ثواب اتنا نہیں، بلکہ اتنا ہونا چاہئے تھا؟ ۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم.

(۱۰۴) کسی کو مشورہ نہ دیا کریں، مگر جب کہ اس معاملہ میں ہماری نظر مشورہ لینے والے سے زیادہ کامل ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کسی کو کسی بات میں (۱) بھی مشورہ نہ دیا کریں، مگر جب

(۱) فائدہ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا بھی یہی معمول ہے کہ لوگوں کو بہت کم مشورہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اول تو میری نظر معاملات دنیویہ میں کامل نہیں، پھر مشورہ لینے والے معاملہ کے سب پہلوؤں کو صاف صاف ظاہر نہیں کرتے، بلکہ عام عادت یہ ہے کہ طالبِ مشورہ کے ذہن میں جو جانب راجح ہوتی ہے مستشار کے سامنے وہ اسی پہلو کے مرجحات کو ظاہر کرتا ہے دوسرے پہلو کے مرجحات کو صاف طور پر بیان نہیں کرتا جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مشورہ چاہنے والا ایک شق کو خود متعین اور راجح قرار دے کر مستشار سے اپنی رائے کی تائید کرانا چاہتا ہے حالانکہ رائے العلیل علیل کی بنا پر اسکا کسی جانب کو ترجیح دینا ہی صحیح نہیں، پھر مشیر اس کی تائید کیسے کردے۔ اس حالت میں در حقیقت وہ طالب مشورہ ہی نہیں تو ایسے شخص کو مشورہ دینا غیر مناسب ہے۔

اور اگر کسی معاملہ میں نظر کامل بھی ہو اور مستشیر سب پہلوؤں کو ظاہر بھی کردے تب بھی میں اسلئے مشورہ نہیں دیتا کہ لوگ مشورہ کو اس کی حد پر نہیں رکھتے، بلکہ مشورہ کو حکم سمجھتے اور اس پر عمل کرنے کو لازم خیال کرتے ہیں حالانکہ حدیث بریرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کا قبول کرنا مستشیر پر واجب نہیں، چنانچہ حضور ﷺ نے جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو زوج اول سے مراجعت کے لئے فرمایا تو انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشورہ ہے تو انہوں نے صاف عرض کردیا کہ میں اس مشورہ کو قبول نہیں کرتی۔ آجکل اپنے بڑوں کے مشورہ کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہے، بلکہ اس کو حکم سمجھ کر لازم العمل قرار دیتے ہیں اور ستم یہ کہ دوسروں کے سامنے مشیر کی طرف اپنے فعل کی نسبت کرتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ ہم یہ کام اس کے کہنے سے کر رہے ہیں حالانکہ جب مشورہ پر عمل واجب نہیں تو جو شق اختیار کی جائے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہئے۔

فائدہ۔ ۲ امام مالک رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوا کہ علماء پر احکام شرعیہ میں دوسرے علماء سے مشورہ کرنا واجب نہیں، بلکہ ہر شخص کو اپنی فہم و اجتہاد پر عمل کرنا چاہئے۔ پس اس سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جنہوں نے مسائل حاضرہ و تحریکات سابقہ میں ہمارے بعض اکابر پر یہ اعتراض کیا تھا کہ وہ ان مسائل میں کسی عالم سے مراجعت و مشورہ نہیں کرتے اپنی تنہا رائے پر عمل کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں اور عوام کو خطاب کیا تھا کہ ان مسائل میں رائے واحد پر عمل کرنا جائز نہیں، بلکہ اس رائے پر عمل کرنا چاہئے جو جماعت علماء باہم مشورہ سے طے کر دے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی تھی "عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا امرٌ لیس فیہ بیان امر ولا نھی فما تأمرنی قال تشاور وا الفقھاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ" رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اھل الصحیح مجمع الزوائد (ص ۷۱ ج ۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر ہمارے اوپر کوئی ایسا حادثہ نازل ہو جس کے متعلق (شریعت میں) کوئی امر و نہی وارد نہ ہو تو اس کے بارے میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں۔ فرمایا: علماء اور عابدین سے مشورہ کرو اور اس کے بارے میں کسی خاص شخص کی رائے کو جاری نہ کرو۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال توثیق کردہ ہیں رجال صحیح میں سے اھ

اس حدیث کے متعلق مفصل گفتگو احقر کے رسالہ "التدقیق الاقوم فی تحقیق السواد الاعظم" میں موجود ہے جو ہنوز طبع نہیں ہوا۔ اس کا خلاصہ میں اس جگہ لکھے دیتا ہوں۔ اس حدیث میں اول تو پہلا ہی جملہ مستدل کے استدلال کو منہدم کر رہا ہے۔ یعنی "ان نزل بنا امرٌ لیس فیہ امر ولا نھی" جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ حکم ان واقعات کے متعلق ہے جن کے لئے شریعت میں امر و نہی وارد نہ ہو۔ پس مسائل حاضرہ میں اس حدیث سے استدلال کر کے مشورہ کو واجب کہنا اور شخص واحد کی رائے کو غیر قابل عمل کہنا اس پر موقوف ہے کہ یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ شریعت میں ان مسائل کے احکام صراحۃً یا دلالۃً موجود نہیں اور اس کو کوئی ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ ان مسائل میں ہر فریق اپنے مسلک کو دلائل شرعیہ سے ثابت کرتا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ ہماری نظر اس معاملہ میں مشورہ لینے والے سے زیادہ کامل ہے ورنہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دوسرے یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وہ امور کون سے ہیں جن کے متعلق شریعت میں امر و نہی وارد نہیں۔ یقیناً اس کا مصداق امور دینیہ ہرگز نہیں ہیں کیونکہ امور دینیہ میں کوئی مسئلہ جزئیہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق شریعت میں صراحۃً یا دلالۃً و استشارۃً کوئی حکم وارد نہ ہو قال تعالیٰ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾(مائدہ/۳) وقوله تعالیٰ ﴿مَافَرَّطْنَا فِیْ الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ﴾(انعام/۳۸)

شاید مستدل یہ کہے کہ امور دینیہ میں جو احکام صراحۃً وارد ہیں وہ تو "لیس فیه امر ولا نهي" کا مصداق نہیں، مگر جو صراحۃً وارد نہیں بلکہ دلالۃً یا اشارۃً وارد ہیں وہ اس کا مصداق ہیں اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ "ان نزل بنا امرٌ لیس فیه امر ولا نهي صراحةً فماتا مرنا" اور ایسے ہی احکام کے لئے حضور ﷺ نے مشورہ کا حکم دیا ہے۔

تو یہ تاویل اس لئے باطل ہے کہ فقہاء نے بالاجماع دلائل شرعیہ کو دلائل اربعہ کتاب و سنت و اجماع و قیاس میں منحصر کردیا ہے اور جو احکام دینیہ کتاب و سنت میں مصرح نہ ہوں ان کے لئے قیاس کو دلیل قرار دیا ہے مشورہ کو کسی نے بھی دلائل شرعیہ میں شمار نہیں کیا۔ یہ اجماع بتلا رہا ہے کہ امور دینیہ محل مشورہ نہیں ہیں، بلکہ محل مشورہ دوسرے امور ہیں جنکی تعیین عنقریب ہو جائے گی۔ اور اگر امور دینیہ محل مشورہ ہوتے تو سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس پر عمل کرتے، مگر ان کی یہ عادت مشہور و معلوم ہے کہ وہ احکام دینیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مشورہ نہیں کرتے تھے۔

قال الشيخ ولي الله الدهلوي في حجة البالغة واكابر هذا الوجه (اى التلقى من الرسول دلالةً ۲۲)عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس رضي الله عنهم لكن كان من سيرة عمر رضي الله عنه انه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة وياتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها وهو قول ابن مسعود كان عمر اذ اسلك طريقاً وجدناه سهلا وكان علي رضي الله عنه لا يشاور غالباً وكان اغلب قضاياه بالكوفة ولم يحملها عنه الا ناسٌ (اے قلیلون)اھ (ص۵۔ج۱)

معلوم ہوا کہ احکام دینیہ اجتہادیہ محل مشورہ وجوباً نہیں ہیں، بلکہ ہر عالم ان میں اپنی فہم واجتہاد پر عمل کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر وہ امور کون سے ہیں جن میں مشورہ واجب ہے تو اگر مسلمانوں کا کوئی امام ہو تب تو کسی امر میں بھی مشورہ واجب نہیں، (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہاں بعض امور میں مستحب بیشک ہے۔ اور اگر امام نہ ہو تو نصب امام میں علماء وصلحاء واعیان کو مشورہ کرنا واجب ہے، نصب امام میں رائے واحد معتبر نہیں، مگر یہ کہ شخص واحد کو جماعت مسلمین نے اپنا وکیل بنادیا ہو تو اس کی رائے مثل رائے عامہ کی ہوگی جیسے خلیفہ اپنے بعد کسی کو خلافت کے لئے نامزد کر جائے کما فعله ابوبكر وكما جعل عمر رضى الله عنه امر الخلافة شورى بين الستة ثم فوض الستة ذلك الامر الى عبد الرحمن بن عوف فقلد عثمان قال الحافظ في الفتح وقد اختلف في متعلق المشاورة فقيل في كل شيء ليس فيه نص وقال الداودي انما كان (ﷺ) يشاورهم في امر الحرب مما ليس فيه حكم لان معرفة الحكم انما تلتمس منه قال ومن زعم انه كان يشاورهم في الاحكام فقد غفل غفلة عظيمة. واما في غير الاحكام فربما رأى غيره اوسمع مالم يسمعه اويره كما كان يستصحب الدليل في الطريق اه (ص ۲۸۳ ج ۱۳)

وقال البخاري رحمه الله في صحيحه وكانت الائمة بعد النبي ﷺ يستشيرون الافتاء من اهل العلم في الامور المباحة ليأخذ وابا سهلها فاذا اوضح الكتاب او السنة لم ينفدوه الى غيره الى ان قال فلم يلتفت ابوبكر الى مشورةٍ اوكان عنده حكم رسول الله ﷺ في الذين فرقوا بين الصلوٰة والزكوٰة وارادوا تبديل الدين واحكامه وقال النبي ﷺ من بدل دينه فاقتلوه الخ فتح (ص ۲۸۶ ج ۱۳)

قال الحافظ في شرح قوله في الامور المباحة اى اذا لم يكن فيها نص بحكم معين وكانت على الاباحة الاصلية فمراده ما احتمل الفعل والترك احتمالاً واحداً واما ما عرف وجه الحكم فيه فلا۔ اھ۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام شرعیہ جن کا حکم کتاب سنت یا اجماع سے صراحتہً یا قیاساً معلوم ہو چکا ہو وہ محل مشورہ ہرگز نہیں، چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ کو مانعین زکوٰۃ کا مصداق "من بدل دینه" ہونا واضح ہو چکا تھا۔ اور یہ محض قیاس تھا کیونکہ حدیث میں اس کی تصریح نہ تھی، پھر انہوں نے صحابہ میں سے کسی کے مشورہ پر بھی التفات نہیں کیا۔

ہاں محل مشورہ امور انتظامیہ ہیں یا وہ احکام جو سکوت شارع کی وجہ سے اباحۃ اصلیہ پر ہوں اور فعل وترک دونوں کو علی السواء محتمل ہوں لیکن ان میں بھی مشورہ کرنا (باقی اگلے صفحہ پر)

اسے (صاف) کہہ دیں کہ ہمارے سوا کسی اور سے مشورہ کر و یا حق تعالیٰ سے استخارہ کرو۔

اور ہم کو خبر پہنچی ہے کہ امام لیث بن سعد (مصری) نے امام مالک کے پاس مدینہ منورہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صرف مستحب ہے اور مشورہ کے بعد جو بات طے ہو اس پر عمل واجب نہیں۔

قال الحافظ فی الفتح وعد کثیر من الشافعیة المشاورة من الخصائص واختلفوا فی وجوبها فنقل البیهقی فی المعرفة الاستحباب عن النص وبه جزم ابو نصر القشیری فی تفسیره وهو المرجح. (ص ۲۸۳ ج ۱۳)

وفیه ایضا قال الشافعی انما یؤمر الحاکم بالمشورة لکون المشیر ینبهه علی ما یغفل عنه ویدل علی مالا یحضره من الدلیل لا لیقلد المشیر فیما یقوله فان الله لم یجعل هذا لاحد بعد رسول الله ﷺ اھ (ص ۲۸۵ ج ۱۳)

پس امور انتظامیہ اور مباحات اصلیہ میں بھی مشورہ واجب نہیں البتہ نصب امام میں مشورہ کا وجوب اقوال فقہاء سے ضرور معلوم ہوتا ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اگر وجوب مشورہ پر محمول ہے تو اس سے نصب امام و عزل امام وغیرہ میں مشورہ کا حکم ہے اور اگر انتظامیہ و مباحات اصلیہ میں مشورہ کرنا مراد ہے تو حدیث استحباب [۱] پر محمول ہے۔ لہٰذا مستدل کا استدلال سراپا غلط اور منہدم ہو گیا۔ رہا یہ کہ جب کسی مسئلہ میں فقہاء و علماء کا اختلاف ہو۔ تو عوام کو کس کا اتباع کرنا چاہئے اس کے متعلق فقہی حکم عالمگیریہ میں یہ مذکور ہے۔

واذا کان المبتلی فقیها له رأیٌ فاستفتی فقیها آخر فافتاه بخلاف رأیه یعمل برای نفسه. واذا کان المبتلیٰ جاهلاً فانه یاخذ بفتوی افضل الرجال عنده عند عامة الفقهاء اھ (ص ۱۸۴ ج ۴)

اس سے دو باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ تو استدلال کا جواب تھا اور واقعہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے ان مسائل میں اپنی تنہا رائے پر عمل نہیں کیا، بلکہ ان کے پاس جس قدر علماء موجود تھے ان سے اول مشورہ کر لیا گیا تھا جن میں خود یہ معترض بھی شامل تھا اور ظاہر ہے کہ وجوب مشورہ اگر بہت تکلف کے ساتھ ثابت بھی ہو گا۔ تو علماء موجودین سے ہو گا نہ کہ غائبین سے۔ فافہم ۱۲ منہ

میں ایک خط بھیجا تھا جس میں چند امور کے متعلق ان سے دریافت کیا تھا (کہ ان میں آپ کی رائے کیا ہے؟) امام مالک نے ان کو جواب میں لکھا، امابعد۔ برادر من! تم خود ہدایت کے امام ہو اور ان مسائل میں اللہ کا حکم وہی ہے جو تم پر ظاہر ہوا اور جس کی طرف تمہاری نظر اجتہاد پہونچی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا صحابہ سے مشورہ کرنا محض امر الٰہی کی تعمیل اور صحابہ کی تطییب خاطر کے لئے تھا اور کسی وجہ سے نہ تھا۔ واللہ اعلم.

(۲۰۵) قراءت قرآن اور ذکر کے لئے بدون طہارت کے کبھی نہ بیٹھا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ قراءت (قرآن) اور ذکر کے لئے بدون طہارت کے کبھی

---

(۱) جب مبتلی خود فقیہ ہو تو مسئلہ حادثہ میں اس کو اپنی رائے پر عمل کرنا واجب ہے جو سنت وکتاب واقوال علماء مذہب سے اس کے نزدیک راجح ہو چکی ہو، دوسرے علماء کی رائے اگر اس کے خلاف ہو اس پر عمل کرنا اس کو جائز نہیں (گو وہ شمار میں کتنے ہی ہوں لا طلاق الجواب)

(۲) عامی شخص کو مسئلہ نازلہ میں اس شخص کے فتوے پر عمل کرنا چاہئے جو اس کے اعتقاد میں سب سے افضل ہو اھ اور یہی مذہب احمد بن حنبل اور اکابر شافعیہ کا ہے اور اکثر فقہاء واصولیین کا جیسا کہ سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الاحکام میں بیان کیا ہے۔ ونصہ ھذا.

اذا حدثت للعامی حادثةً واراد الاستفتاء عن حکمها فاما ان یکون فی البلد مفتٍ واحد او اکثرفان کان الاول وجب علیه الرجوع الیه والاخذ بقوله وان کان الثانی فقد اختلف الاصولیون فمنهم من قال لا یتخیر بینهم حتی یاخذ بقول من شاء منهم بل یلزمه الاجتهاد فی اعیان المفتین من الاورع والا دین والاعلم وهو مذهب احمد بن حنبل وابن سریج والقفال من الشافعیة وجماعة من الفقهاء والاصولیین مصیراً منهم الی ان قول المفتین فی حق العامی ینزل منزلة الدلیلین المتعارضین فی حق المجتهد وکما یجب علی المجتهد الترجیح بین الدلیلین فیجب علی العامی الترجیح بین المفتین ولان طریق معرفة هذه الاحکام وانما هو الظن والظن فی تقلید الاعلم والادین اقوی فکان المصیر الیه اولی اهـ (مختصراً ص ۳۱۷ ج ٤) هذا والله تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم.

نہ بیٹھا کریں اگرچہ شرائط کے موافق[1] تیمّم ہی کر لیا جائے، کیونکہ جو شخص ذکر اللہ اور تلاوت قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے (کی حقیقت) میں غور کرے گا وہ ان کو حکماً نماز کے مثل پائے گا، کیونکہ حق تعالیٰ سے مناجات (وعرض معروض) کرنا سب میں مشترک ہے۔

نیز نماز جنازہ پر قیاس کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ نماز جنازہ کے لئے طہارت شرط ہے حالانکہ اس میں سجدہ ورکوع کچھ بھی نہیں، بلکہ محض قراءت اور ذکر اور دعا ہی ہوتی ہے (اور یہ بات ذکر و تلاوت میں ہر وقت موجود ہے ۱۲) اور جو شخص حق تعالیٰ کی تعظیم کرتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کا اکرام فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ نے رسول اللہ ﷺ کو (خواب یا واقعہ میں) دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پر جو درود بھیجا جاتا ہے وہ ہمیشہ مقبول ہوتا ہے کبھی مردود نہیں ہوتا؟ فرمایا ہاں کبھی مردود نہیں ہوتا جب کہ درود بھیجنے والا طہارت پر ہو اھ پس معلوم ہوا کہ جو شخص بے وضو ہو کر حق تعالیٰ سے خطاب کرتا ہے وہ قلیل الادب ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۰۶) اپنے ساتھ حسد رکھنے والے سے مکدر نہ ہوا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ساتھ حسد رکھنے والے سے مکدر نہ ہوا کریں، کیونکہ وہ محض اس نعمت کی وجہ سے حسد کر رہا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ہر عاقل کو معلوم ہے کہ جس نعمت پر (دوسروں کو) حسد ہو وہ اس نعمت سے بہتر ہے جس پر حسد نہ ہو (کیونکہ حسد کسی بڑی نعمت ہی پر ہوا کرتا ہے، معمولی نعمتوں پر نہیں ہوتا۔ ۱۲)

تو جو شخص یہ چاہے کہ میرے اوپر ہمیشہ (خدا تعالیٰ کا انعام رہا کرے اس کو حاسدوں کے حسد پر صبر کرنا چاہئے۔

اور میں تم کو ایک معیار بتلاتا ہوں جس سے تم حاسد وغیر حاسد کو پہچان لوگے وہ یہ کہ حاسد تمہارے اوپر کسی حاکم کے سامنے کبھی کوئی دعویٰ دائر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تجاوز...

---

(۱) حنفیہ کے یہاں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لئے پانی موجود ہوتے ہوئے بدون کسی عذر کے بھی تیمم درست ہے، مگر اس تیمم سے نماز پڑھنا اور قرآن کا چھونا جائز نہیں۔ ۱۲ مترجم

ذمہ حق ہی نہیں ہے اور اس کے باوجود پھر بھی وہ تم سے نفرت و کراہت رکھتا ہے جس سے بعض دفعہ (حیران ہو کر) تم یہ کہتے ہو کہ بخدا مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس کے ساتھ برائی کی ہو اور تم اپنی قسم میں سچے ہو، کیونکہ وہ کسی برائی کی وجہ سے جو قولاً یا عملاً تم سے سرزد ہوئی ہو نفرت نہیں کرتا، بلکہ اس کو تو بس وہ نعمت ہی ناگوار ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور اسی واسطے حکماء نے کہا ہے کہ حاسد ہمیشہ ایسے شخص پر غصہ کرتا ہے جس نے اس کا کچھ قصور نہیں کیا۔

اور میں نے اپنے استاذ شیخ الاسلام زکریا انصاری کو بارہا یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ "اے اللہ! میرے حاسدوں میں ترقی دے" میں نے عرض کیا آپ یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ حاسد اس وقت تک زیادہ نہ ہونگے جب تک میرے پاس نعمتیں زیادہ نہ ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ حاسدوں سے پناہ مانگنا مطلقاً مطلوب نہیں) دیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ (فلق/۵) (ترجمہ: اور پناہ چاہتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے) تو حق تعالیٰ نے من شر وجود حاسد نہیں فرمایا[1] (کہ حاسد کے وجود سے بھی پناہ مانگا کرو) بلکہ وجود

---

(۱) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بھی ایک مرتبہ اس آیت میں یہی نکتہ بیان فرمایا تھا۔ شیخ الاسلام زکریا رضی اللہ عنہ کے قول سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید ہو گئی اور یہ محض توارد و تطابق ہے کیونکہ حضرت نے شیخ زکریا رحمہ اللہ کا قول نہیں دیکھا تھا۔

یہ نکتہ تو بجائے من وجود حاسد کے "من شر حاسدٍ" فرمانے سے حاصل ہوا۔ اب یہ سوال باقی رہا کہ قید "اذا حسد" بڑھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی وجہ اسی وقت قلب میں یہ آئی ہے کہ اخلاق ذمیمہ سے ضرر اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان کے مقتضا پر عمل ہونے لگے اور اگر کسی شخص میں کوئی خلق ذمیم طبعاً ہو مثلاً بخل و حسد وغیرہ لیکن وہ مجاہدہ کر کے اس کے مقتضا پر عمل نہ کریں تو یہ خلق نہ اس شخص کو مضر ہو گا بلکہ بوجہ مجاہدہ کے موجب زیادت ثواب ہو گا اور نہ دوسروں کو اس سے ضرر پہونچے گا۔ پس قید "اذا حسد" سے اس مسئلہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ شر حاسد کا تحقق اس وقت ہو گا جب کہ وہ اس کے مقتضا پر عمل کرنے لگے اور اگر وہ مقتضائے حسد پر عمل نہ کرے تو تحقق شر نہ ہو گا، نہ حاسد کے لئے نہ محسود کے لئے، اس سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں، گو اس مادہ کی اصلاح پھر بھی حاسد کو کر لینی چاہئے تاکہ یہ زور نہ پکڑے ۱۲ مترجم)

حاسد کے رہتے ہوئے اس کے شر سے پناہ مانگنے کو فرمایا ہے، کیونکہ حاسد کا وجود تو نعمت کے ساتھ لگا ہوا ہے (جب نعمت ہوگی حاسد ضرور ہونگے اور) جب کبھی حاسد کا وجود ہوگا نعمت بھی ضرور پائی جائے گی، اس لئے میں حاسدوں کی کثرت چاہتا ہوں تاکہ نعمتوں کی بھی کثرت ہو۔ ۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۰۷) ان لوگوں کا اکرام کیا کریں جن کے سپرد ہمارے دنیوی معاملات ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ان لوگوں کا اکرام کریں جن کے سپرد ہمارے (دنیوی) معاملات ہیں جیسے حاکم اعلیٰ اور وزیر اور قاضی عسکر اور حاکم ضلع وغیرہ اور جب وہ ہمارے پاس آئیں تو ان کے منصب کا حق ادا کرنے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے تعظیم کو کھڑا ہو جانا اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔

جیسا کہ ہم اپنے علماء کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، گو وہ اپنے علم پر عمل بھی نہ کرتے ہوں۔

اور سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اہل علم (کی تعظیم) کے لئے مطلقاً کھڑے ہو جایا کرو، کیونکہ کوئی عالم تم کو ایسا نہ ملے گا جو اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عالم سے لغزش بھی ہوگی۔ تو وہ فوراً جان لے گا کہ میں نے خدا کی نافرمانی کی، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار اور ندامت کے ساتھ توبہ کرلے گا تو (گناہ کی حالت میں بھی) اس نے اپنے علم پر عمل کرلیا۔ اور اگر وہ جاہل ہوتا تو (اسے گناہ ہی کی خبر نہ ہوتی اور) توبہ کرنے کا رستہ نہ پاتا۔ اور اگر اس کو علم نہ ہوتا، تو وہ کبھی توبہ نہ کرتا۔ بہر حال اس کے علم نے نفع پہونچایا۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا ہے کہ ایک نکتہ کی وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا ہے میرا مذاق تو یہ ہے کہ حکام و امراء کی تعظیم کرنا چاہئے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ امیر فقیر کے پاس اپنی بڑائی اور عظمت کو اتار کر اور فقیر کو اپنے سے بڑا سمجھ کر ہی آتا ہے۔ اگر وہ اپنی متکبرانہ حالت پر ہوتا۔ اور اپنے آپ کو فقیر سے بڑا سمجھتا تو ہر گز اس

کے پاس نہ آتا، نہ اس کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دیتا۔ غرض امیر فقیر سے فقیر بن کر ہی ملتا ہے تو اب (صفت فقر کی وجہ سے) وہ تعظیم کا مستحق ہو گیا۔ اھ اور شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی فتوحات میں اسی کے قریب مضمون[1] بیان فرمایا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ اگر امراء سے ملنے میں ان کی طرف اپنے نفس کے میلان اور رغبت سے بچاؤ ہو سکے تو اس صورت میں شرعاً ان سے ملنا ملانا محمود ہے، کیونکہ اس پر بندوں کی بہت مصلحتیں مرتب ہوتی ہیں۔ (۱) مثلاً کسی کی سفارش کر دی۔ (۲) کسی مظلوم کی امداد کے لئے ان سے کہہ دیا (۳) نیک آدمیوں کے ملنے سے خود امراء کو بھی کسی قدر صلاحیت کا خیال ہوتا ہے کہ میرا تعلق بزرگوں سے ہے، ان کو میرے اس فعل سے رنج ہو گا۔ (۴) امراء سے دین کے کاموں میں بھی مدد ملتی ہے مثلاً کوئی دشمن دین مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہو تو امراء اپنی حکومت یا مالی قوت سے اس شخص کے فتنہ کو دفع کر دیتے ہیں، غرباء سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ وغیرہ وغیرہ ۱۲)

اور جب ہم کسی عالم یا بزرگ کو امراء سے اس طرح ملتا ہوا دیکھیں کہ وہ ان کی متاع دنیا سے بے رغبت ہو کر ملتا ملاتا ہے، تو ہم کو اس پر اعتراض کرنا یا بدگمانی کر کے اس کے فعل کو اغراض فاسدہ پر محمول کرنا جائز نہیں، کیونکہ بعض دفعہ وہ اس لئے امراء سے ملتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف جھک جائیں (اور ان کو اس سے تعلق و محبت ہو جاوے) تو مظلوموں کے بارے میں اس کی سفارشیں قبول کر لیا کریں، اور امراء کی نظر میں اس شخص سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہیں ہوتا جو ان کی دنیا سے بے رغبت ہو۔ اور جو کچھ وہ ہدیہ وغیرہ دیں اسے واپس کر دیا کرے۔

اور سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے۔ کہ ہر درجہ کے آدمیوں سے ان کے درجہ کے حقوق تعظیمی ادا کرتے رہو، جب تک ہم یہاں دنیا میں ہیں اس وقت تک تو ہمارا

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد بھی اسی کے قریب تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بزرگوں کا ارشاد ہے "نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر" پس جب امیر فقیر کے پاس آتا ہے اس وقت وہ نعم الامیر بن کر آتا ہے۔ اور مشائخ اس نعم کی تعظیم کرتے ہیں۔ صرف امیر ہونے کی تعظیم نہیں کرتے۔ کذا سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ ۱۲ مترجم۔

ادب یہی ہے۔ اور جب ہم آخرت کی طرف منتقل ہوں گے تو انشاء اللہ وہاں کے مناسب جو آداب ان لوگوں کے ہوں گے وہ حق تعالیٰ ہم کو وہاں بتلادیں گے۔ اھ

سیدی علی خواص رحمہ اللہ نے ایک دفعہ محتسب مصر کے پیر چوم لئے تو بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ فرمایا کہ میں نے تو لوگوں کے منافع کے خیال سے اس کے پیر چومے ہیں اور (اس میں میری کچھ ذلت نہیں ہوئی) ذلت تو اس شخص کی ہوتی ہے جو ظالموں کی خوشامد اس لئے کرے کہ ان سے کچھ مل جائے اور مجھے تو اگر وہ دس ہزار دینار بھی دے تو سب کو واپس کردوں۔

اور ایک بار ابو موسیٰ رحمہ اللہ محتسب شیخ کے سامنے سے گذرا تو شیخ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ بعض فقہاء نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ میں اس کے لئے محض اس واسطے کھڑا ہوا تھا کہ جب بازار میں غلہ وغیرہ سامان تجارت کم ہو جاتا ہے، اور تجار اس کو اپنے گھر میں بھر کر روک لیتے ہیں، تو وہ اپنے منادی کو بھیجتا ہے جو بازار میں پکارتا پھرتا ہے کہ تجار کو اپنا سامان تجارت (غلہ وغیرہ) دوکانوں میں لاکر رکھنا چاہئے (ورنہ سزا ہوگی) پھر فوراً بازار ہر قسم کی چیزوں سے بھر جاتا ہے، جس سے فقراء و مساکین کو نفع پہونچتا ہے، تو کیا ہم میں سے بھی کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ اھ

پس عزیز من! خبردار ایسے حضرات پر جلدی اعتراض نہ کرنا۔ اور (اول تم) ان کے فعل کے نتیجہ میں غور کرو، پھر اس کے بعد شریعت کی میزان ہاتھ میں لے کر اعتراض کرو۔ اور جو شخص اس قسم کے معاملات میں بزرگوں کے احوال کو غور سے دیکھے گا وہ ان کو ظلم دون ظلم کی قبیل سے پائے گا۔ (یعنی وہ ایک ظلم کو دوسرے ظلم سے کم سمجھ کر کسی ظالم کی تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے اچھا ہے یا یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی تعظیم میں جو مفسدہ ہے وہ اس مفسدہ سے کم ہے جو تعظیم نہ کرنے پر مرتب ہوگا) یا یہ کہ وہ (اس ظالم کا ادب نہیں کرتے، بلکہ) اس ذات کا ادب کرتے ہیں جس نے ہمارے اوپر اس ظالم کو حاکم بنایا ہے، جس کی نظر ہم سے زیادہ کامل ہے۔ یعنی سلطان اعظم شہنشاہ عالم حق تعالیٰ شانہ، کیونکہ جب اس نے ایک شخص کو ہمارے اوپر حاکم بنادیا ہے، اب اس کا ادب کرنا سلطان اعظم کا ادب

ہے،اور اس کی توہین و تحقیر کرنا سلطان اعظم کی تحقیر ہے)۔

اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کی نظر سلطان اعظم سے بھی زیادہ کامل ہے (اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ کا اس کو حاکم بنانا ہر گز بجا نہیں، یہ اس منصب کے ہر گز لائق نہیں) وہ پاگل ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے شیخ عبد اللہ بن ابی جمرہ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ وہ ایک کرسی پر سبز خلعت پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور انبیاء و رسل ان کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔اس نے یہ خواب بعض علماء سے بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ (خواب نہیں، بلکہ) پریشان خیالات ہیں، پھر اس نے بعض عارفین سے اس کو بیان کیا۔ انہوں نے کہا تیرا خواب صحیح ہے۔ اور انبیاء کا شیخ موصوف کے سامنے کھڑا ہونا ان کے ادب کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اس ذات کا ادب تھا۔ جس نے شیخ کو یہ خلعت پہنایا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ عز شانہ ہیں۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے دنیا میں سلطان کسی کو خلعت پہناتا ہے تو بڑے بڑے امراء اس کے سامنے اور آگے پیچھے سواری سے اتر کر چلتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی طرح گھر تک اسے پہنچادیتے ہیں۔ محض سلطان کے ادب سے (اور اس کے خلعت کی تعظیم کے لئے) باوجودیکہ وہ شخص مرتبہ میں ان امراء سے کم ہوتا ہے۔اس تعبیر سے خواب دیکھنے والے کا اشکال زائل ہو گیا۔ (اسی طرح عارفین حکام دنیا کے لئے جو کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس سے حکام کی تعظیم کا قصد نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس خدا کا ادب کرتے ہیں جس نے ان کو ہمارے اوپر حاکم بنایا ہے)

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ کو جب یہ خبر پہونچی کہ کوئی حاکم ان کی زیارت کو آنا چاہتا ہے تو وہ خود اس کے پاس جاتے[1] اور اس کے آنے سے پہلے اس کے گھر پہونچ جاتے۔

---

(۱) اس عہد میں غور کرنا چاہئے۔ اور جو عارف اہل دنیا اور حکام سے ملتا ہو اس پر اعتراض میں جلدی نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بعضوں کی نیت اس میں اچھی ہوتی ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہوا ہے۔ چنانچہ میرے آقا و مرشد سیدی دامت برکاتہم ایک بیرسٹر کی ملاقات کو بعض دفعہ خود تشریف لے جایا کرتے تھے اور اکثر احقر کو بھی ساتھ لے لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے دل میں خطرہ گذرا۔ کہ حضرت اقدس اہل دنیا سے ملنے کو کس لئے تشریف لے جاتے ہیں؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور فرمایا کرتے تھے کہ حکام سے ہدایا لینا اور ان سے دنیوی سوال کرنا ہی مذموم ہے۔ باقی اور کچھ مذموم نہیں (نہ ملنا ملانا، نہ ان کے گھر پر جانا، نہ ان کی تعظیم و تکریم کرنا)۔ واللہ اعلم

(۲۰۸) دنیا کی ہر چیز کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ وجود عالم میں ہر چیز کو نظر اعتبار سے دیکھنا چاہئے اور اس مخفی حکمت کو تلاش کرنا چاہئے، جو اس کے اندر رکھی ہوئی ہے (اس طرح تم کو ہر چیز سے عبرت اور علم عظیم حاصل ہوگا) حق تعالیٰ فرماتے ہیں، وما خلقنا السمٰوٰت والارض ومابینھما باطلا[1]۔

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیانی چیزوں کو بیکار نہیں پیدا کیا (بلکہ ہر چیز میں پیہم حکمتیں ہیں)

اور میں ایک دفعہ (جوانی کے زمانہ میں) ایک شخص کی دوکان پر کھڑا ہو گیا جو مصر میں سلطان حسن کے مدرسہ کے سامنے تیروں کے سیدھا کرنے کا کام کرتا تھا اس نے میری طرف نظر کی اور کہا ایک بچہ ہم کو (غور سے) دیکھ رہا ہے کہ آگ پر اسی تیر کو رکھا جاتا ہے جو

(بقیہ صفحہ گذشتہ) غالباً حضرت کو اس خطرہ پر اطلاع ہوگئی۔ تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ بیرسٹر صاحب کی صورت و وضع ہی وحشت ناک ہے باقی ان کا دل بہت اچھا ہے۔ اھ۔

پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد بیرسٹر صاحب کی حالت ایسی بدلی کہ ان کو دین اور اہل دین کے ساتھ گہرا تعلق ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کی طلب ان کے دل میں پیدا ہوئی اور حضرت مرشدی دام مجدہم کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے، اور عقائد بھی بالکل درست ہوگئے، اس وقت میں سمجھا کہ حضرت کا ان سے ملنا ملانا بغرض اصلاح و تربیت تھا" متع اللہ المسلمین بطول بقائہ ورزقنا من برکات انفاسہ القدسیۃ آمین" خوب سمجھ لو اور کاملین کی حالت کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام[1] ۱۲ مترجم

(۱) ناتجربہ کار آدمی کبھی تجربہ کار کی حالت کو نہیں پا سکتا، پس بات کو مختصر کرنا چاہئے اور (بس) خدا حافظ ۱۲ مرتب۔

(۱) ص/۲۷۔

ٹیڑھا ہے۔ اور جو بالکل سیدھا ہے اس کو آگ پر نہیں رکھتے، ہاں کبھی یوں ہی برائے نام محض قسم پوری کرنے کے لئے کچھ دیر کو آگ کے سامنے کر دیتے ہیں، جیسے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ان منکم الا واردها﴾[1] (جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ تم میں ہر شخص جہنم کے گھاٹ اترنے والا ہے۔ سو کفار سب اور بعض فساق تو جہنم میں جائیں گے ہی۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں ٹیڑھے راستہ پر تھے جن میں کفار کی کجی تو اس درجہ پر ہے کہ ان میں سیدھا ہونے کی قابلیت ہی نہیں۔ اور جو لکڑی سیدھا ہونے کے قابل ہی نہ ہو۔ وہ جلانے اور ایندھن بنانے کے کام آتی ہے۔ اس لئے کفار تو جہنم میں بطور ایندھن کے ڈالے جائیں گے ﴿اولئك هم وقود النار﴾[2]۔

اور فساق کی کجی اس درجہ کی نہیں ان میں سیدھا ہونے کی قابلیت موجود ہے۔ وہ جہنم میں بطور ایندھن کے نہ ڈالے جائیں گے، بلکہ اس طرح جائیں گے جیسے ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں، جس کو جلنے سے بچایا جاتا ہے، ہاں آگ پر رکھنے سے وہ نرم ہو جاتی ہے تو فوراً سیدھا کر دیتے اور کام میں لے آتے ہیں۔ اور دھوئیں کی وجہ سے جو کسی قدر سیاہی لگ جاتی ہے اس کو رندہ اور پالش کے ذریعہ سے صاف کر دیتے ہیں، اسی طرح فساق کا تکبر و تجبر جو باطنی کجی ہے جہنم میں جا کر مٹ جائے گا، پھر ان کو نہر حیات میں ڈال کر جہنم کی سیاہی سے صاف و پاک کر کے حسین و خوبصورت بنا کر جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اور جو لوگ کجی سے بالکل پاک ہیں۔ ان کو محض قسم پورا کرنے کے لئے پل صراط پر سے اتارا جائے گا جو جہنم کی پشت پر قائم ہو گا، اس طرح ان کو بھی جہنم کا سامنا کسی قدر ہو جائے گا جو محض برائے نام ہے۔ خوب سمجھ لو)

تو میں اس شخص کی بات کو ہمیشہ یاد کرتا رہا۔ اور اس کو جوانی کے وقت سے جب کہ میں بے ریش تھا، اب تک دعا کرتا رہا۔ خدا اس پر رحم کرے۔ (کہ اس نے ٹیڑھی لکڑی اور سیدھی لکڑی کی مثال سے کیسا عمدہ سبق بتلایا)

---

(۱) مریم/ ۷۱۔ (۲) آل عمران/ ۱۰۔

(۲۰۹) اگر کوئی شخص کسی کو ہمارے موافق مشورہ نہ دے تو اس سے مکدر نہ ہوں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کوئی شخص ہمارے شریک کو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنے اور کسی عورت کو ہم سے نکاح نہ کرنے۔ اور کسی حاکم کو ہمیں اپنا مقرب نہ بنانے کا مشورہ دے تو اس سے مکدر نہ ہوں، کیونکہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس کو امین سمجھا جاتا ہے (اور اس کی امانت یہی ہے کہ جو کچھ اسے معلوم ہو صاف صاف کہہ دے) اور وہ مثل مجتہد کے ہے (کہ جیسا مجتہد کو راویوں کی حالت بیان کرنا جائز ہے کہ یہ فاسق ہے، یہ کذاب ہے، یہ ضعیف ہے۔ اسی طرح مشیر کو اس شخص کی حالت بیان کرنا جائز ہے جس کے متعلق اس سے مشورہ لیا گیا ہے)

علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی سے ایسے شخص کے متعلق مشورہ لیا جائے جو کسی کی بیٹی سے نکاح کا پیام بھیج رہا ہے تو اس کو سچائی کے ساتھ پیام بھیجنے والے کے عیوب بیان کر دینا چاہئیں۔ (اور یہ غیبت میں داخل نہ ہو گا)

اور ہم کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو عیوب سے بری کریں۔ (اور یوں کہیں کہ جس نے ہماری شکایت کی ہے وہ جھوٹا ہے، ہم ایسے نہیں ہیں) مگر یہ کہ اس (شکایت) پر کوئی حد، حدود الٰہیہ میں سے مرتب ہونے لگے تو اس وقت ہم کو اپنے نفس کی طرف سے جواب دہی کرنا چاہئے۔ اور اس عیب سے اپنی براءت ظاہر کرنا چاہئے۔ تاکہ ناحق سزائے تازیانہ اور تعزیر میں مبتلا ہو کر ہم اپنے نفس پر ظلم نہ کریں۔

اور ہم نے ابتدائے عہود میں یہ بات بیان کی ہے کہ درویش کامل کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر مسلمان جلیس سے کمتر سمجھے۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی سے اس لئے مکدر ہو کہ اس نے کسی شریک یا حاکم یا عورت کے عزیز کے سامنے اس کے عیوب بیان کئے ہیں وہ احمق ہے، اور طالب جاہ ہے۔ اور اگر وہ کامل الیقین ہوتا تو یوں کہتا کہ اگر فلاں چیز میرے نصیب میں ہے تو کوئی اس کو مجھ سے روک نہیں سکتا، یہ برتاؤ تو ہم کو اس شخص سے کرنا چاہئے جو ہمارے اوپر طعن کرے۔ اور اگر کوئی ہمارے کسی دوست پر طعن کرے تو ہم کو اپنی

طاقت کے موافق اس طعن کو رد کرنا چاہئے۔

اور یہ بلاء لوگوں میں آج کل عام ہو گئی ہے کہ جب کوئی ان کے کسی دوست پر طعن کرتا ہے تو یہ خود بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ اس کو رد کرتے، پھر دوست کو خبر کر دیتے کہ بعض لوگ تم پر یہ طعن کرتے ہیں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر لیتا، اور اپنی حالت کی اصلاح کر لیتا اور اگر کوئی دینی بات ہو تو اس سے توبہ واستغفار کر لیتا، اگر وہ اس کے اندر (واقعی) موجود ہو ورنہ اپنی طرف سے جواب دہی کرتا اپنے مسلمان بھائیوں کے دین پر شفقت کی غرض سے کہ اس کی آبرو کے درپے ہو کر ان کا دین ناقص نہ ہو جائے۔

اور ہمارے دوستوں میں سے ایک شخص نے کسی کی غیبت کی تھی تو اسی رات خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور میزان عمل نصب کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سے حجابات اٹھ گئے ہیں جیسا (حجاب اٹھنا) ان کی عظمت وجلال کے لائق ہے اور لوگ باہم ایک دوسرے کو لپٹ رہے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص بھی جس کی اس نے غیبت کی تھی آیا اور اس کو لپٹ گیا تو اس غیبت کے عوض میں اس کے تمام نیک اعمال اس کے سامنے پیش کر دئے گئے وہ ان کو لے کر بھی راضی نہ ہوا۔ پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی اسی قسم کا دعویٰ اس پر کیا اور جو کچھ تھوڑے بہت اعمال رہ گئے تھے وہ لیکر چلتا ہوا۔ پھر تیسرا آیا جب اس نے اس کے پاس عمل نہ پایا تو اس کے گناہ اس پر ڈال دئے گئے اور جہنم کی طرف اسے گھسیٹا گیا، پھر جہنم میں ڈالے جانے سے پہلے اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے قسم کھائی کہ مرتے دم تک کسی کی بھی غیبت نہ کروں گا۔ اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔

جب تک ہم باطن میں کسی امر مذموم کے مرتکب ہوں اس وقت تک تلقین ذکر اور بیعت کرنے کے درپے نہ ہوں

(۲۱۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم باطن میں کسی امر مذموم کے مرتکب ہوں اس وقت تک تلقین ذکر اور اخذ عہد (یعنی بیعت کرنے) کے درپے نہ ہوں۔ ایسے ہی جب ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ہماری بستی میں کوئی شخص ہجرت میں ہم سے مقدم اور ہم سے زیادہ قابل موجود ہے، اس وقت بھی کسی سے عہد (بیعت) نہ لیں، بلکہ اگر ہم یہ دیکھیں کہ

لوگوں کو اس سے اعتقاد نہیں ہے تو ہم کو چاہئے کہ مریدوں کو اس قدیم الہجرت کے پاس جانے کی خود رغبت دلائیں اور ان کو اس کے پاس بھیجیں تاکہ اہل طریق کے ساتھ ادب کرنے کا جو حق واجب ہے وہ ادا ہو جائے۔

اور اس عہد میں اکثر درویش کوتاہی کرنے لگے ہیں۔ اب تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ بستی کے سارے طالب اسی کے مرید ہو جائیں اور جن مشائخ کو ہم نے پایا ہے وہ تو ایسے نہ تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی تعظیم اس کے پیچھے کیا کرتا اور اس کی حرمت کا پاس کرتا تھا، کیونکہ وہ اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ کر دعووں سے الگ ہو چکے تھے اور جس شخص کا شیخ کے ہاتھوں دودھ نہ چھوٹے گا(۱) اس کے اندر حسد اور ہمعصروں کی تحقیر کا مادہ ضرور رہے گا، کیونکہ وہ متفرد و ممتاز بن کر رہنا چاہے گا۔

اور عزیز من! یہ جان لو کہ مشائخ طریق کا مریدوں کو ایک بات پر جمع کرنے سے مقصود صرف یہ ہے کہ دولت باطن میں دین کا شعار قائم ہو جیسا کہ دولت (۲) ظاہر میں شعار دین

---

(۱) دودھ چھوٹنے سے مراد تکمیل کو پہونچنا ہے ۱۲ منہ۔

(۲) حاصل یہ ہے کہ مشائخ کاملین جو بعض دفعہ اپنے مریدوں کو دوسرے مشائخ سے استفادہ کرنے سے منع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ تفرد اور امتیاز کے طالب ہیں، بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ باطن میں شعار دین قائم کرنا چاہتے ہیں یعنی جیسا کہ ظاہر میں جماعت کے اندر ایک امام کی اقتدا سے شعار دین قائم ہوتا ہے اسی طرح باطن میں ایک شیخ کے تعلق سے شعار دین قائم ہوتا ہے اور جس طرح ظاہر میں ایک وقت میں دو اماموں کی اقتدا مذموم ہے اسی طرح باطن میں ایک وقت میں دو یا اس سے زیادہ مشائخ سے تعلق رکھنا مذموم ہے۔

یہی حاصل ہے "وحدت مطلب" کا جو صوفیہ میں مشہور ہے اور اس کے متعلق کچھ تحقیق حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی طرف سے پہلے حصہ میں مذکور ہو چکی ہے۔ فلیراجع۔ لیکن اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ تم سب لوگوں کو اپنا ہی مرید بنانا چاہو تاکہ وحدت مطلب محفوظ رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ تم سے مرید ہو جائیں تو ان کو دوسروں کے پاس جانے سے روکو بشرطیکہ تم کو کشف صحیح سے معلوم ہو جاوے کہ ان کی تکمیل و کامیابی بجز تمہارے (باقی اگے صفحہ پر)

قائم کیا گیا ہے تاکہ اس طرح مسلمانوں کی عبادات کامل ہو جائیں۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ﴾[1] (دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرمادیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع ہوگئے اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ غالباً اس آیت سے مصنف کو ظاہر وباطن پر استدلال کرنا مقصود ہے کہ جس طرح دولت ظاہر کے کچھ احکام ہیں اسی طرح دولت باطن کے بھی کچھ احکام ہیں) اس کو سمجھ جاؤ (اور تلقین ذکر واخذ بیعت میں اپنے سے بڑے پر پیش قدمی نہ کرو) اور اب تو قوم کا طریقہ بہت ہی سستا (اور کم قیمت) ہو گیا اور اس کے طالب بھی کم ہو گئے (تو اب چند آدمیوں کا تلقین ذکر واخذ بیعت کرنا کیا ضرور ہے ایک، دو ہی کافی ہیں)۔

مجھے شیخ نور الدین صندلی واعظ نے خبر دی ہے کہ سیدی شیخ نور الدین حسنی رحمہ اللہ نے اپنی موت سے ایک سال پہلے ایک شخص کو سنا کہ یوں کہتا پھرتا ہے "یاقفۃ شیوخ بعثمانی" (ارے لے لو ایک ٹوکرا شیوخ کا ایک عثمانی[2] میں) اس کی مراد وہ شیوخ تھے جن سے کتان (ریشم) کو کھولا جاتا ہے۔ شیخ نور الدین نے اس سے عبرت حاصل کی (اور یہ سمجھے کہ اب مشائخ طریق کی وقعت نہیں رہے) اور اسی دن سے تلقین ذکر اور اخذ عہد کو ترک کر دیا، یہاں تک کہ (ایک سال کے بعد) انتقال ہو گیا۔ خدا ان پر رحم کرے۔

اور حکماء نے کہا ہے کہ کسی بستی میں مشائخ کا زیادہ ہونا لوگوں کے نزدیک طریق کے بے وقعت ہونے کی دلیل ہے اور اگر مشائخ مریدین کا صدق وخلوص میں امتحان کریں تو ان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور کسی کے ہاتھ پر نہیں ہو سکتی، کیونکہ مقدر یہی ہے اور اگر یہ نہ معلوم ہو تو پھر ان کو دوسروں سے روکنا مناسب نہیں، بلکہ صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہمارے پاس تو یہ ہے جس کو اس سے زیادہ کہیں اور مل سکے وہ وہاں سے لے لے۔ پھر جس کے مقدر میں تمہارے ہاتھ پر کامیابی ہوگی وہ کہیں نہ جائے گا۔ ۱۲ مترجم۔

(۱) الحجرات / ۱۴۔

(۲) چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت تقریباً تین روپیہ ہے۔ ۱۲

میں سے مخلص بہت ہی کم نکلیں گے۔ پس (اس حالت میں) مصر جیسے شہر کے لئے ایک ہی سلوک طے کرانے والا کافی تھا (زیادہ کی کیا ضرورت ہے؟ پس تم طالبین کو دوسرے شیخ کے پاس بھیجنے میں یہ تامل نہ کرنا کہ ایک شیخ اتنے آدمیوں کو کیونکر تعلیم کرے گا)

اور سیدی شیخ یوسف عجمی نے اپنا سلسلۂ طریق مصر میں اس وقت داخل کیا جب کہ ہاتف کو تین دفعہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ ان سے کہہ رہا ہے کہ مصر جاؤ۔ وہ ہر دفعہ اس بات کو ٹالتے رہے۔ جب تیسری بار پھر یہی آواز آئی تو حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یاالٰہی! اگر یہ وارد حق ہے تو اس نہر کے پانی کو دودھ بنادے، یہاں تک کہ میں اپنے اس پیالہ سے دودھ پیوں۔ پس فوراً نہر کا پانی دودھ بن گیا جس سے انہوں نے خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا۔ اس وقت انہوں نے مصر کی طرف سفر کیا یہاں آکر دیکھا کہ سیدی حسن تستری ان سے پہلے مصر پہونچ چکے ہیں اور وہ شیخ یوسف سے زیادہ کامل الحال تھے، تو شیخ یوسف نے ان سے کہا اے حسن! مصر میں طریق ایک ہی کا چل سکتا ہے، پس یا تو تم ظاہر ہو جاؤ اور میں تمہارا خادم بن کر رہوں اور یا میں ظاہر ہو جاؤں اور تم خادم بن کر رہو (دونوں کا ظاہر ہونا ٹھیک نہیں) پھر ہر ایک دوسرے پر ٹالتا رہا (یہ کہتے کہ تم ظاہر ہو، وہ کہتے تم ظاہر ہو) بالآخر سیدی حسن (دست بستہ) کھڑے ہوگئے اور شیخ یوسف رحمہ اللہ کے سامنے صدق وخلوص کے ساتھ خادم بن کر رہے اور ہمیشہ ان کی خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ شیخ یوسف کا وصال ہو گیا تو سیدی حسن ان کے بعد ظاہر ہوئے (عزیز من!) مشائخ ایسے ہوا کرتے ہیں۔ پس تم ان کے ہی راستہ کا اتباع کرو۔ واللہ علیم حکیم۔

کسی سے اس وقت تک بیعت نہ لیں جب تک ہم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اپنے کو علم میں ہم سے کم سمجھتا ہے

(۲۱۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی سے اس وقت تک عہد (بیعت) نہ لیں جب تک ہم کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے کو علم میں ہم سے کم سمجھتا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے کو (علم میں) شیخ سے زیادہ سمجھتا ہو اس سے عہد (بیعت) لینے میں بجز اس کے کہ اس کے نفس کی رعونت اور زیادہ ہوگی کچھ فائدہ نہیں۔

اور بعض دفعہ ایسا ہوگا کہ شیخ اسے کسی بات کا حکم کرے گا اور وہ مخالفت کرے گا، بلکہ میں نے ایک مرید کو دیکھا ہے جس نے (شیخ کے ساتھ) بے ادبی اور گستاخی کا معاملہ کیا شیخ نے اس کو چھوڑ دیا تو اس نے بھی شیخ کو چھوڑ دیا اور اس کی آبرو ریزی کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ کل تو میں نے تجھے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے تو اپنے آپ کو اسی وقت سے مسلمان سمجھا ہے جب سے شیخ کے پاس پہونچا ہوں (پھر آج شیخ کے ساتھ یہ معاملہ کیسا؟) کہنے لگا کہ اس وقت میرے اوپر شیطان سوار تھا۔

اور میں نے ایک طالب علم کو دیکھا ہے جو شیخ نورالدین شونی کے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ سلوک طریق کے متعلق اس سے عہد لے لیں شیخ نے اس سے عہد (بیعت) لے لیا، پھر چند دنوں کے بعد وہ شیخ کے پاس کتاب ابی شجاع (جو فقہ شافعی میں عمدہ کتاب ہے) لیکر آیا اور کہنے لگا حضرت آپ مجھ سے باب وضو اور باب صلوٰۃ پڑھ لیجئے تاکہ آپ کی عبادت مذہب امام شافعی پر درست ہو جاوے۔

شیخ کو اس پر تکدر ہوا پھر فرمایا: بھائی تم مجھ کو زبانی ہی پڑھا دیا کرو، چنانچہ وہ شیخ کو (اسی طرح) پڑھانے لگا اور شیخ خاموش (سنتے) رہے۔ جب وہ چلا گیا تو شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ خطا میری ہی ہے[1] کہ میں نے ایسے شخص سے عہد (بیعت) لیا جو اپنے آپ کو (علم میں) مجھ سے زیادہ سمجھتا ہے۔ پھر مجھ سے بھی خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے اس طالب علم کے پیدا ہونے سے بھی پہلے شیخ یٰسین کے سامنے جامع حاکم میں کتاب "منہاج" کی چند بار شرح کی ہے۔

---

(۱) ہمارے شیخ کا اس پر بخوبی عمل ہے۔ اہل علم اور طلبہ کے بیعت کرنے میں وہ جلدی نہیں کرتے، بلکہ بہت ٹالتے ہیں کیونکہ اہل علم کو اپنے علم پر ناز ہوتا ہے ان میں سے بعض اپنے کو شیخ سے زیادہ عالم سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے کامل انقیاد واتباع ان کو نصیب نہیں ہوتا اور اس طریق کا مدار انقیاد وفنا تجویز پر ہے، اس لئے ہمارے مشائخ اہل علم کو بہت امتحان کے بعد بیعت کرتے ہیں۔ ہاں عوام کی بیعت میں اتنی کاوش نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے کو کسی بات میں بھی شیخ سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ پس ان کے متعلق تو صرف اتنی بات دیکھی جاتی ہے کہ ان میں طلب طریق بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ بعضے محض رسم کے طور پر بیعت ہوا کرتے ہیں، عمل کیلئے بیعت نہیں ہوتے۔ خوب سمجھ لو۔ ۱۲ مترجم

اسی طرح ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے کسی شیخ سے استفادہ شروع کیا اور ان سے کہا کہ حضرت آپ مجھ سے شرح "بھجہ" پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کہا مجھے فراغ نہیں ہے تو لوگوں کے سامنے شیخ کی تنقیص کرنے لگا اور کہتا پھرتا تھا کہ فلاں شیخ تو جاہل ہے اور ہر برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرتا تھا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

(۲۱۲) کسی کا راز ظاہر نہ کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی کا راز ظاہر نہ کیا کریں، ہاں اگر (شرعاً) اس کے افشاء میں اخفاء سے زیادہ مصلحت ہو تو افشاء جائز ہے۔ اور ہمارے شیخ سیدی علی خواص رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ راز وہی نہیں ہے جس کے متعلق دوسرا تم کو وصیت کرے (کہ اس کو ظاہر نہ کرنا) بلکہ قرینہ سے بھی کسی بات کا راز ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص تم سے باتیں کرتا ہوا اِدھر اُدھر دیکھے (کہ کوئی غیر تو نہیں سنتا) تو تم سمجھ جاؤ کہ وہ تم سے اس بات کے چھپانے کی درخواست کر رہا ہے گو صراحۃً زبان سے (اخفاء کو) نہ کہے۔ اب اگر تم اس بات کو منہ سے نکالو گے تو خیانت کرنے والوں میں شمار ہو گے۔ اھ

اور عزیز من! اگر تم اپنے کو کسی بات کے چھپانے سے عاجز سمجھو تو تم کو لازم ہے کہ جو شخص تم سے اپنا راز کہنا چاہتا ہے اس کو اپنی اس کمزوری سے مطلع کر دو۔ اور صاف کہہ دو کہ بھائی میں اخفاء راز پر قادر نہیں تاکہ وہ تم سے احتیاط کر لے، کیونکہ دین تو خیر خواہی کا نام ہے، پھر جب تم اپنی حالت سے اس کو مطلع کر چکے اس کے بعد بھی اگر وہ اپنا راز کہے تو اس صورت میں تم سے زیادہ خود اس شخص پر ملامت ہو گی۔

(۲۱۳) جو باتیں ہم نے کسی عالم سے سیکھی ہیں ان پر خود عمل کریں اگرچہ وہ عمل نہ کرتا ہو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کسی عالم (یا واعظ) کو اپنے علم (یا وعظ) پر عمل نہ کرتا ہوا دیکھیں تو جو باتیں ہم نے اس سے سیکھی ہیں ان پر خود عمل کریں جس سے ہم خود بھی منتفع ہوں گے اور در پردہ اس کو بھی نفع پہونچائیں گے اور اپنے دوستوں کو بھی امر کریں کہ

ان باتوں پر عمل کریں تاکہ اس طرح ہمارا ثواب بھی بڑھ جائے اور اس عالم کا بھی۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں تو اس وقت تک عمل نہ کروں گا جب تک وہ عالم (یا واعظ) خود عمل نہ کرے۔ اس سے بہت بڑا ثواب فوت ہو جائے گا اور نیز یہ (بات) اس کے قلت دین کی علامت ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

(۲۱۴) انصار کی نیک اولاد سے بغض نہ رکھیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ انصار کی نیک اولاد میں سے کسی سے بھی بغض نہ رکھیں اور خود انصار کا حق تو بہت زیادہ ہے اگرچہ وہ ہماری ایذاء میں پوری کوشش صرف کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "من علامة الایمان حب الانصار"[۱] (ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت انصار کی محبت بھی ہے)۔

اور بحمد اللہ[۲] ہم خاندان انصار کی اولاد میں ہیں۔ پس عزیز من! تم ہم سے ہرگز ناحق کراہت مت کرنا، ہم نے تمہارے دین پر شفقت کر کے دینی اخوت کا حق ادا کر کے تم کو خیر خواہانہ نصیحت کر دی ہے (تم مانو یا نہ مانو تمہیں اختیار ہے)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ (اس حکم میں) جماعت انصار کے ساتھ وہ سب حاملان شریعت اور مومنین بھی ملحق ہیں جو دین الٰہی کی مدد کر رہے ہیں۔

شیخ محی الدین (ابن العربی) رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انصار دین دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے ابتداء (از خود) دین کی مدد کی بدون اس کے ان کو نصرت دین کے وجوب کا علم ہو۔ اور دوسرے وہ جن کو نصرت دین کا واجب ہونا کسی نص سے مثلاً ﴿کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ﴾[۳] سے (اول) معلوم ہوا (اس کے بعد دین کی مدد کی) تو اس شخص نے چونکہ ایک امر واجب کو ادا کیا ہے اس لئے اس کو دو ثواب ملیں گے ایک تو نصرت کا دوسرا اداء واجب کا۔ فاعلم ذلك (واللہ یتولی هداك)

(۱) بخاری: ج ۱ ص ۷ "باب علامة الایمان حب الانصار"۔ و مسلم: ج ۱ ص ۱۲۸ "کتاب الایمان" و مسند احمد ج ۳ ص ۷۰۔ و ج ۵ ص ۸۲۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ
(۲) یہ علامہ شعرانی اپنی نسبت فرماتے ہیں۔ ۱۲ منہ
(۳) الصف / ۱۴۔

ایک کپڑے میں لپٹ کر کسی مرد کے ساتھ کبھی نہ سوئیں

(۲۱۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ایک کپڑے میں لپٹ کر کسی مرد کے ساتھ کبھی نہ سوئیں اگرچہ وہ کیسا ہی عزیز دوست ہو اور مردوں کے علاوہ اور کسی کے (جیسے عورتوں اور بچوں کے) ساتھ لیٹنا تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہاں کسی شرعی قصد سے لیٹا جائے تو مضائقہ نہیں (مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ سوئے) اور اس میں ایک ادنیٰ خرابی تو یہ ہے کہ شاید ہم سے ریح صادر ہو جائے تو پاس والے کو اس کی بدبو پہونچے گی۔

اسی طرح ہم کو جاگنے والوں کے پاس بھی نہ سونا چاہئے۔ اس میں بھی وہی اندیشہ ہے کہ شاید ہم سے ریح صادر ہو جائے تو وہ لوگ ہم پر ہنسیں گے اور اس بات کی رعایت کرنا بڑے طبقہ کے لوگوں پر تو نہایت ضروری ہے جیسے عالم اور قاضی اور حاکم اور بزرگ اور سردار اور معلّم وغیرہ اور ہر وہ شخص جس کی عظمت کی جاتی ہو (ان لوگوں کو اپنے چھوٹوں کے سامنے جب کہ وہ بیدار ہوں کبھی نہ سونا چاہئے) واللہ علیم حکیم.

سنن شرعیہ کو سستی اور کاہلی سے کبھی ترک نہ کریں

(۲۱۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ سنن شرعیہ کو سستی اور کاہلی سے کبھی ترک نہ کریں اور نہ یوں کہیں کہ سنتوں کا معاملہ تو سہل ہے (ان کے ترک میں گناہ تھوڑا ہی ہے) جیسا کہ آج کل بے باک لوگوں کی یہی حالت ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا اور مسجد میں جانے کے لئے زینت کرنا، اور بائیں پیر کو جوتہ میں سے پہلے نکالنا اور مسجد میں جاتے ہوئے داہنے قدم کو اول داخل کرنا اور نکلتے ہوئے بائیں پیر کو مقدم کرنا وغیرہ وغیرہ (ان سنتوں میں کبھی سستی نہ کرنا چاہئے)۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ ہر سنت کے بدلہ میں جنت کے اندر ایک درجہ ہے جس کو بجز اس شخص کے جو اس سنت پر عمل کرتا ہو اور کوئی نہیں پاسکے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ "مومن خیر سے کبھی سیر نہیں ہوتا"[1] (تو تم ان درجات سے کس

---

(۱) دیکھیں حدیث "لن يشبع المومن من خير يسمعه حتى يكون منتهاه الجنة" (باقی اگلے صفحہ پر)

طرح مستغنی ہو گئے) اس کو خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ یہ بڑی نفیس بات ہے۔

(۲۱۷) اپنے دوستوں کو ضرورت سے زیادہ سونے نہ دیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو ضرورت سے زیادہ سونے نہ دیا کریں، کیونکہ جو شخص زیادہ سوئے گا وہ قیامت کے دن قلت اعمال کی وجہ سے مفلسوں کی طرح (خالی ہاتھ) آئے گا، اس لئے کہ نیند موت کی بہن ہے اس میں نہ دنیا کا کوئی کام ہوتا نہ آخرت کا اور ہر (شخص کے) بدن (کی صحت) کے لئے نیند کا ایک خاص معیار ہے۔ جس کو انصاف کے ساتھ ہر شخص جان سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو دھوکہ نہ دے اور ستر درجہ کی نیند معتدل ہے (جس کی مقدار ہندوستانی حساب سے ساڑھے تین گھنٹہ ہے) اور بعضوں کے لئے اس سے زیادہ بھی ہے اور بعض کے لئے اس سے بھی کم۔

(غرض نیند کی مقدار معتدل ہر شخص کے قوی اور مزاج کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے قوی پر نظر کر کے چھ گھنٹہ کی نیند معتدل ہے، اس سے زیادہ یا اس سے کم اعتدال کے خلاف ہے۔ یہ مقدار عام طبائع کے لحاظ سے ہے اور کسی خاص فرد کے لئے اس سے زیادہ یا کم مقدار کا معتدل ہونا بھی ممکن ہے۔ مگر ایسے افراد شاذ و نادر ہیں۔ ۱۲ مترجم)

اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ درویشوں کا سونا ضرورت کا سونا ہے (وہ بلا ضرورت نہیں سوتے، بلکہ جب نیند کا از حد غلبہ ہوتا ہے وہ اس وقت مجبور ہو کر سو رہتے ہیں) اور بقدر ضرورت سونا شرعاً معاف ہے کیونکہ یہ انعامات میں سے ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بطور صدقہ کے عطا فرمائے ہیں اور ان سے منتفع ہونے کی اجازت بھی دی ہے اور سب سے بدتر سونا وہ ہے جو اخیر شب میں اور صبح کے بعد اور عصر کے بعد ہو، جیسا کہ ہم نے "لواقح کبریٰ" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور ایک بار شیخ ابو عصمہ رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس طلب حدیث

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ترمذی ج ۲ ص ۹۶ کتاب العلم، باب ماجاء فی عالم المدینۃ۔ ۱۲ مرتب

کے لئے آئے اور انہی کے گھر رات کو رہے تو امام نے ان کے پاس ایک برتن میں وضو کے لئے پانی رکھ دیا۔ پھر امام فجر سے کچھ پہلے تشریف لائے تو برتن کو اسی حال پر پانی سے بھرا ہوا دیکھا جو استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے ابو عصمہ! جب رات میں تمہارا کچھ ورد نہیں تو مجھ سے حدیث سننے کا کیسے ارادہ کرتے ہو؟ پھر آپ نے اس دن ان سے حدیثیں بیان نہ فرمائیں۔

(۲۱۸) حرفت کرنے والوں میں جب کوئی ہم سے مرید ہو تو ہم اس کو اسی پیشہ پر قائم رہنے کا امر کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حرفت کرنے والوں میں سے جب کوئی ہم سے مرید ہو تو ہم اس کو اسی پیشہ پر قائم رہنے کا امر کریں اگرچہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا (توکل اور) یقین کیسا ہی قوی ہو گیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اہل حرفت ہیں جو کہ ذریعۂ معاش میں (مشغول ہو کر) اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کریں، اور (مرید کو بھی لازم ہے کہ اس معاملہ میں شیخ کے ارشاد کی تعمیل کرے اور اپنی رائے سے ذریعہ معاش کو نہ چھوڑے)۔

ایک درویش کا قول ہے کہ میرے نزدیک طالب کو شیخ کے ساتھ اطاعت وانقیاد میں ایسا ہونا چاہئے جیسے وہ جانور جس پر لوگوں کا سامان لدا ہوا ہو اور وہ اسے ہانکے جا رہے ہوں جانور کو کچھ خبر نہیں کہ اس کی پشت پر جو سامان ہے وہ کس کا ہے اور کس کے ساتھ چل رہا ہے، نہ یہ خبر ہے کہ سامان قیمتی ہے یا گھٹیا اور بااین ہمہ وہ بوجھ اٹھانے کی مشقت کو برداشت کرتا اور بھوک پیاس سب کچھ جھیلتا ہے اور اس عمل سے اس کو دنیا یا آخرت میں کسی ثمرہ کی طمع نہیں۔

اور اس عہد میں آج کل بہت درویش خیانت کر رہے ہیں جنہوں نے کسی شیخ کے ہاتھ پر طریق کو طے نہیں کیا۔ یہ لوگ اپنے پیشہ کو چھوڑ کر خانقاہوں میں گھومتے رہتے اور بار ہو کر دوسروں کے سر پڑ جاتے ہیں۔ صدقہ خیرات اور لوگوں کا میل کچیل کھانے لگتے ہیں، حالانکہ پہلے یہ اپنی کمائی سے کھاتے اور فقیروں پر خود صدقہ کیا کرتے تھے بالخصوص اگر ان

میں سے کسی نے خرقہ بھی پہن لیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ رہا اور مقام معرفت کا دعویٰ کرنے لگا یا اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگا، چنانچہ بعض ایسے بھی ہیں۔ یہ تو بالکل ہی تباہ ہو جاتا ہے کیونکہ شیخ بن جانے کے بعد اپنے پہلے پیشہ کی طرف لوٹنے میں اس کا نفس کبھی اس کی موافقت نہ کرے گا اور اس کو ایسا (توکل اور) یقین حاصل ہے نہیں جو لوگوں کے میل کچیل سے اس کو بچائے رکھے۔ نسأل الله العافية۔ آمین

(۲۱۹) جب ہماری لڑکی بالغ ہو جاوے تو اس کے نکاح میں جلدی کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہماری لڑکی بالغ ہو جاوے تو اس کے نکاح میں جلدی کریں اور اس کے نکاح کو کسی خاص شخص پر موقوف نہ کریں (کہ اگر فلاں جگہ سے پیغام آجائے تو ہم وہاں نکاح کر دیں گے اور کسی سے نہ کریں گے) اور نہ کسی ایسے انتظام پر معلق کریں جس میں دشواری ہو (مثلاً یوں کہو کہ ہم تو اس شخص سے نکاح کریں گے جس کی اتنی تنخواہ ہو اور جو اتنا سامان لے کر آئے) کیونکہ اس سے بعض دفعہ لوگوں کو نفرت ہو جاتی اور وہ تمہاری لڑکی کو پیغام دینے سے رک جاتے ہیں، بلکہ جو مسلمان اس کو روٹی کھلا سکے گو سوکھی ہی سہی اس سے اس کا نکاح کر دیں، کیونکہ یہ زمانہ حلال روزی سے دنیا میں گلچھرے اڑانے سے تنگ ہو گیا ہے۔ اس کو سمجھ لو۔ والله يتولى هداك.

اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھی اس کی بیٹی کے جہیز کے متعلق یہ دعویٰ نہ کرنے دیں کہ یہ اس کی ملک نہیں ہے

(۲۲۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں کسی کو بھی اس کی بیٹی کے جہیز کے متعلق یہ دعویٰ نہ کرنے دیں کہ جہیز اس کی ملک نہیں، بلکہ یہ تو اس کی ماں یا دادی یا باپ کا ہے جس سے قصد یہ ہوتا ہے کہ اگر (خدانخواستہ) بیٹی مر جائے تو شوہر اور اس کی اولاد جہیز کے حصہ سے محروم رہیں۔ یہ بات اسی زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اور یہ نفاق و مکر کا ایک شعبہ ہے۔ پھر جو شخص اس طرح شوہر کو محروم کر کے جہیز کو پورا وصول بھی کر لیتا ہے اس کو اس

مال میں برکت نصیب نہیں ہوتی۔

عزیز من! اگر تم اس صفت (نفاق) سے دور رہنا چاہتے ہو تو اپنی بیٹی کو اپنی حیثیت کے موافق طیبِ قلب کے ساتھ جہیز دو اور اس کو بیٹی کی ملک بنادو۔ اب اگر بیٹی مر گئی تو تم کو اس جہیز میں سے شوہر کا حصہ نکلنا گراں نہ ہوگا، بلکہ خوشی سے دوگے۔ اور خبردار! اس قسم کی باتیں[1] نہ بنانا کہ اگر میں اپنی بیٹی کو بہت بڑھیا جہیز نہ دوں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا کہ یہ سب شیطانی ڈھکوسلے ہیں اور ہم نے رسالۃ الآداب میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔

اگر کوئی شخص ہماری بیٹی سے نکاح کا پیغام دے تو اس کو سامان نکاح و مقدمات شادی میں طاقت سے زیادہ خرچ کرنے کی تکلیف نہ دیں

(۲۲۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کوئی شخص ہماری بیٹی سے نکاح کا پیغام دے تو اس کو سامان نکاح و مقدمات شادی میں طاقت سے زیادہ (خرچ کرنے) کی تکلیف نہ دیں۔ جیسے نان نفقہ کے لئے کوئی خاص مقدار رقم کی مقرر کرنا یا خاص قسم کے کپڑے اس کی حیثیت سے زیادہ معین کرنا۔ اور دلہن کی ماں کو بھی منع کردینا چاہئے کہ دلہن کے بناؤ سنگار کیلئے شوہر پر (اس کی حیثیت سے زیادہ) مشقت نہ ڈالے، کیونکہ آج کل دنیا اور دنیا کمانے کے طریقے مر چکے اور اس کے اسباب مٹ چکے مثلاً یہ شرط (نہ کرے) کہ میں تو اپنی بیٹی کو بدون راگ باجے اور قسم قسم کے کھانوں کے نہ بھیجوں گی، کیونکہ آج کل زمانہ اس قسم کے مصارف سے تنگ ہوگیا ہے علاوہ ازیں یہ کہ ان کاموں سے نہ دلہن کو کچھ فائدہ ہے نہ دولہا کو، بلکہ یہ تو محض ہوا کی طرح اڑ جاتے ہیں۔

---

(۱) ناظرین اس عہد میں غور کریں۔ اس کے بعد ''اصلاح الرسوم'' مؤلفہ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان رسوم سے آج کل مسلمانوں کا دین کس قدر تباہ اور دنیا کیسی برباد ہو رہی ہے۔ ۱۲ مترجم

ہاں اگر ایک بڑھیا عورت دف لے کر شب زفاف میں دو ڈھائی آنہ پیسے کی مزدوری پر کچھ گا بجالے جیسا کہ سلف میں دستور تھا اور دو قسم کے کھانے ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں اور جو اس پر زیادتی کرے وہ بے باک و دلیر ہے۔ واللہ علیم حکیم

(۲۲۲) اگر ہماری لڑکی اپنے خاوند کے ساتھ جانا اور اس کے پاس رہنا چاہے تو اس سے مشوش نہ ہوں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہماری لڑکی اپنے خاوند کے ساتھ جانا اور اسی کے پاس رہنا چاہے اور ساتھ رہنے میں شوہر کو ہم پر ترجیح دے تو اس سے مشوش و مکدر نہ ہوں۔ اس میں راز یہ ہے کہ عورت کا خاوند سے محبت کرنا طبعی امر ہے، کیونکہ دراصل وہ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور ماں باپ تو محض واسطہ ہیں اور کچھ نہیں (دوسرے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ [1] یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس اول (یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیٹی کو پیدا کیا تاکہ وہ ان کے پاس پہونچ کر سکون حاصل کریں۔ اور جیسا مرد کو بیوی سے سکون حاصل ہوتا ہے ایسے ہی بیوی کو مرد سے سکون ہوتا ہے۔ پس والدین کو تو اس بات سے خوش ہونا اور یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میاں بی بی دونوں میں الفت و محبت ہے خصوصاً اگر شوہر ذی علم اور نیک ہو (تب تو اس الفت باہمی سے بہت ہی خوش ہونا چاہئے) اور رسالہ آداب میں ہم نے اس مضمون پر مفصل کلام کیا ہے۔

(۲۲۳) جب ہماری لڑکی اپنے خاوند کی شکایت کرے تو اس کے مقابلہ میں اپنی بیٹی کی حمایت و طرف داری میں جلدی نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہماری لڑکی اپنے خاوند کی شکایت کرے تو اس کے مقابلہ میں اپنی بیٹی کی حمایت و طرف داری میں جلدی نہ کریں، بلکہ اطمینان کے ساتھ واقعہ کی تحقیق کریں اور دونوں کو روبرو کر کے ان کی گفتگو سنیں اور ہر ایک کے جوابات میں نظر

---

(۱) اعراف/۱۸۹۔

کریں۔ پھر جب شکایت کا سبب محقق ہو جائے تو اس کے بعد ہوشیاری کے ساتھ مظلوم کی مدد کریں۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ تم ہمیشہ اپنی بیٹی کے مقابلہ میں داماد کے طرفدار رہا کرو اور بیٹی کے سامنے اس کی شکایتوں پر رقت اور رنج ظاہر نہ کرو ورنہ شوہر پر اس کا غصہ بڑھے گا اور مفارقت پر آمادہ ہو گی۔ پھر تم ہمیشہ پریشان رہو گے۔ اگر تم کو شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔

اور شوہر سے کبھی اپنی بیٹی پر غصہ کرنے کا سبب نہ پوچھنا، کیونکہ شاید کوئی ایسی بات ہو جو ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ "مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کس بات پر مارا" (۱)۔

اور عزیز من! تمہاری بیٹی اپنے خاوند کی شکایت میں جس قدر بھی مبالغہ کرے تم اس سے اس پر استدلال کرو کہ اس نے بھی اس کی ایذاء اور مخالفت اور عدم اداء حقوق واجبہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے کیونکہ شوہر کی طبیعت میں اس درجہ حرکت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک اس کی طرف سے بھی کوئی بڑی حرکت صادر نہ ہوئی ہو۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اور اس پر عمل کرو۔ واللہ یتولی ھداك

(۲۲۴) جماع میں اچھی نیت کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جماع میں اچھی نیت کیا کریں۔ مثلاً اپنے کو اور اپنی بیوی کو اجنبی مردوں (اور عورتوں) کی طرف نگاہ بد کرنے سے بچانے کی نیت کریں یا یہ ارادہ کریں کہ انشاء اللہ ہمارے اولاد صالح پیدا ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ہمارے لئے دعائے نیک کیا کرے گی۔ یا اس کے مثل اور کوئی اچھا قصد کریں (مثلاً یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھے گی جس پر قیامت میں آپ ﷺ کو فخر ہو گا)۔

---

(۱) دیکھیں حدیث "لا یسأل الرجل فیما ضرب امراته" ابوداؤد ص ۲۹۲ ج ۱۔ باب ضرب النساء۔ وابن ماجۃ ص ۱۴۴۔ باب ضرب النساء۔ ۱۲ مرتب غفرلہ۔

اور جن ایام میں قرار حمل کی امید ہو ان دنوں میں ایسے وقت جماع کرنا چاہئے جب کہ مرد و عورت دونوں صفات حسنہ سے متصف اور بری خصلتوں سے پاک ہوں۔ پس چاہئے کہ دونوں اول ان باتوں سے توبہ کریں جو شرعاً یا عرفاً مذموم ہیں۔ پھر اس کے بعد رحم میں نطفہ ڈالدیں اور یہ اس لئے (ضروری) ہے تاکہ بچہ اگر اللہ نے چاہا اخلاق حسنہ پر پیدا ہو، کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بچہ اسی حالت پر پیدا ہوتا ہے جو نزول نطفہ کے وقت والدین کے اخلاق کی حالت ہوتی ہے۔ پس اگر بچہ فاسق، بددین، بداخلاق، جھگڑالو، دنیا سے محبت کرنے والا پیدا ہو جو اپنے باپ کو بھی ایک پیسے یا ایک ٹکڑا روٹی کے بدلے بیچ دے۔ تو والدین اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کریں اور اس عہد کا کچھ مضمون اس کتاب میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔

میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قرار حمل کی امید کے زمانہ میں مرد کو یہ نہ چاہئے کہ بیوی سے ایسے وقت میں جماع کرے جب کہ اس کا نفس دنیا و آخرت دونوں کے اعمال سے مردہ ہو ورنہ لڑکا بھی اس کی طرح بے کار و معطل پیدا ہوگا جس سے (دنیا و دین کا) کچھ نفع نہ ہوگا۔ اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ انشاء اللہ تم اس کی برکت کا مشاہدہ کر لوگے۔

(۲۲۵) حمل قرار پانے کے بعد جہاں تک ممکن ہو حفظ صحت کیلئے جماع کم کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حمل قرار پانے کے بعد جہاں تک ممکن ہو حفظ صحت کے لئے جماع کم کیا کریں۔ اور اس لئے بھی تاکہ بہائم اس معاملہ میں ہم سے زیادہ سمجھدار (اور ہم جانوروں سے زیادہ بیوقوف) نہ ہو جائیں۔ چنانچہ کوئی مادہ گابھن ہو جانے کے بعد نر کو اپنے اوپر چڑھنے نہیں دیتی۔

اور سیدی شیخ احمد بن عاشر شیخ صالح کے والد جو سلطان قایتبای مصر کے روضہ میں شیخ الصوفیہ تھے اسی طریقہ پر تھے کہ جب ان کی بیوی حاملہ ہو جاتی تو جب تک بچہ پیدا ہوتا، اور دودھ نہ چھوٹ جاتا، اس وقت تک وہ اس کے پاس نہ جاتے تھے۔

اور سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جماع میں کثرت نہ کرنا چاہئے۔ البتہ

اگر کسی کے تحت میں جوان عورت ہو جس پر غیروں کی طرف نگاہ لڑانے کا اندیشہ ہو اس کو کثرت جماع کا مضائقہ نہیں۔ اور کثرت کی حد یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ہو۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں مزاج کے اختلاف اور صحت وضعف کے اعتبار سے حکم بدل سکتا ہے۔ پھر عزیز من! کثرت جماع کے مفاسد میں سے ایک مفسدہ یہ ہے کہ تمہارے جماع کی وجہ سے بیوی نہانے اور نماز پڑھنے میں دیر کر دیتی اور نماز قضا کر دیتی یا بعض اوقات بالکل ہی ترک کر دیتی ہے۔ یا اگر وہ غسل کی جگہ تیمّم کر لے تو اس کا ثواب کم ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ تساہل کی وجہ سے تم خود بھی اسے غسل کا حکم نہیں کرتے یا اس کے نہانے دھونے کی اصلاً تفتیش نہیں کرتے، بلکہ اسی حالت میں اس سے جماع کرتے رہتے اور اسے آزاد چھوڑ دیتے ہو۔ اور کئی کئی رات تک جنابت کی حالت میں اپنے پاس لٹاتے رہتے ہو۔ اور بعض دفعہ تم اس کو غسل کے لئے اس واسطے نہیں کہتے کہ وہ حمام (میں جانے) کی اجرت مانگے گی۔ اور کبھی وہ تمہارے کہنے سے تیمّم بھی کر لیتی ہے، حالانکہ یہ تیمّم بدون عذر شرعی کے اور محض کسل کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ گھر میں غسل کرنے سے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتی ہے خصوصاً جاڑوں کی موسم میں۔

اور بعض عورتیں یہ بہانہ کرتی ہیں کہ جب ہم حمام کے سوا کسی اور جگہ سر کھولتے ہیں تو ہم کو زکام ہو جاتا ہے۔ اور ہر روز یا دوسرے تیسرے دن حمام میں جاتے ہوئے اس کو اپنے پڑوسیوں سے اور حمام والوں سے شرم آتی ہے۔ (کہ وہ یوں کہیں گے کہ یہ ہر دن کس واسطے نہانے آتی ہے) خصوصاً اگر وہ اپنے والدین یا بھائی بہنوں کے پاس رہتی ہو (جب تو اس کو روزانہ حمام میں جاتے ہوئے بہت ہی شرم آتی ہے) اور گو یہ شرعاً کچھ عذر نہیں، مگر اس حیا وشرم کی وجہ سے عورت بالکل معطل ہو جاتی (اور نماز سے محروم رہتی) ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی طبعی پابندیوں سے آزاد ہونے پر قدرت نہیں رکھتا۔

پس عزیز من! جہاں تک ممکن ہو جماع میں تقلیل کرو۔ اور اپنی بیوی کے نقصان دین کا سبب نہ بنو اور جماع کے بعد غسل حمام کی اجرت دینے میں تساہل نہ کرو، بلکہ تم کو چاہئے کہ (حتی الامکان) اپنی بیوی کی (دین کے معاملہ میں) مدد کرو۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ نماز

وغیرہ کی بے قدری سے مسلمان جان بلب ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ شہروں اور دیہات میں اس حالت کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ واللہ یتولی ہداک۔

(۲۲۶) جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں علماء کی نقل کی مخالفت کرے تو اپنے دوستوں کو اس پر اعتراض میں جلدی کرنے سے روکیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں علماء کی نقل سے مخالفت کرے تو اپنے دوستوں کو اس پر اعتراض میں جلدی کرنے سے روکیں، ہاں اگر ان کا علم تمام طریق شریعت پر محیط ہو چکا ہو اور ان میں سے کسی طریق میں بھی یہ حکم نہ ملے (تو اس وقت اعتراض کرنے کا مضائقہ نہیں) مگر ایسا بہت نادر ہے (کہ کسی کا علم تمام طریق شریعت کو محیط ہو جاوے) اور اس عہد سے مقصود یہ ہے کہ بے علمی کے اعتراضوں کا دروازہ بند ہو جاوے۔

اور طبرانی [1] نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری شریعت تین سو تیرہ طریقوں پر نازل ہوئی ہے۔ ان میں سے جس طریق پر بھی بندہ حق تعالیٰ تک پہونچ جائے وہ جنتی ہے۔ اھ پس عزیز من! اگر تم ان سب طریقوں سے واقف ہو اور جس مسئلہ میں تم کو اعتراض ہے وہ ان میں سے کسی میں بھی نہ ملے۔ تب تو تم کو اعتراض کا حق ہے، ورنہ تسلیم ہی بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

(۱) ہمیں اس حدیث کی سند معلوم نہیں کہ کیسی ہے صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع ہے۔ اور ذوق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اسی لئے جب تک حدیث کی سند کی حال معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عہد پر بھی اعتماد دشوار ہے۔ پس علماء اس حدیث کی تحقیق کر کے اس عہد میں غور فرمالیں۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم

(۲۲۷)جب عہدہ داران سلطنت تک ہماری رسائی ہو جائے تو ہم کسی کیلئے عہدۂ حکومت کی سعی نہ کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب عہدہ داران سلطنت یا قاضی لشکر وغیرہ تک ہماری رسائی ہو جائے تو ہم کسی کے لئے عہدۂ حکومت (دئے جانے) کی سعی (اور سفارش) نہ کریں اور (اگر کوئی ہم سے اس معاملہ میں امداد چاہے تو) ہماری طرف سے اس کی بڑی امداد یہ ہونا چاہئے کہ اس کی باطل امداد نہ کریں۔

البتہ اگر یہ شخص ساری بستی میں سب سے اچھا ہو تو دین کی اور مسلمانوں کی مصلحت کا خیال کر کے اس کی امداد کر دیں اور سب سے اچھا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص عہدہ حکومت ملنے کے بعد لوگوں کی پریشانی و مصیبت کو دور کرے۔ اور ان پر سے مظالم کم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دے۔ اور خاص اپنی ذات کیلئے (مال جمع کرنے کا طالب نہ ہو، بلکہ) قدر قلیل تنخواہ پر راضی ہو جس پر اس کے سوا کوئی راضی نہیں ہو سکتا نہ قاضی، نہ محتسب، نہ شیخ عرب، نہ والئ جیل، نہ حاکم شہر کا جاں نثار وغیرہ وغیرہ (سوایسے شخص کیلئے عہدۂ حکومت کی سعی کرنا اسلام و مسلمین کی بہبودی کی نیت سے درست ہے) اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے (بس اپنی نیت کو اچھی طرح کر لو)۔ والسلام۔

(۲۲۸)جو شخص کسی عہدۂ حکومت سے معزول ہو جائے تو اس کو صبر کی وصیت کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص کسی عہدۂ حکومت سے معزول ہو جائے اور اس عہدہ پر ایسا آدمی پہنچ جائے جو کسی زمانہ میں اس کا ماتحت تھا اور اب وہ اس پر حکومت کرنے لگے (جیسا کبھی یہ اس پر حکومت کرتا تھا) تو ہم اس (معزول) کو وصیت کریں اور یوں سمجھائیں کہ دنیا تو قرض بالوفاء ہے (کہ آج لیا اور کل دیدیا) اور میاں تم نے بھی تو ایک عرصۂ دراز تک اس شخص پر حکومت کی ہے (جو آج تم پر حاکم ہے تو بس اب صبر کرو جیسا کہ وہ بھی کسی وقت (تمہاری حکومت پر) صبر کرتا تھا۔ واللہ یتولی ھداک

(۲۲۹) اپنے دوستوں کو تاکید کریں کہ جب کسی عالم یا درویش کے پاس جانا چاہیں تو اپنی عقل کی ترازو کو توڑ کر ان کے پاس جایا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو تاکید کریں کہ جب کسی عالم یا درویش کے پاس جانا چاہیں تو اپنی عقل کی ترازو کو توڑ کر ان کے پاس جایا کریں۔ اس سے سمجھ لو کہ امتحان کی غرض سے جانا کیا کچھ ہوگا؟ (یہ تو بہت ہی سنگین جرم ہے) اور اس وقت میزان عقل کو توڑنے کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ وہ عالم یا درویش اپنے علم سے ہمیں نفع پہونچائے اور شریعت کے ان اسرار پر مطلع کرے جن پر وہ مطلع ہوا ہے اور وہ دقائق بیان کرے جو کثرت مطالعہ اور شب بیداری سے اس نے حل کئے ہیں (اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ تم طالب و مستفید بن کر جاؤ، مدعی یا ممتحن بن کر نہ جاؤ) پس یاد رکھو! کہ جو شخص کسی عالم یا بزرگ کے پاس ممتحن بن کر جائے گا وہ وہاں سے مردود ہو کر نکلے گا۔

امام اودنی رحمہ اللہ علیہ جو شافعیہ کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں اپنے زمانہ میں دقائق علوم کے ساتھ مخصوص و ممتاز تھے، ان کے یہاں علمی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں تو اس وقت وہ ایسے ایسے جوابات بیان کرتے تھے جن کو بجز ان کے اور کوئی عالم نہ جانتا تھا، مگر علماء ان کے جوابات پر اعتراض قائم کرتے (اور اس طرح ان کو امتحان سے تنگ کرنا چاہتے تھے) پھر ہر چند کہ وہ ان کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے پر قادر تھے لیکن کسی ایک اعتراض کا بھی جواب نہ دیتے اور (ظاہر) میں سب سے مغلوب ہو کر مجلس [۱] سے اٹھ جاتے اور یوں فرماتے تھے کہ میں تو اپنا علم اس کو دوں گا جو مجھ سے ایک علمی فائدہ حاصل کر کے عمر بھر

---

(۱) الحمد للہ ہمارے مشائخ کا بالخصوص حضرت سیدی حکیم الامت دام مجدہم کا اسی پر عمل ہے ممتحن و مدعی کو وہ ہرگز جواب نہیں دیتے اور اس کے سامنے اپنے علوم کو کبھی ظاہر نہیں کرتے گو وہ یہی سمجھے کہ ان کو کچھ نہیں آتا، ان کی بلا سے اگر وہ یہی سمجھتا رہے تو ان کا کیا نقصان ہے ان کا تو یہ مذاق ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میری خدمت کرتا رہے اور پھر بھی یہ نہ سمجھے کہ اس نے میرے احسان کی کچھ مکافات کردی ہے۔ عزیز من! اس کو خوب سمجھ لو اور جہاں تک تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو۔ واللہ یتولیٰ هداك

(۲۳۰) اپنے نصیحت کرنے والے دوستوں کو حکمت و تدبیر کے طریقے بتائیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو جب وہ اپنے شہر میں دوسروں کی نصیحت کے درپے ہوں سیاست (اور تدبیر) کے طریقے بتلائیں، کیونکہ بہت سے نصیحت کرنے والے بغیر سیاست (و تدبیر) کے نصیحت کرتے ہیں تو اس سے شہر میں بڑے بڑے فتنہ پیدا ہو جاتے ہیں جو اس گناہ سے بھی اشد ہوتے ہیں جس میں انہوں نے کسی کو نصیحت کی تھی۔

میں نے ایک دفعہ مسجد کے دربان کو دیکھا کہ وہ ایک شخص سے جو مسجد میں اپنے جوتوں کے نیچے کا حصہ دوسرے سے بدون ملائے ہوئے الگ الگ کر کے داخل ہوا تھا، کہہ رہا ہے کہ او یہودی، او نصرانی، او کتے، او خدا سے نہ ڈرنے والے! اپنے جوتوں کو باہم ملا لے اس کا انجام یہ ہوا کہ والی کی عدالت میں مقدمہ کی نوبت پہنچی اور اہل محلّہ کی دو پارٹیاں ہو گئیں (ایک بواب

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(عشق اور مستی کے راز، ڈینگیں مارنے والے سے مت کہو، اسے رہنے دو تاکہ وہ خود پرستی کی پریشانی میں تباہ و برباد ہو جائے۔ ۱۲ مرتب عفی عنہ)

ہاں کبھی تحدث بالنعمۃ کے طور پر یوں بھی فرمادیتے ہیں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز　　　ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

(راز فاش کرنا مصلحت نہیں ہے ورنہ قلندروں کی مجلس میں کوئی اہم بات ایسی نہیں ہے جو نہ ہو۔ ۱۲ مرتب)

کی طرف، دوسری مسجد میں آنے والے کی طرف) اور باہم سب میں خصومت ہو گئی اور والی عدالت میں سب کے سب پہونچے اور بہت سا مالی نقصان برداشت کرنا پڑا اور سارے محلّہ والوں میں عداوت کھڑی ہو گئی اور میں ان کے درمیان صلح کرانے سے عاجز ہو گیا حتی کہ شعبان کی پندرہویں رات میں بھی صلح نہ کرا سکا (حالانکہ اس رات میں سب کو خصومت وعداوت سے توبہ کر کے ضرور صلح کرلینا چاہئے، کیونکہ اس رات میں سب گنہگاروں کی مغفرت ہو جاتی ہے بجز مشرکین کے اور باہم خصومت رکھنے والوں کے)۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص بدون تدبیر کے نصیحت کرے گا وہ اصلاح سے زیادہ فساد برپا کرے گا اور اگر جامع مسجد کا دربان یوں کہتا کہ اے بھائی! اپنے جوتوں کو باہم ملالو، یوں کھلا ہوا لے کر مسجد میں نہ جاؤ تاکہ مسجد میں کچھ ناپاکی نہ گر پڑے تو دوسرا شخص اس کی بات ضرور مان لیتا اور کہتا کہ "جزاك الله خيرا" اور یقیناً وہ اپنے جوتے باہم ملالیتا۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نصیحت کرنے کی شرط یہ ہے کہ نصیحت [1] سے پہلے ایسی تمہید اٹھائی جائے جس سے دوسرا شخص خود بخود اس کام کے چھوڑنے یا کرنے پر آمادہ ہو جائے جس کیلئے تم نصیحت کرنا چاہتے ہو۔ اھ۔

اور یاد رکھو! بسا اوقات ایسے شخص جو بدون سیاست وتدبیر کے نصیحت کرتا ہے نصیحت کے بعد اپنے فعل پر نادم ہونا پڑتا ہے اور جب دوسرا شخص جسے نصیحت کی تھی اس کو ایذا دیتا ہے اس وقت یوں کہتا ہے کہ میں ہی ظالم اور قصوروار تھا کہ میں نے اس کو نصیحت کی۔ اب یہ شخص نصیحت کو جو شرعاً واجب ہے ظلم قرار دیتا ہے حالانکہ اس کو نصیحت کی وجہ سے ایذا نہیں پہنچی، بلکہ طریق سیاست سے ناواقف ہونے کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ یہ نفیس علم ہے۔

---

(۱) حضرت حکیم الامت دام مجدہم بھی ہر شخص کو نصیحت وامر بالمعروف کی اجازت نہیں دیتے۔ خانقاہ میں سب کو منع کر رکھا ہے کہ کوئی کسی کو نصیحت نہ کرے، بلکہ جس کو نصیحت کرنا ہو وہ ہم سے کہہ دے ہم خود اس کو نصیحت کر دیں گے۔ البتہ جن پر یہ اعتماد ہے کہ وہ تدبیر سے نصیحت کریں گے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ۱۲ جامع

(۲۳۱) کفار کو بھی نصیحت کیا کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کفار اہل ذمہ[1] کو بھی نصیحت کیا کریں۔ مثلاً جب ہم ان کو ایسا کام کرتے دیکھیں جو اخلاق رذیلہ سے ناشی ہے تو ہم ان کو مکارم اور اخلاق کی تعلیم دیں تاکہ اگر کبھی ضرورت کی وجہ سے کسی مسلمان کو اس کافر سے معاملہ پڑے تو اس کو ہماری اس تعلیم سے نفع پہنچے (کیونکہ جب ذمی کے اخلاق درست ہوں گے تو وہ اہل معاملہ کو تکلیف نہ دے گا)۔

دوسرے ذمی کو ہماری تعلیم سے کچھ نفع پہونچ جانا دنیا میں تو مضر نہیں اور آخرت میں مفید ہے وہ یہ کہ وہاں ہم کو اپنی نیت کے موافق ثواب ملے گا اگرچہ ذمی کو آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا۔

تیسرے یہ بھی ممکن ہے کہ علم الٰہی میں اس کافر کیلئے اسلام لانا مقدر ہو اور وہ مسلمان ہو جائے تو اس وقت پہلی نیکیوں کے ساتھ وہ اسلام میں داخل ہوگا (یعنی اسلام سے پہلے جو نیک کام اس سے صادر ہوئے ہیں ان پر بھی اس کو ثواب ملے گا، کیونکہ اسلام لانے سے کافر کے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور گذشتہ نیکیاں مقبول ہو جاتی ہیں، اس صورت میں ہم نے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کی اور اس کا موجب ثواب ہونا ظاہر ہے)۔

اور کفار کے ساتھ ایک خیر خواہی یہ بھی ہے کہ ان میں سے جو لوگ محارب ہوں (یعنی نہ مسلمانوں کی رعایا ہوں نہ ان سے صلح کئے ہوئے ہوں) ان کے ساتھ قتال و جہاد کیا جائے تاکہ وہ اسلام لے آئیں اگرچہ وہ اس کو اپنے لئے خیر خواہی نہ سمجھیں (مگر واقع میں یہ بڑی خیر خواہی ہے کہ ہم ان کو خدا تعالیٰ کی بغاوت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل کرتے اور جنت کا مالک بناتے ہیں)۔

اور اپنی اولاد اور غلاموں اور خادموں اور مریدوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو

---

(۱) اہل ذمہ وہ کفار ہیں جو مسلمانوں کی رعایا ہیں یا ان سے صلح کئے ہوئے ہیں "فان السالم کالمعاھد فی کثیر من الاحکام" ۱۲ منہ

ادب اور شائستگی سکھائی جائے، چاہے مارنے اور بے رخی کرنے ہی کا طریقہ اختیار کرنا پڑے۔

شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ نصیحت نصاح بمعنی دھاگہ سے مشق ہے اور نصیحت بمنزلہ سوئی کے ہے اور ناصح بمنزلہ درزی کے ہے جو کپڑے کے ٹکڑوں کو جوڑ کر قمیص یا اچکن کی شکل میں بنا دیتا ہے۔

اسی طرح ناصح فی الدین کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے سب کو ایک راستہ پر لے آتا ہے اور ہم نے رسالۃ الاداب میں حدیث "الدین[۱] النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم"[۲] کے معنی پر مفصل کلام کیا ہے واللہ واسع علیم

(۲۳۲) جو پڑوسی ہمارے سامنے گناہ کرتا ہو تو جہاں تک ہو سکے ہم اس کی پردہ پوشی کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے پڑوسیوں میں سے جو شخص ہمارے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہو اور اپنے پردہ کا اہتمام نہ کرتا ہو تو جہاں تک ہو سکے ہم اس کی پردہ پوشی کریں اور اس کے اس گناہ کو شائع نہ کریں، اس سے زیادہ اس کے نفس کے ساتھ خیر خواہی کریں تو انشاء اللہ ہم محسنین میں لکھے جائیں گے۔ دوسرے حق تعالیٰ ہمارے واسطے کوئی ایسا شخص پیدا کر دیں گے جو ہمارے عیوب کو چھپایا کرے گا اور ظاہر نہ کرے گا۔

اور کھلم کھلا گناہ کرنے والے کو یہی (سزا) کافی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا ہم کو اس سے بچائے، اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس گناہ کو کسی نے عامۃ الناس کے سامنے کھلم کھلا ظاہر کر دیا ہو اس میں بھی اس پر سختی سے نکیر نہ کریں، کیونکہ ہماری گفتگو اس گناہ میں ہے جس کو دوسرے آدمی بدون ہمارے ظاہر کئے نہ جان سکیں کہ اس میں تو وہ مجاہر نہیں، بلکہ مستتر ہے (تو ایسے گناہ میں ہم کو اس کا پردہ فاش نہ کرنا چاہئے)

(۱) ترجمہ: دین نام ہے اللہ و رسول اور مسلمانوں کے ائمہ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا۔ ۱۲منہ

(۲) بخاری ج ۱ ص ۱۳ کتاب الایمان۔ باب الدین النصیحۃ الخ...... ۱۲مرتب

والحمد للہ رب العالمین۔

(۲۳۴۳)اپنے دوستوں میں سے علماء ظاہر کوذاکرین کی تعظیم کاامر کریں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے علماء ظاہر کو ذاکرین وذاکرات کی تعظیم کاامر کریں، کیونکہ یہ لوگ ذکر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی کی طرف منسوب ہوتے ہیں (خواہ واقع میں بھی اس نسبت سے متصف ہوں یانہ ہوں، لیکن ظاہری نسبت تو ان کو ضرور حاصل ہے) حق تعالیٰ کاارشاد ہے "انا جلیس من ذکرنی[1] ای انامعه" میں اس شخص کا جلیس ہوں جو مجھے یاد کرے یعنی میں اس کے ساتھ ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ہوں کسی دیندار کو کسی وقت بھی اس کے ساتھ ایذا سے پیش آنا یادل میں اس کے ساتھ برائی کا قصد کرنا مناسب نہیں اور یہ بات اگرچہ ہر مسلمان کے متعلق ضروری ہے مگر ذاکرین کے حق میں اسکی رعایت کرنا بہت ضروری اور نہایت ضروری ہے۔

اور ہم نے کسی ایسے شخص کو جس نے فقراء وصالحین میں سے کسی کو بلاوجہ ایذادی ہو کبھی نہیں دیکھا کہ اس کا خاتمہ اچھی حالت پر ہوا ہو (بلکہ عموماً ایسے لوگوں کا خاتمہ براہی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ) اور حدیث صحیح میں ہے "من آذی لی ولیافقد آذنته بالمحاربة"[2] (جو شخص میرے کسی ولی کوایذادے میں اس کواپنے ساتھ جنگ کرنے کااعلان دیتاہوں)۔

اور ولی کی علامت جس میں کچھ شک نہیں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کاذکر زیادہ کرتاہو۔ اس کی تائید شیخ ابوعلی دقاق کے ارشاد سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ذکر ولایت کافرمان ہے

---

(۱) کشف الخفاء ص ۲۳۲ ج۱اور اتحاف السادۃ ص ۲۸۷ ج۶۔ ۱۲مرتب عفااللہ عنہ

(۲) یہ الفاظ نہیں ملے، البتہ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۳ کتاب الرقاق "باب التواضع" میں یہ الفاظ ہیں "من عادی لی ولیافقد اذنته بالحرب"۔ اور ابن ماجۃ ص ۲۹۶ "باب ترجی له السلامة" میں یہ الفاظ ہیں۔ ان من عادی لله ولیافقد بارز الله بالمحاربة ۔ ۱۲مرتب عفااللہ عنہ

جس کو ذکر کی توفیق عطا ہو گئی اس کو ولایت کا فرمان[1] (اور قرب الٰہی کا نشان) عطا ہو گیا۔ اھ

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو یہ مناسب نہیں کہ ذاکرین کو مسجد میں ذکر جہر کرنے سے منع کرے، ہاں کسی شرعی وجہ سے منع کرے تو مضائقہ نہیں مثلاً ذکر جہر سے سونے والوں یا نمازیوں یا علم دین کا مطالعہ کرنے والوں کو تشویش و پریشانی ہوتی ہو پس منع کرنے والا اپنے نفس کو ٹٹول کر دیکھ لے، کیونکہ بعض دفعہ اس کا منع کرنا بلا وجہ شرعی کے ہوتا ہے۔ ﴿واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم﴾. (البقرہ / ۲۱۳)

کتاب اللہ اور احادیث میں جو امور از قبیل متشابہات ہیں ہم ان کے معانی کی تلاش میں اپنے آپ کو پریشانی اور تعب میں نہ ڈالیں

(۲۳۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کتاب اللہ اور احادیث میں جو امور از قبیل متشابہات ہیں ہم ان کے معانی کی تلاش میں اپنے آپ کو پریشانی اور تعب میں نہ ڈالیں، بلکہ ہم کو صرف اتنا کرنا چاہئے کہ اپنے آئینہ دل کی صفائی[2] اور جلا میں کوشش کریں یہاں تک کہ

---

(۱) میں کہتا ہوں جب کثرت ذکر ہی ولایت کی علامت اور ولایت کا فرمان اور قرب الٰہی کا نشان ہے، تو اب سالکین کو ذکر کے سوا کسی اور چیز کا طالب ہونا جیسا کہ بعض لوگ کیفیات وغیرہ کے طالب ہوتے ہیں حیرت اور ستم ہے۔ بس ان کو صرف یہ طلب ہونا چاہئے کہ ذکر پر دوام نصیب ہو جائے اور اکثر اوقات ذکر الٰہی میں زندگی بسر ہو۔ پس یہی ولایت ہے اور یہی مقصود ہے۔ اسی سے نسبت و تعلق مع اللہ نصیب ہو جاتا ہے۔

اور یاد رکھو! کہ دوام ذکر کی توفیق بدون معاصی سے بچنے کے نہیں ہوتی۔ پس سالک کو معاصی سے خواہ وہ حقوق اللہ کے متعلق ہوں یا حقوق العباد کے نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔ اور کثرت ذکر کا فکر کرنا چاہئے، دل سے بھی زبان سے بھی، یہی منتہی کامیابی ہے ۱۲ منہ

(۲) اور اس میں راز یہ ہے کہ امور متشابہہ زیادہ تر ذوقی امور ہیں، استدلالی مضامین نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ ذوقیات کا علم دلائل سے نہیں ہو سکتا، بلکہ ذوق صحیح حاصل کرنے سے ہو سکتا ہے۔ بھلا کوئی نامرد یا نابالغ بچہ لذت جماع کو دلائل سے بیان کر تو دے، ہر گز نہیں کر سکتا اور جو بیان کرے گا بھی تو نہ معلوم کیا سے کیا ہانکے گا، کبھی اس کو میٹھا کہے گا، کبھی نمکین، (باقی اگلے صفحہ پر)

وہ زنگ دل سے اتر جائے جو معاصی اور شہوات کی وجہ سے اس پر چڑھ گیا ہے تاکہ ہم حق وباطل میں امتیاز کرنے لگیں تو اس وقت انشاء اللہ متشابہات کے معنی خود بخود ہم پر واضح ہو جائیں گے۔

اور اس تدبیر کو بہت لوگوں نے آج کل چھوڑ رکھا ہے اور باوجود حرام غذا کھانے اور مسلمانوں کی غیبتیں کرنے اور علم اخلاص حاصل کئے بغیر وہ اپنی عقلوں کو متشابہات کے معنی دریافت کرنے میں پریشان کرتے ہیں پھر (اس حالت میں) نہ وہ دقائق (شریعت) کو کچھ سمجھتے ہیں اور نہ متشابہات کو جانتے ہیں، بلکہ سمجھ ہی نہیں سکتے اور اخیر انجام یہ ہے کہ وہ ان کے سمجھنے سے (بالکل) عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس کو خوب جان لو اور اس پر عمل کرو۔ واللہ يتولى هداك

(۲۳۵) اس زمانہ میں اگر کوئی ہم سے کسی کی حالت دریافت کریں تو صرف اتنا کہیں کہ وہ ہم سے اچھا ہے باقی پوری حالت کسی اور سے دریافت کرو

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں اگر کوئی ہم سے کسی کی حالت دریافت کرے (کہ فلاں شخص کا چال چلن کیسا ہے) اور ہم کو اس کی حالت پوری طرح معلوم نہ ہو (بلکہ شک ہو) تو ہم اس سے زیادہ کچھ نہ کہیں کہ صاحب ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ہم سے اچھا ہے، باقی پوری حالت کسی اور سے دریافت کرو، کیونکہ درویش کی شان یہ ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کے عیوب اور معاصی کا تجسّس نہ کرے اور (جب تجسّس نہ کرے گا تو اس کو پوری حالت کسی کی بھی معلوم نہیں ہو سکتی، کیونکہ) جو لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں ان میں زیادہ وہی ہیں جو (ظاہر میں) خشوع اور عاجزی کی صورت بنا کر، نمازی اور ذاکر، شاغل بن کر اس کے سامنے آتے ہیں (تو درویش کو اپنے اصحاب کی صرف اسی حالت کا علم ہو سکتا ہے جو

(بقیہ صفحہ گذشتہ) حالانکہ وہ لذت ان سب سے الگ ہے۔ اسی طرح دین میں بھی بعض امور ذوقی ہیں جن کی حقیقت کا انکشاف دلائل عقلیہ سے نہیں ہو سکتا، بلکہ ذوق صحیح سے ان کا کچھ پتہ چل سکتا ہے اور ذوق صحیح حاصل ہونے کی تدبیر تقوی اور کثرت ذکر ہے۔ ۱۲ مترجم

وہ اس کے سامنے ظاہر کرتے ہیں) اور خانقاہ سے باہر ان کی جو حالت ہوتی ہے اس کا درویش کو علم نہیں ہوتا (اور بدون تجسّس کے ہو بھی نہیں سکتا اور یہ تجسّس کرے گا نہیں، کیونکہ اس کی شان سے بعید ہے، پھر وہ کسی کی تعریف و توصیف و تزکیہ کیونکر کر سکتا ہے؟)۔

اسی وجہ سے سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ درویش نہ کسی پر جرح و طعن کیا کرتا ہے نہ کسی کی زیادہ تعریف کرتا ہے، کیونکہ وہ تو سب آدمیوں کو محبت [1] کی نظر سے دیکھتا ہے اور (تزکیہ و تعریف میں ایک خرابی یہ ہے کہ) اگر کبھی درویش نے کسی فاسق کی تعریف کر دی کہ یہ بہت اچھا اور صالح ہے۔ پھر اس نے جھوٹی گواہی دیدی تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے (کیونکہ حکام تو حضرت شیخ کی تعریف و تزکیہ کی بناء پر شاہد عدل سمجھ کر اس کی گواہی کو قبول کرلیں گے اور واقع میں وہ جھوٹا ہے تو ان کی تعریف و تزکیہ سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوگا) اس کو خوب سمجھ لو۔

(۲۳۶) جن اولیاء پر بعض لوگوں نے اعتراض کے ساتھ کلام کیا ہے ان کا تذکرہ انہی لوگوں کے سامنے کیا کریں جو ان کے معتقد ہیں

(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جن اولیاء پر بعض لوگوں نے (اعتراض کے ساتھ) کلام

(۱) اور اس محبت کا منشا محبت حق ہے جو عارف کے دل میں پیوستہ ہے اور قاعدہ ہے کہ کسی محبوب سے جب محبت ہوتی ہے تو اس کی چیزوں سے بھی محبت ہوتی ہے اور عالم میں جتنی چیزیں ہیں سب کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے، اس لئے عارف کو تمام مخلوقات سے بواسطہ محبت ہوتی ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس چیز سے محبت ہو اس کے عیوب پر نظر نہیں کی جاتی، اس لئے عارف کو کسی شخص کے عیوب پر تجسّس کے ساتھ نظر نہیں ہوتی۔ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی پر جرح اور طعن نہیں کرتا اور چونکہ محبت کی وجہ سے اس کو اپنی تعریف پر اعتماد نہیں ہوتا بلکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید میں اس کو اس واسطے اچھا سمجھتا ہوں کہ مجھے اس سے محبت ہے جس کی وجہ سے عیوب مجھے نظر نہیں آتے، اس لئے وہ کسی کی زیادہ تعریف بھی نہیں کرتا کہ مبادا میری تعریف واقع میں صحیح نہ ہو ۱۲ مترجم۔

کیا ہے ان کا تذکرہ انہی لوگوں کے سامنے کیا کریں جو ان کے معتقد ہیں اور جب ان سے کوئی ادب اور حکمت کی بات نقل کریں تو یوں کہیں کہ بعض بزرگوں نے یہ فرمایا ہے اور ان کا نام نہ لیں، کیونکہ جو شخص اولیاء اللہ کی کرامات ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے گا جو ان کے معتقد نہیں بلکہ منکر ہیں تو وہ ان منکرین کی مردودیت کا اور ان اولیاء کی تنقیص اور سب وشتم کا سبب بنے گا اور اس کی ایسی مثال ہو گی جیسے کوئی شخص حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل رافضیوں کے سامنے بیان کرے باوجودیکہ اس کو یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ لوگ (فضائل سن کر بجائے اعتقاد کے الٹا) ان حضرات کو برا بھلا کہیں گے (تو اس صورت میں یہ فضائل بیان کرنے والا بجائے مدح کے ان حضرات کے سب وشتم کا سبب بنے گا۔ اسی پر اولیاء اللہ کے فضائل وکرامات کو قیاس کر لو کہ منکرین کے سامنے ان کا بیان کرنا ان حضرات کی تنقیص وتوہین کرنا ہے)

اور امام قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں اس بات کی بہت رعایت کی ہے جو ہم نے بیان کی، چنانچہ انہوں نے (حسین بن منصور) حلاج کے عقیدہ کو تو رسالہ کے شروع میں کتاب وسنت کے موافق ذکر کیا (اور ثابت کیا ہے کہ حضرات صوفیہ سے جو عقائد منقول ہیں جن میں حسین بن منصور بھی داخل ہیں وہ کتاب وسنت کے بالکل موافق ہیں) تاکہ بعض لوگوں کے دلوں میں جو ان کی طرف سے زندقہ وغیرہ کا خیال ہے وہ زائل ہو جاوے۔ پھر جب مردان طریق کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا تو حسین بن منصور کا تذکرہ سب کے بعد آخیر میں کیا تاکہ حلاج کا تذکرہ شروع میں ہونے سے اور بزرگوں کی نسبت لوگوں کا یہ خیال نہ ہو کہ بس یہ بھی ویسے ہی ہونگے جیسا حلاج ہمارے نزدیک ہے اور سب کی طرف تہمت کا وسوسہ نہ پہونچے۔

پس معلوم ہوا کہ شیخ محی الدین (بن عربی) اور سیدی عمر (بن فارض) اور ابن سبعین اور جو ان جیسے بزرگ ہیں (جن پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے) ان کا تذکرہ صرف ان متقی عالموں کے سامنے ہی کرنا چاہئے جو لوگوں کی آبروریزی سے بچتے ہیں (اور کسی پر بلاوجہ شرعی کچھ اعتراض نہیں کرتے)۔

اور مجھے ہمارے شیخ حضرت امین الدین امام جامع مسجد عمری مصری رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ ایک ثناخواں (اولیاء) نے سیدی عمر (بن فارض) کا قصیدہ خمریہ (جو انہوں نے شراب محبت الٰہی کی تعریف میں نظم کیا تھا) ایسی جماعت کے سامنے پڑھا جو شراب [۱] پی رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا پیشاب پاخانہ، ناک اور منہ کی طرف منتقل کر دیا اور وہ مرتے دم تک اسی حال میں رہا۔

اور ہمارے بھائی شیخ افضل الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ اس زمانہ کے آدمیوں میں سے ایک شخص نے شیخ محی الدین ابن العربی پر (اعتراض و) انکار کیا تھا اور رات کو آگ لایا تھا کہ شیخ کا تابوت اور غلاف جلادے حق تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسادیا۔ لوگوں نے اس کے نکالنے کو بہت دور تک زمین کھودی مگر وہ نیچے ہی کو چلتا گیا یہاں تک کہ سب اس کے بچانے سے عاجز ہو گئے اور اسے چھوڑ کر شیخ کے معتقد ہو کر واپس ہوئے۔ اور یہ واقعات ان حضرات کی صحتِ ولایت پر بہت بڑے دلائل ہیں۔ رضی اللہ عنہم

اور مجھے یہ بات بھی پہونچی ہے کہ شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ سے کسی نے شیخ محی الدین ابن العربی کی بابت کچھ دریافت کیا تو فرمایا ﴿**تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ماكسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعلمون**﴾ [۲] (یہ ایک جماعت ہے کہ گذر چکی، ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے واسطے تمہارے اعمال ہیں اور تم سے ان کے اعمال کی بابت کچھ سوال نہ ہوگا، تو تم ان باتوں کو دریافت کرو جن کا تم سے سوال ہوگا، ایسی باتیں کیوں پوچھتے ہو جن کا تم سے کچھ بھی سوال نہ ہوگا) اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اس کو سمجھ لو اور اس کے موافق عمل کرو۔ **واللہ يتولى هداك**

اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں کو آداب شرعیہ خود سکھلایا کریں

(۲۳۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں اور باندیوں وغیرہ

---

(۱) اور یہ لوگ سیدی ابن فارض کے معتقد نہ تھے، بلکہ ان کو بھی اپنی طرح شرابی کبابی سمجھتے تھے جیسا کہ بعض جہلاء ہند حضرت عارف شیرازی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ۱۲ ظ

(۲) البقرہ / ۱۳۴۔

کو آداب شرعیہ خود سکھلایا کریں اور اجنبی مردوں سے دریافت کرنیکا انہیں محتاج نہ بنائیں، کیونکہ اس کا مطالبہ ہم سے ہی کیا گیا ہے نہ کہ دوسروں سے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وانذر عشیرتك الاقربین﴾[1] (اپنے خاندان کو ڈرایئے جو سب سے زیادہ آپ کے قریب ہیں) اور مسائل سیکھنے کے لئے اجنبی مردوں کے پاس تمہارے بیوی بچوں کے جانے میں[2] بے شمار آفتیں ہیں۔ واللہ غفور الرحیم

حدیث اس وقت تک نہ پڑھا کریں جب تک کچھ صدقہ نہ کردیں

(۲۳۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اس وقت تک نہ پڑھا کریں جب تک اس کے پڑھنے سے پہلے کچھ صدقہ (ادا) نہ کریں خواہ (مالی صدقہ ہو یا) تسبیح و تہلیل اور درود شریف ہی کی قسم سے ہو۔ یہ بات بعض فقراء[3] متقدمین سے منقول ہے۔ واللہ علیم حکیم

---

(۱) الشعراء/ ۲۱۴ (۲) افسوس کہ آج کل تعلیم نسواں میں بہت کوتاہی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی حالت بہت نازک ہو رہی ہے، کیونکہ بچوں کی پرورش عورتوں کے ہاتھوں میں ہے جس کی وجہ سے بچے وہی اخلاق و اطوار سیکھتے ہیں جو ان کی جاہل ماؤں میں ہیں۔ اب اگر علماء تعلیم نسواں کی مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہیں تو ان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تعلیم نسواں سے ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو حیاسوز ہیں مگر وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ تعلیم کا نتیجہ نہیں، بلکہ تمہارے طریقۂ تعلیم کا ثمرہ ہے کہ تم اپنی لڑکیوں کو اسکول میں تعلیم دیتے ہو یا بے دین آزاد عورتوں کی صحبت میں رکھتے ہو۔ اور کتابیں بھی ایسی پڑھاتے ہو جن میں اصلاح اخلاق کا حصہ بہت کم ہے حالانکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ تم اپنی عورتوں کو خود تعلیم دیتے یا نیک دیندار عورتوں سے پڑھواتے اور پردہ کا پورا انتظام کرتے اور کتابیں وہ پڑھاتے جن میں خالص دین کی تعلیم ہے۔ اب یہ طریقہ تو اختیار نہیں کیا جاتا خوامخواہ تعلیم کو بدنام کرتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

(۳) عملاً بقولہ تعالیٰ ﴿یا ایها الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقة﴾ (المجادلة / ۱۲) الآیہ ووجوب ذلك وان كان منسوخا ولكن الاستحباب باق لترتب النسخ على الاشفاق ۔ ۱۲ مترجم

ان منکرات کے ازالہ میں زیادہ سختی کریں جن کی حرمت پر اتفاق ہے

(۲۳۹)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ان منکرات کے ازالہ میں جن کی حرمت پر اتفاق ہے بہ نسبت ان منکرات کے زیادہ سختی کریں جن کی حرمت میں اختلاف ہے، چنانچہ جن گناہوں کی حرمت پر اتفاق ہے ان میں سے چند گناہ یہ ہیں۔

غیبت کرنا، چغلخوری کرنا، لوگوں سے (تحقیر کے طور پر) مسخرہ پن کرنا۔ اور حرام مال کھانا اور حکام کے پاس (ناحق) مقدمات لے جا کر لوگوں کو ایذا دینا اور لوگوں پر (بیجا) ٹیکس لگائے جانے میں کوشش کرنا اور جیسے اجنبی عورتوں کو بہکانا خصوصاً شرفاء اور علماء اور ان غریبوں کی عورتوں کو بہکانا جن کا مددگار خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور جیسے ڈاکہ ڈالنا اور مسجد محلہ میں جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ کہ یہ باتیں دین (کی عمارت) کو منہدم کر دیتی ہیں۔

بخلاف ان گناہوں کے جن کی حرمت میں اختلاف ہے جیسے آلات لہو وغیرہ (کا استعمال کرنا) کہ ان پر اعتراض ونکیر میں ان گناہوں سے کم سختی کرنا چاہئے جن کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے نہ کہ برعکس جیسا کہ بعض لوگوں کی حالت ہے کہ وہ ظالموں اور ڈاکوؤں اور مقدمہ بازوں سے تو ملتے جلتے ہیں اور ان کے ان افعال پر انکار نہیں کرتے اور (میل جول بھی بے ضرورت ہوتا ہے، کیونکہ) ان کو ان لوگوں کی مخالطت سے استغناء حاصل ہے (کہ کوئی کام ان پر اٹکا ہوا نہیں) اور چرواہے کی بانسری پر اعتراض کرتے ہیں (کہ یہ تو مکروہ ہے، حرام ہے) اس کو خوب سمجھ لو۔ واللہ یتولی ھداك

جو استاد ہمارے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتا ہو اس کی خوب تعظیم کیا کریں

(۲۴۰)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو معلم ہمارے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتا ہو اس کی خوب تعظیم اور خاطر کیا کریں اور معلم کے اوپر متاع دنیا کے خرچ کرنے میں وہی شخص

بخل کرے گا جو عظمت قرآن کے مشاہدہ سے محروم ہو۔

اور ہم کو شیخ ابن ابی زید قیروانی، صاحب رسالہ (قیروانیہ) کی بابت معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے بچہ کو ایک کے سپرد کیا جب اس نے سورہ فاتحہ بچہ کو حفظ کرائی تو شیخ نے اس کو سو دینار دیئے (جو ہندوستانی سکہ سے ۲۷۵ روپیہ کے قریب ہوئے) تو معلّم کہنے لگا کہ حضرت میں نے اس (قدر انعام) کے قابل تو کچھ کام نہیں کیا، تو شیخ نے (فوراً) اپنے بچہ کو اس کے پاس سے اٹھالیا اور اس کے تحت میں رکھنا منظور نہ کیا اور فرمایا یہ شخص کلام اللہ کو حقیر سمجھتا (اور روپیہ پیسے کو وقیع جانتا) ہے (کہ سورۂ فاتحہ حفظ کرانے کو سو دینار سے کم کہتا ہے، اگر قرآن کی وقعت اس کے دل میں ہوتی تو اس عمل کے عوض میں ساری دنیا کو بھی حقیر سمجھتا اور یوں کہتا کہ حضرت میرے کام کا بدلہ تو ہزاروں اشرفیوں سے بھی نہیں ہو سکتا، مگر میں یہ رقم محض آپ کا جی خوش کرنے کو قبول کرتا ہوں)۔

ہم کو علامۂ فقیہ احلق کی بابت معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ایک بچہ کو قرآن پڑھایا تو اس کے باپ نے علامہ کو دس ہزار دینار دیئے (جو ساڑھے ستائیس ہزار روپے کے قریب ہوتے ہیں۔ تو علامہ نے ایک ہی جلسہ میں یہ ساری رقم مکتب کے بچوں کو بانٹ دی۔ اسی طرح ہم کو یہ خبر بھی پہونچی ہے کہ آپ نے ایک دفعہ کچھ صراف گری کا کام کیا تھا جس میں ہزار دینار کا نفع ہوا اس کو بھی آپ نے اسی دن بچوں پر تقسیم کردیا۔

عزیز من! ان لوگوں کی اقتداء کرو، اور ان لوگوں جیسے نہ بنو جو قرآن [1] کی عظمت کو نہیں جانتے اور نفسانی خواہشوں میں یعنی کھانے پہننے اور جانوروں کی خدمت کرنے میں تو

---

(۱) افسوس آج کل مسلمانوں میں یہ بلا عام ہو گئی ہے، سب سے زیادہ بے قدری آج کل قرآن پڑھانے والوں کی ہے۔ پہلے زمانہ میں جیسی ان کی قدر و عظمت تھی اور بچوں کے ختم قرآن پر جس خوشی کے ساتھ ان کی خدمت کی جاتی تھی اب اس کا دسواں حصہ بھی نہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ مسلمانوں کو اب دنیا قرآن کریم سے زیادہ عزیز ہو گئی اور اس حالت پر بس قیامت ہی کا انتظار کرنا چاہئے، کیونکہ عالم کی بقاء قرآن کے ساتھ وابستہ ہے، اگر علم قرآن دنیا سے اٹھ گیا تو قیامت بھی سر پر موجود ہے۔ مسلمانوں کو اپنی اس حالت پر آٹھ آٹھ آنسو بہانا چاہئیں (باقی اگلے صفحہ پر)

فضول خرچی کے ساتھ فوراً بہت سامان خرچ کر دیتے ہیں اور معلّم کے واسطے بچہ کو جمعراتی (کا پیسہ) دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ **واللہ یتولی ھداك**

سلف صالحین سے جو آداب منقول ہیں ان پر عمل کریں

(۲۴۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ سلف صالحین سے جو آداب منقول ہیں ان پر ان حضرات سے حسن ظن کی بنا پر عمل کیا کریں گو ہم کو ان آداب کی کوئی دلیل نہ معلوم ہو (کیونکہ ہم کو دلیل نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آداب بے اصل ہوں، ممکن ہے کہ سلف صالحین کو اس کی دلیل ملی ہو)۔

دوسرے ان حضرات کے قلوب ہم سے زیادہ منور تھے اور ان کا زمانہ بھی نزول قرآن اور نزول جبریل علیہ السلام سے بہت قریب تھا (اس لئے ان کے قلوب کو رسول اللہ ﷺ سے کامل مناسبت تھی پس ان کے دل میں جو آداب آئے ہیں گو ظاہر میں ان کی کوئی دلیل ہم کو نہ ملے مگر باطناً گویا وہ رسول اللہ ﷺ ہی سے منقول ہیں "**والیہ الاشارۃ فی قولہ ﷺ تمسکو بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین" فجعل ھدیھم سنۃ مستقلۃ مماثلۃ لسنتہ وما ذلك الا لکونھا مستفاضۃ من انوار نبوتہ ﷺ**)

اور شیخ ابن صلاح نے علوم الحدیث میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ قدیمہ [1] میں حضرات صحابہ کی تعریف اور فضیلت اور ان کے لائق شان مدح و ثناء کے بعد فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ ہر قسم کے علم و اجتہاد اور احتیاط تقوی میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور حق تعالیٰ کے سامنے جا کر رسول اللہ ﷺ کو منہ دکھانے کی کچھ غیرت کرنا چاہئے جب کہ آپ اللہ تعالیٰ سے شکایت کے طور پر فرمائیں گے "**یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً**" (۱)۔ ۱۲ظ

ترجمہ: اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرا لیا ہے اس قرآن کو جھک جھک الفرقان ر ۳۰ مرتب

(۱) یہ رسالہ حضرت امام کی کتاب "الام" کے ساتھ طبع ہوا ہے اور یہ مضمون اس میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح اقوال صحابہ قیاس سے مقدم ہیں **خلاف ما اشتھر عنہ من تقدیم القیاس علیھا۔ ۱۲ظ**

ہم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور جس بات کا ادراک ان کو اپنے علم سے ہوا اور جو استنباط انہوں نے اپنی رائے سے کیا وہ ہمارے لئے اپنی رائے اور اجتہاد سے بہتر اور بالاتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تلاوت قرآن اور قرأت حدیث کے وقت کسی کو شور و شغب اور آواز بلند نہ کرنے دیں

(۲۴۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ تلاوت قرآن اور قرأت حدیث نبوی (صلی اللہ علی صاحبہ وسلم) کے وقت کسی کو شور و شغب اور آواز بلند نہ کرنے دیں گو معانی (کے سمجھنے) ہی میں گفتگو ہو کیونکہ حدیث میں ہے "لا ینبغی التنازع عند نبی"[1] کہ نبی کے پاس باہم جھگڑنا مناسب نہیں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نائبوں سے آپ ﷺ کا کلام سننا حکماً ایسا ہی ہے جیسا خود حضور ﷺ سے آپ کا ارشاد سننا، کیونکہ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قیامت تک (کے آدمیوں) کو (آپ کے احکام) پہونچانے والے ہیں (تو یہ لوگ حضور ﷺ کے سفیر ہوئے اور سفیر اداء سفارت کے وقت بمنزلہ سلطان کے ہوتا ہے) اور اس بات سے آج کل بہت لوگ غافل ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

جس جگہ شرعاً جہر کرنا افضل ہے وہاں اپنے سب افعال و اقوال کو علانیہ کیا کریں

(۲۴۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس جگہ شرعاً جہر[2] کرنا افضل ہو وہاں اپنے اذکار (و تسبیحات) کو (قدرے) بلند آواز سے اور اپنے سب افعال و اقوال کو علانیہ ادا کیا کریں تاکہ نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں[3] کا حق ادا ہو کیونکہ وہ ہمارے پاس خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے

(۱) بخاری شریف: ج ۱ ص ۴۴۹ کتاب الجہاد باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب ۱۲ مرتب عفی عنہ۔
(۲) یعنی آواز سے ذکر کرنا ۱۲۔
(۳) میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کے اس حق کو حضرات چشتیہ زیادہ ادا کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں سب سے زیادہ جہر ہے۔ ۱۲ ظ

(آئے) ہیں تاکہ ہمارے اقوال وافعال کو لکھیں تو ہم کو چاہئے کہ ان کا دل خوش کرنے کی نیت سے (ذکر وغیرہ میں) جہر کیا کریں، کیونکہ فرشتے باہم ایک دوسرے پر اپنے ساتھی (انسان) کی کثرت اعمال سے فخر کرتے ہیں (کہ دیکھو خدا نے ہم کو ایسے شخص کا ساتھی بنایا اور ایسے نیک بندے کے افعال واقوال کا محافظ بنایا جو اس کثرت سے ذکر اللہ اور اعمال حسنہ کرتا ہے)۔

بس ہم کو اسی نیت سے (اپنے افعال واقوال واذکار کو) ظاہر کرنا چاہئے، نہ اس نیت سے کہ لوگ ہمارا اتباع کریں گے (اور ہم کو دیکھ کر وہ بھی عمل کریں گے کہ یہ نیت گو فی نفسہا محمود ہے، مگر اس میں شائبہ نفس کا خطرہ بھی ہے) واللہ علی کل شیء شھید.

جن مسلمانوں کے ہاتھ میں منافع عامہ ہیں ان کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھا کریں

(۲۴۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جن مسلمانوں کے ہاتھ میں (مخلوق کے) منافع عامہ ہیں ان کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھا کریں، کیونکہ وہ ہماری طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں جیسے ملاح اور موچی اور نان بائی اور آٹا پیسنے والا (اور تیر کمان) اور ڈھال بنانے والا اور سالن پکانے والا اور قصاب اور تیلی اور بڑھئی اور لوہار اور کسان اور اناج کاٹنے والا وغیرہ وغیرہ (جیسے طبیب وعطار اور بزاز اور بساطی)۔

اور میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بازار والوں اور صنعت وحرفت والوں کو چار باتیں عطا فرمائی ہیں۔

نمبر ۱- یہ کہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے ہیں اور اس میں سے ظالم اور مسکین وفقیر کو بھی کھلاتے ہیں اور صدقہ خیرات کا مال نہیں کھاتے۔

نمبر ۲- یہ کہ وہ اپنے پاس کبھی ایسے اعمال نہیں دیکھتے جو ان کی ناشائستہ لغزشوں کا کفارہ ہو سکیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ان خطاؤں کا کفارہ فلاں عمل ہو گیا ہے، بلکہ وہ (ہمیشہ) ڈرتے کانپتے رہتے ہیں۔

نمبر ۳- وہ علماء وصالحین کی تعظیم کرتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو

لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس وہ معیار اور میزان ہی نہیں ہے جس سے وہ اعمال کا وزن کر سکیں (اور خطاو عیب کو معلوم کر سکیں)

نمبر ۴- وہ دعوی (بزرگی) سے اور اہل کلام (واہل معقول) کے شبہات سے محفوظ ہیں (کہ ان کو اہل کلام واہل منطق کی طرح دین میں شکوک وشبہات پیش نہیں آتے۔ پس جو عالم بازار والوں کو جہالت کے عیب کی وجہ سے حقیر سمجھتا ہے اس کو ان کے ان کمالات پر بھی نظر کرنا چاہئے جن سے اہل علم بکثرت محروم ہیں) اس کو خوب سمجھ لو۔

جس شخص کا نام اللہ تعالیٰ اور انبیاء اور اکابر اولیاء کے ناموں سے مشابہ ہو اس کی تعظیم زیادہ کیا کریں

(۲۴۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس شخص کا نام اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشابہ ہو یا سیدنا محمد ﷺ کے ناموں پر ہو یا دیگر انبیاء علیہم السلام یا اکابر اولیاء کے ناموں جیسا ہو اس کی تعظیم دوسروں سے زیادہ کیا کریں جن کے نام ایسے نہیں ہیں، چنانچہ جس کا نام نافع یا مومن یا وکیل یا سید (یا لطیف اور رقیب اور مجیب اور حمید اور مجید اور کریم وعلی) وغیرہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں۔ اس کی تعظیم اس شخص سے زیادہ کی جائے جس کا نام محمد اور احمد اور یٰسین (وطٰہ) وغیرہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے نام ہیں۔ اسی طرح اور ناموں کے درجات میں بھی تفاوت رکھا جائے کہ جس کا نام اکابر اولیاء کے نام پر ہو (جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم) اس کی تعظیم اس سے زیادہ کی جائے جس کا نام عام اولیاء کے نام پر ہو۔

اور یہ عہد مجھ سے سیدی محمد بن عنان نے لیا ہے ان کے سوا میں نے کسی کو یہ عہد لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے نزدیک ''محمد'' نام رکھنے سے یہ زیادہ اچھا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کا نام ''احمد'' رکھا کریں۔ میں نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ فرمایا! اس لئے کہ لوگ لفظ ''محمد'' کو غلط کر کے بولتے (اور نام بگاڑ دیتے) ہیں۔ گاؤں والے تو اس کو مُحِمد میم اور حاء کو کسرہ سے بولتے ہیں اور شہر والے مَحمد فتح میم سے کہتے ہیں (اور احمد میں لحن وخطا کوئی نہیں کرتا) اس کو سمجھ لو۔ واللہ یتولی ھداك۔

امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاء کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی خاطر معاف کردیا کریں

(۲۴۶)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاؤں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر سے جن کے وہ غلام ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی خاطر سے جن کی وہ امت ہیں، معاف کردیا کریں اور (مواخذہ وانتقام کے خیال سے) درگذر کریں اور کسی سے اپنے کسی حق کا مطالبہ دونوں جہاں میں نہ کریں خواہ مالی حق ہو یا آبرو کا، کیونکہ مثل مشہور ہیں۔ مصرع

لعین تجازی الف عین وتکرم

کہ ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا لحاظ کیا جاتا ہے (تو ہم کو بھی اللہ سبحانہ اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے امت محمدیہ کی خطاؤں کو معاف کردینا چاہئے)۔

پس جس شخص نے اس امت کے کسی آدمی سے بھی مواخذہ کیا اس نے نہ تو خدا تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا جن کے یہ غلام ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو جانا جن کی یہ امت ہیں۔

اور عزیز من! یہ سمجھ لو کہ اس عہد پر عمل کرنا تم کو اس وقت تک آسان نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے سامنے اپنے عیوب محض گمان اور اٹکل سے نہیں، بلکہ یقین کے ساتھ منکشف اور ظاہر نہ ہو جائیں اس وقت بے شک تم دل کھول کر اس کے لئے آمادہ ہو گے اور اس کی ضرورت سمجھو گے کہ ان گناہوں کے مٹانے اور پاک وصاف کرنے کی کوئی صورت ہونا چاہئے (اور وہ یہی ہے کہ تم دوسروں کی خطاؤں سے درگذر کرو اور ان کو اپنے حقوق معاف کردو، امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری خطاؤں سے درگذر کریں گے اور اہل حقوق سے تمہاری خطائیں معاف کرادیں گے)۔

اور دیکھو! اگر تمہارے کپڑے میں کوئی ظاہری ناپاکی لگی ہو اور کوئی شخص آکر اسے دھودے تو تم لامحالہ اس کی طرف جھکو گے (اسی طرح اگر تم کو گناہوں کی ناپاکی محسوس ہو جاوے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو اپنے حقوق معاف کردینے سے یہ ناپاکی

ڈھل جائے گی تو تم ضرور اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ گے) پس اس عہد پر عمل کرنے والے کو سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے نفس کی برائیاں بعینہ اس نجاست ظاہری کی طرح محسوس ہونے لگیں ورنہ وہ ضرور (دوسروں سے) مواخذہ کا طالب ہوگا اور درگذر کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔

اور میں نے اپنے نفس کے ساتھ تقریباً تیس برس تک مجاہدہ کیا تب وہ کسی قدر اس کے لئے آمادہ ہوا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی مناسب ہے کہ جو شخص ہم سے کراہت رکھتا ہو اس کے ساتھ اپنے مرنے سے پہلے جلدی ہی صلح کرلیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ہماری نسبت ہمارے مرنے کے بعد کچھ کہے سنے اور اس وقت اس بات کا معاف کرنے والا کوئی ہوگا نہیں (تو یہ مسلمان ہماری ذات کی وجہ سے گناہ میں گرفتار ہوگا) تو اپنے مسلمان بھائیوں کے حال پر شفقت کر کے ایسا ضرور کرنا چاہئے۔

اور (یاد رکھو! کہ) لوگ زیادہ تر دوسروں کی آبروریزی میں کسی ایسی بات یا ایسے فعل کے بہانہ سے مبتلا ہو جاتے ہیں جس کی خبر (افواہی طور پر) بلا تحقیق کے ان تک پہونچتی ہے تو اگر ہم ان سے مل کر بات صاف کرلیں گے اور اپنا عذر واقعی بیان کر دیں گے تو امید ہے کہ وہ اس سے باز آجائیں گے، چنانچہ خود مجھے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا (کہ وہ محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے مجھ سے بدگمانی اور بغض رکھتا تھا) اور اس نے مجھ سے خود کہا کہ واللہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم محض زندیق (اور بددین) ہو۔

پھر میں نے اس پر اپنی حالت ظاہر کی اور بتلایا کہ میں تو اسلام اور اہل اسلام کا (دل سے) چاہنے والا (اور ان کا جاں نثار) ہوں تب اس نے (اپنے خیال سے) توبہ کی اور بہت اچھی توبہ کی۔ والحمد لله على ذلك

اور یہ عہد مجھ سے سیدی علی خواص رحمہ اللہ نے لیا تھا۔ پھر فرمایا: دیکھو! اگر کوئی تم کو ایذا دے تو تم اس کو کسی طرح کی کچھ ایذا مت دینا اگر چہ بدگمانی ہی کا درجہ ہو (کیونکہ کسی سے بدگمانی رکھنا بھی ایک درجہ کی ایذا ہے کہ اس شخص کے ساتھ دل کھلا ہوا نہیں رہتا اور اس کا اثر ملاقات کے وقت ضرور ظاہر ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کو ایذا ہوتی ہے تو اس سے بھی

پرہیز کرنا چاہئے) اور یہ مت کہنا کہ بدی کا بدلہ بدی ہے (تو میں بھی اس کو ایذا دے سکتا ہوں، کیونکہ) ﴿جزاء سيئة سيئة مثلها﴾[1] اور تم اس کے بعد کا حصہ بھی تو پڑھو اور دیکھو حق تعالیٰ آگے یہ بھی فرماتے ہیں ﴿فمن عفا واصلح فاجره على الله﴾[2] کہ جو معاف کردے اور بات کو سنوار دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بدی کے انتقام کو بھی بدی سے تعبیر فرمایا ہے جس میں بندہ کو عفو و مسامحت (کی خوبی) پر متنبہ فرمایا ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ کسی سے صورت بدی کے ساتھ بھی پیش نہ آئے (کیونکہ انتقام صورتِ بدی سے خالی نہیں گو حقیقۃً بدی نہ ہو)۔

اور عزیز من! جو شخص اس عہد پر پوری طرح عامل ہو گا اس کے لئے ہمیں حق تعالیٰ سے امید ہے کہ قیامت کے دن سب اہل حقوق کو اس سے راضی کردیں گے اور جیسا برتاؤ اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندوں سے کیا ہے (کہ سب کو اپنے حقوق معاف کردیئے) اس کے عوض میں (یہی برتاؤ اس کے ساتھ بھی ہوگا) کوئی شخص اپنے کسی حق کا اس سے مطالبہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے رسالۃ الآداب میں اس عہد پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ غفور رحیم

اپنے دوستوں کو دھوکہ دہی اور فریب بازی سے بچنے کی نصیحت کریں

(۲۴۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں جو لوگ صنعت و حرفت میں مشغول ہیں ان کو اولاً مبالغہ کے ساتھ دھوکہ دہی اور فریب بازی (اور خیانت) سے بچنے کی نصیحت کریں۔ پھر ان کو اس پر بھی تنبیہ کریں کہ اپنے کو کسی حالت میں لوگوں کے حقوق سے بری نہ سمجھیں (گو وہ کیسی ہی احتیاط کرتے ہوں) کیونکہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے ذرہ ذرہ کی مقدار کو تم سے گرفت کرنے کیلئے) محفوظ کر رکھا ہو خصوصاً ناپ تول کرنے والوں اور تیل بیچنے والوں کو (تو کبھی بے فکر نہ ہونا چاہئے)۔

منقول ہے کہ ایک کیّال نے (جو پیمانہ سے غلہ ناپنے کا کام کرتا تھا) اپنے اس کام سے توبہ کی اور ساٹھ برس تک (اس کے بعد) عبادت کی اور مر گیا۔ مرنے کے بعد اس کو کسی دوست نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ کہا اچھا

(۱۔ ۲) الشوریٰ / ۴۰۔

معاملہ فرمایا، مگر میں جنت میں جانے سے پندرہ قفیز [1] کی وجہ سے روک دیا گیا ہوں جو حق تعالیٰ نے اس غبار کو جمع کر کے محفوظ فرمائے ہیں جو پیمانہ کی تلی میں جم جایا کرتا تھا اور میں اس کو جھاڑتا نہ تھا اور اس جمے ہوئے غبار کے نہ جھاڑنے سے خریداروں کو کسی قدر کمی رہتی تھی جو ایک عرصہ میں پندرہ قفیز کے برابر ہو گئی جیسا کہ ترازو کے پلڑے کے نیچے کچھ گارا لگ جائے تو خریداروں کو وزن میں کمی رہے گی)

پس عزیز من! اپنے نفس (کی حفاظت) کے لئے ہوشیاری سے کام لو۔ واللہ یتولی

گناہ گاروں سے صرف اللہ کے واسطے نفرت و بغض کیا کریں

(۲۴۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ گنہگاروں سے (محض) اللہ کے واسطے (نفرت و) بغض کیا کریں، اپنے نفس اور طبیعت کیلئے نفرت نہ کیا کریں جیسا کہ نیک لوگوں سے بھی اللہ کے واسطے محبت کرنا چاہیے نہ کہ نفس و طبیعت کی وجہ سے (کیونکہ) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من اوثق عری الایمان" [2] کہ اللہ کے لئے محبت و بغض کرنا ایمان کے مضبوط حلقوں میں سے ہے اور (حدیث میں) بغض سے مراد (افعال و) صفات سے بغض کرنا ہے نہ کہ ذات سے، کیونکہ انسان کے ساتھ بغض یا محبت (اس کے افعال و) صفات ہی کی وجہ سے ہوا کرتی ہے (ذات من حیث ہی ذات سے نفرت یا محبت نہیں ہوا کرتی)۔

اور حب فی اللہ اور بغض فی اللہ میں (کامل و) صادق ہونے کی پہچان یہ ہے کہ تم گنہگار آدمی سے اس حالت میں بھی بغض (و نفرت) رکھو جب کہ وہ تمہارے ساتھ احسان (و سلوک) کر رہا ہو اور اللہ عزوجل کے حق پر نظر کر کے اپنے دل میں احسان کی وجہ سے اس کے ساتھ ذرا محبت نہ پاؤ۔ اب سوچ (کر دیکھ) لو (کہ تم کو کسی عاصی کے ساتھ ایسا بغض ہے یا

---

(۱) ایک پیمانہ ہے۔

(۲) دیکھئے فتح الباری ج ۱ ص ۶۲ کتاب الایمان باب بنی الاسلام علی خمس. ۱۲ مرتب۔

نہیں جو اس کے احسانات کے وقت بھی باقی رہے) کیونکہ یہ ایسی (سچی) ترازو ہے جو ایک ذرہ پر بھی جھک جائے گی اور جو عاصی تم پر احسان نہ کرتا ہو اس سے تم کو بغض ہونا (بغض فی اللہ کی دلیل نہیں) ممکن ہے کہ حظ نفس کے لئے اس سے کراہت کرتے ہو۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم یہ خواہش نہ کرو کہ زمین سے تمام معاصی اٹھ جائیں (اور گناہ بالکل نہ ہوا کریں) کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا کہ زمین میں ان کی نافرمانی بالکل نہ کی جاوے تو وہ شیطان [1] کو پیدا نہ کرتے (اور پیدا کرکے قیامت تک کی اسے مہلت نہ دیتے) واللہ اعلم

جب کسی مسلمان پر کوئی طعن کیا جاوے تو ہم ان کی طرف سے جواب دیا کریں

(۲۴۹) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ (جب کسی مسلمان پر کوئی طعن کیا جاوے تو) ہم اپنے سب مسلمان بھائیوں کی طرف سے ان کے پیٹھ پیچھے جواب دیا کریں اور ان کی حالت کو کامل تر احوال پر محمول کریں اگر چہ ان کا رتبہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس مقام تک پہنچ سکیں جہاں ہم ان کو (اپنے زعم میں) پہونچا رہے ہیں اور کسی کو کبھی ان کے حق میں کوئی طعن نہ کرنے دیں مگر (جب کہ ہم) ان کے فعل کو ستر بھلائی کی صورتوں پر محمول (کر چکے ہوں اور پھر بھی کوئی

(۱) مطلب یہ ہے کہ تم کو گنہگاروں کے ساتھ بغض و نفرت کرنے میں بندہ کے اختیار وارادہ پر نظر کرنے کے ساتھ جبر و قدر کے پہلو پر بھی نظر کرنا چاہئے، کیونکہ انسان نہ پورا مختار ہے نہ پورا مجبور ہے، بلکہ کسی قدر مختار ہے اور کسی قدر مجبور بھی ہے تو دونوں پہلوؤں پر نظر کرنے سے تمہارا بغض ایک حد خاص پر رہے گا جو شریعت کو مطلوب ہے، وہ حد یہ ہے کہ عاصی پر اس کے ارادہ واختیار کے پہلو پر نظر کرکے غصہ بھی کرو، زجر و تنبیہ بھی کرو، مگر جبر و تقدیر کے پہلو پر نظر کرکے اسے حقیر بھی نہ سمجھو اور نہ اپنے کو اس سے افضل، کیونکہ جب حق تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ دنیا میں عاصی بھی ہوں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی سے بھی معصیت کا صدور نہ ہو اور تم جو بچے ہوئے ہو یہ تمہارا کمال نہیں، بلکہ فضل حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ گناہ مقدر نہیں کئے، اگر یہ فضل نہ ہوتا تو تم بھی اس گنہگار کے مثل ہوتے جس پر زجر و تنبیہ کر رہے ہو۔ ۱۲ مترجم

تاویل نہ چلتی ہو تو ایسا) کر چکنے کے بعد (کسی طعن کو ان کے حق میں سننے کی گنجائش ہے)

شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ نے مقدمۂ شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے فعل کو ستر محملوں پر محمول کر سکنے سے کسی کم نصیب کے سوا اور کوئی عاجز نہیں ہو سکتا، پھر ستر توجیہات کرنے کے بعد انسان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ملامت کرے اور اس سے کہے کہ تیرے بھائی کے فعل میں ستر تاویلوں کی گنجائش ہے اور تو اس کو ان میں سے ایک صورت پر بھی محمول نہیں کرتا، بخدا اس کا منشا بجز تیری خباثت اور مسلمانوں کے ساتھ بداعتقادی (اور بدگمانی) کے کچھ نہیں کہ تو سب کی حالت کو اپنی ہی خبیث حالتوں پر قیاس کرتا ہے۔ اھ بالمعنیٰ۔

پس اگر مثلاً ہم کسی شخص کو کسی عالم یا درویش کی نسبت یہ کہتے ہوئے سنیں کہ فلاں مغرور النفس ہے، کیونکہ ہم نے نہ اس کو کبھی کسی تقریب شادی میں جاتے دیکھا نہ ختم کتاب کی مجلس میں اور نہ وہ کبھی کسی کی ملاقات کو جاتا ہے وغیرہ تو ہم اس (عالم یا درویش) کی طرف سے اس کے جواب میں یوں کہیں کہ وہ حیا (شرم) کی وجہ سے ان باتوں سے رکتا ہے یا اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا یا اس کو یہ اندیشہ ہے کہ دوسروں کو میرے فعل کی مکافات (اور بدلہ کے خیال) سے تکلیف ہوگی۔ اور ہم نے اس مضمون پر اس کتاب کے اوائل میں وضاحت کے ساتھ کلام کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی نہ کیا کریں

(۲۵۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مسلمانوں میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی نہ کیا کریں، بلکہ ہم پر واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ نیک گمان رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کسی بندہ سے یہ سوال کبھی نہیں فرمائیں گے کہ تونے میرے بندوں کے ساتھ نیک گمان کیوں کیا تھا بخلاف دوسری صورت کے (کہ اس میں اس سوال کا سخت خطرہ ہے کہ تم نے کسی مسلمان سے بدگمانی کیوں کی تھی؟)

اور عزیز من! تم اس عہد پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے جب تک اپنے باطن کو

رذائل اور نقائص سے پاک وصاف نہ کرلو اور جب تک تمہارا باطن پاک نہ ہوگا اس وقت تک بدگمانی تمہارے ساتھ ساتھ رہے گی، کیونکہ تم سب آدمیوں کی حالت کو اپنے ہی اوپر قیاس کروگے (اور جیسے خود ہو ویسا ہی سب کو سمجھوگے)

تم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مادرزاد نامرد میں چونکہ لذت جماع کا مزا نہیں پیدا کیا تو وہ جب کسی اجنبی مرد کو اجنبی عورت کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھے گا اس کے دل میں یہ وسوسہ کبھی نہ آئے گا کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہوگا کیونکہ وہ اس کو اپنے اوپر قیاس کرے گا (کہ) اگر وہ نامرد اس عورت کے پاس تنہائی میں جاتا (تو جیسے یہ خود کچھ نہ کرتا ایسے ہی دوسرے کو سمجھے گا) ہاں اگر کچھ اعتراض کرے گا تو محض خلوت بالاجنبیہ کی وجہ سے کرے گا۔

پس معلوم ہوگیا کہ جس عیب سے تم خود پاک نہیں ہو اس کے ساتھ تم اور لوگوں پر بھی ضرور بدگمانی کروگے اور نیز تم کو دوسروں کے ساتھ حسن ظن اسی بات میں ہو سکتا ہے جس سے تم خود پاک ہو۔ اب بعض آدمی کم عیبوں میں مبتلا ہیں (وہ دوسروں پر بھی بدگمانی کم کرتے ہیں) اور بعض زیادہ عیبوں میں گرفتار ہیں (وہ دوسروں پر بھی بدگمانی زیادہ کرتے ہیں)۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ تمہارا (کسی فعل کے متعلق) یہ کہنا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ فلاں شخص مجھ سے بدگمانی کرے گا تو میں یہ کام ضرور کرلیتا یہ بھی بدگمانی میں داخل ہے کیونکہ تم نے اس شخص کے ساتھ برا گمان کیا اور اس کو بدگمانی کرنے والوں میں شمار کیا۔ اسی طرح جو شخص تمہارے پاس آتا جاتا نہ ہو اور بیماری میں تمہاری عیادت نہ کرتا ہو اور بار بار آمدورفت نہ رکھتا ہو اور تم کو درس وتدریس میں مشغول دیکھ کر درس میں آکر نہ بیٹھتا ہو، اس کے متعلق تمہارا یہ خیال کرنا کہ یہ تکبر کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یہ بھی بدگمانی میں داخل ہے، بلکہ تم پر واجب ہے کہ اس کے ان افعال کو بہترین وجوہ پر محمول کرو مثلاً یوں سمجھو کہ وہ تم کو نفسانیت سے خالی (اور پاک) جاننے کی وجہ سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ بار بار آمدورفت نہ رکھنے اور عیادت وغیرہ نہ کرنے سے تم کو تکدر نہ ہوگا یا یوں سمجھو کہ وہ تمہارے درس میں اس اندیشہ کی وجہ سے نہیں آتا کہ شاید کوئی ایسی بات کان میں پڑے جس پر وہ اس وقت عمل نہ کرسکے، کیونکہ وہ اپنے کو انہی باتوں پر عمل کرنے سے عاجز سمجھتا ہے جواب تک

معلوم ہوئی ہیں اور اس جیسی (بہت تاویلیں کی جاسکتی ہیں تو بدگمانی کرنا ہی کیا ضرور ہے؟)

پھر عزیز من! غور کر کے دیکھو کہ (ان باتوں میں) تم جو دوسروں پر عتاب (اور بدگمانی) کرتے ہو (اس کا منشا کیا ہے اگر غور کرو گے تو) اس کا منشا بجز اس کے کچھ بھی نہ پاؤ گے کہ تم اپنے کو ان سے افضل (اور بڑا) سمجھتے ہو۔ پھر اب تو تم ان سے زیادہ مذمت (وملامت) کے مستحق ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر ان کا تم سے ملنا ملانا بہتر تھا تو ان لوگوں نے خود ہی خیر کو ترک کیا اور اگر برا تھا تو اچھا ہوا کہ وہ تم سے بچے رہے اور اگر نہ اچھا تھا نہ برا تھا تب تو قصہ سہل ہو گیا جس میں غصہ (اور ناگواری) کی کچھ بھی وجہ نہیں۔

اسی طرح اگر علماء میں سے کوئی شخص بھری مجلس میں تمہاری تنقیص کرتا ہو تو اس کی نسبت تمہارا یہ خیال کرنا کہ وہ تمہاری تنقیص (وتذلیل) کے ارادہ سے ایسا کر رہا ہے یہ بھی بدگمانی ہے، بلکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اس غرض سے ایسا کر رہا ہے کہ تم کو اپنے احوال کی طرف میلان نہ ہو جس سے اندیشہ ہے کہ تم کو اپنے اعمال پر عجب (وناز) نہ ہونے لگے یا اس کا مقصود یہ ہے کہ ان صفات کی قباحت تم پر ظاہر کر دے (جو تمہارے متعلق لوگوں سے بیان کر رہا ہے) تا کہ تم ان صفات سے (آئندہ) متلبس نہ ہو (اور چونکہ مادہ تمام صفات قبیحہ کا انسان میں موجود ہے اس لئے تلبس سے پہلے بھی نسبت غلط نہیں) یا وہ تمہارے عیوب ظاہر کر کے تم کو مستور (وگمنام) بنانا چاہتا ہے، کیونکہ اس تاریک زمانہ میں بندہ کے کمالات کا ظاہر ہونا ترقی کا مانع (اور قاطع) ہے اور نفع سے (رأس المال کی) سلامتی مقدم ہے (یعنی گو شہرت بھی ایک درجہ میں نافع ہے کہ اس سے فیض کا شیوع ہوتا اور بہت سوں کی اپنے ذریعہ سے اصلاح ہوتی ہے، مگر یہ نفع جبھی قابل اعتبار ہے جب کہ اصل پونجی سلامت رہے اور آج کل شہرت میں اسی کے لالے پڑ جاتے ہیں، اس لئے سلامتی ہی مقدم ہے)

عزیز من! یہ تعلیم تو تمہاری ذات کے متعلق تھی اور (دوسروں کے متعلق تم کو یہ چاہئے کہ) جب کسی کو کسی مسلمان کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو (فوراً) اس کی غیبت کو رد کر دو (اور اس کا جواب دو) اور جو شخص تمہاری تنقیص کر رہا ہے (اس کے متعلق یہ تعلیم ہے کہ) تم اس کے حال پر رحم کر کے اس کے دین کی کمی پر رنج کرو۔ اسی طرح اگر کوئی تم سے

یوں کہے کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے اس کی بات کو سچ سمجھنا بھی بد گمانی ہے، بلکہ تم پر اس کی تکذیب لازم ہے اور اس سے یہ کہنا چاہئے کہ فلاں شخص کی شان دینداری اس سے بالا ہے کہ وہ لوگوں کی آبرو (ریزی) میں پڑے اور اگر تم سنی سنائی بات کی وجہ سے اس دوسرے شخص پر عتاب کرنے لگے تو یہ ثابت ہوگا کہ تم اس مقام پر (یعنی مقام حسن ظن[۱]) پر نہیں پہونچے، کیونکہ (دوسرے پر) عتاب کرنا اس کی فرع ہے کہ تم نے ناقل[۲] کی بات کو سچ سمجھ لیا۔

پھر تم کو یہ چاہئے کہ غیبت کرنے والے[۳] سے مناقشہ کرو اور یوں کہو کہ جو عیب (کی باتیں) تم نے دوسرے کی طرف سے مجھ تک پہنچائی ہیں (کہ وہ مجھ کو ان عیب سے متہم کرتا ہے) اگر تم ان کو سچ سمجھتے ہو تو تم بھی معترض ہو پھر ان کو اپنی ہی طرف سے بیان کرو (دوسرے کا نام کیوں لیتے ہو) اور اگر ان کو غلط سمجھتے ہو تو غلط بات مجھ تک کیوں پہونچاتے ہو (تم کو یہ خیال نہ ہوا کہ) شاید اس سے میری طبیعت مکدر ہو جاوے۔ اس کے بعد اس ناقل سے قطع تعلق کا ارادہ کرلو، اگر وہ پھر ایسی حرکت کرے۔

---

(۱) الحمد للہ حضرت سیدی حکیم الامت اس مقام میں بہت راسخ ہیں، سنی سنائی بات پر آپ کبھی توجہ نہیں فرماتے، نہ کسی کے کہنے سننے سے دوسروں سے بدگمان ہوتے ہیں۔ ومثلہ فی الزمان نادر۔ ۱۲ مترجم

(۲) اور ناقل کی تکذیب کرنا بدگمانی میں داخل نہیں کیونکہ اس نے معصیت غیبت کا ارتکاب کر کے اپنی حرمت کو خود ساقط کر دیا اور اپنے کو حسن ظن کے قابل نہیں رکھا۔ ۱۲ مترجم

(۳) ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طرز تھا ایک شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کا فلاں مرید ایسا کرتا ہے۔ اس کو اس حرکت سے منع فرما دیجئے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ لوگ آپ سے بداعتقاد نہ ہو جاویں۔ فرمایا: بھائی! اگر تمہارا جی بداعتقاد ہونے کو چاہتا ہے تو تم بداعتقاد ہو جاؤ دوسروں پر کیوں رکھتے ہو۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی نے یہ کہا کہ حضرت فلاں شخص آپ کو ایسا ویسا کہتا ہے (کچھ اعتراض کی بات تھی) فرمایا: وہ تم سے اچھا ہے کہ پیچھے ہی ایسی باتیں کہتا ہے اور تم تو میرے منہ پر کہہ رہے ہو۔ اولئك الذين هدى الله (باتباع سنة رسوله) فبهدهم اقتده ۱۲ مترجم

اسی طرح اگر کوئی شخص لوگوں کو اپنے پیر چومنے دیتا ہو (اور اس سے منع نہ کرتا ہو) تو اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ میرے پیر چومیں یہ بھی بدگمانی ہے، بلکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو تو اس فعل سے کراہت ہی ہے، مگر لوگ اس کی سنتے نہیں (اور باوجود ممانعت کے) پیر چومنا نہیں چھوڑتے کیونکہ معتقدوں کی غالب حالت یہ ہے کہ وہ کسی بزرگ کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتے ہیں اور تعظیم و تکریم نہ کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔

اور بعض دفعہ کوئی عالم یا بزرگ لوگوں کو اپنے پیر چومنے سے اس لئے منع نہیں کرتا تاکہ آدمیوں میں (اس کا حال) چھپا رہے (اور لوگ اس کو بزرگ نہ سمجھیں، بلکہ یوں کہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو بے تکلف معتقدوں کو اپنے پیر چومنے کا موقعہ دیتے ہیں) کیونکہ (قاعدہ یہ ہے کہ انسان جس قدر تواضع ظاہر کرتا ہے لوگ اتنی ہی اس کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں، چنانچہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کی تعظیم سے (گھبرا کر) جنگلوں میں بھاگ گئے تھے کیونکہ لوگ ان کے ہاتھ پیر چومتے اور سر جھکا کر سامنے آتے تھے، پھر (اس تواضع کا یہ اثر ہوا کہ) خدا کو چھوڑ کر لوگ انہی کی عبادت کرنے لگے اور (پہلے سے بھی) زیادہ بات بڑھ گئی۔ اور تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے (تو ممکن ہے کوئی بزرگ اسی نیت سے اپنی تھوڑی سی تعظیم کو گوارا کئے ہوئے ہوں کہ اگر تواضع ظاہر کی گئی تو اس سے زیادہ تعظیم ہونے لگے گی، پھر محض اپنے گمان سے کسی پر کیوں بدگمانی کرتے ہو)۔

اور لوگ ہمیشہ سے علماء و صالحین کے ہاتھ پیر چومتے آئے ہیں (یہ کوئی نئی بات نہیں) اور میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ سلطان طومان بائے مصر میں سیدی شیخ محمد عنان کے پیر کا تلوا اپنے منہ سے چوم رہے تھے اور شیخ اسی طرح پیر پھیلائے بیٹھے رہے سمیٹا بھی نہیں اور اس میں اولیاء کے مذاق مختلف ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی صاحب (علم و) فضیلت سے درویش کے پاس جائے اور وہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو تو یہ خیال کرنا کہ اس نے تکبر کی وجہ سے ایسا کیا ہے بدگمانی ہے، بلکہ تم کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ درویش نے یہ سمجھ کر قیام نہیں کیا کہ آنے والے کو اپنے علم و ادب کی وجہ سے میرا کھڑا ہونا ناگوار ہوگا، کیونکہ درویش کسی عالم کی نسبت بھی جس کو

حدیث "من احب ان یتمثل له الناس قیاما فلیتبوأ مقعده من النار"[1] پر ایمان ہو یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے واسطے آدمیوں کا کھڑا ہونا پسند کرے گا (بلکہ) درویش سب کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے (کہ میری طرح سبھی کو یہ بات ناگوار ہوگی)۔

اسی طرح اگر تم کسی کو جمعہ کی نماز کے وقت جب کہ لوگ نماز کی نیت باندھ رہے ہوں بازار میں سے گذرتا ہوا دیکھو تو اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس کو کوئی عذر نہیں ہے بدگمانی ہے، بلکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو کوئی شرعی عذر ہوگا جب تک کہ اس کے خلاف کی تحقیق نہ ہو جائے۔

اسی طرح تمہارا یہ قول بھی بدگمانی میں داخل ہے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ فلاں شخص کے سامنے تواضع کرنے سے اس کے نفس میں تکبر پیدا ہو جائے گا تو میں ضرور اس کے ساتھ تواضع سے پیش آتا اور یہ (باتیں) محض نفس کے بہانے ہیں۔ اسی طرح بدون سوچے سمجھے لوگوں پر جلدی سے اعتراض کر دینا بھی بدگمانی میں داخل ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ قرشی فرماتے تھے کہ میں نے ایک شخص کو ساحل نیل پر (ایک کھیت میں سے) گیہوں کاٹتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا عزیز من! (یہ فعل) تم پر حرام ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تم کو یہ بات کہنا ہی حرام ہے، تم بدگمانی کرتے ہو۔ واللہ یہ میرے گیہوں ہیں اور یہ کھیت بھی میرا ہی ہے، اس میں کوئی شریک نہیں۔ ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں درویشوں کے سامنے شرمندہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے مجھے ادب سکھلایا۔

اسی طرح اگر کوئی عالم اس زمانہ میں ایسے فتوؤں پر دستخط نہ کرے جن کا تعلق اہل حکومت کی ذات سے ہے تو اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس نے اپنی دنیا (کے راحت

---

(۱) کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۸ میں حدیث "من احب ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعده من النار" (رقم ۲۲۵۰) موجود ہے اور ترمذی ج ۲ ص ۱۰۴ باب ماجاء فی کراھیة قیام الرجل للرجل میں حدیث "من سره ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوا مقعده من النار" موجود ہے۔ اور السلسلة الصحیحة ص ۳۵۷ میں "من احب ان یمثل الناس له قیاما الخ موجود ہے۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

و آرام) کے خیال سے دستخط نہیں کئے۔ یہ بھی بدگمانی ہے۔ بلکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ (دستخط کرنے میں) اس کو یہ اندیشہ تھا کہ حکومت کہیں اس کو (آئندہ کے لئے) فتویٰ دینے اور (وعظ و) درس وغیرہ کرنے سے بالکل ہی روک دے جس سے مخلوق کی بہت بڑی مصالح فوت ہو جائیں گی اور (وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ) میری بستی میں کوئی شخص ایسا بھی نہیں جو میری سفارش ہی کر سکے (امداد واعانت تو دور رہی) پس اس صورت میں ایسے فتاویٰ پر دستخط نہ کرنا ہی بہتر ہے جن کا تعلق اہل حکومت سے ہو۔ دوسرے اہل حکومت کی (آج کل) غالب حالت یہ ہے کہ جو عالم ان کی خواہش کی مخالفت کرتا ہے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں تو اب (اس کے متعلق) فتوی لکھنے میں صرف ان پر حجت ہی قائم کرنا ہے اور کچھ (نفع نہیں اور حجت قائم کرنے کی ضرورت وہاں ہے جہاں مخاطب کو حکم شرعی معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہو یا وہ شریعت ہی کو نہ مانتا ہو تو وہاں فتویٰ سے حجت قائم کرنا فضول ہے) اور اس وقت فتوی نہ دینا ہی بہتر ہے جیسے اگر ہم کو یہ معلوم ہو کہ اس ظالم سے جس کو ہم سے کراہت (ونفرت) ہے کسی شخص کی سفارش کرنا زیادہ عناد کا سبب ہو گی، تو وہاں مظلوم کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہم اس ظالم سے اس کی سفارش نہ کریں کیونکہ اس حالت میں سفارش کے بعد وہ اس کو پہلے سے زیادہ ضرر پہنچائے گا۔ اور اہل علم [۱] سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ اہل حکومت کے حق میں فتوی دینے سے محض دنیا کے خوف یا اپنی مدح کے خیال سے رکیں حاشا وکلا (بلکہ

---

(۱) ناظرین اس مضمون کو پڑھتے ہوئے ذرا تحریک خلافت وسوراج کے زمانہ میں بعض نادانوں کی اس حرکت پر بھی غور کریں کہ انہوں نے بعض اکابر امت کو اس تحریک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے کن کن الفاظ کے ساتھ مطعون کیا ہے اور بلا تحقیق کسی کو بزدل، کسی کو جاہ پرست، کسی کو خوشامدی، کسی کو وظیفہ خوار حکومت کہا، کیا جو وجوہ علامہ نے اس مقام پر اہل حکومت کے متعلق فتویٰ نہ دینے کی بیان فرمائی ہیں وہ ان حضرات کی عدم شرکت کا سبب نہ بن سکتی تھیں؟ تو پھر یہ تمام مطاعن محض بدگمائی پر مبنی تھی یا نہیں ~

سخن شناس نہ دلبرا خطاء اینجاست ۱۲ مترجم

ضرور کوئی شرعی مصلحت ہوگی جس کی وجہ سے وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوئے ہیں)

پس عاقل وہ ہے جو اپنے زمانہ (کی حالت) سے واقف ہو اور جس فعل کا کوئی اچھا محمل نکل سکتا ہو اس میں لوگوں کو معذور سمجھے۔ عزیز من! جتنی باتیں ہم نے اس عہد میں تمہارے سامنے بیان کی ہیں ان کو خوب سمجھ لو اور باقی امور کو انہی پر قیاس کرو، کیونکہ ہم نے تمہارے لئے دروازہ کھول دیا ہے۔ **واللہ یتولی ھداک**

جو شخص ہم سے بڑا بننا چاہے ہم اس سے بڑا بننے کی خواہش نہ کریں

(۲۵۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص ہم سے بڑا بننا چاہے ہم اس سے بڑا بننے کی خواہش نہ کریں اور جو ہمارے مقابلہ میں اپنی مشیخت ظاہر کرے ہم اس کے مقابلہ میں اپنی مشیخت ظاہر نہ کریں (ورنہ) پھر ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہوگی۔

اور سیدی احمد بن رفاعی رحمہ اللہ کی وصیت اپنے دوستوں کو یہ تھی کہ جو تمہارے مقابلہ میں مشیخت ظاہر کرے تم اس کے شاگرد (اور مرید) بن جاؤ اور جو تمہارے سامنے بوسہ دینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائے تم اس کے پیر چوم لو اور دم کا بال بن کر رہو (سر کا بال بننے کا قصد نہ کرو) کیونکہ مار سب سے پہلے سر ہی پر[1] پڑا کرتی ہے۔

ہمارے پاس جس قدر مال ہو اس کو خالص اپنا مال نہ سمجھیں

(۲۵۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے پاس جس قدر مال ہو خواہ لباس یا طعام اسی

(۱) یعنی گمنامی کے طالب رہو، شہرت اور پیش قدمی کے طالب نہ بنو، کیونکہ ملامت اور طعن کی مار شہرت والوں ہی پر پڑتی ہے، گمناموں کو کون پوچھتا ہے؟ پھر جو اپنی کوشش و طلب سے مشہور بنا ہے وہ تو اس مصیبت کا تحمل نہیں کر سکتا اور جو اپنے کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کے مشہور کرنے سے مشہور ہوا ہے اس کی غیب سے امداد ہوتی ہے۔ **کما فی الحدیث "لاتسئل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اعطیتها من غیر مسئلة اعنت علیها"**[2]

(۲) **مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ کتاب الامارة باب النهی عن طلب الامارة والحرص علیها**۔ واسد الغابۃ ج ۳ ص ۴۰۷۔ ۱۲ مرتب عفی عنہ

طرح اور ضروری سامان جس کی دنیا میں حاجت ہوتی ہے (اس کو خالص اپنا مال نہ سمجھیں اور) اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق نہ سمجھیں، بلکہ اس کو سب مسلمان بھائیوں کا مشترک مال سمجھنا چاہئے کہ اس میں سب کا حق ہے۔ پھر جس کو زیادہ حاجت ہو خواہ ہم کو یا دوسروں کو وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا (اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ جو چیز ہمارے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ ہو اس کو دوسرے شخص کے حوالہ کر دیا جائے جو اس کا حاجت مند ہے) یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو جائے "**لایومن احدکم حتی یحب لاخیه المسلم ما یحب لنفسه**" [1] کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن (کامل) نہ ہوگا جب تک اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی بات نہ چاہے جو اپنی ذات کے واسطے چاہتا ہے۔

پھر (عزیز من!) اس عہد پر وہی شخص عمل کر سکتا ہے جس کے توفیق (الٰہی) شامل حال ہو اور وہ طبیعت کی حکومت سے نکل چکا ہو (ورنہ جس پر ہنوز طبیعت قابو یافتہ ہے وہ کبھی اپنی چیز میں دوسروں کا حق نہ سمجھے گا، بلکہ حرص کا بندہ ہوگا۔ واللہ غفور رحیم

اپنے دوستوں کو کثرت ایثار کا حکم کریں

(۲۵۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو کثرت ایثار کا حکم کریں کہ وہ لباس وطعام وغیرہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیا کریں تاکہ اس طرح کرنے سے ان کو شدائد و تکالیف کے تحمل کی عادت ہو جائے۔ اور ان کو ایثار کرنے کی اس وقت تک ضرورت ہے جب تک وہ طبیعت کی حکومت کے ماتحت ہوں، پھر اس کے بعد جب وہ مردان طریق کے رتبہ پر پہنچ جائیں تو اب ان کو مطابق قاعدہ عدل الاقرب فالاقرب کے اپنے نفس کو دوسروں سے مقدم کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ اپنے نفس سے زیادہ کوئی بھی اقرب نہیں (تو عدل کا مقتضا بھی ہے کہ اپنے نفس کے حقوق کو سب سے مقدم کیا جائے)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد "**ابدأ بنفسك ثم بمن تعول**" (کہ اپنے نفس کو

---

(۱) بخاری: ج ۱ ص ۶ "باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه"۔
مسلم: ج ۱ ص ۵۰ "باب الدلیل علی ان من حصال الایمان ان یحب لاخیه المسلم ما یحب لنفسه من الخیر"۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

مقدم کرو، پھر ان لوگوں کو جو تمہارے ذمہ داری میں ہیں) اسی درجہ پر محمول ہے (اور اس کے مخاطب وہی لوگ ہیں جو طبیعت کی حکومت سے آزاد ہو چکے ہیں) کیونکہ حکم کے لئے درجے ہوا کرتے ہیں (ہر حکم سب کے لئے عام نہیں ہوا کرتا) اور اللہ تعالیٰ نے جو ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں (**فی قوله ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة**)[1] اس سے مقصود محض ان کا حوصلہ اور ہمت بڑھانا ہے (کہ ایثار کی عادت کرنے سے ان کو شدائد و تکالیف برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ بلند ہو جائے) تاکہ وہ طبیعت کی غلامی سے نکل (کر اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو) جائیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ایثار کرنے والا (درجہ میں) اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو اپنے نفس کو دوسروں سے مقدم کرتا ہے۔ اس میں[2] غور کرو۔

---

(۱) اور مقدم رکھتے ہیں ان (مہاجرین) کو اپنی جان سے اگرچہ اپنے اوپر فاقہ ہو۔ الحشر/ ۹ ۱۲مرتب

(۲) خلاصہ یہ کہ جو شخص تکمیل نفس اور اصلاح اخلاق کے بعد عدل کے قاعدہ سے اپنے نفس کو دوسروں سے مقدم کرتا ہے اس کا مرتبہ صاحب ایثار سے جو ہنوز مجاہدۂ نفس میں مشغول ہے بہت بڑھا ہوا ہے، ہاں جو شخص محض حرص اور بخل و ہوائے نفس کی وجہ سے اپنے نفس کو دوسروں پر مقدم کرتا ہے اس سے صاحب ایثار افضل ہے، کیونکہ یہ مجاہدۂ نفس میں مشغول ہے جس کے لئے جہاد کا ثواب ہے اور وہ بندۂ نفس اور ہوا و ہوس کا غلام ہے "**فضل الله المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القاعدین درجة**"[3] **وقال تعالیٰ ارأیت من اتخذ الهه هواه. افانت تکون علیه وکیلا**[4]۔

اب اگر تم مشائخ طریق میں ایک کو صاحب ایثار دیکھو اور دوسرے کو اس کے خلاف اپنے نفس کو دوسروں سے مقدم کرنے والا پاؤ تو سمجھ لینا کہ پہلا صاحب حال ہے اور دوسرا صاحب مقام ہے کیونکہ مشائخ طریق میں کوئی بھی بندۂ نفس نہیں ہو سکتا، ان میں اگر کسی کو تم صاحب ایثار نہ دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ مجاہدۂ نفس سے فارغ ہو کر مقام عدل پر پہنچ گیا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(۳) اللہ نے بڑھا دیا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ۔ النساء/ ۹۵ ۱۲م

(۴) بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا، کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ۔ فرقان/ ۴۳۔ ۱۲مرتب عفا اللہ عنہ

اور سیدی احمد بن الرفاعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص تجھ کو اپنے نفس پر ترجیح دے اس سے دوستی نہ کرو کیونکہ اس کی یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی" اس کو یاد رکھو، یہ بڑی نفیس بات ہے اور اس مقام پر ایک باریک راز اور بھی ہے جو اس کتاب میں بیان نہیں ہو سکتا۔

جس شخص کے ساتھ بھی تعلق وصحبت
پیدا کریں خالصاً لوجہ اللہ پیدا کریں

(۲۵۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم جس شخص کے ساتھ بھی (تعلق و) صحبت [۱] پیدا کریں خالصاً لوجہ اللہ پیدا کریں، کیونکہ جو شخص کسی اور علت (یا سبب سے) تعلق رکھتا ہے اس کا تعلق اس علت کے زائل ہونے کے ساتھ ہی زائل ہو جاتا ہے حالانکہ درویشوں کا مقصود ہر کام میں یہ ہونا چاہئے کہ یہ ہمیشہ باقی رہے منقطع نہ ہو اور ایک مخفی علت جو جاہلوں کی گڑھی ہوئی ہے، یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اس لئے تعلق پیدا کیا جاتا ہے کہ آخرت میں ہم کو اس پر ثواب ملے یا وہ قیامت میں ہماری دستگیری کرے ونحو ذلک (یہ نیت بھی اخلاص کامل کے خلاف ہے اور علت ہی میں داخل ہے) بلکہ ہم کو تعلق وصحبت میں صرف ذات حق کا قصد کرنا چاہئے (کہ خدا نے ہم کو اس کا امر کیا ہے اور وہ اس سے راضی ہوتے ہیں) جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولا شکورا" [۲]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور جو ایثار کر رہا ہے وہ مغلوب الحال ہے۔

ہم نے اپنے اکابر میں دونوں رنگ کے مشائخ دیکھے ہیں۔ بعض پر ایثار کا غلبہ تھا دوسروں کی راحت کو اپنی راحت پر ترجیح دیتے تھے۔ آنے جانے والے مہمانوں کی خاطر مدارات اور تعظیم وتکریم کے لئے بار بار کھڑے ہوتے اور ان کی وجہ سے گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے، کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی گو اپنے نفس کو کیسی ہی کلفت ہو اور بعض پر عدل کا غلبہ ہے کہ ہر کام کیلئے قاعدہ اور ہر بات کے لئے خاص نظام ہے تاکہ نہ اپنے نفس کو کلفت ہو نہ دوسروں کو تکلیف ہو۔ فافهم فانه نفیس.

(۱) مراد تعلق بیعت و تعلق ارادت ہے۔ سلف صالحین صحبت ہی سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ بیعت کے لئے ہاتھ دینا ضروری نہیں، بلکہ پاس رہنا اور شیخ کی تعلیم پر عمل کرنا شرط ہے ۱۲ ظ

(۲) الدھر/۹۔

(کہ ہم تم کو محض لوجہ اللہ کھلاتے ہیں ہم تم سے کسی بدلے یا شکریہ کے خواہاں نہیں)۔

اور اگر کسی کو علت (کے قصد سے) چارہ ہی نہ ہو تو چاہئے کہ علت کا تبعاً قصد کیا جائے اولاً و بالذات قصد نہ کیا جائے۔ جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت محض ان کے حکم کی تعمیل بجالانے کے لئے کرتے ہیں نہ دوزخ کے خوف یا جنت کے شوق سے (ہاں اگر تبعاً دوزخ سے بچنا اور جنت کا حاصل ہونا بھی مطلوب ہو تو مضائقہ نہیں، لیکن اصل مقصود محض تعمیل حکم ہونا چاہئے)۔

اور (عزیز من!) کسی شخص کے ساتھ اس قصد سے (تعلق و) صحبت پیدا کرنا کہ وہ ہم سے منتفع ہوگا (اور ہم اس کو نفع پہونچائیں گے) اس میں (تو صاف) دعوے ریاست (اور تکبر) کی بو ہے، البتہ اگر ہم اپنے کو اس سے کمتر سمجھتے ہوں (تو پھر اس نیت کی گنجائش ہے) جیسا کہ مشائخ (کاملین) کا مقام ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں، تلقین وارشاد بھی کرتے ہیں، ان سے خدمت بھی لیتے ہیں اور (کبھی زجر وتنبیہ کے طور پر ظاہراً) ان سے قطع تعلق بھی کرتے ہیں اور بایں ہمہ اپنے کو ان سے کمتر سمجھتے ہیں۔

پس ان کا مریدوں سے خدمت لینا اس کو مستلزم نہیں کہ [1] وہ اپنے کو مریدوں سے

---

(۱) تو ان حضرات کو جائز ہے کہ وہ اس قصد سے کسی کو مرید کریں کہ یہ مرید ہو کر ہم سے منتفع ہوگا اور ہم سے اس کو نفع پہونچے گا، کیونکہ وہ اپنے کو نفع رسانی میں بالکل ایسا سمجھتے ہیں جیسا خزانچی سے لوگوں کو نفع پہونچتا ہے کہ گو ظاہر میں بڑے بڑے لوگوں کو حتی کہ وزیر و ویسرائے کو بھی خزانچی کے ہاتھ سے رقم ملتی ہے، مگر خزانچی جانتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میرا نہیں، نہ میرے واسطے ہے، بلکہ یہ بادشاہ کا خزانہ ہے اور میرے پاس صرف اس لئے ہے کہ جس کے متعلق بادشاہ کا حکم ہو جائے اس کو دیدوں اور یقیناً وہ ان لوگوں کو اپنے سے افضل سمجھے گا جن کی بڑی بڑی تنخواہیں حکم شاہی سے اس کے ہاتھوں ہر مہینہ دی جاتی ہیں جیسے وزیر اور ویسرائے وغیرہ کہ ان کے رتبہ سے خزانچی کے مرتبہ کو کچھ بھی نسبت نہیں، اسی طرح کاملین جانتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ دولت ہے وہ ہماری پیدا کردہ نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کی عطا و امانت ہے اور اس واسطے ہے کہ جس کو دینے کا حکم ہو ہم اس دولت کو اس کے حوالہ کردیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

زیادہ کامل سمجھتے ہیں (غرض صحبت وارادت اور تعلق بیعت میں شیخ کو بھی خالص رضائے حق کی نیت کرنا چاہئے اور مرید ہونے والے کو بھی اس کے سوا کسی دینی منفعت کا بھی قصد اصالۃً نہ کرنا چاہئے تبعاً مضائقہ نہیں اور منافع دنیویہ کی نیت کرنا تو بہت ہی سنگین جرم ہے)

مجھ سے سیدی الشیخ سلیمان خضیری نے جو عارف باللہ شہاب الدین مرحومی کے اصحاب (اور مریدوں) میں سے تھے اپنا قصہ بیان کیا کہ وہ سیدی الشیخ مدین رحمہ اللہ کی صحبت میں (عرصہ دراز تک) رہے، مگر اس زمانہ میں شیخ (کے گھر) کا کھانا (ایک دن بھی) نہیں کھایا۔ بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ میں اپنے شیخ کے قصد سے آیا ہوں، ان کے گھر کی روٹیاں کھانے کی نیت سے نہیں آیا تو اب میں اپنے مقصود) میں دوسری چیز کو شریک کرنا نہیں چاہتا)[1] اھ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات نہایت احتیاط اور انتہائے صدق وخلوص کی (علامت) ہے اور

(بقیہ صفحہ گذشتہ) پس کاملین اپنے آپ کو صاحب دولت بھی سمجھتے ہیں جیسا کہ خزانچی اپنے تحت میں خزانہ کا ہونا جانتا ہے اور وہ مریدوں پر حکومت بھی کرتے ہیں ان سے خدمت بھی لیتے ہیں کیونکہ اس دولت کے دینے کا بھی قاعدہ ہے جیسا کہ خزانچی خاص وقت پر خاص شرائط کے ساتھ ہی خزانہ سے کسی کو رقم دے سکتا ہے ہر شخص کو نہیں دے سکتا ہے، مگر بایں ہمہ وہ اپنے کو مریدوں سے افضل نہیں سمجھتے جیسے خزانچی وزیر ووائسرائے سے اپنے کو افضل نہیں سمجھ سکتا۔ فافہم۔ ۱۲ مترجم

(۱) یہ شبہ نہ کیا جائے کہ شیخ سے جن باطنی فیوض کا حاصل کرنے کا قصد کیا جاتا ہے وہ تو روٹیوں سے ہزار درجہ قیمتی ہیں پھر روٹیوں سے اجتناب کیوں کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان فیوض کے قصد وطلب سے خلوص فوت نہیں ہوتا کیونکہ ان میں حظ نفس کو دخل نہیں اور روٹیوں کے قصد سے خلوص میں فرق آجانا بعید نہیں کیونکہ اس میں حظ نفس ہے، ہاں اگر کسی کو شیخ خود امر کرے کہ تم کو کسی چیز کی کھانے پینے کے متعلق ضرورت ہو یا آرام کی حاجت ہو تو ہم سے ظاہر کرو۔ اب اس کا اظہار حاجت کو عار سمجھنا تکبر کی دلیل ہے اور اس کی علامت ہے کہ یہ دنیا کو فیوض باطنیہ سے قیمتی سمجھتا ہے کہ اس کی طلب سے تو عار نہیں اور شیخ سے دنیا مانگنے میں عار کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ

بہت لوگوں کے سلوک کا اس طریقہ نے ستیاناس کر دیا ہے کہ مخفی اغراض[1] (دل میں چھپا کر محض ان دنیوی اغراض) کی وجہ سے مشائخ کے پاس رہتے ہیں مثلاً دنیا جمع کرنے کی خواہش یا شیخ کا احسان و خاطر مدارت[2] وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتی ہے اور (بایں ہمہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اور شیخ کو بھی) دھوکہ یہ دیتے ہیں کہ ان کا شیخ کے پاس رہنا محض شیخ کی محبت کی وجہ سے ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پس وہ صحبت شیخ سے (کچھ بھی نفع نہیں پاتے، بلکہ) خسارہ میں رہتے ہیں اور اس کے ثمرات (و برکات) سے محروم رہتے ہیں۔

---

(۱) ان اغراض خفیہ مذمومہ میں سے ایک غرض جو سد راہ ہے یہ ہے کہ بعض لوگ مشائخ کی صحبت میں اس لئے رہتے ہیں تاکہ وہ صاحب خلافت ہو کر پیر بن جائیں۔ بعض اس لئے رہتے ہیں تاکہ شیخ کے پاس رہنے سے ہماری شہرت ہو جائے کہ فلاں اتنی مدت تک شیخ کامل کے پاس رہا ہے۔ بعض کا یہ قصد ہوتا ہے کہ شیخ کے بعد ہم کو مسند نشین کیا جائے گا۔ بعض کی یہ نیت ہوتی ہے کہ شیخ کے پاس رہ کر ہم کو امراء اور روساء سے آشنائی ہو جائے گی، پھر ان سے اپنے بہت سے کام نکالیں گے۔
عزیز من یاد رکھو! یہ سب ارادے تمہاری محرومی اور خسران کی علامات ہیں فالحذر الحذر۔ افسوس جب تم نے تارک الدنیا کی صحبت میں رہ کر بھی دنیا کو دل سے نہ نکالا تو کیا جہنم میں جا کر اس مردار کو دل سے نکالو گے؟۔ کاملین کے پاس رہ کر بھی اگر تم کو اخلاص حاصل نہ ہوا تو سمجھ لو کہ تم کو کبھی اخلاص کی ہوا بھی نہ لگے گی۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے[3] ۱۲ مترجم

(۲) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے اس لئے اپنے یہاں لنگر نہیں رکھا، نہ میں طالبین کی زیادہ خاطر کرتا ہوں تاکہ آنے والوں کے خلوص کا حال معلوم ہو جائے کہ کون سچا طالب ہے اور کون روٹیوں کا اور خاطر مدارات کا طالب ہے۔ ۱۲ مترجم
(۳) جدائی اور وصال کیا چیز ہے؟ اصل مطلوب دوست کی رضا ہے، کیونکہ دوست سے سوائے دوست کے تمنا کرنا افسوس کی بات ہے۔ ۱۲ مرتب

دنیا سے بے تعلقی اور زہد اس واسطے نہ اختیار کریں کہ دل کو راحت زیادہ حاصل ہو گی

(۲۵۵)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دنیا سے (بے تعلقی اور) زہد اس واسطے نہ اختیار کریں کہ ہم کو زہد سے دل کی راحت (اور چین) زیادہ حاصل ہو گا اور ترک تعلقات اور خالی ہاتھ رہنے میں لذت آئے گی، کیونکہ اس صورت میں ہماری مثال چکی کے گدھے جیسی ہو گی کہ جہاں سے چلنا شروع کرتا ہے پھر وہیں پہنچ جاتا ہے۔ (ترقی ہرگز نہ ہو گی) کیونکہ (اس وقت تو) ہم ایک لذت سے نکل کر دوسری لذت میں مبتلا[1] ہو گئے جو پہلی لذت سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہے یا اسی کے برابر ہے، چنانچہ جو عابد (زاہد) مشائخ کے ہاتھ پر سلوک طے نہیں کرتے وہ اسی بلا میں گرفتار ہیں (ان کا مقصود ترک تعلقات اور زاہد بننے سے یہی ہے کہ اس میں راحت اور لذت زیادہ ہے) پس یہ لوگ ہمیشہ حظوظ نفس ہی میں گرفتار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اور ان کے درمیان حجاب ہی رہتا ہے۔

بلکہ ہم کو عارفین کی طرح زاہد بننا چاہئے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی محبت پیوستہ کریں (اغیار کی محبت کے پیوند کو اس سے بالکل جدا کر دیں) پھر (اس کے بعد) دنیا بھر کی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھیں اور بجز اس مال کے جس میں کچھ (شرعی) شبہ ہو ایک چیز کو بھی نہ چھوڑیں اور دنیا میں عقل و دانائی کے ساتھ تصرف کریں جو چیز اپنی ضرورت کی ہو اس کو اپنے کام میں لائیں، جو اپنے سے زائد و فاضل ہو وہ دوسرے حاجتمندوں میں قواعد شرعیہ کے موافق صرف کر دیں) اور ہر چیز کو اس کے موقعہ میں استعمال کریں جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے (یعنی سب کو ہمارے کاموں کے

---

(۲) یعنی پہلے تو دنیا جمع کرنے کی لذت میں گرفتار تھے، اب ترک تعلقات بھی راحت قلب کے لئے کیا تو ترک دنیا کی لذت میں مبتلا ہو گئے اور یہ لذت پہلی لذت سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ ۱۲ مترجم

لئے اور ہماری حاجت برآوری کے لئے پیدا کیا ہے) اور (ظاہر ہے کہ) ہم کو اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسان کا کامل مشاہدہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ہم کو ہر موجود کی طرف اپنی احتیاج مشاہد نہ ہو جائے (اور ہر چیز کی طرف احتیاج کا مشاہدہ جبھی ہو گا جب کہ ہر چیز کو اس کے موقعہ میں استعمال کر کے دیکھا جائے، اسی وقت اس سے خاص لذت اور راحت حاصل ہوگی) پس اس کو سمجھ لو اور اس (طریقۂ) زہد[1] پر عمل کرو اور ان لوگوں کی باتوں کو چھوڑو جو دنیا کی علی الاطلاق مذمت کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس بات سے جاہل ہیں جو ہم نے بتلائی ہے۔ دوسرے یہ مذمت بھی محبت دنیا ہی سے ناشی ہے کہ دل اس کی محبت میں پھنسا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیوستہ نہیں اور یہ مذمت کرنے والا دنیا (کے تذکرہ) کی وجہ سے

---

(۱) الحمد للہ ہم نے اپنے اکابر و مشائخ کو اسی طریقۂ زہد پر پایا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن حضرات صوفیہ نے ترک لذائذ کیا ہے یا اس کی تعلیم کی ہے وہ غلطی پر تھے ہر گز نہیں، کیونکہ وہ حضرات حقیقت زہد سے بے خبر نہ تھے وہ جانتے تھے کہ زہد اصلی یہی ہے کہ دل سے دنیا کی محبت نکال دی جائے۔ ہاتھ سے نکالنے کی ضرورت نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ دنیا دل سے دفعۃً نہیں نکلتی، بلکہ اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ کچھ عرصہ تک اس کو ہاتھ سے بھی نکالا جائے اور تعلقات کو حتی الامکان قطع کیا جائے، پس ان کا ترک لذائذ وغیرہ بطور معالجہ کے تھا جیسا کہ طبیب مریض کو بیماری میں پرہیز کرنے کا حکم کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کا نہ کھانا کمال ہے، بلکہ کمال تو یہ ہے کہ ان سب لذائذ کو کھاوے اور نقصان نہ ہو اسی کا نام صحت ہے، مگر مریض کو ان لذائذ کا ترک اس لئے واجب ہے کہ اس کو ان سے مضرت پہونچتی ہے۔ یہی مطلب ان حضرات صوفیہ کا ہے جنہوں نے ترک لذائذ کی تعلیم دی تھی کہ ان کا ترک خود کمال نہیں، بلکہ کمال یہ ہے کہ ان کو اختیار کرے اور نقصان نہ ہو مگر جس کو ابھی صحت کاملہ حاصل نہیں اس کو ان لذائذ سے نقصان پہونچے گا اس کے دل سے اغیار کی محبت لذائذ کو اختیار کر کے نہ نکلے گی، اس واسطے اس کو صحت کاملہ حاصل ہونے تک ان سے اجتناب اور پرہیز ضروری ہے اور یہ پرہیز خود مقصود نہیں، نہ کمال ہے، مگر حصول مقصود کا ذریعہ ہے، بعد حصول مقصود کے پھر اس کی ضرورت نہ رہے گی، مگر جہلاء صوفیہ نے اسی کو کمال اور مقصود سمجھ لیا ہے، اس لئے علامہ ان کے اقوال کو رد کرتے ہیں ۱۲ مترجم

آخرت سے محجوب ہے (کیونکہ جس کا دل خدا کی محبت سے بھرا ہوا ہوگا اس کو دنیا کی مذمت کی فرصت کہاں ؎

تابدانی ہر کہ ایزداں بخواند
از ہمہ کار جہاں بیکار ماند[1]

پھر تیسرے یہ کہ کسی شخص کو دنیا سے استغناء[2] ہو کیوں کر سکتا ہے جیسا (ظاہر بینوں کو) وہم ہوا کم از کم ہر شخص غذا اور پانی کا تو محتاج ہے اور سانس لینے کیلئے ہوا کی تو ہر ایک کو حاجت ہے کیونکہ سانس گھونٹ لینے سے موت آجائے گی۔

اور سیدنا رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ زہد فی الدنیا کیا ہے؟ فرمایا کہ زہد یقین کا نام ہے (اس کا وہی حاصل ہے جو اوپر کہا گیا کہ زہد کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا پیوستہ ہونا اور اغیار سے خالی ہونا ہے کیونکہ یقین اسی درجہ کا نام ہے) اور ہم نے کتاب الآداب میں بیان کیا ہے کہ دنیا میں فتنہ کا گھر چار چیزیں ہیں (۱) عورتیں اور (۲) جاہ اور (۳) مال اور (۴) اولاد، مگر

---

(۱) تم اس بات کو جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو بلاتا۔ یعنی اس بندہ کی طرف اپنی توجہ فرماتے ہیں تو وہ دنیا کے ہر کام سے فارغ ہو جاتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کے کام میں لگ جاتا ہے) ۱۲ مرتب

(۲) پس زاہدان خشک کا یہ دعوی باطل محض ہے کہ ہم دنیا سے مستغنی ہیں اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ ایسے ہی جاہل مدعیوں کا رد کر رہے ہیں، نہ ان محققین کا جنہوں نے بطور مجاہدہ اور معالجہ نفس کے ترک لذائذ کی تعلیم دی ہے اور آئندہ خود علامہ کے کلام میں اس کی تصریح آجائے گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس مقام پر علامہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کمال معرفت کے بعد ترک لذائذ اور ترک تعلقات کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کو حقیقت زہد میں دخل نہیں، حقیقت زہد صرف دل کا غیر سے پاک ہونا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ مبتدی اور متوسط سلوک کو بھی ترک لذائذ کی ضرورت نہیں کیونکہ مجاہدۂ نفس کی ضرورت پر تمام مشائخ کا اتفاق ہے خود علامہ نے بھی مجاہدہ کی جابجا تاکید کی ہے اور ترک لذائذ اور دنیا سے ہاتھ خالی رکھنا اور تعلقات کو کم کرنا بھی مجاہدہ کا فرد ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ مجاہدہ ساری عمر نہیں رہا کرتا صرف حصول نسبت تک ضروری ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ مترجم

کامل ان میں سے کسی چیز سے بھی نہیں بھاگتا، بلکہ ان سب کو محبوب رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محبوب (طبعی) بنایا ہے، مگر ہاں وہ طبعی اور نفسانی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف پھیر دیتا ہے[1] (کہ پہلے ان چیزوں کو اپنی طبیعت اور نفس کے تقاضے سے محبوب رکھتا تھا، اب اس لئے محبوب رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محبوب بنایا ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ ان کی محبت کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا، بلکہ طاعات کے لئے ان کو وسیلہ بناتا ہے)

اور ہم نے اپنے مؤلفات میں (ان چاروں میں سے) ہر ایک کے متعلق مبسوط کلام کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عارف کی دنیا محض ہاتھ میں ہوتی ہے دل میں نہیں ہوتی اور اس (کے تجربہ) کی کسوٹی یہ ہے کہ وہ کسی محتاج کو دینے میں بخل نہیں کرتا نہ ایسے شخص کو دینے سے رکتا ہے جو غنی ہو کر بگڑ نہ جائے (ہاں جس کے متعلق یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ شخص زیادہ

---

(۱) حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ شیخ اخلاق رذیلہ کا ازالہ نہیں کرتا، بلکہ امالہ کر دیتا ہے۔ سمعتہ من سیدی حکیم الامت رحمہ اللہ۔ یہی مطلب علامہ کا ہے کہ مال واولاد وغیرہ کی محبت فی نفسہٖ مذموم نہیں، ہاں امالہ کی ضرورت ہے کہ ان کو طبیعت ونفس کے تقاضے سے محبوب نہ رکھو، بلکہ اس لئے محبت کرو کہ خدا نے ان کو محبوب کیا ہے جس کا ثمرہ وہ ہوگا جو شرح میں ظاہر کیا گیا۔

اس کی تحقیق وہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی جب آپ کے پاس خزائن کسری وفارس فتح ہو کر آئے تو مال کا انبار لگ گیا، آپ نے اس کو دیکھ کر جناب باری میں عرض کیا کہ خداوندا! آپ کا ارشاد ہے ﴿**زین للناس حب الشهوات من النسآء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة**﴾ الآیۃ (آل عمران/۱۴)

ترجمہ: فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے۔ ۱۲مرتب

اس لئے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو اس مال کی محبت نہیں یا اس سے خوشی نہیں ہوئی ہاں یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کے حصول کا ذریعہ بنا دیجئے اور فتنہ کا سبب نہ بنائیے۔ **سمعته من سيدى حكيم الامت وقال هذا هو كمال المعرفة** ۱۲مترجم

مالدار ہو کر بگڑ جائے گا اس کو وہ زیادہ نہیں دیتے)

پس عزیز من! عارفین کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرو جب کہ وہ (تم سے یا کسی سے) دنیا کو روکیں کہ وہ بخل کی وجہ سے اس کو روکتے (یا حرص کی وجہ سے مال جمع کر رہے) ہیں، بلکہ وہ اخلاق الٰہیہ کا اتباع کرتے ہوئے کسی حکمت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

کھانے پینے کی ہر چیز کے استعمال کے وقت اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا کریں

(۲۵۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کھانے پینے کی ہر چیز (کے تناول واستعمال) کے وقت اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا کریں اور اپنے دوستوں اور بال بچوں کو بھی اس کا امر کریں اور ان کو بتلائیں کہ (کھانے کے وقت) درحقیقت ہم اللہ تعالیٰ کے دستر خوان پر (بیٹھے) ہوتے ہیں اور وہ ہم کو اور ہماری قناعت یا حرص کو دیکھ رہے ہیں اور اس کو بھی کہ ہم اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتے (اور اس کی نعمت جان کر ان چیزوں کو استعمال کرتے) ہیں یا منعم حقیقی سے غافل (ہو کر اس کی نعمتوں کو کام میں لاتے) ہیں اور ان کو جانوروں کی طرح غفلت کے ساتھ کھانے (پینے) سے روکنا چاہئے۔ اسی طرح خانقاہ کے نقیب کو حکم کرنا چاہئے کہ وہ درویشوں کو اس بات پر متنبہ کرتا رہے۔ ایسے ہی بچوں کی ماں کو سمجھانا چاہئے کہ وہ ہمیشہ اپنی لڑکیوں اور ملازموں کو جس وقت بھی وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں اس پر تنبیہ کرتے رہے، ایک دفعہ بھی اس میں تساہل یا چشم پوشی نہ کرے جب تک کہ ان کو اس کی عادت نہ ہو جائے۔ اس کو یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) کہ یہ (بہت) نفیس (بات) ہے (جو ظاہر میں تو معمولی بات ہے، مگر اس کا ثمرہ عظیم الشان ہے) اور یہ عہد پہلے بھی دوسرے طرز سے گذر چکا ہے۔

اپنے احباب حفاظ قرآن کو سختی کے ساتھ تاکید کریں کہ وہ اپنے اوپر مردوں کے ایصال ثواب کی دعوتیں قبول کرنے کا دروازہ نہ کھولیں

(۲۵۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے احباب حفاظ قرآن کو سختی کے ساتھ تاکید

کریں کہ وہ اپنے اوپر مردوں کے ایصال ثواب کی دعوتیں قبول کرنے کا دروازہ نہ کھولیں، کیونکہ میت کے ایصال ثواب کی دعوتیں کھانے کی کوشش کرنا اصحاب مروت کے نزدیک معیوب سمجھا جاتا ہے، خصوصاً اگر ایسا کھانا میت والوں کی طرف سے ہو اور میت کے گھر میں ہی کھلایا جائے (یہ تو بہت ہی برا ہے) اور اپنے دوستوں کو حکم کرنا چاہئے کہ اگر وہ کبھی ایسی دعوت میں (اتفاق سے) پہنچ جائیں تو کھانا (ہرگز) نہ کھائیں، کیونکہ (غمی کے موقعہ پر) کھانا کھلانا صرف میت کے گھر والوں کے لئے مشروع ہے، کیونکہ وہ (اس وقت) پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں دوسروں کے لئے (اس وقت) کھانا مشروع نہیں۔

پس یہ تو بہت ہی قبیح ہے کہ خود میت والوں کو اس بات کی تکلیف دی جائے (کہ وہ دوسروں کی دعوتیں کریں) اور بھلا میت کا کھانا کیونکر گوارا کیا جا سکتا ہے جب کہ میت کی ماں اور اس کا باپ اور اس کی بیوی، اس کا بھائی، اس کی اولاد (غم کی وجہ سے) یوں نظر آتے ہیں کہ گویا سر سے پیر تک آگ میں ڈوبے ہوئے ہیں (آتش غم نے ان کو پھونک رکھا ہے) اور تم ان کے سامنے تلا ہوا پنیر اور مقطر (غذائیں) خوب رغبت و شوق سے کھاؤ۔ تمہاری آنکھوں پر پتھر پڑے ہوئے ہیں (کہ ایک آنسو بھی ان سے نہیں نکلتا) جیسے جانور کی آنکھ ہے اور تمہارے دل پر بھی کوئی اثر نہیں کہ ان کی بے چینی سے بالکل بے فکر ہے (افسوس صد افسوس) پھر تم بتلاؤ کہ اس صورت میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر کہاں عمل ہوا **"مثل المؤمنين فی توادهم وتراحمهم كالجسد الواحد اذا حم منه عضو تداعى له جميع البدن بالسهر والحمى"**[1] کہ مسلمانوں کی باہمی محبت و رحمت کی ایسی مثال ہے جیسے ایک قالب (دو جان) کہ اگر ایک جسم کا کوئی عضو بیمار ہو تو سارا بدن بے چینی اور بے کلی میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر بدترین صورت یہ ہے کہ قرآن خوانی کرنے والے (اہل میت سے) یوں کہیں کہ ہم تو اس وقت تک تمہارے (میت کے) لئے قرآن نہ پڑھیں گے جب

---

(۱) فتح الباری ص ۴۵۲ ج ۱۰ رقم ۶۰۱۱۔ ۱۲ مرتب۔ ضمیمہ ج ۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تک یہ بات طے نہ ہو جائے کہ ہم کو کیا ملے گا اور اس سے بدتر یہ ہے کہ رقم وصول کرنے کے وقت پیسوں پر جھگڑا لڑائی کی جائے۔ کوئی یوں کہتا ہے کہ مجھے دوسروں سے نصف درہم زیادہ ملنا چاہئے کیونکہ میں نے دعا کرنے میں بڑی محنت کی ہے (کوئی یوں کہتا ہے کہ میں نے چار سپارے دوسروں سے زیادہ پڑھے ہیں، مجھے ان سے زیادہ پیسے دینے چاہئیں) وغیرہ وغیرہ

اور یہ وہ امور ہیں جو مروت اور دینداری میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ پس اپنے احباب کو حکم کرنا چاہئے کہ ان چیزوں سے اپنی ہمت و حوصلہ کو بلند رکھیں (اور اس قسم کی دعوتوں اور قرآن خوانی وغیرہ سے احتراز کریں)[1] انشاء اللہ تعالیٰ

جو درویش ہماری تربیت میں ہوں انہیں قبروں وغیرہ پر پیسوں کے معاوضہ میں قرآنی خوانی سے منع کریں

(۲۵۸) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جو درویش ہماری تربیت کے تحت میں ہوں ان کو قبروں وغیرہ پر (روپیہ) پیسوں کے معاوضہ میں قرآن خوانی سے منع کریں اور ان سے کہیں کہ جب تک ان کو روٹی کپڑا میسر ہو اور واجبات شرعیہ (ادا کرنے) کیلئے ان کے پاس خرچ موجود ہو جس میں شہوات (نفسانیہ) کے اخراجات معتبر نہیں اس وقت تک (قرآن خوانی پر معاوضہ نہ لیں، بلکہ) خلوص نیت کے ساتھ محض ثواب کے لئے کام کریں اور اگر کوئی ان کو اس غرض سے بلانے آئے کہ اس کے گھر جا کر قرآن پڑھیں یا ذکر کریں اور وہ ان کو کھانا

---

(۱) علامہ نے اس مقام پر قرآن خوانی کی اجرت و معاوضہ کا حرام ہونا ظاہر نہیں کیا، صرف خلاف مروت ہونا بتلایا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب شافعی میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے، لیکن مذہب حنفی میں طاعات پر اجرت لینا بالکل حرام ہے اور تعلیم قرآن و امامت و اذان پر اجرت لینا محض ضرورت کی وجہ سے جائز کیا گیا ہے کہ بدون اس کے شعائر اسلام کا بقا اس زمانہ میں دشوار ہو گیا اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا ضروری نہیں، نہ اس پر کوئی شعار اسلام موقوف ہے، اس لئے اس پر اجرت لینا بالکل حرام ہے، نہ اس سے میت کو ثواب ہوتا ہے، نہ پڑھنے والوں کو۔ سب کو گناہ ہوتا ہے "وصرح به في الشامية باب الاجارات". ۱۲ مترجم

کھلائے گا (دعوت کرے گا) تو اس کی دعوت منظور نہ کریں، بلکہ اس سے کہہ دیں کہ بھائی اگر تم کو ہماری دعوت ہی منظور ہے تو کھانا یہاں ہمارے پاس لے آو اگر تم کو کلفت نہ ہو اور اگر اس میں کچھ تکلف ہو تو (ہم کو معاف رکھو) ہم تم سے دعوت کا مطالبہ نہیں کرتے اور اگر تم اس شرط[1] سے دعوت کرتے ہو کہ ہم تمہارے گھر چلیں اور وہاں جاکر قرآن خوانی یا ذکر کریں یا قصیدہ بردہ پڑھیں تو (اس کام کے لئے) ہمارے سوا بہت آدمی ہیں۔ پھر یہ بات ظاہر ہے کہ جو دعوت قرآن خوانی وغیرہ کے ساتھ مشروط نہ ہو اس کا قبول کرنا بھی اس وقت مستحب ہے جب کہ اور کوئی مانع موجود نہ ہو مثلاً داعی کا مال مشتبہ نہ ہو (اگر اس کا مال مشتبہ ہوا تو بدون کسی شرط کے بھی دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں) واللہ تعالیٰ اعلم۔

امراءاور ارکان دولت کا قرب اختیار نہ کریں

(۲۵۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ امراء اور ارکان دولت کا قرب اختیار نہ کریں (بلکہ ان سے دور ہی رہیں) البتہ اگر کوئی مصلحت (قرب میں ایسی) ہو جو بعد پر راجح ہو (تو قرب کا مضائقہ نہیں) اور ان کا کوئی ہدیہ[1] بھی کبھی قبول نہ کریں اور جب تک وہ ہماری صحبت میں

---

(۱) حضرت حکیم الامتؒ نے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ طلبہ کسی کے گھر پر دعوت کھانے کے لئے نہ جائیں، بلکہ جس کو دعوت کرنا منظور ہو مدرسہ میں کھانا بھیج دے اور یہی قاعدہ اب خانقاہ امدادیہ میں جاری ہے۔ اس میں بہت مصالح ہیں جن میں سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ اہل علم دنیاداروں کی نظروں میں ذلیل نہیں ہوتے، کیونکہ آج کل عموماً جب طلبہ کا مجمع دعوت میں جاتا ہے تو دنیادار ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ تو بہت ہی واہیات ہے کہ قرآن خوانی وغیرہ کے معاوضہ میں دعوت قبول کی جائے، کیونکہ مذہب حنفی میں یہ معاوضہ حرام ہے۔ ۱۲ مترجم

(۲) علامہ نے اس مقام پر ہدیہ اور دعوت کا اثر بیان کیا ہے جو عام طور پر لوگوں کی حالت سے مشاہد ہے لیکن اگر کوئی شخص شیخ کی محبت و عقیدت میں طبیعت کی غلامی سے نکل چکا ہو تو پھر اس کے ہدیہ یا دعوت کا یہ اثر نہ ہوگا جو یہاں پر مذکور ہے، بلکہ جان نثار معتقد کے دل میں ہدیہ دینے اور دعوت کرنے کے بعد پہلے سے زیادہ شیخ کی محبت بڑھ جاتی ہے اور اصلاً اس کی وجاہت و عظمت کم نہیں ہوتی کیا کوئی کہہ سکتا ہے عاشق محبوب کو اپنا مال اور گھر بار دیکر اس پر اپنا کچھ احسان سمجھے گا (باقی اگلے صفحہ پر)

رہیں ان (کے گھر) کا کھانا بھی نہ کھائیں۔

اور اس (عہد) کی وجہ یہ ہے کہ عموماً جو لوگ امراء یا ارکان دولت کے پاس آتے جاتے ہیں وہ ان کے ناجائز افعال پر ان کے سامنے انکار نہیں کر سکتے مثلاً ظلم کرنا، رشوت لینا (وغیرہ وغیرہ کہ ان افعال پر رد وانکار کرنا عموماً دشوار ہوتا ہے) بلکہ (اس حالت میں) ان کے پاس آمد ورفت رکھنے میں گویا ان کے ناجائز افعال کی تقریر (وتاکید) ہے، کیونکہ (اس کے سکوت سے وہ یوں سمجھیں گے کہ ہمارے یہ افعال کچھ زیادہ برے نہیں ورنہ یہ عالم یا بزرگ اس حالت میں ہم سے کیوں ملتے اور ہماری حرکتوں پر سکوت کیوں کرتے اور) اگر کوئی ان سے یوں کہے کہ رشوت نہ لیا کرو اور ظلم نہ کیا کرو تو (کبھی) اس کی بات پر کان نہ دھریں گے، بلکہ اس کو اپنے پاس آنے سے بھی روک دیں گے اور جو کچھ احسان وسلوک اس کے ساتھ کرتے تھے وہ بھی بند کر دیں گے، پھر یہ شخص اپنے انکار (ونصیحت) پر نادم ہوتا ہے (کہ میں نے نصیحت کر کے اپنا نقصان کیوں کیا اور یہ حالت سخت خطرناک ہے جس میں ایمان کا خطرہ ہے)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یا اس کی محبت میں کچھ کمی ہو جائے گی، ہر گز نہیں۔ محبت کے بعد محبوب سے زیادہ کوئی چیز نہیں رہتی نہ مال نہ اولاد آخر حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام نے اپنے اصحاب کے ہدایا قبول کئے ہیں تو کیا کسی کے دل سے ان کی وقعت کم ہو گئی تھی ہر گز نہیں۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ اجنبی شخص کا ہدیہ ودعوت قبول نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس کا وہی اثر ہو گا جو علامہ نے بیان فرمایا ہے، بلکہ ایسے شخص کا ہدیہ ودعوت قبول کی جائے جس سے عرصہ تک معرفت رہ چکی ہو اور اس کے خلوص ومحبت کا تجربہ ہو چکا ہو۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا یہی معمول ہے کہ اجنبیوں کے ہدایا قبول نہیں فرماتے۔ ایک نواب صاحب نے حضرت کو بلایا تھا، اول تو بہت انکار فرمایا، جب اصرار حد سے بڑھا تو اس شرط سے جانا منظور فرمایا کہ مجھ کو ہدیہ ہر گز نہ دیا جائے اور فرمایا کہ ان امراء پر اسی عالم کی بات کا اثر ہوتا ہے جو ان کی دنیا انہی کو واپس کر دے۔ نیز فرمایا کہ میرے ہدیہ نہ لینے کا نواب صاحب پر بہت اثر ہوا۔ ۱۲ مترجم

بلکہ مجھے بعض طالبان علم کی بابت یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ (لوگوں سے) اپنے ہاتھ سے رشوت لے کر اس امیر کو دیتا ہے جس کی صحبت میں وہ رہتا ہے۔ پھر بعض دفعہ یہ امیر اپنی تعریف کرتا ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور (اس طالب علم کو شہادت میں پیش کرتا ہے اور) کہتا ہے کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت میری بات پر گواہ ہیں اس پر وہ حضرت بزرگ فرماتے ہیں کہ بے شک امیر صاحب اس سے پاک ہیں تو (عزیز من!) اس (جیسے بیہودہ) کو تو امیروں سے دور ہی رہنا لائق ہے (بلکہ واجب ہے کہ اس کے خلاف میں اس کے ایمان کی خیر نہیں)۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کسی امیر کے پاس آمد و رفت نہ رکھو اگرچہ تم اس کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی کرتے رہو، کیونکہ اس کی مجالست کا گناہ اس نفع رسانی سے بہت زیادہ ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص اولیاء بغداد میں سے لوگوں کو پانی پلایا کرتا تھا اور جو بیمار اس (کے ہاتھ) سے پانی پی لیتا وہ فوراً تندرست ہو جاتا۔ یہ خبر خلیفہ کو پہونچی تو وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمارے گھر میں پانی بھرا کریں (اور میرے گھر والوں کو پانی پلایا کریں) اور اس قدر خوشامد کی کہ وہ (بیچارہ راضی ہو گیا اور) خلیفہ کے محل میں آگیا اور محل شاہی کے سب آدمی اس کے قدم کو بابرکت سمجھنے لگے اور اس کے نام کی قسمیں کھانے لگے، پھر (ایسا اتفاق ہوا کہ) خلیفہ کی ایک باندی کا ہار جواہرات کا چوری ہو گیا اور اس نے یہ کہا کہ سوائے اس سقے کے (جو محل میں پانی بھرتا ہے) اور کسی نے میرا ہار نہیں لیا خلیفہ کو یہ بات گراں گذری اور اس نے باندی سے کہا کہ تو مجھ سے جو چاہے لے لے، لیکن اس بزرگ کا نام برائی سے نہ لے۔ باندی نے کہا اچھا وہ مصحف عثمانی پر (ہاتھ رکھ کر) قسم کھالے (پھر میں اس کا نام نہ لوں گی) خلیفہ کو یہ بات بھی گراں گذری، مگر اس نے لطافت کے ساتھ شیخ کو اس پر آمادہ کرنا چاہا اور وزیر کو اس کے پاس بھیجا، وزیر نے بہت نرمی سے یہ بات عرض کی اور شیخ نے قسم کھانا منظور کر لیا، چنانچہ اس نے (مصحف عثمانی پر ہاتھ رکھ کر) قسم کھائی اور اسی وقت اندھا ہو گیا۔

بغداد میں اس کا شور برپا ہو گیا کہ شیخ نے جھوٹی قسم کھائی تھی اس لئے اندھا ہو گیا۔ شیخ خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اسی باندی کو سخت مرض پڑا اور کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اتفاق سے ایک حاذق طبیب آیا اور اس نے (مور کا دل تجویز کیا اور) کہا کہ اس کو مور کا دل کھلاؤ اچھی ہو جائے گی، چنانچہ محل شاہی کے موروں میں سے تین مور ذبح کئے گئے تو ایک مور کے پیٹ میں سے ہار مل گیا۔ اب تو بزرگ کی براءت مشہور ہو گئی اور اس کی نابینائی بھی جاتی رہی (فوراً سوانکھا ہو گیا) خلیفہ اس کے قدموں میں جا گرا اور کہا کہ ہماری خطا معاف کر دیجئے، شیخ نے کہا کہ میں تم کو اس شرط سے معافی دیتا ہوں کہ مجھے ایک اونٹ پر سوار کر کے میرے پیچھے ڈھنڈورا پٹواؤ اور بغداد کی گلیوں میں یہ منادی کراؤ جو شخص ناجنسوں کی صحبت صدق نیت اور تقویٰ کے ساتھ بھی اختیار کرے اس کی یہی سزا ہے اور بدتر سزا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو شخص بدون تقویٰ کے ناجنسوں کی صحبت اختیار کرے اس کا تو کیا حال ہو گا (جب صدق و تقویٰ کے ساتھ یہ سزا ملتی ہے) پس جو شخص بڑے درجہ کے لوگوں سے میل جول کرے وہ انجام بد سے ڈرتا رہے اور جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

ہاں اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ (امراء کے ساتھ میل جول رکھنے سے) مظالم اور رشوت ستانی کے بند کرنے میں اور غریبوں کی فریاد رسی کرنے میں اس کی شفاعت قبول ہو گی تو (اس مصلحت سے قرب امراء جائز ہے اور) یہ مصلحت ان سے کنارہ کشی کی مصالح پر راجح ہے اور (ایسے شخص کو چاہئے کہ) ان کے ناجائز افعال پر انکار بھی کرتا رہے جو اس کے مشاہدہ کے سامنے آئیں گو یہ انکار صرف دل ہی سے ہو (کہ یہ ادنی درجہ بغض فی اللہ کا ہے)۔

یہ گفتگو تو اہل علم کے متعلق تھی کہ ان کو امراء سے اختلاط نہ کرنا چاہئے، رہے عام لوگ (امراء کے درباری یار دوست اور) ان کے نوکر چاکر ان کو امراء کے پاس رہ کر جن جن مصائب و خطرات کا سامنا ہوتا ہے کچھ نہ پوچھو خصوصاً جب کہ یہ حاکم (یا رئیس) اپنے عہدہ سے معزول ہو جائے اور سلطان وقت اپنے انعامات (اس سے) سلب کرے تو اس وقت حاسدوں کو (حسد نکالنے کا) موقعہ ملتا ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس (حاکم معزول) کا مقرب تو فلاں شخص کے سوا کوئی نہ تھا اب حکام اس (مقرب) کو بلاتے اور اس سے دریافت کرتے ہیں

کہ بتلاؤ حاکم (معزول) کہاں گیا۔ اور اس نے تیرے پاس جو امانتیں رکھی ہیں وہ کہاں ہیں (اسی وقت حاضر کرو، وہ غریب ہر چند کہتا ہے کہ میرے پاس اس نے کوئی امانت نہیں رکھی، مگر اس کی ایک بات نہیں سنی جاتی) غرض اسے اچھی طرح شکنجہ میں کستے ہیں۔

اور یہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ (اگر امراء سے میل جول کا اتفاق ہی پڑ جائے تو) ان کے ہدایا قبول نہ کریں، نہ ان کے گھر کا کھانا کھائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے تاکہ ہم ان کی نگاہوں میں حقیر نہ ہو جائیں اور ہمارا نفس ان کے سامنے دب نہ جائے کیونکہ جو شخص کسی (کے گھر) کا کھانا کھالیتا ہے وہ اس کے سامنے دب جاتا ہے اور جو کسی سے دبے گا اس کی وجاہت (دوسرے کے دل سے) ساقط ہو جائے گی۔ اور جس کی وجاہت ساقط ہو جاتی ہے اس کی سفارش رد کر دی جاتی ہے (پھر اس کی بات کا اثر نہیں ہوتا) اس کو خوب سمجھ لو۔

اہل فضل واہل علم کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں

(۲۶۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اہل فضل (واہل علم) کو دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں اگرچہ ان کو[1] ہمارا کھڑا ہونا ناگوار ہو "فعلینا التعظیم وعلیهم الکراهة" کیونکہ ہمارے ذمہ ان کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو اپنی تعظیم سے نفرت لازم ہے اور یہ کھڑا ہونا ہر حال میں مستحب ہے خواہ وہ عالم اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو یا نہ ہو بشرطیکہ قیام میں دینی مصلحت

---

(۱) مگر یہ حکم اس وقت ہے جب کہ قیام سے ان کو زیادہ ناگواری اور تکلیف نہ ہو اور اگر زیادہ ناگواری ہو تو قیام نہ کیا جائے اور قاعدہ یہ ہے کہ اہل خصوصیت کے بار بار قیام کرنے سے تکلیف ہوتی ہے اور غیر اہل خصوصیت کے قیام سے تکلیف نہیں ہوتی گو ناگوار وہ بھی ہوتا ہے۔ پس اہل خصوصیت کو بار بار قیام نہ کرنا چاہئے جیسا کہ حدیث صحیح میں بعض صحابہ کا ارشاد مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے گو دل بہت چاہتا تھا مگر حضور ﷺ کی ناگواری کی جہ سے ہم قیام نہ کرتے تھے (۲)۔ ۱۲ ظ

(۲) دیکھیں حدیث عن انس رضی اللہ عنه قال لم یکن شخص احب الیهم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلك. ترمذی ص ۱۰۴ ج ۲ "باب ماجاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل". ۱۲ مرتب عفا اللہ عنه

ہو جو عدم قیام پر راجح ہو۔ خوب سمجھ لو (البتہ اگر وہ عالم مبتدع ہو تو اس کے لئے مقتدا کو کھڑا نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس کے کھڑا ہونے سے عوام کو اس مبتدع کی حقانیت کا شبہ ہو گا)۔

جب تک ہم دنیا میں ہیں اس وقت تک کسی بڑے سے بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بھی مطمئن نہ ہوں

(۲۶۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم دنیا کے اندر موجود ہیں اس وقت تک کسی بڑے سے بڑے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بھی مطمئن اور بے فکر نہ ہوں گو ہم کیسے ہی شیخ المشائخ بن گئے ہوں اور جو شخص اپنے نفس کے اندر قوت اور رسوخ کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہونے سے بے فکر ہو جائے وہ جاہل ہے اور اگر وہ اپنے کو ضعیف و ناتواں اور کمزور سمجھتا رہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر نامناسب بات میں مبتلا ہونے سے بچاتے رہیں گے واللہ تعالیٰ اعلم.

(الحمد للہ کہ آج بتاریخ مبارک ۲۷ رجب المرجب ۱۳۷۴ھ بروز مسعود جمعرات قبیل نماز فجر حصہ سوم "الدر المنضود" تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تمام فتن سے محفوظ رکھے اور ان کی طرف سے بے فکری اور بے پروائی ہمارے دل میں پیدا نہ ہو۔ اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي و هواني على الناس يا ارحم الراحمين. اللهم اجعل خير عملي خواتيمه وخيرا يامي يوم القاك فيه يا ولي الاسلام واهله ثبتني به حتى القاك. آمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلىٰ آله واصحابه اجمعين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين.

☆☆☆

ہم سے عہد لیا گیا

الدر المنضود

ترجمہ

البحر المورود فی المواثیق والعہود

حصہ چہارم

تالیف

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ

ترجمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب قدس سرہ

ترتیب وپیشکش

مولانا شفیع اللہ صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

ادارہ اسلامیات کراچی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ چہارم الدر المنضود

شیطان سے ڈرتے رہیں

(۲۶۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ شیطان سے ڈرتے رہیں اور اسکے فریب کو اس بنا پر کبھی حقیر نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿ان کید الشیطان کان ضعیفا﴾ [1] میں اسکے فریب کو کمزور فرمایا ہے، کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا ہر فعل مشیت الٰہیہ کے تحت میں ہے، بدون ارادۂ الٰہیہ کے کچھ نہیں کرسکتا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ شیطان کا فریب مطلقاً کمزور ہے، کیونکہ وہ کمبخت ہمارے باپ آدم علیہ السلام کو اور ان کے سوا اور بہت سے اکابر کو دھوکہ دے چکا ہے جنکی (غلامی اور) شاگردی کے بھی ہم لائق نہیں۔

اور ہم کو اسکی شر سے ڈرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے باوجودیکہ وہ اسکے دھوکہ پر عمل کرنے سے معصوم ہیں، اسکی شر سے پناہ مانگی ہے۔

اور ایک دفعہ میں نے ایک بیباک مدعی درویش کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابلیس کو کچھ نہیں سمجھتے نہ اسکی پرواکرتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ابلیس کون بلا ہے۔ پھر ایک دن بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ اس درویش نے ایک باندی (سے منہ کالا کیا اور اس) کا ناس کردیا، لوگوں نے فوراً اسکو والی کے سپرد کردیا، والی نے اسکو خوب زدوکوب کیا اور سخت سزادی۔ اس وقت میں نے پوچھا کہ میاں یہ کیا حالت ہے (تمہیں کیا ہوا؟) کہا شیطان کی چالیں ہیں۔ میں نے کہا (یہ تم کو اس دعوی کی سزا ملی ہے) اب شیطان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو ورنہ (اس سے بڑھ کر) کسی اور بلا میں تم کو پھنسادے گا، چنانچہ درویش نے توبہ کی اور دعوے سے باز آ گیا، اسکو خوب سمجھ لو۔

اپنے بھائیوں اور ہم عصروں سے بڑا بننے کی ہرگز کوشش نہ کریں

(۲۶۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو جو درویشی کے طالب ہیں اس

(۱) ترجمہ: بیشک شیطان کا فریب سست ہے۔ النساء/۷۶۔ مرتب

بات کی تاکید کریں کہ اپنے بھائیوں اور ہم عصروں سے بڑا بننے کی ہرگز کوشش نہ کریں، کیونکہ اس طرح وہ ہرگز تمہارے تابع نہیں ہو سکتے (تو حبّ جاہ کا گناہ بھی سر لیا اور مقصود بھی حاصل نہ ہوا، اس سے کیا فائدہ) بلکہ بعض دفعہ اس پر وہ لوگ برسر مخالفت مخاصمت ہو کر ترقی سے معطل ہو جائیں گے۔

اور اگر کسی کو بڑا بننے ہی کا شوق ہے تو اس کو چاہئے کہ زہد وتقوی اور تہجد اور پابندیٔ معمولات وحفظ اوقات میں اپنے ہمعصروں سے آگے بڑھ جائے[1] (تو لوگ خود ہی اسکو اپنا بڑا بنالیں گے) کیونکہ انسان کسی کا تابع ومنقاد تین طریقوں سے ہوتا ہے، ان کے سوا اور کوئی صورت نہیں یا تو نیکی اور بزرگی کی وجہ سے وہ کسی کا تابع ہوتا ہے یا احسان کی وجہ سے یا شوکت (وقہر) کی وجہ سے اور جو شخص ان کے سوا کسی اور طریقہ سے مخلوق کو اپنا تابع بنانا چاہے وہ یقیناً راستہ سے ہٹ گیا۔

اور اگر کوئی درویش اپنے شیخ کے اس فعل سے مشوش (اور رنجیدہ) ہو کہ اس نے کسی دوسرے شخص کو اس پر ترجیح دی اور (اس سے مقدم اور افضل ظاہر کیا) ہے تو ہم کو اس سے یہ کہنا چاہئے کہ تو ان صفات (واعمال) میں غور کر جنکی وجہ سے یہ درویش تجھ سے مقدم وافضل ہو گیا ہے اور تو بھی یہی صفات[2] واعمال اختیار کر تو لوگ تجھ کو بھی اسکی طرح مقدم وافضل سمجھنے لگیں گے۔ خوب سمجھ لو۔

---

(۱) علامہ کا مطلب یہ ہے کہ بڑا بننے کی کوشش سے کوئی بڑا نہیں بن سکتا، بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اعمال سب سے زیادہ کرے، گو ان اعمال کو بڑا بننے کی نیت سے کرنا ثواب کو باطل کر دیگا اور خدا کے یہاں ان اعمال کی کچھ قدر نہ ہوگی، مگر دنیوی مقصود ضرور حاصل ہو جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس نیت سے اعمال مذکورہ کرنا چاہئیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ اس قصد کا مذموم ہونا باب ریا میں معلوم ہو چکا ہے۔ ۱۲ ظ

(۲) یعنی دوسروں پر حسد کرنے سے کیا نفع اگر تم کو تقدم وفضیلت کا شوق ہے تو ان لوگوں جیسے اعمال کرو جو لوگوں کی نظروں میں مقدم وافضل ہیں۔ اور اس سے افضل طریقہ یہ ہے کہ تم عبدیت اختیار کرو اور تقدم وفضیلت کا وسوسہ بھی دل میں نہ لاؤ، بلکہ اپنے کو سب سے کمتر وبدتر سمجھو اور بڑا بننے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرو، بلکہ جو عمل کرو اس سے محض رضائے حق واتباع رسول کا قصد کرو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے دوستوں کو جوانمرد اور بلند حوصلہ بننے کی ترغیب دیں

(۶۲۴) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے دوستوں کو جوانمرد اور بلند حوصلہ بننے کی ترغیب دیں۔ پھر جس شخص کی مردانگی ایمان کی وجہ سے ہو اسکو اس شخص پر ترجیح دیں جس کی جوانمردی محض نفسانی ہے۔ اور اسکی پہچان یہ ہے کہ ہم اس شخص کی حالت میں غور کریں اگر یہ دیکھیں کہ وہ ہر قسم کے خطرات اور شدائد میں پیشقدمی کرتا ہے خواہ وہ دین کے راستہ میں پیش آئیں یا دنیا کے تو اس کی جوانمردی محض نفسانی ہے اور اگر یہ دیکھیں کہ وہ محض دین کیلئے دین کی حمایت میں خطرات پر پیشقدمی کرتا ہے (اور دنیا کیلئے خطرات میں نہیں گھستا) تو اسکی جوانمردی محض قوت ایمان کی وجہ سے ہے۔ اور حدیث میں ہے "لا دین لمن لا مروة له" جس شخص میں مردانگی نہیں اس میں دین (کامل) نہیں (اس سے معلوم ہوا کہ دینداری کیلئے جوانمردی بھی ضروری ہے۔ پست حوصلہ اور سست وکاہل ہونا (دینداری کے خلاف ہے) اسکو خوب سمجھ لو۔

اپنے دوستوں کو دنیا کی رونق اور دنیا داروں کی چیزوں کی طرف نظر اٹھانے سے منع کریں

(۶۲۵) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے دوستوں کو دنیا کی رونق اور دنیا داروں کی عیش اور انکے لباس اور سواری اور کھانے پینے اور ان کے بندوبست کی طرف نظر اٹھانے سے منع کریں، کیونکہ دنیا (ظاہر میں) شیریں اور سرسبز ہے (تو ممکن ہے کہ اس کی طرف نظر اٹھانے سے دل للچانے لگے)۔

اور شاید دنیا داروں کی نعمتوں کو دیکھ کر انسان اس نعمت کو حقیر سمجھنے لگے جو خدا تعالیٰ نے اسکو عطا فرمائی ہے جس سے یہ نعمت خطرۂ زوال میں آجائے گی جو اسکے پاس ہے۔ اسکو خوب سمجھ لو۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وقدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ "طلب جاہ عند الخلق" تو مذموم ہے ہی "طلب جاہ عند الخالق" بھی مذموم ہے یعنی اسکی بھی طلب نہ کرو کہ تم خدا کے نزدیک سب سے افضل بن جاؤ، بلکہ محض رضا وعبدیت کا قصد کرو۔ ۱۲ ظ

(اور ہمیشہ اس حدیث کے مضمون کو پیش نظر رکھو کہ ''آدمی کو چاہئے کہ دین میں تو اپنے سے بڑے پر نظر کرے اور دنیا میں اپنے سے چھوٹے پر نظر کرے'' اس صورت میں امید ہے کہ یہ ناشکری سے محفوظ رہے گا۔۱۲ مترجم)

مسجد میں جاتے ہوئے اچھے کپڑے پہننے میں سستی نہ کریں

(۲۶۶) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ (ہر نماز کے وقت) مسجد میں جاتے ہوئے اچھے کپڑے پہننے میں سستی نہ کریں (کیونکہ زینت کا لباس پہننا مطلقاً ممنوع نہیں)۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ زینت کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو خدا کیلئے زینت کرتے ہیں دوسرے وہ جو شیطان کیلئے زینت کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جو دنیا کیلئے زینت کرتے ہیں۔ خدا کیلئے زینت تو وہ ہے جو (شرعاً) محمود ہو اور اسکے ساتھ اچھی نیت شامل ہو۔ اور شیطان کیلئے زینت وہ ہے جو (شرعاً) مذموم ہو اور اس میں اچھی نیت شامل نہ ہو۔ اور دنیا[1] کیلئے زینت کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو اباحت واستحباب کا ہے اور دوسرا پہلو کراہت وتحریم کا ہے یعنی جو شخص زینت کا لباس غفلت کے ساتھ پہنے (کہ دل میں کوئی نیت حاضر نہ ہو) تو یہ زینت تو مباح ہے اور اگر نعمت (الٰہی) ظاہر کرنے کے لئے پہنے تو یہ زینت مستحب ہے، اور دنیا داروں جیسی صورت بنانے کیلئے پہنے تو یہ مکروہ ہے، اور اگر تکبر وفخر کیلئے پہنے تو یہ حرام ہے۔

پس عزیز من! ہر زینت کو الگ الگ رکھو گڑ بڑ نہ کرو، کیونکہ قرآن میں زینت بعض جگہ ابہام کے ساتھ مذکور ہوئی ہے اور بعض جگہ تعیین اضافت کیساتھ مذکور ہوئی، چنانچہ ایک مقام

---

(۱) حضرت حکیم الامت نے بعض مواعظ میں فرمایا ہے کہ لباس وغیرہ کے چند درجے ہیں (۱) ضرورت (۲) آسائش (۳) آرائش (۴) نمائش۔ ان میں سے پہلا درجہ واجب اور دوسرا تیسرا جائز ہے بشرطیکہ نیت بری نہ ہو، صرف راحت اور دل خوش کرنا مطلوب ہو گو اچھی نیت بھی نہ ہو اور اگر اچھی نیت ہو مثلاً اظہار نعمت حق وغیرہ تو مستحب ہے۔ اور چوتھا درجہ حرام ہے۔ اھ معناہ۔ پس شیخ علی خواص کا ارشاد حضرت حکیم الامت کے ارشاد کے بہت ہی قریب ہے۔۱۲ ظ

پر ارشاد ہے ﴿افمن زین له سوء عمله﴾[1] (کیا جس شخص کے سامنے اسکے برے اعمال مزین کردئے گئے وہ اس کے برابر ہے جوتقوی اختیار کرتا ہے۔ یہاں تو زینت کا ذکر ابہام کیساتھ ہوا ہے) اور ایک مقام پر ارشاد ہے ﴿فزین لهم الشیطان اعمالهم﴾[2] (کہ شیطان نے انکے سامنے انکے اعمال بد کو مزین کردیا ہے۔ اس میں زینت کو شیطان کی طرف مضاف کیا گیا ہے) اور ایک مقام پر ارشاد ہے ﴿کذلک زینا لکل امة عملهم﴾[3] (ہم نے اسی طرح ہر امت کی نظر میں انکے عمل کو مزین کردیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف زینت کو منسوب کیا گیا ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

جب ہم سے کوئی ایسی بات صادر ہو جس سے عذر خواہی کرنا ضروری ہو تو عذر خواہی کرلیا کریں

(۲۶۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم سے کوئی ایسی بات صادر ہو جس سے عذرخواہی کرنا ضروری ہو تو اپنے ناقص المقام دوستوں کے سامنے عذر خواہی کرلیا (اور ان سے معافی چاہ لیا) کریں، کیونکہ اسی میں ان کی ہمدردی اور ملاطفت ہے۔ اور معذرت نہ کرنے سے ان کو ہم سے عداوت ہو جائے گی، بلکہ بعضے تو ایسے ہونگے جو معذرت (اور معافی چاہنے) کے بعد بھی معذرت قبول نہ کرینگے (تو ایسوں سے اگر معافی نہ چاہی گئی تو یقیناً وہ دشمن ہو جائیں گے) اور ناقص المقام کی قید سے عارفین کاملین مستثنیٰ ہو گئے کیونکہ ان سے عذر خواہی کی ضرورت نہیں، وہ تو سب لوگوں کی حالت کو کامل ہی سمجھتے اور ان کی طرف سے اچھے اچھے جواب اپنے دل میں سوچ لیتے اور ہمیشہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ عذر خواہی کی حقیقت یہ ہے کہ جس شخص سے تم عذر خواہی کرتے ہو اسکے ساتھ تم کو بدگمانی ہے، کیونکہ اولاً تمہارے دل میں یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص نے اس معاملہ میں جو مجھ سے صادر ہوا ہے میرے ساتھ بدگمانی کی ہے (اسکے بعد تم عذر خواہی کرتے ہو) اور اگر تمہارے دل میں یہ گمان نہ پیدا ہوتا تو تم کو عذر خواہی کی

---

(۱) فاطر/۸۔ (۲) النحل ۶۳۔ (۳) الانعام/ ۱۰۸۔

ضرورت ہی نہ ہوتی۔

پس عذر خواہی کرنے والا معذرت سے (اپنے) اس نقصان کی تلافی کرنا چاہتا ہے جو اسکے خیال میں دوسروں نے اس کی نسبت تجویز کیا ہے اور معذرت کر کے وہ اس نقصان سے اپنے آپ کو بری کرنا چاہتا ہے جو اسکے گمان میں لوگوں نے اسکی طرف منسوب کیا ہے "والظن اکذب الحدیث" [۱] اور باتوں میں سب سے بڑھ کر جھوٹ، بدگمانی ہے (اسلئے بدگمانی سے بچنا چاہئے)

شیخ محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ عذر خواہی کرنا اپنے نفس کی تعریف کرنا ہے اور اس شخص کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے جس سے معذرت کیجاتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسکا مقتضی یہ ہے کہ معذرت کرنا دراصل مذموم ہے، مگر چونکہ اسکے نہ کرنے پر عداوت مرتب ہو جاتی ہے اسلئے ہم کو اس کا حکم کیا گیا ہے تاکہ ہلکی بات سے سخت بات کو دفع کیا جائے۔ اسی لئے عارفین میں معذرت وعذر خواہی نہیں ہوا کرتی، کیونکہ عارف نہ اپنے نفس کا تبریہ کرتا ہے نہ اپنے کسی بھائی کیساتھ بدگمانی کرتا ہے اور اگر کسی عارف نے کبھی کسی سے معذرت کی ہو تو اسکا سبب محض دوسرے کی اصلاح اور ملاطفت ہے کہ دوسرا شخص اس واقعہ کے تحمل سے عاجز تھا جو عارف سے صادر ہوا ہے [۲] واللہ غفور رحیم

اعمال مستحبہ کو ایسے موقعہ پر علانیہ کیا کریں جہاں اسکی امید ہو کہ لوگ ہماری اتباع کریں گے

(۲۶۸) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جن اعمال مستحبہ کے اظہار کا ہم کو (شریعت سے) حکم نہیں دیا گیا انکو ایسے موقعہ پر علانیہ کیا کریں جہاں اسکی امید ہو کہ دوسرے لوگ ہماری اتباع کریں گے، کیونکہ شاید کوئی شخص (ہمکو دیکھ کر) ہماری طرح عمل کر لے تو ہم کو اسکے عمل کا

---

(۱) بخاری شریف ص ۹۹۵ ج ۲ باب تعلیم الفرائض۔ کتاب الفرائض، و مسند احمد ص ۲۴۵ ج ۲۔۱۲ مرتب

(۲) احقر مترجم کو اس عہد کے مطلب میں شرح صدر نہیں ہوا، کسی محقق سے اسکو حل کر لیا جائے ۱۲ ظ

ثواب بھی مل جائے انشاء اللہ تعالیٰ۔ حدیث میں ہے "من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله"[1] (جو شخص دوسرے کو نیک کام کی ہدایت کرے تو دوسرے کے عمل کا ثواب اسکو بھی ملے گا)۔

شیخ ابو مدین تلمسانی اپنے متعلقین کو عبادات وکرامات کے ظاہر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ طاعات کو کھلم کھلا کیا کرو جیسا کہ اہل معاصی گناہ کھلم کھلا کرتے ہیں، بالخصوص ایسے موقعہ میں جہاں گناہ کیا جارہا ہو (ضرور طاعات وکرامات کو ظاہر کرو۔۱۲)

پس عزیز من! تم اس نیت سے اعمال کو ظاہر کرو کیونکہ اس میں شعائر دین کا اظہار ہے (یعنی اس سے دین کی عظمت ظاہر ہوگی)۔ اور یہ اعتقاد دل سے نکال دو کہ اعمال صالحہ[2] کا ہمیشہ چھپا کر کرنا ہی مستحب ہے اور ان لوگوں کے قول پر نظر نہ کرو جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال کا اخفاء اولیٰ ہے، کیونکہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ دل میں عمل پر بھروسہ کا شائبہ ہو اور بندہ یہ سمجھتا ہو کہ اس عمل کا فاعل میں ہوں اور اللہ تعالیٰ پر نظر نہ ہو اور اسی لئے اعمال کو ظاہر کرتے ہوئے اسکو ریا کا اندیشہ ہوتا ہے (کیونکہ وہ اپنے کو فاعل سمجھتا ہے) اور اگر وہ خدا تعالیٰ کو فاعل سمجھتا یا اپنے اعمال پر اعتماد نہ کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ پر اعتماد کرتا یا اظہار اعمال میں یہ نیت کرتا کہ لوگ میری اقتدا کریں گے اور اس طرح دین کی عظمت ظاہر ہوگی تو یقیناً اظہار کو اخفاء پر ترجیح دیتا اور اپنے اعمال میں ریا کے شامل ہونے کا اندیشہ نہ کرتا، کیونکہ دوسرے کے افعال سے کوئی بھی ریا اور تکبر وعجب نہیں کیا کرتا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاں کوئی ہماری اتباع واقتداء کرنے والا نہ ہو وہاں

---

(۱) مسلم شریف ص ۱۳۷ ج ۲ باب فضل اعانة الغازی فی سبیل الله بمرکوب، کتاب الامارہ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

(۲) حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ جیسے مخلوق کو دکھانے کے لئے عمل کرنا ریا ہے اسی طرح ان کے دیکھنے کی وجہ سے عمل نہ کرنا بھی ریا ہے، کیونکہ یہ اسکی دلیل ہے کہ ہنوز تمہاری نظر مخلوق پر ہے۔ اس سے نظر قطع نہیں ہوئی ورنہ آدمیوں کو اور درخت ودیوار کو برابر سمجھتے۔ پس نہ عمل مخلوق کیلئے کرو نہ ترک عمل۔ اھ سمعته من سیدی حکیم الامة ۱۲ ظ.

اعمال صالحہ کا اخفاء ہی اولیٰ ہے اور جہاں ہماری اقتداء کیجائے وہاں حضرات انبیاء علیہم السلام کی موافقت کرتے ہوئے اعمال صالحہ کا ظاہر کرنا مستحب ہے (کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے اعمال کواسی لئے ظاہر کرتے تھے تاکہ ان کی اقتداء کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "صلوا کما رأیتمونی اصلی" [1] واللہ علیم حکیم

جوشخص ہم سے ناحق ناراض ہواس سے صلح کرنے میں خود ابتداء نہ کریں

(۲۶۹) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جوشخص ہم سے ناحق ناراض ہواس سے صلح کرنے میں خود ابتداء نہ کریں تاکہ ہم بلاوجہ اسکے نفس کو موٹا اور اپنے آپ کو بے موقعہ ذلیل نہ کردیں۔

اپنے خاص متعلقین سے تو جو کہ ہماری تربیت میں ہیں یا ماتحت ہیں جیسے اولاد اور خدام ومریدین وملازمین یہی برتاؤ کرنا چاہئے باقی اجنبیوں کے ساتھ صلح کرنے میں ہم کوخود ابتداء کرنا چاہئے اور یوں کہنا چاہئے کہ اگرچہ ہماری خطا نہیں بلکہ ہم مظلوم ہیں، لیکن ہم اپنی ہی خطا تسلیم کرکے آپ سے معافی چاہتے ہیں بشرطیکہ اس پر کوئی دینی مفسدہ مرتب نہ ہو (اور اگر دینی مفسدہ مرتب ہوتو اجانب کے ساتھ بھی صلح میں ابتدا نہ کی جائے مثلاً وہ اس واسطے ہم سے ناراض ہوں کہ ہم نے ان کوکسی گناہ سے روکا تھا اور اس پر تنبیہ کی تھی اس صورت میں ہمارا ابتداء صلح کرنا مناسب نہیں ورنہ اسکے یہ معنی ہوں گے کہ ہم انکے گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے یا ہماری نصیحت (امر بالمعروف کرنا کوئی جرم تھا)۔

وعلی ہذا اپنے مشائخ واساتذہ سے بھی ہم کوخود صلح میں ابتداء کرنا چاہئے اگرچہ ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ ظلم انکی طرف سے ہے اور ہم مظلوم ہیں سو اس اعتقاد کو دل سے نکال دینا چاہئے، کیونکہ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ہمارے دین ودنیا کے مصالح کوہم سے زیادہ جانتے

---

(۱) بخاری شریف ص ۸۸ ج ۱ باب الاذان للمسافر الخ کتاب الاذان او ص ۸۸۸ ج ۲ کتاب الادب "باب رحمۃ الناس والبھائم" ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

ہیں (پس وہ جو کچھ کرتے ہیں ہماری اصلاح کیلئے کرتے ہیں اور اسمیں ضرور کچھ حکمت ہے، گو ہماری سمجھ میں نہ آئے)

عنترہ عبسی جو کہ زمانۂ جاہلیت کا شاعر ہے کہتا ہے ؎

لا یحمل الحقد من تعلو له الرتب

ولا ینال العلی من طبعه الغضب

(جس شخص کے رتبے بلند ہوتے ہیں وہ دل میں کینہ نہیں رکھا کرتا ☆ اور جس شخص کی عادت غصہ کی ہو وہ بلند مرتبہ کو نہیں پہنچتا) پس جو لوگ بلند مرتبہ کو پہونچ چکے ہیں ان کی نسبت یہ گمان نہ کرو کہ وہ کسی کی طرف سے کینہ اور غصہ رکھتے ہیں ہرگز نہیں، بلکہ وہ ظاہر میں جو کچھ غصہ ظاہر کرتے ہیں اس سے تمہاری اصلاح مطلوب ہوتی ہے، دل میں وہ کسی سے بھی بلاوجہ ناراض نہیں ہوتے۔

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن (۱)

خوب سمجھ لو

جو شخص اپنے ہدیہ کو بہت قیمتی اور قابل قدر سمجھتا ہے اس کا ہدیہ کبھی قبول نہ کریں

(۲۷۰) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جس شخص کے متعلق ہم کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اپنے اس) ہدیہ کو (جو ہمارے واسطے لایا ہے) بہت قیمتی اور قابل قدر سمجھتا ہے اس کا ہدیہ اپنے واسطے کبھی قبول نہ کریں، کیونکہ اسکی نظر میں ہدیہ کا قیمتی اور قابل قدر ہونا اسکے بخیل ہونے کی دلیل ہے اور بخیل (کے گھر) کا کھانا بیماری (پیدا کرتا) ہے جیسا کہ آثار میں وارد ہوا ہے اور جس قدر بخل میں کمی بیشی ہوگی اسی قدر بیماری میں کمی بیشی ہوگی اور کھانے کے اوپر لباس اور پینے کی چیز کو بھی قیاس لینا چاہئے۔

---

(۱) ہمارے اس راستہ میں کینہ رکھنا کفر ہے۔ ہمارا قانون سینہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا ہے ۱۲ مرتب عفی عنہ

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اپنے واسطے اس کا ہدیہ قبول نہ کریں اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہوگئی کہ ہم اسکو اپنے سوا دوسرے فقراء اور حاجتمندوں کے نام سے قبول کرلیں تو اس کا مضائقہ نہیں انکے لئے ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرلیا جائے اوران کوانشاء اللہ اسکے کھانے سے کچھ ضرر نہ ہوگا (کیونکہ بخل کا علاج ہی تصدق ہے اور تصدق بدون فقراء کے متحقق نہیں ہوسکتا، تو اگر فقراء کوبھی بخیل کے طعام وغیرہ سے ضرر ہوتو بخل کا علاج ہی نہ ہو سکے گا)

حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ ایک تاجر نے انکی دعوت کی جب دسترخوان بچھایا گیا تو تاجر نے درویشوں کے سرہانے کھڑے ہوکر کہا کہ خوب رغبت اور خوشی سے کھایئے، واللہ! مجھے وہ ایک لقمہ جو آپ کے پیٹ میں پہونچ جائے پانچ سو اشرفیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے یہ سنتے ہی درویشوں سے فرمایا کہ بس ہاتھ روک لو، ہمارا میزبان بہت ہی کم حوصلہ ہے کہ درویشوں کے لقمہ کو متاع دنیا کے برابر سمجھتا ہے، پھر آپ درویشوں کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے اور ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ خوب سمجھ لو۔

جو شخص ہم کو فقراء میں تقسیم کرنے کیلئے کچھ مال دے تو اسکو منظور نہ کریں

(۲۷۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو شخص ہم کو فقراء میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ مال دے تو اس کو منظور نہ کریں (بلکہ اس سے کہہ دے کہ خود تقسیم کرو، ہم کو اس خدمت سے معاف کرو۱۲) البتہ اگر ہم کو اپنے متعلق یہ بات معلوم ہو کہ ہماری نظر فقراء پر اس سے زیادہ اچھی ہے (تو قبول کر لینے کا مضائقہ نہیں مثلاً ہم کو ایسے لوگ معلوم ہیں جو سوال نہیں کرتے، بلکہ اپنی عزت کو سنبھالے ہوئے گھر میں پڑے رہتے ہیں اور مالدار کو ان کا علم نہیں، وہ فقیر انہی لوگوں کو سمجھتا ہے جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں، تو ہم کو یہ مال قبول کر کے اصلی فقراء کو پہونچا دینا چاہئے۔

اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ فقراء کو متعین نہ کرے اور اگر نام لیکر متعین کردے (کہ یہ مال فلاں فلاں کو دیدیا جائے) تو ہم کو اس صورت میں یہ مال لے لینا (اور تقسیم کردینا) مناسب ہے بشرطیکہ وہ حلال مال ہو (اور اگر حرام یا مشتبہ ہوتو اس صورت میں

بھی قبول نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس سے صاف کہدیں کہ تم خود تقسیم کردیا جو چاہے کرو۱۲) واللہ اعلم۔

جو جماعت ہماری زیرتربیت ہے اس کے واسطے کسی سے کچھ مال واسباب قبول نہ کریں

(۲۷۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو جماعت ہماری زیر تربیت ہے اس کے واسطے کسی سے کچھ مال واسباب قبول نہ کریں، البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ قبول نہ کرنے میں اس جماعت کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف اطمینان کے ساتھ متوجہ نہ ہوگا (تو قبول کرلیا کریں) کیونکہ مصلحت سے سلامتی مقدم ہے (پس ہر چند کہ مصلحت تو قبول نہ کرنے ہی میں ہے، مگر اپنی جماعت کے دین کی سلامتی قبول کرلینے میں ہے۱۲)

اور یہ جو ہم نے کہا کہ جو جماعت ہماری زیر تربیت ہے، اس سے دوسرے فقراء مستثنیٰ ہوگئے (جو ہماری زیرتربیت نہیں) انکے واسطے ہم کو استخارہ کے بعد ہدایا قبول کرلینا اوران پر تقسیم کردینا چاہئے۔ واللہ غنی حمید.

اپنے تمام صدقات نافلہ اور مستحب خیرات وہدایا کو چھپایا کریں

(۲۷۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے تمام صدقات نافلہ اور مستحب خیرات وہدایا کو چھپایا کریں (ظاہر نہ کیا کریں) البتہ اگر اس جگہ کوئی ایسا شخص ہو جو ہماری اقتدا کرے (اور یہ امید ہو کہ ہم کو خیرات کرتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی خیرات کرے گا تو ظاہر کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ پہلے ایک عہد میں گزر چکا ہے، ورنہ اخفا ہی بہتر ہے) کیونکہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے (پھر ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۱۲)۔

اور اگر صدقات فرض (مثل زکوٰۃ وعشر صدقۂ فطر۱۲) کے ظاہر کرنے میں یہ مصلحت نہ ہوتی کہ اس میں شعار دین کا قیام (اور عظمت احکام اسلام کا ظہور) ہے تو ان کا بھی اخفا ہی اولیٰ ہوتا (مگر فرائض کا اظہار شعار دین قائم کرنے کے لئے بہتر ہوگیا۔ پس فرائض کے سوا

اور صدقات کو چھپانا ہی چاہئے۱۲)۔

صوفیہ کا ارشاد ہے کہ اخفاء کی حقیقت یہ ہے کہ اس شخص نے فقیر کو جو کچھ دیا ہے اس کے متعلق اس کے دل میں یہ تقاضا کبھی نہ آئے کہ کسی کو اس کی خبر ہو جائے تو اچھا ہے، بلکہ دل سے یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو خبر ہونا کافی ہے۔ پس اگر کسی نے چھپا کر فقیر کو کچھ دیا پھر لوگوں کو اس کی اطلاع ہوگئی اور انہوں نے اس کی تعریف کی اور اس تعریف کو اس نے اچھا سمجھا (اور اس سے لذت لی[1] اور عقلاً خوش ہوا) تو وہ اس درجہ کے لوگوں میں نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اپنے نفس اور اہل وعیال پر زیادہ توسع نہ کریں

(۲۷۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے نفس پر اور اہل وعیال وخدام ومتعلقین پر (کھلانے پہنانے میں) زیادہ توسع نہ کیا کریں، بلکہ اس میں میانہ روی اختیار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد پر عمل ہو ﴿والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما﴾[2] اور (وہ نیک بندے) ایسے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان ٹھیک انداز پر ہوتا ہے۔

پس جو شخص اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر ہمیشہ توسع کرتا ہے وہ نعمتوں کی بے وقعتی اور ناقدری کا دروازہ کھولتا ہے، کیونکہ جس گھر میں نعمت (وراحت) کا استعمال زیادہ ہو اس کے رہنے والے نعمت کی بے وقعتی کرنے لگتے ہیں گو کچھ عرصہ کے بعد ہی کریں اور وہ نعمت کو معمولی چیز سمجھنے لگتے ہیں اور اگر کبھی خدا تعالیٰ اپنی نعمت کو ان سے ہٹالیں تو وہ اپنے پروردگار

---

(۱) بین القوس یہ قیدیں اسلئے بڑھائی گئیں کہ طبعی خوشی کا مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ نیز وسوسہ فرحت کا بھی مضائقہ نہیں، کیونکہ وسوسہ بھی اختیار سے باہر ہے۔ ملامت اسی خوشی پر ہے جو قصداً ہو اور اسی لذت پر جو اختیار سے ہو، کیونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اوامر ونواہی کا تعلق اختیاریات سے ہے غیر اختیاری امور سے نہیں۔ ۱۲ مترجم۔

(۲) الفرقان ۶۷۔

سے ناخوش ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ نعمت (وراحت ہی) سے مانوس ہیں (کلفت اور تنگی کی ان کو برداشت نہیں)۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کا اپنے گھر میں روزانہ بکری اور مرغ کا گوشت پکوانا اور میٹھی چیزیں تیار کرانا اور اپنے اہل وعیال کیلئے جس چیز کو بھی ان کا دل چاہے خرید لانا نعمت کی بے قدری کا سبب ہے، کیونکہ جب وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے تو بالضرور اس کو معمولی چیز سمجھیں گے اور اس کی قدر نہ کریں گے۔

پس اعتدال کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے گھر والوں پر اس طرح خرچ کیا کرے کہ گاہے وسعت کرے اور کبھی کمی کر دے۔ یعنی جب یہ اندیشہ ہو کہ گھر والے (تنگی کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ سے منقبض ہو جائیں گے تو اس وقت خرچ میں وسعت (وفراغت) کر دے اور جب یہ اندیشہ ہو کہ یہ نعمت کی بے وقعتی کرنے لگیں گے اس وقت خرچ میں کمی کر دے تاکہ آئندہ وہ لوگ نعمت کو تعظیم کے ساتھ لیں (اور اس کی وقعت وقدر کریں)۔

اور سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک ان کی آنتیں بھوک سے جلنے نہ لگتیں (تاکہ بھوک کے تقاضے کے وقت کھانے سے نعمت کی قدر ہو) اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنی جسمانی طاقت اور عقل ومعرفت کے سات حصے کرتے تھے۔ جب تک چھ حصے (قوت) زائل نہ ہو جاتی اور ایک حصہ سے زائد باقی نہ رہتا اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے۔ مشائخ کا قول ہے کہ وہ اسی وجہ سے تمام صوفیہ پر حجت تھے۔

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کے اہل وعیال واولاد اور دوستوں پر امین بنایا ہے اور امانت کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں اور اہل وعیال کو لذیذ کھانے بہت کھلا کر ان سے زوال نعمت کا اور آخرت میں ان کے درجات کم کرنے کا سبب نہ بنیں اور جو ایسا کرے گا اس نے امانت میں خیانت کی اور اس کو برباد کر دیا (اور دیکھو!) اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو (قرآن کریم میں) اپنے اس ارشاد سے دھمکی دی ہے ﴿**ویوم یعرض الذین کفروا علی النار، اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا فالیوم**

تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون﴾ الخ [1] اور جس دن کفار کو (جہنم کی) آگ کے سامنے لایا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) تم نے اپنے سارے مزے دنیا کی زندگی میں ختم کر دیئے اور دنیا میں خوب عیش کرلیا۔ بس آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا تمہارے کرتوتوں کے سبب۔ اور جس بات پر اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کو دھمکی دی ہے ہم کو اس سے بچنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں پر کفار کو دھمکی دی ہے یقیناً ان کو عذاب میں دخل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا میں مزے اڑالینا اور لذات میں مشغول ہونا خدا کو پسند نہیں ۱۲)

اور (سمجھو! کہ) رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ حکم دیکر کہ ''بدون بھوک کے کھانا نہ کھاؤ اور بدون پیاس کی پانی نہ پیو'' نعمتوں کی بے قدری کا دروازہ بند کر دیا ہے، کیونکہ جو شخص بھوک اور پیاس کے تقاضے کے وقت کھاتا پیتا ہے اس کا بال بال نعمت کے استقبال کو دوڑتا ہے (تو اس وقت نعمت الٰہی کو پوری رغبت و وقعت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، اس وقت بے قدری اور بے وقعتی کا کوئی احتمال نہیں۔ پس اگر کوئی شخص روزانہ عمدہ غذائیں ہی کھانا چاہے اس کو چاہئے کہ بدون بھوک کے تقاضے کے نہ کھائے۔۱۲)

عزیز من! دیکھو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو کیسے کیسے آداب کی تعلیم دی ہے جن پر عمل کرنے سے ہمارے اوپر نعمتیں ہمیشہ برستی رہیں (اور ان کو کبھی زوال نہ ہو ۱۲) اور (حضور ﷺ کے ارشاد میں کھانے، پانی کا ذکر بطور تمثیل کے ہے) تم ساری نعمتوں اور لذتوں کو کھانے پینے ہی پر قیاس کرو یعنی لباس کو بھی اور جماع کو بھی اور نیند کو بھی اور ان کے سوا جتنی بھی لذتیں ہیں (سب کو تقاضائے نفس کے بعد حاصل کرو یہ نہیں کہ جہاں ذرا جی چاہا اور فوراً لذت حاصل کرلی، بلکہ اول نفس کو روکو پھر جب کسی لباس کا سخت تقاضا ہو یا جماع کی سخت خواہش ہو جس کی برداشت نہ ہو سکے یا نیند کا سخت غلبہ ہو کہ حواس بے قابو ہو جائیں اس وقت ان لذتوں کو حاصل کرنا چاہئے ۱۲) جیسا کہ ہم نے چند مرتبہ تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ واللہ غنی حمید۔

---

(۱) الاحقاف/۲۰۔

کسی مسلمان کے ساتھ مکر وفریب نہ کریں

(۲۷۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی مسلمان کے ساتھ مکر وفریب نہ کریں اور رات دن میں کسی وقت بھی اس کے ساتھ برائی کا قصد نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿افامن الذین مکروا السیئات ان یخسف اللہ بھم الارض او یاتیھم العذاب من حیث لا یشعرون، او یأخذھم فی تقلبھم فما ھم بمعجزین، او یأخذھم علی تخوف﴾ [1] (ترجمہ) کیا وہ لوگ جو بری تدبیریں کرتے ہیں اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا اللہ تعالیٰ ان کو چلتے پھرتے ہی پکڑ لے پھر وہ (خدا کو) ہرا نہیں سکتے یا ان کو نقصان میں گرفتار کر دے۔

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ اس عہد پر وہی شخص عمل کر سکتا ہے جس نے کثرت تحمل و بردباری کی عادت کر کے اپنے نفس کو سدھایا ہو یہاں تک کہ وہ دونوں جہاں میں کسی سے اپنے کسی حق کا مؤاخذہ نہ کرے۔ واللہ غفور رحیم

کسی ایسی چیز سے اپنے کو افضل نہ سمجھیں جس کی طرف ہم کو کسی وقت احتیاج ہوتی ہے

(۲۷۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم دنیا میں زندہ ہیں اس وقت تک کسی ایسی چیز سے اپنے کو افضل نہ سمجھیں جس کی طرف ہم کو کسی وقت احتیاج ہوتی ہے، کیونکہ ہم کو خاتمہ کی کچھ خبر نہیں (اور فضیلت کا مدار حسن خاتمہ پر ہے کما فی الحدیث "انما الاعمال بالخواتیم ۱۲) [2] اور ایسی چیز سے اپنے کو افضل سمجھنا کب زیبا ہے جس کے ہم خود ہی محتاج ہیں۔

چنانچہ ایک درویش گدھے پر سوار تھا اس کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ میں اس

---

(۱) النحل ر۴۵، ۴۶، ۴۷۔

(۲) بخاری شریف ص ۹۶۱ ج ۲ باب العمل بالخواتیم۔ ۱۲ مرتب عفی عنہ

گدھے سے افضل ہوں تو گدھے نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا اور کہا تو اپنے کو مجھ سے کس طرح افضل سمجھتا ہے حالانکہ میں تو تجھے اٹھا کر دور دراز شہروں میں پہونچا آتا ہوں اور تو مجھے اٹھا کر دس قدم بھی نہیں چل سکتا۔ یہ سنتے ہی درویش اتر پڑا اور گدھے کے قدم چومنے لگا، اس پر گدھے نے کہا کہ مجھے ایسے شخص کی حالت پر تعجب ہے جو مجھ پر اتنی دیر تک سوار رہتا ہے کہ میں اس کے بوجھ سے پریشان ہو جاتا ہوں، پھر اترتا ہے (تو میرے پیر چومتا ہے۔ اس سے مجھے کیا نفع ۱۲) بلکہ مناسب یہ تھا کہ مجھے یوں دعا دیتا ''جزاک اللہ خیرا وعافاک فی جسمک'' (خدا تجھے جزائے خیر دے اور تیرے جسم کو عافیت دے)۔

اور سیدی افضل الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مجھے بہت بدبودار پاخانہ ہوا تو میں نے (بدبو سے پریشان ہوکر) اف اف کیا، تو پاخانہ نے کہا کہ میاں تم ہی اس قابل ہو کہ تم سے اف اف کیا جائے، کیونکہ میں تو تمہارے جسم میں آنے سے پہلے پاک صاف طیب وطاہر تھا، مگر تمہارے پاس رہ کر ایک رات میں ناپاک بدبودار ہو گیا اور اگر میں کسی برتن میں تم سے جدا رہ کر تنہا ہزار سال تک رہتا تو ناپاک نہ بنتا نہ مجھ سے کسی کو احتیاط کی ضرورت تھی (یہ ناپاکی اور گندگی تو تمہارے پاس رہنے سے میرے اندر آئی ۱۲) سیدی افضل الدین فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے پاخانہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

جب اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر کشف کا دروازہ کھولدیں اور کوئی جانور کہے کہ مجھے ذبح نہ کرو تو اس وقت شریعت کی اجازت پر عمل کریں

(۲۷۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر (کشف کا) دروازہ کھولدیں اور حیوانات ہم سے کلام کرنے لگیں اور کوئی جانور یوں کہے کہ مجھے ذبح نہ کرو تو اس وقت شریعت کی اجازت پر عمل کرنے کو جانور کی بات پر مقدم کریں کہ اگر وہ ذبح سے پناہ مانگے اور شریعت اس کے ذبح کی اجازت دے تو اس کو ذبح کرنے میں پس وپیش نہ کریں۔ اسی طرح اگر جمادات ہم سے بولنے لگیں اور زمین کا کوئی حصہ ہم سے یوں کہے کہ مجھے

ناپاک نہ کروتو ہم شارع کی اجازت کوز مین کی بات پر مقدم کریں اور وہاں بلاتکلف پیشاب پاخانہ کریں۔

ہم کو ابوالعباس حواز رضی اللہ عنہ کا واقعہ پہونچا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے استنجا کے واسطے ایک پتھر اٹھایا، پتھر نے کہا کہ میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے ناپاک نہ کرو، آپ نے اس کو چھوڑ کر دوسرا پتھر اٹھایا، اس نے بھی یہی کہا، آپ نے اسکو چھوڑ کر تیسرا پتھر اٹھایا اس نے بھی یہی کہا، تو اس کو نہیں چھوڑا اور پتھر سے فرمایا کہ اللہ عز وجل ہی نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھ سے پاکی حاصل کروں (اور تجھے ناپاک کروں) تیرے واسطے یہی بہتر ہے۔ اس جواب سے پتھر خاموش ہو گیا تو دیکھو! شیخ رضی اللہ عنہ نے شریعت الٰہیہ کو پتھر کی رضا سے مقدم کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے عکس کا بھی حکم یہی ہے (یعنی اگر کوئی جانور یوں کہے کہ مجھے ذبح کر کے کھالو یا جمادات ونباتات کلام کریں) مثلاً کوئی درخت کسی ولی سے کہے کہ میرا پھل کھالو، میں تمہارے واسطے حلال ہوں تو محض اس کے کہنے سے کھانے کیلئے قدم بڑھانا ولی کو جائز[1] نہیں جب تک کہ شریعت کی رو سے صراحۃً اس کا حلال ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

---

(۱) کیونکہ بعض دفعہ حیوانات و جمادات ونباتات کا کلام ولی کے امتحان کیلئے ہوتا ہے۔ پس یہ نہ سمجھو کہ ان کا بولنا ہر وقت کرامت ہی کیلئے ہوتا ہے، بلکہ بعض دفعہ اس میں سالک کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ حیوانات وغیرہ کے کلام سے اپنی ولایت وکرامت کا معتقد ہو کر احکام الٰہیہ سے غافل ہو جاتا ہے یا ہر وقت اس کی نظر خدا تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ہے اور غیر حق پر اصلا نظر نہیں۔ پس جس کی نظر ہر دم خدا پر ہے وہ کسی وقت بھی احکام سے غافل نہیں ہوتا نہ کسی خارق سے دھوکہ کھاتا ہے اور جو ناقص ہے وہ اس امتحان سے دھوکہ میں پڑ جاتا ہے، اسی لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

دررہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے ست ☆ ہشیار وگوش رابہ پیام سروش دار (۲)

پیام سروش سے مراد وحی ہے قالہ سیدی حکیم الامۃ ۱۲ مترجم۔

(۲) ترجمہ: عشق کے راستے میں شیطانی وسوسے بہت ہے، ہوشیار رہ اور اپنے کان کو وحی الٰہی کیلئے (متوجہ) کر ۱۲ مرتب۔

ہم کسی مسلمان سے کسی دوسرے شخص کی وجہ سے بدون شرعی سبب عداوت نہ کیا کریں

(۲۷۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ آج کل ہم کسی مسلمان سے کسی دوسرے شخص کی وجہ سے بدون شرعی سبب کے عداوت نہ کیا کریں، کیونکہ آج کل لوگوں میں باہم لڑائی جھگڑے زیادہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی بات کا تحمل کم کرتا ہے (اس لئے ادنی ادنی بات پر دشمنی کھڑی کر لی جاتی ہے۔ پس اگر ہم محض اس وجہ سے کہ فلاں شخص کو اس سے نفرت وکراہت ہے کسی مسلمان سے عداوت کرنے لگیں) تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہمارا ساتھی اور دوست کوئی بھی نہ رہے گا خصوصاً جب کہ ہم کو یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہو کہ جس شخص کو ہمارے دوست سے عداوت ہے وہ اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ کا سچا عاشق ہے تو اس صورت میں ہم کو لازم ہے کہ دوست کے ساتھ جو اس کو بغض وعداوت ہے اس کو اللہ ورسول کی محبت وعشق میں فنا کر دیں (یعنی اللہ ورسول کے ساتھ اس کی محبت وعشق پر نظر کر کے اپنے دوست کے ساتھ اس کی بغض وعداوت کو نظر انداز کر دیں ۱۲)۔

پھر یہ بات مخفی نہیں کہ درویش یا حاکم یا بڑے درجہ کا آدمی جب مشہور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حاجتیں اس سے متعلق کر دیتے ہیں اس وقت وہ سمندر جیسا ہو جاتا ہے جس کے پاس نیک لوگ بھی آتے ہیں اور بد بھی اور اب اس کو یہ چاہئے کہ جو اس کی طرف متوجہ ہو رذیل ہو یا شریف، نیک ہو یا بد ہر ایک کے حال پر توجہ کرے، کیونکہ وہ تمام لوگوں کیلئے میزان عدل بن گیا ہے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص دو آدمیوں کے ساتھ کسی خاص دنیوی غرض کو مدنظر رکھ کر ملاقات کرے گا تو ان دونوں میں سے جس کے خلاف وہ غرض ہوگی وہ اس کا دشمن ہو جائے گا اور اس کے حلقہ اطاعت سے نکل کر نفع اور فیض سے محروم ومعطل ہو جائے گا اور اب یہ تیسرے شخص کا محتاج ہوگا جو اس میں اور اس میں صلح کرائے (اور شیخ کو یہ صورت اختیار کرنا بہت برا ہے کہ لوگوں سے کسی خاص دنیوی غرض کی بنا پر تعلق رکھے ۱۲) اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو، کیونکہ یہ بہت نفیس بات ہے۔

اور شیخ محی الدین (ابن عربی) کا واقعہ ہے کہ وہ ایک شخص سے جو ان کے شیخ پر اعتراض کیا کرتا تھا بغض کرنے لگے تو آپ نے تین بار رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ حضور ﷺ [1] ان سے اعراض (اور بے رخی) فرما رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے شیخ کی وجہ سے فلاں شخص سے کراہت ونفرت کرتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تم نے اس کے بغض [2] کو جو تمہارے شیخ سے ہے اس کی اس محبت میں جو میرے ساتھ ہے کیوں نہیں فنا کر دیا۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ آپ کو جزائے

---

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے ایک خادم نے دوسرے سے کہا کہ صبح کی نماز فلاں مسجد میں پڑھیں گے، کیونکہ اس کا امام بہت اچھا قرآن پڑھتا ہے۔ دوسرے نے کہا تم بڑے جاہل ہو کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہو جو ہمارے مولانا کو کافر کہتا ہے۔ مولانا نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم ہی جاہل ہو کیا مجھے کافر کہنے کی وجہ سے وہ امامت کے قابل نہیں رہا؟ یہ تو اس کے دیندار ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس سے کسی نے میرے متعلق کوئی بات کہی ہوگی جس کی وجہ سے وہ مجھے کافر کہتا ہے۔ چلو صبح کی نماز ہم بھی اسی کے پیچھے پڑھیں گے چنانچہ سب نے اسی کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس واقعہ میں اسی عہد کی تعلیم ہے کہ کسی شخص سے محض اس لئے عداوت نہ رکھو کہ وہ تمہارے شیخ کا مخالف ہے جب کہ اس کو اللہ ورسول سے تعلق ہو۔ ۱۲ مترجم

(۲) احقر عرض کرتا ہے کہ شیخ ابن عربی نے غالباً اس شخص کے ساتھ دل سے بغض کیا تھا جیسا کہ مرید کو طبعی طور پر ایسے شخص سے دلی نفرت ہو جاتی ہے جو اس کے شیخ کو برا کہتا ہو۔ اس پر یہ عتاب ہوا اور حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تم کو باطناً اس سے بغض نہ کرنا چاہئے جب کہ اس کا محب رسول ہونا معلوم تھا اور یہ مطلب نہیں کہ اس سے ظاہری تعلق میں بھی کمی نہ کرنا چاہئے تھی گو ظاہری تعلق سے شیخ پر گرانی ہوتی کیونکہ جس کے ساتھ موالات ومودت ظاہرہ سے شیخ کے دل پر گرانی ہو اس سے ظاہری میل جول مضر طریق ہے اور شرعاً ایسے شخص سے ظاہری تعلق کم کر دینے کی اجازت ہے جب کہ اس سے ضرر شدید لازم آئے "ولا یخفی ان ضرر الباطن اشد وابقی وقد صرح الفقهاء بان من ابتلی ببلیتین فاختر اھو نھما" (باقی اگلے صفحہ پر)

خیر عطا فرمائیں آپ سب سے بہتر معلم ہیں۔ اور اس دن کے بعد سے میں نے کسی مسلمان سے اگر نفرت کی ہے تو محض خدا کی وجہ سے کی ہے (کسی دوست یا پیر کی وجہ سے نہیں کی) فالحمد للہ رب العلمین۔

جب دو شخص ہم کو دعوت دیں اور دونوں کے گھر فاصلہ میں برابر ہوں تو اس شخص کی دعوت قبول کریں جس کی دعوت رد کرنے سے دل شکنی کا زیادہ خطرہ ہو

(۲۷۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کو دو شخص بلائیں جن میں ایک غنی ہو دوسرا فقیر ہو اور دونوں کے گھر (قرب و بعد میں) مساوی ہوں تو ہم اس شخص کی دعوت قبول کریں جس کی دعوت رد کرنے میں دل شکنی کا زیادہ خطرہ ہو خواہ غنی ہو یا فقیر اور اگر ہم اس کا اندازہ نہ کرسکیں کہ کس کی دل شکنی زیادہ ہوگی تو اس صورت میں ہم کو غنی کی رعایت کرنا چاہئے، کیونکہ عادت یہ ہے کہ بڑے طبقہ کے لوگ اپنی اغراض کی مخالفت سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، فقراء زیادہ متأثر نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اغنیاء و امراء کی بات کو (عموماً) کم رد کرتے ہیں (پس امراء اسی کے عادی ہیں) اور فقراء کی مخالفت کی عموماً پروا نہیں کی جاتی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) البتہ یہ ضروری ہے کہ جس شخص سے بوجہ اپنے شیخ یا کسی دوست (عزیز کے ظاہراً قطع تعلق کیا جائے اور واقع میں وہ نیک ہو تو اس سے خفیہ طور پر کہہ دیا جائے کہ میں مصلحت کی وجہ سے ایسا کررہا ہوں، مگر باطناً مجھے تم سے بغض و نفرت نہیں، بلکہ مجھے تم سے باطناً محبت ہے کیونکہ تم کو اللہ و رسول ﷺ سے محبت ہے اس صورت میں تمام مصالح محفوظ رہیں گی'' وقد رأینا اکابرنا علی ذلک. سمعت سیدی حکیم الامة ان رجلا من اصحاب شیخنا امداد اللہ قدس سرہ اتی مولانا رشید احمد قدس اللہ سرہ و کان الرجل محلوق اللحیة مبتلی بالبدعة فاخرجه الشیخ من عنده ثم ارسل الرجل الی ودعانی فقلت لا آتیک ما دمت بهذا البلد نعم ان اتیتنی فلا آبی عن لقائک خفیة. کل ذلک خذراً من تکدر الشیخ واذن له باللقاء مراعاة لتعلقه بالشیخ الاکبر فافهم. ۱۲ مترجم

(ان کی بات کو بہت لوگ رد کر دیتے ہیں تو ان کو اسی کی عادت ہے)

اور میں نے اس ادب کو اپنے زمانہ کے درویشوں میں سیدی علی خواص رحمہ اللہ کے سوا کسی میں نہیں دیکھا۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ دونوں بلانے والوں کے گھر قرب وبعد میں مساوی ہوں اور یہ صورت نہ ہو تو) جس شخص کا گھر ہم سے نزدیک ہو شرعاً وہی مقدم ہے خواہ غنی ہو یا فقیر۔ واللہ اعلم۔

جس محفل میں بڑے طبقہ کے لوگ شریک ہوں خصوصاً مناظرہ کی مجلس اس میں ہرگز نہ جائیں

(۲۸۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس محفل میں بڑے طبقہ کے لوگ شریک ہوں خصوصاً مناظرہ کی مجلس اس میں اگر ہم کو بلایا جائے تو ہرگز نہ جائیں ہاں اگر اچھی نیت سے (اخلاص کے ساتھ) بلایا جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور صاحب مجلس کی نیت خراب ہونے اور اخلاص سے خالی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ارکان حکومت کو بلائے جیسے دفتر دار وغیرہ یا امراء کو بلائے کیونکہ یہ لوگ نہ علم کے طالب، نہ اس میں مشغول، نہ اس قابل ہیں کہ ان سے علم حاصل کیا جائے، پھر (مجلس علم میں) ان کو بلانے سے کیا فائدہ، پھر بلانا بھی اس طرح جس میں ان کے نوکروں اور حاشیہ نشینوں کی سفارش کی ضرورت ہو اور ان کے التجا اور خوشامد کرنا پڑے، اس سے سوا اس کے اور کیا مقصود ہے کہ صاحب مجلس لوگوں کی نظروں میں بڑا بننا چاہتا ہے (کہ میں ایسا شخص ہوں جس کے گھر پر ایسے ایسے لوگ آتے ہیں) اور جس کی یہ نیت ہو اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔

علاوہ ازیں یہ کہ ایسی مجلس جوش نفس اور جنگ وجدال سے بہت کم محفوظ ہوتی ہے، ہر عالم دوسرے کی دلیل کو لوگوں کے سامنے کمزور ثابت کرنا چاہتا ہے اور اگر کسی کو ایک بار غلبہ حاصل ہو گیا تو دوسرا اس کے لئے دنیا بھر کے اعتراضات جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ذرا ذرا سی غلطی کو پکڑتا اور لفظی خطا پر گرفت کرتا ہے اور مجمع عام میں اس سے اخلاق ذمیمہ کا ظہور ہوتا ہے۔

اور فرض کرلو کسی نے علوم صیحہ سے تمام حاضرین کی حجتوں کو بھی ختم کردیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) ان کے حسد کو حرکت ہوگی اور سب یوں کہیں گے کہ فلاں شخص نے جتنی علمی باتیں آج بیان کی ہیں اپنے فہم سے نہیں بیان کیں، بلکہ شروح وحواشی دیکھ کریاد کرلی ہیں اور (اس میں کچھ کمال نہیں) یہ تو ذرا ذرا سے بچے بھی کرسکتے ہیں تو (باوجود سب پر غالب آنے کی بھی) اس کا کچھ درجہ یامرتبہ ان کی نظر میں نہیں بڑھتا۔

دوسرے یہ کہ ایسی مجلسوں میں جتنے معاصر (علماء) آتے ہیں وہ کسی کے معتقد بن کریا استفادہ کی نیت سے نہیں آتے، بلکہ نکتہ چینی کی غرض سے آتے ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائیوں[1] پر غلبہ حاصل کرتا ہے وہ ان کے نور کو بجھا دیتا اور اپنے نور کو قوی کرتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہے اور ہم نے رسالۃ الآداب میں اس عہد پر مفصل کلام کیا ہے اور علماء باعمل اسی عہد پر جمے ہوئے تھے جیسے شیخ ابواسحٰق شیرازی وامام رافعی وامام نووی اور ان کے علاوہ تمام سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

جب ہم کسی مجلس میں حاضر ہوں تو جب تک ہو سکے خود گفتگو شروع نہ کریں

(۲۸۱) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم کسی علمی مجلس میں حاضر ہوں جو کسی مسئلہ کی تحقیق کیلئے منعقد ہوئی ہو یا ولیمہ کی محفل میں شریک ہوں تو اس مسئلہ پر گفتگو یا کوئی ذکر خود شروع نہ کریں، ہاں اگر ہم کو یہ محقق ہو جائے کہ اس مسئلہ کو ہم سب سے زیادہ جانتے ہیں یا آداب ذکر اور اہل مجلس کی آواز ملالینے کا طریقہ ہم کو دوسروں سے اچھا آتا ہے، پھر ابتداء کرنے کا مضائقہ نہیں تاکہ جلسہ مختصر ہو جائے اور مجلس میں گڑبڑ نہ ہو کہ وہ اس پر ٹالے یہ اس پر ٹالے۔ اگر اس نیت سے پیش قدمی کی جائے اور شان ریاست مقصود نہ ہو تو کچھ حرج

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ علامہ جس مناظرہ سے منع کرتے ہیں اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو اہل حق کے درمیان ہو اور اگر ایک طرف اہل حق ہوں اور دوسری طرف اہل باطل ہوں تو ایسا مناظرہ ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو جہاد لسانی میں داخل ہے۔ فافہم ۱۲ مترجم

نہیں اگر چہ اس جلسہ میں کوئی عمر میں ہم سے بڑا بھی موجود ہو (اور جہاں علم میں یا آداب ذکر میں ہم سے زیادہ عالم وعارف موجود ہے وہاں پیشقدمی کرنا بد تمیزی ہے)

مجھ سے حضرت شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ ایک بار وہ سلطان قایتبای کے سامنے ایک علمی جلسہ میں شریک ہوئے جہاں ان کا ایک معاصر بھی موجود تھا، اس نے گفتگو میں سبقت کی تو حاضرین نے کہا خاموش رہو۔ تم اپنے بڑے سے پہلے گفتگو کرنا چاہتے ہو یعنی مجھ حقیر سے پہلے۔ یہ سنتے ہی وہ معاصر بیہوش ہو گیا اور اسی حالت میں گھر پہونچایا گیا، پھر تین دن کے بعد مر گیا اور (ہوش آنے کے بعد) وہ ہر شخص سے جو اس کے پاس جاتا یہی کہتا تھا کہ میری دیت [1] زکریا انصاری سے وصول کر لینا، کیونکہ اسی نے مجھے قتل کیا ہے اھ۔ عزیز من! دیکھو قلت ادب (اور گستاخی) کا انجام کہاں تک پہونچتا ہے۔ واللہ یتولی ھداك

مجمع عام میں یا درس و مجلس ذکر سے فارغ ہونے کے وقت کسی کو اپنے ہاتھ چومنے نہ دیں

(۲۸۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ مجمع عام میں یا درس و مجلس ذکر سے فارغ ہونے کے وقت (مجلس خاص میں) کسی کو اپنے ہاتھ چومنے نہ دیں اور پیر یا زمین چومنے دینا تو بڑی بات ہے اور قولاً یا فعلاً [2] روک دینے کے بعد بھی اگر کوئی ہاتھ چومے تو اب ہمارے ذمہ کچھ گناہ نہیں کیونکہ اس وقت ہم معذور ہوں گے۔

شیخ ابو اسحٰق شیرازی اور بغوی اور نووی ورافعی رضی اللہ عنہم اسی طریقہ پر تھے (یہ حضرات کسی کو اپنے ہاتھ چومنے کا موقعہ [3] نہ دیتے تھے)۔

اور عالم تو عالم ایک عامی کیلئے بھی یہ بات بہت بری ہے کہ اپنے بھائیوں کو اپنا غلام بنانا

---

(۱) دیت خون بہا یعنی جان کے عوض کو کہتے ہیں ۱۲ مترجم

(۲) فعلاً روکنا یہ ہے کہ مصافحہ کے بعد جلدی ہاتھ کھینچ لے یا مصافحہ کی نوبت ہی نہ آنے دے ۱۲ مترجم

(۳) حضرت سیدی حکیم الامۃ بھی اس سے بہت بچتے ہیں ۱۲ مترجم۔

چاہے خواہ کسی صورت سے ہو (چنانچہ ہاتھ چومنے دینا بھی ایک صورت غلامی کی ہے، اس سے اپنے دوستوں اور بھائیوں کو بچانا چاہئے ۱۲) خصوصاً ان طالب علموں کو جو اس کے بعد علم دین کے علَم بردار ہوں گے (ان کو تو ہر گز کسی صورت سے بھی غلام نہ بنانا چاہئے) نہ صورۃً نہ باطناً۔ اور باطن میں غلام بنانا یہ ہے کہ زبان سے تو ہاتھ چومنے سے کراہت ظاہر کرے، مگر دل میں اس سے خوش ہو اور اگر یہ ظاہراً و باطناً ہر طرح اس سے کراہت کرتا تو ان کو بہت سختی کے ساتھ روکتا جس کے بعد یقیناً وہ اس کے ہاتھ چومنا چھوڑ دیتے جیسا حضرات صحابہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو اس فعل سے ناگواری ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ جو شیخ لوگوں کو اپنے پیر چومنے کا موقعہ دیتا ہے وہ اپنی غیبت کا دروازہ مخلوق کے واسطے کھولتا ہے (کیونکہ بہت لوگ یوں کہیں گے کہ یہ شخص بڑا بننا اور قبلہ و کعبہ بننا چاہتا ہے کہ لوگوں کو اپنے پیر چومنے سے منع نہیں کرتا) جس کا انجام یہ ہے کہ وہ اپنی مجلس میں علم کی تعلیم سے لوگوں کو اتنا فائدہ نہیں پہونچاتا جتنا اس کی وجہ سے لوگوں پر گناہ کا بوجھ لد جاتا ہے۔ اور عاقل اپنے نفس کی تفتیش (اور نگہداشت) رکھتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کی تفتیش سے غافل ہوگا وہ قیامت میں خالی ہاتھ آئے گا۔

اور علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ چومنا چھوٹا سا سجدہ ہے (اور پیر چومنا اس سے بڑھ کر اور زمین چومنا تو پورا سجدہ ہے اس لئے عوام کو بھی اس سے بچنا چاہئے اور علماء پر بھی عوام کو اس سے روکنا لازم ہے ۱۲) واللہ اعلم

اپنے کو اس قابل نہ سمجھیں کہ کوئی ہمارے پاس بیٹھے یا ہماری بات کا جواب دے

(۲۸۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے کو اس قابل نہ سمجھیں کہ کوئی ہمارے پاس بیٹھے یا ہماری بات کا جواب دے یا مسجد میں ہم سب سے پہلے داخل ہوں کیونکہ ہم کو اپنے نفس کی خباثتیں معلوم ہیں اور ان معاصی اور گناہوں سے ملوث ہونا مشاہد ہے جن کی مخلوق کو خبر ہو جائے تو وہ پتھروں سے ہمیں مار ڈالیں اور ہماری مجلس سے بھاگ جائیں۔

مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگ میرے گناہوں کی بدبو سونگھ لیتے جو مجھ سے سرزد ہوتے ہیں تو کوئی شخص بھی میری سڑاہند کی وجہ سے میرے پاس بیٹھنے کی ہمت نہ کرتا۔

پس مسلمان کو چاہئے کہ جو لوگ اس کے پاس بیٹھتے اٹھتے اور اس کی بات کا جواب دیدیتے ہیں اس کو ان کا احسان سمجھے اور ان کو اپنے سے افضل جانے اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے پاس نہ آئے اور حقیر جان کر اس کی بات کا جواب نہ دے اس سے کبھی ناراض نہ ہو۔ اور جو ان باتوں کی وجہ سے لوگوں پر عتاب کرے وہ اس درجہ سے دور ہے۔

اور شیخ افضل الدین کبھی جامع مسجد میں تنہا داخل ہونے پر جرأت نہ کرتے، بلکہ دوسروں کے پیچھے جایا کرتے تھے اور (اس کا سبب یہ بیان) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی تھی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ میرے کسی گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک ان کے دل پاک صاف اور بدن تابعدار اور شرمگاہیں محفوظ نہ ہوں اور جو شخص اس حالت میں آئے گا کہ اس کے بدن کا ایک عضو بھی کسی گناہ سے ملوث ہو جس سے اس نے توبہ نہیں کی تو میں سات آسمانوں کے اوپر سے اس پر لعنت بھیجوں گا اھ۔

اگر کوئی ہمارا نام بغیر القاب کے لے کر پکارے تو اس سے مکدر نہ ہوں

(۲۸۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کوئی فقط ہمارا نام لے کر پکارے اور اس کے ساتھ کوئی تعظیم کا لفظ جیسے سید یا والد یا شیخ وغیرہ بڑے بڑے القاب (مولوی۔ مولانا۔ حضرت۔ عالی جناب وغیرہ) نہ ملائے اس سے مکدر نہ ہوں (نہ اس کا برا مانیں) بلکہ اگر کوئی ہم کو فاسق، مکار، جھوٹا، دغاباز وغیرہ کہہ کر پکارے اس سے بھی مکدر نہ ہوں (کیونکہ) تفصیل اس کی یہ ہے کہ فسق کے معنی لغت میں نکلنے کے ہیں اور جو شخص سنت نبویہ سے رات دن کی کسی ساعت میں بالشت بھر بھی نکلا ہوا ہو خواہ لباس میں یا غذا میں، سونے میں یا پینے میں یا نکاح وغیرہ میں اس کے اوپر (لغۃً) لفظ فاسق منطبق ہے۔

(پس اب کون شخص ہے جو ان باتوں میں جن کا اوپر ذکر ہوا یا اور کسی بات میں اس دعوے کی جرأت کرے کہ وہ سنت سے ذرہ برابر بھی نکلا ہوا نہیں (اسی طرح تم کو مکار ودغاباز کہنا اس لحاظ سے صحیح ہے خواہ ظاہر میں تم جیسا تقویٰ اور بزرگی ظاہر کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگ تم کو نہ معلوم کیا سے کیا سمجھتے ہیں باطن میں تم ویسے نہیں ہو اور یہ بھی ایک قسم کا کذب ومکرودغا ہے ۱۲)

دوسرے یہ کہ سچائی تو تمہارے خالی نام ہی میں ہے اور (اس کے ساتھ جو القاب لگائے جاتے ہیں مثلاً) شمس الدین، قطب الدین، نور الدین وغیرہ (جیسے شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم، مولانا وغیرہ یہ تو کسی شخص پر بھی صحیح طور سے صادق نہیں آسکتے اور) ان القاب سے تم کو یاد کرنے والا بدون تاویل بعید کے کبھی سچا نہیں کہلا سکتا (پھر حیرت ہے کہ تم سچی بات سے برا مانتے ہو اور جھوٹی باتوں سے خوش ہوتے ہو ۱۲)۔ واللہ اعلم

گناہوں سے صرف خدا سے شرما کر بھاگا کریں

(۲۸۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ گناہوں سے صرف خدا سے شرما کر بھاگا کریں، لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈر کر نہیں جیسا عام طور پر لوگوں کی حالت ہے (کہ وہ صرف مخلوق کے طعن سے بچنے کیلئے گناہوں سے بھاگتے ہیں) اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایسے گناہ تو برابر کرتے ہیں جو بالاجماع حرام ہیں جیسے غیبت، چغل خوری، اور چونگی والوں کے گھر کا حرام مال کھانا وغیرہ اور اس سے اپنے دل میں کچھ زیادہ نفرت نہیں پاتے جیسا ان کے دلوں کو قہوہ پینے والے سے نفرت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ غیبت کرنے والے یا حرام مال کھانے والے کو عام طور سے فاسق نہیں کہا جاتا بخلاف قہوہ پینے والے کے کہ جو عالم قہوہ پیتا ہو (یا حقہ پیتا ہو) اس کو عام لوگ برا بھلا کہتے ہیں، اس لئے قہوہ تو ذرا سا پینا بھی گوارا نہیں اور غیبت اور چغلخوری اور حرام آمدنی جتنی بھی ہو گوارا ہے۔

اور اگر انسان محض خدا سے شرما کر گناہوں سے نفرت کرتا تو اس گناہ سے زیادہ نفرت کرتا جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے اور اس سے کم نفرت کرتا جس کی حرمت میں

اختلاف ہے اور حرام مختلف فیہ سے کم مکروہ سے نفرت کرتا اور اس سے کم خلاف اولی سے نفرت کرتا، کیونکہ جو نفرت شرعاً محبوب و مطلوب ہے وہ وہی ہے جو ایمان کی وجہ سے ہو نہ وہ جس کا منشا طبیعت ہو۔

سوچو تو سہی اگر کسی غیبت کرنے والے یا چغلخور (عالم عابد) سے یوں کہا جائے کہ تم ایک رات ناچنے گانے والوں کی مجلس میں گذار دو تو وہ سنتے ہی اس بات پر ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھے گا اور اگر کوئی حاکم بھی اس کو حکم کرے جب بھی سو بہانے نکال کر یہ کام نہ کرے گا، مگر غیبت میں رات دن مشغول رہتا ہے (حالانکہ ناچنے گانے والوں کی صحبت میں ایک رات رہنا غیبت سے بہت کم ہے، مگر وہ اس لئے گوارا نہیں کہ اس سے مخلوق کی نظر میں وقعت کم ہوتی ہے اور غیبت گوارا ہے کیونکہ مخلوق کی نظر میں اس سے وقعت کم نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ ہم لوگ خدا سے شرما کر گناہوں سے نہیں بھاگتے، بلکہ مخلوق سے شرما کر بھاگتے ہیں ۱۲)

بلکہ میں نے تو ایک شخص کو دیکھا جس نے ایک عجیب بہانہ سے حاکم کے سامنے ایک شخص کی غیبت کی (کیونکہ عالم کو تاویل کر لینا کیا مشکل ہے، کہہ دیا ہوگا کہ اس شخص سے فساد کا اندیشہ ہے اور مفسد کی غیبت جائز ہے ۱۲) اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مسلمانوں کی ایسی حفاظت فرمائیں جیسے اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں آمین (کیونکہ بدون خدا کی حفاظت کے ہماری اصلاح دشوار ہے کہ نفس نے بڑے بڑے عالموں اور عابدوں کو چکر میں ڈال رکھا ہے۔ عوام کا تو پوچھنا کیا ﴿لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم﴾[1] ۔ ۱۲ مترجم

بزرگوں کا سا لباس پہن کر جاہلوں، متکبروں، فاسقوں جیسے کام نہ کریں

(۲۸۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ بزرگوں کا سا لباس پہن کر جاہلوں، متکبروں،

---

(۱) ترجمہ: آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ ھود / ۴۳۔ مرتب

فاسقوں جیسے کام نہ کریں۔ مثلاً ایک شخص اونی جبہ پہنتا اور عمامہ کا شملہ چھوڑتا، درویشوں کے وظائف میں حاضر ہوتا، ہاتھ میں تسبیح رکھتا اور ذکر میں جھومتا ہے، پھر اپنے ہمسایہ کی یا کسی تنگدست مدیون کی شکایت حکام کی عدالت میں لیجاتا اور تھوڑے سے مال کی وجہ سے جس کی اس کو آج ضرورت بھی نہ تھی غریب کو جیل خانہ میں بھجوادیتا ہے یا لوگوں سے بے ڈھنگے معاملات کرتا ہے جن میں سراسر دھوکہ ہی دھوکہ ہوتا ہے، ایسے شخص کو صلحاء کا لباس پہننا زیبا نہیں حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص ایسی صورت بنائے جو (واقع میں) اس کو حاصل نہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی جھوٹی گواہی دینے کیلئے دو اچھے کپڑے پہن لیتا ہو[1] (تاکہ اس کی شان وشوکت کو دیکھ کر حاکم گواہی قبول کرلے) اور یہ بات معلوم ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے (پس ایسی وضع بنانا جس کے موافق عمل نہیں گناہ ہے ۱۲)

اور اس کو صیغۂ تثنیہ کے ساتھ دو کپڑوں سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ سے جو عمل سچ مچ بھی صادر ہو وہ بھی اس کا کیا ہوا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (اس پر احسان) ہے تو اپنے عمل کو اپنا سمجھنا ہی اصل سے جھوٹ ہے پھر اگر وہ ایسے اعمال کا دعویٰ کرے جو اس نے کئے بھی نہیں تو یہ جھوٹ پر جھوٹ ہوگا جو پہلے جھوٹ سے بڑھا ہوا ہے۔ خوب سمجھ لو

اور سیدی احمد رفاعی رحمہ اللہ جب اپنے خدام میں سے کسی کو اونی جبہ پہنے دیکھتے تو فرماتے کہ اے عزیز! دیکھ لو اور سمجھ لو کہ تم نے کن لوگوں کی صورت بنائی ہے؟ تم نے انبیاء واصفیاء کا لباس پہنا ہے اگر تم ان کے طریقہ پر چلو تو خیر ورنہ ان کا لباس اتار دو۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ شملہ چھوڑنا کیسا ہے؟ فرمایا سنت ہے، لیکن اگر بزرگ بننے کی نیت سے چھوڑا جائے تو حرام ہے۔ اور ہم نے رسالۃ الآداب میں اس عہد پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

---

(۱) بخاری ص ۷۸۵۔ ج/۲ کتاب النکاح باب المتشبع بمالم ینل الخ ومسلم ص ۲۰۶ ج/۲ کتاب اللباس باب النھی عن التزویر فی اللباس وغیرہ والتشبع بمالم یعط ومسند احمد ص ۹۰، ۱۶۷ ج ۶۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

اگر نیک لوگ ہمارے سامنے اپنا ایسا کوئی واقعہ بیان کریں جو عقلاناممکن ہو تو اگر خلاف شریعت نہ ہو تو انکار نہ کریں

(۲۸۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ نیک لوگ ہمارے سامنے اگر اپنا ایسا کوئی واقعہ بیان کریں جس کو ہماری عقلیں دشوار سمجھتی ہوں تو ان کی تکذیب نہ کیا کریں جب تک کہ نصوص شرعیہ کے خلاف اس میں کوئی بات نہ ہو، کیونکہ اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ وہ نیک بندہ قدرت الٰہیہ کو بیان کر رہا ہے کہ قدرت نے ایک ممکن کو واقع کر دیا اس کے سوا اور تو کچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے (خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے ۱۲)

ایک بار میرے پاس شیخ ابو العباس حیرثی تشریف لائے اور مغرب کی نماز میرے پاس پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے بیٹھ گئے اور عشاء کی آذان تک پانچ قرآن ختم کر لئے میں نے سیدی علی مرصفی کو اس واقعہ سے مطلع کیا تو فرمایا کہ میں نے ایک دن رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار دفعہ قرآن ختم کیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ نے حروف کے ساتھ اتنے ختم کئے ہیں یا بدون حروف کے (صرف معانی کے استحضار سے)؟ فرمایا حروف کے ساتھ سب ختم کئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یہ کیونکر؟ فرمایا جب روح جسم کثیف سے مجرد ہو جاتی ہے تو وہ ایسا کر لیتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اولیاء کیلئے ان واقعات کے پیش آنے میں کیا حکمت ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بڑھانا چاہتے ہیں، کیونکہ اس امت کی عمریں (دوسری امتوں سے) کم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خاص لوگوں کو ایسی ایسی کرامتیں عطا فرمادی ہیں تاکہ یہ لوگ اعمال میں بھی پہلی امتوں کے عابدوں سے بڑھ جائیں جن کی عمر پانچ سو برس یا اس کے قریب ہوتی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دوسرے کا سامان چراتے ہوئے دیکھا، پھر جب سامان والے نے اس پر دعویٰ کیا تو چور نے چوری سے انکار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے خود تجھ کو چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا اے روح اللہ خدا کی قسم میں نہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام نے اس کی قسم کو سچا مانا اور اپنے مشاہدہ کی تکذیب کی۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اور نبی یا قاضی کو اپنے علم پر فیصلہ

کرنا ضروری نہیں، بہت سے بہت یہ کہ بعض صورتوں میں جائز ہے جن سے حدود و قصاص مستثنیٰ ہیں ۱۲)

جس کا جو حق بھی ہمارے ذمہ واجب ہو اس کو حق دار کے مطالبہ سے پہلے ادا کر دیا کریں

(۲۸۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس کا جو حق بھی ہمارے ذمہ واجب ہو اس کو حق دار کے مطالبہ سے پہلے ادا کر دیا کریں اور اگر اس کو حاکم کے پاس شکایت لے جانے یا کسی آدمی کو درمیان میں ڈالنے کی نوبت آئے تو ہم نے درویشوں کے عہد میں خیانت کی (اور اس کو توڑ دیا ۱۲)

سیدی علی خواص رحمہ اللہ پر اگر کوئی شخص جھوٹ موٹ بھی کوئی مالی دعویٰ کر دیتا تو آپ فوراً بلا توقف کے اس کو مال دیدیا کرتے اور اس سے شہادت دینیہ کا مطالبہ نہ کرتے (اور مال دیدینے کے بعد) اس کو اپنے حق سے بری الذمہ کر دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو عظمت الٰہیہ کا خیال کر کے اس سے شرم آتی ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کو فضیحت کروں اھ۔

میں کہتا ہوں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ پر مرض وفات میں اپنے ایک حق کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (اپنی ذات کے متعلق) نہ کسی کی تکذیب کرتے ہیں نہ کسی سے قسم لیتے ہیں، مگر یہ تو بتلاؤ کہ ہمارے ذمہ تمہارا یہ حق کیونکر ہوا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! ایک دن ایک سوال کرنے والا آپ کے پاس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو میری طرف سے تین درم دیدو (میں نے دیدیئے اس لئے حضور کے ذمہ میرے تین درم ہو گئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں درست (اس کے بعد وہ درم اس کو دیدیے گئے)

پس عزیز من! اگر تم بزرگ بننے کے مدعی ہو تو جس کا تمہاری طرف کوئی حق ہو فوراً ادا کر دو اگرچہ حقدار بوجہ بھول جانے کے یا لحاظ و شرم کے تم سے مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں کیونکہ ہم نے اولیاء میں سے کسی صاحب ولایت کو حاکم کے سامنے اس حالت میں کھڑا ہوا نہیں دیکھا کہ اس پر بیوی یا ہمسایہ یا اور کسی کی طرف سے عدالت میں دعویٰ کیا گیا ہو (بلکہ وہ حضرات سب اہل حقوق کے حقوق کو خود ہی خیال کر کے ادا کرتے تھے ۱۲)

سیدی احمد رفاعی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے محلّہ ام عبیدہ میں اپنا مکان بنایا اور عمارت مکمل ہو گئی اور اپنے بال بچوں کو اس میں لے آئے تو اسی دن ایک شخص نے آکر دعویٰ کر دیا کہ یہ زمین تو میری ہے۔ حضرت شیخ نے اسی وقت صرف اس کے کہنے سے اپنے بال بچوں کو وہاں سے الگ کرنے اور سامان نکال لینے کا حکم کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ شخص بولا کہ اے احمد! میرا اس زمین میں کوئی حق نہیں، میں تو صرف آپ کے زہد کا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ دنیا میں رہنے کی آپ کو کتنی رغبت ہے اور اس سے بے رغبتی کتنی ہے؟ اس کے بعد سیدی احمد رفاعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے عزیزو! ہمارے نزدیک دنیا کی اتنی وقعت نہیں ہے کہ اس کیلئے ہم کسی حاکم کے پاس جائیں۔ اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ واللہ یتولی ہداک۔

اگر ہم کسی جگہ دینی کام میں مشغول ہوں پھر کوئی شخص اس کام کو انجام دینا چاہے اور وہ اس کا اہل بھی ہو تو ہم خوشی سے چھوڑ دیں

(۲۸۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم لوگوں میں وعظ کہتے ہوں یا خطیب مقرر ہوں یا امامت کرتے ہوں یا بچوں کو پڑھاتے ہوں یا علم کا درس دیتے ہوں یا کسی وقف کے متولی ہوں پھر کوئی دوسرا شخص ہماری جگہ پر ان کاموں کو انجام دینا چاہے اور وہ اسکا اہل بھی ہو تو ہم خوشی کے ساتھ اس کے لئے اس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں، خصوصاً جب کہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے زیادہ صاحب نظر ہو اور اگر ہم اس سے منازعت کرنے لگیں اور اس کام کو اس کے لئے نہ چھوڑیں تو ہم درویشوں کے عہد میں خیانت کرنے والے (اور اس کو توڑنے والے) ہوں گے اور اس صورت میں ہم اپنے وعظ و خطابت و امامت و تعلیم و درس و تولیت میں (مخلص نہیں، بلکہ) طالب جاہ ہوں گے اور جس عمل سے ریاست و جاہ طلب کی جائے وہ بیکار ہے، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں پہونچتا جو عمل کرنے والے کو نافع ہو سکے۔

پھر ظاہر بات ہے کہ ہر سچے (مخلص) واعظ کی نیت تو یہ ہونا چاہئے کہ دین کا نظام قائم رہے خواہ کسی اللہ کے بندہ کے ہاتھ سے قائم رہے جس کو خدا چاہے اس میں تمہاری ہی کیا خصوصیت ہے۔

اور حسن بصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حدیث میں یہ نہ آیا ہوتا کہ ایک زمانہ میں لوگوں کو وعظ کہنے ونصیحت کرنے والا سب میں زیادہ رذیل ہوا کرے گا تو میں تم کو وعظ ونصیحت نہ کرتا (کیونکہ پہلے زمانہ میں تو یہ بڑے لوگوں کا کام تھا، اس سے شان بڑھتی تھی اور آج کل رذیلوں کا کام ہے اس سے کچھ شان نہیں بڑھتی) اس کو خوب سمجھ لو۔

کسی شخص کے سامنے اپنی تعریف کبھی نہ کریں، مگر یہ کہ شرعی ضرورت ہو

(۲۹۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی شخص کے سامنے اپنی تعریف کبھی نہ کریں، ہاں کوئی شرعی غرض ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کو شکر کے طور پر ظاہر کریں دوسروں سے بڑا بننے کیلئے نہیں (کیونکہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا حرام ہے اور خدا کی نعمتوں کو شکر کے طور پر ظاہر کرنا مامور بہ ہے ﴿واما بنعمة ربك فحدث﴾ [1] اس پر سچائی کے ساتھ عمل کرو (ایسا نہ ہو کہ اپنی تعریف تو بڑائی کیلئے کرو اور دل کو یہ سمجھا لو کہ میں تو شکر خداوندی کیلئے ایسا کر رہا ہوں، کیونکہ خدا کے سامنے یہ حیلے نہیں چل سکتے)۔

اور ایسا کثرت سے ہوتا ہے کہ شیخ اپنا درجہ طریقت میں اور عالم اپنا رتبہ علم میں لوگوں کے سامنے اس واسطے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے علم حاصل کر لیں، پس ہر ایک کو ریا کاری اور شہرت پسندی سے متہم کرنا جائز نہیں۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کو مرید کے سامنے اپنی تعریف کرنے کی ضرورت محض اس لئے ہوتی ہے کہ وہ دل کا اندھا ہے، اگر اس کے دل میں نور ہوتا تو شیخ کا درجہ کو علم (ومعرفت) میں خود ہی پہچان لیتا اور شیخ کی سب باتوں کو دل سے مانتا اور

---

(۱) ترجمہ: اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر۔ الضحیٰ ر ۱۱۔ مرتب

ان کی تصدیق کرتا (پھر اس کو اپنا درجہ ظاہر کرنے کی حاجت نہ ہوتی)۔

اور بزرگوں سے ثابت ہے کہ انہوں نے صحیح غرض کیلئے بعض دفعہ اپنی تعریف اپنی زبان سے کی ہے، چنانچہ فرشتوں نے (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عرض کیا کہ ہم بحمد اللہ آپ کی تسبیح کرتے رہتے اور پاکی بیان کرتے ہیں (جس میں اپنی تعریف تھی، مگر ان کا مقصود یہ تھا کہ زمین کی خلافت کیلئے ہم تابعدار غلام موجود ہیں، ہمارے ہوتے ہوئے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان کی یہ عرض معروض ایسی تھی جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کہے کہ مجھے فلاں کام کیلئے ایک نئے نوکر کی ضرورت ہے تو پرانے جاں نثار یہ کہتے ہیں کہ حضور اس خدمت کیلئے بھی ہم حاضر ہیں۔ اگر ہم سے اتنا کام بھی نہ ہو تو پھر ہم کس مصرف کے ہیں)۔

اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے (شاہ مصر سے) فرمایا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر (حاکم) مقرر کر دیجئے، کیونکہ میں سب سے بڑھ کر نگہبانی کرنے والا امانت دار ہوں (اس میں بھی اپنی تعریف تھی، مگر ضرورت کی وجہ سے تھی کیونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ سات برس کا سخت کال پڑنے والا ہے جس کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت ہے اور یہ اہتمام وہی کر سکتا ہے جس کو کال پڑنے کا یقین بھی ہو، دوسرے لوگ بادشاہ کے خواب کو پریشان خیال اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر کو افسانہ سمجھتے تھے ان کو نہ اس خواب کا اعتبار تھا نہ تعبیر پر بھروسہ، تو وہ اس کے لئے اہتمام کیا خاک کرتے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنی تعبیر پر پورا وثوق تھا، کیونکہ یہ علم ان کو بطور معجزہ کے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، پھر اس کام کیلئے بڑی حفاظت اور امانت کی ضرورت تھی اور ظاہر ہے کہ نبی سے بڑھ کر اس صفت میں کون ہو سکتا ہے؟ پس موقع کی ضرورت کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اوصاف کمال ظاہر فرمادیئے ۱۲)

اور سردار اولاد آدم (سیدنا محمد رسول اللہ) ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں قیامت کے دن سب آدمیوں کا سردار ہونگا اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا،[1] بلکہ حضور ﷺ کی غرض

(۱) دیکھیں مسلم: ص ۲۴۵ ج ۲، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا ﷺ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس سے یہ تھی کہ آپ نے اپنی امت پر اپنا درجہ ظاہر کر کے قیامت کے دن ان کو پریشان پھرنے سے بچالیا جبکہ اور لوگ ایک نبی سے دوسرے نبی کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر جائیں گے تو جس کو یہ معلوم ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور تمام عالم کے سردار ہیں وہ دوسروں کی طرح آپ کے سوا کسی کے پاس نہ جائے گا۔ واللہ اعلم۔

دوسرے یہ بھی غرض تھی کہ جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ آخری پیغمبر ہیں۔ حضور کے بعد نبی کوئی نہ آئے گا تو اب اگر حضور کا درجہ اور مرتبہ ان کو معلوم نہ ہوتا تو شاید کسی کو یہ خیال ہوتا کہ بنی اسرائیل میں تو ہزاروں پیغمبر ہوئے ہمارے اندر ایک ہی پیغمبر ہوا ہم ان سے کم رہے تو جب ان کو حضور ﷺ کا درجہ معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے سردار اور سارے جہاں سے افضل ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء قیامت کے دن آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے، تو اب کسی امتی کو یہ حسرت نہیں ہو سکتی کہ ہماری طرف ایک ہی پیغمبر کیوں آیا۔ ہزاروں کیوں نہ آئے؟ کیونکہ وہ ایک ہی ایسا ہے جس کے اندر وہ تمام کمالات ہیں جو سارے انبیاء میں الگ الگ تھے۔ وہ ایک پیغمبر ایسا ہے جیسا چاند اور ستاروں میں آفتاب کہ چاند اور ستارے سب مل کر بھی اتنی روشنی نہیں کر سکتے جتنی آفتاب تنہا کر دیتا ہے،

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری[1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) علی جمیع الخلائق ترمذی: ص ۲۰۲ ج ۲ ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ۔

(۱) ترجمہ: اے نبی! آپ تو یوسف علیہ السلام کا حسن اور عیسی علیہ السلام کی پھونک اور (موسی علیہ السلام کے) سفید ہاتھ رکھتے ہیں۔ ساری وہ خوبیاں جن کو وہ سب رکھتے تھے آپ تنہار کھتے ہیں ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ۔

ہمارے دوستوں میں سے جو شخص سلسلہ سے نکال دیئے جانے کا مستحق ہو اس کو اپنے دل سے دور کر دیا کریں نہ کہ زبان سے

(۲۹۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے دوستوں میں جو شخص (سلسلہ سے) نکال دیئے جانے کا مستحق ہو اس کو اپنے دل سے دور کر دیا کریں، زبان سے دور نہ کریں یہاں تک کہ وہ خود ہی ہم کو چھوڑ کر الگ ہو جائے اور ہماری طرف بوجہ خاموشی کے کوئی بات نہ آئے (کیونکہ مشائخ کے پاس وہی رہتا ہے جس کو وہ خود رکھنا چاہیں اور ان کے ساتھ تعلق اسی کو ہوتا ہے جس سے وہ تعلق رکھنا چاہیں اور جس سے وہ اپنے دل کو ہٹالیں وہ ان کے ساتھ تعلق نہیں رکھ سکتا، بلکہ خود ہی بھاگ جاتا ہے، مگر زبان سے کسی کو دھتکارنے اور نکالنے میں دوسرے لوگ شیخ کو بدنام کریں گے کہ بہت سخت ہیں، بد خلق ہیں اس لئے ایسا نہ کیا جائے، مگر یہ کہ شرعی مصلحت زبان سے ہی نکالنے میں ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں) اور رسول اللہ ﷺ نے مروان (کے باپ [1] حکم) کو اور بعض مخنثوں کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دیا ہے (اور یہ نکالنا زبان ہی سے ہوا تھا) اور ہر زمانہ میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے آئے ہیں جو نکالے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ ہر شخص کو اسی کام کی توفیق ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (تو یہ ضرور نہیں کہ ہر شخص سلوک باطن کے لائق ہو ۱۲)

پس جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قلوب (کی حالت) پر مطلع کر دیا ہے وہ ان کو اسی دروازہ سے بلاتا ہے جس میں ان کا نفع ہے اور جس شخص میں نفع کی قابلیت نہیں دیکھتا اس کو چھوڑ دیتا اور بھوک یا بیداری وغیرہ کے ذریعہ سے اسی کا معالجہ نہیں کرتا، کیونکہ ان مجاہدات سے اس میں نفسانیت ہی پیدا ہو گی اور حجاب ہی بڑھے گا جیسے کانٹا کسی تدبیر سے بھی سیب نہیں بن سکتا (اسی طرح نالائق آدمی مجاہدات سے لائق نہیں بن سکتا)۔

---

(۲) هذا هو الصحيح ان المخرج هو الحكم دون مروان. والله اعلم بالصواب ۱۲ ظ۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب درویش ٹیڑھا ہو جائے [1] اور کسی طرح اس کے راستے پر آنے کی امید نہ رہے تو اس کو خانقاہ سے نکال دو ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ اور درویشوں کو بھی تباہ و برباد کردے گا۔ اس کے بعد اگر وہ پھر آئے اور استغفار کرے (معافی چاہے) پھر اس کو (اپنے سلسلہ میں) قبول کرلو ورنہ تم کو اس (کی شر) سے راحت مل گئی۔ واللہ اعلم۔

حکام کی اصلاح کے درپے اس وقت تک نہ ہوں جب تک ہم کو ان کے اندر تصرف کی قدرت نہ ہو

(۲۹۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ حکام کی برائیوں کی اصلاح کے درپے اس وقت تک نہ ہوں جب تک ہم کو ان کے اندر تصرف کرنے کی قدرت نہ ہو ورنہ وہ ہم کو تکلیف دیں گے اور شہر سے جلاوطن کردیں گے یا مدت دراز تک روپوش رہنے پر مجبور کردیں گے۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ منکرات کو ہاتھ سے مٹانا حکام کا اور ان کے عملہ کا کام ہے اور زبان سے مٹانا علماء باعمل کا کام ہے اور دل سے مٹانا کامل درویشوں کا کام ہے۔ چنانچہ درویش اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شراب کی مٹکی ٹوٹ جاتی اور بدکار عورت (زانی کے قبضہ سے) نکل کر بھاگ جاتی ہے اور گانے والی عورتیں گونگی ہو جاتی ہیں کہ زبان سے ایک بات نکالنے پر بھی ان کو قدرت نہیں ہوتی اور ظالم اپنے ظلم سے اسی وقت باز آجاتا ہے۔

کسی نے کہا کہ (آپ نے منکرات کا دل سے مٹانا کامل درویشوں کا کام بتلایا ہے حالانکہ) رسول اللہ ﷺ نے تو اس کو ایمان کا کمزور درجہ بتلایا ہے، [2] (جس سے لازم آتا

---

(۱) اللهم انا نعوذبك من الحور بعد الكور ومن العمى بعد البصر ومن الضلالة بعد الهدى ونعوذ بالله من غضب الله وغضب رسول الله وغضب اولياء الله۔ اللهم اجعل عاقبة امورنا خيرا ولا تلحق بنا ربنا في الدارين ضيرا ۱۲ ظ۔

(۲) دیکھیں مسلم: ص۵۱ ج۱ کتاب الایمان باب کون النهی عن المنکر من الایمان ۱۲ مرتب عفا اللہ

ہے کہ ہاتھ اور زبان سے مٹانا ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے) فرمایا یہ ٹھیک ہے کیونکہ جو شخص ایمان کے پردہ کو طے کر کے مقام احسان کی طرف ترقی کرتا ہے اس کا ایمان ضعیف اور یقین و مشاہدہ قوی ہو جاتا ہے (کیونکہ ایمان کا درجہ یہ ہے کہ بغیر دیکھے شریعت کی باتوں کو مانے اور جو شخص مقام احسان پر پہونچ گیا اس کو تو شریعت کی سب باتوں کا مشاہدہ ہو گیا ہے اب اس کو ایمان بالغیب کہاں رہا؟ پس مشاہدہ کرنے والے کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایمان کمزور ہے اور یقین و مشاہدہ مضبوط ہے ۱۲)

اس تقریر کے موافق حدیث میں ضعف ایمان سے وہ مطلب مراد نہیں جو بظاہر اس سے سب کے ذہنوں میں مفہوم ہوتا ہے یعنی دین کی کمی اور دینداری کی قلت (بلکہ یہ درجہ دینداری کے پہلے درجوں سے بڑھا ہوا ہے) اور یہ ایک نیا مضمون ہے جو ہم نے شیخ (متبولی رحمہ اللہ) کے سوا کسی سے نہیں سنا اس میں غور کر لینا چاہئے واللہ اعلم۔

لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کر کے اپنے دوستوں کے پاس شکریہ ادا کرنے بھیج دیا کریں

(۲۹۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ لوگوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو کوشش کر کے پورا کر کے ان کو اپنے دوستوں میں سے کسی درویش کے پاس (یہ کہہ کر) بھیجدیا کریں (کہ جاؤ ان سے ملو، ان کی قدر کرو، ان کا شکریہ ادا کرو) اور اس انداز سے تعریف کریں کہ لوگ یہ سمجھیں[1] کہ ان کی ضرورتوں کو اسی درویش نے پورا کیا ہے تاکہ ہمارے دوستوں کی عظمت لوگوں کے دل میں پیدا ہو کیونکہ درویشی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے دوستوں کو چمکانے اور اپنا نام مٹانے کی کوشش کی جائے اور معاملہ اللہ کے ساتھ ہے مخلوق کے ساتھ نہیں (پس اگر دوسرے چمک گئے اور تمہارا نام مٹ گیا تو کیا حرج ہے مقصود تو خدا کو راضی کرنا ہے نہ کہ مخلوق کی نگاہ میں بڑا بننا) اور درویشوں کے اخلاق[2] میں یہ سب سے بڑی بات ہے۔ اس

---

(۱) مگر خلاف واقعہ کوئی لفظ زبان سے نہ نکالا جائے تاکہ جھوٹ نہ ہو ۱۲ ظ۔

(۲) الحمدللہ ہمارے اکابر اسی طریق پر ہیں، حضرت قطب عالم مولانا گنگوہی (باقی اگلے صفحہ پر)

پر عمل کرو۔ اللہ تم کو ہدایت دے۔

حکام کے پاس لوگوں کی سفارش نہ لیجایا کریں

(۲۹۴)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب دسویں صدی کا آدھا حصہ گذر جائے تو حکام کے پاس لوگوں کی سفارش نہ لیجایا کریں، ہاں اگر ہم کو ایسا (قوی) حال حاصل ہو کہ حکام میں تصرف کر سکیں جس کو چاہیں معزول کر دیں اور جس کو چاہیں حاکم بنادیں تو مضائقہ نہیں کیونکہ جس شخص کے پاس کشف (اور تصرف کی طاقت) نہیں وہ کسی وقت حاکم پر سختی کرے گا تو حاکم صاف جواب دے دے گا کہ اگر تم بڑے بزرگ ہو تو مجھے دفع کر دو اور یہ اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں تو اس کے سامنے رسوا اور ذلیل ہو جائے گا (پس حکام کے پاس سفارش [1] وہ لیجائے جس میں اتنی قدرت ہو کہ اگر حاکم اس کی بات نہ مانے تو اس کو اپنے تصرف کی قوت سے معزول کر سکے)۔

میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں میں اور حکام میں کسی قدر خدا کا خوف باقی تھا جس کی وجہ سے وہ کسی پر ظلم کرنے سے رکتے تھے، مگر پندرہ صفر ۹۳۸ھ میں وہ بھی خدا تعالیٰ نے اٹھالیا (اب وہ اللہ کے خوف سے کسی کی بات نہیں مانتے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قدس سرہ اپنے خدام کو مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے پاس بھیجا کرتے تھے کہ مولانا سے ملوان کی قدر کرو اور مولانا محمد قاسم صاحب اپنے خدام کو مولانا گنگوہی کے پاس بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ مولانا گنگوہی کا مرید کون ہے اور مولانا محمد قاسم صاحب کا مرید کون ہے؟ اے قوم! یہی راستہ اختیار کرو اسی میں سلامتی ہے ۱۲ ظ۔

(۱) حضرت حکیم الامت دام مجد ہم کسی کی سفارش نہیں کرتے نہ حاکم سے نہ کسی رئیس سے اور یہ فرماتے ہیں کہ آج کل سفارش کرنے سے دوسرا شخص غریب کی حالت پر رحم کر کے اس کا کام نہیں کرتا، بلکہ سفارش کرنے والے کی وجاہت سے متاثر ہو کر کام کرتا ہے جس سے اس پر گرانی ہوتی ہے، اس لئے میں سفارش نہیں کرتا اور پہلے زمانہ میں سفارش سے دوسرے کے دل میں ایک مسلمان کی حالت معلوم کر کے اس پر رحم آتا تھا اور رحم کی وجہ سے اس کا کام کر دیتا تھا۔ خوب سمجھ لو ۱۲ ظ۔

ہاں کسی میں تصرف کی ہمت ہو تو اس کے سامنے جھک جاتے ہیں) اور عنقریب یہ حالت ہو جائے گی کہ حکام کے ملازم لوگوں سے رشوت لے کر بھی ان کا کام نہ کریں گے، پھر وہ غریب اپنی رقم واپس[1] لینا چاہے گا تو اس کو رقم بھی واپس نہ ملے گی۔ واللہ غفور رحیم۔

عالم وجود کی ہر اچھی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں

(۲۹۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ عالم وجود کی ہر اچھی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اسناداً[2] بھی ایجاداً بھی اور ہر بری بات کو محض اسناداً نفس و شیطان کی طرف منسوب کریں۔ بطور ایجاد کے نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿ **وما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك** ﴾[3] (جو کچھ تم کو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے) اسی مطلب پر محمول ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھلائی کو ہر حیثیت سے منسوب کرو اور نفس کی طرف برائی کو صرف فعل کی وجہ سے منسوب کرو، ایجاد کی حیثیت سے منسوب نہ کرو کہ موجد و خالق کوئی نہیں سوا خدا کے) اگرچہ (برائی اور بھلائی) سب کے سب خدا ہی کی طرف سے ہے جیسا اس آیت میں ﴿ **قل کل من عند الله** ﴾[4] مگر اللہ کی طرف برائی کو منسوب نہ کرنا چاہئے۔

تمام بزرگان دین اسی طریق ادب پر گذر گئے ہیں اور تمام عالم کے سردار سیدنا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "**والخير كله بيديك والشر ليس اليك**" (بھلائی سب کے سب

---

(۱) اس زمانہ میں اس کا بھی ظہور ہو گیا۔ **فلا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم** ۱۲ ظ

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور نفس و شیطان کسی چیز کے خالق نہیں، ہاں فاعل و کاسب ہیں۔ پس بری باتوں کو شیطان و نفس کی طرف ایجاداً منسوب نہ کرو، صرف لفظاً منسوب کرو۔ اور اچھی باتوں کو اللہ کی طرف ہر طرح منسوب کرو زبان سے بھی اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ خالق ہیں ۱۲ ظ۔

(۳) النساء/۷۹۔

(۴) ترجمہ: کہدے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ النساء/۷۸۔ ۱۲ مرتب

آپ ہی کے قبضہ میں ہے اور برائی آپ کی طرف نہیں ہے) یعنی [۱] برائی کو بوجہ ادب کے آپ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا مثلاً یوں نہیں کہا جائے گا "سبحان خالق الخنازیر" (پاک ہے وہ خدا جو سور کا پیدا کرنے والا ہے) اگرچہ اس بات پر تمام ادیان کا اتفاق ہے کہ سور کا خالق بھی وہی ہے (مگر خدا کو آسمان، چاند، سورج، زمین وانسان کا خالق کہا جاتا ہے سور کا خالق نہیں کہا جاتا ۱۲) اس کو خوب سمجھ لو۔

آج کل کے قاضیوں کے فیصلے اور گواہوں کی شہادتوں کو باطل نہ کہا کریں

(۲۹۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ یوں نہ کہا کریں کہ آج کل کے قاضی اور گواہ چونکہ قانونی رقم لیتے ہیں اس لئے قاضیوں کے فیصلے اور گواہوں کی شہادتیں سب باطل ہیں، کیونکہ ہم کو ان کے گناہوں کا نیکیوں پر غالب ہونا معلوم نہیں (اور جب تک گناہ نیکی پر غالب نہ ہوں مسلمان فاسق نہیں ہوتا، وہ صالح ہے، ان کی گواہی اور فیصلہ سب معتبر ہے) بلکہ اگر ان کا قانونی رقم لینا کسی مجبوری اور شبہ کی بنا پر بھی نہ ہو تو ہم کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک گناہ ہے جو ان نیکیوں کے مقابلہ میں جو ہم سے پوشیدہ یہ لوگ کرتے ہیں کوئی چیز نہیں اس لئے ہم کو ان کی گواہی اور فیصلے ان علماء کے قول کے موافق صحیح سمجھنا اور قبول کرنا چاہئے جن کے نزدیک عادل وہ ہے جس کی طاعات معاصی پر غالب ہوں کہ اسی میں اس بادشاہ کا بھی ادب ہے جس نے ان کو حاکم بنایا ہے اور ان علماء کا بھی ادب ہے جو ان کے فیصلوں پر خاموش

---

(۱) قال العارف الشیرازی ؎

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ ☆ تو در طریق ادب کوش کہ ہر گناہ من ست (۲)

شیطان ملعون نے کہا اے رب! تو نے مجھے گمراہ کیا اور آدم علیہ السلام نے کہا اے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، مجھ سے خطا ہوئی۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، خود سوچ لو محبت کا جواب کون سا ہے؟ اور گستاخی کا کون سا؟ ۱۲ ظ۔

(۲) اے حافظ! اگرچہ گناہ ہمارے اختیار سے نہیں ہوتا، تو ادب کے راستہ پر چلتا رہ کیوں کہ ہر گناہ مجھ سے ہی ہوتا ہے۔ ۱۲ مرتب

رہتے ہیں۔

اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جس کی نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے اور مصر میں جتنے گنہگاروں کو ہم جانتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں کہ ان کی طاعات معاصی سے زیادہ ہیں۔

نیز بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ کسی فاسق کو قاضی بنادے تو اس کے فیصلے ضرورت کی وجہ سے نافذ ہو جائیں گے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ان کے احکام اور فیصلوں کو باطل کہنے سے بڑی بڑی خرابیاں لازم آئیں گی کہ جتنے نکاح کے معاملات ان کے حکم سے منعقد ہوں وہ سب ناجائز ہوں گے۔

اور جن لوگوں کا کسی پر مالی حق آتا ہو اور اس کا ثبوت بھی ہو وہ اپنے حق کا دعویٰ نہ کر سکیں گے اور اس میں جس قدر مصیبت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں اور عاقل وہ ہے جو اپنے زمانہ کی حالت سے واقف ہو (اور یہ زمانہ وہ ہے جس میں حقیقی عادل کا ملنا عنقا ہے تو کیا حقیقی عادل کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام معاملات کا دروازہ بند کر دیا جائے گا؟ نہیں اور کبھی نہیں)۔ واللہ اعلم۔

اپنے دوستوں کو ہدایت کریں کہ وہ اپنے معاملات میں ہوشیاری سے کام لیا کریں

(۲۹۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو خواہ تجارت پیشہ ہوں یا اور کسی پیشہ میں ہوں اس بات کی ہدایت کریں کہ اپنے معاملات میں کسی کو گواہ بنانے [1] کے وقت ہوشیاری سے کام لیا کریں، کیونکہ بعض دفعہ وہ ایسے لوگوں کو گواہ بنالیتے ہیں جن کی گواہی قبول ہونے میں لوگوں کو پہلے سے کلام ہے آخر کار (اجلاس حاکم میں) ان گواہوں پر جرح کی

---

(۱) معاملات میں گواہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت معاملہ نکاح یا طلاق یا بیع وشراء وشفعہ ورہن وغیرہ کا کیا جائے اس وقت معتبر لوگوں کو گواہ بنایا جائے یعنی یہ معاملات ان کے سامنے کئے جائیں یہ مطلب نہیں کہ معاملہ تو خود کرلو بعد میں ان کو گواہ بناؤ، کیونکہ معاملہ کے وقت جو شخص موجود نہ ہو اس کو بعد میں گواہ بنانا جائز نہیں ۱۲۔ مترجم

جاتی اور مدعی کا حق ضائع کر دیا جاتا ہے، پس عقلمند وہ ہے جو اپنے کام میں ہوشیار ہو اور ایسے لوگوں کو گواہ بنائے جو پختہ کار ہیں اور عدالت (و نیکی) میں مشہور ہیں یا ایسے طبقہ کے لوگوں کو گواہ بنائے جن کی گواہی کو قاضی رد نہیں کر سکتا۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے ایک مقدمہ میں آٹھ گواہ پیش کیے اور قاضی نے سب کی گواہی رد کر دی (تو ایسے گواہوں سے کیا فائدہ؟) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿واشھدوا ذوی عدل منکم﴾[1] کہ ایسے لوگوں کو گواہ بناؤ جو تمہارے درمیان عادل شمار ہوتے ہوں (یعنی عام طور پر لوگ ان کو عادل مانتے ہوں، یہ نہیں کہ تنہا مدعی کے نزدیک عادل ہو، کیونکہ تنہا اس کے عادل سمجھنے سے کیا نفع؟)

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو، کیونکہ بعض لوگوں نے، جو دوسروں کی آبرو پر حملہ کرنے میں بے باک ہیں، میری بات کا یہ مطلب سمجھا کہ میں ہر مقدمہ کیلئے آٹھ عادل گواہوں کا پیش کرنا لازم سمجھتا ہوں اور مصر بھر میں یہ بات میری طرف سے مشہور کر دی۔ لوگوں نے نئی بات سمجھ کر اس کا انکار کیا (کیونکہ بجز مقدمہ زنا کے اس میں چار گواہوں کی ضرورت ہے اور کسی مقدمہ میں بھی دو گواہوں سے زیادہ کی ضرورت نہیں) میرا مقصود تو بس اتنا ہے کہ انسان کو اپنے معاملات میں ہوشیاری سے کام کرنا چاہئے کہ ایسے لوگوں کو گواہ بنائے جن کی گواہی عادۃً رد نہ کی جا سکے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے جو ہمارے شامل حال ہیں دھوکہ نہ کھائیں

(۲۹۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف سے جو ہمارے شامل حال ہیں دھوکہ نہ کھائیں اور اس سے بھی دھوکہ نہ کھائیں کہ اس نے لوگوں کی نظروں میں ہم کو بڑا بنا دیا ہے، اور نہ اس سے کہ وہ ہماری ہر درخواست (اور ہر دعا) کو قبول کر لیتے ہیں، کیونکہ ہم کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اختیار کے ماتحت نہیں ان کو ہر دم حق ہے کہ جس چیز کو

---

(۱) الطلاق ر ۲۔

چاہیں جس طرح چاہیں بدل دیں جیسا ابلیس کو بعد اس کے کہ وہ مطیع و مقرب تھا شیطان بنادیا۔ پس عارف ایک سیکنڈ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی خفیہ کارروائی سے بے فکر نہیں ہوتا[1]

---

(۱) یہ منزل ہی وہ منزل ہے جس سے مقربین کا پتہ پانی ہوا جاتا ہے، کیونکہ خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں اور اسی سے تواضع کی بنیاد قائم ہے۔ اگر مخلوق کو خاتمہ کا حال معلوم ہو جاتا تو بہت لوگ متکبر ہو جاتے اور تکبر تمام فسادات کی جڑ ہے۔ اب چونکہ خاتمہ کا حال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں، اس لئے کسی کو یقین کے ساتھ یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں فلاں سے افضل ہوں یہاں تک کہ کسی مسلمان سے تو کیا کسی کافر سے بھی اپنے کو افضل سمجھنے کا حق نہیں۔ بس اتنا سمجھنے کا حق ہے کہ اگر ہمارا خاتمہ اچھا ہو گیا اور ایمان سلامت لے گئے تو ہم تمام کفار سے افضل ہوں گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام کی یہ تعلیم کس قدر قیمتی ہے اور اس سے نظام عالم کے قیام اور مساوات کے بقاء میں کتنا زبردست نفع ہے کہ کوئی مسلمان بادشاہ اسلامی تعلیم کے موافق رعیت کے ادنی آدمی سے اپنے کو افضل نہیں سمجھ سکتا نہ اس کی تحقیر کر سکتا ہے اور نہ کوئی عالم جاہل کو، نہ کوئی آقا غلام کو ذلیل سمجھ سکتا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را — در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش — ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند(۱)
؎گہ رشک کند فرشتہ برپاکی ما — گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما (۲)
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم — احسنت بریں چستی وچالاکی ما (۳)

حیرت ہے کہ مخالفین نے آنکھیں بند کر کے اسلام کی اس پاکیزہ تعلیم پر بھی اعتراض کر دیا۔ **فلا حول ولا قوة الا باللہ** ۱۲ظ

(۱) ترجمہ: غافل ہو کر مت چلو کہ بہت سے زبردست جوانوں کی تیز رفتار سواریاں سنگلاخ میدانوں میں تھک گئیں۔ (لیکن) ناامید بھی مت ہو، کیونکہ شراب عشق سے مدہوش جوان اچانک ایک ہلے میں منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ ۱۲مرتب

(۲) ترجمہ: کبھی تو ہماری پاکیزگی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور کبھی شیطان ہماری ناپاکی پر ہنس پڑتا ہے ۱۲م

(۳) ترجمہ: جب ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہم قبر میں جائیں گے تو اس وقت ہماری چالاکی قابل تحسین و تعریف ہو گی۔ ۱۲مرتب

(بلکہ ہمیشہ لرزاں، ترساں رہتا ہے) اور ہم نے ان عہود میں بار ہا اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

جن چیزوں کا واقع ہونا ہم کو کشف سے معلوم ہو جائے ان کو ظاہر نہ کریں

(۲۹۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جن چیزوں کا دنیا میں واقع ہونا ہم کو کشف سے معلوم ہو جائے جیسے کسی کو حکومت ملنا یا معزول ہونا یا دریائے نیل کا چڑھنا اور اترنا یا قحط پڑنا اور وبا آنا وغیرہ وغیرہ تو ان باتوں کو (اپنے کشف پر اعتماد کر کے) ظاہر نہ کریں۔ ہاں اگر کسی شخص کی نظر لوح محفوظ پر پہونچی ہوئی ہو (تو وہ ان امور کو ظاہر کر سکتا ہے بشر طیکہ اظہار میں کوئی شرعی مصلحت ہو مثلاً مسلمانوں کی تسلی کرنا اور پریشانی کو دور کرنا وغیرہ محض اپنی بزرگی کا اظہار مقصود نہ ہو ۱۲) اور اگر ہمارا مطمح نظر (لوح محفوظ نہ ہو، بلکہ) الواح محو و اثبات ہوں جو تین سو ساٹھ ہیں یا ہمارے کشف کی بناء کوئی خواب ہو جو ہم نے دیکھا ہے یا ہاتف (غیبی کی آواز) ہو تو ادب کی بات یہ ہے کہ جب تک اس معاملہ کا ظہور عام و خاص سب کے سامنے نہ آجائے ہم اس کو (ظاہر نہ کریں، بلکہ) مخفی رکھیں کیونکہ حق تعالیٰ ہر وقت نئی شان میں ہیں (وہ جو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں) تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر واقعی سے ہم کو محجوب رکھا ہو (اس کی ہم کو اطلاع نہ دی ہو اور جس بات کا ہم کو انکشاف ہوا ہے وہ امر واقعی نہ ہو، بلکہ بدلنے والی بات ہو تو ہو سکتا ہے کہ) جو بات ہم منہ سے نکالیں اور لوگوں سے کہیں اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیں (اور اس کے خلاف ظہور ہو) پھر لوگ ہم جیسوں سے (سبھی سے) بدگمان ہو جائیں گے اور جن لوگوں کو ہم نے اپنے کشف پر مطلع کیا تھا ان کے سامنے ہم کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

چنانچہ سیدی علی خواص کا مطمح نظر تو لوح محفوظ تھی اور سیدی الشیخ ابو الحمائل کا مدار کشف الواح محو و اثبات تھیں۔ اس لئے سیدی علی خواص تو جس بات کی بھی (پہلے سے) خبر دیتے وہی ہو کر رہتی گو (کسی وقت) دیر میں ظہور ہوتا اور سیدی ابو الحمائل کسی بات کی خبر دیتے تھے تو اکثر اس کے خلاف ظہور ہوتا تھا، اس لئے بہت لوگ ان سے بدگمانی رکھتے اور ان کی نظر میں قصور سمجھتے تھے، کیونکہ یہ لوگ ان کی پہلی بات ہی کو لیکر بیٹھ جاتے حالانکہ اس

کے بعد حکم میں تغیر و تبدل ہو چکتا تھا، مگر دوبارہ اس معاملہ کی بابت ان سے کوئی بھی سوال نہ کرتا تھا۔ اور اگر ان سے بعد میں پھر سوال کیا جاتا تو اس وقت وہ بتلادیتے کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا اس میں تبدل و تغیر ہو چکا ہے اور یقیناً ان کی دونوں باتیں سچی ہوتیں کیونکہ وہ سچے آدمی تھے اور ہم نے اس عہد پر پہلے بھی تفصیل کے ساتھ بارہا گفتگو کی ہے۔

(ف:- اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ بعض اہل کشف نے جو بعض واقعات کے ظہور کی پیشین گوئی زمانۂ قریب میں کی تھی اور اب تک ان کا ظہور نہیں ہوا جیسے بعض بزرگوں نے امام مہدی کے ظہور کا وقت قریب بتلایا تھا اور وہ وقت گذر گیا اور اب تک بھی ظہور نہیں ہوا تو اس کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کا کشف تو صحیح ہو، مگر ان کے کشف کا مدار لوح محفوظ نہ ہو بلکہ الواح محو واثبات ہوں اور جس شخص کے کشف کا مدار الواح محو واثبات پر ہو گا اس کے کشف کے خلاف ظہور ہو جانا کچھ بعید نہیں ۱۲ مترجم)۔

اپنے متعلقین کو غالی صوفیہ کی کتابوں کے دیکھنے سے منع کریں

(۳۰۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے متعلقین میں سے کسی کو شیخ محی الدین ابن عربی کی وہ کتابیں جو توحید مطلق (یعنی وحدت الوجود) کے بیان میں ہیں دیکھنے نہ دیں اسی طرح دوسرے غالی صوفیہ کی کتابوں کے دیکھنے سے بھی منع کریں، کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں اور جو شخص ان کتابوں کے وہ مضامین جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہیں بیان کرتا ہے اس پر سختی کے ساتھ انکار کیا جاتا ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہر معلوم شدہ بات کو زبان سے بھی کہہ دیا جائے (اس لئے اول تو ان کتابوں کا مطالعہ فضول ہے اور جس نے مطالعہ کر لیا ہو اس کو ان کے مضامین کا بیان کرنا مناسب نہیں) کیونکہ بعض لوگ ان کا مطلب ایسا (الٹا) سمجھ لیتے ہیں جو شریعت کے صراحۃً خلاف (اور بالکل غلط) ہوتا ہے، پھر وہ اسی اعتقاد پر مر جاتے ہیں اور ناکام رہنے والوں کے ساتھ ان کا حشر ہوتا ہے۔

"ہم نے [۱] کسی مرید کو نہیں دیکھا جو کتاب کے مطالعہ سے مردان کامل کے درجہ کو

---

(۱) یہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے بہت لوگ محض کتابوں کے مطالعہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پہونچ گیا ہو" خود حضرت شیخ محی الدین بارہا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ترکنا البحار الزاخرت ورائنا

فمن این یدری الناس این توجهنا

یعنی ہم نے بڑے بڑے سمندر اپنے پیچھے چھوڑ دیئے ہیں (یعنی طے کر لئے ہیں) پس لوگوں کو کیا خبر کہ ہم کدھر جا رہے اور کس طرف متوجہ ہو رہے ہیں

(خلاصہ یہ کہ ان حضرات کے کلام کا مطالعہ وہ کرے جو ان کی طرح معرفت کے سمندروں کو طے کر کے پار ہو چکا ہو کہ وہی ان کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے اور جس نے ابھی تک دریائے معرفت کو طے نہیں کیا وہ نہ ان کے کلام سمجھ سکتا ہے نہ اس کو مطالعہ کرنے سے کچھ نفع ہو سکتا ہے اس لئے ان کتابوں کا دیکھنا اور ان کے مضامین کو عوام کے سامنے بیان کرنا مخلوق کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر ان حضرات نے یہ کتابیں کیوں لکھی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کتابیں ان حضرات نے عوام کے لئے نہیں لکھی، بلکہ اس شخص کے واسطے لکھی ہیں جو ان کی طرح دریائے معرفت کو طے کر چکا ہو کہ اس کو ان کتابوں سے طریق میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جیسے افلاطون وارسطو و جالینوس کی کتابیں فن طب میں اس لئے نہیں ہیں کہ ہر شخص ان کو دیکھ کر اپنا یا اپنے متعلقین کا علاج کرنے لگے، بلکہ اس لئے لکھی گئی ہیں تاکہ طبیب کامل ان کے مطالعہ سے اپنی قوت طب کو بڑھائے اور فن طب کی باریک باتوں سے آگاہ ہو جائے۔ اب اگر کوئی جاہل ان کتابوں کے ترجمہ سے علاج معالجہ کا کام شروع کر دے تو یقیناً وہ مخلوق کو تباہ کر دے گا ۱۲) اور ہم نے اس مضمون پر بہت سے عہود میں مفصل کلام کیا ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہی سے کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا ۔

قال را بگزار مرد حال شو

پیش مردے کاملے پامال شو [1] ۱۲ ظفر

(۱) قال کو چھوڑ مرد حال ہو جا۔ کسی کامل مرد کے سامنے پامال ہو جا۔ ۱۲ مرتب

کسی مرید کو فقہاء سے جھگڑنے اور ان پر انکار کرنے کی اجازت نہ دیں

(۳۰۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہم کسی مرید کو فقہاء سے جھگڑنے اور ان پر انکار کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ جدال ونزاع نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان جن باتوں کا انکار کرتا ہے ان کے متعلق اس کا علم ناقص رہتا ہے اور ہمیشہ سے ہر زمانہ میں ناقص العلم ہی ایک دوسرے پر انکار کرتے رہے ہیں، کیونکہ ان کی نظر تنگ ہے اور اگر ان کو علم میں وسعت نظر حاصل ہوتی تو ایک دوسرے پر بہت کم انکار کرتا اور ہر شخص دوسرے کی بات کو محمل صحیح پر محمول کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف :- یہاں جس انکار کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ انکار ہے جو ان مسائل میں ہو جن میں صوفیہ کرام اور حضرات علماء کا اختلاف ہے چونکہ ان مسائل میں اختلاف اجتہادی ہے، اس لئے کسی کو ایک دوسرے پر انکار کی اجازت نہیں، کیونکہ مسائل اجتہادیہ میں اختلاف کا منشا اختلاف فہم ہے۔ اور جو مسائل ایسے ہوں جو صوفیہ اور علماء میں متفق علیہ ہیں مگر علماء غلبۂ نفس کی وجہ سے ان کے خلاف عمل کرتے ہیں مثلاً ریا و کبر و عجب و حرص و حسد وغیرہ تو ان مسائل کی خلاف ورزی میں علماء پر انکار کا مضائقہ نہیں، مگر انکار کا حق صرف اسی صوفی کو ہے جو خود نفس کے غوائل سے محفوظ ہو اور محض خلوص سے انکار کرتا ہو اور جو اپنی بزرگی جتلانے کو انکار کرے اس کو ہرگز اس کی اجازت نہیں۔ اسی لئے مشائخ کا دستور العمل ہے کہ مبتدی طریق کو وعظ کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ وعظ کے وقت اپنے کو عیوب سے پاک اور دوسرے کو عیوب میں مبتلا سمجھتا ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم۔

کوئی دن رات ایسا نہ گذرنے پائے جس میں ہم نے چوبیس ہزار بار اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا ہو

(۳۰۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کوئی دن رات ایسا نہ گذرنے پائے جس میں ہم نے چوبیس ہزار بار اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا ہو جو کہ رات دن کے تین سو ساٹھ درجوں میں سانس

کی آمد و رفت کی شمار ہے (پس ہم کو دن رات میں ۲۴۰۰۰ ہزار دفعہ اللہ اللہ ضرور کرنا چاہیئے باقی) یہ اختیار ہے کہ خواہ ایک ہی جلسہ میں یہ مقدار پوری کر دی جائے یا چند جلسوں میں اور نیت یہ کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس ذکر کو ہمارے تمام سانسوں پر تقسیم فرمادیں جو رات دن میں آنے والے ہیں جن میں بعضے سانس غفلت و نسیان میں بھی گذر جاتے ہیں۔

اور ہم نے اس مقدار کو ایک جلسہ یا چند جلسوں میں پورا کرنے کو جو کہا ہے اور یہ نہیں کہا کہ ہر سانس پر الگ الگ اللہ کا نام ایک دفعہ لیا کریں' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سانس کی نگہداشت ہم جیسوں کو دشوار ہے جو دنیا کے کام دھندوں میں مشغول رہتے ہیں جیسا مشاہدہ سے ہماری حالت ظاہر ہے۔

اور جب ہم یہ مقدار مجموعی طور سے پوری کرلیں گے تو ہم کو اپنے پروردگار کے فضل سے امید ہے کہ وہ ہم کو ان لوگوں میں شامل کر دیں گے جن کا رات دن میں کوئی سانس بھی غفلت کی حالت میں نہیں گذرتا کیونکہ ہم نے رات دن کے انفاس کے برابر ذکر ایک دم سے یا چند دفعہ کر کے ان کے آگے انہی کے خزانہ سے لیکر ہدیہ کر دیا ہے۔

اور میرا معمول یہ ہے کہ میں اسم ذات (اللہ) کو چوبیس ہزار دفعہ پچاس درجات میں پورا کرلیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ لگاتار ذکر ہوتا رہے درمیان میں کوئی اور بات نہ آنے پائے۔اب جس کا جی چاہے تسبیح یا کنکریوں پر شمار کر کے اس مقدار کو پورا کر دے اور جس کا جی چاہے گنتی کو چھوڑ کر پچاس درجے گذر جانے تک اللہ اللہ کرنے میں مشغول رہے (جب یہ وقت پورا ہو جائے گا چوبیس ہزار کی مقدار پوری ہو جائے گی ۱۲)

اور عزیز من! خوب سمجھ لو کہ تمہاری عمر کا وہی حصہ معتبر اور شمار کے قابل ہے جس میں تم اپنے پروردگار کے سامنے (دل سے) حاضر رہو اس کے سوا جو حصہ عمر کا (غفلت میں گذرا ہے) وہ اور موت برابر ہے۔ پس اے عزیز! اگر تم سے اپنے رات دن کے تمام ساعات کی نگہداشت نہیں ہو سکتی تو اپنے اوقات روز مرہ میں سے ایک وقت یا چند وقت تو ذکر کیلئے مخصوص کرلو (جن میں چوبیس ہزار دفعہ اللہ اللہ کرلیا کرو) تاکہ تمہارے دل کا وہ حصہ زندہ ہو جائے جو غفلت اور سہو و نسیان اور گناہوں کی وجہ سے مردہ ہو چکا ہے۔ اور جو شخص

مردوں میں اپنا نام داخل کرنا چاہے اس کے لئے ادنی بات یہ ضروری ہے کہ ذکر کیلئے اپنے اوقات کی ایسی نگہبانی کرے جیسے مرغا اور قمری اور جھینگا رات میں اپنے وقت کی نگہبانی کرتے ہیں۔ بھلا جس شخص کے منہ پر ڈاڑھی آچکی ہو اس کو کب زیبا ہے کہ رات کو مردہ کی طرح پڑا سوتا رہے حالانکہ قمری اور جھینگا بیدار ہیں (اور خدا کی یاد میں مشغول ہیں) اس کو خوب سمجھ لو۔

ف: – رات دن کے چوبیس گھنٹہ میں (۳۶۰) درجات ہوتے ہیں تو ایک گھنٹہ میں ۱۵ درجے ہوئے اور ایک درجہ چار منٹ کا ہوا۔ پس پچاس درجے کی مقدار تین گھنٹے بیس منٹ ہوئی۔ اور جو شخص چوبیس ہزار دفعہ روزانہ ذکر اسم ذات لسانی کا معمول کرنا چاہے اس کو اس بات کا خیال کرنا چاہئے کہ اللہ کا الف صاف ادا ہو تاکہ لالا لا زبان سے نہ نکلے جیسا بعض ذاکرین سے سنا گیا ہے۔ ہاں اگر ذکر قلبی کرنا چاہے تو زبان سے الف کا ادا ہونا لازم نہیں' بلکہ محض دل کا خیال کافی ہے۔

اور اگر کسی ذاکر کو اس کے شیخ نے چوبیس ہزار سے کم ذکر بتلایا ہو اس کو چاہئے کہ شیخ کی بتلائی ہوئی مقدار کو تو باقاعدہ خلوت و یکسوئی کے ساتھ ادا کرے' اس کے بعد چوبیس ہزار میں جتنی کمی رہی ہو اس کو جلدی جلدی بدون قید خلوت اور بدون ضرب وغیرہ کے پورا کرلے۔

ف: – جن لوگوں کو نسبت باطنیہ حاصل ہو چکی ہے ان کو بھی ذکر لسانی یا ذکر قلبی سے چوبیس ہزار کی مقدار روزانہ پورا کر دینا چاہئے ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ باوجود کمال حضور کے بھی وہ تسبیح ہاتھ میں رکھ کر حساب اور شمار کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں تاکہ تمام انفاس پر ذکر تقسیم ہو جائے اور کوئی لحہ غفلت میں شمار نہ ہو حالانکہ وہ غفلت سے مبرا ہیں۔

ف: – مشائخ نے سانس کی نگہداشت کیلئے ذکر کا ایک خاص طریقہ بھی ایجاد کیا ہے جس کو "پاس انفاس" کہتے ہیں جس شخص کو اس کی مشق ہو جائے وہ سوتے ہوئے بھی سانس سے ذکر کرتا رہتا ہے اور اس کا کوئی سانس بدون ذکر کے نہیں آتا' مگر اس کے ساتھ اگر وہ

چوبیس ہزار دفعہ ذکر لسانی یا قلبی بھی کر لیا کرے تو زیادہ موجب ترقی اور نور قلب ہوگا۔ ۱۲ مترجم۔

کسی کی پوشیدہ حالت کا تجسّس نہ کریں

(۳۰۳)(ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کی، بلکہ مخلوق میں سے کسی کی بھی پوشیدہ حالت کا تجسّس نہ کریں (یعنی کسی کے عیوب معلوم کرنے کے درپے نہ ہوں) سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اس زمانہ کے لوگوں میں کسی قدر پردہ پوشی کی شان باقی رہ گئی تھی۔ ۹۴۷ھ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی سلب کر لیا۔ اب عام طور پر یہ حالت ہے کہ جس کو اپنے بھائی کے عیوب ظاہر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے وہ اس کی پردہ پوشی پر قادر نہیں ہوتا بجز معدودے چند آدمیوں کے (جن کا وجود نادر ہے۔ والنادر کالمعدوم ۱۲) **فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ مؤمن اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک یہ حالت نہ ہو جائے کہ اسے کسی شخص کے اندر کوئی عیب ظاہری یا باطنی نظر نہ آئے اور وہ محاسن وجود کے سوا کچھ بھی نہ دیکھے اور جب تک کسی کو لوگوں کے عیوب نظر آتے رہیں (وہ ناقص ہے) اس پر لازم ہے کہ کسی شیخ عارف کی تربیت میں رہ کر مجاہدہ کرے تاکہ وہ اس کو کدورات بشریہ سے پاک صاف کر کے ملائکہ کی مانند بنادے یا اولیاء محفوظین سے ملادے۔ ہم نے اس مضمون پر بارہا مفصل کلام کیا ہے واللہ غفور رحیم۔

ف:- سیدی شیخ علی خواص رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بہت دقیق ہے اس کو سمجھنے کیلئے چند مقدمات کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

الف:- اس میں شک نہیں کہ مخلوقات میں خیر و شر اور حسن و قبح موجود ہیں مثلاً روشنی اور تاریکی۔ خوبصورت و بدصورت، زہر و تریاق، حرام و حلال، کذب و صدق، طاعت و معصیت وغیرہ

ب:- اور اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح روشنی اور تاریکی میں گو روشنی کو

تاریکی پر فضیلت ہے لیکن تاریکی کے پیدا کرنے میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں، اسی پر قیاس کر کے سمجھ لینا چاہئے کہ ہر قبیح و شر کے پیدا کئے جانے میں کچھ نہ کچھ حکمت ضرور ہے۔

ج: -پس عارف کی نظر مخلوقات کے ظاہر پر نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور باطن ہر موجود کا یہ ہے کہ اس پر موجود حقیقی خالق جل وعلا کے وجود کا پر تو ہے اور ہر مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ایک نسبت اور لگاؤ ضرور ہے، اسی نسبت کا یہ اثر ہے کہ موجودات میں قبیح اور شر بھی حکمت سے خالی نہیں اگر تصویر کا ایک رخ بُرا ہے تو دوسرا رخ منافع و مصالح و حکم کی وجہ سے حسن ہے مثلاً زید گنہگار، بدکردار ہے تو اس لحاظ سے کہ زید کو اپنے افعال شنیعہ سے ضرر پہونچے گا اس کے حق میں یہ افعال برے ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ دنیا میں جرم کرنے والے نہ ہوں تو سلطنت اور بادشاہ اور فوج اور پولیس اور کلکٹر اور جج قاضی اور والی کی کچھ بھی ضرورت نہ رہے، نہ لوہے سے تلوار و بندوق اور توپ بنانے کی حاجت ہو نہ مکانوں اور صندوقوں کیلئے تالے اور کنجیاں ضروری ہوں، بلکہ مضبوط دروازے اور مستحکم صندوق بھی بیکار ہو جائیں اور خدا نے زمین میں جو لوہے اور سیسے کی کانیں پیدا کی ہیں اور زمین پر قسم قسم کے درخت لگائے ہیں جنگی لکڑی سے بہت کام نکل رہے ہیں ان کو کوئی بھی کام میں نہ لاتا اور بڑھئی 'لوہار' بادشاہ' قاضی' والی 'فوج' پولیس سب بے ضرورت ثابت ہوتے۔

اس پہلو پر نظر کر کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرائم پیشہ لوگوں کی وجہ سے خدا کی ایک بہت بڑی مخلوق روزی کے حیلے میں لگی ہوئی ہے۔ بادشاہ اپنی بادشاہت کے انتظام میں ہے۔ قاضی' والی' کوتوال' کلکٹر انہی لوگوں کی وجہ سے حکومت کے عہدے پر نظر آرہے ہیں۔ پولیس اور فوج صرف اسی جماعت کی وجہ سے بھرتی کی جارہی ہے۔ اور لوہار' بڑھئی، لکڑی' لوہے کی چیزیں اسی فرقہ کی وجہ سے بنا بنا کر روزی حاصل کر رہے ہیں۔ لوہا اور سیسہ کی کانیں تلاش کرنے والے' سائنس داں اور کان کھودنے والے مزدور اسی قوم کے طفیل سے کام میں لگے ہوئے ہیں تو مجرم اور گنہگار گو اپنے حق میں لعنت کا سامان کر رہا ہے' مگر دوسروں کے حق میں اس کا وجود بھی ایک نعمت ہے۔

پس عارف ہر موجود کی اس جہت کو دیکھتا ہے اور اس پہلو پر اس کی نظر اس قدر ہوتی ہے کہ عیوب پر بہت کم نظر پہونچتی ہے، وہ کھلم کھلا ہر موجود میں حکمت حق کا مشاہدہ کرتا اور اس سے معرفت کا سبق حاصل کرتا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار[1]

حضرت حاجی صاحب مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے پاس ایک شخص کی شکایت کی گئی کہ اس نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے۔ حضرت نے بیساختہ فرمایا کہ اس پر اس وقت تجلی جلالی غالب تھی اس لئے اس سے یہ حرکت صادر ہو گئی اھ۔

یہ ہے عارفین کا طریقہ کہ ان کو ہر چیز کے دیکھنے اور ہر خبر کے سننے سے خالق کی تجلیات پر اول نظر جاتی ہے، وہ کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ عالم کے ذرہ ذرہ میں تجلیٔ حق کارفرما ہے۔ کسی میں تجلی جمالی ہے، کسی میں تجلی جلالی، اسلئے اس کو کسی چیز میں عیب نظر نہیں آتا۔

ف:- اس جگہ ایک سوال ہو گا کہ جب انسان کے ہر فعل کا منشا کسی تجلیٔ الٰہی کا ظہور ہے تو پھر برے کام کرنے والوں کے حق میں بھی ان کے ناشایستہ افعال موجب ضرر و نقصان کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز میں کسی تجلی الٰہی کا ظہور ہو وہ اس کے حق میں بھی نافع ہو مثلاً خدا کی ایک صفت مذل ہے یعنی ذلیل کرنے والا۔ تو اس کی تجلی جس پر ہو گی وہ ذلیل ہو گا گو اس کی ذلت سے کسی دوسرے کی عزت ہو جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایک قوم ذلیل ہوتی ہے تو اس کے مقابلہ میں دوسرے کو عزت مل جاتی ہے، کیونکہ اس پر صفت معز کی تجلی ہوئی ہے۔

غرض تجلیٔ الٰہی میں مجموعۂ عالم کیلئے حکمت ہوتی ہے نہ ہر فرد کیلئے "**معائب قوم عند قوم فوائد**". "**وتلك الايام نداولها بين الناس**"[2] **نحن قسمنا بينهم معيشتهم في**

---

(۱) ترجمہ: عقل مند کی نظر میں سرسبز درختوں کا ہر پتہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی ضخیم کتاب ہے۔ ۱۲ مرتب

(۲) اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں میں (آل عمران/۱۴۰۔ مرتب

الحیوٰۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لیتخذ بعضھم بعضا سخریا (فیقوم به نظام العالم باحسن وجه) ورحمة ربك خير مما يجمعون (فيجب السعى لها ولا يهتم المرأ بمعيشة الحيوة الدنيا الفانية وينسى الآخرة الدائمة الباقية ۱۲[1])

اس کے بعد یہ سوال بھی نہ ہونا چاہئے کہ جب انسان کے تمام افعال میں تجلی الٰہی کار فرما ہے تو اس سے برے اعمال پر مؤاخذہ کس لئے ہے؟ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ضرور نہیں کہ جس پر کسی تجلی الٰہی کا ظہور ہو وہ اس کے حق میں بھی نافع اور حکمت ہو۔ اس کے ساتھ ایک مقدمہ یہ ملا لینا چاہئے کہ تجلی الٰہی بعض دفعہ تو اس طور سے ہوتی ہے کہ انسان کے اختیار کو اس میں اصلاً دخل نہیں ہوتا جیسے صفت ضار کی تجلی اس طور سے کسی پر ہوئی کہ ناگہانی آفت سے اس کا مکان جل گیا یا اسباب چوری ہو گیا اور کبھی اس طور سے ہوتی ہے کہ اس میں انسان کے اختیار کو بھی کسی قدر دخل ہوتا ہے مثلاً کسی نے خود اپنے مکان میں آگ لگا دی یا زہر کھالیا یا بندوق بھر کر خود اپنے سینہ میں داغ دی۔ پہلی صورت میں انسان سے مؤاخذہ نہیں اور دوسری صورت میں مؤاخذہ ہے کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے صفت ضار کی تجلی کا سامان کیا ہے۔

اسی طرح سمجھو ایک شخص تو وہ ہے جس کے حلق میں دو چار آدمیوں نے مل کر زبردستی شراب ڈالدی یا کسی عورت سے جبراً اس کے ہاتھ پیر پکڑ کے کسی نے زنا کر لیا اور ایک وہ ہے جو اپنے گھر سے شراب نوشی کے ارادہ سے چلا جیب میں روپے ڈالے اور دکان سے شراب خرید کر پی یا عورت نے خود کسی سے ساز باز کیا اور اپنی خوشی سے زناکاری کا ارتکاب کیا دونوں کی حالت میں کھلا ہوا فرق ہے اور جو دونوں کو یکساں سمجھے وہ ہٹ دھرم ہے۔

---

(۱) ترجمہ: ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمت گار اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔ ۱۲۔ الزخرف/ ۳۲۔ مرتب عفااللہ عنہ

پس چونکہ پہلی صورت میں تجلیٔ اسم ضار بلا قصد انسان ہوئی اس لئے وہ مؤاخذہ سے بری ہے اور دوسری صورت میں اس نے جان بوجھ کر تجلیٔ اسم ضار کو پسند کیا اس لئے اس پر مؤاخذہ ہے۔

انسان کو لازم ہے کہ تجلی جمالی کے حاصل کرنے کی کوشش کرے تجلی جلال وقہر کو خود اپنے ارادہ سے اپنے واسطے پسند نہ کرے۔ مگر عارف کی نظر دوسری صورت میں بھی انسان کے فعل وارادہ پر نہیں ہوتی' بلکہ تجلیٔ حق پر ہوتی ہے اور چونکہ اس میں مجموعۂ عالم کیلئے حکمتیں ہیں جیسا اوپر گذرا اس لئے اس کو عالم میں صرف محاسن وجود ہی نظر آتے ہیں، عیوب نظر نہیں آتے۔

اور یہ حالت عارفین کو مقام فنا میں پیش آتی ہے جب کہ وحدۃ الوجود کا ان پر انکشاف ہوتا ہے اور یہ حالت ہر سالک کو پیش آتی ہے جو اس سے ناآشنا ہے وہ ناقص ہے اس کو مجاہدہ کر کے مقام فنا حاصل کرنا چاہئے اس کے بعد جب مقام فنا سے نزول کر کے مقام بقا حاصل ہوتا ہے تو اب اس کی نظر بندہ کے ارادہ واختیار پر بھی ہوتی ہے۔

اور محقق وہی ہے جس کی نظر دونوں پر ہو تجلی حق پر بھی اور انسان کے ارادہ[1] واختیار پر بھی، اس لئے وہ ہر شخص کے برے فعل کو مجموعہ نظام عالم کیلئے حکمت اور خود اس شخص کیلئے سبب لعنت ونقمت سمجھتا ہے۔ پہلی جہت پر نظر کر کے اس کو تجلیات الٰہیہ کی معرفت بڑھتی اور نور وظلمت کے مقابلہ سے نور کی وقعت وعظمت پہلے سے زیادہ منکشف ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کو تجلی قہر وجلال کیلئے منتخب نہیں فرمایا۔ اور دوسری جہت پر نظر کر کے بدکار شخص پر غصہ بھی آتا ہے اس سے نفرت بھی ہوتی ہے اور اس کو سزا بھی دیتا ہے' وعظ ونصیحت بھی کرتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ محض شریعت کے

---

(۱) اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت میں جو صرف تجلی جلالی کا ذکر ہے اور زناکار کے فعل وارادہ پر ملامت نہیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص خود حضرت کے سامنے حاضر نہ تھا' بلکہ دوسروں نے پیٹھ پیچھے اس کی غیبت کی تھی حضرت تجلی جلالی کا ذکر کے اپنے کو غیبت سننے کے گناہ سے بچالیا اور اگر وہ شخص سامنے ہوتا تو حضرت اس کو ملامت ضرور فرماتے ۱۲ منہ اور سچی توبہ کا حکم دیتے۔ ۱۲ مرتب

حکم کی وجہ سے کرتا ہے نفسانیت یا تکبر کی راہ سے نہیں کیونکہ مقام فنااور تجلیٔ حق کے مشاہدہ کے بعد اس کو تکبر کی گنجائش نہیں رہتی نہ اس میں نفسانیت کا کوئی شائبہ باقی رہتا ہے "**ولا تأخذکم بهما رأفة فی دین الله ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ولیشهد عذابهما طائفة من المؤمنین**[1]"۔

اس مقام کی اس سے زیادہ شرح سے میں عاجز ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تجلی جمال ولطف ورحمت سے نوازے اور تجلی جلال وقہر وغضب سے بچائے۔ آمین۔

فمعنی قول الخواص فلا ینظر الا محاسن الوجود الخ ای من حیث کونه موجودا بفیضان الوجود علیه من الخالق الواجب الوجود امامن حیث ارادة العبد وصرفه اختیاره فیه فلا والا لبطلت الحدود و التعزیرات ولم یبق للحب فی الله والبغض فی الله معنیً وللزم کون الکمل من الاولیاء الذین لاموا العصاة والظلمة من الولاة وذموهم باشنع ذم ودعوا علیهم ناقصین غیر کاملین وهذا لا یقول به احد من المشائخ ولا سیدی الخواص ۱۲مترجم۔

ف ۳:- ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ کفار کے کفر سے مجموعۂ عالم کو کیا نفع ہے گو خود ان کو نفع نہ ہو؟ میں نے جواب دیا کہ علاوہ اس نفع کے جو علماء متقدمین نے لکھا ہے کہ اہل اسلام کو ان کے ساتھ جہاد لسانی وجہاد سنانی کرنے سے ثواب اور درجۂ شہادت نصیب ہوتا ہے۔ ایک نفع مجموعۂ عالم کو یہ ہے کہ زمین پانی اور ہوا کی عجائبات کا معلوم کرنا اور اس انکشاف سے منافع حاصل کرنا اور ان منافع سے مسلمانوں کا منتفع ہونا کفار ہی کے ذریعہ سے متصور ہے "**مسلم من حیث هو مسلم**" دنیا میں بقدر ضرورت ہی مشغول ہوتا ہے، اس کو دنیا میں انہماک دشوار ہے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اسی کے لو لگانے کیلئے مضطرب رہتا ہے اور جب بقدر ضرورت اس کو دنیا مل جاتی ہے وہ اس کی طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا لینے کی کوشش کرتا ہے، اس کو ان فضولیات کی طرف توجہ کرتے ہوئے غیرت آتی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر مخلوقات کی تحقیق کے درپے ہو۔

(۱) ترجمہ: اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان (النور/ ۲۔ مرتب عفا اللہ عنہ

اب اگر دنیا میں کفار نہ ہوتے تو یہ ریل کون نکالتا؟ تار برقی اور ٹیلیفون کا سلسلہ کون جاری کرتا؟ دخانی جہاز اور ہوائی جہاز کون چلاتا اور طبقات ارض اور عجائب بحر کی خبریں کون لاتا؟ یہ کام کافر ہی کرسکتا ہے جس کو خدائی معرفت سے حصہ نہیں ملا وہی ان چیزوں کی طرف اپنی توجہ کو پوری طرح منعطف کرسکتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ ایجادات کرتے ہیں ان سے مسلمانوں کو بھی نفع پہونچ جاتا ہے کہ اب ہمارے لئے ریل اور تار اور ڈاک اور موٹر کی وجہ سے تجارت آسان ہوگئی۔ سفر حج اور سفر مدینہ آسان ہوگیا۔ تحصیل علم دین سہل ہوگیا کہ مشرق ومغرب سے جس علم کو چاہو حاصل کرلو۔ پس عارف کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ ع

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیرست

آتش کرا بسوز دگر بولہب نہ باشد [1] ۱۲ مترجم

بڑے درجے کے لوگوں کے پاس نشست و برخاست زیادہ نہ کیا کریں

(۳۰۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ بڑے درجہ کے لوگوں کے پاس نشست و برخاست زیادہ نہ کیا کریں جیسے حضرات اولیاء اور بڑے بڑے علماء اور امراء۔ اور ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا بھی نہ کھایا کریں، ہاں اگر دسترخوان عام (دعوت کا) ہو تو مضائقہ نہیں، کیونکہ ان کے پاس زیادہ نشست و برخاست کرنا ہمارے دل سے ان کی ہیبت و تعظیم کو کم کردے گا اور ہماری شرم ولحاظ (کا حجاب) اٹھادے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم ان کے علم کی برکت سے محروم ہوجائیں گے۔ اس پر بھی ہم بار ہا مفصل گفتگو کرچکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف:- یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی سکونت کو ہر شخص کیلئے پسند نہیں فرمایا کیونکہ عام حالت یہ ہے کہ جو چیز ہر وقت نظروں کے سامنے رہتی ہے اس سے ایک قسم کی مساوات ہوجاتی ہے اور جو عظمت اول وہلہ میں تھی وہ زیادہ قرب سے نہیں رہتی اور عظمت کعبہ وعظمت مدینۂ رسول کا دل سے کم ہونا سخت

---

(۱) ترجمہ: کارخانہ عشق میں کفر ضروری ہے ورنہ اگر ابولہب (کفر) نہ ہوتو آگ کس کو جلائے گی۔ ۱۲ مرتب

بات ہے۔

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فراغت پا کر اعلان فرما دیتے کہ شام والے شام کو چلے جائیں اور یمن والے یمن کو اور عراق والے عراق کو (تا کہ زیادہ قیام کر کے بیت اللہ سے مساوات نہ ہو جائے۔

اور اسی لئے عارفین نے مکہ اور مدینہ کے باشندوں کو بھی وصیت کی ہے کہ سال میں کچھ دنوں کیلئے مکہ، مدینہ سے سفر کر لیا کریں تا کہ بیت اللہ و بیت الرسول کا اشتیاق تازہ ہو جائے۔

اور اسی لئے مشائخ کی وصیت ہے کہ مرید کو شیخ کے خانگی معاملات میں نہ گھسنا چاہئے، کیونکہ جو شخص کسی کے خانگی معاملات سے واقف اور ان میں دخیل ہوتا ہے اس کے قلب سے دوسرے کی عظمت کم ہو جاتی ہے۔ اور مشائخ کو بھی مناسب ہے کہ مریدوں کو اپنے خانگی معاملات پر مطلع یا ان میں دخیل نہ کیا کریں کہ اس سے عام طبائع کو بجائے نفع کے ضرر ہوتا ہے "**الا من عصم اللہ وقلیل ماھم**"۔

اور اس قاعدہ کا مقتضا یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے شیخ کی خدمت میں رہتے ہوئے زیادہ عرصہ گذر گیا ہو اس کو مناسب ہے کہ کچھ دنوں کیلئے وہاں سے سفر کر کے مفارقت ظاہری اختیار کر لے تا کہ قرب معنوی بوجہ زیادت اشتیاق کے زیادہ ہو جائے۔

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ''بہندوستان بودن ودل بمکہ بہ ازاں کہ بمکہ بودن ودل بہندوستان'' یعنی ہندوستان میں اس حال سے رہنا کہ دل مکہ میں اٹکا ہوا ہو اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں رہو اور دل ہندوستان میں اٹکا رہے۔۱۲ مترجم

اپنے متعلقین کو اس بات کی گنجائش نہ دیں
کہ وہ ہم کو ہمارے ہمسروں پر ترجیح دیں

(۳۰۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے متعلقین کو اس بات کی گنجائش نہ دیں کہ وہ ہم کو ہمارے ہمسروں پر ترجیح دیں بشرطیکہ بغیر اس اعتقاد کے ہم ان کو سلوک طے

کرا سکیں ۔ اور وہ بغیر اس اعتقاد کے ہمارے ساتھ انقیاد سے پیش آتے رہیں ۔ اور اگر ان کا انقیاد اسی اعتقاد پر موقوف ہو تو صرف ان کی مصلحت کے خیال سے اس اعتقاد پر ان کو رہنے دیں اپنے نفس کی تعظیم کیلئے نہیں (کیونکہ جو شیخ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی عظمت و بزرگی کا طالب ہو وہ شیخ نہیں ، بلکہ متکبر ہے ۔

پس عارف اپنی تعظیم اور مدح و ثنا کو مریدوں کی زبان سے محض مریدوں کی مصلحت سے گوارا کر لیتا ہے ، اپنی مصلحت سے نہیں اور وہ ان کے سامنے دوسروں کی تعریف بھی انہی کی مصلحت سے نہیں کرتا) کیونکہ اگر ہم اپنے مریدوں کے سامنے دوسروں کے مقامات بیان کرنے لگیں اور ان کی مدح و ثنا میں مبالغہ کریں تو ممکن ہے کہ ان کا دل دوسروں کے پاس جانے کا خیال کرنے لگے حالانکہ وہ ہماری صحبت (و بیعت) میں داخل ہو چکے ہیں تو اس صورت میں ان کی حالت بالکل بگڑ جائے گی (کیونکہ دوسری جگہ جا کر بھی وہ پوری طرح اس کے ساتھ وابستہ نہ ہونگے ، بلکہ ہماری صحبت و بیعت کے اثر سے کبھی کبھی ان کا دل ہماری طرف بھی متوجہ ہوگا ۔ پس ان کا وہ حال ہوگا کہ وہ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے اور اس طریق کا بڑا مدار یکسوئی اور جمعیت قلب پر ہے جہاں یہ فوت ہوئی کام خراب ہو جائے گا ۱۲)

اور اعمال کا مدار نیت پر ہے (پس ہر شیخ کو غور کر لینا چاہئے کہ اس کے مرید جو دوسروں پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اس کو وہ کس نیت سے گوارا کر رہا ہے ، آیا مریدوں کی مصلحت سے یا واقعی وہ اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہے ۱۲) والسلام

ف :- صوفیہ میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کو سب سے افضل سمجھے جس کی شرح حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے یہ فرمائی ہے کہ یوں سمجھے کہ " میری تلاش میں میرے لئے اس سے بہتر و افضل کوئی نہیں " اور اس کی ضرورت کی وجہ اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ اس طریق کا زیادہ مدار جمعیت قلب اور یکسوئی پر ہے اور بدون اس اعتقاد کے عام طور سے جمعیت قلب حاصل نہیں ہوتی ۔

لیکن اگر کسی کو بغیر اس کے بھی جمعیت قلب حاصل ہو جائے تو اس کو اپنے شیخ کی بابت یہ اعتقاد رکھنے کی ضرورت نہیں ، بلکہ شیخ کو بھی جائز نہیں کہ بلا ضرورت اپنے مریدوں کا اس

اعتقاد پر قائم رہنا گوارا کرے۔

پس بعض جاہلوں کا یہ اعتراض باطل ہوگیا کہ صوفیہ نے آداب شیخ جس قدر لکھے ہیں سب سے مقصود پیر پرستی اور اپنی تعظیم ہے۔ ممکن ہے کسی ناقص کا ایسا خیال ہو، مگر صوفیہ کاملین تو اس کے وسوسہ سے بھی پاک ہیں جیسا ناظرین کو اس عہد سے معلوم ہوا ہوگا۔

ف ۲: - جیسا علم ظاہر میں یہ جائز ہے کہ ایک ہی وقت میں دو استادوں سے تعلیم حاصل کرے ایک سے ایک کتاب کی دوسرے سے دوسری کتاب کی یونہی طریق باطن میں بھی شرعاً بیک وقت دو شیخ سے استفادہ کرنا جائز ہے، کچھ گناہ نہیں، مگر چونکہ علم ظاہر کی تحصیل یکسوئی پر زیادہ موقوف نہیں، اس لئے وہ تو بیک وقت دو استادوں یا زیادہ کی طرف رجوع کرنے سے برباد نہیں ہوتی اور طریق باطن کا مدار زیادہ تر یکسوئی قلب پر ہے اور دو پیروں سے رجوع کرنے میں یہ فوت ہوجائے گی اس لئے مقصود حاصل نہ ہوگا گو گناہ بھی نہ ہوگا۔

پس مشائخ نے جو ایک وقت میں دو پیروں سے رجوع کرنے کو ناجائز لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ طریق باطن کو مضر ہے، یہ مطلب نہیں کہ شرعاً اس میں گناہ ہے۔ اور اگر بالفرض کسی شخص کو دو بزرگوں کی طرف رجوع کرنے سے جمعیت فوت نہ ہو اس کو شرعاً وطریقۃً ہر طرح اس کی اجازت ہے کہ دونوں سے تعلق رکھے۔

ہمارے اکابر حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہ اور مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ کے مریدوں کی یہ حالت تھی کہ دونوں بزرگوں سے ایسا تعلق رکھتے تھے کہ دیکھنے والے کو ہرگز یہ معلوم نہ ہوسکتا تھا کہ یہ کس بزرگ کا مرید ہے۔ بس یوں معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ہی کے مرید ہیں اور بعض دفعہ خود ان دونوں بزرگوں کو بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ان میں کون مجھ سے بیعت ہے اور کون دوسرے صاحب سے بیعت ہے اور بحمد اللہ سب مرید ایسے کامیاب تھے کہ آج کل ان کی نظیر کو آج آنکھیں تلاش کرتی ہیں۔ اور اس میں زیادہ تر کمال ان بزرگوں کا تھا کہ خود ان دونوں میں ایسا اتحاد و اتفاق و یگانگت تھی کہ کسی کو اصلاً یہ ناگوار نہ تھا کہ میرا مرید دوسرے سے تعلیم و تربیت حاصل کر رہا ہے۔

ف ۳: - ایک بزرگ سے بیعت ہوکر دوسرے بزرگ سے ایک ہی وقت میں رجوع کرنا بزمانہ طلب اس وقت ممنوع ہے جب کہ رجوع بلا ضرورت ہو اور اگر بضرورت ہو مثلاً

پیر نے ہندوستان سے ہجرت کرلی یا زمانہ دراز کیلئے قیام حرمین کا ارادہ کرلیا تو مرید کو ہندوستان میں کسی دوسرے شیخ سے رجوع کرنا مدت سفر شیخ میں جائز ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ شیخ اول کی اجازت بھی لے لے۔

اور اگر شیخ اول نے خود اپنے مریدوں کو اس زمانہ سفر کیلئے کسی شیخ کی طرف رجوع کی ہدایت کی ہو تو اس میں دلالۃً اس کے علاوہ اور کسی شیخ کی طرف رجوع کرنے کی بھی اجازت ہے کیونکہ جب شیخ اول نے دوسرے کی طرف رجوع کی اجازت دیدی تو دوسرا شیخ پیر کا تجویز کردہ ہو تو کیا اور مرید کا تجویز کردہ ہو تو کیا۔ بلکہ اس میں بھی تجویز مرید کو ترجیح ہے جس سے اس کو مناسبت زیادہ ہو اس سے رجوع کرے کہ مدارِ نفع مناسبت ہی پر ہے۔

اور مشائخ کیلئے مناسب یہ ہے کہ ایسی صورت میں خود ہی مریدوں سے دریافت کرلیں کہ کس کو کس بزرگ سے میلان و مناسبت ہے جس کو جس سے میلان و مناسبت ہو اس کو اختیار کرنے کی اجازت دیدیں اور اگر اپنی تجویز ہی ان کو افضل معلوم ہو تو اپنی تجویز کو ظاہر کر کے یہ بھی کہدیں کہ یہ میری تجویز ہے، لیکن اگر کسی کو اور کسی سے میلان ہو تو اس کو اس سے رجوع کی اجازت ہے۔

وقد بقی ھھنا خبایا فی الزوایا السکوت عنها أولی، وایم الله لقد تبدل الطریق وتغیرت، ومسخت صورته وتنکرت فلم یبق من السلوک الا رسمه. ولا من الذکر والشغل الا اسمه. اللھم اجعلنا مخلصین موحدین محبین لک ولرسولک صلی الله علیه وسلم آمین ۱۲مترجم۔

اپنے نفس کو سب ہمسروں سے زیادہ علم ومعرفت کا دعویٰ کبھی نہ کرنے دیں

(۳۰۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے نفس کو سب ہمسروں سے زیادہ علم ومعرفت کا دعویٰ کبھی نہ کرنے دیں اور حضرت سیدنا موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ میں ہر عبرت پکڑنے والے کے لئے کافی عبرت موجود ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کی زبان سے ایسی مجلس میں جس

میں پانچ سو دواتوں سے ان کے ملفوظات لکھے جارہے تھے یہ بات نکل گئی کہ ''علوم منزل من السماء'' (وہ علوم جو آسمان سے نازل ہوئے ہیں) کے متعلق تم جو کچھ بھی مجھ سے پوچھو گے میں تم کو خبر دوں گا'' یہ سن کر مجلس میں سے ایک جوان کمزور، دبلا پتلا لکڑی کا سہارا لے کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں نے آپ کی بات سنی، لیکن میں جناب سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ پسو (اور مچھر) کے پیٹ میں ایک ہی آنت ہے یا بہت سی آنتیں اور پاخانہ پیشاب کا راستہ جدا جدا ہے؟ اس کا جواب امام حسن سے کچھ نہ بنا اور بیہوش ہو گئے اور بیہوشی کی حالت ہی میں لوگ ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ تین دن کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

اور شیخ محی الدین ابن العربی کو یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بار آپ سمندر کا سفر کر رہے تھے کہ بہت تیز ہوا چلنے لگی اور سمندر میں طغیانی شروع ہو گئی۔ آپ کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''اے سمندر بس ساکن ہو جا کہ تیرے اوپر علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر سوار ہے'' دریا تو ان کی اس بات کے ساتھ ہی فوراً ساکن ہو گیا، مگر اس کے بعد ایک ہیبت ناک مچھلی نے سر نکالا اور کہا اے محی الدین! میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ نے اس کا جواب دیدیا تو واقعی جیسا تم نے کہا ہے تم علم کے سمندر ہو اور اگر جواب نہ دے سکے تو تم جاہل ہو تم کو علم کا دعویٰ کرنا زیبا نہیں۔ فرمایا بولو! وہ سوال کیا ہے؟ کہا اگر اللہ تعالیٰ کسی عورت کے خاوند کو مسخ کردیں تو وہ انکی عدت کس طرح گزارے زندہ شوہر کی عدت کے موافق یا مردہ شوہر کی عدت کے موافق (زندہ شوہر کی عدت تین حیض ہے اور مردہ شوہر کی عدت چار مہینے دس دن ہے ۱۲) شیخ محی الدین سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو وہ ہیبت ناک مچھلی بولی: اگر آپ (میری شاگردی قبول کر کے) مجھے استاد بنانا منظور کریں تو میں اس سوال کو حل کروں فرمایا! ہاں منظور ہے۔ مچھلی نے جواب دیا کہ اگر اس کا شوہر کسی جاندار کی صورت میں مسخ ہوا ہو تو اس کی عدت زندہ شوہر کی عدت کے موافق ہے اور جماد (بے جان) کی شکل میں مسخ ہوا ہو تو اس کی عدت مردہ شوہر کی عدت کے موافق گزاری جائے۔ اس دن کے بعد سے شیخ محی الدین کی زبان سے مرتے دم تک کبھی کوئی بات دعوے علم کی نہیں سنی گئی۔

میں کہتا ہوں کہ مجھے ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ

اب تو میں اہل علم سے ہو گیا ہوں۔ بس اسی وقت ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ فرشتوں میں سب سے زیادہ لمبی عمر کس کی ہے؟ یہ سارے فرشتے ایک ساتھ پیدا ہوئے ہیں یا یکے بعد دیگرے تدریجاً پیدا ہوئے ہیں؟ میں حیران رہ گیا کہ کیا جواب دوں؟ (اور سمجھ گیا کہ یہ میرے خطرہ کا غیب سے جواب دیا گیا ہے۔ پس فوراً اس خیال سے توبہ کی ۱۲) اور اللہ تعالیٰ کبھی چھوٹوں کو بھی اسی طریقہ سے ادب سکھلاتے ہیں جس طریقہ سے بڑوں کو ادب سکھلاتے ہیں اور اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ واللہ واسع علیم۔

جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر فریاد کریں

(۳۰۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اللہ تعالیٰ سے خوب الحاح کے ساتھ فریاد کریں اور اس بلا کے ٹالنے کی درخواست کریں اور اپنی بہادری اور مضبوطی نہ دکھلائیں، البتہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ سے بلا کے ٹالنے کی درخواست کی ہو اور درخواست منظور نہ ہوئی ہو تو اس وقت ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مراد کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ ہماری مصالح کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ جو شخص بیماری کے اندر غور کرے گا وہ اس کو تمام طاعات سے زیادہ بھاری پائے گا، کیونکہ وہ تو اول سے آخر تک ثواب ہی ثواب ہے نہ اس میں ریاء داخل ہو سکتی ہے نہ عجب، نہ نفسانیت (اور دیگر طاعات میں ان سب آفات کے داخل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ پس مرض تمام طاعات سے ثواب میں زیادہ ہے ۱۲)

اور ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اپنا ضعف ظاہر کر کے بلا کے دور ہونے کیلئے الحاح کے ساتھ دعا کرے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم جیسے لوگ بلاء کے مرد نہیں ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ جب بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اس تکلیف کے ہمیشہ رہنے کی دعا کی اور یوں کہا "**اللھم ان کان فی ھذا رضاک فزدنی**" اے اللہ! اگر اسی میں آپ کی رضا ہے تو مجھے یہ تکلیف اور زیادہ دے دیجئے۔ ان کے شیخ نے اس کو سنکر فرمایا اے محمد (یہ امام شافعی کا نام ہے) اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت مانگو، میں اور تم بلاء و مصائب کے مرد نہیں ہیں، یہ

صرف حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے مخصوص ہے۔

اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں کہ بلاء ومصیبت کے وقت میری کیا حالت ہو، کچھ تعجب نہیں کہ کفر سرزد ہو جائے۔اھ

میں کہتا ہوں کہ حضرات اہل اللہ بیماری سے صرف اسی عارض کی وجہ سے ڈرتے تھے کہ نہ معلوم اس میں کیا حالت ہو جائے ورنہ بالذات بیماری خوف کی چیز نہیں۔خوب سمجھ لو اور ہم نے بڑے مضبوط دل والوں کو دیکھا ہے کہ وہ بلا میں مبتلا ہو کر بہادری اور قوت اور مضبوطی ظاہر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان پر اور سختی کرتے یہاں تک کہ جھک مار کر وہ بلا کے دفع ہونے کی دعا کرتے تھے۔

اور (یاد رکھو!) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اظہار عبودیت اور اظہار ضعف ہی کو پسند فرماتے ہیں تجبر (اور اظہار قوت) سے کراہت فرماتے ہیں۔اس کو خوب سمجھ لو۔

اپنے دوستوں اور متعلقین کو تعویذات ونقوش وغیرہ میں مشغول نہ ہونے دیں

(۳۰۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں اور متعلقین میں سے کسی کو اسماء سہر وردی واسماء بونی اور علم حروف (تعویذات ونقوش وغیرہ) میں مشغول نہ ہونے دیں، ہاں اگر محض اللہ کے نام سے برکت لینا اور ثواب حاصل کرنا ہو دنیا کا کوئی کام مقصود نہ ہو تو مضائقہ نہیں اور اس عہد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء اس سے بالاتر ہیں کہ ان کو ایسے ایسے (دنیوی) کاموں میں استعمال کیا جائے۔اور ہم نے اس مضمون پر رسالۃ ''الآداب'' میں مفصل کلام کیا ہے۔واللہ غنی حمید۔

ف ا:- حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم السامی اسماء ووظائف مشائخ میں ثواب کی نیت سے مشغول ہونا پسند نہیں فرماتے، کیونکہ ثواب کیلئے ادعیہ ماثورہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔باقی دنیا کی ضرورتوں کیلئے بوقت ضرورت گوارا فرما لیتے ہیں، چنانچہ اہل حاجات کو تعویذ وغیرہ خود بھی دیدیتے ہیں اور خدام میں سے بھی بعض کو اس کی اجازت دیدیتے ہیں اور خانقاہ میں عصر کے بعد ختم خواجگان دنیوی حاجات کیلئے ہوتا بھی ہے۔

البتہ سالکین کیلئے تعویذ گنڈوں کا زیادہ شغل پسند نہیں فرماتے کہ اول تو اس سے رجوع عوام کا دنیا کیلئے زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے جو شخص زیادہ تعویذ لکھتا ہے اس کی نظر تعویذ پر زیادہ ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ پر کم ہوتی ہے، اس لئے سلب نسبت کا اندیشہ ہے۔ تیسرے اگر تعویذ کا اثر ظاہر ہو گیا تو اس کو اپنی کرامت سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب ہلاکت ہونا ظاہر ہے۔

ف ۲: — اس عہد پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ نے سورۂ فاتحہ سے ایک سانپ کے ڈسے ہوئے کا علاج کیا اور شفا ہونے پر کچھ بکریاں معاوضہ میں لی، پھر ان کو شبہ ہوا کہ ہم نے آیات الٰہی کو بیچا اور ان کا معاوضہ لیا تو سیدنا رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کیا حضور ﷺ نے فرمایا **"وما یدریک انها رقية"** (جمع الفوائد ۳۲۰، ۳۳م) تم کو کس نے خبر دی کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ پھونک کے کام بھی آتی ہے۔ نیز فرمایا! کہ اس عوض میں کچھ حرج نہیں تم اس کو خوشی سے اپنے کام میں لاؤ۔ اھ۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ نے آیات قرآنیہ کو (جو اسماء سہروردی وعلم الحروف سے بدرجہا افضل ہیں) دنیا کے کام کیلئے استعمال کیا اور حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ نیز حدیثوں میں بہت سی دعائیں مختلف امراض میں پڑھنے اور دم کرنے کے لئے وارد ہیں جن میں اسماء الٰہیہ موجود ہیں تو ان پر بھی اشکال ہوگا کہ اسماء الٰہیہ کو دنیا کے کام میں استعمال کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عہد مذکور میں دنیا سے مراد وہ ہے جس میں دین کا کوئی پہلو نہ ہو اور اگر دنیا کے کام میں دین کی نیت بھی کر لی جائے مثلاً یہ کہ صحابہ نے سورۂ فاتحہ سے جھاڑ پھونک کر کے محض مال کا قصد نہ کیا تھا، بلکہ ان کو سفر میں کھانے پینے کیلئے خوراک کی ضرورت تھی اور مسلمان پر اپنی جان کی حفاظت فرض ہے جس سے دین کے کام بہت کچھ سرانجام ہوتے ہیں، اس لئے حفاظت جان کا فرض ادا کرنے کیلئے سورۂ فاتحہ سے رقیہ کر کے عوض لے لیا۔

نیز حدیثوں میں جو دعائیں اور آیات بیماری میں جھاڑ پھونک کیلئے بتلائی گئی ہیں ان کا

مطلب بھی یہ ہے کہ ان دعاؤں سے جھاڑ پھونک کرتے ہوئے یہ نیت کرنی چاہئے کہ صحت ہوجائے گی تو ہم دین کے کام سرانجام دیں گے۔ اور اس نیت سے دنیا بھی دین ہوجاتی ہے۔

اور تعویذ (۱) وغیرہ بھی کسی کو دیا جائے تو یہی نیت کرنی چاہئے کہ مسلمان کو بیماری سے یا پریشانی وغم سے نجات ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور اگر دین کی نیت اصلاً نہ ہو محض دنیا کی نیت ہو تو واقعی اس کے لئے اسماء الٰہیہ وآیات قرآنیہ کو استعمال نہ کیا جائے۔

ہاں دنیائے محضہ کیلئے دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ دعا ہر صورت میں عبادت ہے بشرطیکہ امر مباح کیلئے ہو، ناجائز کام کیلئے نہ ہو اور ذکر اسماء الٰہیہ وتلاوت قرآن ہر حالت میں عبادت نہیں، بلکہ جب دین مقصود ہو تو عبادت ہے اور دنیائے محضہ مقصود ہو تو عبادت نہیں۔ **ھذا ما عندی فی شرح ھذا المقام والعلم للہ الملک العلام.**

اس زمانہ میں اپنے پیٹ کی حفاظت سے غفلت نہ کریں

(۳۰۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں اپنے پیٹ کی حفاظت سے غفلت نہ کریں اس میں حرام اور شبہ کی چیزیں داخل نہ ہونے دیں اور جہاں تک ہو سکے اپنے اوپر تنگی کریں، کیونکہ دل کی درستی اور اس میں نیک کاموں کے کرنے کا (تقاضا اور) الہام (اور عجیب وغریب علوم کا القاء) غذا کی درستی پر موقوف ہے۔

جو شخص حرام اور مشتبہ چیزیں کھا کے یہ خواہش رکھے کہ دقائق شریعت اس کی سمجھ میں آجائیں اور اس کے ہاتھوں سے وہ کام ہوں جو صلحاء سے ہوا کرتے ہیں یا اس کا سینہ طاعات کیلئے کشادہ ہو جائے وہ غلط راستہ پر چل رہا ہے اور اس کو کبھی یہ باتیں نصیب نہیں ہوسکتی۔

اور یہ جو بعض صوفیہ کا قول ہے کہ فقیر کا طریقہ یہ ہے کہ تفتیش نہ کیا کرے (بلکہ سب

---

(۱) اور ختم خواجگان جو خانقاہ امدادیہ میں دنیوی حاجات کیلئے بطور رقیہ کے ہوتا ہے اس میں بھی دنیائے محضہ مقصود نہیں، بلکہ دنیوی مصائب سے حفاظت کو تقویٰ علی الدین کیلئے طلب کیا جاتا ہے۔۱۲ظ۔

سے نیک گمان رکھ کر ہر ایک کا ہدیہ اور ہر ایک کی دعوت قبول کرلیا کرے) سو یہ اس وقت اور اس محل کیلئے ہے جہاں حلال کو (حرام پر) غلبہ ہو ۔ (اور جہاں حرام کو غلبہ ہو وہاں یہ قاعدہ نہیں) خوب سمجھ لو ۔ مگر جو شخص اپنے دین کو بچانا چاہے گا وہ تو ہر حال میں تفتیش کرے گا ۔

اور عزیز من ! حرام اور مشتبہ چیزوں کے کھانے کی ایک علامت یہ ہے کہ تم نشہ پینے والوں کی طرح (مدہوش بن کر) سویا کرو اور (سوتے ہوئے) جو خوابیں نظر آئیں جاگنے کے بعد پوری طرح تم کو یاد نہ رہیں ۔ اور نیند سے اٹھنے کے بعد جو کچھ دیر تک نشہ پینے والے کی طرح مبہوت بنے بیٹھے رہو بخلاف حلال کھانے والے کے وہ سوکر اس طرح جاگتا ہے گویا سویا ہی نہ تھا ۔

اور ہمارے اس دعوے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو سود کھانے والوں کے بارے میں وارد ہوا ہے ﴿**الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس**﴾[1] ترجمہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ بالکل ایسے اٹھیں گے جیسا آسیب زدہ آدمی اٹھتا ہے جس کو شیطان نے مخبوط الحواس بنا دیا ہو ۔ پس اگر تم کو کھانے سے پہلے اپنے غذا کا حلال ہونا معلوم نہ ہو سکے تو کھانے کے بعد اس علامت سے (کام لو اور جانچو اور اس سے) غفلت نہ کرو ۔

اور سلف صالحین کا تو یہ طریقہ تھا کہ جب تک کھانے کے متعلق دس پشتوں تک تفتیش نہ کرلیتے اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاتے اب تو اپنے زمانہ کو (دیکھ لے اور اس کی حالت) پہچان لے ۔ اے جانوروں کی طرح چرنے والے !۔

اور جب شیخ العرب ابن بغداد نے میری خانقاہ کیلئے (بطور لنگر کے) روٹی مقرر کی تو میں نے انکار کردیا جس سے ہمارے بعض حاجتمند دوستوں کو رنج ہوا تو میں نے ان کو (اس روٹی کے لینے کی) اجازت دے دی ۔ اس کے بعد میں نے خواب میں اپنے دوستوں میں سے بعض فقراء کاملین کو دیکھا کہ یوں فرمارہے ہیں کہ ہم کو ابن بغداد کی روٹی کا تمہاری خانقاہ میں آنا بہت ناگوار ہوا ، یہ کہکر انہوں نے میرے منہ پر تھوک دیا ۔ اب ہم اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) البقرۃ /۲۷۵ ۔

درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فضل وکرم کے ساتھ اس مبارک عمر کے بقیہ حصہ کا انجام بخیر فرمائے۔آمین۔آمین۔آمین۔

ف: – غذائے حلال کیلئے سعی کرنا طریقت کا پہلا قدم ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ صوفیہ متقدمین نے جو اس میں مبالغہ کیا ہے وہ بھی افراط سے پاک نہیں۔بس ضرورت اس کی ہے کہ فتوی شرعی کے موافق جو حلال ہو اس کو حلال سمجھے اور جس میں شبہ ہو یا حرام ہو اس سے پرہیز کرے۔باقی تدقیقات جو صوفیہ کی کتابوں میں مذکور ہیں ان پر چلنا آج کل آسان نہیں اور پہلے زمانہ میں بھی ہر شخص کو آسان نہ تھا، اسی لئے حضرات صحابہ وتابعین سے یہ تدقیقات منقول نہیں، کیونکہ دین میں تنگی نہیں۔

اور اس مقام پر جو علامت غذائے حلال وحرام کی علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے اگر وہ اس کو اپنے مشاہدہ یا تجربہ یا کشف پر مبنی کرتے تو اس میں گفتگو کی ہم کو ضرورت نہ تھی، مگر وہ اس کی دلیل میں آیت قرآنیہ پیش فرمارہے ہیں، اس لئے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ آیت اس باب میں نص نہیں ہے، کیونکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں قیام سے مراد قیام یوم الحشر ہے یعنی حرام کھانے والے قیامت کے دن قبروں سے ایسے مخبوط الحواس اٹھیں گے جیسا آسیب زدہ اٹھا کرتا ہے'' **فقد اخرج الطبرانی عن عوف بن مالک مرفوعاً "من اکل الربا بعث یوم القیٰمۃ مجنونا یتخبط" ثم قرأ الآیۃ انتھی کذا فی روح المعانی"**۔ترجمہ: طبرانی نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ربا (سود) کھائے گا وہ قیامت کے دن مجنون مخبوط الحواس ہو کر اٹھے گا'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔اھ۔

اللھم الا ان یقال بان العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص المورد والآیۃ تعم القیام من النوم ومن القبر کلیھما فلیتأمل ھذا وقد رأیت سید المولی خلیل احمد قدس اللہ سرہ کان یقوم من النوم کأنہ لم ینم، ما رأینا علی وجھہ وعینیہ اثر النوم قط، فکان یقوم من اللیل کأنہ یقظان ومع ذلک کان نومہ ویقظتہ باختیارہ غالباً ینام متی شاء ویستیقظ متی اراد الا نادرا. وذلک فضل اللہ یؤتیہ

من یشاء واللہ واسع علیم۔ مترجم

جو ہم پر ظلم کریں اس پر بد دعا کبھی نہ کریں

(۳۱۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جو ہم پر ظلم کرے اس پر بد دعا کبھی نہ کریں اور کبھی یوں نہ کہیں کہ اے اللہ! جو ہمارے ساتھ (بری) تدبیر کرے تو اس کے ساتھ بری تدبیر کر اور جو ہم پر ظلم کرے اس کو پکڑ لے وغیرہ وغیرہ، بلکہ ہم کو اپنے نفس کی طرف رجوع کر کے غور کرنا چاہئے اور وہ سبب معلوم کرنا چاہئے جس کی وجہ سے اس ظالم کو ہمارے اوپر دسترس ہوگئی (یقیناً ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے جس کی سزا میں ظالم کو ہم پر مسلط کیا گیا ہے) تو اس سے ہم کو توبہ استغفار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اور اگر ہم کو توبہ (کاملہ) میسر نہ ہو تو صبر کریں اور ثواب کے امید وار رہیں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ قریش کیلئے ہلاکت (و بربادی) کی بد دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین ﴾[1] ترجمہ: اور ہم نے تو آپ کو تمام جہاں والوں کیلئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ تو آپ اللہ تعالیٰ سے شرما گئے اور قریش پر بد دعا کرنا چھوڑ دی اور ان کیلئے ہدایت کی دعا کرنے لگے۔

عزیز من! اور یہ بھی سمجھ لو کہ عارف کی شان تو یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے کو ایسا سمجھے کہ زمین میں دھنسا دیئے جانے کے لائق ہے، اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں اور یہ سمجھے کہ جتنی بلائیں اور مصیبتیں اس پر آتی ہیں یہ اس سزا سے بہت کم ہیں جس کا یہ مستحق ہے اور دنیا کے تمام ظالموں کو ایسا سمجھے جیسا جہنم کے داروغہ فرشتے۔ بس فرق اتنا ہے کہ یہ ظالم تو نہی کے تحت میں ہیں اور جہنم کے داروغہ فرشتے امر کے تحت ہیں (یعنی یہ ظالم ظلم کے مامور نہیں، بلکہ ظلم سے ان کو منع کیا گیا ہے اور جہنم کے فرشتے عذاب کے لئے مامور ہیں، مگر ہیں دونوں خدا کی طرف سے مسلط بدون خدا تعالیٰ کے مسلط کئے نہ یہ ظالم کسی پر ظلم کر سکتے ہیں نہ جہنم کے فرشتے کسی کو عذاب کر سکتے ہیں)

اور ہر عارف اس بات کو جانتا ہے کہ ارادۂ خداوندی ٹل نہیں سکتا کسی کی یہ مجال نہیں کہ ارادۂ خداوندی کی مخالفت کر سکے کیونکہ ارادۂ الٰہیہ کی سلطنت بہت زبردست ہے بخلاف امر

(۱) الانبیاء ر۱۰۷۔

الٰہی کے کہ اس کی مخالفت بندہ سے ہو سکتی ہے (چنانچہ کفار اور ظالم اور فساق امر الٰہی کی رات دن مخالفت کرتے ہیں ، مگر ارادہ اور مشیت کی مخالفت کوئی نہیں کر سکتا ۱۲) خوب سمجھ لو۔

اور اسی بات کے مشاہدہ کا یہ نتیجہ ہے کہ عارفین ان لوگوں سے بہت کم مکدر ہوتے ہیں جو ان پر ظلم کرے یا ان کو ستائے کیونکہ ان کے نزدیک ظالم کا درجہ اس تازیانہ کے برابر ہے جس سے مارا پیٹا جاتا ہے۔ اب جو شخص تازیانہ پر غصہ کرے تو حقیقت میں وہ مارنے والے پر غصہ ظاہر کر رہا ہے نہ کہ تازیانہ پر۔ پس جو شخص تازیانہ پر اپنے دل کا غیظ وغضب اتارے وہ کمال عقل سے دور ہے۔ والسلام۔

اور غور تو کرو کہ جو شخص عدالت حاکم میں قتل کا مستحق قرار پا چکا ہے ، اگر اس کی گردن پر دھول مار کر چھوڑ دیا جائے تو اس کو دھول کھانے میں کیسا مزا آتا ہے کیونکہ وہ قتل کی تکلیف سے خوب واقف ہے اگر اس کو قتل کی تکلیف کا مشاہدہ نہ ہوتا تو گردن پر دھول پڑنے میں (اس کو کبھی مزہ نہ آتا ، بلکہ اس سے) بھی تکلیف ہوتی ۔ خوب سمجھ لو۔

ف :- مطلب یہ ہے کہ ہم کو دنیا کی مصائب وآلام سے کلفت اسلئے ہوتی ہے کہ ہم کو عذاب جہنم کی خبر نہیں یا ہم نے اپنے کو جہنم سے آزاد سمجھ لیا ہے۔ اگر ایسا نہ سمجھتے اور جہنم کے عذاب سے خبر دار ہوتے جس کا طریقہ قرآن وحدیث میں آیات عذاب اور جہنم کے احوال کا مطالعہ ہے تو ہم کو دنیا کے مصائب میں تکلیف نہ ہوتی ، بلکہ ایسا مزہ آتا جیسا اس مجرم کو مزا آتا ہے جس کے لئے پھانسی یا قتل کا حکم ہو چکا تھا ، مگر بعد میں حاکم نے اس حکم کو منسوخ کر کے یہ کہدیا کہ اس کی گردن پر دس پندرہ دھول مار کر چھوڑ دو یقیناً اس وقت اس شخص کو دھول کھانے سے کچھ تکلیف نہ ہوگی ، بلکہ خوش ہوگا کہ جان بچی لاکھوں پائے پھانسی کی بلا دھول پر ہی ٹلی۔

تو جو شخص اپنے کو بوجہ اپنی کرتوتوں کے عذاب جہنم کے لائق سمجھتا ہو اور جہنم کے عذاب سے واقف بھی ہو وہ دنیا کی مصائب وبلیات سے خوش ہوگا کہ چلو اللہ میاں نے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں لے لیا جہنم کے عذاب سے تو بچے کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ''مومن کیلئے دنیا کی تمام مصائب کفارۂ عذاب جہنم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جہنم سے آزاد کرنا چاہتے

ہیں اس کو دنیا میں گرفتار مصائب کر دیتے ہیں [1]۔ اور بعضوں کو ویسے بھی آزاد کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا مزید فضل وانعام ہے۔ مگر جس کو دنیا میں تکالیف دے کر ہی جہنم سے آزاد کیا جائے وہ بھی بڑے مزہ میں ہے اور اس کی بالکل وہی مثال ہے جو اوپر گذری۔ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے تو دنیا کی تمام مصائب کا تحمل آسان ہو جائے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں مصیبت کا طالب بن جائے اور اس کے لئے دعا کیا کرے کیونکہ اس سے بھی ممانعت ہے جس کی وجہ پہلے معلوم ہو چکی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت میں مبتلا ہو جائے وہ اس حقیقت سے اپنے نفس کو تسلی دے اور ظالموں کیلئے بددعا نہ کرے ۱۲ مترجم۔

امت محمدیہ کے بدکاروں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ کریں

(۳۱۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس امت محمدیہ کے بدکاروں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ کریں اور ان کے نفس سے بھی زیادہ ان کی جانوں پر رحم کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی میراث یہی (شفقت) ہے۔ اور اکابر اولیاء رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "**الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء**" [2] رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے تم ان لوگوں پر رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اور عارفین کا قول ہے کہ جو شخص مخلوق کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھے گا وہ ان پر رحم کریگا اور جو شریعت کی آنکھ سے دیکھے گا ان پر غصہ کریگا اور حقیقت کی آنکھ سے دیکھنا یہ ہے کہ تم کو یہ بات منکشف ہو جائے کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اندر گناہ پیدا کرتے رہیں گے اس وقت تک یہ گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثم تاب

---

(۱)

(۲) ترمذی ص ۱۴ ج ۲ ابواب البر باب ماجاء فی رحمۃ الناس۔ ۱۲ مرتب

علیھم لیتوبوا﴾[1] پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی تا کہ وہ توبہ کرلیں۔ (پس توبہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی توجہ وعنایت سے ہی ہوتی ہے۱۲)

تو جب اللہ تعالیٰ ان کے اندر گناہوں کا پیدا کرنا بند کردیں گے لامحالہ وہ توبہ کرلیں گے، بلکہ (اب تو) اگر بالفرض وہ گناہوں کا ارادہ بھی کرلیں تو وہ اسباب ہی نہ پائیں گے جن سے گناہ کا ارتکاب کرسکیں۔ یہ شرح ہے صوفیہ کے اس قول کی کہ جو شخص مخلوق کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھے گا وہ ان پر رحم کرے گا۔

پھر (اس کے ساتھ) یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کو شریعت کی آنکھ سے بھی دیکھا جائے (اور برا کام کرنے والوں پر غیظ وغضب وملامت کا اظہار کیا جائے) تا کہ ان کو تنبیہ ہو اور ان پر حدود وتعزیرات جاری کیجائیں (تا کہ نظام عالم قائم رہے) اور اس کا انجام بھی مخلوق کے حق میں رحمت ہی ہے، کیونکہ یہ حدود وتعزیرات ان کی طہارت (ظاہر وباطن) کا سبب ہیں (سزا دینے سے مجرم کو دنیا میں تہذیب سکھائی جاتی ہے اور آخرت میں اس کو گناہ کی ناپاکی سے خلاصی ہوتی ہے۱۲)۔

خوب سمجھ لو کہ شریعت کا مرجع بھی اس امت کے گنہگاروں کے ساتھ رحمت ہی کی طرف ہے جیسا حقیقت کا مرجع رحمت کی طرف تھا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

ف:- حقیقت کی نظر صرف وجود حق پر ہوتی ہے بندہ کے وجود پر نہیں ہوتی اور شریعت کی نظر فعل مکلّف پر ہے۔ پس محقق وہ ہے جو حقیقت اور شریعت دونوں کا جامع ہو ورنہ جو شخص محض حقیقت کی آنکھ رکھتا ہو شریعت کی آنکھ نہ رکھتا ہو وہ عالم میں فساد برپا کردے گا۔

سر پنہاں ست اندر زیر وبم
فاش اگر گویم جہاں برہم زنم[2]

اور جو صرف شریعت کی آنکھ رکھتا ہو حقیقت سے محروم ہو وہ عالم میں تو نظام قائم رکھے گا

---

(۱) توبہ /۱۱۸۔
(۲) میرے سینے میں راز مخفی ہے کہ اگر اس کا افشاں کردوں تو ساری دنیا درہم برہم ہوجائے (دنیا والے حیران ہوجائیں) ۱۲ مرتب

مگر خود تکبر وغیرہ میں بعض دفعہ مبتلا ہو کر اپنے کو برباد کر لیتا ہے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ السلامة واتباع الشريعة المطهرة بالخصوص وجعلنا من الفائزين بدرجات الكرامة آمین۔۱۲ مترجم۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے اعمال صالحہ کثرت سے کیا کریں، مگران پر بھروسہ نہ کریں

(۳۱۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبودیت کیلئے اعمال صالحہ کثرت سے کیا کریں، مگران پر بھروسہ نہ کریں کہ بھروسہ اللہ کے سوا کسی پر مناسب نہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جنت میں کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے داخل نہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور نہ آپ؟ فرمایا ہاں میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے[1] (تو جب حضور ﷺ کو بھی اپنے اعمال پر بھروسہ نہ تھا تو اب کس کا منہ ہے کہ اپنے نیک کاموں پر بھروسہ کرے ۱۲) سلف صالح رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا (کہ کام بہت کرتے تھے، مگر اس پر بھروسہ نہ کرتے تھے)

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اعمال صالحہ کی کثرت میں پوری کوشش کرو، کیونکہ شاید اس زمانہ میں ہمارے سارے اعمال صالحہ کا ثواب مل کر سلف صالح کی ایک نماز کے برابر بھی نہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اولیاء کرام میں سے ایک جماعت جس کا لقب ملامتیہ ہے تقلیل نوافل کی طرف مائل ہے تاکہ ان کے دل پر یہ خطرہ نہ آسکے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عذاب نہیں دیں گے کیونکہ ہم نے فرائض کو بھی ادا کیا اور اس سے زیادہ بھی کام کیا ہے اس لئے یہ حضرات فرائض وواجبات اور سنن موکدہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں، مگر یہ معدودے چند افراد ہیں جن کی اقتدا نہیں کی جاسکتی (اقتدا جمہور اولیاء کی کیجائے گی جن کا مسلک یہی ہے کہ عبادات نافلہ میں خوب کوشش کی جائے ۱۲) پس ہم ملامتیہ کے حال کو تسلیم کرتے ہیں (ان کے حال پر انکار نہیں

---

(۱) دیکھیں تاریخ بغداد للخطیب ص ۵۸ ج ۷-۱۲ مرتب عفی عنہ

کرتے کیونکہ احوال غیر اختیاری امور ہیں) اور دین کا شعار ان کے سوا دوسرے لوگوں سے قائم ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ف:- شیخ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ شعار دین کثرت عبادت ہی سے قائم ہوتا ہے۔ پس ملامتیہ کا حال ان کے حق میں تو حجت ہوسکتا ہے دوسروں پر حجت نہیں، دوسروں کو تکثیر نوافل وعبادات میں جمہور صوفیہ کا اتباع کرنا چاہئے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اگر کسی شخص میں تکثیر نوافل وزیادت مجاہدات سے عجب پیدا ہونے لگے تو شیخ محقق اس کو تکثیر عبادت ومجاہدہ سے ضرور روک دے گا۔ پس میرے خیال میں ملامتیہ کا قول اسی خاص حالت پر محمول ہے۔ عام قاعدہ نہیں ہے۔

کبھی کبھی عمدہ لذیذ غذائیں کھا کر اور نفیس کپڑے پہن کر اپنے نفس کا علاج کیا کریں

(۳۱۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کبھی کبھی عمدہ لذیذ غذائیں کھا کر اور نفیس کپڑے پہن کر اپنے نفس کا علاج کیا کریں بشرطیکہ حلال طریقہ سے میسر ہوسکیں ورنہ حرام اور مشتبہ غذا یا لباس میں توسع کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ واللہ علیم حکیم

ف:- عمدہ لباس اور لذیذ غذا سے نفس کا علاج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کثرت مجاہدات اور زیادت طاعات سے نفس میں عجب پیدا ہونے لگے یا قبض طاری ہوجائے۔ اس وقت اچھا کھانا اور اچھا کپڑا پہننا اور دوستوں سے ملنا جلنا، ہنسی دل لگی کرنا نافع ہوتا ہے۔ سالک کو چاہئے کہ اس وقت اپنی حالت کو شیخ محقق سے عرض کرے وہ اس کا کافی علاج کرے گا۔

جب ہم حسن وجمال والی عورت سے نکاح کریں تو اس سے مقصود صرف لذت جماع نہ ہونا چاہئے

(۳۱۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کسی بے نظیر حسن وجمال والی عورت سے نکاح کریں یا غایت درجہ خوبصورت باندی خریدیں تو اس سے مقصود صرف لذت جماع نہ ہونا

چاہئے، بلکہ اپنی ہمت کو بلند کر کے اس خالق حکیم کے مشاہدۂ جمال کا قصد کریں جس نے ایسے ایسے حسین وجمیل آدمی پیدا کئے ہیں سبحانہ وتعالیٰ ﴿فتبارک اللہ احسن الخالقین﴾[1] اس وقت ہم کو اپنی بیوی اور باندی سے ایسی لذت حاصل ہوگی جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس عہد کا منشا یہ ہے کہ ہم تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی معیت سے مشرف رہیں اور کوئی حجاب ہمارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان حائل نہ ہو اور عالم وجود میں ہم جس چیز سے بھی محبت کریں محض اللہ کے لئے کریں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ہم کو باوجود مشاہدہ جمال صانع سے غفلت کے بھی بیوی باندی کے جماع میں بہت کچھ لذت حاصل ہو جاتی ہے تو اس وقت لذت کو شکر کی طرف پلٹ دینا چاہئے۔ (یعنی اس لذت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس لذت کو طاعت وثواب کی طرف لوٹا دینا چاہئے) کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر[2] لذت زیادہ ہوتی ہے شکر بھی زیادہ ہوتا ہے اور جس کو یہ ذوق حاصل ہو وہ اگر کسی خوبصورت عورت سے بہت زیادہ مہر بڑھا کر نکاح کرے یا خوبصورت باندی بہت زیادہ دام خرچ کر کے خریدے تو اس پر کوئی ملامت نہیں، بلکہ وہ تو اس کا مامور ہوگا، کیونکہ جب وہ اپنی خوبصورت بیوی یا باندی کی سیاہ آنکھوں پر نظر ڈالتا ہے اور اس کی لمبی لمبی پلکیں اور لبوں اور رخساروں کی سرخی اور قد کی خوبصورتی دیکھتا ہے تو دل سے اللہ تعالیٰ کا ایسا شکر کرتا ہے کہ اس کے خلاف بدصورت عورت کو دیکھ کر ویسا شکر نہیں کر سکتا۔ اور اس عہد پر عمل وہی شخص کر سکتا ہے جو شہوت بہیمیہ سے نکل چکا ہو۔ واللہ علیم خبیر۔

ف ۱: - بعض عارفین کا مذاق یہ ہے کہ وہ لذائذ میں اس لئے مشغول ہوتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر زیادہ کریں، اسی لئے وہ عمدہ لباس پہنتے، عمدہ غذائیں کھاتے اور ٹھنڈا پانی پیتے اور خوبصورت عورتوں سے نکاح کرتے اور حسین جمیل باندیاں اپنے پاس رکھتے

---

(۱) المؤمنون ر۱۴۔

(۲) ہمارے حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ ٹھنڈا پانی پی کر ہر بن مو سے الحمدللہ نکلتا ہے اور گرم پانی پی کر زبان تو شکر کرتی ہے، مگر دل ساتھ نہیں دیتا، اس لئے بعض عارفین زیادت شکر کے لئے لذائذ میں مشغول ہوتے ہیں ۱۲۔ مترجم

ہیں، مگر پرکھنے والا پرکھ لیتا ہے کہ کون زیادہ شکر کرنے کیلئے ایسا کرتا ہے اور کون نفس پروری کیلئے۔ زبان سے دعویٰ کر دینا ہر ایک کو آسان ہے، مگر امتحان کی کسوٹی پر ٹھیک اترنا ہر ایک کا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ سے معاملہ ہے، اس لئے لذائذ میں مشغول ہونے کی اسی کو اجازت ہے جو نفسانیت اور بہیمیت سے پاک ہو چکا ہو۔

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا
واحد دیدن بود نہ واحد گفتن [۱]

ف۲:- مشاہدۂ جمال صانع کیلئے حرام محل اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ حرام میں مشاہدہ جمال صانع ہوتا ہی نہیں وہاں محض نفسانیت اور بہیمیت ہی ہوتی ہے۔ پس جو لوگ امردوں اور نامحرم عورتوں کو گھورتے اور مشاہدۂ جمال حق کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان میں مشاہدۂ جمال حق ہوسکتا تو شارع ان پر نظر کرنے کی ضرور اجازت دیدیتا اور اگر فرض کرلیا جائے کہ ان میں بھی کسی کو مشاہدۂ جمال صانع ہوسکتا ہے جب بھی اس کو نامحرم عورتوں اور امردوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو اس آئینہ میں سے اپنا جمال دیکھنا پسند نہیں، بلکہ وہ اس سے منع فرماتے ہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ان کے ناپسند کردہ آئینہ میں سے ان کے جمال کو دیکھیں، بلکہ ہم کو وہ آئینہ تلاش کرنا چاہئے جس میں سے وہ اپنے جمال کے دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

اگر کسی کو حلال عورت میسر نہ ہو تو وہ خوشنما درختوں اور پھولوں میں غور کرے، آسمان کی عجائبات کا مشاہدہ کرے [۲] **ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار**

---

(۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (کے متعلق) اپنی لفاظی سے دھوکہ مت کھا (کہ میں بڑا موحد ہوں)، کیونکہ وحدانیت اللہ کو ایک سمجھنا ہے نہ کہ صرف اللہ کو ایک کہنا۔ ۱۲ مرتب

(۲) ترجمہ: بیشک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے سب عیبوں سے سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے (آل عمران/۱۹۰)۔ ۱۲ مرتب

لآیات لا ولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا، سبحنک فقنا عذاب النار.

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار (۱)
محقق ہماں بیند اندر ابل
کہ درخوبرویاں چین وچگل (۲)

رات کے وقت بالخصوص آسمان کی عجائبات کا تنہا مشاہدہ کرنا اور تاروں کی جگمگاہٹ وغیرہ کا دیکھنا مشاہدۂ جمال حق میں بہت زیادہ معین ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ مترجم۔

اپنے ایمان کے آئینہ کی جلا میں کوشش کریں

(۳۱۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ایمان کے آئینہ کی جلا میں اور میل کچیل سے صاف کرنے میں اتنی کوشش کریں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے اسی کو ہم بھی مقدم کریں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے موخر کیا ہے اسی کو ہم بھی موخر کریں۔ اور اس کا معیار جس سے کمال ایمان کا حاصل ہونا واضح ہوجائے یہ ہے کہ انسان پر ایک تسبیح، ایک تحمید، ایک تہلیل، ایک تکبیر کے فوت ہونے کا اثر اپنے بیٹے کی موت یا مال کے ہلاک ہوجانے کے اثر سے زیادہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مال اور اولاد حیوۃ دنیا کی رونق ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب اور امید کے اعتبار سے بہت زیادہ بہتر ہیں۔ پس جس شخص پر اپنے بیٹے کی موت یا مال کے زوال کا اثر (اعمال صالحہ کے فوت سے) زیادہ ہو اس کے لئے یہ درجہ (کمال ایمان کا) حاصل نہیں ہے اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) عقل مند کی نظر میں سرسبز درختوں کا ہر پتہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی ضخیم کتاب ہے۔ ۱۲ م
(۲) محقق اونٹ کے اندر بھی وہی کچھ دیکھ لیتا ہے جو وہ چین اور چگل کی نازنینوں میں دیکھتا ہے۔ ۱۲ مرتب

استغفار کرے اور اپنے آئینہ ایمان کی جلا میں کوشش بلیغ کرے۔ واللہ غفور رحیم۔

ف :- اس کتاب میں یہی عہد بہت زبردست ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب دوستوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ جو لوگ تہجد اور ذکر شغل ہی سے اپنی بزرگی کے معتقد ہو جاتے ہیں ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں؟ بس انسان کو چاہئے کہ دعویٰ کسی حال میں نہ کرے اور ہمیشہ استغفار و توبہ میں مشغول رہے۔ اے اللہ! رحم فرما اور شمہ اپنی محبت کا عطا فرما۔ ع

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست
جز حرفِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست [1]

۱۲ مترجم

جب اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہم کو بعض اسرار پر مطلع فرمادیں تو ان کو ظاہر نہ کریں

(۳۱۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی ولطف سے ہم کو بعض اسرار پر مطلع فرمادیں تو ان کو (پوری طرح) چھپائیں اور مجمع میں کچھ بھی ظاہر نہ کریں، کیونکہ افشاء اسرار دربار الٰہی سے مطرود ہونے کا اور مرید کیلئے دروازہ بند کردیئے جانے کا سبب ہے۔ کوئی شخص اپنے لئے کسی ایسے مقام کا دعویٰ کرے جس تک اس کا وصول نہیں ہوا تو اس دعوے کی سزا یہ ہے کہ اس مقام تک وصول سے محروم کردیا جاتا ہے (اسی طرح اسرار کا ظاہر کرنا فتوح روحانی کا دروازہ بند کردیتا ہے۱۲)

اور اگر اس راز کا ظاہر کرنا ہی ضروری ہوتا کہ اس سے علم ادب حاصل کیا جائے تو یوں کہنا چاہئے کہ ''میں نے بعض اولیاء یا بعض فقراء کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے'' اور اس طریقہ سے کہنا چاہئے کہ حاضرین میں سے کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ شیخ خود اپنا قول بیان فرمارہے ہیں،

---

(۱) ترجمہ: دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتا ہے وہ عمر کا ضائع کرنا ہے۔ محبت الٰہی کی تعلیم کے سوا جو کچھ پڑھتا ہے وہ بیکار ہے۔ ۱۲ مرتب

مگر توریہ کرتے ہیں۔

اور یہ عہد اس کتاب کے تمام عہود میں زیادہ مؤکد (اور واجب العمل) ہے اور اس پر عمل نہ کرنا حرام اور سخت حرام ہے، کیونکہ اس میں تقدیر کے راز کو ظاہر کرنا ہے جو دنیا میں ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں، بلکہ یہ گناہ فقراء کے ان تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے جو ان کے درجہ کے لائق ہیں اور نیک لوگوں کے بعض حسنات بھی مقربین کیلئے سیئات ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف:- اسرار دو قسم کے ہیں ایک وہ جو علوم معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً شیخ کو کسی شخص کیلئے تربیت باطن کا خاص طریقہ الہام کیا جائے یا حدیث وقرآن سے تربیت کا کوئی خاص طریقہ اس کی سمجھ میں ایسا آوے جو دوسروں نے نہیں سمجھا یا قرآن وحدیث کی کوئی خاص تفسیر اس کے دل میں القاء ہو جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو ان کے اظہار کا مضائقہ نہیں جبکہ اظہار میں مصلحت شرعیہ ہو۔

اور دوسرے وہ اسرار ہیں جو تکوین کے متعلق ہیں مثلاً کسی شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ اچھا نہ ہوگا یا اس کی تقدیر میں کفر ہے وغیرہ وغیرہ ان امور کا ظاہر کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ تقدیر کے اسرار ہیں۔ اور بعض بزرگوں سے جو ایسا اظہار منقول ہے وہ غلبۂ حال پر محمول ہے جس میں وہ معذور تھے قصداً ایسے اسرار کے اظہار پر جرأت نہ کرنا چاہئے۔

اسی طرح اسماء وصفات الٰہیہ کے متعلق جو اسرار معلوم ہوں ان کو بھی ظاہر نہ کرنا چاہئے۔

اور جو امور تکوینیہ کسی خاص شخص کے متعلق نہ ہوں، بلکہ عام مخلوق سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً حکومت کا انقلاب یا قحط کا آنا یا کسی وبا کا نازل ہونا وغیرہ ان کے اظہار کی اس شخص کو اجازت ہے جس کے متعلق خدمت تکوین ہو اور جس کے متعلق یہ خدمت نہ ہو اس کو عام مجمع میں اظہار نہ کرنا چاہئے، ہاں خواص کو مطلع کر دینے کا مضائقہ نہیں جب کہ اس کو اپنے کشف والہام کی صحت کا پورا تجربہ ہو۔ **ھذا ما فھمته من عمل الاکابر من القوم واللہ تعالیٰ اعلم.**

ہم نے اپنے اکابر کو اسی قدم پر دیکھا ہے کہ وہ اسرار کونیہ واسرار ذات وصفات کو بالکل

ظاہر نہ کرتے تھے ہاں جن کے سپرد خدمت تکوینی ہوتی تھی وہ غلبۂ حال میں ایسے اسرار عامہ کو ظاہر کردیا کرتے تھے ۱۲ مترجم۔

جب اپنے شیخ کو اس کے درجہ سے گرا ہوا دیکھیں تو شیخ سے اپنی عقیدت کو نہ بدلیں

(۳۱۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب اپنے شیخ کو اس کے درجہ (اور مقام عالی) سے گرا ہوا دیکھیں مثلاً اخیر شب میں بہت سونے لگا ہو یا ورع اور تقویٰ میں کمی کرنے لگا ہو وغیرہ وغیرہ تو شیخ سے اپنی عقیدت کو نہ بدلیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ ولی کو غفلت وسہو کی حالت میں بتلائے تقصیر کردیتے ہیں، پھر اس کو غفلت سے بیداری عطا فرماتے ہیں تو اس کو اپنے ان افعال پر تنبیہ ہوتا ہے جو غفلت کے زمانہ میں اس سے صادر ہوئے ہیں اس وقت وہ اس کا ایسا مناسب تدارک کرتا ہے جس سے ساری کمی پوری ہوجاتی ہے۔

اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مریدوں کی تربیت ہوتی ہیں تاکہ وہ اپنے شیخ کے تنزل اور اس کے تدارک کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ زلات اور لغزشوں کے بھنور سے نکلنے کا یہ طریقہ ہے، پھر اگر ان کو کبھی ایسا واقعہ پیش آئے گا جیسا شیخ کو پیش آیا ہے تو وہ بصیرت کے ساتھ اس کا تدارک کرسکیں گے کیونکہ تمام مشائخ کو مقام "انما أنسی لیسن بی [1]" کی ہوا ضرور لگتی ہے۔ (یعنی ہر شیخ کو وہ عوارض ضرور پیش آتے ہیں جن سے اس کے معمولات سابقہ میں خلل واقع ہوجائے تاکہ مریدوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ خلل کا تدارک کس طرح کرنا چاہئے اگر مشائخ پر ایسے حالات وعوارض نہ گذریں تو نہ وہ خود ان کا علاج پوری طرح بتلاسکیں اور نہ مریدوں کو تجربہ حاصل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲)

اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو نقائص وزلات میں مبتلا کرکے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ رضا بالقضاء کے مقام میں صادق ہے یا ناقص ہے (اب اگر ولی کا معاملہ خدا تعالیٰ کے

---

(۱) ترجمہ ''میں بھولتا نہیں ہوں، بلکہ بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ میرے ذریعہ سے بھول چوک کے احکام مقرر کردیئے جائیں'' یہ ایک حدیث کا جزو ہے جس کو امام مالک نے بلاغاً مؤطا میں روایت کیا ہے ۱۲ مترجم۔

ساتھ حالت ناقصہ میں بھی وہی رہا جو حالت کاملہ میں تھا اور وہ اس تغیر وتبدل پر راضی رہا تو معلوم ہوگا کہ رضا بالقضا میں کامل ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے دل میں شکایت پیدا ہوئی کہ میرے احوال واعمال کیوں سلب کئے گئے تو معلوم ہوگا کہ مقام رضا میں ناقص ہے۱۲)

پس اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو تغیر احوال سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہے یا جھوٹا تا کہ (شق اول پر) شکر خداوندی بجالائیں یا (شق ثانی پر) استغفار کریں جب ان کو غفلت سے بیداری نصیب ہو۔ پس شیخ کے نقص اور تنزل کی حالت میں ہم کو کچھ نہیں معلوم ہوسکتا کہ مشیت الٰہی اس کے متعلق کیا ہے، کیونکہ اس کا علم تو انجام کے دیکھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

پس ہم کو یہ نہ چاہئے کہ کسی شخص کے نقص وتنزل کے ساتھ ہی اپنا اعتقاد اس سے بدل دیں، بلکہ اس حالت کا انجام دیکھنے تک برابر ہم کو اپنے اعتقاد پر جما رہنا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے وہ ان اولیاء کاملین میں سے ہو جن کو نقص وتنزل میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ ان کے کمال رضا بالقدر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنے اس مقام پر مطلع ہو کر پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر کریں۔

صوفیہ کا مقولہ ہے ''زلات المقربین رفعة لمقامهم'' مقربین کی لغزشیں رفع درجات کیلئے ہوتی ہیں اور اس کی دلیل میں انہوں نے (حضرت آدم علیہ السلام کا) واقعہ درخت ممنوع کھانے کا بیان کیا ہے کہ اس کے بعد اجتباء واصطفاء واقع ہوا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو اپنا برگزیدہ اور محبوب بنالیا) عزیز من! پس ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اپنے شیخ کی حالت کو اپنے حال پر قیاس کرنے لگو ورنہ برباد ہو جاؤ گے ''ولا ینبئک مثل خبیر'' واللہ تعالیٰ اعلم.

ف: – اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ حضرات انبیاء سے تو معصیت کا صدور نہیں ہوسکتا یعنی عادۃً ممتنع ہے اور اولیاء سے ہوسکتا ہے یعنی عادۃً وعقلاً ممکن ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ اولیاء کاملین محفوظ ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہوں کا صادر ہونا دشوار ہوجاتا ہے کیونکہ ان کا نفس ''مطمئنہ'' ہو چکا جس کو طاعت ہی میں چین ملتا

ہے۔ معصیت سے ان کے نفس کو ویسے ہی کلفت ہوتی ہے جیسے عام لوگوں کو تلوار کے زخم سے تکلیف ہوتی ہے۔

مگر کبھی اللہ تعالیٰ لوگوں کو یہ بات دکھلانے کیلئے کہ یہ شخص ولی ہے پیغمبر یا رسول نہیں ہے ان کے نفس کی یہ حالت سلب کر لیتے ہیں اس وقت ولی سے بھی ان گناہوں کا صدور ہو سکتا ہے جن کا عوام سے صدور ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے نفس پر سخت جبر کر کے معاصی سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، مگر اس کشاکشی میں پہلے معمولات میں کسی قدر خلل واقع ہو جانا یا پہلے جیسی احتیاط باقی نہ رہنا بہت ممکن ہے عام اصطلاح میں اس کو حالت قبض کہتے ہیں، مگر کاملین کی اسی حالت کو قبض سے بھی کچھ زیادہ کہنا چاہئے۔

بعض حضرات نے تو اس حالت میں جان دیدی ہے اس وقت ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں اس سے بدتر کوئی کافر یا کتا اور سور بھی نہیں ہے۔ عارف اس حالت میں بھی اپنے پروردگار سے راضی رہتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اگر آپ مجھ کو دوزخ کا کندہ بنانا چاہتے ہیں تو میں اس پر بھی راضی ہوں۔ میرا تعلق آپ کی ذات سے جنت یا مقامات عالیہ یا انوار لطائف وغیرہ کیلئے نہیں ہے، میں آپ کو اور صرف آپ کو چاہتا ہوں، میں صرف آپ کی رضا کا طالب ہوں، آپ راضی رہیں تو مجھے نہ جنت کی طلب نہ دوزخ سے انکار۔ ع

بے تو جنت دوزخ ست اے دلربا
باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا(۱)

کاملین کا قبض بھی بہت شدید ہوتا ہے اور اس وقت سنبھلنا انہی کا کام ہے ناقص ان کے زیادہ سونے، زیادہ کھانے اور پہلے جیسے معمولات نہ ادا کرنے پر اعتراض کرتا ہے اور بے خبر یہ نہیں دیکھتا کہ اس وقت اگر کوئی دوسرا ان کی جگہ ہوتا تو واجبات وفرائض کو بھی بالائے طاق رکھ دیتا، معاصی سے بھی اصلاً اجتناب نہ کرتا، پھر کامل کو قبض کے بعد بسط بھی قوی اور کامل نصیب ہوتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) ترجمہ: اے میرے دل ربا! تیرے بغیر تو جنت بھی جہنم ہے اور اے میرے محبوب! تیری معیت میں دوزخ بھی جنت ہے ۱۲ مرتب

یہی معیار ہے اس بات کا کہ یہ قبض تھا یا واقعی تنزل اور طرد تھا۔ قبض کے بعد بسط ضرور ہوتا ہے اور حالات سابقہ مع شیء زائد لوٹ آتے ہیں اور تنزل وطرد کے بعد پہلی حالت عود نہیں کرتی، بلکہ روز بروز حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ **اللھم انا نعوذبک من الحور بعد الکور واعمی بعد الھدی۔**

پڑوسی کو حکام کی گرفت سے بچانے کی تدبیر کیا کریں

(۳۱۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہمارا کوئی پڑوسی نہر کے کنارہ پر رہتا ہو اور نہر بند ہوگئی ہو یا اس کی صفائی کا حکم ہوا ہو اور ہمارا پڑوسی اپنے گھر کے نیچے سے نہر کا کوڑا کباڑ صاف نہ کرتا ہو یا تو افلاس کی وجہ سے (کہ اس کے پاس مزدور لگانے اور مزدوری دینے کی وسعت نہیں) یا بخل کی وجہ سے تو ہم حکام سے اس طرح گفتگو کریں کہ گویا یہ کوڑا کباڑ ہمارے گھر کا ہے، پڑوسی کے گھر کا نہیں ہے۔ پھر اس کے عوض ہم خود نہر کے اس حصہ کی صفائی کر دیں اور جب تک ہم اپنے ہمسایہ کو حکام کی سخت گیری اور دھمکیوں سے بچانے کی قدرت رکھتے ہوں اس وقت تک اس کا موقعہ نہ دیں کہ حاکم شہر کی جماعت ہمارے ہمسایہ کو (برا بھلا کہے یا) خوفزدہ کرے خصوصاً جب کہ ہمارے پڑوسی کے گھر میں کوئی بیمار یا زچہ ہو یا خوشی کی تقریب ہو یا قرضخواہ قرض کا مطالبہ کرر ہے ہوں اور وہ قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے گھر میں چھپا ہوا بیٹھا ہو (اس وقت اس کو حکام کی گرفت سے بچانا بہت ضروری ہے) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی (مسلمان) کی مدد میں لگا رہے۔

اور خوب سمجھ لو کہ اس عہد پر عمل کرنے کے سب سے زیادہ مستحق علماء[1] اور دیندار لوگ

---

(۱) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک شخص شرابی، کبابی رہتا تھا جس سے امام صاحب کو بہت تکلیف تھی، ہر رات اس کے یہاں مجلس شراب منعقد ہوتی اور سرور میں آ کر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔ ع

اضاعونی وای فتی اضاعوا ☆ لیوم کریھة وسداد ثغر

(ترجمہ: مجھے قوم نے چھوڑ دیا اور کیسے جوان کو ہاتھ سے دیدیا جو لڑائی کے دن اور سرحد کی حفاظت کے وقت کام آنے والا تھا)۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں (ان کو ضرور اس پر عمل کرنا چاہئے) کیونکہ تحصیل علوم و اخلاق کی وجہ سے ان کا درجہ دین میں بلند ہے۔ پس ایک عالم یا درویشوں کے اخلاق پر چلنے والے سالک کیلئے یہ بات نازیبا ہے کہ ظالموں کو اپنے ہمسایہ پر زبردستی کرنے اور اس کے نام وارنٹ جاری کرنے کا موقعہ دے باوجودیکہ یہ اس کو اس بلا سے چھڑانے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔ خوب سمجھ لو واللہ یتولی هداک

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ایک رات امام صاحب کو اس کی آواز سنائی نہ دی تو صبح کو دریافت فرمایا کہ رات ہم نے اپنے ہمسایہ کی آواز نہیں سنی کیا بات ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا حضرت خدا نے آپ کو اس کے شور وغل اور فتنہ وشر سے محفوظ کر دیا۔ رات اس کو پولیس والوں نے گاتے بجاتے دیکھ لیا اور قید کر کے لے گئے اب وہ جیل خانہ میں ہے۔ یہ سنتے ہی امام صاحب نے درباری لباس پہنا اور والی کے پاس پہونچے۔ والی نے غایت درجہ اکرام کیا اور پوچھا کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ مجھے حکم دیا ہوتا خود حاضر ہو جاتا فرمایا کہ میرے ہمسایہ کو پولیس نے رات گرفتار کر کے جیل خانہ میں بھیج دیا ہے، میں اس کی سفارش کو آیا ہوں۔ والی نے کہا حضرت وہ تو بڑا برا آدمی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کو اس سے بہت تکلیف پہونچتی ہے، پھر ایسے شخص کی آپ کیوں سفارش فرماتے ہیں؟ فرمایا: بہرحال میرا ہمسایہ ہے، اچھا یا برا، مجھے اس کی مدد کرنا لازم ہے۔ حاکم نے یہ جواب سن کر فوراً رہا کر دیا اور امام صاحب اپنے ساتھ ساتھ مکان تک لائے راستہ میں پوچھا کہ تم ہر رات کون سا شعر پڑھا کرتے تھے ذرا ہم کو بھی سناؤ، اس نے بیساختہ شعر مذکور پڑھا، امام صاحب نے فرمایا "ولکنا ما اضعناک" مگر ہم نے تم کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ یہ سنتے ہی وہ امام کے قدموں میں گر پڑا پھر مدت العمر برے کاموں کے پاس نہیں گیا، بلکہ امام صاحب کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگا اور اچھا عالم وفقیہ بن گیا۔

یہ ہے اسلامی تعلیم اور یہ ہے اخلاق محمدی کا نمونہ، افسوس آج یہ باتیں ہم مسلمانوں سے ناپید ہوگئیں۔ اخلاق محمدی کو چھوڑ کر ہم دوسری قوموں کے اخلاق کی تعریف کرنے لگے حالانکہ مکارم اخلاق کو اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ کسی نے بھی نہیں جانا۔ اگر آج ہم میں یہ اخلاق محمدی پھر پیدا ہو جائیں تو بخدا انفاق وشقاق وافتراق کی تمام خلیجیں پٹ جائیں اور مسلمانوں میں ایسا اتحاد و اتفاق رونما ہو جس کی نظیر دنیا کے پردہ پر نہ مل سکے ۱۲ مترجم۔

اگر ہم کسی علم کا درس دے رہے ہوں اس وقت کوئی مشہور عالم آ جائے تو اس کو کتاب کی تقریر کرنے پر مجبور نہ کریں

(۳۱۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم کسی علم کا درس دے رہے ہوں اور اس وقت کوئی مشہور عالم آ جائے تو اس کو کتاب کی تقریر کرنے پر مجبور نہ کریں جب تک ہم کو اس بات کا یقین نہ ہو کہ وہ اس علم اور اس فن کو ہم سے اچھا جانتا اور اچھی طرح کرسکتا یا کم از کم ہمارے برابر ہی جانتا ہے اور تقریر کرسکتا ہے۔ اور اگر ہم کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس علم کو وہ ہم سے کم جانتا ہے اور ہمارے برابر تقریر نہیں کرسکتا (یا دونوں شقوں میں سے کسی ایک شق پر بھی ہم کو اطلاع نہ ہو) تو اس صورت میں ہرگز اس کو تقریر پر مجبور کر کے اپنے طلبہ اور احباب کے سامنے رسوا نہ کریں۔ بلکہ (یا تو درس کو موقوف کر دیں اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو یا خود ہی تقریر و درس کا کام انجام دیں اور) جس وقت ہم اس کے سامنے تقریر کریں تو (درمیان درمیان میں) اس سے پوچھتے رہیں کہ حضرت میں نے صحیح بیان کیا ہے نا؟ اور اپنے طلبہ کے سامنے اس کی حیثیت کو ایسا نمایاں کریں کہ گویا وہ اس علم کو خوب جانتا ہے اور ایسا جانتا ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی بھی اس کی گرد کو نہیں پہونچ سکتا۔

ایک عقلمند بھولے صوفی کا واقعہ ہے کہ وہ رسالۂ قشیریہ کا مقام فناء و بقاء پڑھا رہے تھے کہ اس وقت ایک مدرس صاحب تشریف لے آئے۔ عقلمند صوفی نے (خاطر مدارات کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو قسم ہے اس وقت آپ ہی کتاب کی تقریر فرمایئے۔ اس غریب مدرس نے بولنا شروع کیا تو تقریر میں الجھنے لگا اور مریدین کے سامنے فضیحت ہو گیا، پھر اس سے اور تو کچھ بن نہ پڑا بس یوں کہنا شروع کیا کہ یہ (تصوف) ایسا علم ہے جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی (محض صوفیوں کی گھڑت ہے) اور لگا حضرت جنید اور ان جیسے دیگر حضرات کو برا بھلا کہنے۔ اگر اس صوفی کو ہوشیاری سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو ہمارے قول پر عمل کرتا اور اس مدرس کو تقریر[1] پر ہرگز مجبور نہ کرتا) اس صورت میں اہل طریق بھی

---

(۱) جس وقت کسی عالم یا شیخ کے درس میں کوئی مشہور شیخ یا عالم چلا آتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

لعن وطعن سے بچے رہتے اور وہ مدرس غریب بھی خجلت وشرمندگی سے بچا رہتا۔ واللہ علیم حکیم

ہمارے پاس کوئی بشارت آئے تو اس کو قبول کرلیا کریں

(۳۲۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یا کسی مومن صالح کی طرف سے ہمارے پاس کوئی بشارت آئے تو ہم اس کو قبول اور تصدیق کرتے ہوئے لے لیں اور کسر نفسی کی بناء پر رد نہ کریں جیسا بعض لوگ اپنے کو اس بشارت کے قابل نہ سمجھ کر بلکہ وعید نار کا مستحق جان کر رد کردیتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے کسی ایسے ہی متواضع سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے آپ کو جنت میں دیکھا ہے تو وہ کہنے لگا کیا ابلیس کو دنیا میں مسخرہ پن کرنے کیلئے میرے اور تمہارے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا؟

مگر ہم نے جو بات بیان کی ہے وہ اس شخص کی بات سے بہتر ہے، کیونکہ ہمارا دخول جنت کا مستحق نہ ہونا (تو معلوم ہے اس کے زبان پر لانے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ ایسی بات کا زبان پر لانا) تو تحصیل حاصل ہے، پھر اگر ہم کو کوئی یہ بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مغفرت فرمادی یا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے شفاعت کی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان سمجھ کر یہ بات قبول کرلینا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت وعفو اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت تو گنہگاروں ہی کے واسطے ہے (پس یہ بشارت نہ تمہارے گنہگار ہونے کو منافی نہ تمہاری

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تو عام طور پر اس وقت پڑھانے والا اپنی تقریر کو پہلے سے زیادہ بناتا اور سنوارتا ہے، اس کا داخل ریا ہونا تو ظاہر ہے، مگر اس سے آنے والوں کی نظر میں بھی کچھ عزت نہیں ہوتی وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ساری بناوٹ ہمارے سامنے ہے، طلبہ کے سامنے نہ یہ علوم بیان ہوتے ہیں جو آج ہو رہے ہیں، نہ ایسی زوردار تقریر ہوتی ہے۔

اور یاد رکھو! جب ریاکار کی ریا کا علم دوسروں کو بھی ہو جائے تو بطلان ثواب کے ساتھ دنیوی غرض جاہ وعزت بھی باطل ہوجاتی ہے۔ اس بات کو خوب یاد رکھو! مدرسین اس میں بہت مبتلا ہیں مدرس کو چاہئے کہ دوسرے عالم کے آجانے پر تصنع وتکلف سے ہرگز کام نہ لے نہ اس کی وجہ سے تقریر زیادہ کرے نہ کم کرے کہ دوسری شق بھی ریا میں داخل ہے۔ پس اسی راستہ پر رہنا چاہئے جس پر تم روزانہ چلتے ہو۔ واللہ یتولی ھدای وھداک ۱۲ مترجم۔

ولایت وکرامت کو مستلزم ہے۔ جو تم خواہ مخواہ اس کو رد کرتے ہو)

پھر جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے (دوسرے کے ذریعہ سے خواب میں) اپنا سلام بھیجا ہے یا اس کے لئے شفاعت فرمائی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ صالح ہے یا فاسق ہے، اگر صالح ہے تو بلا شک وہ سلام نبوی کا مستحق ہے اور فاسق ہے تو ممکن ہے (آپ ﷺ نے اس کو اپنا سلام اس لئے بھیجا ہو) کہ اس کو سن کر اس کے دل میں رقت پیدا ہو اور توبہ کرلے اور توبہ کے بعد ان تمام گناہوں کو چھوڑ دے جن میں اب تک مبتلا تھا۔

اور غالبًا جو لوگ ایسی بشارتوں کو رد کرتے ہیں ان کا منشا یہ اندیشہ ہے کہ مبادا ان بشارتوں پر نفس کو بھروسہ ہو جاوے جیسا طائفہ عُبّاد کی حالت مشاہد ہے جن کے حجابات ہنوز مرتفع نہیں ہوئے (کہ وہ ایسی بشارتوں سے پھولے نہیں سماتے) مگر جو عارف ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز پر بھروسہ نہیں ہوتا، اس کے پاس دنیا یا آخرت یا برزخ کی جو چیز بھی آتی ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے لیتا ہے (اپنے نفس کا کچھ بھی کمال نہیں سمجھتا) اور ''حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق اس سے معاملہ کرتا ہوں[1]'' پس بندہ کو مجھ سے اچھا گمان رکھنا[2] چاہئے۔

---

(۱) دیکھیں مسلم شریف ص ۳۴۱ ج ۲ کتاب الذکر باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد ص ۲۵۱ ج ۲۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

(۲) پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور ایسی محبت ہے کہ ماں باپ کو بھی ویسی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ماں باپ کو جو اولاد سے محبت ہے وہ محض برائے نام واسطۂ وجود اور مربی ہونے کی وجہ سے ہے اور اصل خالق ورب اللہ تعالیٰ عز شانہ ہیں ان کو مجھ سے یقیناً بہت محبت ہے اور اس محبت ہی کی وجہ سے باوجود میری نافرمانی کے وہ اپنی نعمت واحسان کو مجھ سے منقطع نہیں فرماتے، مگر یہ میری نالائقی ہے کہ اپنے ایسے چاہنے والے منعم ومحسن کی بھی نافرمانی کرتا ہوں۔ اس مضمون کو روزانہ سوچ کر دیکھا جائے کہ دل میں محبت حق جلوہ گر ہوگی، پھر معاصی سے بچنا بھی آسان ہو جائے گا اگر انسان کچھ بھی ہمت سے کام لے۔ **وهذا من المواهب فلله الحمد وله الشكر** ۔ ۱۲ مترجم۔

سیر میں ہے کہ جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نظر بندی کے طور پر ایک زمین سونے کی جس میں موتی اور یاقوت بکھرے ہوئے تھے دکھلائی تا کہ عبادت الٰہی سے پھیر کر ان کو دنیا میں مشغول کر دیں، مگر جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر اس زمین پر پڑی آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا اور فوراً بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن ظن کی وجہ سے اس زمین کو سچ مچ موجود کر دیا جس کو وہ اپنے وصال تک برابر دیکھتے (اور کام میں لاتے) رہے یہ ان کے نیک گمان کا ثمرہ تھا کہ انہوں نے اس زمین کو جنات کی صنعت نہ سمجھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر فضل واحسان تصور کیا۔

پس عزیز من! جب تمہارے پاس کوئی بشارت کسی کے ذریعہ سے پہونچے [1] اس کے قبول کرنے میں دیر نہ کرو، نہ خواب کی صحت (وعدم صحت) میں جھگڑا کرو کیونکہ اندیشہ ہے کہ تکذیب کی وجہ سے کبھی تم کو حرماں کی سزا دی جائے۔ واللہ یتولی ھداک.

تلاوت قرآن کرتے ہوئے خصوصاً نماز میں پوری توجہ کریں

(۳۲۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے خصوصاً نماز میں قراءت

---

(۱) الحمدللہ ہمارے اکابر کا عمل اس پر ہے۔ احقر نے حضرت سیدی مرشدی قطب زمان مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر قدس سرہ کے سامنے ایک خواب عرض کیا جس میں حضرت اقدس کے لئے مقام عالی کی بشارت تھی۔ حضرت پر اس خواب کا جو اثر ہوا اب تک میری نگاہ میں پھر رہا ہے۔

اسی طرح حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ والدین مولانا الشیخ محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک بار عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے اور حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ہے کہ ''مولانا محمد اشرف علی صاحب کو ہمارا سلام کہنا'' جس وقت یہ خواب میں نے عرض کیا حضرت مولانا کے چہرہ اور پیشانی سے خاص حالت کا ظہور ہو رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ اس کا شکر یہ ہے کہ آج دن بھر درود شریف کی کثرت کروں گا۔ اسی روز حضرت کا بیان بعد جمعہ کے ہوا تو حضور ﷺ کے فضائل وکمالات عجیب طرز سے بیان فرمائے۔ فالحمد للہ الذی جعلنا من حزب اولیاء وفی امۃ خاتم انبیا ﷺ ۱۲ ظ

کرتے ہوئے پوری توجہ اس پر صرف کریں کہ دل سے صاحب کلام (اللہ تعالیٰ) کے سامنے حاضر [1] ہونے کا مشاہدہ ہو اور یہ بات پیش نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، قرآن سے احکام مستنبط [2] کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہ کریں، مگر یہ کہ ہم کو یہ مقام حاصل ہو گیا ہو (تو استنباط احکام کی طرف بھی توجہ کر سکتے ہیں)۔

اور اس عہد کی وجہ یہ ہے کہ استنباط احکام کی طرف توجہ کرنا بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا دیتا ہے، کیونکہ کوئی آیت جنت کی طرف اور ان لذات و راحات کی طرف لیجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کیلئے تیار فرمائی ہیں اور کوئی آیت جہنم اور ان تکالیف و عذاب کی طرف لیجاتی ہے جو جہنمیوں کے لئے اس میں تیار کیا گیا ہے اور کوئی آیت احکام میراث میں پہونچا دیتی ہے، کوئی احکام طلاق (و نکاح) کی طرف کھینچتی ہے، کوئی قصہ نوح علیہ السلام اور ان کے واقعات میں پہونچا دیتی ہے، کوئی قصہ موسیٰ علیہ السلام اور واقعات فرعون کی طرف لیجاتی ہے۔ وعلی هذا.

اور ہم جیسوں کیلئے یہ بات آسان نہیں ہے کہ احکام و معانی کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کا حضور بھی کامل طور پر ملاحظہ ذات و مراقبۂ صفات کے طریقہ سے ایسا حاصل کر سکیں کہ حضور حق سے ذرہ برابر بھی حجاب نہ ہو۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں تدبر قرآن کا مطلب یہ ہے کہ قراءت کرنے والا اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شرف حاصل کرے، رہا احکام کا سمجھنا تو اس کے لئے دوسرا وقت ہے (نماز اس کے لئے موضوع نہیں)

میں کہتا ہوں کہ شیخ کے ارشاد کی توضیح یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ (کا کلام ہے اور کلام متکلم) کی صفات میں سے ہے اور صفت اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتی) تو جو شخص تلاوت

---

(۱) حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ بعض سالکین کو تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن کے وقت یہ مراقبہ کرتے رہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو قرآن سنا رہا ہوں اور بعض کو اس سے بھی آگے پہونچاۓ ہیں جس کا ذکر عوام کے سامنے مناسب نہیں۔۱۲ مترجم۔

(۲) استنباط نکالنا، سمجھنا۔ احکام مستنبط کرنا۔ احکام کو غور کر کے نکالنا سمجھنا۔۱۲ مترجم

قرآن کے وقت یہ خیال رکھے گا کہ میں اللہ کا کلام پڑھ رہا ہوں وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو اپنے سے قریب پائے گا) بخلاف احکام کے (کہ وہ صفات میں سے نہیں ہیں) اسی لئے قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمعیت قلب حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت بارگاہ (صفات میں سے ایک) صفت کو بندہ سے قرب واتصال ہوتا ہے۔

باقی ائمہ مجتہدین میں سے جو حضرات بکثرت تلاوت قرآن کرتے (اور اسی حالت میں احکام بھی مستنبط کرتے) تھے تو ان کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن سے احکام مستنبط کرنے کے لئے غور وفکر کرنا اللہ تعالیٰ سے ان کی جمعیت قلب کو کم نہ کرتا تھا، کیونکہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مشغول ہوتے تھے اور جس کار خیر کا نفع امت کو متعدی ہو وہ اس کام سے بہتر ہے جس کا نفع صرف کرنے والے تک محدود ہو۔ خوب سمجھ لو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

منقول ہے کہ ایک نوجوان ہر رات تہجد کی نماز میں پورا قرآن پڑھا کرتا تھا اس کے شیخ کو یہ خبر پہونچی تو بلا کر پوچھا کہ عزیز من! مجھے تمہارے متعلق یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ہر رات پورا قرآن پڑھ لیتے ہو۔ کہا ہاں سچ ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ عزیز من! آج کی رات جب تم قرآن پڑھو تو یہ خیال کرکے پڑھنا گویا مجھے سنا رہے ہو اور ایک لحہ بھی مجھ سے غافل نہ ہونا۔ اس نے ایسا ہی کیا تو سورۂ مریم تک پہونچا تھا کہ صبح ہوگئی (یعنی آدھے قرآن سے زیادہ نہ پڑھ سکا) پھر شیخ نے اس کو آگے بڑھایا کہ اب یہ سوچ کر پڑھنا کہ رسول اللہ ﷺ کو سنا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ اب یہ سوچ کر پڑھو کہ جبریل علیہ السلام کو سنا رہا ہوں، چوتھی رات آئی تو فرمایا کہ عزیز من! آج کی رات اچھی طرح پاک وصاف ہونے کا اہتمام کرو ظاہراً بھی باطناً بھی اور اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا شعور کامل پیدا کرو اور یہ سمجھ کر قرآن پڑھو کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا کلام سنا رہے ہو۔ ایک لحہ کیلئے بھی مشاہدۂ حق سے غافل نہ ہونا۔ اس نے ایسا ہی کیا تو صبح تک " ایاک نعبد وایاک نستعین " ہی کو بار بار دہراتا رہا اس سے آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی (پورا قرآن تو کیا پڑھتا سورۂ فاتحہ بھی ختم نہ کر سکا ۱۲) پھر صبح ہوتے ہی ہیبت حق کا غلبہ سے ایسا بیمار ہوگیا کہ لوگ اس کی عیادت کو آنے لگے یہاں تک کہ تیسرے دن مرگیا۔ ع

میں ترے ہاتھوں کے قربان واہ کیا مارے ہیں تیر
ہر دہان زخم تجھ کو مرحبا کہنے کو ہے
آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے
جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے
ہاں بلا سے جاں تو جائے مگر نکلے نہ آہ
ہوشیار اے دل کہ وہ صبر آزما ہونے کو ہے
کرتے جاؤ آرزو پوری کسی ناشاد کی
اک ذرا ٹھہرو کوئی تم پر فدا ہونے کو ہے
ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد (۱)

۱۲ مترجم

سمجھ لو اور خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کر کے دیکھو تا کہ ان مردان کامل کے درجہ پر پہونچ جاؤ جن کو کوئی چیز خدا سے مشغول اور غافل نہیں کر سکتی۔ واللہ یتولی ھداک۔

ف:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے "ربما اجھز جیشی وانا فی الصلوۃ"، بعض دفعہ میں نماز کے اندر لشکر کی تیاری کا سامان کرتا ہوں۔ ہمارے حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی مجلس میں بعض علماء نے اس پر اشکال کیا کہ یہ تو خشوع کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی طرف نماز میں توجہ کی جائے۔

حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ ہر شخص کا خشوع جدا ہے نقیب کا خشوع یہ ہے کہ دربار شاہی پر کھڑا ہوا دیکھتا رہے کہ بدون اجازت کے کوئی اندر داخل نہ ہونے پائے۔ اور عظمت دربار ظاہر کرنے کے لئے جو فوجی تخت شاہی کے ارد گرد کھڑے کئے جاتے ہیں ان کا خشوع یہ ہے کہ ہتھیار لگائے ہاتھ باندھے بادشاہ کے سامنے کھڑے رہیں۔ اور

(۱) ترجمہ: ناز و نعمت کا پلا ہوا دوست تک راستہ نہیں پاتا، محبت کرنا مصیبت اٹھانے والے مست لوگوں کا طریقہ ہے۔ ۱۲ مرتب

وزیر و نائب وزیر کا خشوع یہ ہے کہ تختِ شاہی کے قریب بیٹھ کر انتظامات ملکی کا مطالعہ کرے، کاغذات دیکھے اور بادشاہ سے احکامات حاصل کرے۔ یہی حال نماز کا ہے کہ یہ بھی دربار خداوندی میں حاضری کا وقت ہے سو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کر دیا ہے اس کا خشوع یہ ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے اس کے بارہ میں احکامات حاصل کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ اللہ فی الارض تھے، ان کا خشوع یہی تھا کہ دربار میں حاضر ہو کر وزیر کی طرح اپنے فرض منصبی کی تکمیل میں مشغول ہو جائیں اور اس وقت جو امور قلب پر منجانب اللہ وارد ہوں ان پر توجہ کریں۔ بعض دفعہ ان کے قلب پر منجانب اللہ نماز کے اندر کسی طرف لشکر روانہ کرنے کا حکم وارد ہوتا، کبھی کسی لشکر کی امداد کا حکم ہوتا تھا وہ ان احکام کو معلوم کر کے نماز کے بعد ان کی تعمیل فرماتے تھے۔ انتہی بالمعنی۔

یہ جواب ایک ایسے درویش کا ہے جو اصطلاحی عالم نہ تھے، مگر آج علامہ شعرانی رحمہ اللہ جیسے دریائے علم کے قلم سے بھی اس کی تائید ظاہر ہو رہی ہے کہ "ائمہ مجتہدین جو تلاوت قرآن میں استنباط احکام کرتے تھے اس سے ان کی جمعیت قلب اور حضور مع اللہ میں کمی نہ آتی تھی، کیونکہ وہ اس وقت حکم الٰہی کی تعمیل میں مشغول ہوتے تھے" علامہ کے اس قول کی شرح اس مثال سے ہوگئی جو حاجی صاحب کے کلام میں مذکور ہے کہ وزیر کا دربار شاہی میں خشوع یہی ہے کہ جو کام اس کے سپرد ہے اس میں مشغول ہو جائے، سپاہیوں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا وزیر کا خشوع نہیں ہے اور جیسا وزیر کی توجہ اپنے کاموں میں مشغول ہو کر بھی بادشاہ کی طرف سے نہیں ہٹتی اسی طرح کاملین باوجود دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونے کے نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی جمعیت قلب رکھتے ہیں، کیونکہ وہ دوسرے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے متوجہ ہوتے اور تعمیل حکم کیلئے ان میں غور کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

ف ۲:- اس عہد میں علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے ایک حکایت کسی بزرگ کی بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے مرید کو یہ تعلیم کی کہ "نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے یہ تصور جمانا گویا مجھے سنا رہے ہو اور ایک لمحہ بھی مجھ سے غافل نہ ہونا الخ"، چونکہ علامہ نے اس کو جزم کے ساتھ نقل نہیں فرمایا نہ ان بزرگ کا نام بتلایا اس لئے یہ حکایت نماز میں شغل رابطہ تصور شیخ

وغیرہ کے جواز پر حجت نہیں ہوسکتی۔

اور اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو ''ہم کہیں گے کہ یہ مرید سلیم القلب، سلیم الفہم، حدود شرعیہ سے پورا واقف ہوگا اس کو نماز میں ایسا تصور جمانے سے شیخ یا رسول یا جبریل کی عبادت کا وہم نہ ہوسکتا تھا، اور ایسے شخص کیلئے نماز میں قصداً بھی شغل رابطہ یعنی تصور شیخ یا تصور رسول و جبریل جائز ہے ورنہ اپنے قصد و اختیار سے دل میں ایسا نقشہ جمانا کہ گویا شیخ سامنے ہے اور اس کو قرآن سنا رہا ہے اور ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے غافل نہ ہونا کہ شیخ کا نقشہ دل سے نہ اترے نماز کے اندر جائز نہیں''۔

اور بلا قصد و اختیار کے اگر شیخ یا رسول یا جبریل کا خیال نماز میں آئے یا قصداً ہی خیال لایا جائے، مگر بطریق شغل رابطہ ہمہ تن ان کا نقشہ پیش نظر کرنے کا اہتمام نہ ہو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ جن آیات میں رسول اللہ ﷺ یا جبریل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے ان کے معانی میں تامل کرتے ہوئے یا التحیات و درود شریف میں حضور کا نام لیتے ہوئے قصداً حضور ﷺ کے کمالات و احسانات اور آپ کی ذات مقدسہ کا تصور کرنا کمال تدبر اور موجب کمال صلوٰۃ ہے۔

اس تحقیق کو سننے کے بعد غالباً ناظرین کو اس بہتان و افتراء کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی جو اہل بدعت نے حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی قدس سرہ اور ان کے ماننے والے علماء کرام پر باندھا ہے کہ، نعوذ باللہ، یہ حضرات نماز میں شیخ یا رسول کا خیال آجانے کو گدھے اور گائے کا خیال آجانے سے بدتر سمجھتے ہیں'' جھوٹے پر خدا کی لعنت، حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ نے محض شیخ یا رسول کے خیال آجانے کو ہرگز برا نہیں کہا، نہ ان کے کلام سے کسی طرح اس کی مذمت نکل سکتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا شہید رحمہ اللہ کے زمانہ میں بعض صوفیہ کو شغل رابطہ میں بہت غلو تھا جس کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کو اول یہ شغل تعلیم کیا جاتا تھا کہ شیخ کا تصور اپنے دل و دماغ میں ایسا جمائے کہ کسی وقت یہ تصور دل سے نہ اترے اور اس شغل کو راسخ کرنے کیلئے سالک ایک مدت تک صورت شیخ کا تنہائی میں مراقبہ کرتا تھا کہ گویا وہ اپنے شیخ کے سامنے ہے اور شیخ

اس کے ساتھ ساتھ ہے جب یہ شغل راسخ ہو جاتا تو صورت شیخ ہر وقت اس کے ساتھ اور اس کے سامنے رہتی تھی اس کے بعد تعلیم کیا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ کا تصور اسی طرح دل و دماغ میں جمائے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے کسی وقت حضور ﷺ کا تصور دل سے نہ اترے اور درود شریف کی کثرت کرے، کچھ عرصہ کے بعد جب یہ شغل راسخ ہو جاتا تو سالک کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت حضوری حاصل ہوتی تھی کہ ہر وقت حضور کو اپنے سامنے اور اپنے ساتھ دیکھتا تھا۔

بعض صوفیہ نے یہ غضب کیا کہ اس شغل کی تعلیم ہر کس و ناکس کو کرنے لگے اور اس سے بڑھ کر یہ غضب کیا کہ نماز میں بھی شیخ یا رسول اللہ ﷺ کا تصور جمانا اور ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہونا اور ایسا نقشہ جمانا تعلیم کیا کہ گویا شیخ یا رسول اللہ ﷺ خاص شکل میں اس کے سامنے ہیں اور خود یہ تصور مقصود بالذات سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید وغیرہ سنانے کی غرض سے نہ ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے نماز میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر یہ سالک سلیم القلب، سلیم الفہم نہیں ہے تو جب نماز میں بالقصد اس صورت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگا تو اس کو ایسا معلوم ہوگا گویا شیخ یا رسول کے سامنے کھڑا ہے انہی کے آگے رکوع کر رہا ہے، انہی کو سجدہ کر رہا ہے۔

چنانچہ بعض شاغلین نے شیخ سے اپنی یہی حالت بیان کی ہے کہ وہ صورت گویا مسجود ہے۔ اس صورت میں عامی کی نماز اللہ کیلئے نہ ہوگی بلکہ شیخ یا رسول کی نماز ہوگی اور اس کا شرک سے قریب ہونا ظاہر ہے اور ایسے ہی لوگوں کی نسبت مولانا شہید فرماتے ہیں کہ ان کا نماز کے اندر ہمہ تن شیخ یا رسول کی طرف متوجہ ہونا اور ان کا نقشہ پیش نظر کر کے نماز پڑھنا اور اسی صورت مثالیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر قیام و رکوع و سجدہ کرنا بیوی بچوں، گائے، بیلوں کے تصور میں مستغرق رہنے سے بدتر ہے کیونکہ دوسری صورت میں یہ شخص شائبہ عبادت غیر اللہ اور شرک سے تو محفوظ ہے اور پہلی صورت میں شرک سے قریب ہے اور ظاہر ہے کہ فعل موہم شرک فعل غیر موہم شرک سے بدتر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مولانا شہید نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آنے یا لانے کو منع نہیں

فرمایا، بلکہ دراصل وہ نماز میں شغل رابطہ سے منع فرماتے ہیں جو صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے اور جو مخصوص طریقہ سے کیا جاتا ہے جس پر مولانا کی عبارت میں دو لفظ دال ہیں (۱) صرف ہمت (۲) بچندین مرتبہ۔ صرف ہمت علم تصوف کی اصطلاح میں مطلق خیال آنے یا لانے کا نام نہیں، بلکہ اس کیلئے خاص طریقہ اور مخصوص قاعدہ ہے جس کا دوسرا نام شغل رابطہ ہے ''جس میں ہر طرف سے حتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی قصداً اپنی توجہ اور ہمت پھیر کر شیخ یا رسول اللہ ﷺ کو مرکز توجہ بنایا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ محض تصور یا خیال سے کر دینا محض جہالت اور اصطلاح قوم سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا شہید کی عبارت حسب ذیل ہے'' وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندین مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ وخر خود ست الخ صراط مستقیم ص ۸۶۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ مولانا شہید رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کا نماز میں مطلقاً خیال آنا یا لانا پسند نہیں فرماتے اور اس کی مذمت فرماتے ہیں وہ کذاب ومفتری ہے ﴿لعنة الله علی الکذبین﴾ [۱] دنیا جانتی ہے کہ مولانا شہیدؒ نماز میں ختم قرآن کے بہت زیادہ پابند تھے اور قرآن میں جابجا رسول اللہ ﷺ کا نام بھی ہے آپ کو خطاب بھی ہے اور جو شخص نماز میں حضور کا نام لے گا اور سمجھ کر صیغہائے خطاب کو پڑھے گا گو وہ خطاب منقول من اللہ ہوگا۔ یقیناً اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آئے گا اور وہ آپ کا خیال لائے گا بھی اور آپ کے احسانات وکمالات کا استحضار بھی کرے گا۔ تدبر فی القرآن کا نص میں حکم ہے اور افضل تلاوت وہ ہے جو نماز میں ہو اور تدبر فی القرآن کیلئے رسول اللہ ﷺ کا خیال آنا اور لانا لازم، تو اب کون احمق ہوگا جو حضور کا خیال نماز میں آنے یا لانے کو منع کرے یا اس کی مذمت کرے؟ حاشا وکلا ﴿کبرت کلمة تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً﴾ [۲]

مولانا شہیدؒ اور ان کے متبعین نماز میں التحیات بھی پڑھتے ہیں اور درود شریف بھی اور ان دونوں میں رسول اللہ ﷺ کا نام بھی ہے، آپ کو خطاب بھی ہے اور ان دونوں کو سمجھ کر

---

(۱) ترجمہ: اللہ کی لعنت ان پر جو جھوٹے ہیں۔ آل عمران/۶۱۔م

(۲) ترجمہ: کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔ الکھف/۵۔م

پڑھنے کیلئے حضور ﷺ کی ذات اقدس کا تصور اور آپ ﷺ کے اوصاف کمال کا استحضار لازم ہے، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ مولانا شہیدؒ نماز میں حضور ﷺ کے تصور اور خیال کو پسند نہیں فرماتے،، ﴿لقد جئتم شیئا اِدّا﴾ [1]۔

ہم مکرر کہتے ہیں کہ مولانا شہید نے صرف شغل رابطہ سے نماز میں ممانعت فرمائی ہے خصوصاً عوام کو کہ ان کیلئے نماز میں شغل رابطہ یقیناً موجب فساد اعتقاد ہے، اور خواص کیلئے گو ہمارے نزدیک داخل صلوٰۃ وخارج صلوٰۃ اس شغل کی اجازت ہے، مگر یہ ضرور کہا جائے گا یہ شغل مذاق توحید کے خلاف ہے اس لئے نماز میں تو خواص کو بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے کہ نماز محل صرف ہمت بسوئے ذات حضرت حق جل وعلا ہے ''الاحسان ان تعبدالله کانک تراہ'' [2] الحدیث۔ ہاں خارجِ صلوٰۃ کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ اگر شیخ محقق کسی کیلئے تجویز کرے تو انشاء اللہ نافع ہوگا۔ وشرح هذا المقام من بركات سيدى حكيم الامة دامت فيوضه وبركاته علينا وعلى كافة الانام۔

اپنے ان دوستوں کو جو بچوں کو پڑھاتے ہیں اس بات کی ہدایت کریں کہ جب تک ممکن ہو بچوں کی روٹی میں اپنا حصہ نہ لگائیں

(۳۲۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ان دوستوں کو جو بچوں کو پڑھاتے ہیں اس بات کی ہدایت کریں کہ جب تک ان کو دوسرے طریق سے بقدر کفایت (روزی) ملتی رہے بچوں کی روٹی میں اپنا حصہ نہ لگائیں، اور یہ بات ان کے ذہن نشین کردیں کہ بچوں کے دلوں میں معلم کی پوری عزت وعظمت اسی سے قائم ہوتی ہے کہ ان کی روٹی اور جمعراتی وغیرہ سے اپنے کو الگ، تھلگ، اور بے رغبت رکھے، اور ان کو اس بات کی ترغیب دیں کہ بچوں سے جو کچھ (روٹی وغیرہ) بچ جائے ان کو اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو ان لوگوں کے پاس بھیج دیں

---

(۱) ترجمہ: بیشک تم آپھنسے ہو بھاری چیز میں۔ مریم/۸۹۔م

(۲) مسلم شریف ص ۲۷ ج ۱ کتاب الایمان۔ مسند احمد ص ۴۲۶ ج /۲۔ ۱۲ مرتب۔

جو بچے کھچے کے مستحق ہیں یعنی فقراء و مساکین اور جیل کے قیدی وغیرہ، خود اس میں سے ایک لقمہ بھی نہ چکھیں، کیونکہ اس سے دل کا سیاہ ہو جانا تجربہ میں آ چکا ہے۔

آج کل ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ان خانقاہوں (اور لنگر خانوں) سے جو محتاج طلبہ کیلئے وقف ہیں روٹی لیکر بیچتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ اگر واقف ان کی اس حالت کو دیکھ لیتا تو اپنے وقف میں ان کو ہرگز جگہ نہ دیتا۔

ہم کو فقیہ زحلق رحمۃ اللہ علیہ کی بابت معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بچوں کی روٹی کبھی نہیں چکھی، نہ ان سے جمعراتی لی، ایک مرتبہ مصر کے ایک رئیس زادہ کی کوئی تقریب تھی جس میں ان کو ایک ہزار اشرفیاں ملیں، آپ نے یہ سب اشرفیاں مکتب کے بچوں پر بیٹھے بیٹھے تقسیم کر دیں، ان میں سے آدھا درم بھی اپنے واسطے نہیں رکھا۔ سمجھو! اور اس پر عمل کرو، اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دیں۔

جب ایسے شخص کے سامنے سے ہمارا گذر ہو جس کے ساتھ صلح کرنے سے ہم عاجز ہو گئے ہیں تو سر جھکا کر گذریں

(۳۲۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ایسے شخص کے سامنے سے ہمارا گذر ہو جس کے ساتھ صلح کرنے سے ہم عاجز ہو گئے ہیں تو سر جھکا کر ذلت و مسکنت کے ساتھ گذریں، عمدہ کپڑے جن میں خوشبو کی دھونی دی گئی یا مشک وعنبر وغیرہ لگایا گیا ہو پہن کر اس کے آگے سے نہ گذریں، اور اس طرح ہنسیں بھی نہیں کہ وہ ہماری ہنسی کی آواز سن لے، یہ سب اس لئے تاکہ دین اسلام کی وجہ سے اس کا جو حق ہمارے اوپر ہے ادا ہو جائے۔

نیز ہمدردی کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ ان باتوں سے دشمن گھٹتا اور اس کا دل ٹوٹ جاتا اور وہ غم اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ غصہ کی وجہ سے اس کا جسم ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔

اور اسی کے قریب یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے دکھلا دکھلا کر صدقہ خیرات زیادہ کیا جائے یا مواقع تفریح میں لوگوں کی دعوت کثرت سے کی جائے، محض اس کو جلانے کیلئے اللہ

تعالیٰ کی رضا وقرب کے ارادہ سے نہیں۔

سو جو کوئی اپنے دشمن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گا اس کو اس سے بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے قاعدہ سے اس کے جلانے اور رنج دینے کیلئے بھی کسی شخص کو کھڑا کردیں جو اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو اس نے اپنے دشمن سے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اس کو چاہتے ہیں جس کا سینہ بہت کشادہ ہو جو سب سے زیادہ درگذر اور تحمل والا ہو جو سب سے خوش ہو کر ملنے والا ہو۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

جس مسلمان سے مخلوق کو جس قدر نفع پہنچتا ہو اسی کے موافق ہم اس کا اکرام زیادہ کریں

(۳۲۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جس مسلمان سے مخلوق کو جس قدر نفع پہونچتا ہو اسی کے موافق ہم اس کا اکرام زیادہ کریں، جیسے طبیب وعالم، اور شیخ مصلح باطن، اور باورچی، اور نان بائی، اور ڈھال بنانے والا اور امیر حج کا قائم مقام اور حمام صاف کرنے والا اور ان کے مثل جو لوگ ہیں، کیونکہ یہ لوگ سلطنت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے والے ہیں اور ان کے سوا جو لوگ ہیں وہ زوائد کے حکم میں ہیں اور ہم نے دوسری کتابوں میں ان لوگوں کی نفع رسانی کو مفصل بیان کیا ہے۔ واللہ غنی حمید۔

جب ہم چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو نیند کا بستر لپیٹ کر رکھ دیں

(۳۲۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم چالیس سال کی عمر کو پہونچ جائیں تو نیند کا بستر لپیٹ کر رکھ دیں اور اپنے پروردگار کی عبادت پر (پوری طرح) متوجہ ہو جائیں اور کسی وقت اس بات سے غافل نہ رہیں کہ ہم آخرت کی طرف کوچ کرنے والے ہیں یہاں تک کہ کسی وقت ہم کو قرار (اور چین) نہ ملے چالیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد ہم کو اپنی عمر کے ایک ایک منٹ کی قیمت سو برس کے برابر سمجھنا چاہئے، نیز چالیس سال کے بعد ہم کو راحت (کا خیال) نہ ہونا چاہئے، نہ کسی وظیفہ (اور منصب) اور زینت وارائش کیلئے مشقت جھیلنا

چاہئے، نہ دنیا کی کسی چیز سے خوش ہونا چاہئے، یہ سب اس لئے کہ چالیس سال کے بعد عمر کم رہ جاتی ہے [1] اور جو شخص معرکۂ موت (اور منزل عدم) کے قریب پہنچ گیا ہو اس کو غفلت اور سہو اور لہو ولعب (میں پڑنا) مناسب نہیں۔

ہم کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ چالیس سال کی عمر ہو جانے کے بعد آپ لاٹھی ٹیک کر چلنے لگے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ (اس کی کیا وجہ ہے کہ) آپ ہر وقت لاٹھی ہاتھ میں رکھتے ہیں، حالانکہ ابھی آپ جوان ہیں (بوڑھے نہیں ہوئے نہ آپ کو لاٹھی کی ضرورت ہے) فرمایا اس لئے تاکہ مجھے یاد رہے کہ میں اس دار دنیا سے سفر کرنے والا ہوں۔ اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو، اس کی برکت تم کو حاصل ہوگی، اور اللہ تم کو ہدایت کرے۔

اگر کسی وقت ہم طالبان علوم کے استاد یا مریدین کے شیخ بنادیئے جائیں تو اپنے کو ان سے عنداللہ زیادہ مرتبہ والے نہ سمجھیں

(۳۲۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کسی وقت ہم طالبان علوم کے استاد یا مریدین کے شیخ بنادیئے جائیں تو اپنے متعلق ایسا کبھی خیال نہ کریں کہ ہم ان میں سے کسی سے بھی عنداللہ زیادہ مرتبہ والے ہیں، اور ہم کو کبھی سجادہ پر یا گدی پر بھی نہ بیٹھنا چاہئے، ہاں کوئی عذر شرعی ہو تو اور بات ہے۔ نیز ان میں سے کسی کو اپنے سامنے نگاہ نیچی کر کے کھڑا بھی

---

(۱) کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہے تو جو شخص چالیس سال کو پہونچ گیا اس نے عمر کا زیادہ حصہ طے کرلیا اب تھوڑا باقی رہ گیا ہے اور جو حصہ گذر گیا وہ عمر کا اچھا حصہ تھا، طاقت وقوت کا زمانہ تھا جو باقی ہے وہ کمزوری اور بیماری کا زمانہ ہے، اس لئے ہمت بڑھانے کی ضرورت ہے، ذرا سی سستی بھی بہت وقت برباد کردے گی۔ **وفقنا اللہ وکل من بلغ الاربعین لما یحب ویرضی بحرمۃ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین** ۱۲ظ۔

نہ ہونے دیں جیسا بعض لوگ کیا کرتے ہیں (کہ ان کے مرید ہاتھ باندھ کر، گردن جھکا کر، نگاہ نیچی کر کے کھڑے ہوتے ہیں) کیونکہ یہ باتیں غلاموں کے درجہ کے لائق نہیں (اور ہم کو غلام بن کر رہنا چاہئے، بڑا بن کر نہ رہنا چاہئے) خصوصاً اگر وہ لوگ (عمر میں) ہمارے برابر اور ہم جیسے ہی ہوں (تو اس صورت میں ان کو اپنے سامنے اس طرح ذلت سے کھڑا کرنا یا ان کے سامنے اپنی امتیازی شان بنانا بہت ہی برا ہے) اور خدا کی قسم! بہت ممکن ہے کہ بعضے گانے بجانے والے اللہ کے دربار میں ہم سے زیادہ مقرب اور اللہ تعالیٰ کا ہم سے بھی زیادہ ادب کرنے والے ہوں۔

اور عزیز من! سوچو تو سہی ارکان دولت (وعمائد سلطنت) میں سے جس شخص پر بادشاہ غصہ ہو جاتا ہے تو وہ کس طرح لوگوں کو تاکید کرتا ہے کہ میرے پاس مجتمع نہ ہوا کرو کبھی بادشاہ کو خبر نہ پہنچ جائے (اور دل میں یوں کہے کہ ہم تو اس سے ناراض ہیں اور یہ جلسوں میں خوشیاں کرتا ہے۱۲) وہ (اپنے دوستوں سے) کہہ دیتا ہے کہ جس کو مجھ سے محبت ہو وہ ان دنوں میں میرے پاس نہ آئے (جب تک بادشاہ مجھ سے ناراض ہے) اور عارف کا تو علی الدوام (ہمیشہ) یہی حال رہتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے مجھے تیس برس ہوگئے کہ میں یہی خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری طرف غصہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں، غرض شارع علیہ ﷺ نے ہم کو صرف یہی حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کو اخوت (وہمدردی) کی نگاہ سے دیکھیں، ان کی خیر خواہی کریں ان کو راستہ بتلائیں اور اللہ کا واسطہ دے کر ان سے درخواست کریں کہ وہ بھی اسی طرح ہم کو نصیحت کریں اور راستہ بتلائیں (جیسا ہم بتلاتے ہیں) سلف (صالحین) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی طریقہ تھا۔ پس عزیز من! تم ان کے راستہ پر چلو! اور اللہ تم کو ہدایت دے''

اپنے دوستوں کو مسجد کی دہلیز اور صحن میں بھی جوتا پہن کر نہ چلنے دیں

(۳۲۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو مسجد کی دہلیز اور صحن میں بھی جوتا پہن کر نہ چلنے دیں، نماز خانہ تو بڑی چیز ہے، ہاں سخت گرمی اور سردی ہو تو اور بات ہے (اس

حالت میں پاک جوتہ جو مسجد ہی کے واسطے مخصوص ہو پہن کر چل سکتے ہیں) یہ اس لئے کہ مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص دربار ہے، کیونکہ وہ اپنے پروردگار سے بندوں کی مناجات کرنے کی جگہ ہے، ملائکہ، مقربین اور انسان وجن میں سے صلحاء مومنین کے پیشانی رکھنے کی جگہ ہے، اب جو شخص ان کی پیشانی رکھنے کی جگہ میں جوتہ پہن کر چلے وہ بے ادب ہے۔

رہا یہ بہانہ (جو بعضے وہمی کیا کرتے ہیں) کہ مسجد میں نجاست کا احتمال ہے (اس لئے ناپاکی سے بچنے کو ہم جوتہ پہنتے ہیں) سو اس سے بے ادبی جائز نہیں ہوسکتی، بلکہ ان پر اور سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد میں ذرا بھی ناپاکی دیکھیں تو اس کو (فوراً) صاف کردیں اگرچہ بار بار صاف کرنا پڑے، اگر زیادہ دشواری ہو تو معاف ہے، اور یہ وہمی لوگ حرام اور شبہ کی چیزیں کھانے سے کیوں نہیں بچتے جیسا ناپاکی سے (وہم میں پڑ کر) بچتے ہیں تا کہ ان کے سارے کام ایک ہی طرح کے ہوجائیں (یہ کیا کہ سارا وہم پاکی وناپاکی ہی میں گھس گیا، کھانے پینے کی چیزوں میں کبھی وہم نہیں ہوتا)۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں داخل ہوتے سر جھکا کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے داخل ہوتے، اور نماز پڑھتے ہی جلدی سے نکل جاتے تھے اور فرماتے کہ ہم جیسوں کو مسجدوں میں دیر تک ٹھہرنا مناسب نہیں، کیونکہ ہم ان کے حقوق کو ادا نہیں کرتے نہ ان کے مالک کی تعظیم کا حق بجالاتے ہیں اور بعض دفعہ مسجد میں ہم سے کسی کی غیبت، یا چغلخوری، یا کسی سے حسد، مکر وفریب اور اس کے سوا دوسری حرام باتیں سرزد ہوجاتی ہیں تو ہم قہر (الٰہی) میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان آفات سے بچائے۔

اور عزیز من! وہمی کیلئے بڑی دوا حلال غذا کھانا ہے، کیونکہ وہ باطن (قلب) کو منور کرتی ہے، اور جب باطن منور ہوجاتا ہے آدمی حق وباطل میں تمیز کرنے لگتا ہے، پھر حق کو اختیار کرتا اور باطل کو چھوڑ دیتا اور ملائکہ وانبیاء واولیاء کے دربار میں داخل ہوکر شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے جیسا یہ حضرات محفوظ ہوگئے۔

اور جس کی غذا حرام ہو اس کے لئے ظلمت قلب کی وجہ سے ان درباروں میں داخل ہونا دشوار ہے، وہ تو شیاطین ہی کے درباروں میں مقیم رہے گا، اور جو ان کے درباروں میں

رہے گا شیاطین اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے، بلکہ ہمیشہ اس کے دل میں دین کی طرف سے شبہات اور شکوک ڈالتے رہیں گے یہاں تک کہ (بعض دفعہ) اس کے پروردگار عزوجل میں بھی شبہ ڈال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے اور ہم نے (اپنی کتاب) ''لواقح'' میں اس پر بار بار مفصل گفتگو کی ہے۔ واللہ علیم حکیم۔

اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر نہ پڑیں کہ ان کو کافر ہی بنا کر چھوڑیں

(۳۲۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر نہ پڑیں کہ ان کو کافر ہی بنا کر چھوڑیں جیسے معتزلہ ہیں یا جبریہ، یا ان جیسے اور فرقے، البتہ اگر ان کی کوئی بات نص قطعی یا اجماع مشہور کے خلاف ہو (تو رد اور تکفیر کا مضائقہ نہیں، مگر ایسا بہت کم اور شاذ ہے، پھر کفر لزومی اور التزامی کے فرق کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے ۱۲) وجہ یہ ہے کہ دین اسلام (کا دامن) ان کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے اور گھیرے ہوئے ہے کیونکہ نور اسلام کی شعاعیں تمام مسلمانوں کے دلوں پر پھیلی ہوئی ہیں، اور ایسی خطا جس کا ہر پہلو غلط ہو کفار ہی کیلئے مخصوص ہے (مسلمانوں کے گمراہ فرقوں کی کوئی بات ہر پہلو سے غلط نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ کوئی فرقہ [1] دائرۂ اسلام ہی سے نکل چکا ہو تو اور بات ہے)۔

پس اگر تم جبری کو یہ کہتے ہوئے سنو ''لافعل الا اللہ'' کہ اللہ کے سوا کسی کا کچھ فعل نہیں (جو کچھ ہو رہا ہے سب کا فاعل خدا ہے) تو صرف اتنی بات کا انکار اور رد کرنا جائز نہیں، بلکہ ہم اس کا رد صرف اس لحاظ سے کریں کہ اس نے بندوں کی طرف افعال کی نسبت بالکل نہیں

---

(۱) جیسا بعضے غالی شیعہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور قادیانی جماعت کا ہر فرقہ بوجہ مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کے کافر ہو چکا ہے اور بعض قادیانی جو زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو نبی نہیں مانتے ولی مانتے ہیں تو یہ تاویل بھی ان کو کفر سے نہیں بچا سکتی، کیونکہ خاتم الانبیاء کے بعد مدعی نبوت کو ولی کہنا، بلکہ صرف مسلمان کہنا بھی کفر ہے، اور جب مرزا صاف صاف اپنے کو نبی بلکہ انبیاء سے بھی افضل کہتا ہے تو اس کو ولی ماننا سب باتوں میں سچا ماننا ہے اور دعوی نبوت میں اس کو سچا ماننا کفر ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ ظ۔

کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن کریم میں جا بجا) بندوں کے افعال کو انہی کی طرف منسوب فرمایا ہے۔اب جو شخص اس نسبت کی نفی کرتا ہے وہ اپنی قصور نظر اور دونوں آنکھیں نہ کھولنے کی وجہ سے غلطی کر رہا ہے۔

اسی طرح اگر ہم معتزلی کو یہ کہتے ہوئے سنیں کہ فعل بندہ کا ہے (جو کچھ بندہ کرتا ہے خود کرتا ہے یہی اس کا فاعل ہے) اس کی بھی اتنی بات پر انکار نہ کریں بلکہ اس وجہ سے رد کریں کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے کسی درجہ میں بھی بندہ کے افعال کا تعلق نہیں رکھا، غرض معتزلی اور جبری دونوں ایک پہلو سے راستی پر ہیں دوسرے پہلو سے غلطی پر ہیں، کامل وہ ہے جو دونوں آنکھوں سے دیکھے، حقیقت کی آنکھ سے بھی اور شریعت کی آنکھ سے بھی، اس کو نظر آئے گا کہ (بندہ جو کچھ کرتا ہے اس میں) ایجاد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا فعل [1] ہے اور نسبت کے لحاظ سے بندہ کا فعل ہے۔

معتزلہ اور جبریہ پر دوسرے اسلامی فرقوں کو بھی قیاس کرلو، مثلاً وہ صوفیہ جن کے کلام کا سمجھنا ہم جیسوں کو دشوار ہے، ان کے معاملہ میں بھی ہم کو توقف سے کام لینا چاہئے، جلدی سے ان کو دین (اسلام) سے خارج نہ کر دینا چاہئے، جیسا بعض بے باک لوگوں کا دستور العمل ہے، کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی اور زمخشری جیسوں کا رد وہی کرسکتا ہے جو ان سے

---

(۱) کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ فعل ظاہر میں اس کے ارادہ اور اس کے جسم سے صادر ہوتا ہے اس لئے فعل کی نسبت اسی کی طرف کی جائے گی مثلاً انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے تو یہ افعال اسی کے کہلائیں گے نہ دوسرے کے، مگر اس میں شک نہیں کہ انسان کے جس قدر افعال ہیں وہ اس وجود اور اس طاقت پر موقوف ہیں جو اس کو از خود حاصل نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ پس جیسا اللہ تعالیٰ اس کے وجود اور طاقت کی موجد ہیں اسی طرح اس کے افعال کے بھی موجد ہیں، کیونکہ آدمی بدون وجود اور طاقت کے کچھ نہیں کرسکتا، اور فعل کے وقت اس کے ایجاد کی طاقت اس میں از خود نہیں آتی، بلکہ خالق کی دی ہوئی طاقت سے کام کرتا ہے۔ پس یہ کہنا تو بالکل غلط ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے وہ اس کا کام نہیں بلکہ خدا کا کام ہے ہاں یہ کہنا صحیح ہے کہ کام تو انسان کا ہے مگر انسان نے اس کام کو خود پیدا نہیں کیا، بلکہ خدائی دی ہوئی طاقت سے یہ کام پیدا ہوا ہے۔۱۲ظ

زیادہ عالم ہو۔

اور عزیز من! تم تو میری طرح عاجز ہو (تم کو ان حضرات کی تردید کا حوصلہ نہ کرنا چاہئے) اور اگر تم مرد ہو تو پہلے ان دلائل پر بحث کرو جن پر انہوں نے اپنے دعاوی کو مبنی کیا ہے، پھر ان کا رد کرو (مگر ان دلائل کا سمجھنا ہی لوہے کے چنے چبانا ہے، رد کرنا تو بہت دور ہے، اس لئے جس شخص کے کلام کو تم نے پوری طرح سمجھا بھی نہیں اس پر اعتراض اور تردید کی ہرگز جرأت نہ کرو، ممکن ہے قیامت میں وہ اپنی بات کا ایسا مطلب بیان کرے جو شریعت کے بالکل مطابق ہو۱۲) پس یہ ضرور نہیں کہ معتزلی جو بات بھی کہے وہ مردود ہی ہو، بلکہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی بات عین شریعت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف:- علامہ کی یہ تقریر ان ہی حضرات کے متعلق ہے جن کا کلام نص قطعی یا اجماع مشہور کے صراحۃً خلاف نہ ہو، اور جس کا کلام صراحۃً نص قطعی یا اجماع مشہور کے خلاف ہو اس کے بارہ میں توقف کرنے کی اصلا ضرورت نہیں ورنہ ہر مرتد اور کافر کے کلام میں توقف کرنا پڑے گا، حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں۔

علامہ کا مقصود ان بے باک لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے جو ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کی تکفیر کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس بات سے صراحۃً کفر ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ شخص خود اپنی طرف سے دوسرے کے کلام کا مطلب ایسا بناتا ہے جس سے کفر لازم آ جائے حالانکہ متکلم سے مطلب دریافت کیا جائے یا اس کے دوسرے کلام میں غور کیا جائے تو صاف طور سے معلوم ہو جائے کہ اس کے کلام کا جو مطلب دوسرے نے بیان کیا وہ بالکل غلط تھا اس کی صحیح مراد کو اس نے سمجھا نہیں یا عناداً الٹ کر بیان کیا۔

چنانچہ آج کل یہ وبا بہت عام ہے کہ بعض لوگ محض حسد وعناد کی وجہ سے بڑے بڑے علماء کے کلام میں تحریف کر کے ان کو کافر بنانے لگتے ہیں حالانکہ وہ بار بار اپنے کلام کا صحیح مطلب بیان بھی کر چکے جو عین شریعت اور موافق کتاب وسنت ہے، مگر یہ بے باک لوگ اس پر بھی تکفیر سے باز نہیں آتے ﴿وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون﴾[1] ۱۲ظ۔

---

(۱) ترجمہ: اور اب معلوم کرلیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ الشعراء/۲۲۷۔ ۱۲م

اگر کوئی جھگڑنے والا بدون سمجھے بوجھے ہم سے بحث کرنے لگے تو ہم کو خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے قصہ ختم کر دینا چاہئے

(۳۲۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر کوئی جھگڑنے والا بدون سمجھے بوجھے ہم سے بحث کرنے لگے تو اس کے سامنے اس غرض سے دلیلیں بیان کرنے کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں کہ وہ اپنی بات واپس لے لے، بلکہ ہم کو خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے قصہ[1] ختم کر دینا چاہئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ نیت کر لیں کہ تمہارے نزدیک ہم غلطی پر ہیں، کیونکہ تم کو ہماری دلیل کی خبر نہیں، پھر اس کو سمجھانے کے واسطے دوسرے موقعہ کا انتظار کریں۔

اور اس عہد پر عمل کرنا اس شخص کیلئے (تو بہت زیادہ) ضروری ہے جس کا حال بھی ضعیف ہو (کہ مخاطب کو قوت حال سے متاثر نہ کر سکے) اور زبان بھی (گفتگو سے) قاصر ہو، (کہ قوت لسان سے بھی اپنے مدّعیٰ کو اچھی طرح ثابت نہ کر سکے)۔

میں نے ایک جماعت کو ایک مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے دیکھا کہ بحث کرتے کرتے ایک دوسرے کی آبرو پر حملہ کرنے لگا (عدالت تک نوبت پہونچی) اور جرمانے بھرنے پڑے۔ پس خبردار، خبردار تم ایسا نہ کرنا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ عقل کی بات یہ ہے کہ جس مسئلہ پر زور دینے میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو اس میں گفتگو بند کر دی جائے، کیونکہ اس (خاص) مسئلہ میں دین کی حمایت کرنے سے فتنہ کا دبانا زیادہ ضروری ہے، البتہ اگر کوئی شخص اس وقت (نصرت وحمایت دین کیلئے) متعین ہو گیا

---

(۱) ہمارے حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا یہ خاص مذاق تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مدعی تم سے جھگڑا کرے تو سب رطب ویابس اس کے سامنے کر کے یہ کہہ کر الگ ہو جاؤ کہ تم حق و باطل کا خود انصاف کر لو۔ حضرت حکیم الامۃ ادام اللہ ظلال برکاتہم کا بھی یہی مذاق ہے کسی سے الجھنا ہرگز پسند نہیں فرماتے ۱۲ ظ۔

ہو اور اس کا خصم کی بات کو مان لینا (اور اپنی خطا کا اقرار کرنا) ایسے مفسدہ کا سبب بنتا ہو جس کا ضرر فتنہ دبانے کے فائدہ سے بھی زیادہ ہو مثلاً یہ شخص مجتہد ہو جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ خلق القرآن میں تھے (یا مجتہد نہ ہو، مگر اپنے وقت میں مرجع خلائق ہو تو اس کو نصرت حق کیلئے گفتگو کرنا اور مخالف کی بات کو قوت کے ساتھ رد کرنا ضروری ہے، کیونکہ اگر ایسا شخص مخالف کی غلط بات کو تسلیم کر لے گا تو سارے مسلمان گمراہی میں پڑ جائیں گے اور غلط بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے گا۔ پس مقتدائے اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہئے، ہاں جو ایسا بڑا مقتدا نہ ہو اس کو بحث کی ضرورت نہیں، جہاں مخاطب سمجھدار، منصف مزاج ہو وہاں صحیح مسئلہ بیان کر دے اور جہاں بحث و مباحثہ کی صورت ہو خاموش رہے ۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف :- مسلمانوں کو اس عہد پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں میں جھگڑے فساد نہ پیدا ہوں، اور جب کوئی عالم اپنی تقریر میں کسی دوسرے عالم یا جماعت مسلمین پر نام لے کر حملہ کرتا ہو اس سے کہہ دینا چاہئے کہ ہم لوگ عالم نہیں ہیں، ہمارے سامنے آپ کسی عالم یا جماعت پر حملہ نہ کریں۔ اگر اس کا آپ کو شوق ہے تو خود ان کے سامنے جاکر بیان کیجئے وہ خود جواب دیں گے۔ ہمارے سامنے اتفاقی مسائل بیان کرو یا کفار کے مذاہب کا رد کرو، اسلام کے محاسن بیان کرو، اگر مسلمان یہ طرزِ عمل اختیار کر لیں اور واعظین کو ان کے سامنے کسی عالم یا جماعت اہل اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو تو مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کی شانِ گذشتہ پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے۔

اور علماء کو بھی لازم ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے دقیق اور مشکل مسائل نہ بیان کریں جو ان کی سمجھ سے باہر ہوں اور اختلافی مسائل پر جن میں شرعاً کچھ گنجائش ہو زور نہ دیں، بلکہ مسلمانوں کو فرائض و واجبات و سنن موکدہ کی تاکید کریں اور محرمات و کبائر سے روکیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کریں اور عقائد شرک بدعت سے بچانے کی کوشش کریں، ان میں مذہبی جوش اور حمیت پیدا کریں۔

ف :- مسئلہ خلق قرآن کی جس کا اس عہد میں اشارہ آیا ہے مختصر تفصیل یہ ہے کہ مامون رشید خلیفہ عباسی نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ قرآن کو مخلوق مانو جس طرح انسان وحیوان وغیرہ خدا کی مخلوق ہیں، سو چونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام الٰہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور خدا کی صفات مخلوق نہیں ہوسکتیں، اس لئے علماء نے مامون کے اس قول کو رد کیا۔ اس نے علماء کو سزائیں دینا شروع کی تو بہت لوگوں نے گول مول بات کہہ کر ظاہر میں مامون کی موافقت کرلی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مامون کے بعد خلیفہ معتصم باللہ نے جیل خانہ بھیج دیا، پھر ایک دن دربار میں بلایا تاکہ امام بھی دوسرے علماء کی طرح خلیفہ کی موافقت کرلیں اس وقت امام نے اپنے ایک شاگرد سے پوچھا کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ اس نے اطلاع دی کہ ہزاروں طلبہ اور ہر طبقہ کے ہزاروں مسلمان دوات، قلم لئے باہر کھڑے اس بات کے منتظر ہیں کہ امام احمد بن حنبل جو کچھ فرمائیں اس کو لکھ لیا جائے اور اسی کے موافق عقیدہ رکھا جائے گا، اس وقت امام نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا کہ اگر جان بچانے کیلئے میں نے غلط مسئلہ میں خلیفہ کی موافقت کرلی تو تمام مسلمان گمراہ ہو جائیں گے اور یہ گمراہی ہمیشہ کے لئے میرے نامۂ اعمال میں رہے گی، اس لئے اپنی بات پر جمے رہے اور برسرِ دربار فرمایا کہ قرآن کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے''۔

یہ مطلب نہیں کہ قرآن کے کاغذات اور جلد ونقوش مخلوق نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے نقوش اور ہماری آواز اور لب ولہجہ سے قرآن پڑھتے ہوئے جو کلام پڑھنے میں آتا ہے وہ کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے گو ہماری آواز اور ہمارا لہجہ وغیرہ مخلوق ہے، مگر ہماری آواز اور لہجہ کی جس کلام الٰہی پر دلالت ہو رہی ہے وہ مخلوق نہیں۔

یہ مسئلہ باریک ہے اگر عوام کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس میں زیادہ کاوش نہ کریں، بس اتنا سمجھ لیں کہ کلام اللہ مخلوق نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہیں اس کی صفات بھی قدیم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے ساتھ ساتھ ہیں الگ نہیں۔

اپنے دوستوں میں سے کسی کو ناجائز کام کا ارتکاب کرنے کے بعد ارادہ الٰہی سے حجت پکڑنے کا موقع نہ دیں

(۳۳۰) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو ناجائز کام کا ارتکاب کرنے کے بعد ارادۂ الٰہی سے حجت پکڑنے کا موقعہ نہ دیں (اگر وہ یہ بہانہ کرے کہ اللہ کو یہی منظور تھا اس لئے مجھ سے ایسا فعل ہو گیا تو اس کو سخت تنبیہ کریں) اور جب ہم اس کو اللہ کے احکام بیان کر کے نصیحت کریں تو اس کے مقابلہ میں مشیت الٰہی کی آڑ لینے کا بھی موقع نہ دیں (اگر وہ کہے کہ اللہ کو منظور ہو گا تو میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا تو اس کو سزا دینی چاہئے ۱۲)

کیونکہ اس قسم کے بہانے قلت دین پر دلالت کرتے ہیں اگر چہ (فی نفسہٖ) یہ بات ٹھیک ہے (اور واقعی انسان بدون مشیت الٰہی کے کچھ نہیں کر سکتا مگر اس کو حجت میں پیش کرنے کا حق نہیں، کیونکہ اس کا تو صاف یہ مطلب ہوا کہ انسان مجبور محض ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ بھی اختیار نہیں دیا حالانکہ انسان مجبور بھی ہے، مختار بھی ہے۔ نہ بالکل مجبور ہے نہ پورا مختار ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں کو مشیت پر چھوڑ کر کوئی نہیں بیٹھتا کہ اگر اللہ کو منظور ہوا کھانا کھالوں گا، نکاح کرلوں گا، تجارت کرلوں گا، ملازمت قبول کرلوں گا، وغیرہ وغیرہ، ان کاموں میں انسان ایسی جان توڑ کوشش کرتا ہے کہ گویا اسی کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔ پھر یہ کیا مصیبت ہے کہ دنیا کے کاموں میں تو اپنے کو با اختیار سمجھا جائے ان کے لئے پوری کوشش کی جائے اور دین کے کاموں میں مجبور محض بن کر یہ کہا جائے کہ جب خدا کو منظور ہو گا دین کے کام کرلیں گے ۱۲)

پھر جو شخص اپنے شیخ کے سامنے مشیت کی آڑ لے گا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا، کیونکہ ایسا شخص احکام بجالانے میں ہمیشہ سستی کرے گا اور محرمات کا ارتکاب کر کے کبھی نادم نہ ہو گا (نیک کاموں میں اس کا نفس یہ کہے گا کہ خدا کو منظور ہو گا تو نماز کی خود توفیق ہو جائے گی اور برے کام کر کے یوں کہے گا کیا کروں اللہ کو مجھ سے یہ گناہ کرانا ہی منظور تھا ۱۲)

اور یہ حجت اگر کسی کو نفع دیتی تو سب سے پہلے) شیطان کو نفع دیتی، ہم کو روایت پہونچی ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے بحث کی تھی کہ اے پروردگار! آپ نے مجھے آدم کو سجدہ

کرنے کا حکم کس طرح دیا جب کہ آپ کی مشیت ہی یہ نہ تھی کہ میں آدم کو سجدہ کروں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (بتلا!) تجھے اس بات کا علم کس وقت ہوا کہ تیرا آدم کو سجدہ کرنا مجھے منظور نہیں۔ انکار سے پہلے علم ہوا یا انکار کرنے کے بعد، کہا اے پروردگار! بلکہ انکار کے بعد علم ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسی پر تجھ سے مواخذہ کیا ہے'' (کہ تو نے خود اپنے ارادہ سے میرے حکم کی تعمیل سے انکار کیا، میرے ارادہ کا علم تجھ کو اس وقت تک کچھ نہ تھا، میرے ارادہ اور مشیت کا علم تو بعد میں ہوا سو اس سے کیا ہوتا ہے؟)۔ اس پر ابلیس (دم بخود ہو کر) چپ ہو گیا اور کوئی ایسی حجت اس کے پاس نہ رہی جس سے اپنے کو (جرم سے) بری کر سکے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بندہ سے (احکام الٰہی کی) جس قدر مخالفتیں سرزد ہوتی ہیں وہ صرف دو حالتوں میں ہوتی ہیں یا غفلت کی حالت میں (کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی عظمت سے دل خالی ہو) یا تاویل کی حالت میں (کہ اللہ تعالیٰ کی بھی عظمت ہے اور احکام کی بھی، مگر نفس نے کوئی تاویل ایسی کر لی جس کی وجہ سے عام حکم کو خاص وقت تک کیلئے محدود سمجھ لیا) جیسا حضرت [1] آدم علیہ السلام کو پیش آیا اور اسی غفلت یا دتاویل) کی وجہ سے بندوں پر حجت قائم کی گئی (اور الزام عائد کیا گیا) ہے۔

اور ہم نے (اپنی کتاب) لواقع کبریٰ میں اس مضمون پر مفصل گفتگو کی ہے۔ واللہ غفور رحیم، اس کو سمجھ لو اور ادب (کے رشتہ) کو مضبوطی سے تھامے رہو اور اس بات کو جانتے ہوئے

---

(۱) انہوں نے شجرہ ممنوعہ کے کھانے میں ایک تاویل کی وجہ سے پیشقدمی کی کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کو خاص وقت تک کیلئے محدود سمجھ لیا اور یوں خیال کیا کہ کھانے پینے کی چیزوں سے ممانعت کرنا دو طرح سے ہے ایک بطور شفقت کے جیسے باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرے کہ فلاں چیز نہ کھانا، دوسری بطور قانون کے جیسے بادشاہ اپنی رعایا کو کسی چیز کے کھانے سے بالکل منع کر دے اور قانون مقرر کر دے کہ یہ چیز بازار میں نہ آنے پائے، پہلی صورت میں ممانعت کے سبب احتمال ضرر ہے اور وہ اس وقت تک کیلئے مخصوص ہوتی ہے جب تک لڑکا کمزور یا بیمار ہے اور ضرر کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں ممانعت کا سبب اس شیٔ کا قانوناً حرام ہوتا ہے یہ ممانعت وقت معین کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی بلکہ حکم ثانی تک اس شیٔ کا استعمال جرم رہے گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کہ قضاء وقدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا تم یوں ہی کہو ﴿ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین﴾ [1] اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (ہم سے خطا ہوگئی) اور اگر آپ ہم کو معاف نہ فرمائیں اور ہمارے اوپر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم خسارہ میں پڑ جائیں گے، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہم مشیت (الٰہی) پر ایمان رکھتے ہیں، مگر اس سے حجت [2] نہیں پکڑتے (نہ مشیت کی آڑ لے کر اپنے کو بے قصور سمجھتے ہیں)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ممانعت کو پہلی صورت پر محمول کیا دوسری صورت پر اس لئے محمول نہ کیا کہ وہ درخت جنت میں تھا اور جنت میں حرام چیز کوئی نہیں، وہاں سب حلال اور طیبات ہی ہیں کیونکہ حرام محل غضب ہے اور جنت محل رضا ہے۔ اس میں ایسی اشیاء نہیں ہیں جو محل غضب ہوں۔ پس آدم علیہ السلام نے اجتہاداً یہ سمجھا کہ اس درخت سے ممانعت کی علت یہ تو ہے نہیں کہ یہ حرام ہے، حرام ہوتا تو جنت میں کیوں ہوتا؟ بس علت ممانعت محض شفقت ہے کہ پیدا ہوتے ہی میرا معدہ ہر غذا کا متحمل نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض غذاؤں سے منع فرمادیا تاکہ مجھے ضرر نہ ہو اور اب میرے معدہ کی وہ حالت نہیں جو ابتداء میں تھی اب اس میں قوت ہضم کافی آگئی ہے اس لئے مجھے جنت کی ہر شئی کا استعمال جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور ہر چند کہ آدم علیہ السلام کی یہ خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا دوسروں کیلئے جرم نہیں، بلکہ اس میں بھی ثواب ملتا ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کے مقامات بہت بلند ہیں ان سے خطا اجتہادی پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے ''حسنات الابرار سیئات المقربین''۔۱۲ظ۔

(۱) اعراف/۲۳۔

(۲) اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے مشیت الٰہی سے ہوتا ہے، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ مشیت الٰہی ہمارے اختیار کو زائل نہیں کردیتی گو الفاظ میں اس کی کیفیت کو بیان نہ کرسکیں کہ مشیت الٰہی کا تعلق ہماری مشیت اور ہمارے افعال کے ساتھ کس طرح اور کیونکر ہے کہ باوجود اس کی قوت کے پھر بھی ہمارا اختیار زائل نہیں ہوتا، مگر وجدان اس کو محسوس کرتا ہے کہ افعال اختیاریہ میں ہمارے اختیار کو بھی دخل ضرور ہے۔

دیکھو ایک شخص اپنے گھر سے جیب میں روپیہ ڈال کر شراب کی دکان پر جاتا اور شراب خرید کر پیتا ہے دوسرے کو چار آدمی پکڑ کر گراتے اور اس کے منہ میں شراب ڈالتے ہیں دونوں نے شراب پی اور مشیت بھی دونوں کے ساتھ متعلق تھی، (باقی اگلے صفحہ پر)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنے دوستوں کو تاکید کریں کہ زمانہ اور اہل زمانہ کے ساتھ چلتے رہیں

(۳۳۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو تاکید کریں کہ زمانہ کے ساتھ اور زمانہ والوں کے ساتھ جس طرح وہ چلیں چلتے رہیں یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ان سے اونچا کر دیں اس کو ہرگز حقیر نہ سمجھیں اگر چہ وہ دنیا کے کاموں اور دنیوی حکومت ہی میں اونچا ہو (دین میں ان سے زیادہ نہ ہو) یہ سب محض اللہ عز وجل کے ادب سے جس نے ان کو بلند کیا ہے، کیونکہ وہ کسی کو بدون حکمت کے بلند نہیں کرتے، پھر جو لوگ (دنیا میں) ان سے اونچے درجہ پر پہونچ گئے ہیں ان کی تحقیر سے نفع کیا جب کوئی ان کی بات پر کان ہی نہیں دھرتا۔

اور اس عہد پر بہت کم لوگ عمل کرتے ہیں چنانچہ (تم رات دن دیکھو گے کہ) لوگ محتسب یا وزیر (اور قاضی یا مفتی) کے متعلق اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ ان کمینوں کو ہمارے سامنے بڑائی ظاہر کرنے کا کیا منہ ہے؟ حالانکہ ہم ان (کی اصل نسل اور ان) کے باپ دادوں کو (خوب) جانتے ہیں فلاں کا باپ جھاڑو دیا کرتا تھا اور فلانے کا باپ ملاح تھا، فلاں کا باپ کسان تھا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کی بیہودہ بکواس لگاتے رہتے ہیں، اور جو شخص اس زمانہ میں اس معیار کو چلانا چاہے گا وہ اپنے زمانہ[1] والوں کی برکت سے محروم رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مگر دونوں کی حالت یکساں نہیں پہلا مختار تھا اور دوسرا مجبور۔

اسی طرح ایک عورت بازار میں مکان لیتی اور بے حیا بن کر زنا کاری کا پیشہ کرتی ہے دوسری کے گھر پر دس آدمی دیوار کود کر آتے ہیں اور جبراً اس کے ساتھ زنا کرتے ہیں، دونوں سے زنا کاری کا ارتکاب ہوا اور مشیت بھی دونوں کے ساتھ تھی، مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دونوں کی حالت برابر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ پہلے نے اپنے اختیار سے زنا کیا دوسرے نے جبراً۔ پس معلوم ہوا کہ مشیت کے تعلق سے انسان کا اختیار سلب نہیں ہوتا۔ ۱۲ ظ

(۱) کیونکہ آج کل شرفاء کو علم دین کا تو شوق نہیں اور دنیوی علوم میں (باقی اگلے صفحہ پر)

اگر ہم کو کسی بادشاہ یا حاکم یا سردار سے ملنے کا اتفاق ہو تو اپنے لئے دعا کی درخواست کریں

(۳۳۲) ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہم کو کسی بادشاہ یا حاکم یا سردار قوم سے ملنے کا اتفاق ہو تو اس سے اپنے لئے دعا کی درخواست کریں اگر چہ وہ نیک بھی نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان بڑے بڑے لوگوں کی دعا ان کی قوم اور رعیت کے سامنے رد کر کے انکو رسوا کرنے سے غیرت وحیا فرماتے ہیں (اس لئے جب رعیت اپنے حکام یا بادشاہ سے دعا کی درخواست کرتی ہے تو عموماً ان لوگوں کی دعا قبول ہو جاتی ہے گو وہ نیک بھی نہ ہوں) جیسا فرعون کو پیش آیا کہ ایک دفعہ دریائے نیل کا پانی کم ہو گیا (آب پاشی دشوار ہوگئی) تو رعیت نے فرعون سے درخواست کی کہ دریائے نیل کا پانی اوپر تک آ جائے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے اپنے بندوں کے سامنے رسوا اور شرمندہ نہ کر! (اور دریائے نیل کا پانی بڑھا دے) اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی (وہ ایسے کریم ہیں کہ دنیا میں اپنے دشمن کو بھی رسوا اور ذلیل نہیں کرنا چاہتے، مگر یہ کہ کوئی حد سے نکل جائے اور مخلوق خدا پر ظلم کرنے لگے تو اس کو حکومت وعزت سے الگ کر دیتے ہیں) یہ ایسا راز ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں[1] (اس لئے سلاطین وحکام سے دعا کی درخواست کوئی نہیں کرتا ۱۲) واللہ علیم حکیم۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ان سے محنت نہیں ہوتی اور چھوٹی قوموں میں غریبوں کو علم دین کا شوق ہے اور مال والوں کو علوم دنیا کا اور وہ محنت بھی خوب کرتے ہیں اس لئے شرفاء سے زیادہ وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت علم دین اور علم دنیا دونوں میں چھوٹی قومیں شرفاء سے آگے ہیں وہی بڑی بڑی عہدوں پر براج رہے ہیں، اب اگر شرفاء علوم کی برکت حاصل کرنا یا حکام سے مطلب نکالنا چاہیں تو ان کو چھوٹی قوموں کے آگے جھکنا پڑے گا اور وہ انمیں اینٹھ مڑوڑ میں رہے تو برکت علم سے بھی محروم رہیں گے اور حکام وقت سے بھی ان کو کوئی مرتبہ عزت کا نہ ملے گا۔ خوب سمجھ لو۔

(۱) ہمارے حاجی صاحب قدس سرہ کے ایک دوست مولوی صاحب جو سلطان اسلام کی دعوت پر ان سے ملنے جا رہے تھے، حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو سلطان سے آپ کا کچھ تذکرہ کر دوں۔ فرمایا کیا ہوگا؟ بس یہی نا کہ آپ (باقی اگلے صفحہ پر)

۹۴۵ھ میں مجھے ایک ضرورت کی وجہ سے داؤد پاشا نائب مصر سے ملنے کا اتفاق ہوا، تو میں نے اپنے چند معاملات کے متعلق جومہینوں سے رکے ہوئے پڑے تھے ان سے دعا کی (۱) درخواست کی، پھر قلعہ سے اترا ہی تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ سب معاملات پورے ہو گئے ہیں اس کو سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔

جنازہ کی نماز پڑھانے کیلئے آگے نہ بڑھیں

(۳۳۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جنازہ کی نماز (پڑھانے) کیلئے کبھی آگے نہ بڑھیں جب کہ وہاں کوئی دوسرا شخص امامت کے لائق موجود ہو، کیونکہ جنازہ کی نماز (درحقیقت) سفارش ہے (کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی جناب میں میت کیلئے اس کو اپنے سامنے رکھ کر سفارش کرتے ہیں) اور عادۃً سفارش کا دروازہ وہی لوگ کھولتے ہیں جو مقرب بارگاہ ہوں جن کا کوئی جرم بادشاہ کے یہاں (محفوظ) نہ ہو (اور ظاہر ہے کہ ہم ایسے نہیں اور اگر اپنے آپ کو ہم ایسا سمجھیں گے تو یہی جرم اتنا بڑا ہے جو ہم کو بارگاہ قرب سے نکالنے کو کافی ہے ۱۲)۔

اور اگر لوگ اصرار کریں اور (بدون ہمارے آگے بڑھے) نماز نہ پڑھیں اور (نماز میں دیر ہونے سے) میت (کے بدن) پر تغیر کا اندیشہ ہو تو اس وقت ہم کو بڑھ جانا اور اپنے لئے اور میت کیلئے استغفار کرتے ہوئے نماز پڑھا دینا چاہئے، کیونکہ اس وقت ہم دوسروں کے تابع ہوں گے (خود پیشقدمی کرنے والے نہ ہوں گے)۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کی طرح بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے دور ہو جائے گا سو یہ مجھے منظور نہیں، مگر ہاں چونکہ وہ بادشاہ اسلام ہیں اور عادل بھی ہیں اور سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اس لئے آپ میرے لئے ان سے دعا کی درخواست کیجئے گا جس کا طریقہ بھی میں بتلائے دیتا ہوں کہ ان کو میرا اسلام پہونچا دیجئے گا، وہ جواب میں ''علیہ وعلیکم السلام'' فرمائیں گے۔ بس میرے حق میں دعا ہو جائے گی (کیونکہ سلامت و عافیت دارین میں تمام مقاصد حسنہ داخل ہیں) سچ یہ ہے کہ ان اسرار کو حضرات صوفیہ ہی خوب سمجھتے ہیں۔ ۱۲ ظ

(۱) یہ ایسے معاملات تھے جن کا تعلق حکام اور حکومت سے نہ تھا، بلکہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے تھا۔ جب ہی تو دعا کے قبول ہونے کا علم ہو سکا ورنہ یہ بھی احتمال ہو سکتا تھا کہ داؤد پاشا نے اپنے عمال کو ان کاموں کے پورا کردینے کا حکم دیدیا ہو۔ ۱۲ ظ

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم نے تو (پہلے) لوگوں کو اس حالت پر پایا ہے کہ وہ جنازہ کی امامت کے زیادہ لائق اسی شخص کو سمجھتے تھے جس کو فرائض (پنجگانہ) کیلئے پسند کرتے تھے، پس خبردار! تم اس میں مزاحمت نہ کرنا (اور جب تک مسجد محلّہ کا امام موجود ہو جنازہ کی نماز پڑھانے میں پیشقدمی نہ کرنا) خصوصاً بڑے مجمع میں (کیونکہ ایسے موقع پر کسی اجنبی کی پیشقدمی سے عموماً فساد اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے،)۔ واللہ غفور رحیم

جب اللہ تعالیٰ سے دنیوی خواہشوں یا منصوبوں کیلئے دعا کریں تو تفویض کے ساتھ کریں

(۳۳۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سے دنیوی خواہشوں یا منصوبوں کیلئے جب کبھی دعا کریں تفویض کے ساتھ کریں (یعنی اپنی تجویز پر زور نہ دیں، بلکہ یوں کہیں کہ اے پروردگار! اگر آپ کے نزدیک ہمارے لئے اس میں بہتری اور بھلائی ہو ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے یا فلاں منصب ہم کو عطا فرما دیجئے ۱۲) تا کہ اس کا انجام اچھا ہو انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ ہم انجام سے ناواقف ہیں (اس کا علم خالق کو ہے)

اور دنیوی خواہش کی قید سے وہ خواہشیں خارج ہوگئیں جن کا حصول شرعاً محمود (ومطلوب) ہے جیسے رات کو (تہجد کیلئے) اٹھنا اور دنیا میں زہد و (بے رغبتی) حاصل ہونا اور اپنے علم پر عمل کی توفیق ہونا (وغیرہ) کہ ان چیزوں میں تفویض کی ضرورت نہیں نہ ان میں ہم کو استدراج (یعنی قہر بصورت لطف) پیش آئے گا کیونکہ مأمورات شرعیہ میں (جو شرعاً مطلوب ومحمود ہیں) مامور بہا ہونے کی حیثیت سے مکر واستدراج نہیں ہوسکتا، ان میں اسی وقت کچھ اندیشہ ہے جبکہ (شرعی حکم کی وجہ سے ان کو اختیار نہ کیا جائے، بلکہ) ریا (دکھلاوا) یا ناموری (کا خیال) یا ان کے سوا اور علتیں شامل ہو جائیں اور تفویض کا طریقہ [1] یہ ہے کہ

---

(۱) تفویض کا جو طریقہ یہاں مذکور ہے یہی استخارۂ مسنونہ کا حاصل ہے جس کی حدیث میں بہت ترغیب دی گئی ہے۔ ایک روایت میں ہے "ماخاب من استخار" (۲) جو شخص استخارہ (کر کے کام) کرتا ہے وہ ناکام نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔

(۲) مجمع الزوائد للهيثمي ص ۲۸۰ ج ۲، تاریخ بغداد للخطیب ص ۵۴ ج ۳، کشف الخفاء ص ۲۴۲ ج ۲۔ مرتب

(دعا کرتے ہوئے) یوں عرض کرے کہ اے اللہ! مجھے فلاں منصب دید یجئے یا فلانی عورت سے میری شادی کرادیجئے یا فلاں کام کی توفیق عطا فرمایئے اگر اس میں میرے لئے بھلائی ہو اور اس کا انجام اچھا ہو، جب تم اس طرح دعا کرو گے تو تم نے تفویض کے ساتھ درخواست کرلی اور (اب اس میں کچھ خرابی دینی یا دنیوی انشاء اللہ پیش نہ آئے گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے عہد کو پورا فرمانے والے ہیں (اور ان کا وعدہ ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، تو جب ہم تفویض کے ساتھ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی شرط سے قبول کریں گے کہ ہمارے لئے اس میں بھلائی ہو اور انجام بھی اچھا ہو) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر نعمت اور مصیبت کے دونوں رخ دیکھا کریں

(۳۳۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ ہر نعمت اور مصیبت کے دونوں رخ دیکھا کریں، (ایک ہی رخ کو نہ دیکھیں اور) کسی نعمت یا مصیبت کی محض ظاہری صورت کے اوپر نہ رہیں، کیونکہ بعض دفعہ مصیبتوں (کی شکل) میں نعمتیں آتی ہیں اور کبھی نعمتوں (کی صورت) میں بلائیں آجاتی ہیں۔

اگر ہم نعمتوں کے باطنی رخ کو دیکھیں تو ان کو طرح طرح کی آزمائشوں میں گھرا ہوا پائیں گے، کم از کم ایک بلا تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت والے سے یہ مطالبہ فرماتے ہیں کہ اس نعمت کو کسی وقت بھی کسی مخلوق کی طرف منسوب نہ کرے[1] (کہ فلاں کی وجہ سے مجھ کو یہ نعمت ملی، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہوا جو کچھ ہوا اور مخلوق محض واسطہ ہے)۔

---

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق کو واسطہ بھی نہ سمجھے اور اس کا شکر بھی ادا نہ کرے، نہیں نہیں، جن نعمتوں میں مخلوق کا واسطہ ہو ان میں مخلوق کو واسطہ سمجھے اور واسطہ کا جتنا حق ہے اس کو ادا بھی کرے، مگر واسطہ کو واسطہ کی حد سے نہ بڑھائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واسطہ سے زیادہ کرے جس کی علامت یہ ہے کہ اگر یہ واسطہ کسی وقت مرضی حق کے خلاف کوئی حکم کرے تو یہ خیال کر کے کہ اس کے احسان سے میرا فلاں کام بنا ہے، خدا کے خلاف کام ہرگز نہ کرے اور سمجھ لے کہ کام بنانے والا یہ نہ تھا، بلکہ خدا تھا یہ محض واسطہ تھا۔ پھر میں واسطہ کی خوشامد میں اصلی آقا کو کیوں ناراض کروں ۱۲ ظ۔

نیز اللہ تعالیٰ اس سے یہ بھی مطالبہ فرماتے ہیں کہ نعمت کو انہی مواقع میں صرف کرے جہاں اللہ تعالیٰ اس کے صرف کو پسند فرماتے ہیں۔

نیز یہ مطالبہ بھی ہوتا ہے کہ نعمت کے حقوق ادا کرے اور ہمیشہ عملی طریقہ پر اس کا شکر بجالائے محض زبان ہی سے نہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے آل داؤد سے فرمایا ہے ﴿اعملوا آل داؤد شکرا﴾ [1] کہ اے آل داؤد (میری نعمتوں کا) شکر ادا کرنے کیلئے عمل کرو، یہ نہیں فرمایا ”قولوا آل داؤد شکرا“ کہ اے آل داؤد! زبان سے کہا کرو کہ (اللہ تیرا) شکر ہے، اور ہم داؤد علیہ السلام کی امت سے زیادہ اس کے مستحق ہیں (کہ عملی شکر بجالائیں محض زبانی شکر پر کفایت نہ کریں) خوب سمجھ لو۔

اب جو شخص نعمت میں ان بلاؤں کا مشاہدہ (بھی) کرتا ہو (بتلاؤ) وہ ان سے لذت حاصل کرنے کی فرصت کب پائے گا۔

اسی طرح اگر ہم تکلیفوں اور مصیبتوں کے باطن پر نظر کریں تو ان کا اپنے حق میں بہت بڑی نعمت ہونا معلوم ہوگا، اور یہ گفتگو دنیوی تکالیف ومصائب میں ہے نہ ان بلاؤں میں جو دین کے اندر (خلل انداز) ہوں (دنیاوی تکالیف ومحن میں غور کیا جائے تو واقعی وہ نعمت سے خالی نہ ہوں گی) کیونکہ ان سے ذلت وعاجزی پیدا ہوتی اور (ہمارا) بازو جھک جاتا اور سرکشی جاتی رہتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿کلا ان الانسان لیطغیٰ، ان رأہ استغنی﴾ [2] کچھ نہیں واقعی انسان سرکش بن جاتا ہے جب اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے“ (جب استغناء کا یہ اثر ہے تو افلاس وتکلیف کا اثر برعکس ہوگا، اس سے سرکشی جاتی رہتی ہے)۔

نیز (تکالیف ومصائب میں یہ بھی فائدہ ہے کہ) ان سے طاعات (وعبادات) اور علوم ومعارف میں عجب نہیں پیدا ہوتا (کیونکہ تکلیف کی پریشانی سے طاعات وعبادات اور علوم وغیرہ میں بسط اور لذت حاصل نہیں ہوتی تو انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کیا ہی کیا ہے جو اس پر اتراؤں میری تو نہ نماز ٹھیک ہے، نہ مجھ سے ذکر وشغل پوری طرح ہوتا ہے ۱۲) اور مثل مشہور ہے ”من لا یجیء بشراب اللیمون جاء بحطبہ“ (جو شربت لیموں پلانے سے

---

(۱) سبا/۱۳۔ (۲) العلق/۶، ۷۔

نہ آئے وہ اس کی قمچی سے آئے گا۔ جو باتوں سے نہ آئے وہ لاتوں سے آئے گا ۱۲)۔

پس مصیبت سے انسان کی آزمائش اسی وقت کی جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دربارِ خداوندی کی طرف اس کو متوجہ نہ کرتی ہوں، جب نعمتیں اس کو خدا کی طرف متوجہ نہیں کرتیں تو اب اللہ تعالیٰ اس کو مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿**وبلوناهم بالحسنات والسيئات لعلهم يرجعون**﴾ (۱) (اور ہم نے ان کو راحتوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا شاید اللہ کی طرف رجوع کریں یعنی اول تو ان کو راحتوں اور نعمتوں میں رکھا جب ان سے رجوع نہ ہوئے تو مصائب وتکالیف میں مبتلا کر دیا ۱۲)

اور سیدی تاج الدین بن عطاء اللہ نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ (بعض دفعہ دینی مصائب یعنی معاصی میں بھی نعمت ہوتی ہے، کیونکہ) جو گناہ (بندہ میں) ذلت وانکسار پیدا کردے وہ اس طاعت سے بہتر ہے جو غرور وتکبر پیدا کرے (۲)، اس کو خوب سمجھ لو۔

---

(۱) اعراف/۱۶۸۔

(۲) شیخ ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ کا یہ مقصود نہیں کہ ذلت وانکسار پیدا کرنے کیلئے گناہ قصداً کرنا چاہئے، نعوذ باللہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ زہر قاتل ہے اور کوئی عقلمند زہر قاتل کے کھانے کی قصداً جرأت نہیں کر سکتا، گو کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ زہر ہضم ہو گیا تو بجائے ہلاکت کے پہلے سے زیادہ طاقت پیدا کر دی، مگر اس پر بھی کوئی عاقل زہر کھانے کی جرأت نہیں کرتا کیونکہ اس میں ہلاکت کا خطرہ قوی ہے اور یہ احتمال ضعیف ہے کہ ہضم ہو جائے اور طاقت پیدا کر دے، اسی طرح گناہوں پر قصداً اقدام کرنا ہرگز جائز نہیں نہ کوئی عارف اس کی اجازت دے سکتا ہے اور جو اس کی اجازت دے وہ عارف نہیں۔

شیخ ابن عطاء اللہ کا مقصود ان باتوں پر متنبہ کرنا ہے ایک اس پر کہ انسان اپنی طاعات پر ناز کر کے دوسروں کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی طاعات قیامت میں عجب وغرور کی وجہ سے کام نہ آئیں اور وہ گنہگار جن کو اس نے حقیر سمجھا تھا اپنی ذلت وانکسار کی بدولت بخشے جائیں، دوسرے یہ کہ اگر کسی متقی سے کبھی کسی وقت کوئی گناہ ہو جائے اور باوجود توبہ استغفار اور گریہ وزاری کرنے کے اس کا قلق اور رنج دل سے دور نہ ہو تو اس کو یہ سمجھ کر اپنے نفس کو تسلی (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی مرید کو اس کے شیخ سے نہ بگاڑیں

(۳۳۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ کسی مرید کو اس کے شیخ سے نہ بگاڑیں (اور کوئی کام یا کوئی بات اس کے سامنے ایسی نہ کریں جس سے وہ ہماری طرف مائل اور اپنے شیخ سے بدگمان ہو جائے) نہ اس کی طرف (زیادہ) توجہ کریں، نہ بشاشت ظاہر کریں، نہ اس کی زیادہ خاطر داری کریں، مگر یہ کہ ہم (دیانت کے ساتھ اس بات کو) جانتے ہوں کہ ہم اس کے شیخ سے زیادہ طریق (سلوک وتربیت) کو جانتے ہیں۔ اور اس کا شیخ طریق سے ناواقف ہے اور مرید طالب صادق ہے تو اس صورت میں اس کو اپنی طرف کشش کرنے کا مضائقہ نہیں، مگر خدا سے معاملہ ہے، اس لئے اس میں غایت درجہ دیانت اور خلوص کی ضرورت ہے) اور اگر ہم اس درجہ کے نہ ہوں تو ادب کی بات یہ ہے کہ (دوسروں کے مریدوں سے) ترش رو ہو کر ملیں [1] تاکہ ان کو ہماری طرف میلان نہ ہو جائے اور ہم درویشوں کے ساتھ خیانت کرنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دے لینا چاہئے کہ اس گناہ میں بھی میرے واسطے نعمت تھی کہ طاعات واذکار واشغال وانوار وکیفیات بسط سے جو عجب ودلال پیدا ہو گیا تھا یا پیدا ہونے والا تھا وہ زائل ہو کر ذلت وانکسار کی دولت حاصل ہو گئی، اس طرح تسلی کر کے اپنے کام میں لگے اسی ایک گناہ کی ادھیڑ بن میں نہ رہے، کیونکہ گناہ کا ہر وقت مستحضر رکھنا ترقی محبت سے مانع ہو جاتا اور محبوب ومحب میں حجاب بن جاتا ہے۔

یہ طریق محبت عجیب ہے کہ اس میں کبھی گناہوں کے استحضار کی ضرورت ہے، کبھی جی بھر کے توبہ واستغفار کر لینے کے بعد گناہوں کو دل سے بھلا دینے کی ضرورت ہے، اس لئے عارفین کبھی گناہوں کی مضرتیں نہایت شد ومد سے بیان کرتے ہیں، کبھی تسلی کیلئے ان کی حکمتیں بھی بیان کرتے ہیں اور اس کا موقع بھی وہی خوب سمجھتے ہیں کہ کس کو تازیانہ کی ضرورت ہے اور کس کو تسلی کی حاجت ہے، اسی لئے عوام کو ان کے کلام کا مطالعہ بدون کسی محقق کی رہنمائی کے جائز نہیں، کیونکہ وہ ان کے کلام کے موقع ومحل سے واقف نہیں۔ واللہ اعلم ۱۲ ظ۔

(۱) سیدی الشیخ مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہ سے بعض لوگوں کو شکایت تھی کہ مولانا صرف اپنے مریدوں پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں دوسروں پر توجہ نہیں فرماتے، (باقی اگلے صفحہ پر)

پھر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے طریقہ پر ہمارے واسطے کسی ایسے کو کھڑا کردیں جو ہمارے دوستوں (اور مریدوں) کو ہم سے بگاڑ دے، جیسا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے "عفوا عن نساء المسلمین تعف نساء کم وبروا آباء کم تبر کم ابناء کم"(۱)، تم مسلمانوں کی عورتوں سے بچتے رہو تمہاری عورتیں باعصمت رہیں گی، تم اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھو تمہاری اولاد تمہارا ادب کرے گی (اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا اور ان کی عصمت برباد کرتا ہے اس کی عورتوں کی عصمت(۲) بھی برباد ہو جاتی ہے۔

اور جو اپنے باپ کا ادب نہیں کرتا اس کی اولاد بھی اس کا ادب نہیں کرتی ۱۲) اور انسان

(بقیہ صفحہ گزشتہ) یہ شکایت کرنے والے اس عہد کو پڑھیں اور دیکھیں کہ سلف کا طریقہ یہی تھا کہ دوسروں کے مریدوں سے ترش رو ہو کر ملتے تھے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے تاکہ ان کو ہماری طرف میلان نہ ہو جائے، غالباً مولانا قدس سرہ اسی لئے دوسروں پر زیادہ توجہ نہ فرماتے تھے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

(۱) یہ حدیث مجمع الزوائد للہیثمی ص ۱۸۱ اور ۱۳۱ ج ۸۔ اور تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۳۱ ج ۶ میں عن نساء المسلمین کے الفاظ کے بغیر موجود ہے اور کشف الخفاء ص ۹۷ ج ۲۔ اور ذکر اخبار اصفہان ص ۴۸ ج ۲ میں "عن نساء الناس" کے ساتھ موجود ہے۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

(۲) عرب میں مثل مشہور ہے "دقة بدقة ولو زدت لزاد السقاء" جس کی اصل یہ ہے کہ ایک سقہ دس برس سے ایک شخص کے گھر میں جس کی بیوی نہایت حسین تھی پانی بھرتا تھا کبھی اس مدت میں سقہ سے کوئی بات خیانت کی ظاہر نہ ہوئی۔ ایک دن وہ پانی بھرنے آیا تو عورت نے ایک برتن اس کی مشک کے سامنے کر دیا، برتن بھروا کر جب وہ جانے لگی تو سقہ نے اس کی سرین پر ہاتھ مارا، عورت کو اس حرکت سے تعجب ہوا کہ دس برس کا دیانتدار ملازم آج اس کو یہ کیا سوجھی؟ جب اس کا شوہر بازار سے واپس آیا اس نے شوہر سے دریافت کیا کہ سچ بتلاؤ آج تم نے کیا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ کہا یہ ہو نہیں سکتا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ تو اس نے اقرار کیا کہ ایک عورت بازار میں نظر پڑی وہ میرے پاس سے گذری تو میں نے اس کی سرین پر ہاتھ مارا، یہ سن کر بیوی نے بے ساختہ کہا "دقة بدقة ولو زدت لزاد السقاء" (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے نفس کو خوب جانتا ہے (اس لئے تاویل سے کام نہ چلے گا سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے)۔

ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کے ساتھ اعتقاد میں پختہ ہو تو اس کا اکرام کرنا اور اس سے اچھی طرح ملنا ہم کو درست ہے جیسا ان درویشوں سے ہم برتاؤ کرتے ہیں جو کسی شیخ سے تعلق نہیں رکھتے اور برکت حاصل کرنے کے لئے سب مشائخ کی زیارت کیا کرتے ہیں (ویسا ہی ان سے برتاؤ کیا جائے) واللہ علیم حکیم۔

علماء وصالحین کو عمدہ کپڑے پہنتے اور لذیذ غذائیں کھاتے دیکھ کر جلدی سے ان پر اعتراض نہ کیا کریں

(۳۳۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ علماء وصالحین کو عمدہ کپڑے پہنتے اور لذیذ غذائیں کھاتے دیکھ کر جلدی سے ان پر انکار (واعتراض) نہ کیا کریں، کیونکہ بعضے امراء

(بقیہ صفحہ گزشتہ) چوٹ کی برابر چوٹ ہے اگر تو آگے بڑھتا تو سقہ بھی آگے بڑھتا۔ پھر اس نے سقہ کا قصہ بیان کیا۔

اس کے بعد یہ مثل مشہور ہوگئی تو ایک بادشاہ نے اس کو اس طرح آزمایا کہ اپنی حسین جمیل بیٹی کو ایک فقیر عورت کے ساتھ منہ کھول کر شہر اور بازار میں گشت کا حکم دیا اور کہا تجھ سے جو آدمی بھی جو حرکت کرے اس کو منع نہ کرنا واپس آ کر مجھ سے کہہ دینا۔ فقیر عورت کو بھی یہی ہدایت کر دی اور اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس لئے ہمراہ کرتا ہوں تا کہ لوگ اس کو غریب کی بیٹی سمجھیں بادشاہ کی بیٹی نہ سمجھیں تو اس کے ساتھ رہ اور جو حرکت کوئی آدمی اس کے ساتھ کرے اس کو دیکھ کر مجھے اطلاع دے، چنانچہ یہ دونوں تمام شہر میں بازار میں گھومتی رہیں، بادشاہ نے بھی اس طرح کہ ان کو خبر نہ ہو خود ان کا پہرہ دیا۔ کسی نے شہر بھر میں بادشاہ کی بیٹی کو آنکھ بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ جب واپس آ کر وہ محل شاہی میں گھسنے لگی اس وقت چوبدار شاہی نے جو بادشاہ کی بیٹی کو جانتا تھا شہوت سے مجبور ہو کر اس کا بوسہ لے لیا، دونوں نے بادشاہ کو اسکی اطلاع دی، اس کو بھی علم ہو چکا تھا تو اس نے بھی بے ساختہ جواب دیا ”دقة بدقة ولو زدت لزاد السقاء“ پھر کہا خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے صرف اتنا ہی گناہ عمر بھر میں ہوا تھا ورنہ میری بیٹی کے ساتھ اس سے زیادہ کیا جاتا۔ گو فی نفسہٖ یہ حکایات حجت نہیں، مگر چونکہ مضمون حدیث ان کا مؤید ہے، اس لئے ان کو لکھ دیا گیا۔ ۱۲ ظ۔

(وسلاطین) کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے (سچے) غلام ہیں جیسا کہ بعضے غلاموں کی صورت میں بادشاہ ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو عبدیت کا خلعت پہناتے ہیں تو اسے پہن کر وہ اس طرح نکلتا ہے کہ اپنے دل میں غلام ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آقا (معلوم) ہوتا ہے۔

جب یہ خلعت (عبدیت) ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنایا گیا تو لوگ ان کو دیکھ کر کھڑے ہونے اور ان کے کپڑوں سے برکت حاصل کرنے لگے، بعض درویشوں نے حضرت ابو یزید سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کو اپنے کپڑوں سے برکت حاصل کرنے کا موقعہ کس طرح دیتے ہیں (اور آپ کو اپنے لباس کی یہ تعظیم کیونکر گوارا ہے؟) فرمایا وہ مجھ سے (یا میرے لباس سے) برکت حاصل نہیں کرتے، بلکہ وہ میرے پروردگار کی اس خلعت سے برکت حاصل کرتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے آراستہ فرمایا ہے۔ اس کو سمجھ جاؤ (اور بے سمجھے بوجھے کاملین پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو ۱۲)

جب ہم کسی حاکم یا رکن سلطنت سے ملیں تو اپنے ہم عصر علماء اور درویشوں کو اس کی نظر میں بڑھائیں

(۳۳۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کسی حاکم یا رکن سلطنت سے ملیں تو اپنے ہمعصر علماء اور درویشوں کو (اس کی نظر میں) بڑھائیں، ان کے فضائل و مناقب بیان کریں، کسی کا کوئی عیب ہرگز بیان نہ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سے ویسا ہی معاملہ فرمائیں جیسا ہم نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا، اور تا کہ ہم اس معزز حاکم کے پاس سے اپنے عیوب کو ڈھکا چھپا لے کر نکل جائیں (اور اگر ہم اس کے سامنے دوسروں کے عیوب بیان کریں گے تو کوئی ہمارے عیوب بھی اس کے سامنے بیان کرے گا) کیونکہ جو شخص کسی کا پردہ چاک کرتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے اس کا پردہ بھی چاک کر دیتے ہیں۔

اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ قانون عدل کے موافق ہمارے مقابلہ میں کسی کو کھڑا کر دیں جو اس امیر و حاکم کے سامنے ہماری گذشتہ اور موجودہ لغزشیں بیان کر کے ہماری تنقیص کرنے اور ہماری آبرو پر حملہ کرنے لگے پھر ہم اس حاکم کی نظر میں حیض کے چیتھڑے کے برابر

ہو جائیں (کہ اس کے دل میں ذرہ برابر ہماری عزت نہ رہے) اور (اب) اپنے نفس کی طرف سے ہمارا جوابد ہی کرنا بد سے بدتر ہوگا، اور بعض دفعہ ہم کسی بات کے ذریعہ سے اپنی براءت ظاہر کریں گے مگر ہمارے افعال ہی خود ہماری تکذیب کردیں گے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علماء میں بڑی بُری بات یہ ہے کہ جب وہ حکام سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کی محض اس خیال سے برائی کرتے ہیں کہ کبھی حاکم ہمارے کسی ہمعصر کی طرف مائل نہ ہو جائے اور جو کچھ دنیا (کی دولت وغیرہ) اس کے پاس سے ان کو ملتی ہے اس میں دوسرا شریک نہ ہو جائے۔

پس معلوم ہوا کہ ادب کی بات یہ ہے کہ ہم ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کریں جو اس کی طرف سے ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں (لگا ہوا) ہے۔

اگر ہم کو ارکان دولت میں سے کسی کی صحبت کا اتفاق ہو تو اپنے کشف کو کبھی ظاہر نہ کریں

(۳۳۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم کو ارکانِ دولت میں سے کسی کی صحبت کا اتفاق ہو تو اپنے کشف کو کبھی ظاہر نہ کریں کیونکہ اس زمانہ میں جو شخص اپنا کشف بیان کرتا ہے مخلوق ہجوم کر کے اس (کے دین اور وقت) کو تباہ کر دیتی ہے [۱] خصوصاً جبکہ چند بار انہوں نے اس کے کشف کی صحت کا تجربہ بھی کر لیا ہو۔

عزیز من! اگر تم لوگوں سے بچنا چاہتے ہو اور خدا نے تم کو صاحب کشف بھی بنایا ہو تو کشف کو غلط سلط بیان کر کے اپنے آپ کو چھپاؤ، کہ اس صورت میں یقیناً لوگ تم سے خود بھی نفرت کریں گے اور اپنے دوستوں کو بھی یہ کہہ کر متنفر کر دیں گے کہ فلاں تو جھوٹا مکار ہے ہم

---

(۱) اسی طرح سالک عارف کو تعویذ گنڈوں کا مشغلہ بھی مناسب نہیں کہ اس سے بھی اہل دنیا کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، طالبان حق کم آتے ہیں اور ہجوم خلق جس سے ضرر ہوتا ہے وہ ہجوم اہل دنیا ہی ہے۔ طالبان حق کا ہجوم مضر نہیں، مگر جو طالب حق ہیں وہ کشف وکرامات اور تعویذ گنڈوں کو دیکھ کر نہیں آتے وہ تو اتباع سنت اور علوم معرفت کو دیکھ کر آتے ہیں۔ خوب سمجھ لو ۱۲ ظ۔

نے بار ہا اس کی غلطی پکڑی ہے، اس زمانہ میں تو ہر درویش کو اسی طرح رہنا مناسب ہے کیونکہ عوام کے اعتقاد کے ثمرہ سے ان سے دور رہنے کا ثمرہ اچھا، اور ہمارے ساتھ ان کے نیک گمان ہونے سے بدگمان رہنا ہی بھلا ہے جیسا کہ اہل بصیرت نے تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

ف: - کشف کو غلط سلط بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ بولا کرے، کیونکہ جھوٹ بولنا بجز چند مواقع مخصوصہ کے دوسرے مواقع میں جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کشف کو ایسا گول مول بیان کرے جس سے عوام کو اصلی بات کا تو پتہ نہ چلے اور غلطی پکڑنے کا موقعہ مل جائے مثلاً ہم کو کشف ہوا کہ ایک مہینہ کے بعد جمعہ کے دن بارش ہوگی تو ہم صرف اتنا کہدیں کہ بارش کے نہ ہونے سے گھبراؤ نہیں انشاء اللہ جمعہ کو ضرور بارش ہوگی ہم کو کشف ہوگیا ہے، سننے والے اس سے یہ سمجھیں گے کہ یہی جمعہ مراد ہے جو آنے والا ہے اور ہماری مراد وہ جمعہ ہے جو ایک مہینہ بعد آئے گا۔

ف: - عوام کو بدگمان کرنے کی بلا ضرورت اجازت نہیں حدیث میں ہے "اتقوا مواضع التہم[1]،" تہمت کی جگہ سے بچو" کیونکہ عوام جب کسی سے بدگمان ہوں گے تو اس کی غیبت میں مبتلا ہوں گے اور بلا وجہ مسلمانوں کو گناہ میں مبتلا کرنا درست نہیں، ہاں اگر کسی کے پاس عوام طالبان دنیا کا ہجوم زیادہ ہونے لگے اور اس کے دینی کاموں میں حرج ہونے لگے اور مخلص وغیر مخلص کا امتیاز دشوار ہو جائے تو ایسی باتیں کہنا جائز ہے جن سے نادان اور غیر مخلص بدگمان ہو کر الگ ہو جائیں، اہل فہم اور مخلصین رہ جائیں، مگر اس صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اسی وقت سے یہ قصد کرلیں کہ ایسی باتوں کی وجہ سے بدگمان ہو کر اگر کسی نے ہماری غیبت کی تو اس سے دنیا و آخرت میں اصلا مؤاخذہ نہ کریں گے، بلکہ اسی وقت سے سب کو معاف کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

---

(۱) کشف الخفاص ۴۵ ج ۱، اتحاف السادات ص ۲۸۳ ج ۷۔ ۱۲ مرتب عفی عنہ

اپنے دوستوں کو مجذوبوں اور مغلوب الحال لوگوں کی حالت کو عقل ونقل کی ترازو میں وزن کرنے سے منع کریں

(۳۴۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو مجذوبوں اور مغلوب الحال لوگوں (کی حالت) کو عقل ونقل کی ترازو میں وزن کرنے سے منع کردیں (یعنی ان کی کوئی بات عقل ونقل کے خلاف دیکھی جائے تو انکار اور طعن نہ کریں) کیونکہ وہ اپنے منکروں کو بہت جلد ہلاک کردیتے اور بعض دفعہ اعتراض کرنے والے پر قہر نازل کردیتے ہیں خواہ دل ہی سے ہو اور حق تعالیٰ ان کے قہر کو نافذ فرمادیتے ہیں تو یہ (اعتراض کرنے والا دنیا وآخرت (دونوں) میں ناکام (اور محروم) ہو جاتا ہے۔

اور ہم اپنے دوستوں کو ان لوگوں پر اعتراض کرنے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ ان کی عقل زائل ہو جانے سے ان کا غیر مکلّف ہونا (خود ہی) واضح ہو چکا ہے (اور جب وہ مکلّف ہی نہیں تو اعتراض فضول ہے)۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ اپنے افعال واقوال میں مقتدا (اور پیشوا) بھی نہیں ہیں کیونکہ جب کوئی ان کو اپنے اوپر پیشاب کرتے یا بیہودہ باتیں بکتے ہوئے دیکھتا ہے خود ہی ان سے نفرت کرنے لگتا ہے اور ان کا اتباع نہیں کرتا۔

اور سختی کے ساتھ انکار (واعتراض) اسی شخص پر ہو سکتا ہے جس کو عقل ہو جس کے افعال کی اقتداء کی جا سکے۔ اور ہم نے اس عہد پر اسی کتاب میں بارہا مفصل گفتگو کی ہے اور ان علماء کا ذکر بھی کیا ہے جو مجذوبوں پر انکار کرنے سے کورے کے کورے رہ گئے۔ پس ان مقامات کا مطالعہ کرو اللہ تم کو ہدایت دے۔

ف:- یہ وصیت علماء کیلئے ہے کیونکہ مجذوبین اور اہل حال پر انکار واعتراض زیادہ وہی کرتے ہیں، اور عوام کو چاہئے کہ مجذوبوں کے پیچھے پیچھے نہ پھریں، کیونکہ مجذوبوں اور پاگلوں میں تمیز کرنا عوام کا کام نہیں، ظاہر میں دونوں برابر ہوتے ہیں، مجذوب کو اہل باطن ہی پہچان سکتے ہیں، کیونکہ اس کے باطن کا اثر ان کے باطن کو محسوس ہوتا ہے، اور جب یہ بات طے ہو چکی ہیں کہ مجذوبین قابل اقتداء واتباع نہیں ہیں، پھر عوام کو ان کے پیچھے پھرنے سے کیا نفع؟ بلکہ نقصان ہوتا ہے کیونکہ مجذوبوں اور پاگلوں میں تو تمیز ہے نہیں وہ ہر ایک کے

معتقد ہوجاتے ہیں تو مکاروں کو عوام کے پھانسنے کا موقع مل جاتا ہے کہ مجذوبانہ شکل بنا کر بہت سے بناوٹی مجذوب پیدا ہوگئے جن پر محبت وعشق الٰہی کا جذب غالب نہیں ہوتا، بلکہ دنیا کمانے کا مکروفریب غالب ہوتا ہے۔۱۲ ظ۔

دنیا سے تصرف وکرامت کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہرگز نہ ہوں

(۳۴۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دنیا میں تصرف (وکرامت) کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہرگز نہ ہوں، کیونکہ جس کو اس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کا دین برباد ہوجاتا اور عالم آخرت میں خالی ہاتھوں پہونچتا ہے، مگر یہ کہ کوئی محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے بدون اپنی خواہش کے ظاہر (اور مشہور) ہوگیا ہو جیسا اولیاء کاملین کو پیش آتا ہے (اس کو شہرت سے نقصان نہیں ہوتا)۔ سفیان بن عینیہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر اولیاء کاملین کو شہرت کی خواہش ہوتی تو ان کو کوئی بھی نہ پہچانتا۔

میں کہتا ہوں کہ ہمیں ابلیس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اس کے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ دنیا میں ظاہر ہوکر رہے تو اس نے انکار کردیا اور مخفی رہنے کو پسند کیا (کیونکہ ظہور کے ساتھ کام نہیں ہوتا نہ دنیا کا نہ دین کا اور شیطان کو کام کرنا تھا یعنی گمراہی کا پھیلانا اور انبیاء علیہم السلام کی کوششوں میں روڑے اٹکانا، اس لئے اس نے مخفی رہنا پسند کیا، البتہ جو اپنی خواہش سے ظاہر ومشہور نہ ہو، بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا سے مشہور ہوا ہو جیسے حضرات انبیاء واولیاء کاملین تو ان کی غیب سے امداد ہوتی ہے، اس لئے ان کو ظہور سے ضرر نہیں ہوتا ۱۲)

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا میں درویش کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پاخانہ میں بیٹھا ہو، اب اگر وہ آگے سے دروازہ بند کرلے گا تو پردہ کے ساتھ اپنی حاجت بھی پوری کرلے گا اور ڈھکا منداوہاں سے نکل جائے گا کہ کسی کی نظر اس کے عیبوں پر نہ پڑی ہوگی، اور اگر دروازہ کھول کر بیٹھا تو اس کے عیوب ظاہر ہوجائیں گے اور اس کے اندرون جسم کا پردہ چاک ہوجائے گا اور جو کوئی دیکھے گا اس پر لعنت کرے گا۔

سیدی محمد غمری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ظہور (اور شہرت کی طلب) کمر توڑ دیتی ہے

(یعنی اس سے ترقی بند ہو جاتی ہے)۔

اور سیدی افضل الدین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ درویش جب (خلوت سے نکل کر مخلوق کی ہدایت کیلئے) ظاہر ہونے لگے تو اسے اپنے نفس کو ٹٹولنا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ اس کا منشا نفسانی میلان ہوتا ہے جو پہلے اس کے اندر تھا اور وہ اس گمان میں ہوتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ظاہر (ومشہور) ہوا ہوں، نفسانی خواہش سے نہیں ہوا۔

اور یاد رکھو! اس کارخانۂ دنیا میں کوئی ولی اور عالم ایسا نہیں جس کا دل شہرت سے مکدر نہ ہوا ہو، وہ (شہرت کے بعد) اس صفاء قلب کے ایک ذرہ کو ڈھونڈتے (اور ترستے) ہیں جو شہرت سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل میں پاتے تھے، مگر اب نہیں پاسکتے، اسی لئے تمام عارفین اپنے ابتدائی احوال کی طرف مشتاق ہوئے ہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو‘‘

شریعت کی آسانیوں پر بھی بعض اوقات شوق سے عمل کیا کریں

(۳۴۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ شریعت کی رخصتوں (آسانیوں) پر بھی بعض اوقات شوق سے عمل کیا کریں، اپنا ضعف ظاہر کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مقام حاصل کرنے کے لئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ہاتھوں سے رخصتوں کا ظاہر کرنا بھی محبوب ہے رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) کا ارشاد ’’ان اللّٰہ تعالیٰ یحب ان تؤتی رخصہ کما یحب ان تؤتی عزائمہ[1]‘‘ اللہ تعالیٰ رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند فرماتے ہیں جیسا اصلی احکام پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔

مگر رخصت (پر عمل کرتے ہوئے اس) کی شرط کا لحاظ بھی ضروری ہے وہ شرط یہ ہے کہ (اصلی حکم پر عمل کرنے میں) سخت مشقت کا سامنا ہو تو (اس وقت) اس کام کیلئے تکلف نہ کیا جاوے جس پر بدون سخت مشقت کے قدرت نہیں ہو سکتی، پس جب تک عادۃً افضل کام پر آسانی سے قدرت ہو سکے اس وقت تک رخصتوں پر نہ اترنا چاہئے (اور جب افضل میں

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی ص ۳۲۳ ج ۱۱، صحیح ابن خزیمۃ ص ۷۳ ج ۲۔ ۱۲ مرتب عفا اللہ عنہ

دشواری ہو تو مشقت برداشت کر کے اسی پر اڑنا بھی نہ چاہئے) کیونکہ جو شخص اپنے نفس کی کمزوری (اور عاجزی) ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں اور رحمت الٰہی اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنے ان دوستوں کو جو ہماری زیر تربیت ہیں خطیب بننے کی اجازت نہ دیں

(۳۴۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے ان دوستوں میں سے جو ہماری تربیت کے نیچے ہیں کسی کو بھی لوگوں کے سامنے جلسوں میں وعظ کہنے یا خطیب بننے کی اجازت نہ دیں بجز (سخت) ضرورت کے (جب کہ کوئی دوسرا وعظ کہنے والا نہ ہو، نہ خطبہ پڑھنے والا اور وعظ یا خطبہ کی شرعاً ضرورت ہو تو ایسی حالت میں میں اجازت دینے کا مضائقہ نہیں)۔

اور اس عہد کی وجہ یہ ہے کہ وعظ کہنا سالک کی ترقی کو بند کر دیتا ہے، وعظ کہنا ان کاملوں ہی کو لائق ہے جو اپنے نفس کی تہذیب سے (پوری طرح) فارغ ہو چکے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے قدموں تلے ایسے پامال ہو گیا کہ سر اٹھانے کی طاقت نہیں رہی۔

پس [1] جو شیخ اپنے کسی مرید کو اس کی اجازت دے اس نے اس سے خیانت کی اور حدیث میں ہے " جو ہم سے دھوکہ (خیانت) کرے وہ ہمارے میں سے نہیں "[2] اگر شیخ سچا ہوگا تو اس کی شان یہ ہوگی کہ (مرید سے) خیانت کبھی نہ کرے گا۔ پس (اگر کسی کو اس کے شیخ

---

(۱) حضرت سیدی حکیم الامۃ دام مجدہم کا اس عہد کے موافق مدت سے یہ طرز ہے کہ مبتدی اور متوسط طریق کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں دیتے، بعض واعظوں نے حضرت سے تربیت باطن کی درخواست کی تو صاف فرما دیا کہ آپ کو وعظ گوئی کا سلسلہ موقوف کرنا پڑے گا جب تک کہ میں خود اجازت نہ دوں، اور خدا کی قسم! جن کو اجازت بھی دے رکھی ہے کوئی ان کے دل سے پوچھے کہ وعظ کہنا کس قدر خطرناک کام ہے کہ بعض دفعہ تو غوائل نفس سے سالک ہلاکت کے قریب ہو جاتا ہے۔ **اللھم انت الحافظ وانت العاصم** ۱۲۔

(۲) دیکھیں مسلم شریف ص ۷۰ ج ۱ کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ **من غشنا فلیس منا**۔

۱۲ مرتب

نے وعظ کہنے سے منع کر دیا ہوتو) مرید کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے اسی لئے اجازت نہیں دی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلانے کی اہلیت نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنے دوستوں کو ان باتوں پر انکار نہ کرنے دیں جو مسلمانوں نے بطور قربت الٰہی ایجاد کی

(۳۴۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو ان باتوں پر انکار نہ کرنے دیں جو مسلمانوں نے بطور قربت (اور طاعت) الٰہی کے ایجاد کی ہیں اور ان کو اچھا سمجھا ہے، کیونکہ جو چیز اس طریقہ پر ایجاد کی جاتی ہے وہ شریعت ہی کے توابع سے ہے بدعت مذمومہ کی قسم سے نہیں جس کی شریعت میں مذمت آئی اور جس پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے "فان کل محدثة بدعةٌ و کل بدعة ضلالة"[1] کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور اگر ہر وہ چیز جس سے شارع علیہ السلام نے سکوت کیا ہے بدعت ہو تو (یقیناً) مذموم بھی ہوگی اور یہ مذمت مذاہب مجتہدین تک پہونچے گی (کیونکہ یہ مذاہب بھی بعد میں مدون ہوئے حضور ﷺ کے زمانہ میں کہاں تھے؟) اور اس کا کوئی قائل نہیں (بلکہ سب مسلمان ان مذاہب کو برحق جانتے اور ان کا اتباع کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ شارع نے جن چیزوں سے سکوت کیا ہے ان میں سب بری نہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ اس عہد کی دلیل میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے "من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الی یوم القیٰمة"[2] جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا اس کو اس (پر خود عمل کرنے) کا بھی ثواب ملے گا اور جو لوگ قیامت تک اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی ملے گا تو حضور ﷺ نے (اس ارشاد میں) اپنی امت کو بطور رحمت و شفقت کے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جن باتوں سے شارع نے سکوت کیا ہے ان میں سے جس کو وہ اچھا سمجھیں ایجاد کر لیا کریں۔

---

(۱) جمع الفوائد ص ۲۸ ج ۱۔

(۲) مجمع الزوائد للهیثمی ص ۱۶۷، ۱۶۸ ج ۱۔ و مسند احمد ص ۳۶۱، ۳۶۲ ج ۴۔ ۱۲ مرتب۔

پس جس شخص کو ان کاموں کے کرنے کی طاقت ہو جن سے شارع نے سکوت کیا ہے وہ کر سکتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ اس کو ثواب ملے گا، مگر اس کا ثواب ان کاموں کے ثواب سے کم ہوگا جن کو شارع نے مسنون فرمایا ہے (اس سے معلوم ہو گیا کہ امت کی ایجادات کا درجہ ان کاموں کے درجہ سے کم ہے جن کو شارع نے صاف طور سے سنت یا مستحب فرمایا ہے۔

اب اگر کوئی اس ایجاد کا درجہ شارع کے مسنونات و مستحبات سے زیادہ سمجھے یا ان پر سنت و واجب کی طرح مواظبت کرنے لگے اور تارکین پر طعن و ملامت کرنے لگے تو وہ حد سے متجاوز ہو گیا اور اس وقت اس فعل کو بدعت اور اس کی پابندی کرنے والے کو مبتدع و بدعتی کہا جائے گا) خوب سمجھ لو۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کاموں کے متعلق سوال کیا جو اسلام سے پہلے جاہلیت میں ثواب کا کام سمجھ کر انہوں نے کئے تھے جیسے غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی وسخاوت کرنا وغیرہ وغیرہ تو آپ ﷺ نے فرمایا **"اسلمت علی ما اسلفت من خیر"**[1] کہ تم نے جو نیک کام پہلے کئے ہیں ان کو ساتھ لئے ہوئے تم مسلمان ہوئے ہو، تو حضور ﷺ نے حکیم بن حزام کے ان کاموں کو جو انہوں نے جاہلیت میں بدون اتباع رسول کے کئے تھے خیر فرمایا اور ان کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کاموں کا بھی ثواب دیا ہے[2] (وہ ضائع نہیں ہوئے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مکارم اخلاق سے سرفراز ہو وہ اپنے پروردگار کی شریعت پر چل رہا ہے اگرچہ خود اس کو اس بات کا علم نہ ہو (کہ میرے یہ اچھے اخلاق خدا کی مرضی کے موافق ہیں) اور گو شارع نے خصوصیت کے ساتھ ان اخلاق کی تصریح نہ کی ہو، (یہ

(۱) دیکھیں اسد الغابۃ ص ۵۹ ج ۲۔ مرتب

(۲) یہ مطلب ایک تفسیر کی بنا پر ہے۔ اور دوسری تفسیر اس حدیث کی یہ ہے کہ تم ان نیک کاموں ہی کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہو جو تم نے پہلے کئے تھے۔ اس تفسیر کے موافق ان نیک کاموں کی جزا صرف اسلام ہے کہ ان کی وجہ سے اسلام کی توفیق ہو گئی، ان اعمال پر مستقل ثواب ملنا لازم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ ظ۔

کلام بطور فرض کے ہے ورنہ شارع نے مکارم اخلاق میں سے کوئی بات نہیں چھوڑی جس کو بیان نہ کیا ہو اور برے اخلاق و عادات میں سے کوئی بات نہیں چھوڑی جس سے منع نہ کیا ہو) اور امت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نیک کاموں میں سے جو چاہیں ایجاد کر لیں بشرطیکہ قانون شریعت کے خلاف نہ ہو (اور منجملہ دیگر قواعد کے ایک قاعدہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ اس ایجاد کا درجہ شارع کی بتلائی ہوئی سنتوں اور مستحبات سے نہ بڑھایا جائے) یہ امت کا حصہ ہے تشریع سے، اگر تم نے شریعت کو اس طرح نہیں سمجھا تو تم نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔

یہ بات معلوم ہوگئی تو اب سنو! کہ مسلمانوں نے جو یہ نئی بات ایجاد کی ہے اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں کہ جنازہ کے آگے آگے "**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، یا وسیلتنا الی اللہ، یوم العرض علی اللہ ، لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ**" پکارتے چلتے ہیں اس زمانہ میں اس پر انکار کرنا واجب نہیں کیونکہ لوگ اس میں مشغول نہ ہوں گے تو دنیا کی باتوں میں مشغول ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے دل (عام طور پر) موت کی یاد سے خالی ہیں، بلکہ میں نے تو جنازہ کے ساتھ بعض لوگوں کو ہنستے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

سلف صالحین کے زمانہ میں جنازہ کے ساتھ قراءۃ اور ذکر وغیرہ اس لئے نہ تھا کہ جب کوئی مرتا تھا تو اس کے غم میں سب کے سب شریک ہوتے تھے یہاں تک کہ دیکھنے والے کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ میت کے قرابت دار کون ہیں؟ غیر کون ہیں؟ وہ حضرات جنازہ کے ساتھ بہت بولنے کی قدرت نہ رکھتے تھے، کیونکہ ان پر موت کی یاد غالب ہوتی تھی جس سے ان کی زبانیں ہر قسم کے کلام سے گونگی ہو جاتی تھیں خواہ قرآن ہو یا ذکر ہو (اس لئے سب کے سب خاموش غمزدہ ہو کر چلتے تھے)۔

اگر ہم آج بھی ایسی کوئی جماعت دیکھ لیں تو ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ان کو قراءت اور ذکر کا حکم نہ کریں (بلکہ خاموش چلنے کی تاکید کریں) اور قاعدہ (شرعیہ) یہ ہے کہ جب ہمارے سامنے دو باتوں میں تعارض ہو تو ان میں سے ہلکی بات کو اختیار کر لیں، (تو جہاں قراءت و ذکر نہ کرنے میں یہ احتمال ہو کہ لوگ اس کو چھوڑ کر خاموش نہ رہیں گے، بلکہ دنیا کی خرافات میں مشغول ہو جائیں گے وہاں جنازہ کے ساتھ قراءت و ذکر سے منع نہ کیا جائے) رسالۃ

''الآداب'' میں ہم نے اس مضمون پر مفصل کلام کیا ہے۔ واللہ واسع علیم۔

ف:- اس عہد سے اہل بدعت کو اپنی بدعات کی تائید نکالنے کی کچھ گنجائش نہیں، کیونکہ علامہ نے نیک کاموں کے ایجاد کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ جائز کیا ہے۔ ایک یہ کہ شارع کی بتلائی ہوئی سنتوں اور مستحبات سے اس کو کم سمجھا جاوے۔ دوسرے یہ کہ شریعت کے مقررہ قوانین کے خلاف نہ ہو۔ اب تم اہل بدعت کی بدعات میں غور کرو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ علماء ان کو اس لئے بدعت کہتے ہیں کہ لوگ حدود سے آگے بڑھ گئے کہ ان ایجادات کو فرض وواجب سے زیادہ مؤکد سمجھنے لگے، پانچ وقت کی نماز کا وہ اہتمام نہ ہوگا جو ان بدعات کا ہوتا ہے، اور بعض ایجادات تو صراحۃً شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ دی ہے وہ ادنی تامل سے اس بات کا اندازہ کرسکتا ہے۔

ف۲:- حضرت حکیم الامت دام مجدہ وعلاہ سے کسی نے سوال کیا کہ کالج میں ۱۲ ربیع الاول کو بڑے اہتمام سے مجلس مولود منعقد کی جاتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کالج والوں کو مولود سے نہ روکا جائے کیونکہ یہ لوگ سال بھر یورپ والوں کی تعریف اور تقلید میں مشغول رہتے ہیں، خدا اور رسول کا ذکر ان کی زبانوں پر بہت کم آتا ہے، سال میں ایک دفعہ مولود کے بہانہ سے ہی رسول اللہ ﷺ کا ذکر ان کی زبانوں پر آجائے تو غنیمت ہے، اگر اس سے روکا گیا تو یہ اس کے بجائے دنیوی خرافات کا جلسہ مقرر کرلیں گے۔

یہ جواب ویسا ہی ہے جیسا علامہ شعرانی نے جنازہ کے آگے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پکارنے کے متعلق جواب دیا ہے کہ گو اس کی اصل پہلے زمانہ میں نہ تھی، مگر آج کل عوام کو اس سے اس واسطے نہ روکنا چاہئے کہ وہ اس کو چھوڑ کر سنت پر عمل نہ کریں گے، بلکہ دنیوی خرافات میں لگ جائیں گے''

اپنے دوستوں کو اہل برزخ کے احوال کے متعلق گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیں

(۳۴۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو اہل برزخ[1] کے

(۱) اہل برزخ وہ لوگ ہیں جو مر کر قبر میں پہونچ گئے ۱۲۔

احوال اوران کے عذاب وراحت کے متعلق گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیں بجز اس کے جس کا ذکر حدیث میں وارد ہے اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ اس میں عقل کو دخل دینے کی مجال نہیں نہ اس کا قدم اس میدان میں پہونچ سکتا ہے، اور اگر کسی کے متعلق قبر میں مبتلائے عذاب ہونے کا (ہم کو) کشف ہوجائے (**والعیاذ باللہ منه. اللھم اجرنا من خزی الدنیا وعذاب القبر والآخرة**) تو عارفین پر اس کا چھپانا واجب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے "**لولا ان تدافنوا لدعوت اللہ عزوجل ان یسمعکم عذاب القبر**"[1] اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم (مرجاؤگے اور) ایک دوسرے کو دفن کرنے لگو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تم کو عذاب قبر سنادیں، تو جس چیز کے چھپانے کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا ہے اس کا چھپانا ہی (کمال) ادب ہے، اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہم کو کسی کے متعلق عذاب قبر میں مبتلا ہونے کا حال نہ بیان کرنا چاہئے۔

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی اہل قبور کے حالات دریافت کرتا تو فرمادیا کرتے تھے کہ عنقریب یہ معاملہ تم پر روشن ہوجائے گا اور سب کچھ خود ہی دیکھ لوگے۔

برادرم افضل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک شخص کے متعلق جو دینداری میں مشہور تھا کشف ہوا کہ اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا (**لا الہ الا اللہ اللھم اعذنا عن سخطک وارزقنا حسن الخاتمة آمین**) انہوں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے یہ کشف بیان کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عیب پوش ہیں اور اپنے بندوں میں سے اسی سے محبت کرتے ہیں جو دوسروں کے عیب چھپائے، پھر ان کو منع کردیا کہ اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا، اور فرمایا ممکن ہے کہ تمہارا کشف صحیح نہ ہو، یا اس وقت صحیح ہو اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمادیں اور برزخ ہی میں اپنے عفو ومغفرت سے نوازدیں جس سے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں اور قیامت میں نیک بندوں کے ساتھ اٹھایا جائے، اب اگر تم نے لوگوں کو یہ خبر دی ہوگی کہ فلاں کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا تو قیامت میں تم رسوا ہوجاؤگے اور لوگوں کے نزدیک جھوٹے قرار پاؤگے۔ واللہ غفور رحیم۔

---

(۱) مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۵۳۔ ۱۲ مرتب۔

ف:- لیکن اگر کسی نے مسلمانوں میں گمراہی پھیلائی ہو اور کچھ لوگ اس کے متبع ہو گئے ہوں، اس کے متعلق اگر عذاب قبر کا کشف ہو تو اس کے بیان کا مضائقہ نہیں تا کہ مسلمان اس کی گمراہی سے بچ جائیں اور اس کا اتباع ترک کر کے راہ حق پر آ جائیں، پس اب ان بزرگوں پر کوئی اشکال نہ رہا جنہوں نے بعض گمراہوں کے متعلق عذاب قبر کا کشف بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنے دوستوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں اور قضاء وقدر کی حقیقت میں گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیں

(۳۴۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں اور قضاء وقدر کی حقیقت میں گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیں سوائے اس کے جس کی تصریح شریعت میں آ چکی ہے، اور جس بات کی تصریح سے شارع نے سکوت کیا ہے ہم کو اپنی عقل سے اس کو بیان کرنا جائز نہیں، کیونکہ اپنی عقل سے ان باتوں کا بیان کرنا اور قضاء وقدر وغیرہ کی حقیقت میں کلام کرنا سخت خطرناک ہے،

برادرم افضل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے ایک حدیث کا مطلب پوچھا تو فرمایا خدا کی قسم! میں تو اس قابل بھی نہیں کہ کسی امتی کے کلام کی تفسیر کر سکوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تفسیر کیونکر کر سکتا ہوں۔

میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ واعظوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں میں اپنی عقل کے موافق گفتگو کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کے درجہ کی تنقیص ہو جاتی ہے۔ دوسرے عام لوگوں کو اس سے گناہوں پر جرأت بڑھتی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جب حضرات انبیاء علیہم السلام جیسے بھی خطاؤں کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہم کیا چیز ہیں کہ گناہوں سے بچے رہیں، سیدی علی خواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض مفسرین نے جو حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے گناہ کے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے وہ یہود[1] کی دروغ بافی (اور افترا پردازی) ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انبیاء سابقین کے قصے صحیح حدیثوں میں (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے دوستوں کو ہدایت کریں کہ توحید کی باریکیوں کو سمجھنے کیلئے اپنے آئینہ دل کی صفائی کریں

(۳۴۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو ہدایت کریں کہ اگر وہ توحید کی باریکیاں اور شریعت کے مشکل مسائل کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں تو اپنے آئینۂ دل کی صفائی میں کوشش کریں جس کا طریقہ اکل حلال، اور کسی کو تکلیف نہ دینا اور دنیا سے اور دنیوی شہوات سے بے رغبت ہو جانا اور مشائخ (طریقت) کا پورا ادب کرنا ہے۔

دیکھو اگر کوئی شخص کسی مقصد کیلئے عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کو کسی وظیفہ کا ورد کرنا اور خوشبو کی دھونی لینا اور موانع سے پرہیز کرنا پڑتا ہے جب دنیوی مقصد کیلئے اتنی مصیبت کے بعد عمل کامیاب ہوتا ہے تو دقائق توحید اور اسرار شریعت کوئی منہ کا نوالہ نہیں کہ آسانی سے نگل لیا جائے، اس کے لئے بھی ایک طریقہ ہے اگر کسی کو ان اسرار کے دریافت کرنے کا شوق ہے وہ اس طریقہ سے میدان میں قدم رکھے اور کسی رہبر کو ساتھ لے ۱۲) اس معاملہ میں بہت لوگ غلطی کا شکار ہو رہے ہیں وہ شریعت کے معانی (واسرار) کو بدون تقویٰ اور ادب کے سمجھنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ یہی کہتے مر گئے کہ (شریعت کا سمجھنا) مشکل ہے، مشکل ہے

اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے آئینہ دل کی صفائی اور جلا میں کوشش کرے گا اس کا دل تمام عالم وجود کا آئینہ بن جائے گا کہ گزشتہ اور آئندہ سب کی خبریں اس کو دیگا لوگوں کا کلام دیکھنے اور مطالعہ کرنے سے اس کو مستغنی کر دیگا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ منقول نہیں ہیں، بعض تفسیروں اور وعظ کی کتابوں اور قصص الانبیاء وغیرہ میں جو انبیاء سابقین کے بہت سے قصے مذکور ہیں یہ بعض علماء نے تورات وانجیل میں دیکھ کر بیان کئے ہیں جن کو بعض ضعیف راویوں نے سند بنا کر کسی صحابی تک پہونچا دیا اور کسی جھوٹے راوی نے رسول اللہ ﷺ تک پہونچا دیا اور ایسا کرنے والے زیادہ تر وہ راوی ہیں جو شیعی یا رافضی ہیں کیونکہ اس جماعت کے نزدیک تقیہ کرنا (یعنی جھوٹ بولنا) ثواب کا کام ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کے متعلق کسی قصہ کو سن کر فوراً نہیں ماننا چاہئے، بلکہ علماء محققین سے تحقیق کرنا چاہئے کہ اس قصہ کی سند کیسی ہے؟ راوی کیسے ہیں؟ بنیاد کیسی ہے؟ واللہ اعلم ۱۲ ظ

اور سیدی الشیخ ابو السعود بن ابی العشائر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ درویش اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کا دل ہی کتاب نہ ہو جائے، اور جس وقت تک مطالعہ کتب کی اس کو ضرورت ہے وہ علاج (قلب) کا محتاج ہے۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم دوسروں کے کلام کو اس لئے نہیں دیکھتے کہ اس سے وہ بات حاصل کریں جو ہمارے پاس نہیں، بلکہ اس لئے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی قدر معلوم کریں جو ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔

ہم کو امام نووی (شارح مسلم) رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ مطالعہ کتب میں قریب دو سال کے مشغول رہے اس کے بعد کتابیں تصنیف کرنے میں مرتے دم تک لگے رہے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

ہمارے شیخ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان کی کہ وہ فرماتے تھے "میں نے طوس سے مرو کی طرف طلب علم کیلئے سفر کیا، پھر وہاں کے علماء سے بہت سی باتیں سن کر جمع کیں اور کاغذات کو ایک بستہ میں رکھ لیا، پھر بلش کی طرف واپس ہوا تو راستہ میں ڈاکو مل گئے اور انہوں نے (مال و اسباب کے ساتھ) یہ بستہ بھی چھین لیا، میں نے ان سے کہا کہ میرا علم مجھے دیدو اس کے سوا جو کچھ ہے لے لو، تو ایک ڈاکو نے اس بات پر ہنس کر کہا کہ تم اس بستہ کو اپنا علم کہتے ہو؟ حالانکہ انسان کا علم تو وہ ہے جو اس کے دل میں ہو، ڈاکو کی یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور اسی دن سے میں منقولات کے حفظ کرنے میں مشغول ہو گیا، اب (بحمد اللہ) میں ایسا ہو گیا ہوں کہ اگر ڈاکو مجھے لوٹ لیں تو میرے علم کو نہیں لوٹ سکتے اھ"

ف ۱:- شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آئینہ دل کی صفائی میں کوشش کرے گا اس کا دل تمام عالم وجود کا آئینہ بن جائے گا الخ اس کا مطلب بظاہر یہ متوہم ہوتا ہے کہ اس کو واقعات عالم کا کشف ہونے لگے گا اور اسرار شریعت اس پر منکشف ہو جائیں گے، مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ واقعات عالم یا اسرار شریعت کا کشف ہونا نہ مقصود ہے نہ اس کو قرب الٰہی میں دخل، شیخ علی خواص کا مقصود صرف جلاء قلب کا ثمرہ بتلانا ہے اس سے بحث نہیں کہ یہ ثمرہ مقصود و مطلوب ہے یا نہیں اور اقرب یہ ہے کہ عالم وجود کا آئینہ

بننا خاص ان حقائق کے اعتبار سے مراد ہے جن کا اس کے مصالح ومضار دینیہ سے تعلق ہے یعنی ایسے حقائق میں یہ تلبیس سے محفوظ رہتا ہے۔

اور شیخ ابوالسعود نے جو فرمایا ہے کہ درویش کامل نہیں ہوتا جب تک اس کا دل ہی کتاب نہ ہو جائے الخ اس کا مطلب بھی غالباً یہ ہے کہ اسرار وذوقیات اور مقامات سلوک کے متعلق اس کو مطالعہ کتب کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ مطلب نہیں کہ مسائل شرعیہ معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو مطالعہ کتب حدیث وتفسیر وفقہ کی حاجت نہ رہے، کیونکہ علوم منقولہ میں دل کی شہادت کافی نہیں نہ وہ حجت ہے، بلکہ یا تو حفظ مسائل کی ضرورت ہے اور اگر مسائل حفظ نہ ہو تو کتاب سے مسئلہ معلوم کرنا ضروری ہے، دیکھو امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما سے بڑھ کر کون صوفی ہوگا؟ مگر بہت سے مسائل میں ان ائمہ سے توقف اور بعض مسائل میں صاف "لا ادری" (کہ میں نہیں جانتا) کہنا منقول ہے۔

اگر صوفی کامل بننے کیلئے یہ بھی ضروری ہو کہ مسائل شرعیہ بدون مطالعہ کتب کے معلوم ہو جایا کریں تو کیا نعوذ باللہ یہ حضرات صوفیہ متاخرین سے ناقص تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بعضے مسائل معلوم نہ تھے اور ان سے چھوٹے صحابیوں کو رسول اللہ ﷺ سے سنکر وہ مسائل معلوم تھے، پھر ان حضرات کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مسائل معلوم ہوئے، اگر مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی دل کا کتاب بن جانا شرط کمال ہو تو ان جلیل القدر صحابہ کو کیا کہا جائے گا؟

الغرض مسائل واحکام شرعیہ کے حق میں دل کا کتاب بن جانا ضروری نہیں، بلکہ مفید بھی نہیں کیونکہ اس میں شہادت قلب معتبر نہیں، بلکہ علماء یا کتب معتبرہ سے مسئلہ کا معلوم کرنا ضروری ہے، البتہ اگر شیخ ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا یہ مطلب ہو کہ کامل صوفی وہ ہے جس کو ضروری احکام کا پورا علم ہو اور اس کے دل میں مسائل ضروریہ تحصیل علم کے ذریعہ سے محفوظ ہو گئے ہوں جیسا امام نووی نے دو سال کے مطالعہ کتب سے علوم حفظ کر لئے اور امام غزالی نے احادیث ومسائل یاد کر لئے تھے تو ان کا کلام عموم کے ساتھ بھی صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ جو صوفی مسائل واحکام ضروریہ سے جاہل ہو وہ یقیناً ناقص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ف۲:۔ بعض صوفیہ کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے یہ دھوکہ ہوگیا ہے کہ علوم کشفیہ اور اسرار کونیہ علوم شریعت سے افضل ہیں جبھی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام باوجود اس جلالت وعظمت شان کے کہ کلیم اللہ کے درجہ وخطاب سے نوازے ہوئے تھے۔ خضر علیہ السلام سے استفادہ کرنے گئے، مگر یہ سراسر جہل عن الدین ہے، کیونکہ جس کو دین کا کچھ بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی نبوت ہی میں اختلاف ہے کوئی ولی کہتا ہے، کوئی نبی۔ بہرحال ان کی نبوت متفق علیہا نہیں گو راجح یہی ہے کہ وہ نبی ہیں اور سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت متفق علیہا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انبیاء اولوالعزم میں سے ہیں، نیز علماء امت میں سے بعض علماء نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ہی کو افضل الرسل کہا ہے۔ اور بعض نے حضور ﷺ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو افضل الرسل کہا ہے، اور اس میں کیا شک ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت (تورات) کا اتباع کرنے والے ہزاروں انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں کیونکہ نزول انجیل سے پہلے جملہ انبیاء ورسل تورات کے متبع اور موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے انہی کی شریعت کی تبلیغ وتجدید کرتے تھے اس صورت میں خضر علیہ السلام کو جو نبی متفق علیہ بھی نہیں ہیں ان سے کیونکر افضل کہا جاسکتا ہے؟۔

علاوہ ازیں یہ کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے ﴿یا موسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی فخذ ما آتیتک وکن من الشکرین﴾[1] اے موسیٰ میں نے تم کو تمام آدمیوں میں سے اپنی رسالت اور ہم کلامی کیلئے منتخب کرلیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں تمام آدمیوں سے افضل تھے اور خضر علیہ السلام بھی ان کے زمانہ میں تھے تو ان سے بھی وہ افضل تھے۔

رہا یہ کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان سے علوم کشفیہ واسرار کونیہ کے طالب ہوئے، سو اس سے نہ علوم کشفیہ واسرار کونیہ کی فضیلت علوم شریعت ونبوت پر لازم آتی ہے نہ حضرت خضر علیہ

---

(۱) اعراف/۱۴۴۔

السلام کی فضیلت سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک خاص داعی کے سبب جو عنقریب مذکور ہوتا ہے، علم خضری کا بہت شوق تھا خواہ درجہ میں وہ ان کے علم سے کم ہی کیوں نہ ہو، اگر علوم خضریہ علوم موسویہ سے افضل ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام نہ اپنے عدم صبر کا اظہار فرماتے اور نہ تین سبقوں کے بعد اس سے الگ ہو جاتے، بلکہ اس کی تحصیل میں پوری کوشش فرماتے اور جہاں تک بن پڑتا حضرت خضر کی شرط کو پورا فرماتے۔ انہوں نے علوم خضریہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ خود بتلا رہا ہے کہ یہ علوم ان علوم سے اہم اور افضل نہ تھے جو موسیٰ علیہ السلام کیلئے طرۂ امتیاز تھے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے بھی اس قصہ کو بیان فرما کر اپنے ارشاد گرامی "**رحم الله اخی موسیٰ لوصبر حتی قص الله علینا من عجائبهما**"[1] اوکما قال" اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کا بھلا کرے کاش وہ صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے ان کے عجائبات کچھ اور بیان فرماتے" میں علوم خضریہ کا مرتبہ عجائبات سے زیادہ نہیں قرار دیا، اس کے بعد بھی بعض صوفیہ کا علوم خضریہ کو علوم موسویہ سے افضل کہنا تعجب خیز ہے۔

رہا یہ کہ اگر علوم خضریہ علوم موسویہ سے افضل نہ ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے جاننے کیلئے اس قدر اہتمام نہ فرماتے کہ اپنے خادم سے ارشاد فرمایا "**لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا**"[2] کہ میں جب تک مجمع البحرین پر نہ پہونچ جاؤں چلنے سے نہ رکوں گا چاہے عمر بھر چلتا رہوں اور نہ خضر علیہ السلام سے اس طرح التجا کرتے "**هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً**"[3] کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھ کو وہ اچھے علوم سکھلا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھلائے ہیں"۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل وقول کی حقیقت سمجھنے کیلئے پورا واقعہ معلوم کرنا ضروری ہے، احادیث صحیحہ میں واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا

---

(۱) فتح الباری ص ۲۶۴ ج ۱ کتاب العلم۔ ۱۲ مرتب

(۲) (۳) الکہف / ۶۰، ۶۶۔

موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے جس میں اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات جو آپ پر اور آپ کے واسطہ سے بنی اسرائیل پر ہوئے بیان فرمارہے تھے اور عجیب موثر طریقہ پر یہ بیان ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے درمیان وعظ میں سوال کیا "**من اعلم الناس الیوم؟**" کہ آج کل سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلا "انا"۔ کہ میں (اس وقت سب سے بڑا عالم ہوں) اس پر فوراً وحی نازل ہوئی "**بلی عبدنا خضر هو اعلم منک**[1]" کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر (بعض علوم میں) آپ سے زیادہ عالم ہے۔

(ہر چند کہ موسیٰ علیہ السلام کا جواب ان کی نیت کے مطابق صحیح تھا کیونکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ علوم نبوت ورسالت کا میں سب سے زیادہ عالم ہوں اور ان علوم میں اس زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ﴿**انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی**[2]﴾ سے واضح ہے، مگر ان کے کلام میں اس وقت یہ قید نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اس قید کے نہ ملانے پر تنبیہ فرمائی کہ نبی اور رسول کو کبھی ناتمام بات نہ کہنا چاہئے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داری اور شان بہت بڑی ہے، ان کو کسی وقت بھی کسی پہلو سے ذہول نہ ہونا چاہئے) اس وحی کا نازل ہونا تھا کہ سیدنا موسی علیہ السلام نے اپنے نفس کو اس لغزش پر پوری طرح پامال کرنا چاہا کیونکہ انبیاء علیہم السلام ادنی سے ادنی لغزش میں بھی صرف توبہ واستغفار پر کفایت نہیں فرماتے، بلکہ نفس کو مجاہدات سے ایسا سبق دیتے ہیں کہ عمر بھر یاد رہے اس لئے آپ نے ارادہ فرمالیا کہ اس بندہ سے ملنا چاہئے جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض علوم زیادہ عطا فرمائے ہیں۔ چنانچہ سفر طویل کی مشقت بھی برداشت فرمائی اور خضر علیہ السلام سے طالبانہ التماس بھی کی "**ولعمری ان ما ظهر من سیدنا موسیٰ علیه السلام فی هذه القصة من تواضع النفس واذلالها افضل من العلوم الکشفیة والاسرار الکونیة بدرجات یقصر عنها نطاق البیان ویعجز عن درکها عامة الاذهان**"۔

---

(۱) دیکھیں فتح الباری ص ۲۶۳ ج ۱ کتاب العلم۔ ۱۲ مرتب

(۲) ترجمہ: میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا۔ (الاعراف ۱۴۴)۔ مرتب

پھر چونکہ مقصود سفر بجز مجاہدۂ نفس ومشاہدہ عدم تحقق بعض علوم کے اور کچھ نہ تھا اور وہ طول سفر واتباع خضر کی صورت ومشاہدہ امتیاز خضر یہ بعض علوم ہی سے حاصل ہو گیا تھا اس لئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر کے ساتھ زیادہ رہنے کی ضرورت نہ سمجھی، اگر یہ علوم مقصود اور علوم موسویہ سے افضل ہوتے تو یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نفس پر جبر کر کے خضر علیہ السلام کی شرط کو پورا کرتے اور معتد بہ زمانہ تک ان کے ساتھ رہنے کی کوشش فرماتے **هذا ما فهمته من هذه القصة فان كان فمن الله والا فمن نفسي، وظني ان بعض العلوم منه مواهب**۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مقام پر تقریر کو طول اس لئے دیا گیا تا کہ کوئی اس عہد کا مطلب یہ نہ سمجھ لے کہ صوفیہ محققین کے نزدیک علوم کشفیہ اور اسرار کونیہ بھی مقصود ہیں اور ان کو قرب الٰہی میں دخل ہے۔

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ محققین اس کے قائل نہیں اور جو لوگ قصہ موسیٰ وخضر علیہما الصلوٰۃ والسلام سے ایسا سمجھے ہیں وہ یا تو علماء ظاہری ہیں یا صوفیہ غیر محقق ہیں، علامہ شعرانی اور ان کے مشائخ اس عقیدہ پر نہیں ہیں جیسا کہ دیگر عہود کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔

ف:- بعض لوگوں نے حدیث "**استفت قلبک ولو افتاک المفتون**[1]" (اپنے دل سے استفتار کرو چاہے فتویٰ دینے والے تم کو فتوی دیتے رہیں) سے یہ سمجھا ہے کہ شریعت کے مسائل جاننے اور علماء سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اپنے دل کا فتویٰ کافی ہے، سو یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کیونکہ اس حدیث سے زیادہ صحیح دوسری احادیث اس مطلب کی تردید کرتی ہیں۔

حدیث صحیح میں ہے "**انما شفاء العی السوال**[2]" نادان کی شفا تو پوچھنے ہی سے

---

(۱) اتحاف السادۃ ص ۱۶۰ ج ۱۔ البتہ "لو" کی جگہ "ان" ہے۔ اور کنز العمال ج ۱۰ رقم ۲۹۳۳۹ میں **استفت نفسک وان افتاک المفتون** موجود ہے ۱۲۔ مرتب

(۲) ابوداؤد: ص ۵۵ ج ۱ کتاب الطهارة باب المجروح يتمم۔ ۱۲ مرتب

ہوسکتی ہے "**وطلب العلم فریضۃ علی کل مسلم**"[1]، علم شرعی کا طلب کرنا ہر مسلمان پر (خواہ مرد ہو یا عورت) فرض ہے قرآن میں ہے ﴿**فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون**﴾[2] اگر تم نہ جانتے ہوتو جاننے والوں سے پوچھ لو،**فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین**﴾[3] مسلمانوں کی ایک جماعت اس کام کیلئے کیوں نہیں نکلتی کہ دین کا علم پوری طرح حاصل کریں،(**وھذا احد التفسیرین**) اگر علم شریعت کی تحصیل اور علماء کا فتویٰ فضول ہے تو ان آیات واحادیث کا کیا مطلب ہوگا؟

اب اس حدیث کا مطلب سنئے جس سے لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ بس دل کا فتویٰ کافی ہے،سو حدیث کے کسی لفظ سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ علم شریعت اور فتویٰ علماء کی ضرورت نہیں، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کے فتوے کے بعد اپنے دل سے فتویٰ لینے کی بھی ضرورت ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت کے مسائل قواعد کلیہ ہیں کہ فلاں حالت اور صورت کا یہ حکم ہے اور اہل فتوی کے فتاوی قضایا شرطیہ ہیں کہ اگر ایسی صورت یا حالت پائی گئی ہوتو اس کا یہ حکم ہے۔ پس حکم کا علم تو یا شریعت کی کتابوں سے ہوگا یا علماء کے فتاوے سے مگر اس بات کا علم کہ میری واقعی یہ حالت ہے جس کا کتاب میں یا علماء کے فتاوے میں یہ حکم بتلایا گیا ہے یا یہ حالت نہیں؟ کتاب سے یا عالم کے فتوے سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا علم خود اپنے ضمیر کے فتوے سے ہوگا۔ مثلاً آپ کے پاس کسی کی امانت تھی اور وہ آپ کے پاس سے ضائع ہوگئی اب اس کا حکم کتاب سے یا علماء کے فتویٰ سے یہ ملے گا کہ اگر تم نے امانت کی حفاظت میں کمی نہ کی ہوتو ضمان نہیں اور کمی کی ہوتو ضمان ہے،مگر اس کا علم کہ تم نے حفاظت میں کمی کی یا نہیں؟ نہ کتاب سے ہوسکتا ہے نہ فتوے سے، بلکہ یہ تو خود اپنے ضمیر سے معلوم کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث علم احکام کے متعلق نہیں، بلکہ انطباق احکام علی الاحوال کے متعلق ہے کہ اپنی حالت کو کسی حکم کے تحت میں داخل کرتے ہوئے صرف فتوے کو نہ دیکھو، بلکہ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھو کہ آیا تمہارا دل بھی اندر سے یہی کہتا ہے کہ تمہاری حالت اس حکم کی مصداق ہے یا دل اس کے خلاف تم کو دوسرے حکم کے تحت میں داخل سمجھتا ہے'' پس حدیث مذکور میں

---

(۱) جمع الفوائد ص۴۰ ج ۱ کتاب الاعتصام ۱۲۔
(۲) النحل۔۴۳۔ (۳) التوبہ ۱۲۲/

ان لوگوں کی غلطی ظاہر کی گئی ہے جو اپنی کسی ایک حالت کو مفتی کے سامنے پیش کر کے فتویٰ حاصل کر لیتے اور بے فکر ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تو فتویٰ لیکر عمل کیا ہے، حالانکہ مفتی نے تو تمہارے بیان کو سن کر فتویٰ دیا ہے اور تمہاری اصلی حالت کو بجز تمہارے دل کے یا خدا کے کون جان سکتا ہے؟

پس فتوی حاصل کرنے کے بعد اپنے ضمیر کو پھر ٹٹولو کہ جو حالت بیان کر کے تم نے فتوی لیا ہے تمہاری وہی حالت ہے یا کچھ اور ہے؟ جیسا بعض لوگ مفتی سے جا کر بیان کرتے ہیں کہ حضرت آج کل بدون رشوت دیئے کام نہیں چل سکتا۔ مفتی نے جواب دیدیا کہ دفع شر اور دفع ضرر کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔ اب یہ سوال کرنے والا فتوے کے بھروسہ پر بے فکر ہو کر رشوت دیتا اور اپنے کام نکالتا ہے حدیث ''استفت قلبک'' اس موقع پر اس کو متنبہ کرتی ہے کہ مفتی کا جواب تیرے بیان کے تابع تھا۔ اب تو اپنے بیان کی اصلیت کو خود سوچ کہ واقعی تو دفع شر اور دفع ضرر کے واسطے رشوت دیتا ہے یا آسانی سے کام نکالنے کیلئے اور جس کام کیلئے تو رشوت دے رہا ہے وہ کام ضروری ہے یا غیر ضروری کیونکہ دوسری صورت کو نہ مفتی سے تو نے بیان کیا نہ اس کو تیری حالت کا علم تھا۔ خوب سمجھ لو۔

اپنے دوستوں کو ایسے شخص کی بھی غیبت نہ کرنے دیں جس نے ان کے حق میں ظلم کیا ہے

(۳۴۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو ایسے شخص کی بھی غیبت نہ کرنے دیں جس نے ان کے حق میں برائی کی (یا) ظلم کیا ہے، مگر جب کہ ہم اس سے اپنا حق چھڑانے پر قادر ہوں (تو مضائقہ نہیں کیونکہ مظلوم کو ظالم کی غیبت جائز ہے بشرطیکہ دفع ظلم میں مفید ہو) اس عہد میں (آج کل) بہت لوگ خیانت کرتے ہیں کہ اپنے نزدیک جس کو ظالم سمجھتے ہیں پیٹھ پیچھے اس کے متعلق بہت کچھ بکواس لگاتے رہتے ہیں۔

اور ان میں ایسا کوئی ایک بھی نہیں ہوتا جو اس ظالم کو ظلم سے روکے یا نصیحت کرے، بس بے فائدہ ہی اس کی غیبت میں مشغول رہتے ہیں۔

اور اگر یہ شخص جس کو ظالم کہا جاتا ہے مسائل دین میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو جیسے بڑے

بڑے (حضرات) علماء جو ہم سے زیادہ دقیق النظر (باریک بیں) ہیں جو کسی پر کبھی ظلم کی جرأت نہیں کر سکتے، پھر (ان میں سے) کوئی عالم کسی وقف کا متولی (یا مدرسہ کا مہتمم) بنا دیا جائے اور وہ (وقف کے) باشندوں پر (کرایہ کی) زیادتی منظور کر لے یا اس کے مثل اور کوئی کام کرے اور ہمارے سامنے کوئی اس کی شکایت کرے تو (اس کی غیبت سننے سے بہت پرہیز کرنا چاہئے اور) یہ کہنا چاہئے کہ وہ ہم سے اور تم سے (سب سے) زیادہ مصلحت کو سمجھنے والے ہیں اس کے سوا کچھ نہ کہنا چاہئے [1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) **ف**: اس عہد سے ہم مسلمانوں کو سبق لینا چاہئے کہ جب ظالم کی بے فائدہ غیبت سے بھی منع کیا جارہا ہے تو جس نے کسی کا کچھ بگاڑا بھی نہیں اس کی غیبت کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟ مگر آج کل غیبت کی وبا ایسی عام ہوئی ہے کہ اس سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں نہ علماء اس سے محفوظ ہیں، نہ صلحاء الا ماشاء اللہ پھر عوام کا تو کہنا ہی کیا، اور یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمانوں میں وہ محبت والفت، وہ ہمدردی مطلق نہیں رہی جو کبھی انکا ہی حصہ تھی۔

پس مسلمان اگر اپنے اندر اتفاق ومحبت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان کو غیبت کا دروازہ بند کر دینا چاہئے کہ یہی تمام فسادات اور عداوتوں کی جڑ ہے جس سے کسی کو کچھ شکایت ہو اس کے منہ پر کہنا چاہئے تاکہ اس کا ازالہ ہو جائے پیچھے کہنے سے کیا نفع؟ اور نقصان یہ ہے کہ جب دوسرے کو اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں شخص میری شکایت کرتا پھرتا ہے تو خواہ مخواہ اس کو رنج ہوتا اور رفتہ رفتہ عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔

میں نے اس زمانہ میں اپنے دوستوں کے اندر صرف ایک شخص کو ایسا پایا جو نہ کسی کی غیبت کرتا تھا نہ سنتا تھا یعنی حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی مرحوم، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ ایک بار وہ مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہم نے مجھے خلافت عطا فرمائی ہے نہ معلوم حضرت نے میرے اندر کیا بات دیکھی جو خلافت دیدی مجھے تو خود اپنے اندر کوئی بات نظر نہیں آتی اور یہ تواضع نہیں، بلکہ سچی بات ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ سچی بات سمجھ کر یہ بات نہ کہتے تو تواضع نہ ہوتی، تواضع کی حقیقت تو یہی ہے کہ انسان سچ مچ اپنے کو سب سے کمتر اور لاشئے سمجھے اور یہی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ آپ سچے دل سے اپنے کو لاشی سمجھتے ہیں یہ بات صاحب فنا ہی کو نصیب ہوسکتی ہے، کہنے لگے کہ اس سے میری تسلی نہیں ہوئی (باقی اگلے صفحہ پر)

اس زمانہ میں جوکوئی ہمارے ساتھ برائی سے پیش آئے اس سے زیادہ ان لوگوں سے بچنا چاہئے جو ہم پر احسان کرتے ہیں

(۳۴۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں جو کوئی ہمارے ساتھ برائی سے پیش آئے اس سے زیادہ ان لوگوں سے ہم کو بچنا چاہئے جو ہم پر احسان کرتے ہیں، کیونکہ آج کل کے احسانات زیادہ تر اعتراض ومطالب سے بہت کم سالم ہوتے ہیں، خصوصاً اگر ہمارے اور اس کے درمیان کچھ نفسانیت (کا شائبہ) بھی موجود ہو (پھر تو غرض اور مطلب کا ہونا یقینی ہے) جس کو اس میں کچھ شک ہو وہ خود تجربہ کر (کے دیکھ) لے گا۔

اور کم از کم یہ غرض تو ضرور ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اس لئے احسان کرتا ہے کہ ہمارے متعلق صلاحیت [1] اور دینداری کا اعتقاد رکھتا ہے، اگر یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ ہمیں کچھ بھی نہ دیتا تو (گویا اس صورت میں) ہم اپنے دین کے ذریعے سے کھا رہے (اور دنیا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) (کیونکہ بظاہر اس جواب کی صورت الزامی جواب جیسی تھی وہ کہنے لگے کہ) دوسروں کے حالات وکیفیات جو میں دیکھتا ہوں اپنے اندر ویسے حالات نہیں پاتا، میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی بات عطا فرمائی ہے جس کے سامنے یہ حالات وکیفیات کچھ بھی نہیں وہ یہ کہ آپ کے دل میں کسی مسلمان سے کدورت اور رنج ذرا بھی نہیں، نہ آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں نہ سنتے ہیں، اس سے ان کے چہرہ پر بشاشت کے آثار ظاہر ہوئے اور کہنے لگے الحمد للہ یہ دولت تو مجھے حاصل ہے، میں نے کہا کہ یہ دولت اسی کو مل سکتی ہے جس کو خدا ہی سے تعلق ہو اور اسی کا نام نسبت ہے، کہ دل اللہ کی یاد اور عظمت سے بھر جائے اغیار سے خالی ہو جائے، کہنے لگے جزاک اللہ، جزاک اللہ، اب میری تسلی ہوگئی ۱۲ ظ۔

(۱) ہمارے حضرت حکیم الامت دام مجدہم ہدایا کے باب میں بہت احتیاط فرماتے ہیں پہلی ملاقات میں کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے، اور بار بار آنے والوں میں بھی صرف اہل محبت کا ہدیہ قبول فرماتے ہیں، اور جس شخص کے متعلق اس امر کا احساس ہو جائے کہ اس نے محبت سے ہدیہ نہیں دیا، بلکہ کسی غرض سے دیا ہے فوراً واپس کر دیتے ہیں۔

اور فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے عقیدت کی طلب نہیں، بلکہ محبت کا طالب ہوں، کیونکہ عقیدت تو اسی وقت تک رہتی ہے جب تک دوسرے کے نزدیک میرے اندر اوصاف کمال (باقی اگلے صفحہ پر)

کمار ہے) اور اپنے دین کو معمولی چیز سمجھ رہے ہیں اور اس صورت میں ہماری حالت اس شخص (کی حالت) سے بھی بدتر ہوئی جو حرام طریقوں سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

(امام) سفیان ثوری (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جو کچھ مجھے دیتے ہیں اگر اس کو چھپایا کرتے (کسی سے تذکرہ کرتے نہ پھرتے) تو میں ضرور (ان کے ہدایا) قبول کر لیتا، مگر وہ تو (ہدیہ دے کر) کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے آج سفیان کو اتنا دیا و تنا دیا (جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ محبت سے ہدیہ نہیں دیتے، بلکہ احسان رکھنا اور احسان جتلانا چاہتے ہیں سو ایسا ہدیہ قابل قبول نہیں بلکہ رد کرنے کے قابل ہے)۔

ایک مرتبہ ایک دوست نے میرے واسطے موٹی تازی مرغی (پکا کر) تیار کی اور اس کے اندر خوب مسالے بھرے پھر میرے پاس (ہدیۃً) بھیجی، تو میں نے ایک اندھے کو دیدی اور اس نے کھالی، تو دوست کو یہ بات ناگوار گذری، حالانکہ میرے کھانے سے اس اندھے کا کھانا اس شخص کیلئے قیامت کے دن میزان عمل میں زیادہ وزنی ہوگا، کیونکہ اس (غریب) اندھے نے تو ایسا (لذیذ) کھانا کبھی خواب ہی میں دیکھا ہوگا (اس کو ایسا کھانا کہاں نصیب؟ تو جیسی خوشی اس کو ہوئی مجھے نہیں ہوسکتی تھی اور ہدیہ کا ثواب مسلمان کا دل خوش کرنے ہی سے بڑھتا ہے) اور اگر وہ دوست اس مرغی (کے ہدیہ کرنے) میں مخلص [1] ہوتا تو اس بات پر میرا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) موجود ہیں اور جس دن اس کے نزدیک میرے اندر کوئی نقص ظاہر ہوگا اسی دن عقیدت رخصت ہو جائے گی اور محبت وہ چیز ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت میں بگڑنے بھی لگوں جب بھی محبت والے مجھ کو نہ چھوڑیں گے، بلکہ میری اصلاح کی کوشش کریں گے خواہ دل سے دعا و توجہ ہی کے ذریعہ سے ہو ۱۲ ظ۔

(۱) احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ میرے نزدیک اس شخص کی یہ ناگواری اس کے عدم اخلاص کی دلیل نہیں، بلکہ محبت کی وجہ سے بھی ایسا ہوسکتا ہے، کیونکہ ہدیہ محبت میں ثواب کی بیشی کمی پر نظر نہیں ہوتی، بلکہ ثواب پر اصلاً نظر نہیں ہوتی اور بعض دفعہ انسان اپنے محبوب کیلئے کوئی چیز بڑی محنت سے اس لئے تیار کرتا ہے کہ محبوب کا دل اسے کھا کر خوش ہو اور میں اس کو کھاتے ہوئے مزے (باقی اگلے صفحہ پر)

شکر یہ ادا کرتا۔ واللہ علیم حکیم۔

جب کسی محفل میں لوگ ہماری تعریف کریں تو خاموش رہا کریں

(۳۵۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کسی محفل وغیرہ میں لوگ ہماری تعریف کریں تو خاموش رہا کریں اور اس وقت یوں نہ کہیں کہ ہم تو سب سے کمتر یا لوگوں کی جوتیوں کی خاک ہیں وغیرہ وغیرہ کیونکہ (اہل طریق کے نزدیک) اس قسم کی باتیں نفس کی تلبیسات میں شمار کی گئی ہیں (اس لئے کہ عام عادت یہ ہے کہ مدح سے نفس کو خوشی ہوتی ہے، اب اس

لیتے ہوئے دیکھوں، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک فارسی صحابی نے ایک دن گوشت پکایا اور اچھا پکایا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آج بہت عمدہ گوشت پکایا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی دعوت کروں حضور ﷺ نے فرمایا اور عائشہ کی بھی؟ صحابی نے کہا نہیں یا رسول اللہ! بلکہ صرف آپ کی، فرمایا پھر ہم بھی نہیں۔ وہ صحابی واپس ہو گئے پھر لوٹے اور وہی درخواست کی حضور ﷺ نے فرمایا اور عائشہ کی بھی؟ کہا نہیں یا رسول اللہ بلکہ صرف آپ کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر ہم بھی نہیں۔ صحابی واپس ہو گئے پھر دوبارہ لوٹے اور اس مرتبہ حضرت عائشہ کی دعوت بھی منظور کرلی تو حضور ﷺ مع حضرت عائشہ کے تشریف لے گئے۔

غالباً صحابی نے اول یہ سمجھا ہوگا کہ گوشت تھوڑا ہے زیادہ آدمیوں کے واسطے کافی نہیں اور ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ حضور ﷺ اچھی طرح کھالیں تو خوشی پوری ہو پھر وہ سمجھ گئے کہ حضور ﷺ کی برکت سے انشاء اللہ تھوڑی ہی میں فراغت و وسعت ہو جائے گی کمی نہ ہوگی، اور نہ وسعت ہو تو حضور ﷺ کچھ تو کھالیں گے یہی خوشی کی واسطے بس ہے، نیز وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ اس وقت حضور ﷺ کو اپنے کھانے سے حضرت عائشہ کے کھانے میں زیادہ خوشی ہوگی۔ تو دیکھئے صحابی نے باوجود حضور ﷺ کی فرمائش کے حضرت عائشہ کی دعوت سے انکار کردیا اور اس کو قلت اخلاص پر محمول نہیں کیا گیا، کیونکہ جذبۂ محبت کا تقاضا بعض دفعہ یہی ہوتا ہے کہ ہدیہ محبوب ہی کے خرچ میں آئے اور کسی پر صرف نہ ہو، لیکن اگر محبوب کسی دوسرے پر تمہارا ہدیہ صرف کردے تو اب ناگواری ظاہر کرنا بھی خلاف محبت ہے، کیونکہ اس اظہار سے وہ ہدیہ تو محبوب کے پاس واپس نہیں آسکتا اب ناگواری ظاہر کرنے سے محبوب کو شرمندہ کرنے کے سوا اور کیا نفع ہے؟ خوب سمجھ لو ۱۲ ظ

سے ناگواری ظاہر کرنا لوگوں کو دھوکہ دینا ہے) اس قسم کی باتوں سے نفس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس وقت کی خاموشی سے میرے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ مجھے (اپنی) مدح (کے سننے) سے خوشی ہوئی ہے۔

اور اگر وہ خاموشی ہی اختیار کرلے تو اس میں ریاضت [1] (ومجاہدہ) زیادہ ہے۔ جو شخص نفس سے مغلوب ہو اس کو تو ایسا ہی کرنا لازم ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ پر فضل وکرم فرمایا ہو کہ نفس اس کے قبضہ میں اس طرح آ گیا ہو جیسا گدھا سدھانے سے قابو میں آ جاتا ہے اس کو اختیار ہے، چاہے جواب دے یا خاموش رہے۔

ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شان میں گستاخی کیا کرتا اور آپ کی آبروریزی کرتا تھا، ایک دن (اتفاق سے) کسی مجلس میں حضرت علیؓ کے ساتھ وہ بھی شریک ہوا تو خلاف عادت (اس روز) آپ کی تعریف کرنے لگا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنی تعریف سن کر) فرمایا کہ میں اس سے تو کم ہوں جو تو (زبان سے) کہہ رہا ہے، اور اس سے زیادہ ہوں جو تیرے دل میں ہے، اس کو خوب سمجھ لو۔

جب ہم کسی جگہ جانا چاہیں تو اپنے دوستوں کیلئے خیر کی دعا کریں

(۳۵۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم اپنی جگہ سے کسی کام کیلئے دوسری جگہ جانا چاہیں جہاں سے عادۃً پانچ درجے (۱۵ منٹ) سے کم میں واپسی نہ ہوگی تو نکلنے سے پہلے ہم کو اس طرح دعا کرنا چاہئے کہ، اے اللہ! اگر آپ کے علم میں اس مدت غیبت کے اندر کوئی (ہمارا) بھائی یا دوست کسی کام کیلئے یا محض ملنے کے لئے ہمارے پاس آنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ہمارے لوٹنے تک اس کو نکلنے سے روک دیجئے، اور اگر وہ ہمارے پاس آنے کے لئے نکل چکا

---

(۱) کیونکہ نفس اپنی براءت کرنا چاہتا ہے اور تم اس کو براءت کا موقع نہیں دیتے، اس کا نفس پر بہت بار ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ یوں نہ سمجھیں کہ مجھے مدح سے خوشی ہوئی ہے اور تم نے خاموشی اختیار کرکے نفس کے تقاضے کو دبا دیا کہ جب واقع میں تجھے خوشی ہوئی ہے پھر ناخوشی کیوں ظاہر کی جائے، اس دباؤ سے نفس پامال ہوجائے گا۔۱۲ظ

ہو راستہ میں ہو تو ہم کو اس کے لئے روک دیجئے اور اللہ تعالیٰ (اپنے) بندہ کی مدد[1] میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہے (پس اگر تم اپنے بھائیوں کی راحت رسانی کا خیال کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کیا کرو گے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرلیا کریں گے اور اس جذبہ راحت رسانی کی وجہ سے تم کو بہت کچھ برکت و خیر حاصل ہو گی)۔

یہ دعا ہم کو ان (دوستوں اور) بھائیوں کے متعلق کرنا چاہئے جو ہمارے پاس اپنے یا ہمارے فائدہ کیلئے آتے ہیں، اور جو لوگ محض بیہودہ بکواس اور حکام کی باتیں اور لوگوں کی خبریں بیان کرنے کیلئے آتے ہوں ان کیلئے یہ دعا نہ کریں کہ اے اللہ! ہم کو ان کے واسطے روک دیجئے، بلکہ یوں کہیں کہ اے اللہ! ان کو ہمیشہ کے واسطے ہم سے روک دیجئے'' کہ اس میں اپنے ساتھ بھی ہمدردی ہے اور ان کے ساتھ بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوئی ایسا کام نہ کریں جس میں حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا پڑے

(۳۵۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب تک ہم مال سے مفلس رہیں اس وقت تک نہ کوئی بڑی مجلس کریں نہ ختنہ اور عقیقہ کی تقریب نہ لمبا چوڑا ولیمہ، اور نہ بڑھیا دعوت، نیز اس کے سوا بھی (کوئی بڑا کام جس میں حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا پڑے ہرگز نہ کریں) کہ اس

(۱) یہ بینظیر عہد ہے جو اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے، اور ظاہر میں بہت معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقت میں بہت بڑی بات ہے اس پر عمل کر کے دیکھا جائے انشاء اللہ اس کی برکتیں ظاہر ہوں گی۔

اسی طرح ایک اور عہد بھی اس کتاب میں گذر چکا ہے کہ جب ذکر اللہ وغیرہ سے فارغ ہو کر دنیا کے دھندوں میں مشغول ہونا چاہے تو حضور قلب سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرنا چاہئے کہ، اے اللہ! میں کچھ دیر کے لئے کسب معاش میں مشغول ہونے کی اجازت چاہتا ہوں یہ بھی بہت قیمتی عہد ہے جس پر عمل کرنے سے بڑے فوائد اور قیمتی نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ مترجم

میں اپنے دین کی بھی حفاظت ہے اور اپنے ان تاجر دوستوں کے ساتھ بھی ہمدردی ہے جنہیں کسی یتیم کو (روٹی کا) ایک ٹکڑا دینا بھی آسان نہیں، وہ جب ہمیں کسی بڑے کام (کی تیاری) میں دیکھیں گے تو ممکن ہے تکلف سے ریا یا ناموری کیلئے یا غصہ کے ساتھ کھانے کی تیاری یا نعت خوانوں کے انعام وغیرہ میں ہماری امداد کریں، اور آپس میں یہ باتیں کریں کہ اس سوال [1] کو تو پورا ہی کرنا پڑے گا اور درویش کے اکثر دوست آج کل اس کی صحبت کسی غرض (کی بنا) پر ہی اختیار کرتے ہیں (خلوص ومحبت والے بہت کم ہوتے ہیں) جس کے اسباب اس کی طرف سے بھی اور ان کی طرف سے بھی بہت ہیں جن کی تفصیل لمبی ہے۔

بعض دفعہ وہ آپس میں یوں کہتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ کوئی مجلس یا ختنہ کی تقریب یا اپنے لڑکے کا ولیمہ کرنے والے ہیں، اور بخدا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی امداد کس چیز سے کریں، اور بھلا فقیر کو مجلس وغیرہ کی اور لوگوں کو تکلیف دینے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی، اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے تو قصد کر لیا ہے کہ نہ شیخ کی امداد کروں گا نہ تقریب میں شریک ہوں گا، تو دوسرا یوں کہے گا کہ شیخ کے سامنے فضیحت ہو جاؤ گے شیخ اور ان کی جماعت سب کے سب تم سے بگڑ جائیں گے، اب وہ مجبور ومضطر ہو کر عتاب کے خوف سے یا شیخی جتلانے کیلئے شریک مجلس ہوگا، مگر نیت صاف نہ ہوگی۔

اس کے بعد اگر وہ کچھ دے گا تو نفس کو یہ ہرگز گوارا نہ ہوگا کہ نعت خواں کو چپکے سے انعام دیدے کہ شیخ کو بھی خبر نہ ہو نہ اس کے پاس والوں کو، (بلکہ سب کو دکھلا کر دے گا) اور بعضے تو گنیاں بھنا کر دونیاں چونیاں بنا کر نعت خواں کو تھیلی بھر کر دیں گے تا کہ یہ معلوم ہو کہ بہت دیا، جس کی دلیل یہ ہے کہ چپکے سے ایک دم گنی ہی دیدینا اس کو کبھی گوارا نہیں ہوتا (کیونکہ اس صورت میں نام نہیں ہوگا)۔

اور شیخ کو لازم ہے کہ بڑے درجہ کے لوگوں کو (اپنی کسی تقریب میں) دعوت شرکت ہرگز نہ دے جیسے محافظ دفتر، قاضی لشکر، امراء دربار وغیرہ، کہ اس میں (ان حضرات کے

---

(۱) وہ تمہاری ان تقریبات کو خوشی کی تقریب نہ سمجھیں گے، بلکہ سوال پر محمول کریں گے کہ پیر صاحب تقریب کے بہانہ سے مریدوں کی جیبیں خالی کرنا چاہتے ہیں۔۱۲ ظ

ساتھ) بے ادبی (اور گستاخی) ہے، اور (بھلا) ہم جیسے ضعفاء (غرباء) اس بات کے کہاں مستحق ہیں کہ بڑے درجہ کے لوگ ان کے گھر تک چل کر ایسے لقمہ کے واسطے آئیں جو لوگوں کے میل کچیل (صدقات وخیرات وہدایا کی رقم) سے تیار کیا گیا ہے جس کے کھانے سے ان کے نوکروں کو بھی نفرت ہوتی ہے خود ان کا تو کیا پوچھنا۔ پس عاقل [1] وہ ہے جو اپنے درجہ کو پہچانے والسلام۔

---

(۱) اس عہد پر عمل کرنا مسلمانان ہندوستان کو سب سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ تقریبات کے مصارف نے ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ بنادی ہے، اسلامی حکومت کے زوال سے مسلمانوں پر تباہی آئی تھی، مگر پھر بھی زمینداری کا بڑا حصہ ان کے پاس تھا، اگر اس کو ہی سنبھال لیتے تو اس قدر افلاس نہ ہوتا۔

مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تقریبات میں فضول خرچی سے کام لے کر اپنی زمینداریوں کو برباد کر دیا اور اب ہر جگہ سودی قرض کی بدولت ہندوؤں نے مسلمانوں کی زمینداریوں پر قبضہ کر لیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ادبار میں مبتلا کرتا ہے تو اس کی عقل بھی سلب ہو جاتی ہے چنانچہ اس وقت بڑا رئیس وہ ہے جو بہت زیادہ مقروض ہو، قرض کو بھی شانِ ریاست کا ایک جز شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ قرض غلامی کی نشانی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ''قرض ذلت کا جھنڈا ہے اللہ تعالیٰ جس بندہ کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اس کے سر پر قرض کا جھنڈا کھڑا کر دیتے ہیں'' پس مسلمانان ہندوستان اگر عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس ذلت کے جھنڈے سے ان کو بچنا چاہئے۔

یہ بات بھی بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ تقریبات میں جو برادری والے یا دوست احباب نیوتہ دیتے ہیں وہ خلوص کے ساتھ نہیں دیا جاتا، بلکہ عموماً بدلہ اور قرض کے طور پر دیا جاتا ہے، اس سے بچنا چاہئے کیونکہ اس قرض کا ادا کرنا اپنی زندگی ہی میں ضروری نہیں سمجھا جاتا، بلکہ جب کسی عزیز کے یہاں تقریب ہو اس وقت ادا کیا جاتا ہے تو خواہ مخواہ اپنے سر پر بوجھ لادنا ہے، کیا خبر ہمارے بعد کوئی اس کو ادا کرے یا نہ کرے اور ادا کرے بھی تو سب حقداروں کو پہونچائے یا نہیں؟ پس تقریبات میں صرف اس کا ہدیہ لیا جائے جس کے متعلق یقین ہو جائے کہ محبت اور خلوص سے دے رہا ہے، بدلہ یا ناموری کی نیت نہیں، اور تجربہ کے بعد ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے۔

علامہ شعرانی نے نعت خوانوں کے انعام کو نقطہ اور نقوط کے لفظ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی کو بھی اپنے زمانہ کے علماء و مشائخ کی زیارت سے نہ روکیں

(۳۵۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے شاگردوں (مریدوں) میں سے کسی کو بھی اپنے زمانہ کے علماء و مشائخ کی زیارت سے نہ روکیں، ہاں اگر ہم کو کشف صحیح کے ذریعہ سے جس میں تغیر کا احتمال نہیں یہ معلوم ہو گیا ہو کہ ان لوگوں کی کشود کار (اور کامیابی) ہمارے ہی ہاتھوں ہوگی تو اس وقت دوسرے مشائخ (کے پاس بغرض استفادہ جانے) سے ان کو روک دینا چاہئے تاکہ وہ جلد راستہ طے کرلیں،[1] نہ اس واسطے کہ ان پر ہماری ریاست بنی رہے (جو شخص اپنی شانِ ریاست قائم رکھنے کیلئے مریدوں کو دوسروں کے پاس جانے سے روکے گا وہ شیخ نہیں، بلکہ دنیا ساز ہے) پس اگر ہم کو (کشف صحیح سے) یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو کہ ان کی کامیابی ہمارے ہی ہاتھ پر (موقوف) ہے تو ان کو (دوسروں سے) روکنے کا ہم کو کچھ حق نہیں۔

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکابر (صوفیہ) نے (بعض دفعہ تحدثا بالنعمۃ) اپنے کمالات صرف اس لئے بیان کئے ہیں تاکہ اپنے متبعین کیلئے راستہ کو قریب[2] کردیں اس کے سوا اور کچھ مقصد نہ تھا جیسا کہ (سیدنا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تعبیر فرمایا ہے میرے خیال میں لفظ نیوتہ اسی نقطہ سے بگڑا ہوا ہے، نقطہ کے معنی لغت میں علامت اور نشان کے ہیں شاید اس کو نقطہ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک محبت اور تعلق کی بڑی علامت ہے، مگر علامہ کے زمانہ میں بھی وہ محبت کی علامت نہ تھی تو اس زمانہ میں کیا خاک علامت ہوگی۔۱۲ ظ

(۱) کیونکہ طریق باطن میں جمعیت قلب اور یکسوئی کی بہت ضرورت ہے اور وہ عادۃً اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک سالک ایک شیخ پر اعتماد کرکے اسی کا نہ ہو رہے، اگر چند شیوخ سے تعلق رکھے گا دل ڈانواڈول رہے گا۔۱۲ ظ۔

(۲) یعنی تاکہ ان کو شیخ پر اعتماد ہو جائے کہ یہ ہم کو واصل الی اللہ بنا سکتا ہے اور اطمینان کے ساتھ کام میں لگیں، جمعیت قلب کو ہاتھ سے نہ دیں۔۱۲ ظ

سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں، اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی[1] (کہ اس ارشاد سے مقصود بھی اپنی امت کو پریشانی سے بچانا ہے) کہ امت کو جب یہ خبر ہو جائے گی کہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی شفاعت نہ کرے گا تو قیامت میں سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کے پاس پہونچ جائے گی یکے بعد دیگرے کسی نبی کے پاس جانے کی نوبت نہ آئے گی جیسا دوسری امتوں کو یا آپ ﷺ کی امت میں سے ان لوگوں کو جنہیں حدیث نہیں پہونچی یہ صورت پیش آئے گی۔

سیدی[2] الشیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تم کو اپنی صحبت میں قیدی بنا کر نہیں رکھنا چاہتا، بلکہ تم سے (صاف) کہتا ہوں کہ اگر تمہیں کوئی چشمہ ہمارے چشمہ سے زیادہ شیریں معلوم ہو تو ضرور وہاں پہونچ جاؤ، چنانچہ وہ سب (چشموں) کو دیکھتے پھرتے، مگر حضرت شیخ کے چشمہ سے زیادہ شیریں کسی کو نہ پاتے۔

میں کہتا ہوں کہ غالباً حضرت شیخ نے یہ بات اپنے بڑے درجہ کے مریدوں سے فرمائی

---

(۱) مسلم: ص ۲۴۵ ج ۲ کتاب الفضائل باب تفضیل نبینا ﷺ وترمذی: ص ۲۰۲ ج ۲ ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ ۱۲ مرتب

(۲) حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم بھی اپنے خدام سے فرمایا کرتے ہیں کہ ''جس کو میرا طرز پسند ہو وہ یہاں رہے۔ جس کو اس سے اچھا طرز کہیں ملے وہاں چلا جائے'' یہی وجہ ہے کہ حضرت بیعت میں جلدی نہیں فرماتے کیونکہ بیعت ہو جانے کے بعد عادۃً طالب مقید ہو جاتا ہے، بعد میں اگر کوئی دوسرا شیخ اس کو پسند بھی آ جائے جب بھی پہلے شیخ ہی کی بیعت کو نباہنا چاہتا ہے کہ اب تو بیعت ہو چکے ہیں مجبوری ہے، شیخ کو اگر کشف سے معلوم نہ ہو کہ اس شخص کی کامیابی میرے ہاتھ پر موقوف ہے یا نہیں تو اس کو اپنے دل کی حالت پر نظر کرنا چاہئے، اگر کسی مرید سے دل کو مناسبت اور لگاؤ پیدا ہو جائے تو سمجھ لے کہ اس کو مجھ سے نفع ہوگا اور جس سے مناسبت اور لگاؤ نہ ہو اس کو بیعت نہ کرنا چاہئے کہ اس کو فائدہ نہ ہوگا۔ ففی الحدیث ''الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما شاكر منها اختلف (۳) او کما قال۔ و اللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

(۳) مجمع الزوائد للهيثمی ص ۸۸ ج ۸ ۱۲ م

ہوگی جو مقامات (اولیاء) میں فرق (وامتیاز) کر سکتے تھے، ضعیف الحال لوگوں (سے نہ فرمائی ہوگی ان) کو تو ہمیں اپنی قید ہی میں رکھنا چاہئے جب تک ہمارے سوا کوئی دوسرا ان کو نہ مل جائے، کیونکہ یہ تو چھٹے ہوئے جانوروں کی طرح ہوتے ہیں (ان کو کیا تمیز کہ باطنی چشمہ کیسا ہوتا ہے؟ اور کونسا کم شیریں ہے کونسا زیادہ)۔

اور رسالہ انوار قدسیہ میں ہم نے بعض مشائخ کے واقعات ان کے مریدوں کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں جیسے سہل عبد اللہ (تستری) اور سیدی ابو السعود بن ابی العشائر، سیدی ابوالعباس مرسی اور ان جیسے دیگر حضرات (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کہ یہ لوگ اپنے مریدوں کو اس وقت سے پہچانتے تھے جب وہ اپنے باپ دادوں کی پشت میں تھے۔ واللہ واسع علیم۔

فقراء، ضعفاء اور ضرورت مندوں کے پاس بیٹھنے سے غفلت نہ کریں

(۳۵۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ فقراء ومساکین، اپاہجوں، بیماروں، ضرورتمندوں اور فاقہ زدوں کے پاس بیٹھنے سے غفلت نہ کریں، تاکہ یہ لوگ اپنی حالت سے ہم کو اللہ کی طرف احتیاج کی یاددہانی کرتے رہیں جس کو شاید ہم نے اس لئے بھلا دیا ہو کہ ہمارے اوپر نعمتیں برس رہی ہیں کہ (گھر میں) گیہوں، غلہ، بھرا ہوا ہے، عمدہ لباس موجود ہے، بدن میں صحت ہے، علم اور جاہ حاصل ہے، اور مخلوق میں سے کسی کی طرف ہم کو احتیاج نہیں، اور اس جیسی بڑی بڑی نعمتیں (جو ہم کو حاصل ہیں کبھی ان میں مشغول ہو کر ہم نے اللہ کی طرف احتیاج کو یاد نہ رکھا ہو)۔

اور اس عہد پر عمل کرنے کا خیال ہمارے زمانہ کے علماء اور درویشوں میں سے بہت کم لوگوں کو ہے، چنانچہ ان میں سے جب کسی کی تنخواہ یا جاگیر یا وظیفہ کسی جگہ سے مقرر ہو جاتا ہے یا ہدایا وغیرہ آنے لگتے ہیں تو وہ اللہ کی طرف اپنی احتیاج کو فراموش کر دیتا اور خدا سے غافل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دنیا والوں سے بھی زیادہ غفلت میں پڑ جاتا ہے۔

ہمارے بہت سے دوستوں کو ایسا پیش آ چکا ہے، وہ اللہ کے راستہ سے لوٹ کر اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے آئے تھے، اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ نے (اپنی دعا میں) فرمایا ہے،

اے اللہ! محمد کے خاندان کا رزق بمقدار قوت کر دیجئے [۱] (جس سے وہ زندہ رہ سکیں اس سے زیادہ نہ ہو) نیز آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ، مالداروں کی صحبت سے بچتی رہو، اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا (سمجھ کر الگ) نہ کرو جب تک اس میں پیوند نہ لگالو [۲]۔

منقول ہے کہ بعض لوگ حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس پہونچے (اور وہاں غریبوں، محتاجوں کا مجمع دیکھا) تو پوچھا کہ آپ نے ان فقیروں محتاجوں کو اپنے پاس کیوں جمع کیا ہے؟ فرمایا تا کہ یہ لوگ اپنی معیشت اور تربیت میں میری طرف محتاج ہوکر مجھے یہ بات یاد دلاتے رہیں کہ میں اللہ کا محتاج ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿انما الصدقات للفقراء والمساکین﴾ [۳] کہ صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے واسطے ہیں، پس جس شخص کے ساتھ احتیاج وافتقار کی شان ہمیشہ نہ لگی رہے اور ہر وقت اپنا محتاج ہونا پیش نظر نہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے ان خاص صدقات (وعنایات) سے محروم رہے گا جو رات دن میں کسی وقت بھی بندوں سے منقطع نہیں ہوتے۔ واللہ غنی حمید۔

جب ہم مسلمانوں کے علماء میں شمار ہونے لگیں تو اپنے شہر والوں میں سب سے زیادہ کریم اور صاحب ایثار بن جائیں

(۳۵۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم مسلمانوں کے علماء میں شمار ہونے لگیں تو اپنے شہر والوں میں سب سے زیادہ کریم، اور سب سے زیادہ صاحب ایثار بن جائیں، تاکہ اس صفت میں دوسرے ہماری اقتدا کریں، جو شخص اپنے کو اہل علم میں سے سمجھتا ہو، بلکہ یوں کہتا ہو کہ اس شہر میں اپنے سے زیادہ کسی کو بھی عالم یا فقیہ نہیں جانتا اس کے لئے بخیل ہونا اور اپنے طلبہ کے ساتھ محسن نہ ہونا بہت نازیبا ہے، بلکہ اس کو طلبہ کے ساتھ جس قدر ہو سکے احسان کرنا، اور ان کے ذرائع معاش مہیا کرنے کیلئے پوری طرح کوشش کرنا لازم ہے تا کہ فراغ

---

(۱) حدیث: اللهم ارزق آل محمد قوتاً۔ بخاری ص ۹۵۸ ج ۲ کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی ﷺ ۔۱۲ مرتب

(۲) جمع الفوائد ص ۲۸۱ ج ۴ ۔ مرتب (۳) التوبہ/۶۰۔

قلب کے ساتھ وہ اس کے درس میں حاضر ہوسکیں، کیونکہ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ جب وہ اپنے بڑے کے پاس سلوک واحسان نہیں دیکھتا تو اس کا دل اس کی طرف سے ہٹ جاتا ہے۔ پس عزیز من! اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے شاگرد تجھ ہی سے لگے لپٹے رہیں تو تجھ کو ان کے ساتھ ایثار، اور ہمدردی بہت زیادہ کرنا چاہئے، ورنہ وہ تیرے سوا کوئی اور استاد تلاش کرلیں گے۔

اگر ہم اپنے مشائخ کے بعد ان کے جانشین بن جائیں تو اپنے کو ان کے طریقہ پر ہرگز نہ سمجھیں

(۳۵۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم اپنے مشائخ کے بعد ان کے جانشین بن جائیں تو اپنے کو ان کے قدم پر (ان کے طریقہ پر) ہرگز نہ سمجھیں، چہ جائیکہ سلف صالحین میں سے کسی کے قدم پر اپنے کو سمجھا جائے، کیونکہ ہم جیسوں کا ایسا دعوی کرنا اپنے مشائخ اور ان سے پہلے مشائخ کے درجہ کی تحقیر کرنا ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ اسود (رضی اللہ عنہ) افضل ہیں یا علقمہ (رضی اللہ عنہ) امام صاحب نے فرمایا خدا کی قسم ہم تو ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بھی قابل نہیں، پھر ان کے درمیان کی بیشی کا فیصلہ ہم کیونکر کرسکتے ہیں؟۔

لوگوں میں مثل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ، اگر تم کسی شخص کا درجہ پہچاننا چاہو تو اس کے اصحاب (یعنی مریدوں، شاگردوں) کی حالت دیکھ لو وہ تم کو اس کا پتہ دیں گے (پس حقیقی شاگرد اور مرید وہ ہے جس کو دیکھ کر اس سے شیخ کا درجہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ اب خود سوچ لو کہ تم کیسے ہو؟ اور کیا تم اپنے کو شیخ کے قدم پر کہنے کے لائق ہو؟)۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرب کا ایک وفد حاضر ہوا آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ ایک شخص بولا میں ہوں آپ نے فرمایا، اگر تو سردار ہوتا تو (اپنی زبان سے) ایسی بات نہ کہتا، اس سے معلوم ہوا کہ ہم جیسوں کو ہرگز مناسب نہیں کہ (اپنی زبان سے) یوں کہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں یا ان کے اصحاب میں سے ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم ان کے خدام میں سے ہیں یا ان کے جاننے والوں میں سے

ہیں تا کہ لوگوں کی نگاہ میں ہم اپنے شیخ کے درجہ کو نہ گھٹا دیں، کیونکہ خلیفہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس نے اس کو خلافت دی ہے (بالکل) اسی کی صورت (اسی کی وضع اور اسی کے طریقہ) پر ہو، اور صاحب (یعنی مرید) ہونے کی شرط یہ ہے کہ تمام صفات میں اپنے شیخ کا متبع ہو۔ اب اگر ہم نے یہ دعویٰ [1] کیا کہ ہم اپنے شیخ کے قدم پر ہیں تو (خود) ہمارے افعال اس

---

(۱) اس راستہ میں باتیں بنانا کام نہیں دیتا عمل کی ضرورت ہے۔ ع

کارکن کار بگذر از گفتار

کاندریں راہ کار باید کار [۲]

کوشش کرنا چاہئے کہ ہماری حالت اپنے مشائخ کے موافق ان کے قدم بقدم ہو جائے جس سے دوسرے لوگ دیکھ کر پہچان لیں کہ ہم فلاں بزرگ کے خدام میں سے ہیں۔ حضرت مولانا محبّ الدین صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں بڑے صاحب کشف وصاحب احوال بزرگ تھے انہوں نے جب ۱۳۲۸ھ میں سیدی مرشدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ وحضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو اپنی مجلس میں احقر کے سامنے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب الارشاد تھے، لیکن میں نے خود مولانا کو نہیں دیکھا، البتہ مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ جس نے ایسے ایسے کامل بنا دیئے واقعی وہ قطب الارشاد ہوگا، مولانا خلیل احمد صاحب تو سراپا نور ہیں ان کے آتے ہی سارا حرم انوار سے بھر گیا، مولانا عبدالرحیم صاحب ایسے قوی النسبت ہیں کہ ان کے پاس کوئی کیسا ہی سیاہ دل لے کر آئے ایک دم سب جھاڑ جھنگاڑ کو صاف کر دیں گے۔

(پھر مولانا نے بدون میرے خطرہ کے خود ہی فرمایا میرا جی چاہا کہ مولانا تھانوی کے بارہ میں بھی کچھ فرما دیں تو میرے خطرہ کے جواب میں فرمایا کہ) اور تمہارے ماموں مولانا محمد اشرف علی صاحب آج کل مقام علم میں ہیں، اور اسی لئے جب سے میں نے سنا ہے کہ مولانا نے تفسیر قرآن تحریر فرمائی ہے میں اس کا مشتاق ہوں کیونکہ اس مقام پر جو شخص ہوگا وہ عجیب تفسیر لکھے گا۔ انتہی کلامہ حاصلاً

بندہ عرض کرتا ہے کہ مقام علم بہت بڑا مقام ہے جس کی عظمت اس سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو "وقل رب زدنی علما" میں اس مقام میں ترقی کی طلب کا حکم (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲): کام کر کام کا دعویٰ چھوڑ دے، کیونکہ اس راستے میں بس کام ہی کی ضرورت ہے۔ ۱۲ مرتب

(دعویٰ) کی تکذیب کر دیں گے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ واللہ ہم نے ایسے حضرات کو پایا ہے جن کے سامنے ہم لوگ چور (معلوم ہوتے) تھے، اور اگر وہ اس وقت تم کو دیکھ لیتے تو یوں کہتے کہ ان لوگوں کا قیامت کے دن پر ایمان نہیں (ورنہ کسی وقت بھی اس کی فکر سے خالی نہ ہوتے)۔

سیدی افضل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہمارے زمانہ کا کوئی آدمی پہلے زمانہ کے فاسقوں کے حالات کی خوشبو بھی سونگھ لے تو ولایت کا دعویٰ کرنے لگے (جس زمانہ کے فاسقوں کی یہ حالت تھی اس کے اولیاء و مشائخ کیسے ہوں گے) اس کو خوب سمجھ لو۔

اپنے دوستوں میں سے کسی کے اندر ولایت وغیرہ کا دعویٰ پائیں تو اس کو متنبہ کریں

(۳۵۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم اپنے دوستوں میں سے کسی کے اندر ولایت اور صلاح (و بزرگی) وغیرہ کا دعویٰ پائیں جو اس کو ترقی سے روک رہا ہو [1] تو اس

(بقیہ صفحہ گزشتہ) فرمایا گیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کی وجہ سے حضرات انبیاء علیم السلام کو ملائکہ پر فضیلت ہے ورنہ عمل میں تو ممکن ہے کہ ملائکہ انبیاء سے بڑھ جائیں، مگر علم میں انبیاء علیہم السلام بڑھے ہوئے ہیں اور اسی کی وجہ سے ان کا عمل بھی ملائکہ کے عمل سے کامل ہے گو مقدار میں قلیل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

(۱) کیونکہ اس طریق ولایت میں دعویٰ اور تکبر سب سے زیادہ مانع ترقی ہیں، مدعی کبھی فلاح نہیں پاتا، اور تکبر کے ساتھ وصال حق سے کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا، بہت لوگ عمل اور مجاہدات بہت کرتے ہیں، مگر دل میں دعویٰ اور تکبر کا چور گھسا ہوا ہے اس لئے مقصود سے ناکام ہیں اور شیخ کی تمام تر توجہ وتربیت اس چور کی وجہ سے برباد و ضائع ہو جاتی ہے، سالک کو سب سے پہلے ان چوروں سے دل کی حفاظت لازم اور عبدیت و تواضع اور اپنے کو لاشی محض سمجھنا واجب ہے، اس کے بعد باغ و بہار اور باطنی لیل و نہار کا دروازہ کھلے گا۔ ع

در بہاران کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ [2] ۱۲ ظ

(۲) ترجمہ: موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے؟ مٹی ہو جا تا کہ رنگ برنگ پھول کھلیں۔ ۱۲ مرتب

نقص پر اس کو متنبہ کریں، اور اس کے سامنے ولایت وصلاح کی صفات (اور شرائط) بیان کریں (اور بتلائیں کہ تو ان صفات وشرائط سے کورا ہے، اس لئے تیرا دعویٰ باطل ہے) اور ہرگز اس کے دعویٰ کو تسلیم نہ کریں اگر چہ شیخ ہی کیوں نہ (بن گیا) ہو (کیونکہ اس صورت میں وہ ہمیشہ جہل مرکب میں مبتلا اور ترقی سے محروم رہے گا)۔

حضرت سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شخص کی ولایت کی شہرت ہوئی، اور لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے، پھر (ایک بار) حضرت سیدی شیخ عبدالقادر (رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت کو وہ حاضر ہوا تو آپ نے (صاف) فرمایا کہ اے عزیز! مجھے تیرے اندر صلحاء کی خوشبو نہیں آتی، اس بات نے اس کے اندر اثر کیا اور اس نے اپنے مریدوں سے کہدیا کہ تم لوگ مجھ سے الگ ہو جاؤ کیونکہ میں حضرت شیخ کے ہاتھ پر توبہ (اور رجوع) کرنا چاہتا ہوں، پھر وہ آپ کی صحبت میں رہا اور صدق کی وجہ سے ترقی کر گیا یہاں تک کہ قابل (اور سچ مچ صاحب ولایت) ہو گیا۔

اسی قسم کا واقعہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو شیخ فخر الدین رازیؒ کے ساتھ پیش آیا جب وہ آپ سے ملنے آئے تو فرمایا کہ تم نے ساری عمر مخلوق ہی کی معرفت میں ختم کردی، خالق کی معرفت کی طرف کب ترقی کرو گے؟ امام فخر الدین نے اسی وقت سے اس قوم (صوفیہ) کا طریق اختیار کیا، مگر مقصود تک پہونچنے سے ان کی عمر قاصر رہی [1] رحمہ اللہ

---

(۱) ہر چند کہ وہ ظاہر میں انتہاء کو نہ پہونچے، مگر امید ہے انشاء اللہ وہ کاملین کے ساتھ اٹھیں گے، کیونکہ اس طریق الٰہی میں طالب ناکام نہیں رہتا اگر زندگی میں واصل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ بعد موت کے اس کو واصل کامل کر دیتے ہیں بشرطیکہ مرتے دم تک طلب میں لگا رہے، طلب سے منہ نہ موڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''جو شخص حفظ قرآن میں مشغول ہو اور تکمیل حفظ سے پہلے مر جائے اللہ تعالیٰ برزخ میں ایک فرشتہ اس کے لئے مقرر کر دیتے ہیں تا کہ حفظ کامل کرا دے، پھر وہ پورا حافظ ہی بنکر اٹھے گا'' پس جن لوگوں کی عمر زیادہ ہوگئی ہو وہ طلب سے ہمت نہ ہاریں، اسی حالت میں طلب شروع کر دیں، وہ اپنی سی سعی کریں اللہ تعالیٰ اپنا کام خود پورا کر دیں گے ﴿ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ﴾ [2] (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲) ترجمہ: اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔ عنکبوت/ ۶۹۔ مرتب

تعالیٰ۔

ایسا ہی واقعہ سیدی ابرہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آیا، آپ نے اپنی خانقاہ میں ایک درویش کو دیکھا جس کی شب بیداری اور کثرت عبادت بطور مثل کے بیان کی جاتی تھی اور وہ خود بھی اپنے کو واصلین میں سے سمجھتا تھا، شیخ نے اس سے فرمایا کہ صاحبزادے! تمہاری ایسی مثال ہے جیسے کوئی ہوا کو پکڑنا چاہے (کہ وہ کوشش تو بہت کرتا ہے، مگر حاصل کچھ نہیں ہوتا اسی طرح) تو شب بیداری بہت کرتا ہے، مگر ثواب (اور نتیجہ) بہت کم ہے پھر کشف (کے طریقہ) سے فقراء (کاملین) کے کچھ احوال (ومقامات) اس پر ظاہر فرمائے تو اس نے اقرار کیا کہ مجھے تو فقراء کے طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، کچھ مدت کے بعد اس کو پھر دیکھا تو یہی فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہارا کام تو بہت دیکھتا ہوں مگر درجے ناقص پاتا ہوں، غرض (اسی طرح) برابر اس کو ترقی دیتے رہے، یہاں تک کہ مردان کامل کے درجہ کو پہنچ گیا۔

پس اس بات کو سمجھ لو، اور اللہ کے بارہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت [1] کی پروا نہ کرو (جس کو ناقص دیکھو ہرگز اس کے کمال کو تسلیم نہ کرو کہ اس میں اس کی بدخواہی اور تمہاری کوتاہی ہے ۱۲) اور اللہ تعالیٰ تم کو خود ہدایت کرے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ﴿ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله(۳)﴾ وهذا کله من علوم سیدی حکیم الامة دام مجده وعلاه ۱۲ ظ۔

(۳) اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں۔ النساء/۱۰۰۔ مرتب

(۱) سالکین کو عموماً اور سلسلہ امدادیہ طیبہ کے متوسلین کو خصوصاً اس عہد پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے مریدوں کے ساتھ تو مشائخ کا یہ طرز عمل اب بھی ہے مگر دوستوں کے ساتھ اس پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے، احباب کو لازم ہے کہ اپنے دوستوں میں جس کو ناقص پائیں اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں اور خیرخواہی سے اس کو اس نقص پر متنبہ کردیں جو اس کے اندر موجود ہے، دوستوں کے ساتھ ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' (میں تجھے حاجی کہتا ہوں تم مجھے حاجی کہو۔م) کا معاملہ نہ کرنا چاہئے ۱۲ ظ

خانقاہوں اور مدرسوں کی روٹیوں میں اپنا حصہ نہ لگائیں

(۳۵۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ خانقاہوں کی روٹیوں میں فقراء سے مزاحمت نہ کیا کریں۔یعنی اپنے واسطے خانقاہ اور مدرسہ میں کھانا مقرر نہ کرائیں) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سوا رزق کے اور راستے تنگ کردیئے ہوں (تو مجبوری ہے) کیونکہ خانقاہوں (اور مدرسوں) کی روٹیاں دراصل محض ان طالبین علوم کے واسطے ہیں جو علم وعمل میں مخلص ہوں۔ جن سے نفع (رسانی) کی امید کی جا سکے (اور اس کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو محض اللہ کے واسطے علم وعمل کی تکمیل میں مشغول ہیں دنیا کے طالب نہیں)

میں نے دیکھا ہے کہ سلطان غوری (رحمۃ اللہ علیہ) نے جب قاہرہ (مصر) میں اپنا مدرسہ آباد کیا تو ان کے پاس کتابیں لے کر بہت لوگ آئے جو غلاموں اور خچروں کے مالک تھے، سلطان نے سب کو واپس کر دیا، اور فرمایا میرے پاس ایسے محتاجوں کو لاؤ جن کا ذریعہ معاش کچھ نہیں (کیونکہ ایسے لوگ دیندار اور دین کے طالب ہوتے ہیں اور انہی کے واسطے مدرسہ کی اعانت مقرر کی گئی ہے) چنانچہ فقراء کا نام[1] تو سلطان نے خوش ہو کر لکھا اور دوسروں کا نام سفارشوں کی وجہ سے بغیر خوشی کے لکھا، یہ ایسی بات ہے جس کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

---

(۱) زمانہ کا انقلاب ملاحظہ ہو کہ پہلے تو سلاطین اسلام مدارس دینیہ کے واسطے خود ایسے لوگوں کو تلاش کرتے تھے جن کا کوئی سہارا وسیلہ اور ذریعۂ معاش نہ ہو، اور اپنے مدارس کو ایسے طلبہ سے آباد دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اور اب یہ دوسرا زمانہ ہے کہ مدارس دینیہ کیلئے صنعت وحرفت سے واقف ہونے والے تلاش کئے جاتے ہیں تاکہ اپنے ہاتھ سے روزی بھی پیدا کریں اور علم بھی حاصل کریں، اور مدارس دینیہ کے طلبہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ قوم کی روٹیوں پر پڑے رہتے ہیں خود کر کے نہیں کھاتے، ان لوگوں کو جاننا لینا چاہئے کہ خود کر کے کھانے والے علم حاصل نہیں کر سکتے، جو طلبہ زمانہ طالب علمی میں ذریعہ معاش اختیار کرتے ہیں ان کا علم ناقص ہوتا ہے، طلب علم کیلئے بے فکری لازم ہے، خواہ کوئی اپنے گھر سے خوش حال ہو کر بے فکر ہو، یا قوم کی اعانت نے اس کو بے فکر کر دیا ہو، اگر زمانہ طلب علم میں طالب علم کو ذریعۂ معاش کی بھی فکر رہی تو اس کا دل یکسو ہو کر طلب علم میں مشغول نہ ہوگا۔۱۲ظ۔

وعظ سے پہلے پوری توجہ کے ساتھ اپنے کو رسول اللہ ﷺ اور علماء و اولیاء کا نائب سمجھیں

(۳۵۹) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ (وعظ سے پہلے) جب تک پوری توجہ (اور حضور قلب) کے ساتھ یوں نہ کہہ لیں کہ یا رسول اللہ میں اجازت چاہتا ہوں، اے اصحاب[1] وقت میں اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کی نیابت (میں کچھ بیان) کروں اس وقت تک وعظ نہ کہیں (اور یہ اس واسطے کہنا چاہئے) تا کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب وقت یعنی علماء و اولیاء (باطنی طریقہ سے) ہماری امداد کریں پھر انشاء اللہ[2] ہمارے بیان میں الجھن اور لغزش (یا رکاوٹ) نہ ہوگی اور اگر ہم سے کوئی سوال کیا گیا تو جواب سے عاجز نہ ہوں گے۔

جن خطیبوں اور واعظوں کو (تقریر کا) ملکہ تھوڑا ہو ان پر اس عہد کا بجالانا ضروری ہے، پھر جب ہم وعظ کہیں تو اپنے کو تمام سامعین سے کمتر اور جن صفات (عادات وغیرہ) سے لوگوں کو منع کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے کو سب سے زیادہ موصوف اور اپنے وعظ کو اپنے حق میں وبال سمجھیں (کہ ہم دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے)۔

پھر وعظ[3] میں ہوشیاری سے کام لیں کسی خاص شخص کی صفات (و احوال) کو اس

---

(۱) اصحاب وقت وہ اولیاء و علماء ہیں جن کے ہاتھ میں ارشاد و ہدایت کی باگ ہوتی ہے ان کو اقطاب کہا جاتا ہے جو ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔۱۲ ظ۔

(۲) اس عہد پر عمل کرنا ہر شخص کو جائز نہیں، صرف اس شخص کو جائز ہے جو امداد باطنی کی حقیقت سے واقف اور فہیم و سلیم الطبع ہو ورنہ فساد عقیدہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔۱۲ ظ۔

(۳) اس زمانہ میں آداب وعظ کی پوری رعایت کرنے والا حضرت حکیم الامت دامت مجدہم کے سوا کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ میں منصب وعظ مولانا دامت برکاتہم کا حصہ ہے، سیدی مرشدی مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کا وعظ کہنا منہ چڑانا ہے، مولانا کا وعظ ہمیشہ عام ہوتا ہے، کبھی کسی خاص شخص پر چوٹ نہیں ہوتی، مگر اس کے ساتھ ہی یہ کمال ہے کہ سامعین میں سے جو شخص جس مرض یا عیب میں مبتلا ہوگا اس کی اصلاح کا مضمون وعظ میں خود بخود آ جائے گا جس سے ہر شخص بجائے خود یہ سمجھتا ہے کہ یہ وعظ تو میرے واسطے (باقی اگلے صفحہ پر)

طرح کھول کر نہ بیان کریں جس سے حاضرین سمجھ جائیں کہ وعظ سے مقصود وہی ہے (اسی کو سب کچھ سنایا جارہا ہے) کیونکہ اس سے لوگوں کے درمیان اس کی رسوائی جو کچھ ہوگی اور (واعظ کے) نفس کو جس قدر حلاوت حاصل ہوگی وہ مخفی نہیں اور (یہ آداب وعظ کے بھی خلاف اور سنت نبویہ کے بھی خلاف ہے رسول اللہ ﷺ کا وعظ ہمیشہ عام ہوا کرتا تھا جس میں کسی خاص شخص (کی حالت) کو کھول کر نہ بیان کیا جاتا تھا صرف مبہم اشارے کنائے ہوتے تھے جس سے قوم کے نفوس پر شفقت مدنظر تھی تا کہ ان کو نصیحت سے نفرت نہ ہوجائے، پھران سے خیر ہی فوت ہوجائے (اور ہدایت سے محروم ہوجائیں) واللہ علیم حکیم۔

جب کسی ولی یا عالم یا کسی بڑے آدمی کے پاس جائیں تو اس سے زیادہ عاجزی ظاہر نہ کریں

(۳۶۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کسی ولی، یا عالم یا حاکم یا بڑے آدمی کے پاس جائیں خواہ زندہ ہو یا میت تو وہاں آنے سے پہلے جس حالت پر تھے بدون اچھی نیت کے اس سے زیادہ سر جھکانا عاجزی وغیرہ ظاہر کرنا اختیار نہ کریں، کیونکہ یہ بھی نفاق کے آثار میں شمار کیا گیا ہے، بلکہ ادب یہ ہے کہ (بڑوں کے سامنے بھی) اسی حالت پر رہیں جس حالت پر ان کے پاس آنے سے پہلے تھے اور جیسا ان کے پاس سے جانے کے بعد رہیں گے۔ دل کو اللہ تعالیٰ کی یادداشت کیلئے مستعد (اور تیار) رکھنے میں اس بات کو بڑا دخل ہے (کیونکہ دوسرے کے سامنے پہنچ کر اپنی حالت کے بدلنے سے دل کی حالت بھی بدلے گی اور اللہ تعالیٰ کی یادداشت ویسی نہ رہے گی جیسی پہلے تھی)۔

فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ امیر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہورہا ہے۔ مولانا کے سوا دوسرے واعظوں کو اکثر دیکھا گیا ہے کہ اپنے کسی مخالف پر اس طرح چوٹیں کرتے ہیں جس سے سامعین سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں شخص پر چوٹ کی جارہی ہے۔ یہ بات آداب وعظ کے خلاف ہے۔ اگر کسی کا رد کرنا مقصود ہو تو صاف صاف اس کا نام لے کر رد کیا جاوے اگر شرعاً اس کی ضرورت ہو اور اس صورت میں اس کو وعظ نہ کہا جاوے گا؟ بلکہ مناظرہ کہا جائے گا۔۱۲ ظ۔

المؤمنین اس وقت آپ کے پاس آئیں گے، اور میں خلیفہ کی آمد کے خیال سے اپنی ڈاڑھی کو ہاتھ سے درست کرلوں تو مجھے یہ اندیشہ ہوگا کہ میرا نام منافقوں کے دفتر میں نہ لکھ لیا گیا ہو''۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جبکہ کسی کے دل میں کوئی اچھی نیت حاضر نہ ہو (صرف دوسرے کی عظمت وشوکت سے دب کر خشوع خضوع کرتا ہو یا اس لئے تا کہ کوئی اس کو بے اعتقاد نہ سمجھے) اور جس کے دل میں اچھی نیت موجود ہو، مثلاً کسی کی آمد پر عمدہ لباس پہننا یا عمامہ کو درست کرنا اس لئے ہو کہ وہ ہم سے علم یا ادب کی بات حاصل کرے (معمولی لباس یا بے ڈھنگا عمامہ کو دیکھ کر ہم سے نفرت نہ کرے) تو یہ محمود ہے (اس میں کچھ حرج نہیں) چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی وفد آتا تو آپ اچھے کپڑے پہنتے اور عمامہ باندھتے اور (بعض دفعہ) عمامہ کے پیچوں کو پانی کے مٹکے میں (دیکھ کر) درست فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو کوئی ہم سے آشنائی پیدا کرے اس کو طریق فقراء کا شوق اور ذکر اللہ کی ترغیب دیں

(۳۶۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ دنیا والوں میں جو کوئی ہم سے آشنائی (اور ملاقات) پیدا کرے تو ہم اس کو طریق فقراء کا شوق دلانے اور صبح وشام رات دن اللہ عزوجل کے ذکر کی رغبت دلانے کی طرح ڈالیں، پس اگر وہ ان کاموں سے محبت (ظاہر) کرے اور ان کا پابند ہو جائے تو اس کو اپنا مقرب بنائیں اور اپنے اصحاب[1] (یعنی مریدوں) میں سے شمار کریں، اور اگر اس کو ان کاموں سے محبت نہ ہو یا ذکر اللہ وغیرہ کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ بیٹھنا اس پر گراں ہو اور نیند وغیرہ کا بہانہ کرے تو ہم اس کو اپنے ملنے والوں میں شمار کریں اصحاب (یعنی مریدوں) میں شمار نہ کریں، کیونکہ مرید (ہونے) کی شرط یہ ہے کہ اپنے[2] شیخ کی نہر سے (پانی) پینے لگے اور اس کے دل اور اس کے دل کے

(۱) متقدمین مریدوں کو اصحاب سے تعبیر کرتے ہیں، اس لئے اصحاب کا ترجمہ مرید ہی کیا جائے گا۔۱۲ظ۔

(۲) اس زمانہ میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہم العالی کا عمل بالکل (باقی اگلے صفحہ پر)

درمیان کوئی رکاوٹ (اور کسی قسم کا حجاب) باقی نہ رہے جیسا دو حوضوں کے درمیان کوئی آڑ نہ ہوتو دونوں ایک حوض بن جاتے ہیں اور پانی ایک ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿**فان تابوا واقاموا الصلوة و آتوا الزكوٰة فاخوانكم فی الدين**﴾ [1] پھر اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، نیز ارشاد ہے۔ ﴿**ولذكر الله اكبر ای اكبر ما فی الصلوٰة**﴾ [2] اور بیشک اللہ کی یاد بڑی چیز ہے یعنی نماز (کے افعال) میں سب سے بڑی چیز (ذکر اللہ) ہے تو (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے اخوت (بھائی بندی) کے صحیح ہونے کے لئے ارکان دین اور ضروریات دین کی بجا آوری، اور جن باتوں سے دین میں منع کیا گیا ہے ان سب کے چھوڑ دینے کی شرط لگائی ہے، محض بھائی بندی کا نام لینے دعویٰ کرنے کو کافی نہیں مانا۔

الغرض کسی مرید کی بیعت اپنے شیخ سے اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک وہ تمام علوم ومعارف [3] جو شیخ کے پاس ہیں اس کو حاصل نہ ہو جائیں۔ اور جب تک کسی ایک بات

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اس عہد کے مطابق ہے۔ حضرت مجرد بیعت پر اکتفا نہیں فرماتے اور نہ بیعت میں جلدی فرماتے ہیں بلکہ اولاً طالب کو طریق کا شوق دلاتے اور ذکر اللہ کی تلقین فرماتے ہیں جب طالب کو حضرت سے اور حضرت کے قلب کو طالب سے مناسبت اور لگاؤ ہو جاتا ہے، اس وقت بیعت فرماتے اور اس کو اپنے اصحاب میں شمار کرتے ہیں ورنہ دوستوں اور ملنے والوں میں شمار کرتے ہیں، اصحاب میں سے شمار نہیں فرماتے۔ **فاعرف قدر هذا الحكيم مجدد الملة فی زمانه فقد وافق القدماء فی طراز حاله وان لم ينسج احد علی منواله**۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

(۱) التوبہ/۱۱۔ (۲) العنکبوت/۴۵۔

(۳) مراد وہ علوم ومعارف ہیں جو کسب واختیار سے حاصل ہو سکتے ہیں اور جن علوم ومعارف کی تحصیل اختیار عبد سے باہر ہے ان کی تحصیل پر کمال صحبت وکمال بیعت موقوف نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ کی بیعت حضور ﷺ سے اور تابعین کی بیعت جو صحابہ سے تھی وہ بھی کامل نہ ہو کیونکہ صحابہ کو علوم نبوت حضور ﷺ کے برابر معلوم نہ تھے اسی طرح تابعین کو حضور ﷺ کی معرفت صحابہ کے برابر نہ تھی۔ **فانه ليس الخبر كالمعانية** (نہیں ہے سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح)۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱۔ م۔ ۱۲ ظ۔

میں بھی شیخ کو مرید سے امتیاز حاصل ہے، اس وقت تک وہ کمال بیعت کو نہیں پہنچ سکتا، یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں قائم ہوگئی (اور ان کو سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پوری مناسبت حاصل ہوگئی) تھی تو وہی اس قابل ہوئے کہ حضور کے خلیفہ بنیں، چنانچہ کتاب ''الجواہر والدرر'' میں ہم نے وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے''

جاننا چاہئے کہ اس عہد میں اکثر طالبین اور (مشائخ کے) معتقدین خیانت کرتے ہیں، چنانچہ وہ درویشوں سے عہد کر لیتے ہیں کہ اوراد (واذکار کی مجلسوں) میں حاضر ہوا کریں گے، پھر ناغہ کرنے لگتے اور جھوٹ موٹ (محض) سستی (وکاہلی) سے نیند کے غلبہ کا بہانہ کرنے لگتے ہیں، ان کو سوچنا چاہئے کہ اگر ان سے یہ وعدہ کرلیا جائے کہ آج یا جس دن بھی (مجلس ذکر میں) حاضر ہوں ان کو ایک دینار دیا جائے گا تو وہ کس طرح پچھلی تہائی رات میں مجلس ذکر کیلئے بیدار ہو جائیں گے۔

اسی طرح جو فقراء رات کے وقت ذکر کرنے میں نیند وغیرہ کے غلبہ کا بہانہ کرتے ہیں اگر کوئی ان کے ہاتھ پر چند دینار گن کر رکھ دے یا ان کے سامنے فالودہ سفید، شکر ملا ہوا، گلاب چھڑکا ہوا رکھ دے (اور یہ کہہ دے کہ ذکر کے بعد تم کو یہ دیا جائے گا) تو کیسے بیدار رہیں گے اور نیند کیسی اڑ جائے گی۔

پس یہ حالت محض اس وجہ سے ہے کہ اعمال صالحہ کی محبت بہت کم اور شہوات (ولذات) کی محبت (ان کے دل میں) بہت زیادہ ہے، اور ایسے شخص کو کسی شیخ کے ذریعہ سے مجاہدہ (نفس) میں مشغول ہونا واجب ہے کیونکہ اس کا بڑا مقصود (ابھی تک) دنیا ہے آخرت نہیں ہے۔ (اور اس حالت سے) ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں عافیت کی درخواست کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں جس شخص کو کسی بلا میں گرفتار دیکھیں تو اس کو اس سے خلاصی پانے کا طریقہ بتلائیں

(۳۶۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اس زمانہ میں جس شخص کو کسی بلا میں گرفتار دیکھیں تو اس کو اس (پریشانی) سے خلاصی پانے کا طریقہ بتلائیں خصوصاً گاؤں والوں (اور

) کاشتکار کو (ضرور اس کا راستہ بتلائیں) کیونکہ ان پر جہل غالب ہے (جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ بلاؤں میں گرفتار رہتے ہیں)۔

جب کسی محلہ، یا بستی، یا گاؤں کے لوگوں پر بلا نازل ہوتو اس کے دفع کرنے کا سب سے بڑا (مفید اور زود اثر) طریقہ یہ ہے کہ لوگ آپس میں صلح کرلیں (ایک دل ہو جائیں) یہاں تک کہ ان کے درمیان کینہ اور عداوت (باقی) نہ رہے، پھر ایک دوسرے کے ساتھ احسان (سلوک) اور خاطر داری کرنے، ہدیہ دینے پر متوجہ ہوں، جب ان میں باہم الفت اور محبت پیدا ہو جائے گی تو بلا ان کے اوپر سے اس طرح ٹل جائے گی جیسے بجلی نکل جاتی ہے۔

میں نے بعضے گاؤں والوں کو جن کے درمیان دشمنی سے قتل وقتال لوٹ مار اور جلاوطنی کی نوبت آگئی تھی یہی طریقہ بتلایا تھا جس کے بعد انہوں نے آپس میں صلح کرلی اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے لگے تو ان کی بستی سے بلاء دور ہوگئی، کیونکہ اس قوم پر ہرگز بلا نازل نہیں ہوتی جن کے دل ایک ہوں، اور اگر بالفرض نازل بھی ہوگی تو آسمان وزمین کے درمیان (معلق ہوکر) ٹھہری رہے گی، یہاں تک کہ ان کے درمیان عداوت اور قطع تعلق نمودار ہو تو اس وقت بلا نازل ہو جائے گی (اس سے پہلے ہرگز نازل نہ ہوگی)۔

ایک بار کسی نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت آج کل کسی کا دل کسی دل کے ساتھ (ملا ہوا) نہیں رہا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ احسان (وسلوک) نہیں کرتے اور احسان ہی ایسی چیز ہے جو دلوں کو باہم ایک دوسرے سے جوڑ دیتی ہے۔اھ۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات سے تو ہم قیامت تک کیلئے مایوس ہو چکے ہیں (اب کسی سے کسی کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کی اصلاً امید نہیں رہی)۔

میں نے ایک بار چند حقیقی بھائیوں سے قسم دے کر پوچھا کہ (بتلاؤ) تم میں سے کسی کو اپنے کسی بھائی سے یہ امید ہے کہ اگر تم محتاج (غریب) بچے چھوڑ کر مر جاؤ تو وہ تمہارے پیچھے ان کے نفقہ اور کھانے کپڑے وغیرہ کی ذمہ داری اپنے سر لے لے گا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان بچوں کو مالدار کردیں یا موت ان کا خاتمہ کردے، تو ان میں سے ہر شخص نے جواب دیا کہ

واللہ! ہم میں سے کسی کو بھی اپنے بھائی سے ایسی امید نہیں۔ جب بھائیوں کا (آج کل) یہ حال ہے، تو غیروں کا پوچھنا ہی کیا؟ اب کوئی کسی پر مہربانی کرنے والا نہیں رہا۔

عزیز من! تم اپنے مالدار دوست اور مالدار پڑوسی ہی کو دیکھ لو کہ سال دو سال بلکہ زیادہ گذر جاتے ہیں اور اس کی طرف سے تمہارے پاس نہ کوئی لقمہ آتا ہوا نظر آتا ہے نہ کپڑا، نہ دنیا کی بھلائیوں میں سے کوئی بھلائی، یہاں تک کہ وہ (ایسی حالت میں) مر جاتا ہے۔

اور اگر کسی دوست یا ہمسایہ کی طرف سے کوئی بھلائی (اتفاقاً) ظاہر ہو جائے تو اس کو زمانہ کی غلطیوں میں شمار کرنا چاہئے (کہ بھولے سے ایسا ہو گیا ہوگا) اب تو یہ باتیں قصے کہانیاں ہو گئیں گویا کبھی ان کا وجود ہی نہ تھا۔

میں نے سیدی علی خواص ؒ کو وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج کل مخلوق کی حالت ایسی ہو گئی جیسے کوئی مچھلی ایک تالاب میں تھی اور پانی خشک ہو گیا، اب دن میں تو اس کو چیلیں اور کتے نوچتے رہتے ہیں اور رات کو لومڑیاں اور بھیڑیئے پھاڑتے رہتے ہیں، اور تالاب میں دوبارہ پانی آنے کی امید نہیں رہی جو یہ (کمبخت) اس میں غوطہ لگا (کر دشمنوں سے اپنے کو بچا) لے پانی سے مراد رحمت [1] (و ہمدردی اور باہمی محبت و الفت) ہے۔ **فلا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.**

---

(۱) جب علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں دلوں کی یہ حالت تھی تو اب کیا حال ہوگا؟ اس کو دلیل سے سمجھنے کی ضرورت نہیں، اپنی صورت حال کا مشاہدہ کافی ہے، اللہ اللہ اے قوم! اے نبی عربی ﷺ کی امت! اے رحمت مجسم کا نام لینے والی امت! دیکھ اپنی حالت کو دیکھ! کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے، پھر حسرت اور افسوس یہ ہے کہ بلا و مصیبت کا جو اصلی سبب ہے اس کی طرف سے قریب قریب سب کی آنکھیں بند ہیں، جو تدبیر بھی ہے وہ الٹی، جو کام ہے وہ الٹا، مسلمانوں کو باہمی الفت و محبت اور صلح و صلاح کا اصلاً اہتمام نہیں، فضول کاموں میں وقت برباد کر رہے ہیں، کبھی یورپ کی تقلید کرتے ہیں، کبھی ہندوؤں سے میل کرتے ہیں، خود اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ۔ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلمانو! میرے پیارو! سب سے پہلے اپنے گھر کی آگ بجھاؤ پھر دوسروں (باقی اگلے صفحہ پر)

جب ہم کو کسی حاکم ، یا قاضی وغیرہ کے ہاں مرتبہ حاصل ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنے اور لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے سے غفلت نہ کریں

(۳۶۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کو کسی حاکم محتسب یا قاضی یا سردار عرب کے یہاں جاہ (ومرتبہ) حاصل ہو جائے، تو اس کو نصیحت کرنے، اور لوگوں کی حاجتیں اس کے ذریعہ پوری کرانے سے ہرگز غفلت نہ کریں، اگر وہ (ہمارے کہنے سے لوگوں کی) حاجتیں پوری کرنا اور پریشانیاں دور کرنا منظور کرلے تو اس کو اپنا مرید بنالیں، اور لوگوں کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے گھروں میں آگ لگانے کا نام لو! ورنہ یاد رکھو! کہ تم اپنے گھر کی آگ سے خود ہی فنا ہو جاؤ گے، دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔

افسوس! ہمارے علماء، ہمارے مقرر، ہمارے لیڈر، ہمارے لکچرار، باتیں بہت بناتے ہیں، اتفاق واتحاد پر دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں مگر خود اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کی غیبت میں مشغول، ایک دوسرے کی تخریب کے درپے ہے، ذرا ذرا سی اختلاف رائے پر دوسرے کی آبرو لینے کو آمادہ ہے، دلوں میں محبت والفت کا نام نہیں، صرف زبان پر اتحاد واتفاق اور تنظیم وغیرہ شاندار الفاظ آتے رہتے ہیں، اے اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما! اور مسلمانوں کو حقیقی محبت والفت عطا فرما! ﴿ومن یتول اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون﴾ (المائدہ/۵۶) جو لوگ اللہ سے اور رسول سے اور مسلمانوں سے محبت ودوستی رکھتے ہیں، وہی اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کا لشکر یقیناً غالب ہونے والا ہے۔

مسلمانو! پہلے تم اللہ کی جماعت تو بن جاؤ! جس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اللہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مسلمانوں سے محبت کرنے لگو۔ پھر ان شاء اللہ تم ہی غالب ہو گے بعض لوگ صرف اللہ اور رسول کی محبت کو غلبہ کیلئے کافی سمجھتے ہیں، مسلمانوں سے محبت کرنا ضروری نہیں سمجھتے مگر یاد رکھو! کہ اللہ ورسول کی محبت بھی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہر مسلمان کو سب مسلمانوں سے محبت نہ ہو "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" یہی اللہ کی جماعت کی نشانی ہے، اگر یہ نشان موجود نہیں تو غلبہ کی تمام تدبیریں بیکار ہیں۔۱۲ ظ

اس بات سے کہ فلاں (شیخ) فلاں حاکم سے صرف اس لئے ملتا ہے کہ اس سے دنیا وصول کرے وغیرہ وغیرہ، اس کی صحبت کو نہ چھوڑیں، کیونکہ معاملہ اللہ عزوجل کے ساتھ ہے (تم کو اپنی نیت درست رکھنا چاہئے لوگوں کی بکواس پر نظر نہ کرنا چاہئے)۔

نیز ہم اس کو بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو حکومت، یا لوگوں کے دلوں میں (عزت و جاہ ویسے ہی نہیں دیتا، بلکہ صرف اس لئے عطا فرماتا ہے کہ بندہ ولایت (حکومت) کے ذریعہ سے آخرت کے واسطے کچھ بھلائی کا ذخیرہ لے لے اور کچھ مقصود نہیں، باقی حکومت کے وقت دنیا کی لذات میں پڑ جانا (سامان شوکت و شان بڑھالینا) یہ تو صرف نادانوں (بیوقوفوں) کا کام ہے، اور یہی (بیوقوف کی) معزولی کا بڑا سبب بن جاتا ہے اور اسی سے (حکام کو) رشوت دینے کا دروازہ اپنی معزولی کے خوف سے کھولنا پڑتا ہے، جب کہ حکام بالا اس کو معزولی[1] کی دھمکی دیتے ہیں جیسا کہ (رات دن کا) مشاہدہ ہے۔

اور لذات دنیا میں ترقی کرنے کے مثل یہ بھی ہے کہ رعیت میں اپنا غصہ چلانا چاہے (تاکہ شانِ حکومت ظاہر ہو) اور (کسی پر) تہمت اور جرائم (قائم ہونے کی صورت) میں بہت رشوت لینے کی خواہش کرے، غریبوں پر رحم نہ کرے، اور اس دن کو بھول جائے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے، پہاڑ چلیں گے، پتھر چلائیں گے، کنکریوں سے خون ٹپکے گا، یہ باتیں صاحب حکومت کو بالکل تباہ کر دیتی اور اس کی جڑیں اکھاڑ دیتی ہیں اگر چہ وہ روئے زمین کے تمام اولیاء سے تعلق رکھتا ہو، (اس حالت میں) ہر ولی اس کو چھوڑ دے گا کوئی بھی امداد نہ کرے گا۔

اس (مرض) میں آج کل اکثر حکام مبتلا ہیں کہ وہ (رات دن) ظلم کرتے، بے انصافی کرتے، رشوتیں لیتے، (لوگوں کی) زراعت و مویشی کو برباد کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب تک حضرت شیخ ہم سے خوش ہیں اس وقت تک ہمیں کچھ اندیشہ نہیں، اور میری

---

(۱) اور جو شخص زمانہ حکومت میں لذات دنیا میں منہمک نہ ہو نہ سامانِ شان وشوکت بڑھائے اس کو معزولی کا اندیشہ نہیں ہوتا نہ وہ معزولی کی پرواہ کرتا ہے۔۱۲ظ

جان کی قسم! وہ حضرت شیخ تو خود [1] ایسے ہیں جیسے کوئی بیل دلدل میں پھنس گیا ہو جس سے نکلنے کی طاقت ہی نہیں، وہ بھلا دوسرے بیل کو کیا بچائیں گے جو ان کے سامنے اسی دلدل میں پھنس گیا ہے، اس کو سمجھ لو (اور یاد رکھو کہ جس مریض کو خود اپنی فکر نہیں اس کو طبیب کی فکر سے نفع نہیں ہوسکتا)۔

اور عزیز من! اگر کوئی حاکم تیرا معتقد ہو تو اس کے پاس (جاکر) کسی مظلوم کی مدد سے ہرگز پہلو تہی نہ کر، اور قراءت (قرآن) وذکر وغیرہ کی مشغولی کا بہانہ نہ کر، کیونکہ (مسلمانوں سے) مصیبتوں کو دور کرنا ان سب کاموں سے افضل ہے، اور اس بات کا اندیشہ نہ کرنا کہ سفارشوں کیلئے حکام کے پاس بار بار جانے سے تیری (عزت و) جاہ کم ہو جائے گی، کیونکہ جاہ (وعزت) تو صرف اس سے کم ہوتی ہے کہ تجھے ان سے کوئی امید ہو، یا ان کے مال کا لالچ ہو، اور جب تک تو اس سے پاک ہے ان کے دل میں تیرا اعتقاد ہی بڑھے گا، اور تیری سفارشیں قبول ہوتی رہیں گی۔

پس گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو (ہر کام کو اس کے طریقہ سے کرو پھر کچھ خطرہ نہیں) کیونکہ آج کل بازار والے، اور ملازمت پیشہ اور کاشتکار اور تمام پیشہ ور لوگ، حکام کے درباروں میں بے کس (ولاچار) بنے ہوئے ہیں، ان کا کوئی (حامی و) مددگار نہیں، نہ (عدالت کے) چپراسی وغیرہ نہ اور کوئی، اور بعض دفعہ دربار کے ملازم تو ان غریبوں سے رقمیں لے لیتے ہیں پھر بھی ان کا کام نہیں کرتے۔ اگر دوسرا فریق ان سے زیادہ رشوت دینے والا ہوا، پس اپنے زمانہ کو پہچان، اور خدا تجھے خود ہدایت کرے گا۔

---

(۱) مراد وہ شیخ ہے جو ایسے ظالم حکام سے ناخوش نہ ہو، کیونکہ شیخ کو اپنے مریدوں کی خیر خواہی، امر بالمعروف اور نصیحت لازم ہے، اگر وہ اپنے مریدوں میں سے ایسے ظالموں کو بھی نصیحت نہ کرے، نہ ان کی ظالمانہ حرکات پر ناخوشی کا اظہار کرے تو یقیناً طالب دنیا ہے۔ اور جو شیخ طالب دنیا ہو، ظالموں کے ہدایا سے اپنا گھر بھرتا ہو وہ تو واقعی خود دلدل میں پھنسا ہوا ہے، وہ دوسرے کو کیا نکالے گا ۱۲ ظ۔

جب کسی مصیبت زدہ کی کوئی حاجت پوری کریں تو اس کے بدلہ میں کوئی ہدیہ قبول نہ کریں

(۳۶۴) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کسی مصیبت زدہ کی کوئی حاجت ہم پوری کر دیں، یا اس کی طرف سے کسی پریشانی کو اپنے ذمہ لے لیں تو اس کے بدلہ میں کوئی ہدیہ قبول نہ کریں اگر چہ حلال (مال ہی سے دیتا) ہو کیونکہ ایسا ہدیہ لینا نص شریعت سے حرام اور دین کو دنیا کے عوض بیچنا ہے، کیونکہ اگر سفارش کرنا ہمارے حق میں متعین تھا (یعنی اس کا کام کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا) تو شفاعت ہمارے ذمہ (شرعاً) واجب تھی، اور واجب کو ادا کر کے دنیوی عوض لینا جائز نہیں، اس عہد میں آج کل بہت لوگ خیانت کرتے ہیں، عزیز من! تم اس سے بچو اور بہت بچو!

(حضرت) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی کی سفارش کی ہو، پھر وہ اس کے بدلہ میں ہدیہ دے اور یہ (سفارش کرنے والا) اس کو قبول کرلے تو اس نے بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ کیا۔ اھ۔

پھر اگر اس ہدیہ کے قبول کرنے میں گنجائش ہی نکالنے کی ضرورت ہو (قبول سے چارہ ہی نہ ہو۔ مثلاً) ہدیہ دینے والے نے اسکو (واپس) نہ لیا، (ہمیں کو) لوٹا دیا، تو اس کو دوسرے فقراء و مساکین کی نیت سے قبول کرنا چاہئے، اپنی اولاد و اہل و عیال میں سے کسی کی نیت سے قبول نہ کریں کیونکہ (اس صورت میں صدقہ کی نیت سے قبول کرنا ہوگا اور) صدقہ اپنے مالک سے بلا کو دفع کر دیتا ہے (تو ہدیہ اس کے دینے والے ہی کی طرف واپس ہو جائے گا، اور جس نے (سفارش یا اور کوئی) کام کیا ہے اس کا ثواب اللہ عزوجل کے ذمہ ہے (جو انشاء اللہ اس کو آخرت میں ملے گا) خوب سمجھ لو۔

جب ہم کسی حاکم یا بڑے آدمی کو علم دین سکھلائیں تو مجمع میں تعلیم نہ دیں

(۳۶۵) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب ہم کسی حاکم یا بڑے (طبقہ کے) آدمی کو علم

(دین) سکھلائیں تو اس کو مجمع میں تعلیم نہ دیں، اور نہ خلوت میں اس کو یاد دہانی کریں (کہ آیئے سبق پڑھ لیجئے) نہ اپنی طرف سے گفتگوئے علمی شروع کریں، جب تک وہ خود ہی سوال نہ کرے اور (اس کے سوال کے بعد بھی) جب بقدر ضرورت جواب دے چکیں تو (بس کردیں) اس سے زیادہ بیان نہ کریں، مگر یہ کہ وہ خود ہی زیادہ (تفصیل) کی درخواست کرے (تو مضائقہ نہیں)۔

(بہرحال بڑے طبقہ کے لوگوں کو پڑھاتے ہوئے لمبی تقریر اور زیادہ بحث نہ کرنا چاہئے) کیونکہ مہمات سلطنت (اور ضروریات مملکت) میں مشغولی کی وجہ سے حاکم کا وقت تنگ ہوتا ہے (اس لئے جتنی جلدی اس کو سبق سے فارغ کردیا جائے اچھا ہے تاکہ پڑھنے کا شوق رہے ورنہ دیر ہونے سے جب اس کے ضروری کاموں کا حرج ہوگا تو پڑھنے سے گھبرا جائے گا ۱۲) اور دراصل وہ علمی [1] مشغلہ اختیار کرنے (اور ہمیشہ کیلئے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے) کیلئے آمادہ (بھی) نہیں تاکہ ہم کو اس کے سامنے زیادہ مسائل بیان کرنے کی

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ سب کیلئے تعلیم یکساں نہ ہونا چاہئے، جو لوگ دنیوی ضرورتوں میں مشغول رہ کر علم دین حاصل کرنا چاہیں ان کو مختصر طریقہ سے تعلیم دینا چاہئے جس سے بقدر ضرورت ان کو علم شریعت حاصل ہوجائے۔

اس زمانہ میں ہمارے حضرت حکیم الائمۃ دام مجدہم کو سب سے پہلے اس کی طرف توجہ ہوئی اور حضرت نے ایک نصاب مختصر جس سے دو ڈھائی سال میں ضروریات سے فراغت ہوجاتی ہے۔ تجویز فرمایا مگر مدارس عربیہ نے اس کو جاری نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تاجر اور حکام جن کو علم دین کا شوق ہے اور مدارس کے نصاب طویل کو پورا نہیں کرسکتے وہ تحصیل علوم اسلامیہ سے یکسر محروم ہیں، پھر نصاب طویل میں بھی طریقۂ تعلیم وہی پرانا چلا جارہا ہے جس سے آج کل کی طبائع پر گرانی ہوتی ہے، اگر نصاب میں صرف ونحو وادب کی تعلیم کو سب سے مقدم رکھا جائے اور جب تک علم ادب پختہ نہ ہوجائے معقول کی کتابیں نہ پڑھائی جائیں تو بہت جلد طلبہ کو علمی استعداد حاصل ہوجائے۔ احقر کا تجربہ ہے کہ ایک سال صرف ونحو با قاعدہ پڑھا کر دوسرے سال طالب علم کو ترجمہ قرآن شروع کرادینے سے علم ادب اور زبان عربی کی لیاقت بہت زیادہ ترقی پذیر ہوجاتی ہے، ترجمۂ قرآن کے ساتھ بقیہ کتب ادب بھی ختم کرادی جائیں تو پھر طالب علم کو کسی فن میں (باقی اگلے صفحہ پر)

ضرورت ہو (بلکہ یہ لوگ بقدر ضرورت علم حاصل کر کے اپنے دنیا کے کاموں میں لگا رہنا چاہتے ہیں۔ پس ان کو ضرورت کے موافق کتاب کا مطلب سمجھا دینا کافی ہے۔ عالم تبحر بنانے کی ضرورت نہیں جب تک وہ خود عالم تبحر بننے کے طالب نہ ہوں)۔

اور اگر کبھی اس (حاکم) کو (جو ہم سے علم دین پڑھتا ہے) راستی اور سلامتی کی راہ سے ہٹا ہوا دیکھیں تو جہاں تک ہو سکے مثالیں بیان کر کے اس کو سیدھا کریں، کسی خطا پر دھمکائیں نہیں، نہ اس پر غصہ ظاہر کریں نہ بار بار آمدورفت کر کے اس کو پریشان کریں، کیونکہ اگرچہ ہم اس سے زیادہ عالم ہوں مگر وہ ہم سے زیادہ سمجھدار ہے، اسی لئے ہم اس کی رعیت بن گئے اور اس کا حکم ہمارے اندر کارفرما ہو گیا اس کو (خوب) سمجھ لو۔

اور عزیز من! اگر کسی وقت وہ (غریب) لوگوں میں کپڑے تقسیم کرے تو خبردار خبردار! تم اپنی نگاہ اس کی طرف نہ اٹھانا کہ تم کو بھی ایک ادنیٰ عمامہ یا جبہ مل جائے، نہ یہ لالچ کرنا کہ تعلیم کے وقت وہ تمہارے واسطے کوئی ہدیہ لائے، کیونکہ اگر اس نے تمہاری اس بات کو بھانپ لیا تو اس کی نگاہ میں ذلیل ہو جاؤ گے، اور وہ تم کو اپنے اہل وعیال اور نوکروں کے برابر سمجھنے لگے گا اور لامحالہ حقارت کی نظر سے دیکھے گا، پھر تمہارا رعب زائل ہو جائے گا اور اس پر جیسا کچھ نتیجہ مرتب ہوگا وہ مخفی نہیں۔ واللہ غفور رحیم۔

اللہ کے بندوں کو باہم ایک دوسرے کا محبوب بنادیں

(۳۶۶) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ (اللہ کے) بندوں کو باہم ایک دوسرے کا محبوب بنادیں، جیسا (یہ ضروری ہے) کہ ان کے پروردگار کو ان کا محبوب بنادیں پس ہم کو یہ خواہش رکھنا چاہئے کہ (مسلمانوں میں) دو شخصوں کے درمیان بھی دشمنی اور کینہ ہرگز باقی نہ رہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کے سامنے دوسرے کی خوبیاں (بھلائیاں) بیان کیا کریں اور

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اصلاً دشواری نہیں ہوتی، مگر غضب یہ ہے کہ مدرسین صرف ونحو کو باقاعدہ نہیں پڑھاتے بجائے اجرائے قواعد اور مشق ترجمہ اور مشق تحریر وتقریر کے ہدایۃ النحو اور کافیہ میں دور از کار باتیں سوال وجواب اور دفع دخل مقدر وغیرہ بیان کرتے ہیں جن سے طلبہ کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے زبان دانی کو کچھ ترقی نہیں ہوتی۔ فالی اللہ المشتکی ۱۲ ظ

ایک کو دوسرے کے متعلق یہ خبر دیا کریں کہ وہ تو مجلسوں میں تمہاری خوبیاں ظاہر کرتا (اور بہت تعریف کرتا) ہے (اور ایسا جھوٹ جائز ہے جس سے دشمنوں میں صلح ہو جائے) نیز لوگوں کو اس کی تاکید کریں کہ باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کریں اور شوربا وغیرہ بھیج کر ایک دوسرے کی خبر گیری رکھیں۔

اور (اللہ کو لوگوں کے دلوں میں محبوب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ) ہم ان کو یاد دلائیں [1] کہ باوجود ان کی مخالفت، اور عبادت الٰہی اور شکر گذاری میں کوتاہی کرنے کے بھی رات دن اللہ کی نعمتیں (اور عنایات) ان پر بہت زیادہ (ہوتی رہتی) ہیں، جب لوگ اس بات کو سمجھ جائیں گے تو لامحالہ ان کے دل اللہ کی محبت کی طرف جھک جائیں گے اور اپنے پروردگار سے (بہت) راضی ہوں گے، پھر اللہ ان سے محبت کرے گا یہ اللہ سے محبت کریں گے، یہ بات عالم کیلئے سیاسیات الٰہیہ میں سے (ایک بڑی سیاست) ہے (جس کا اس کو بہت لحاظ رکھنا چاہئے)۔

عزیز من! سوچ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود اپنی وسعت (سلطنت) اور حلم وقدرت کے کیونکر (مختلف طریقوں سے بندوں کو اپنی طرف بلایا ہے کہ) بعضے بندوں کو تو یہ کہکر اپنی طرف کھینچا ﴿اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم﴾ [2] میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تمہارے اوپر فائض کی ہیں، اور بعض لوگوں کو اپنی خدمت (واطاعت) کی طرف جنت اور وہاں کی راحت کا وعدہ کر کے بلایا اور بعض کو دنیا میں تلوار کے ذریعہ اپنے دربار میں حاضر کیا (وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑائی کو آئے اور گرفتار ہو گئے تو غلام بن کر مسلمانوں کے گھروں

---

(۱) واعظین کو یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت پیدا کر دینا ان کی اصلاح میں بہت زیادہ موثر ہے۔ پس وعظ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت وعنایت وانعامات کو زیادہ بیان کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کو اللہ کی نافرمانی سے حیا وشرم آئے خوف اور عذاب کا ذکر کم کیا کریں کہ اس سے آج کل لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف، دل نہیں جھکتے۔ حضرت حکیم الامۃ کا طرز یہی ہے حضرت مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا عاشق بنانے کی زیادہ فکر رکھتے ہیں اور اس سے بہت نفع ہوا ہے ۱۲ ظ۔

(۲) البقرہ/۴۰۔

میں رہے۔ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر خدا کے عاشق اور سچے مسلمان ہو گئے) اور (بعضے مقابلہ ہی پر کمر بستہ رہے تو ان کو) آخرت میں جہنم کے اندر داخل کر کے (اپنے جیل خانہ میں پہونچادیا) کیونکہ جو شخص شربت لیموں (پلانے) سے نہ آئے وہ اس کی تیجی سے آجاتا ہے، اس کو سمجھ لو اور اس کے موافق عمل کرو (سب کو عذاب اور خوف ہی کے مضامین نہ سناؤ، بلکہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا کر کھینچو، کسی کو جنت کی راحتیں سنا کر، کسی کو عذاب اور جہنم سے ڈرا کر) اور اللہ تعالیٰ تم کو خود ہدایت کرے۔

اپنے دوستوں کو وضو اور نماز میں وسوسہ کرنے سے منع کریں

(۳۶۷) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اپنے دوستوں کو وضو اور نماز میں وسوسہ (اور وہم) کے اسباب اختیار کرنے اور وہمیوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے منع کریں، اور ان سے کہیں کہ جس نماز میں حضور (قلب) اور خشوع حاصل نہ ہوا ہو اس کو ہرگز نہ لوٹا دیں، کیونکہ اگر ان کو حضور وخشوع کا درجہ حاصل ہوتا تو ہرگز اس میں کوتاہی نہ کرتے، اور جو شخص جس کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کیلئے آسان کردیا گیا ہے۔

(پس حضور قلب اور خشوع ان ہی کے واسطے آسان ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ عطا فرمادیا ہے دوسروں کو آسان نہیں) اور ممکن ہے کہ اعادہ کرتے ہوئے دوسری نماز میں بھی خشوع کم ہو (تو کیا اس کو بھی لوٹاؤ گے؟) اور اسی طرح (کرتے رہو گے؟ یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہو جائے گا) پھر اگر تم نے اپنی کسی نماز کو خلل (اور نقصان) سے سالم سمجھ لیا تو وہ تو سب سے بدتر سب سے ناقص ہوگی، کیونکہ اس میں عجب اور تکبر گھس گیا ہے۔

پس جو شخص مرتبۂ کمال کو نہ پہونچا ہو اس کو اتنا کافی ہے کہ ہر نماز کے ساتھ استغفار کرتا رہا کرے (لوٹانے [1] کی فکر میں نہ پڑے ورنہ وہم سوار ہو جائے گا جو پریشان کر کے

---

(۱) البتہ اگر کسی کیلئے شیخ ہی نے یہ صورت تجویز کی ہو جس نماز میں خشوع حاصل نہ ہو اس کو لوٹا دے تو اس شخص کو اعادہ کرنا چاہئے، کیونکہ شیخ جس کو اعادہ کا حکم دے گا اس کے لئے ایک حد مقرر کر دے گا کہ مثلاً پانچ دفعہ لوٹاؤ یا دس دفعہ اعادہ کرو، اس سے وہم پیدا نہ ہوگا کیونکہ حد معین (باقی اگلے صفحہ پر)

نماز ہی سے معطل کردے گا)۔

اور عزیز من! تم کو جان لینا چاہئے کہ شیطان کے وسوسہ سے تم اس وقت تک نہیں بچ سکتے جب تک تمہارے اندر اس کی صفات میں سے ایک خصلت بھی نہ رہے اور فرشتے نہ بن جاؤ، اور یہ بات تکبیر تحریمہ کے وقت (کھڑے کھڑے) حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کیلئے پہلے سے مجاہدہ کی ضرورت ہے کہ آہستہ آہستہ ایک ایک درجہ طے کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہونچ جاؤ، اس وقت تمہارے ساتھی صرف فرشتہ ہونگے، شیطان (کا گزر) وہاں کہاں؟ غرض جب تک تمہارے دل میں سونے [1] کو کوڑے کباڑ پر کچھ بھی ترجیح ہے تو سمجھ لو کہ شیطان تمہارے اوپر مسلط (اور قابو یافتہ) ہے، کیونکہ دنیا اس کی بیٹی ہے، جو اس کو پیغام دے گا وہ شیطان کا داماد ہوگا، اور داماد و خسر میں عادۃً پیغام کے وقت ہی سے تعلق قائم ہو جاتا ہے، تو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے بعد یہ شخص اعادہ نہیں کرے گا، بلکہ شیخ کو اطلاع دے گا کہ اعادہ کرنے سے کیا اثر ہوا، اگر وہ اس کو مفید سمجھے گا تو اسی حد کو کچھ دنوں قائم رکھے گا اگر مفید نہیں سمجھے گا اور وہم و وسوسہ کی ترقی کے آثار نظر آئیں گے تو شروع ہی میں اعادہ سے روک دے گا۔۱۲ ظ۔

(۱) یہ مطلب نہیں کہ سونا اور کوڑا کباڑ ہر حیثیت سے تمہارے نزدیک برابر ہونا چاہئے، کیونکہ یہ تو بداہت حس کے بھی خلاف ہے، اور وضع فطرت کے بھی خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی مخلوق کے مصالح و منافع کیلئے پیدا فرمایا ہے، اور کوڑا کباڑ مصالح و منافع میں ان کے برابر نہیں، اسی لئے سونا چاندی کے ضائع کرنے کی شرعاً ممانعت ہے "ان اللہ نہاکم عن اضاعۃ المال" اور کوڑا کباڑ کے پھینکنے کی ممانعت نہیں۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ محبت قلب کی حیثیت سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہونا چاہئے، اگر تم کو سونا چاندی کے ساتھ کوڑے کباڑ سے زیادہ محبت ہے تو دنیا کی محبت دل میں موجود ہے تم کو چاہئے کہ ان چیزوں سے کام لو مگر ان سے دل نہ لگاؤ، دل کو سونے چاندی سے ویسی ہی بے تعلقی ہونا چاہئے جیسی کوڑے کباڑ سے ہے، یہ اور بات ہے کہ ایک چیز کام کی ہے اس سے کام لیا جاتا ہے، دوسری کام کی نہیں اس سے کام نہیں لیا جاتا، مگر کام لینا محبت پر تو موقوف نہیں انسان بہت سی ایسی چیزوں سے بھی کام لیتا ہے جن سے اس کو نفرت ہے جیسے کڑوی دوا، اور خاردار درخت، پس روپیہ سے اسی طرح کام لو جیسا اپنی باغ کی حفاظت کیلئے خاردار درختوں سے کام لیتے اور ان سے باڑ بناتے ہو۔۱۲ ظ

جس نے اس کی بیٹی سے ہمبستری بھی کر لی ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ (اس کو خود ہی سمجھ لو) پس عزیز من! جب تک شیطان کی بیٹی تمہارے [1] پاس ہے اس وقت تک یہ امید ہرگز نہ رکھو کہ شیطان تم کو چھوڑ دے گا۔ والسلام

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس عالم کی تمام موجودات کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھیں

(۳۶۸) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس عالم کی تمام [2] موجودات کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھیں، خواہ جاندار سمجھدار (مخلوق) ہو یا بے جان (اور ناسمجھ) ہر ایک کے ساتھ اس کے مناسب ادب کا معاملہ کریں، اور یہ بات مردان طریق کے اخلاق میں سب سے بڑی چیز ہے۔

پس حق تعالیٰ کے ساتھ تو اس طرح معاملہ رکھیں کہ اس کی نعمتوں کا اقرار کریں، کثرت سے اس کو یاد کیا کریں، اور اس بات کو پیش نظر رکھنے سے غافل نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ (کی رحمت وعنایت) کے دروازوں کو ہمیشہ تکتے رہیں، کیونکہ ہماری تمام حاجتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی اللہ تعالیٰ ہی کے دروازۂ (رحمت) سے پوری ہوتی ہیں۔

اور آیات (الٰہیہ) کے ساتھ اس طرح معاملہ رکھیں کہ ان کے معانی میں غور کیا کریں، ان سے عبرت لیا کریں۔

رسولوں سے اور علماء اور نیک بندوں سے جو انبیاء کے سچے وارث ہیں اس طرح معاملہ رکھیں کہ اخلاق حمیدہ میں ان کا اتباع کریں، پست اخلاق سے دور رہا کریں۔

---

(۱) یعنی دل میں گھسی ہوئی ہے ۱۲ ظ۔

(۲) الحمد للہ ہم نے اپنے اکابر کو اسی عہد پر پایا ہے، یہ عہد ہمارے اکابر طریق کے معمول کا آئینہ ہے، جس کو اس کی زندہ تصویر دیکھنا ہو وہ ہمارے حضرت حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ کی تصانیف ومواعظ وتعلیمات وتربیت کا مطالعہ کرے کہ یہ حضرات حقوق اللہ وحقوق الخلق دونوں کی کس درجہ رعایت فرماتے ہیں۔ **فالحمد للہ الذی جعلنا من حزب اولیاءہ واصفیاءہ متعنا اللہ بفیوضھم وبرکاتھم.** آمین ۱۲ ظ۔

فرشتوں کے ساتھ یوں معاملہ کرنا چاہئے کہ ظاہری اور باطنی پاکی پر ہمیشہ پابندی رکھیں اور کھانے پینے سے جو بدبو پیدا ہوتی ہے اس کو زائل کر دیا کریں، اسی طرح اس بدبو کو بھی (دور کر دیں) جو بری باتوں، برے کاموں، خراب عقیدوں سے پیدا ہوتی ہے جیسا (حدیث میں) وارد ہوا[1] ہے۔

اور (عزیزمن!) جیسا فرشتے ہم کو ایذا نہیں دیتے، اسی طرح ہم کو بھی لازم ہے کہ ان کو تکلیف نہ دیں، اور (اپنے نامۂ اعمال میں) نیک باتوں (اچھے کاموں) کے سوا ان سے کچھ نہ لکھوائیں، اگر ہم سے اتنا نہ ہو سکے تو (کم از کم) استغفار اور ذکر اللہ ہی کثرت سے کیا کریں، (تاکہ کچھ کفارہ ہو جائے اور تکلیف کے بعد فرشتوں کو راحت وخوشی بھی حاصل ہو جائے)۔

بیوقوفوں کے ساتھ حلم (اور برد باری) کا معاملہ کریں، مقابلہ اور نادانی کا برتاؤ نہ کریں کیونکہ اس سے ہمارے اور ان کے (دونوں کے) لئے تکلیف کا سامان بڑھ جائے گا، پھر اگر ہم نے ان کی نادانی کا بدلہ نادانی سے دیا تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم بھی ان ہی جیسے بیوقوف بن جائیں گے۔

جاہلوں سے سیاست اور نرم گفتگو کا معاملہ کریں، وہ ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئیں تو اس سے درگذر اور چشم پوشی کریں۔

برے آدمیوں سے کشادہ رو ہو کر ملیں، اگرچہ ہمارا دل ان پر لعنت ہی کرتا ہو، ان کے ساتھ جہاں تک ہو سکے بکثرت احسان وسلوک کیا کریں، امید ہے کہ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی بدی سے محفوظ رہیں گے، پھر انشاء اللہ ہم کو اس کا بھی ثواب ملے گا کہ ہماری آبرو کے پیچھے پڑ کر، ہماری برائیاں کر کے، ہماری پردہ دری کر کے جو وہ خود بھی گناہ میں پھنستے اور سننے والوں کو بھی غیبت سننے کے گناہ میں مبتلا کرتے ہم نے اس سے ان کو بچالیا

---

(۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ جھوٹ بات سے ایسی سخت بدبو پیدا ہوتی ہے کہ ملائکہ کو میلوں تک محسوس ہوتی ہے(۲)۔۱۲ظ

(۲) دیکھیں ترمذی ص۱۹ ج ۲ ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الصدق والکذب۔۱۲مرتب۔

(اب ہمارے اچھے برتاؤ کا ان پر یہ اثر ضرور ہوگا کہ ہمارے پیچھے نہ پڑیں گے، نہ غیبت کریں گے، نہ دوسروں کو غیبت سننے میں مبتلا کریں گے) اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کے بندوں پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔ اور مہربانی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ لوگوں کو ایسی باتوں میں مبتلا ہونے سے بچائے جو ان کے دین کو برباد کرتی ہیں (پس ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ تاکہ تمہاری غیبت سے بچے رہیں)۔

اولیاء اللہ کے ساتھ تسلیم (وانقیاد) کا معاملہ رکھنا چاہئے، موجودات کے متعلق وہ جو خبر ہم کو دیں اس کی تصدیق کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام کشف اس وقت تک نہیں دیا جب تک مقام صدق کو انہوں نے مستحکم (اور مضبوط) نہیں کرلیا، اسی لئے ان کا لقب صادقین قرار پایا (چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصدقین﴾ [1] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور جو اس درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں وہ جھوٹ نہیں بول سکتے)۔

اور جو احباب ہمارے مرید ہیں ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنا چاہئے کہ ان کی ناقص (اور خراب) حالتوں کی تفتیش [2] کی جائے، اور جتنی بری حرکتیں ان سے صادر ہوں سب پر خیر خواہی کی نیت سے گرفت کی جائے کیونکہ ان کے متعلق ہم سے (آخرت میں) بازپرس کی جائے گی۔

اکابر دولت (حکام سلطنت) کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہئے کہ اپنی مجلسوں میں ان کا تذکرہ برائی سے نہ کریں، اور ان کی بے جا سختی کو برداشت کریں، کیونکہ انہوں نے ہم پر اس

---

(۱) التوبہ/۱۱۹۔

(۲) تفتیش کا یہ مطلب نہیں کہ جاسوسی کرے اور خفیہ آدمی ان پر متعین کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کی گفتار، رفتار، تقریر و تحریر، نشست و برخاست، پر نظر رکھے کہ ان سے ان کے امراض باطنہ کا پتہ چل جائے گا، انسان کی گفتگو اس کے معاملات اس کے باطن کا آئینہ ہیں، شیخ کامل چند باتوں ہی سے مرید کی باطنی حالت کا اندازہ لگالیتا ہے، پس ان پر سکوت نہ کیا جائے، بلکہ اصلاح کا اہتمام کیا جائے۔ ۱۲ ظ۔

وقت تک ظلم نہیں کیا جب تک ہم نے (بداعمالی سے) خود اپنے اوپر ظلم نہیں کیا، اور ہم میں سے کسی کو یہ زیبا نہیں کہ اپنے آپ کو ان سے زیادہ سمجھے کیونکہ جو ان کو (حکومت کے قابل) سمجھتا ہے وہ ہم کو (اس قابل) نہیں سمجھتا اسی لئے ہم ان کی رعیت (بنے ہوئے) ہیں (اگر ہم ان سے زیادہ لائق حکومت ہوتے تو ان کی رعیت ہی کیوں بنائے جاتے؟)۔

اپنی اولاد کے ساتھ ہم کو احسان کا معاملہ کرنا چاہئے، ان کو مہذب بنانے اور اچھے اخلاق کی تعلیم دینے اور برے اخلاق سے نفرت دلانے میں غفلت نہ کرنا چاہئے۔

اپنی بیبیوں کے ساتھ حسن خلق سے معاملہ کرنا چاہئے، اور جہاں تک ہو سکے ان کی ناقص[1] عقلوں کا لحاظ کر کے ان سے برتاؤ کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔

مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کا معاملہ کرنا چاہئے تا کہ وہ ہم سے جدا ہو کر ہمارے موافق گواہی دے، ہمارے خلاف شہادت نہ دے، اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ ہم دل کھول کر (خوشی سے) خرچ کریں، کیونکہ افسردہ دلی سے خرچ کرنے والے کو کچھ ثواب ملنے کی امید نہیں، بلکہ گناہ ہونے کا زیادہ خطرہ ہے۔

اور ناصح کے ساتھ خواہ کیسا ہی معمولی آدمی ہو قبول (نصیحت) کا معاملہ کرنا چاہئے، اس کی بات کو توجہ سے سننا چاہئے۔ کیونکہ وہ شارع (علیہ السلام) کی زبان بنکر نصیحت کرتا ہے، جو شخص ہم کو کسی بات کی نصیحت کرے۔ اس سے یہ ہرگز نہ کہنا چاہئے کہ ہم کو آپ کی نصیحت کی ضرورت نہیں، ہم اس سے بلند و بالا ہیں، بلکہ ہم کو ہر ناصح سے یہی کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) عورتیں مردوں کے برابر عاقل نہیں ہو سکتیں، پس ان کے اعمال پر اس طرح باز پرس نہ کی جائے جس طرح مردوں سے باز پرس کی جاتی ہے بلکہ ان کی بدتمیزیوں کو بے عقلی پر محمول کر کے معاف کرنا چاہئے، عورتوں کو مردوں کے برابر بولنے کا سلیقہ نہیں ہوتا، نہ ان کی باتوں میں جوڑ ہوتا ہے، اکثر بے تکی بے جوڑ باتیں کیا کرتی ہیں، اس پر سختی سے باز پرس نہ کی جائے بلکہ نرمی سے سمجھانا چاہئے، اسی طرح ان میں ناشکری اور شکوہ شکایت کا مادہ بھی ہوتا ہے، تحمل اور برداشت کی بھی کمی ہوتی ہے، ذرا ذرا سی بات سے بہت زیادہ اثر لیتی ہیں، بدگمانی کا مادہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اور سب کا منشا نقصان عقل ہے، ان سب باتوں پر مرد کو تحمل سے کام لینا اور نرمی سے اصلاح کرنا چاہئے۔ ۱۲ ظ

ہماری طرف سے تم کو کامل جزائے خیر دے، کیونکہ اس نے تو جہاں تک اس کے علم کی رسائی تھی اس کے موافق ہماری خیر خواہی کی ہے (تو اس سے برا ماننا ہرگز نہ چاہئے) اور جب تک ہم اس جہان میں ہیں اس وقت تک کسی جرم (وخطا) کے ارتکاب سے (ہم کو) بے فکری نہیں ہوسکتی (اس لئے اپنے کو بے خطا اور ناصحوں کی نصیحت سے مستغنی سمجھنا نادانی ہے)۔

اسماء الٰہیہ (اور صفات خداوندی) سے اس طرح معاملہ کرنا چاہئے کہ ان میں سے جن صفات کے ساتھ متصف ہونا (شرعاً) مطلوب ہے جہاں تک ہو سکے ان کی نظیر سے اپنے کو آراستہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

حدیث میں ہے "تخلقوا باخلاق الله" اللہ تعالیٰ کی صفات سے اپنے کو آراستہ کرنے کی کوشش کرو، یعنی ان کی نظیر [1] سے (اپنے کو متصف کرو) پس جن باتوں کو ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار میں سے سمجھتے ہیں ان کے ساتھ اپنے کو موصوف کرنے میں سبقت کرنا چاہئے، مگر یہ معاملہ انہی صفات میں ہونا چاہئے جن کی طرف شارع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ہم کو رغبت دلائی ہے، نہ ان صفات میں جن سے ہم کو منع فرمایا ہے جیسے متکبر، عزیز، متعال، عظیم، قہار، وغیرہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی (صفات میں) بعض صفات محفوظ (ومخصوص) ہیں جن کے ساتھ (دوسروں کا متصف ہونا بدون خاص شرائط کے جائز نہیں [2] واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) نظیر کے ساتھ اس لئے تفسیر کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مثل حاصل کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے، کیونکہ اول تو انسان صفات الٰہیہ کی حقیقت ہی پوری طرح نہیں سمجھ سکتا، ان کی مثل کیونکر حاصل کرسکتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات الٰہیہ کی صفات قدیم ازلی وابدی ہیں، انسانِ فانی صفات قدیمہ ازلیہ ابدیہ کا مثل کہاں سے حاصل کرے گا؟ جب خود ہی قدیم نہیں بس انسان اتنا ہی کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار جو اس کو نظر آرہے ہیں ان آثار سے جتنا علم تھوڑا بہت صفات الٰہیہ کا اس کو حاصل ہوا ہے ان کی نظیر اپنے اندر پیدا کرے۔ ۱۲ ظ

(۲) یہ بے نظیر عہد اس قابل ہے کہ ہمیشہ کیلئے اس کو پیش نظر رکھا جائے اور دستور العمل بنایا جائے، اس عہد سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ حقیقی تصوف کس چیز کا نام ہے، لوگوں نے صرف چند اوراد ووظائف اور چند رسموں کا نام تصوف رکھ لیا ہے حالانکہ اصلی تصوف یہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہمارے دوستوں میں سے اگر کسی کو بازار کا سردار بنادیا جائے تو اس کو سرداری کے آداب اور ان کی تفصیل بتلائیں

(٣٦٩) (ہم سے [1] عہد لیا گیا ہے) کہ ہمارے دوستوں میں سے اگر کوئی شیخ سوق (بازار کا سردار بنادیا جائے تو اس کو مشیخت (وسرداری) کے آداب (وشرائط) بتلائیں، اور سیاست خیر خواہی میں یہ مشیخت بھی اہل طریق کی مشیخت سے ملتی جلتی ہے (اس لئے دونوں کے آداب قریب قریب ہیں) پس اب میں اللہ کی توفیق پر (بھروسہ کرکے) کہتا ہوں کہ۔

(ا) بازار کے سردار، اور دلالوں کے سردار، اور شیخ الادباء (مدرسین کے سردار) یا شیخ الحرافیش (اس کے معنی مترجم نہیں سمجھا) کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ کسی (ماتحت کے مقابلہ میں دوسرے کی ناحق طرفداری (بلاوجہ) ہرگز ظاہر نہ کرے خواہ کوئی ہو، کیونکہ اس سے اس کی حرمت (وعزت) برباد ہوجائے گی اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان جو تعلق ہے وہ بھی خراب ہوجائے گا، اور عہدہ مشیخت سے جلد معزول ہوجائے گا، اور (ماتحوں پر) اس کی کوئی بات نہ چلے گی، اور سلامتی کے راستہ سے ہٹ جائے گا، (لوگ درپئے ایذا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کہ ہر چیز کا حق ادا کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا بھی، بندوں کا بھی، جانداروں کا بھی، بے جان چیزوں کا بھی، دین کا بھی، دنیا کا بھی، پھر کیا اب بھی کسی کا یہ منہ ہے کہ شریعت کو طریقت سے الگ اور طریقت کو شریعت سے جدا کہہ سکے؟ ١٢ ظ۔

(ا) یہ عہد سیاسیات اسلامیہ کا مختصر نمونہ ہے، مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ ان سیاسیات کا مقابلہ دنیا کی کوئی سیاست کبھی کرسکتی ہے؟ حاش للہ! مگر افسوس کہ ہم اپنے گھر سے بے خبر ہیں اور دوسروں کے دروازہ سے سیاسیات کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں، خدا کی قسم! اگر مسلمانوں کے اندر یہ سیاسیات اسلامی پیدا ہوجائیں، اور ہر جماعت کا صدر اور سردار ولیڈران پر کاربند ہوجائے تو ان کے سب کام درست ہوں ورنہ وہی ابتری پھیلی رہے گی جو اس وقت مشاہدہ میں آرہی ہے کہ مسلمان انجمنیں بناتے ہیں۔ اسکیمیں تیار کرتے ہیں، چوڑے مقاصد لے کر اٹھتے ہیں، صدر اور سکریٹری وغیرہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں، مگر کام خاک نہیں ہوتا کیونکہ کام کرنے کی جو شرائط ہیں ان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ **فالی اللہ المشتکی** ١٢ ظ۔

ہو جائیں گے)۔

عزیز من! سوچو تو سہی کہ بازیگر رسی کے اوپر اپنے وزن کو تول کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کیونکر چلا جاتا ہے، اگر وہ (اپنے وزن کی) میزان ہاتھ سے چھوڑ دے تو یقیناً ایک طرف کو جھک جائے اور گر جائے اور ہاتھ پیر توڑے گا (اسی طرح حکومت اور مشیخت اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک حاکم اور سردار اپنے ماتحتوں میں سے کسی کی طرف نہ جھکے، بلکہ سب کیساتھ مساوات کا برتاؤ کرے) پس کوئی حکومت اس وقت تک متزلزل (اور کمزور) کبھی نہیں ہوسکتی، جب تک صاحب حکومت اس کی شرائط میں (خود) کوتاہی نہ کرے۔

(۲) شیخ سوق کو اپنے ماتحتوں پر حکومت کرنے کے شوق سے بچنا چاہئے، اور بازار والوں میں جو سب سے بلند درجہ کے لوگ ہیں جیسے فقہاء (علماء) اہل خیر، اہلِ صدقات، ان کی مخالفت سے بھی بچنا چاہئے، خصوصاً جبکہ وہ اپنے کسی ہمسایہ سے حسد بھی نہ کرتے ہوں اگرچہ لوگ ہمسایہ کی طرف مائل ہوں (اسی سے زیادہ مال خریدتے ہوں اور) اس کو فائدہ اور نفع زیادہ ہو، (مگر ان کو دوسرے کا زیادہ نفع ناگوار نہیں) اور ان کی زبانیں لوگوں کو برا بھلا کہنے سے رکی ہوئی ہوں تو یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں شیخ سوق کی حکومت کے ماتحت ہیں، مگر حقیقت میں وہ اس کے ماتحت نہیں (کیونکہ یہ اللہ والے ہیں اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ کسی کا ماتحت نہیں ہوتا)۔

پھر (یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ) جب بازار کے بڑے بڑے لوگ دل سے اس کے خلاف ہوں گے تو بازار میں اس کی مشیخت (وسرداری) قائم نہیں رہ سکتی، اور (یاد رکھو کہ) لوگوں میں ایک کو دوسرے کے اوپر بلندی (اور رفعت) صرف اس سے حاصل ہوتی ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کیا جائے، کسی سے حسد نہ کیا جائے، اور کثرت سے احسان وصدقہ کیا جائے، اور بدی کرنے والے کا بدلہ بدی سے نہ دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا بآياتنا يوقنون﴾ [1] اور ہم

---

(۱) السجدہ ۲۴/۔

نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کریں جب وہ صابر بن گئے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے (یعنی احکام الٰہیہ کی حقانیت وصدق ان کے دلوں میں جمی ہوئی تھی)

(۳) اپنے بازار والوں کے عیوب تلاش کرنے سے بچنا چاہئے، اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر یہ دوسروں کے عیبوں کو چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو چھپائے گا، اور اگر یہ دوسروں کے عیوب کھولے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کھولدیں گے، اور جب اللہ تعالیٰ اس کے عیب کھولیں گے تو اس کی حکومت وریاست جاتی رہے گی، عزت برباد ہوجائے گی، اور (عہدہ سے) معزول ہونے کا مستحق ہوجائے گا، کیونکہ اب یہ (اپنی بے حرمتی وبے عزتی کی وجہ سے) لوگوں (کے حقوق) کی حفاظت ایک دوسرے سے نہ کر سکے گا۔

(۴) کسی کی بات کو دوسرے کے حق میں بدون بینہ عادلہ (دو سچے گواہوں کے اپنے دل میں جگہ نہ دینا چاہئے، جو شخص لوگوں کی باتوں کو ایک دوسرے کے متعلق سچ سمجھے گا وہ اپنے بازار کو برباد کردے گا، کیونکہ آج کل لوگوں میں حسد، کینہ، بدگمانی کا مادہ بہت ہے، ہر شخص اپنے برابر والے سے بڑھنے کی خواہش کرتا ہے (دوسرے سے کم رہنا گوارا نہیں کرتا)۔

نیز آج کل ہر صاحب دولت محتاجوں کے نزدیک (ان کا) دشمن ہے، کیونکہ ذرائع کسب کی (آج کل) کمی ہے اور لوگوں کو بھی ایک دوسرے سے ہمدردی نہیں، پس محتاج آدمی اپنے کو صاحب دولت (کی دولت) کا شریک (اور حصہ دار) سمجھتا ہے، اب اگر اس نے اس کو کچھ دیدیا تو خیر ورنہ اس کا دشمن بن جاتا ہے گو دل [1] ہی سے (دشمن) ہو (ظاہر میں دشمنی کا برتاؤ نہ کرے، اور جب دل میں دشمنی ہوتی ہے تو کبھی زبان پر بھی اس لئے کسی کی بات کو دوسرے کے خلاف سچ نہ سمجھنا چاہئے)۔

(۵) اگر کسی سے کوئی لغزش ہوجائے تو اس کو بازار سے نکالنے کی کوشش نہ کرے،

---

(۱) یہ بھی اس زمانہ کی باتیں ہیں کہ دشمنی دل ہی میں رہتی تھی اب تو کھلم کھلا عداوت کا اظہار کیا جاتا ہے، اللہ اللہ! حالت کہاں سے کہاں جا پہونچی۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم (۲) ۱۲ ظ۔

(۲) تمام جسم داغ داغ ہے، پھایہ کہاں کہاں رکھوں؟۔ ۱۲ مرتب

لیکن اگر (کوئی فتنہ پرداز آدمی ہو اور) اس کے نکالنے سے فتنہ دب جانے کی امید ہو (تو نکال دینا چاہئے)۔

(۶) اور اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ غصہ کے وقت کسی کو ایسی لغزش (وخطا) کا طعنہ دے جو زمانہ شباب میں اس سے ہو چکی ہے تاکہ لوگوں کے درمیان اس کو شرمندہ کردے اور دھوکہ یہ دے کہ میرا غصہ اپنا جی خوش کرنے کو نہیں ہے بلکہ حق کے موافق ہے، مگر پرکھنے والا خوب پہچانتا ہے (کہ پچھلی خطاؤں کا یاد دلانا محض اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کو ہے ورنہ گڑے مردے کیوں اکھیڑے جاتے؟)۔

(۷) جب شیخ سوق سے کوئی ایسا شخص جھگڑنے لگے جس کی آبرو میں (پہلے سے) بٹہ لگا ہوا ہے تو جو باتیں لوگوں میں اس کے متعلق پھیلی ہوئی ہیں ان کی طرف اشارہ کرنے سے بچنا چاہئے، مثلاً یوں کہنا کہ میں دوسروں کی طرح نہیں ہوں جن کو لوگوں نے فلاں شخص کی باندی کے ساتھ پکڑا تھا کیونکہ حاضرین اس بات (کے سنتے ہی) سے سمجھ جائیں گے کہ فلاں شخص مقصود ہے، تو ایسا اشارہ (بالکل) صاف صاف کہنے کی مثل ہے۔ دونوں برابر (درجہ میں) ہیں بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ اشارہ کنایہ دل دُکھانے میں تصریح سے بڑھ کر ہے، کیونکہ صاف صاف کہنے میں تو ممکن ہے کہ اس شخص پر شرعی حد یا تعزیر جاری کردی جائے اور اس کو سزا ہو جائے، جس سے دوسرے شخص، کہ جس پر تہمت لگائی ہے دل ٹھنڈا ہو جائے، اور اشارہ کنایہ میں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ حاکم اس کی تحقیق اور تنقیح نہیں کرسکتا۔

اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کا معمول تھا کہ آپ) ایسے شخص کو (درہ سے) مارا کرتے تھے جو کسی پر اشارہ کنایہ سے تہمت لگاتا، اگر وہ یہ کہتا کہ میں نے تو اس کو نہیں کہا تو آپ فرماتے اچھا بتلاؤ پھر کسے کہا ہے۔

(۸) بازار کے ہر واقعہ پر (طویل گفتگو اور) زیادہ دلیلیں بیان کرنے سے بچنا چاہئے، کیونکہ بعض دفعہ غصہ کی حالت میں زبان بچل جاتی اور ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے جو اس کے لئے مضر ہوتی ہے، مفید نہیں ہوتی تو شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے، دوسرے یہ کہ غصہ کی حالت میں لوگوں کے سامنے زبان کی لغزش سے اس کا درجہ (عزت) بھی کم ہو جاتا ہے۔

(۹) اسی طرح اگر بازار والوں میں سے کسی دلال یا دکاندار نے خیانت کی ہوا سے برا بھلا کہنے اور گالی دینے سے بہت احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے شیخ سوق کی عظمت اور وقعت زائل ہو جاتی ہے۔

(۱۰) بازار والوں پر اس طرح حکومت کرنے سے بھی بچنا چاہئے جس طرح بڑے درجہ کے لوگ حاکم وقاضی اور والی وغیرہ حکومت کیا کرتے ہیں کہ آدمی کو زمین پر لٹا کر مارا جاوے یا گھسیٹا جائے، کیونکہ شیخ سوق کا درجہ ایسی حکومت کے لائق نہیں، اس کی بڑی سرداری بس یہ ہے کہ لوگوں میں اچھی طرح صلح کرادے، اور کمزوروں کی امداد کردے اگر ان پر کوئی زبردست ظلم کرے یا ان کی دلالی کی اجرت میں کمی کرے وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱) کسی دکاندار یا دلال سے کسی چیز کی فرمائش ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ فلانے میرے واسطے ایک رطل گوشت شوربے کا یا بھنا ہوا خرید لے یا ایک تربوز بازار سے لے لے اور دھوکہ دے کر (ظاہر یہ کیا جائے کہ ان چیزوں کی قیمت ہم دیں گے، مگر دل میں یہ ہو کہ دکاندار یا دلال ہدیہ کے طور سے دیدے چنانچہ وہ بے چارے زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ اتنی سی چیز کی آپ سے کیا قیمت لیں) پھر ان کو قیمت نہیں دی جاتی، کیونکہ یہ صورت حرام ہے، بلکہ شیخ سوق کیلئے بازار والوں سے ہر قسم کا ہدیہ قبول کرنا حرام ہے (خواہ اس کی فرمائش سے بھی نہ آیا ہو کسی نے خود ہی دیدیا ہو) حکام کے ہدایا اور شیخ سوق کے ہدایا دونوں ایک درجہ میں ہیں (جیسے حکام کو رعایا سے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اسی طرح بازار کے سردار کو بھی دکانداروں کا ہدیہ جائز نہیں) کیونکہ اگر یہ کسی وقت بازار کی سرداری سے معزول ہو جائے تو اس کو کوئی بھی ہدیہ نہ دے گا (پس سرداری کے وقت جو ہدیہ دیا جاتا ہے محض رشوت اور خوشامد ہے۔

(۱۲) بازار کے متعلق کوئی بڑا کام بدون بازار کے بڑے لوگوں کے مشورہ کے ہرگز نہ کیا جائے مثلاً لوگوں نے خرید وفروخت کے واسطے بیٹھنے کیلئے بازار میں کوئی چبوترہ بنالیا ہو اور اس کے گرانے کی ضرورت ہو (تو بڑے بڑے دکانداروں سے مشورہ کر کے یہ کام کرنا چاہئے، کیونکہ مشورہ کر لینے سے ان لوگوں کے دل خوش ہو جائیں گے تو شیخ سوق کی بات کو

پورا کرنے میں وہ مدد دیں گے، (اور مشورہ نہ کرنے کی صورت میں ممکن ہے کوئی مخالفت اور جھگڑے پر آمادہ ہو جائے اور) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم اى قوتكم ﴾ [1] اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (اس سے) تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی یعنی قوت و طاقت برباد ہو جائے گی (پس ایسا کام ہی نہ کرو جس سے جھگڑے کا اندیشہ ہو)۔

(۱۳) اگر کوئی تاجر یا دلال اپنے پڑوسیوں اور ساتھیوں کو بار بار ستاتا ہو اور شیخ سوق کے سمجھانے سے بھی باز نہ آتا ہو تو کسی بڑے حاکم کی عدالت میں اس کا چالان کر دیا جائے تاکہ وہ اس کو سزا دے (شیخ سوق کو خود سزا دینے پر اقدام نہ کرنا چاہئے) مگر چالان کرنے سے پہلے اس شخص کے خاندان والوں سے مشورہ کر لینا چاہئے کہ اس کا اس کے اوپر بہت دباؤ پڑے گا، اگر وہ ان کے کہنے پر بھی عمل نہ کرے گا تو سب کے سب اس کے خلاف ہو جائیں گے (اور شیخ سوق کا ساتھ دیں گے پھر جب شیخ سوق یا اس کے سوا اور کوئی (اس کا نائب) اس شخص کو لے کر حاکم کی عدالت میں پہنچے تو حاکم کے سامنے سچائی اور ہمدردی کے ساتھ واقعہ (صحیح صحیح) بیان کرنا چاہئے جس میں کسی کی طرف داری نہ ہو کیونکہ حاکم کے سامنے جو کوئی جھوٹ بولتا ہے وہ اپنے ظلم کی وجہ سے رسوا ہو کر ہی عدالت سے نکلتا ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(۱۴) جس شخص کی نیکی اور دیانت کا حال معلوم نہ ہو اس پر اس قسم کی شرط نہ لگانا چاہئے کہ مثلاً بدون ضامن دیئے (بازار میں) دلالی کا کام نہ کر سکے، حالانکہ اس پر آشوب زمانہ میں جس کی مصیبت سے تمام مخلوق پریشان ہے ضمانت (کا حاصل ہونا) بہت دشوار ہے (تو ایسی پابندیاں لگا کر لوگوں کو روزی کمانے سے نہ روکا جائے) اور جو شخص دوسرے کی بھلائی میں روڑا اٹکائیگا اس کو اسی قسم کی سزا (غیب سے) دی جائیگی (کہ دوسرے اسکی بھلائی میں روڑے اٹکائیں گے) پس شیخ سوق کو چاہئے کہ لوگوں کو روزی کمانے دے (اور بازار والوں پر سخت پابندیاں عائد نہ کرے) پھر اگر (کسی وقت) یہ بات ظاہر ہو کہ اس (دلال) نے جو چیز فروخت کی ہے وہ کسی دوسرے کی ملک تھی تو دلال پر شرعی حکم جاری کیا جائے،

---

(۱) الانفال/۴۶۔

رواجی حکم جس کو عام لوگ قانون کہا کرتے ہیں جاری نہ کیا جائے، کہ یہ تو صرف ظالموں کا شیوہ ہے۔ (کیونکہ شرعی حکم کے خلاف جو حکم ہوگا وہ ہرگز عدل پر مبنی نہ ہوگا، بلکہ سراسر ظلم ہوگا)۔

(۱۵) حکام کیلئے بازار والوں سے رشوت کھانے کا دروازہ اس امید پر ہرگز نہ کھولا جائے کہ ضرورت کے وقت وہ بازار والوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کریں گے، کیونکہ اس سے (نفع کچھ نہ ہوگا ہاں) انشاء اللہ یہ بہت جلد (بازار کی سرداری سے) معزول ہو جائے گا، اور (اس کے بعد) بازار کے دوسرے سردار جو اس کے راستہ پر چلیں گے اس کا گناہ الگ ہوگا۔

(۱۶) جب کسی آدمی پر خواہ تاجر ہو یا دلال غصہ کیا جائے تو جلدی سے یہ اعلان نہ کر دیا جائے کہ اس شخص کو بازار میں خرید وفروخت سے روک دیا گیا ہے خصوصاً اگر وہ اس بازار سے مانوس ہو اور اس کے گاہک اسی بازار میں زیادہ ہوں، دوسرے بازاروں میں نہ ہوں (تو ایسی منادی میں بہت تامل کرنا چاہئے) ہاں اگر اس شخص سے جس پر غصہ کیا گیا ہے بازار والوں کی اکثریت ناراض ہو تو اس کو (بازار میں بیٹھنے سے) روک دینا چاہئے بشرطیکہ بازار والے بھی اس کو روک دینے کی درخواست کرتے ہوں یہاں تک کہ وہ اپنے اطوار درست کرلے اور بازار والے اس سے راضی ہو جائیں۔

(۱۷) دو شخصوں کے درمیان مقدمہ کو اچھی طرح سمجھنے، سوچنے سے پہلے فیصلہ کرنے میں جلدی کرنا یا شہادت کو فوراً قبول کر لینا ہرگز نہ چاہئے، بلکہ توقف سے کام لینا اور فراست ایمانیہ سے (معاملہ میں) غور کرنا چاہئے اگر خدا نے فراست ایمانیہ سے حصہ دیا ہو، پھر اگر دل گواہی دے کہ (گواہوں کی) شہادت سچی ہے اور کسی کی طرف داری پر مبنی نہیں ہے تو شہادت کے موافق فیصلہ کر دے، ورنہ مقدمہ کو ملتوی کر کے فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کرے، اس زمانہ میں اہل حرفت (واہل تجارت) کی شہادت کو ایک دوسرے کے متعلق بہت سوچ بچار کے بعد قبول کرنا چاہئے، کیونکہ ان کے دلوں میں کینہ اور حسد زیادہ ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے ساتھ جس کے گاہک زیادہ ہوں۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو شخص کسی حالت میں شریک ہوں اور اس سے کچھ ریاست یا

دنیا کا نفع حاصل ہوتا ہو، تو آج کل ایسے لوگوں کے درمیان (حسد اور) کینہ کا پیدا ہو جانا ایک ضروری بات ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، بخلاف اس حالت کے جس سے کسی کو ریاست اور دنیوی نفع کی طلب نہ ہو اس میں دو شخصوں کے اشتراک سے کینہ پیدا نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ اس نے پاشا (بڑا حاکم) کے سامنے ایک شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے، پاشا نے اس (کی گرفتاری) کیلئے پولیس کو بھیجا جس نے فوراً گرفتار کر لیا پھر بھاری جرمانہ اس کے اوپر لگایا گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کی صورت تو قاتلوں کی سی نہیں، پھر میں نے ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی تو اللہ کی قدرت سے انہوں نے باہم صلح کر لی اور گواہی دینے والوں نے اقرار کیا کہ انہوں نے غصہ میں جھوٹی گواہی دیدی تھی۔ میں نے کہا کہ تم کو پاشا کے پاس جا کر اپنی گواہی سے رجوع کر لینا چاہئے۔ کہنے لگے ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہمیں مار ڈالے گا۔ پس اے عزیز! اپنے زمانہ کو پہچان! (اور ہر شخص کی گواہی قبول کرنے میں جلدی نہ کر۔

(۱۸) ایک فریق کی بات کو دوسرے فریق کی غیبت میں ہرگز نہ ماننا چاہئے، جب دوسرا فریق بھی حاضر ہو جائے تو اس کی بات سننے کے بعد دونوں کے درمیان اللہ کی مرضی کے موافق شرعی فیصلہ کر دینا چاہئے۔

(۱۹) جب کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو اس کی بات سن کر ہی (اپنے دل میں) یہ فیصلہ نہ کر لینا چاہئے کہ شکایت کرنے والا مظلوم (اور دوسرا ظالم) ہے کہ یہ بیبا کی (اور جلد بازی) ہے، بلکہ سوچنا چاہئے کہ دوسرے شخص کو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی، تو تم کو معلوم ہوگا کہ شکایت کرنے والے نے پہلے (کبھی) اس کو ستایا تھا کیونکہ جب تک (لکڑیوں کا) انبار نہ ہو نہ آگ لگتی ہے نہ بھڑکتی ہے، اور ان عہدوں میں یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو شخص کسی کی بہت شکایت کرتا ہے، اس کی شکایت ہی اس بات کی دلیل

ہے کہ اس نے اپنے مقابل کو بہت ستایا ہے، یہ ایسی ترازو ہے جو ایک ذرہ [1] پر بھی اٹھ جائے گی۔

(۲۰) اگر بازار پر کچھ رقم (سرکار کی طرف سے) لگائی جائے یا کوئی تاوان ڈالا جائے تو اس میں تنہا اپنی رائے سے بازار کے بڑے لوگوں سے مشورہ کئے بغیر فیصلہ ہرگز نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے بازار والوں کے اور اس کے درمیان دشمنی پیدا ہونے کا دروازہ کھل جائے گا، وہ یوں کہیں گے کہ اس شیخ سوق سے زیادہ ضرر رساں (اور منحوس) ہمارے اوپر کوئی نہیں آیا تھا، اور اگر یہ ظالموں سے ملا ہوا نہ ہوتا تو اس قسم کی کوئی بات (ہم کو) پیش نہ آتی، وغیرہ وغیرہ۔ پھر بازار والوں سے مشورہ کرنے کے بعد جب سب رائے ایک بات پر متفق ہو جائے تو ان کی موافقت کرنا چاہئے، اور اگر اس بات میں ان کا فائدہ نہ ہو اس کا انجام ان کے حق میں اچھا نہ ہو تو اس کی انہیں خبر کر دینا چاہئے پھر بھی اگر وہ شیخ سوق کی مخالفت ہی کریں تو اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کر سکیں گے۔ (شیخ سوق ملامت سے بچ جائے گا)۔

نیز بازار والوں میں جو غریب لوگ تاوان اور ٹیکس ادا کرنے سے عاجز ہیں ان کی مخالفت مول لینے سے تو بہت ہی بچنا چاہئے۔ بس ان کو بازار کے بڑے لوگوں کی رائے سے مطلع کر دے کہ (ان کی رائے یہ ہے کہ) فلاں پر اتنی رقم ہو گی، اور فلاں پر اتنی، اگر وہ اس رائے سے موافقت نہ کریں تو ان سے کہدے کہ (بہت اچھا) میں اور بازار کے بڑے بڑے آدمی اس قصہ سے اپنے کو الگ کئے لیتے ہیں، اور سرکاری آدمیوں کی رائے پر معاملہ کو چھوڑے دیتے ہیں وہ جس طرح چاہیں گے بے دردی اور بے رحمی سے فیصلہ کریں گے اور تمہاری دکانوں کو برباد کر دیں گے۔

یہ بات سن کر ممکن ہے کہ سب لوگ تاوان اور ٹیکس دینے کیلئے آمادہ ہو جائیں، اور شیخ

---

(۱) یعنی سچی ترازو ہے جس میں غلطی نہ [illegible] ، در ہی ہوتی ہے، ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سامنے جب کوئی کسی کی شکایت کرتا ہے تو میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس کو اس سے رنج ہے، اس سے زیادہ کچھ اثر نہیں لیتا اھ میں کہتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحب نے جو میزان قائم کی ہے اس میں کبھی بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ ۱۲ ظ۔

سوق کو پریشانی (اور بدنامی) اور اپنے اوپر ظلم کا الزام عائد ہونے سے نجات مل جائے۔

(۲۱) جب بازار والے تاوان ادا کردیں یا ٹیکس کو برداشت کرلیں تو شیخ سوق کو ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور گھر والوں کو اس سے الگ رکھے، اور جو رقم اس کے اور اس کے خاندان اور گھر والوں کے حصہ میں آئی ہو اس کو بازار والوں ہی پر تقسیم کردے، بلکہ اس کے ذمہ واجب ہے کہ سب سے پہلے تاوان دینے والا اور ٹیکس کو برداشت کرنے والا خود ہو اور اس کے گھر والے اور خاندان والے بھی، بلکہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کو وسعت دی ہو تو بازار کے غریب دکانداروں کی طرف سے بھی خود ہی تاوان ادا کردے یا ٹیکس کا ذمہ لے لے، اگرچہ وہ اس کی شکایت بھی نہ کرتے ہوں نہ اس سے درخواست کرتے ہوں، کیونکہ معاملہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اور جو شخص (اپنے ماتحتوں کے ساتھ) ایسا برتاؤ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار و محافظ ہوتا ہے، خصوصاً اگر اس کے اور ان کے درمیان دشمنی اور کینہ بھی ہو (پھر تو اس برتاؤ سے اللہ تعالیٰ بہت ہی زیادہ خوش ہوں گے)۔

اور اس معاملہ میں شیطان کی اس بات پر کان نہ دھرنا چاہئے کہ ان کی طرف سے تو کچھ مت دے ورنہ لوگ یوں سمجھیں گے کہ تو ان سے ڈر کر ان کی طرف سے رقم دے رہا ہے، پھر یہ تیرے سر پر سوار ہو جائیں گے، شیطان کے (اس قسم کے) وسوسوں کو اسی کے منہ پر مار دینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بات سب سے زیادہ سچی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مدد اور تائید کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے دشمنوں سے احسان کرے، ان سے درگذر کرے اور معاف کردے۔

(۲۲) اگر بازار والوں میں سے کسی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ تم سے دشمنی یا بغض رکھتا ہے تو اس کو یہ کہہ کرنا لتار ہنا چاہئے کہ میرا دل تو یہ گواہی دیتا ہے کہ تم کو مجھ سے محبت ہے، اور میں اپنے ہی دل کی بات مانوں گا، تمہاری یہ بات نہ مانوں گا کہ تم کو مجھ سے بغض ہے۔

اسی طرح دشمن کی جماعت سے بھی الگ الگ یہی معاملہ کرنا چاہئے، یہاں تک کہ انشاء اللہ وہ سب کے سب تمہاری جماعت بن جائیں گے۔

اور اگر شیخ سوق ہر اس شخص سے جو اس کے دشمن کے ساتھ ہنس کر بات کرے یا اس

کے ساتھ ساتھ پھرے، دشمنی اور بغض کی ٹھان لے گا تو اس کے دشمنوں کی شمار بڑھ جائے گی، اور حکماء نے کہا ہے ۔

واحسن العشرة مع بعضهم
یعینک البعض علی کلهم

تم اپنے دشمنوں میں سے بعضوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو تو یہ تھوڑے ہی آدمی سب کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریں گے۔

پھر جب بازار میں یا کسی اور جگہ کوئی فتنہ اٹھے تو اس کی آگ بجھانے اور چغلی کھانے والوں، ادھر کی ادھر لے جانے والوں کے دبانے کا سب سے بہتر اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق اپنے دشمن کے گھر پہنچ جائے، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھے، اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرے، اس کے ساتھ چلا پھرا کرے۔

جب لوگ دو دشمنوں کو باہم ملتے جلتے ہنستے بولتے دیکھیں گے تو سب کے سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور ایک کی بات دوسرے تک پہنچانے کی جرأت نہ کریں گے اور دشمنی وفساد کی جڑ یہ بیچ والے ہی ہوتے ہیں، ان کے ٹھنڈا پڑ جانے سے دشمنی کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے) والحمد للہ رب العلمین۔

اگر ہم خانقاہ کے شیخ بنا دئے جائیں تو ۴۹ آداب اور ان کی تفصیل

(۳۷۰) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر ہم کسی خانقاہ کے درویشوں کے شیخ بنا دیئے جائیں یا (صوفیہ کے) مشہور خرقوں میں سے کوئی خرقۂ (خلافت) ہم کو پہنا دیا جائے تو جہاں تک ہو سکے عزت اور بڑائی کے طریقوں سے بھاگنے کی کوشش کریں اور کسی درویش کو (۱) اپنے سامنے نگاہیں نیچی کر کے کھڑا نہ ہونے دیں جیسا نماز میں کھڑا ہوا کرتے ہیں، اگر ہم سے پہلے کسی شیخ کے ساتھ درویشوں کا یہ معمول رہا ہو تو ان کو حکم کریں کہ ہمارے سامنے اس

(۱) حضرت حکیم الامۃ دام مجد ہم بہت سختی کے ساتھ اس قسم کی تعظیم سے اپنے خدام کو منع فرماتے ہیں جیسا کہ اکثر متعلقین کو معلوم ہے۔۱۲ظ۔

معمول کی مخالفت کیا کریں، کیونکہ درویش کیلئے یہ (بڑائی کے) طریقے مناسب نہیں، اور بعض دفعہ ان باتوں سے شیخ کو جلاوطنی کی نوبت بھی آ جاتی ہے، جیسا شام میں شیخ اویس کو، اور حلب میں شیخ علی کازرونی کو ایسا واقعہ پیش آ چکا ہے۔

میں ۹۴۷ھ میں شیخ علی کازرونی سے مکہ مشرفہ (زادہا اللہ کرامۃ وشرفا) میں ملا ہوں، تو میں نے ان کو بہت نیک اور صاحب تمکین [۱] پایا، مگر آج کل عثمانی (حکومت کا) قانون یہ ہے کہ جو شخص شاہانہ شان وشوکت سے رہتا ہو اور حکام وقت کی رسوم وآداب کا مقابلہ کرتا ہو اسے قید یا جلاوطن کر دیتے ہیں کہ مبادا اس کی جماعت بڑھ جائے پھر سلطنت میں بادشاہ سے منازعت (اور مقابلہ) کرنے لگے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

(۲) شیخ [۲] کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنی صحبت میں اس وقت تک نہ رکھے جب تک سچائی (اور خلوص محبت) میں اس کا امتحان نہ کر لے، کیونکہ آج کل بدون آزمائش کے کسی کو اپنا مقرب بنانا سخت خطرناک ہے۔

(۳) شیخ کو (مریدوں کے) امتحان میں بہت زیادہ مبالغہ بھی نہ کرنا چاہئے جس سے اس کی اور مریدوں کی قلعی کھل جائے اور سب کے سب رسوا ہو جائیں، اور شیخ کو ایک آدمی بھی اپنے پاس رہنے والا نہ ملے۔

(۴) شیخ کو چاہئے کہ (خانقاہ کے) جوانوں [۳] کو بدون ضروری حاجت کے بازار

---

(۱) تمکین کے معنی رسوخ نسبت باطنہ کے ہیں جبکہ اخلاق حمیدہ اور ذکر اللہ حال سے مقام بن جائیں۔۱۲ ظ

(۲) حضرت حکیم الامۃ دام مجدہم اس عہد پر پوری طرح عمل فرماتے ہیں، بیعت میں جلدی نہیں فرماتے، اور جب تک طلب وخلوص کا امتحان نہ فرمالیں اس وقت تک کسی کو داخل سلسلہ نہیں فرماتے، بہت لوگوں کو اس طرز پر اعتراض ہے مگر بزرگان سلف کا طریقہ حضرت کے طرز عمل کا مؤید ہے۔۱۲ ظ۔

(۳) ہمارے اکابر نے بھی سالکین کو بازار جانے سے روکا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سالک کو تفریح کی ضرورت ہو تو عصر کے بعد جنگل کی طرف چلا جائے، مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر مردوں کی زیارت کرے ان کو ثواب پہنچائے اور موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کرے، بدون سخت ضرورت کے بازار نہ جانا چاہئے۔۱۲ ظ

جانے سے روک دے، اور ضروری کام کو بھی اس شرط سے جانے دے کہ جلد ہی واپس آجائیں، کیونکہ ممکن ہے دیر کرنے سے نماز کی جماعت یا ذکر کی مجلس فوت ہو جائے، پس ہوشیار درویش کو لازم ہے کہ (خانقاہ سے) باہر ایسے وقت جائے جس میں کسی خیر کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اور بازار جانے کے مفاسد میں سے ایک (مفسدہ اور نقصان) یہ بھی ہے کہ درویش کی نظر بہت سی مرغوب چیزوں پر پڑے گی جو بازار میں موجود ہوتی ہیں (تو جی للچائے گا) اور اس کے پاس کچھ (پیسہ ٹکا) ہے نہیں، تو ممکن ہے ان چیزوں کے نہ لینے کی حسرت دل میں رہے (جس سے خواہ مخواہ الجھن ہوگی) اور کبھی (ایسا بھی ہوگا کہ) واپس آکر (درویشوں کی جوتیاں اور) کھڑاؤں چرائے گا اور ان کو بیچ کر مرغوب چیزیں خریدیگا۔

چنانچہ ہمارے سامنے بہت لوگوں کے ایسے واقعات ہو چکے ہیں پھر (یہی خرابی کیا کم ہے کہ) جب مرغوب چیزیں (عمدہ غذائیں) کھانے کا نفس کو چسکا لگ جائے گا، تو خواہش (نفس) میں پھنس کر دل ہدایت سے ہٹ جائے گا اور بالکل برباد ہو جائے گا، اور اگر ان کی قیمت بھی حرام مال سے دی گئی مثلاً کھڑاؤں (اور جوتیاں) چرا کر، پھر تو (دل کی بربادی کا) کیا پوچھنا، اور یہ ساری آفت بازار جانے سے (پیدا) ہوئی، اگر درویش باہر ہی نہ نکلتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس آفت سے محفوظ رکھتا۔

(۵) شیخ کو چاہئے کہ خانقاہ والوں کو (فضول) بیہودہ باتیں بنانے، لوگوں [1] کی غیبتیں کرنے اور حکام (وحکومت) وغیرہ کی خبریں بیان کرنے کیلئے مجلس آرائی سے منع کردے، اور جو (کوئی اس معاملہ میں) شیخ کی بات نہ مانے گا اس نے عہد کو توڑ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہو گیا۔ اور یہ سمجھنا کہ شیخ ایسی باتوں سے چشم پوشی کرے گا اسی شخص کا کام ہے جو دل کا اندھا ہو، کیونکہ شیخ تو (دل سے) یہ چاہتا ہے کہ اس کے مرید اللہ

(۱) حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ کو اس عہد پر عمل کرنے کا بہت اہتمام ہے، ذاکرین کو باہم اختلاط اور مجلس آرائی سے سختی کے ساتھ منع کیا جاتا ہے اور دنیا بھر کی خبریں معلوم کرنے اور بکواس لگانے سے بھی روکا جاتا ہے، بعض لوگوں کو اس طرز پر اعتراض بھی ہے مگر ان کو طریق باطن کی ہوا بھی نہیں لگی وہ اس عہد کو آنکھیں کھول کر پڑھیں تو ان کو حقیقت واضح ہو جائے گی۔۱۲ ظ

تعالیٰ سے ذرا دیر کو بھی غافل نہ ہوں، یہاں تک کہ (ملکۂ یادداشت وکثرت عبادت ومجاہدہ کی بدولت) مقام معرفت تک پہنچ جائیں، پھر جب ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے گی تو وہ (ہر حالت میں) اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہیں گے اور ایسے طریقے سے رہیں گے جس کو وہ خود ہی پہچانیں گے (دوسروں کی خبر نہ ہوگی)۔

(۶) شیخ کو چاہئے کہ جب دوسری خانقاہوں کے مشائخ کی نسبت اس سے سوال کیا جائے تو سب کو بھلائی کے ساتھ یاد کرے، اگرچہ اس میں (کچھ) جھوٹ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ صورت اس سے بہتر ہے کہ اہل خرقہ (صوفیہ) کی صورت بنانے والے پر اعتراض کیا جائے۔ جب تک وہ اس جماعت کے خلاف کھلم کھلا کوئی کام نہ کرے (اس وقت تک ہمیں اس کی پردہ پوشی ہی کرنا چاہئے)۔

اس عہد میں خانقاہوں کے اکثر مشائخ خیانت کرتے ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر دنیا سے (یکسوئی اور) بے تعلقی حاصل نہیں کی، اسلئے ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی بستی میں ان کے سوا کسی کا نام نہ ہو، اور یہ خواہش صرف ناموری کے شوق اور اپنی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ اور اگر ان لوگوں کو مقامِ توحید کی جو طریق باطن میں داخل ہونے کا پہلا زینہ ہے ہوا بھی لگی ہوتی تو ان کے ذہن میں کوئی مسلمان بھی ایسا نہ ہوتا جس پر ریاست (وفضیلت) کا وسوسہ بھی ان کو آسکتا۔ اب اس (مضمون) کے نیچے جو باتیں ہیں ان کو (خود ہی) سمجھ لو۔

میں نے اپنے زمانہ کے مشائخ میں دوسرے درویشوں کی تعریف کرنے والا، سیدی الشیخ سلیمان خضیری، اور سیدی الشیخ شہاب الدین وفائی سے زیادہ کسی کو نہیں پایا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے ان کی عمر دراز کرے اور اپنا فضل ان پر زیادہ فرمائے۔ (آمین)

(۷) شیخ کو چاہئے کہ جس شخص نے اس کی خانقاہ پر کوئی جائداد وغیرہ وقف کی ہو اس کی اولاد کی خبر گیری کرے اگر وہ محتاج ہو گئے ہوں اور جو کچھ ان کے پاس تھا بغیر کسی گناہ کے (ضروریات اور مباحات میں) ختم ہو گیا ہو (تو ان کو بھی وقف کی آمدنی سے بقدر کفایت دیدینا چاہئے) کیونکہ اگر ان کا باپ زندہ ہوتا اور اپنی اولاد کو اس حال میں دیکھتا تو ضرور ان

پر مہربان ہوتا اور (اس حالت سے) اس کا دل دکھتا اور ممکن ہے کہ (اس صورت میں) وہ اپنی اولاد کو وقف (کے حقداروں) میں داخل کر دیتا، اور دوسروں کو نکال دیتا یا (کم از کم) درویشوں کے ساتھ ہی ان کو بھی وقف کی آمدنی میں شریک کر دیتا اس معاملہ میں شیخ کو حقدارانِ وقف کی موافقت نہ کرنا چاہئے اگر وہ یہ کہہ کر اس کو (اولادِ واقف کی امداد سے) روکنا چاہیں کہ واقف اور اس کی اولاد (کو اب وقف سے کیا واسطہ رہا وہ) تو اجنبیوں جیسے ہو گئے، کیونکہ یہ بات طبیعت کے کمینہ پن کی دلیل ہے (یہ مانا کہ واقف کی اولاد کو وقف سے مالکانہ تعلق نہیں رہا مگر اس میں کیا شک ہے کہ دوسرے مستحقین فقراء اور غرباء سے واقف کی فقیر[1] ومحتاج اولاد آمدنی وقف کی زیادہ مستحق ہے۱۲) اگر حقدارانِ وقف شیخ کے ساتھ اس معاملہ میں موافقت نہ کریں تو شیخ کو اپنے حصہ میں سے اولادِ واقف کو کھلانا چاہئے اور یہ فرض کر لے کہ اگر وہ خود واقف کا بیٹا ہوتا تو اس کو اتنا ہی ملتا جتنا ان بے چاروں کو مل رہا ہے۔ پس واقف کی اولاد کو سچے دل سے اپنا بھائی سمجھے اور ان کو اپنے حصہ میں سے اس طرح دیتا رہے جیسا بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کو دیا کرتا ہے۔

(۸) شیخ کو چاہئے کہ حکام یا بڑے درجہ کے لوگوں نے اس کی خانقاہ پر جو کچھ وقف کیا ہے اگر اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو تو وہ اور سب درویش جمع ہو کر سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جس جائداد یا دکان میں کچھ شبہ ہو جس کی ان کو خبر نہ ہو اس کی پیداوار (اور

---

(۱) بالخصوص جب یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ شرائط تکمیل وقف میں بعض علماء نے ایسی شرائط لگائی ہیں جو عموماً آج کل پوری نہیں کی جاتیں گو فتویٰ ان علماء کی رائے پر نہیں ہے مگر اولادِ واقف کے استحقاق کی اس سے گنجائش ضرور نکل آئی۔ پس ضروری ہے کہ سلاطین اسلام نے جس قدر وقف مدارس ومشائخ وخانقاہوں پر کئے ہوں ان کی آمدنی سے شاہی خاندان کے بچوں کی پرورش بھی کی جائے، ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، یہ منظر کس قدر افسوس ناک ہے کہ سلاطین کے اوقاف سے جاہل پیرزادے تو رنگ رلیاں منائیں۔ عیش ونشاط میں مست رہیں، اور جنہوں نے یہ بڑی بڑی جاگیریں اور وقف دیئے تھے ان کی اولاد نان شبینہ کو محتاج اور سامان تعلیم سے محروم ہو۔ ﴿فاعتبروا یا اولی الابصار﴾ (الحشر/۲) ۱۲ ظ

آمدنی) کو معطل کر دیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو خلوص اور صدق کی برکت سے قبول فرمالیں گے اور اگر اس آمدنی کا کھانا ہی ان کے لئے مقدر ہوگا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حقداروں کو ان سے راضی کر دیں گے۔

یہ حکم اس صورت [1] کا ہے جب کوئی خاص حقدار معلوم نہ ہو، ورنہ تقویٰ کی بات یہ ہے کہ شبہ کی چیز حقدار ہی کو واپس کر دی جائے (یہ تو شبہ کی صورت کا بیان تھا) لیکن اگر شیخ کو یہ بات معلوم ہو کہ وقف میں کچھ حصہ حرام ہے تو حاکم سے درخواست کر کے اور گواہ قائم کر کے اس کو وقف سے نکال دینا واجب ہے۔

(۹) شیخ کو چاہئے کہ خانقاہ میں رہنے والے فقراء کو اوقات نماز سے پہلے وضو کرنے کی تاکید کرے، تاکہ جماعت خصوصاً جمعہ کی جماعت (پوری طرح) پالیں بلکہ درویشوں کو

---

(۱) یہ عہد اور بعض دیگر عہد بھی اس جگہ ایسے بیان ہوئے ہیں جو ان خانقاہوں کے ساتھ مخصوص ہیں جن کے لئے سلاطین یا حکام ورؤساء نے اوقاف کر دیئے ہیں چنانچہ مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ میں ایسی خانقاہیں بہت ہیں اور ہندوستان میں بھی پنجاب وغیرہ کے اندر بعض خانقاہیں ایسی موجود ہیں جن کے لئے لاکھوں روپئے کی جائداد وقف ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل ان خانقاہوں میں ذاکرین، شاغلین وسالکین کی جگہ قبر پرست جاہل مجاور پڑے ہوئے ہیں جن پر اوقاف کا روپیہ صرف کرنا فضول ضائع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور قوم کو توفیق دے کہ سلاطین اسلام اور رؤساء مسلمین کے اوقاف کو صحیح مصرف میں خرچ کئے جانے کا کوئی راستہ نکالے۔

دراصل ان خانقاہوں کے اوقاف سے مبلغین اسلام کا تیار کرنا مقصود تھا کیونکہ ہندوستان میں زیادہ تر تبلیغ اسلام صوفیہ کرام کے ذریعہ سے ہوئی ہے، سلاطین نے اسی واسطے خانقاہوں پر بڑے بڑے جائداد وقف کر دیئے تھے کہ صوفیہ فکر معاش سے یکسو ہو کر ہمہ تن کامل مسلمان بننے اور دوسروں کو مسلمان بنانے اور مسلمانوں کو راہ راست پر لگانے کی کوشش کرتے رہیں، مگر اب کوئی ان پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کی رنگ رلیاں اور بدمستیاں جا کر دیکھے جو ہزاروں لاکھوں کے اوقاف پر قبضہ مالکانہ جمائے بیٹھے ہیں اور سال میں ایک دفعہ شیخ خانقاہ کا عرس کر دینے اور طبلہ کی تھاپ اور ستار کی تن تن پر ناچنے والوں کو دو چار دن کھانا کھلا دینے کے سوا ان کو اور کچھ کام نہیں، نہ ان کو تبلیغ اسلام سے غرض، نہ ذکر اللہ اور علم حدیث وقرآن سے واسطہ! خدا مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے۔ آمین۔ ۱۲ ظ

جمعہ کا اہتمام سب سے زیادہ کرنا اور دوسرے لوگوں سے پہلے اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تا کہ ان کی ہمت مضبوط ہو، کیونکہ جب کوئی آدمی (مسجدوں میں) آ کر خانقاہ والوں کو سوتا ہوا یا بیہودہ باتیں اور دل لگی کرتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی ہمت (مسجد میں سویرے) حاضر ہونے سے سست ہو جاتی ہے (وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں خواہ مخواہ سویرے آ گیا خانقاہ والے تو ابھی تک نماز کیلئے تیار ہی نہیں ہوئے) سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ کی تیاری جمعرات کی عصر کے وقت سے کیا کرتے تھے۔

شیخ کو ہرگز اس بات پر چشم پوشی نہ کرنا چاہئے کہ خانقاہ والے اذان ہونے تک وضو کو مؤخر کیا کریں کیونکہ اس صورت میں ان کی جماعت [1] فوت ہو جائے گی اور خانقاہ میں رہنے والے تندرست آدمی کو دیر میں وضو کرنے کیلئے بجز سستی (اور کاہلی) کے اور کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) شیخ کو چاہئے کہ خانقاہ والوں کو تاکید کرے کہ جو کام نقیب (مہتمم خانقاہ) سے تنہا نہ ہو سکے اس میں اس کی امداد کیا کریں جیسے لکڑیوں کا انبار اٹھا کر لانا یا چکی پر گیہوں پہونچانا یا وہاں سے آٹا لاد کر لانا وغیرہ وغیرہ اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے ذمہ یہ کام ضروری نہیں تو اس سے چشم پوشی نہ کرے (بلکہ مواخذہ کرنا اور تنبیہ کرنا چاہئے)۔

میں نے اپنی آنکھوں سے بعض خانقاہوں میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جو بڑے چین میں تھے حتی کہ اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ ذرا نقیب (مہتمم خانقاہ) کے ساتھ مل کر پیالے میں (روٹی کے) ٹکڑے توڑ دو یا پکی کھجوروں کے گدری کھجوروں سے الگ کر دو تو وہ (صاف) کہہ دیتے کہ ہم کو فرصت نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ان سے واپس لے لی، یہاں تک کہ اب شیخ ان کیلئے ایک روٹی بھی (کہیں سے) وصول نہیں کر سکتا، خانقاہ میں کھانے (پینے) کی جو فراغت پہلے تھی اب وہ قصہ کہانی رہ گئی، اگر کسی خانقاہ والے کو اس بات میں شک ہو تو وہ آزما

---

(۱) غالباً اس وقت اذان و اقامت میں زیادہ فصل نہ ہوگا جیسا اب بھی حجاز میں مشاہد ہے، لیکن اگر اذان و اقامت میں آدھا گھنٹہ کا فصل ہو جیسا عموماً ہندوستان کی مساجد میں معمول ہے تو اذان تک تاخیر وضو کا مضائقہ نہیں، اذان کے بعد پھر اہل خانقاہ کو دیر نہ کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ

کر دیکھ لے (کہ ان کی عیش پرستی کا انجام زوال نعمت کے سوا کچھ نہ ہوگا)۔

(۱۱) شیخ کو ان درویشوں پر جو جماعت کی نماز یا مجلس ذکر سے (کسی دن) غائب ہو جائیں اگرچہ گھر میں سونے اور اہل وعیال کا حق ادا کرنے کے بہانہ ہی سے غائب ہوں عتاب کرنا چاہئے۔ اور جب خانقاہ والے کسی ورد (ووظیفہ) کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں تو بدون شیخ مجلس کی اجازت۔ کے کسی کو وہاں سے نہ اٹھنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿واذ کانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یستأذنوه﴾ [1] اور (مسلمان مخلص وہ ہیں کہ) جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی بڑے (مہتم بالشان) کام کیلئے جمع ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت حاصل نہ کرلیں (وہاں سے) نہیں ہٹتے اور یقیناً مجلس ذکر بھی امر جامع (اور مہتم بالشان چیز) ہے اور اگر اہل مجلس کو وضو کی ضرورت ہو تو آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے اٹھیں ایک دم سب کو نہ اٹھنا چاہئے، کہ اس سے صاحب مجلس کا دل پریشان ہو جاتا ہے۔

سیدی محمد شنادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ شیخ کو چاہئے کہ جو شخص جماعت (فقراء) سے نیک کاموں کے اوقات میں الگ رہے اس سے بولنا، بات کرنا چھوڑ دے اور بدون سخت ضرورت کے جو جماعت کی نماز یا مجلس ذکر سے بڑھ کر ہو ہرگز چشم پوشی نہ کرے۔

اور درویش کو یہ بات زیبا نہیں کہ نیک کاموں سے غائب ہونے میں اپنا عذر ثابت کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنے نفس کو ملامت کرے، تنبیہ کرے، شاید اس سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے جو (غیبت سے) اس کو پہونچا ہے، اور (غور کرکے) اس ضرورت کو سوچنا چاہئے جس نے اس کا سارا وقت برباد کیا کہ نیک کام بھی فوت ہو گیا (آخر وہ ایسی کیا ضرورت تھی؟ سوچنے کے بعد یقیناً) وہ دنیا کی خواہشوں میں سے کوئی خواہش نکلے گی جس میں نہ کچھ فائدہ تھا نہ (اس کے چھوٹ جانے سے) کچھ ضرر تھا (کیونکہ دینی کام سے دوسرا دینی کام ضائع نہیں ہوا کرتا الا نادراً)۔

(۱۲) شیخ کو چاہئے کہ جب وقف (کے کاشتکاروں) وغیرہ (کی طرف) سے کوئی

---

(۱) النور /۶۲۔

دعوت ضیافت (کا سامان) اس کے پاس آئے تو اپنے ساتھیوں، مددگاروں میں اس کو تقسیم کر کے ان کے ساتھ احسان (وسلوک) کرتا رہے، اور (دل میں) یہ خیال ہرگز نہ لائے کہ یہ تو خاص میرے واسطے ہے، میں خانقاہ والوں کو اس میں سے کچھ نہ دوں گا، کہ اس صورت میں خانقاہ والے خانقاہ کے اندر رہ کر اس کی مخالفت کریں گے، اور شیخ جو کام بھی کرنا چاہے گا اس کو الٹ دیں گے، اگرچہ ان کے فائدہ ہی کی بات ہو مثلاً کسی بے ادب (گستاخ) کو نکالنا چاہے گا تو خانقاہ والے شیخ کے مقابلہ میں اس کی حمایت کریں گے، شیخ کو دبائیں گے اور اس کو نکالنے نہیں دیں گے، جس سے خانقاہ کا نظام (اور ضبط) برباد ہو جائے گا اور اگر وہ ضیافت (کے سامان) کو ان پر تقسیم کر دیا کرتا، تو سب کے سب اس کے مددگار، معاون بن جاتے، اور (ہر کام میں) اس کی مدد کرتے اگرچہ ان کی منشا کے خلاف اور مضر ہی کیوں نہ ہو۔

اور (شیخ کو ایسی تدبیروں کی ضرورت ہے جن سے اس کے مددگار پیدا ہوں، کیونکہ) حضرت عیسیٰ علیہ (وعلی نبینا الصلوۃ و) السلام نے حواریوں سے فرمایا تھا ﴿من انصاری الی اللہ﴾ [1] خدا کے کام میں میری کون مدد کرتا ہے؟ (حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہ رہئے کہ ہم تابعدار ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات صرف اس لئے فرمائی تھی کہ آپ تنہا بغیر مددگاروں کے اللہ کے دین کی مدد سے عاجز تھے۔

اسی لئے مشائخ کی عادت تھی کہ (خانقاہوں میں) ہر جماعت پر ایک افسر مقرر کرتے تھے جو ان پر حکومت کرے، اور آداب (واخلاق) کے سنوارنے کی تاکید کرتا رہے جیسا شاہی فوج نظام (خاص) ترتیب سے ہوتا ہے (اسی طرح خانقاہ کے اندر خاص ترتیب کے ساتھ نظام قائم رکھتے تھے تاکہ سب لوگ قابو میں رہیں اور کسی قسم کی بے عنوانی نہ ہو سکے) اور (یہ تو ان ضیافتوں کے متعلق گفتگو تھی جن کا قبول کرنا جائز ہو اور) ہم اس کتاب کے ابتدائی عہدوں میں بتلا چکے ہیں کہ آج کل شیخ (خانقاہ) کو کاشتکاران وقف کی ضیافت قبول نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تنگ حال ہیں ان کے اوپر لگان (ٹیکس وغیرہ) زیادہ ہے (تو خوشی سے

---

(۱) الصف /۱۴۔

ضیافت کرنے والے بہت کم ہیں زیادہ تر محض رسم یا خوشامد کی وجہ سے دعوت کی جاتی ہے) اور اس دعوت کے واپس کر دینے میں شیخ پر کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ عرفاً وعادۃً وہ شیخ ہی کیلئے مخصوص ہوتی ہے، اس مقام کو دوبارہ دیکھ لینا چاہئے۔

(۱۳) شیخ کو چاہئے کہ درویشوں کے سامنے اپنی حرمت و وقار کے لباس کو چاک نہ کرے، بلکہ ان کے ساتھ مہذب بن کر رہے جیسا وہ اس کے سامنے ادب سے رہتے ہیں کسی شخص کو حد سے زیادہ برا بھلا نہ کہے ورنہ وہ بھی ایسی ہی باتوں سے مقابلہ کرے گا، پس اپنی عزت کو دوسروں کی عزت کر کے بچانا چاہئے اور (دل میں) یوں نہ کہنا چاہئے کہ میرے درجہ کا مقتضا یہی ہے کہ میں ان پر حکومت کروں، اور یہ مجھ پر حکومت نہ کریں، کیونکہ اس بات سے تو رہتی دنیا تک ناامیدی ہو چکی ہے۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے شیخ کی شکایت حاکم کے پاس لے گیا اور کہنے لگا میں اس شخص پر (پیر کا یہ ادب ملاحظہ ہو کہ) اپنا شیخ اور بزرگ بھی ظاہر نہ کیا۔ دعویٰ کرتا ہوں کہ اس نے ہمارا (سارا) وقف خود ہی کھالیا ہے، یہ (برتاؤ) اس کے بعد تھا کہ شیخ اس کو تلقین ذکر کر چکا، اور چند بار چلے کرا چکا اور اپنے پاس سے (رقم خرچ کر کے) اس کی شادی کرا چکا تھا پھر جو شخص بدون کسی احسان (وسلوک) ہی کے (اپنے مریدوں پر) حکومت کرنا چاہے اس کا کیا حال ہوگا؟ (خوب سمجھ لینا چاہئے)۔

(۱۴) خانقاہ والوں کیلئے شیخ نے جو کچھ (روپیہ پیسہ) وصول کیا اور (وظیفہ وغیرہ) مقرر کیا ہو، اس کو بطور احسان کے نہ جتلائے کہ اس سے عزت و حرمت جاتی رہتی ہے، بلکہ (نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسی کا دیا ہوا) کھایا جائے گا اور (اسی کی) برائی کی جائے گی، شیخ کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر یہ درویش اس کے پاس نہ ہوتے تو اس پر (اور اس کی خانقاہ پر) کوئی بھی کچھ وقف نہ کرتا، اسی طرح اگر شیخ نہ ہوتا تو خانقاہ والوں کو کوئی اس قابل نہ سمجھتا کہ ان کیلئے وقف کیا جائے۔

پس دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں (شیخ کو خانقاہ والوں کی ضرورت ہے اور خانقاہ والے شیخ کے محتاج ہیں)۔

اسی لئے ہم نے بار بار تاکید کی ہے کہ شیخ کے پاس بڑے بڑے لوگوں کی طرف سے جو ہدایا آئیں مثلاً پانچ اردب چاول (ایک اردب ۸۴ سیر کا ہوتا ہے) یا پانچ قنطار شہد (ایک قنطار بیل کی کھال بھر ہوتا ہے) تو اس کو اپنے یا اپنے اہل وعیال کیلئے مخصوص نہ کرنا چاہئے کیونکہ عرفاً ایک آدمی کو اتنی بڑی مقدار ہدیہ نہیں کی جاتی بلکہ قرینہ سے یہی سمجھا جائے گا کہ اتنا بڑا ہدیہ شیخ اور فقراء سب ہی کے واسطے آیا ہے۔

(۱۵) اگر خانقاہ والوں میں طریق الٰہی کی سچی طلب معلوم نہ ہو تو شیخ کو ان کیلئے حیلہ (وتدبیر) سے کام لینا چاہئے یہاں تک کہ ان کا یقین مضبوط (ومستحکم) ہو جائے اور اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے حیلہ کی صورت یہ ہے کہ (لوگوں سے) یوں کہے کہ میرے پاس لائق درویشوں کی ایک جماعت ہے، اور نیت یہ رکھے کہ جنت کے لائق ہیں یا دوزخ کے لائق (تاکہ جھوٹ بولنے کا گناہ نہ ہو اس کے بعد یہ کہے کہ) میں چاہتا ہوں کہ اہل خیر میں سے کوئی شخص گیہوں یا شہد بھیج کر ان کے ساتھ سلوک کرے، پھر اگر کسی دن یہ احسان کرنے والا خانقاہ میں آجائے تو خانقاہ والوں کو ذکر اللہ اور تلاوت قرآن میں مشغول ہونے کا حکم کرے تاکہ احسان ہمیشہ باقی رہے ورنہ اس شخص کا دل ہٹ جائے گا اور یوں کہے گا کہ ان لوگوں پر جو کچھ میں نے احسان کیا ہے اللہ قبول فرمائے، کاش میں نے یہ احسان کسی اور کے ساتھ کیا ہوتا۔

عزیز من! یہ حیلہ میں نے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جائے، فراغت کے وقت (بلاضرورت) ایسا نہ کرنا چاہئے۔

(۱۶) شیخ کو اپنے کسی معتقد (مرید) یا کسی محسن کی محبت میں انہماک (وغلو) نہ کرنا چاہئے، کہ اس میں اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ بے ادبی ہے، اللہ تعالیٰ بہت غیرت والے ہیں، وہ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ مومن بندہ کے دل میں اپنے (ساتھ کسی) غیر کو دیکھیں، اسی طرح شیخ کو اپنے دوستوں میں سے کسی پر بہت زیادہ احسان بھی نہ کرنا چاہئے، مبادا اس کی محبت اس کے دل میں پیوستہ ہو جائے، اور کوئی عارف اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنے مرید کے سویدائے قلب میں اپنی محبت دیکھے۔ عارف بارگاہِ حضرت حق کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتا

ہے۔

(اس لئے مرید کو خدا کا عاشق بنانا چاہتا ہے، اپنا عاشق بنانا نہیں چاہتا) اور اگر محبت شیخ کو تسہیل انقیاد میں دخل نہ ہوتا (کہ اس سے اطاعت شیخ آسان ہو جاتی ہے) تو کسی شیخ کو مناسب نہ تھا کہ مرید کو اپنی محبت کی اجازت دے۔

ف :- حضرت حکیم الامت کا مذاق بالکل اس کے موافق ہے ۱۲ مترجم۔

(۱۷) جب اللہ تعالیٰ شیخ کو مدد (باطنی) عطا فرمائے اور فیض جاری ہونے لگے تو اس پر لازم ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی مدد پہونچائے، اپنے خاص اصحاب ہی کے ساتھ اس کو مخصوص نہ رکھے، کیونکہ دین اسلام ایک ہے (پس ہر مسلمان اس رشتہ کی وجہ سے مستحق امداد ہے خواہ ہم سے بیعت ہو یا نہ ہو)۔

ف :- اس عہد پر عمل کرنے والا اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت دام مجدہم سے زیادہ ہم نے کسی کو نہیں پایا حضرت کے یہاں بیعت شرط افادہ نہیں ہے ۱۲ مترجم۔

(۱۸) جب کوئی شخص دوسری خانقاہ میں عرصہ تک مقیم رہنے کے بعد اس کی صحبت میں رہنے کیلئے آئے تو اس کو اپنے پاس رہنے کیلئے جگہ نہ دینا چاہئے ہاں اگر اس خانقاہ والوں کے پاس جسمیں یہ رہ چکا ہے پیغام بھیج کر اس کے قصہ کی تحقیق کر لی جائے (تو پھر اس کو اپنے پاس رکھنے کا مضائقہ نہیں) کیونکہ ممکن ہے یہ کسی ایسی حرکت کی وجہ سے نکلا ہو جو بیان کے بھی قابل نہ ہو یا کسی نفسانیت وغیرہ کی وجہ سے نکلا ہو، اگر ان موانع سے اس کو خالی پائے تو اپنی صحبت میں رکھ لیا جائے۔

(۱۹) اگر شیخ کے پاس کوئی ایسا شخص تربیت (باطن) اور ادب (طریق) حاصل کرنے کیلئے آئے جو کسی دوسرے شیخ کی بیعت میں (داخل) ہے تو اس پر اس کی خیرخواہی کرنا اور ادب سکھلانا واجب ہے، یہ مناسب نہیں کہ اس شخص کے ادب (ولحاظ) کی وجہ سے اس کو نصیحت نہ کیجائے ﴿وما کان عطاء ربک محظورا [1]﴾ تیرے پروردگار کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ہے (پس کسی شخص کی تربیت وتادیب سے یہ خیال کر کے نہ رکنا

---

(۱) الاسراء /۲۰۔

چاہئے کہ یہ ہم سے بیعت نہیں ہے ہم اس کی تربیت کیوں کریں؟) ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ اس شخص کے شیخ سے اجازت لے لی جائے گو یہ اجازت (توجہ) قلب ہی سے حاصل کی گئی ہو کہ (دل سے) یوں کہے کہ اے حضرت! میں آپ کا نائب بن کر آپ کے مرید کی تربیت ونصیحت کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے اس کی اجازت چاہتا ہوں۔

(۲۰) شیخ کو چاہئے کہ خانقاہ والوں یا درویشوں میں سے کسی پر جلدی غصہ نہ کیا کرے، بلکہ جب تک اس کے اندر قابلیت موجود ہو تحمل سے کام لے اور چپکے چپکے آہستہ آہستہ اس کی تربیت کرتا رہے یہاں تک کہ اس کی کجی درست ہو جائے، اور اگر اس کے اندر قابلیت ہی نہ ہو تو تقدیر الٰہی کے حوالہ کر کے چھوڑ دے، اور یہ اس کی شقاوت (وبدبختی) کی علامت ہوگی۔

سیدی ابراہیم متبولی جب درویشوں میں سستی اور بیکاری دیکھتے تو باورچی خانہ میں جاتے اور تخت پر لاٹھی مار مار کے یہ فرماتے کہ تو نے ہی ان کاہلوں کو میرے پاس جمع کیا ہے، پھر صبح ہوتے ہی یہ (کاہل) لوگ خانقاہ سے چل دیتے کسی کو ان سے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

برادرم افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے مریدوں کو علوم اور فضائل کی تعلیم دے کر خوش نہ ہو جب تک کہ اس کا ثمرہ (اور نتیجہ عمل کی صورت میں) نہ دیکھ لو، کیونکہ بعض لوگ تم سے علم حاصل کر کے اس علم ہی کے ذریعہ تم سے بحث کرنے لگیں گے اور سب سے زیادہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے ان لوگوں کا تو تم سے (استفادہ نہ کرنا اور) فضائل حاصل نہ کرنا ہی بہتر تھا۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ (اپنے مریدوں کی) مخالفت کے تحمل کرنے کا (جو ہم نے اوپر امر کیا ہے اسکا) محل اور موقعہ صرف اس صورت میں ہے جبکہ وہ لوگ ایسی بات کی مخالفت کریں جس کو ہم نے کتاب اللہ یا حدیث یا کلام صوفیہ سے خود سمجھا اور استنباط کیا ہو، اور اگر وہ ایسی بات کی مخالفت کریں جو کتاب اللہ یا حدیث میں صراحۃً وارد ہوئی ہے اس مخالفت کا تحمل ہم کو جائز نہیں، بلکہ اس پر عمل کرانے کیلئے ہم کو ان کے مقابلہ میں اسی طرح جہاد کرنا چاہئے جیسا کفار

کے مقابلہ میں جہاد کرتے ہیں۔

(۲۱) شیخ کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو بلاضرورت اپنے آپ کو کسی چیز میں بھی فقراء پر ترجیح نہ دے خصوصاً کھانے کی چیزوں میں، کیونکہ شیخ جب دوسروں سے (مجاہدہ و ریاضت [1] کا طالب ہے تو اس کے لئے ہر کھانے کی چیز مناسب نہیں (بلکہ اس کو خود لذائذ سے پرہیز کرنا اور دوسروں پر ایثار کرنا چاہئے) خواہ یہ تخصیص (اور ترجیح) اس وقف کی پیداوار میں ہو جو فقراء پر وقف کیا ہوا ہے یا (عام) ہدایا اور صدقات میں ہو (دونوں سے پرہیز کرنا چاہئے)۔

(۲۲) اگر فقراء کے پاس اکابر دولت (یعنی اہل حکومت) کے پاس سے کچھ (ہدیہ وغیرہ) اس غرض سے آئے کہ ان کی مصیبت کو فقراء اپنے اوپر لے لیں تو شیخ اور درویشوں کو اس (ہدیہ) میں سے اس وقت تک کچھ نہیں کھانا چاہئے جب تک ان کی حاجت پوری نہ ہو جائے، جو شخص حاجت پوری ہونے سے پہلے اس میں سے کچھ کھائے گا اس نے (گویا) اپنے بدن کیلئے کھجلی اور پھوڑے پھنسی اور درد (وغیرہ) کو بلا لیا ہے جیسا کہ تجربہ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ دواؤں میں اور تکالیف برداشت کرنے میں اس سے دو چند، سہ چند خرچ ہو جائے گا جتنا اس نے کھایا تھا، اور ظلمت قلب جو کچھ پیدا ہوگی وہ اس کے علاوہ ہے۔

(۲۳) جب (شیخ) فقراء کے پاس کوئی چیز ہدیہ کے نام سے آئے تو اگر میوہ کی قسم سے اور ایسی چیزوں میں سے ہو جو عادۃً تقسیم کی جاتی ہیں تو شیخ کو یہ چیز فقراء پر تقسیم کر دینا چاہئے اور اپنے گھر والوں کو بھی ان کے ساتھ شریک کر لے، اور اگر ایسی چیز ہو جو ذخیرہ بنا کر رکھی جاتی ہے تو فقراء اور مساکین کے واسطے اس کو ذخیرہ بنا کر رکھ لیا جائے، اور اگر قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ لانے والا یہ ہدیہ خاص شیخ کے واسطے لایا ہے جیسے جبہ۔ عمامہ۔ ٹوپی۔ جوتہ۔ وغیرہ تو شیخ کو اختیار ہے کہ اس کو خاص اپنے لئے مخصوص کر لے، یا درویشوں میں سے کسی کو دیدے۔

---

(۱) فی الاصل تروحن وظنی انہ تروض بالضاد المعجمۃ من الریاضۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

ف:- اور بہتر ہے کہ ہدیہ گول مول کبھی نہ لیا جائے بلکہ لانے والے سے صاف طور پر دریافت کرلیا جائے کہ کس کے واسطے لایا ہے، صرف شیخ کیلئے یا سب خانقاہ والوں کیلئے؟ ۱۲ مترجم۔

(۲۴) شیخ کو چاہئے کہ اپنے عزیز درویشوں اور پاس رہنے والوں کی نصیحت و وعظ میں کمی نہ کرے، دنیا اور دنیا کی آرائش سے ان کو بے رغبت بنائے، اور یہ بات ان کے ذہن نشین کردے کہ کوئی بندہ دنیا سے محبت نہیں کرتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے گر جاتا اور آسمان وزمین کے فرشتوں میں ذلیل ہو جاتا ہے، جب فقراء دنیا کو پھینک دینے اور اس کی خواہشوں سے بے رخی کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو حضرت شیخ کو سب سے پہلے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ درویشوں کو تو ترک دنیا کا حکم کرے، اور خود اس کی طرف رغبت کرے، اور محتاجوں سے بچا کر اپنے پاس ذخیرہ جمع کرے جیسا اس زمانہ کے فقراء کی ایک جماعت کو دیکھا جاتا ہے، (کہ وہ اپنے مریدوں کو تو ترک دنیا کا سبق پڑھاتے ہیں اور خود مال جمع کرتے ہیں) کیونکہ درویش جب اپنے شیخ کو دنیا پر گرتے ہوئے، یا کسی تولیت اور سجادگی کے وظیفہ (جاگیر) کیلئے جھگڑتے ہوئے، یا آمدنی اور جاگیر اور ہدایا کیلئے دور دراز کا سفر کرتے ہوئے دیکھیں گے حالانکہ اپنے شہر میں اس کو روٹی اور پھٹا پرانا کپڑا مل رہا ہے تو ترک دنیا کے متعلق وہ اس کی بات کیونکر مانیں گے؟ یہ تو قلبِ موضوع (اور الٹی بات) ہے۔

مشائخ سلف رضی اللہ عنہم ایسے نہ تھے بلکہ ان کا کوئی مرید بھی ایسا نہ ہوتا تھا، کیونکہ ارادت کا پہلا قدم دنیا میں اس درجہ زہد (اور اس سے ایسا بے رغبت ہونا) ہے کہ جب دنیا اس کے پاس آئے تو دل تنگ ہو جائے اور جب اللہ تعالیٰ دنیا کو اس سے روک دیں تو دل میں انشراح پیدا ہو جائے۔

ف:- یہ حالت جو علامہ نے اس مقام پر بیان فرمائی ہے اس کی حقیقت سے تو ہر مرید اور ہر شیخ کا آراستہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ زہد طریق باطن کا پہلا قدم ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے لیکن دنیا کو ہاتھ میں بھی نہ لینا اور جائز طریقہ سے بھی جمع نہ کرنا اور جائز طریقہ سے کسب نہ کرنا، یہ طریقہ متوکلین متجردین کا ہے، ہر مرید اور

ہر شیخ کو ایسا ہونا ضروری نہیں، ہاں دنیا پر گرنا پڑنا اور جاگیر ومنصب کیلئے جھگڑنا کسی حال میں جائز نہیں، کیونکہ یہ محض حب دنیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حب دنیا ممنوع ہے کسب دنیا ممنوع نہیں، دوسرے عہود میں علامہ نے اس حقیقت کو خود بھی واضح فرمایا ہے ۱۲ ظ۔

(۲۵) شیخ کو چاہئے کہ درویشوں کو دستکاری (اور صنعت وحرفت) کی رغبت دلائے تا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائیں، دین کے ذریعہ سے نہ کھائیں، اس کتاب میں یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ دین کے ذریعہ سے کھانے کا معیار یہ ہے کہ اگر بالفرض تمہارے اندر کوئی بھی صفت محمودہ نہ رہے (اور اچھی باتوں سے بالکل کورے ہو جاؤ) تو اس حالت میں کوئی تم کو کچھ نہ دے (تو تم کو بزرگی اور تقویٰ اور دینداری کی حالت میں جو کچھ ہدایا مل رہے ہیں اور تم لے رہے ہو یہ دین کے ذریعہ سے کھانا ہوا) اور اگر اس حالت میں بھی باوجود تمہارے فاسق وفاجر ہو جانے کے لوگ تم کو (ہدایا) دینے سے باز نہ رہیں تو اس وقت (بے شک) تم نے اپنے دین کے ذریعہ سے نہیں کھایا۔

ف:- خلاصہ یہ کہ جس ہدیہ کا منشا محض عقیدت ہو اس کو قبول نہ کرنا چاہئے اور جس کا منشا محبت ہو قبول کر لینا چاہئے۔ ہدیہ عقیدت تمہاری دینداری کا صلہ ہے اس کو قبول کرنا دین کے ذریعہ سے کھانا ہے اور ہدیہ محبت کا منشا محض تمہاری ذات ہے وہ دینداری کا صلہ نہیں گو اس محبت کا منشا بھی دینداری ہی ہے، مگر دونوں میں بڑا فرق ہے جس کو اہل ذوق سمجھتے ہیں۔ پس کسی اجنبی کا ہدیہ پہلی ملاقات میں قبول نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ محض عقیدت سے دے رہا ہے نہ کہ محبت سے اور جن لوگوں کی محبت کا کثرت مخالطت یا کثرت مکاتبت سے علم ہو چکا ہے ان کا ہدیہ قبول کر لیا جائے ۱۲ ظ۔

(۲۶) شیخ کو چاہئے کہ درویشوں کو یہ بات سمجھا دے کہ لوگوں کے صدقات خیرات اور اوقاف کا جو لقمہ بھی ان کے پیٹ میں پہونچتا ہے وہ ان کو خیرات اور وقف کرنے والوں کا غلام بنا دیتا ہے، اور جب یہ ان کے غلام بن گئے تو اب ان کی اس خدمت کا معاوضہ ان کے ذمہ ہو گیا اصلی غلاموں کی حالت پر قیاس کر کے (اس کو سمجھ لینا چاہئے) کیونکہ غلاموں پر

اپنے آقاؤں کی خدمت اسی واسطے واجب ہے کہ انہوں نے قیمت ادا کر کے ان کو خریدا (اور کھانے کپڑے کا ذمہ لیا) ہے ورنہ حقیقت میں وہ بھی اللہ ہی کے غلام ہیں جیسا ان کے آقا اللہ کے غلام ہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پھر جب مرید ان لوگوں کے صدقات اور میل کچیل اور ہدایا کھا کر ان کے احسان کا بدلہ دینا چاہے گا تو عارفین کے مقامات تک پہونچنے سے رک جائے گا، پس مرید کیلئے بھلائی کی صورت یہی ہے کہ دنیا سے الگ ہو جائے (اور خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے لوگوں کے صدقات وخیرات پر نہ رہے) والسلام۔

سیدی ابراہیم متبولی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی درویش کیلئے خانقاہ وغیرہ میں عبادت کیلئے یکسو ہو کر پڑ جانے کو پسند نہیں کرتا، جب تک اس کے پاس کوئی ایسا پیشہ نہ ہو جس سے اپنا بندوبست کر سکے، تاکہ روٹی دینے والے اور احسان کرنے والے ان اعمال کا ثواب آپس میں نہ بانٹ لیں جو ان کی روٹیوں کی قوت سے (درویش کے ہاتھوں) ظاہر ہوئے ہیں، کیونکہ اگر یہ روٹیاں نہ ہوتیں تو وہ عبادت پر قادر نہ ہوتا۔

پس شیخ کو چاہئے کہ اپنے پاس رہنے اور آنے جانے والے درویشوں کو تاکید کرے کہ اپنے پاس دنیا (کا سامان) اس سے زیادہ نہ رکھیں جتنا ایک مسافر منزل پر پہونچنے کیلئے کھانے، پہننے کا اور ضرورت کا سامان لیا کرتا ہے جس کے بغیر راستہ میں چارہ ہی نہیں مثلاً ایک پیالہ اور رسی، چاقو، اور جوتہ وغیرہ۔ فرش اور لحاف اور صندوق وغیرہ نہ رکھیں، نیز ان کو سونا اور چاندی جمع کرنے سے بالکل روک دے۔ اگرچہ اہل وعیال ہی کے بہانہ سے جمع کرتے ہوں۔ جو شیخ اس معاملہ میں اپنے مرید سے چشم پوشی کرے گا اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

اور آج کل تو فقراء کی خانقاہیں دنیا کی شکار گاہیں بن گئی ہیں، بلکہ میں نے تو بعض خانقاہوں میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جنکے پاس ایک ہزار دینار جمع تھے پھر بھی وہ صدقہ (خیرات کا مال) کھاتے تھے "**نسأل اللہ العافیة**" اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے، اور یہ بات مخفی نہیں کہ خانقاہوں کے اوقاف اور صدقات دراصل ان ہی لوگوں کیلئے مقرر کئے گئے

ہیں جو اللہ کی طرف منقطع ہو چکے ہیں (یعنی دنیا سے بالکل الگ ہو کر اللہ ہی کے ہو چکے ہیں) تو جو شخص اللہ کی طرف منقطع نہ ہو اس کا خانقاہوں کے اوقاف میں ہمارے نزدیک کچھ حق نہیں، اور عزیز من! ہوشیار آدمی ضروری اور غیر ضروری کو خوب پہچان لیتا ہے (پس حیلہ وتاویل سے غیر ضروری کو ضروری بنانا فضول ہے)

ف:- اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ان درویشوں کے متعلق ہے جو خانقاہوں کے اوقاف اور صدقات پر پڑے ہوئے ہوں ان کو روپیہ اشرفی جمع کرنا ممنوع ہے کیونکہ ان صدقات واوقاف میں جمع جوڑنے والوں کا حق نہیں ہے اور جو فقراء تجارت یا ملازمت وغیرہ کے ذریعہ سے گذر کرتے ہیں ان کو شرعی اجازت کے موافق مال جمع کرنا ممنوع نہیں۔

(۲۷) شیخ کو چاہئے کہ درویشوں کے سامنے سلف صالحین کے حالات بیان کرتا رہے کہ وہ ابتدائی حالت میں موٹی روٹی تھوڑے سے نمک یا سرکہ یا ساگ پات کے ساتھ کھایا کرتے اور موٹا جبہ اور سیاہ کپڑے اور سیاہ عمامہ پہنتے تھے تاکہ ان کے دھونے کیلئے صابون وغیرہ کی ضرورت نہ ہو۔

میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنا عمامہ اور جبہ سال بھر میں ایک دفعہ سے زیادہ عید الفطر کے سوا نہ دھوتے تھے، اور دونوں کو صرف نمک (کے پانی) سے دھولیا کرتے اور یوں فرماتے تھے کہ ہم اپنے سوا دوسروں کو صابن کی اجازت دیتے ہیں۔ اور سیدی ابراہیم متبولی کے متعلق بیان کیا کرتے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے کپڑے نمک (کے پانی) سے دھویا کرتے تھے۔

(۲۸) جو لوگ شیخ کے پاس خانقاہ میں دنیا سے الگ ہو کر مقیم ہو گئے ہوں ان کو تاکید کرنا چاہئے کہ ابتدائی حالت تربیت میں شامی قیمتی عبائیں اور زردوزی کی شالیں اور قیمتی عمامے نہ پہنا کریں، اور ان سے کہنا چاہئے کہ درویش جب دنیا والوں جیسا لباس پہنیں گے اور دنیا کے تعلقات بڑھائیں گے تو لامحالہ حرفت اور تجارت کرنے یا متفرق مسجدوں میں جاگیر حاصل کرنے پر مجبور ہوں گے جیسا غریب محتاج طالب علموں کو دیکھا جاتا ہے، پھر جب

وہ حرفت (وتجارت) میں اس غرض سے مشغول ہوں گے کہ اس کے ذریعہ سے قیمتی لباس اور قیمتی سامان خریدیں تو گویا وہ (ابھی تک) دنیا کی محبت سے نہیں نکلے، بلکہ یہ تو ان لوگوں سے بھی بدتر ہوں گے جو ہنوز فقراء کی صحبت (بیعت) میں داخل بھی نہیں ہوئے، صوفیہ نے فرمایا ہے کہ صحبت فقراء میں داخل ہونے سے پہلے آدمی چاندی کے درہم جیسا ہوتا ہے اور ان کے طریق کو چھوڑنے کے بعد آدھا کھوٹا درہم ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو درویش کسی خانقاہ میں قرآن اور ذکر میں مشغول رہنے کیلئے بیٹھ گیا ہو اور اس کے حجرہ یا گھر میں دنیا کا سامان اس مقدار سے زیادہ ہو جتنا دور دراز مسافت کے مسافر کے پاس ہوا کرتا ہے تو وہ قوم کے راستہ سے باہر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم کو دنیا میں سے سوار کے توشہ کے برابر کافی ہو جانا چاہئے تو جو درویش اپنے نفس کا خیر خواہ ہو اسے اپنی حالت میں غور کرنا چاہئے اور اپنے نفس سے خیانت کر کے یہ بہانہ اور حیلہ نہ کرنا چاہئے کہ مجھے فلاں فلاں سامان کی ضرورت ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔

اور اگر شیخ یہ چاہتا ہے کہ وہ اور اس کے پاس رہنے والے اور اس کے سب مرید سچے فقراء میں داخل ہو جائیں تو اس کو اور اس کے سب درویشوں کو اس بات پر اتفاق کر لینا چاہئے کہ لوگوں کی زکوۃ خیرات میں سے جو کچھ بھی ان کے پاس آئے گا اس کو واپس کر دیا کریں گے، اور جو کوئی تقسیم کے واسطے ان کے پاس کچھ لائے گا اس پر غصہ اور ناگواری ظاہر کیا کریں گے اور سچے دل سے کہہ دیا کریں گے کہ ہم جیسوں کو زکوٰۃ دینے سے تیری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ ہم کما کر کھانے پر قادر ہیں تاکہ وہ دوبارہ ان کے پاس صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لے کر نہ آئے، اور تاکہ شیخ کو بھی لوگوں کے میل کچیل اور گناہوں (کی گندگی) کے تقسیم کرنے سے آرام دیدیں، کیونکہ جو شخص کسی شیخ سے یہ کہتا ہے کہ میری زکوٰۃ لے لیجئے اور اس کو درویشوں پر تقسیم کر دیجئے وہ ایسا ہے جیسا کوئی شیخ سے یوں کہے کہ میرے فضلات (پیشاب پاخانہ) اور خون سنک بغل کا میل اور تھوک لے کر درویشوں پر اور اپنے بال بچوں پر تقسیم کر دیجئے اور خود بھی اس میں سے کھا لیجئے اور ان کے بدن اور دل پر اسکو مل دیجئے ان

سب باتوں کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ''ان هٰذه **الصدقات انما هی من اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولآل محمد** (اخرجہ مسلم ۱۲ ظ) کہ یہ زکوۃ اور صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے اور وہ محمد اور آل محمد ﷺ کیلئے حلال نہیں''۔

علماء لغت نے فرمایا ہے کہ لفظ وسخ (جس کا ترجمہ میل کچیل کیا گیا ہے) پیشاب پاخانہ کو بھی شامل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ بری چیزوں کو اشارہ کنایہ سے بیان فرمایا کرتے تھے (اس لئے حضور ﷺ نے یہاں بھی عام لفظ اختیار فرمایا) پھر اس میں شک نہیں کہ صدقہ کرنے والے کی کمائی کے اعتبار سے اس کے میل کچیل کی قباحت زیادہ اور کم ہو جاتی ہے، اگر کوئی دکھلاوے کیلئے صدقہ کرتا ہے یا معاملات میں خیانت کرتا اور چونگی وصول کرتا اور رشوت کا مال لیتا ہے اس کا میل کچیل قباحت میں پیپ اور پاخانہ جیسا ہوگا اور اگر وہ معاملات میں خیر خواہی کرتا ہے، لیکن ایسے لوگوں کے ہاتھ (اپنا مال) بیچتا ہے جو ان گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور ظالموں وغیرہ (کے مال بیچنے) سے پرہیز نہیں کرتا اس کا میل پیشاب جیسا ہوگا۔ اسی پر قیاس کرلو اور اقل درجہ یہ ہے کہ یہ میل تھوک جیسا ضرور ہوگا۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ درویش کیلئے اس زمانہ میں مخلصی کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ مضطر کی طرح کھایا کرے (کہ جب جان پر بن جائے اس وقت بقدر سدرمق کھالیا کرے) کیونکہ صنعت وحرفت والا بالفرض اپنی صنعت وحرفت میں خیر خواہی بھی کرتا ہو (دھوکہ فریب نہ کرتا ہو) تو (بتلاؤ) وہ بیچے گا کس کے ہاتھ؟ کیونکہ جو تاجر اور صناع دینداری میں مشہور ہیں وہ بھی آج کل اس روپیہ کو واپس نہیں کرتے جو حرام اور مشتبہ مال میں سے ان کو دیا جاتا ہے، اور جو شخص ان لوگوں میں سے کسی خریدار کے ہاتھ مال بیچتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا بلا واسطہ ظالموں کے ہاتھ مال بیچا ہو۔

سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حرام (مال) کھانا (ہر حال میں) مضر ہے، گو کھانے والے کو خبر بھی نہ ہو (کہ میں نے حرام کھایا ہے) جیسے زہر کھانا مضر ہے گو کھانے والے کو (زہر کی) خبر نہ ہو۔ خوب سمجھ لو۔

(۲۹) خانقاہ کے شیخ اور صاحب خلافت شیخ کو اس بات سے بچنا چاہئے کہ درویشوں کے واسطے جو آمدنی ہے اس میں سے کچھ رقم لے کر اپنے یا اپنی اولاد، اہل وعیال کے خرچ میں وسعت کرے کیونکہ یہ (صریح) خیانت ہے، دوسرے یہ کہ شیخ نے (خانقاہ کیلئے) جو کچھ وصول کیا ہے وہ فقراہی کی وجہ سے اور انہی کے نام سے کیا ہے اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اس کو کچھ بھی نہ دیا جاتا۔

پس شیخ کو اور اس کے خدام کو اس آمدنی سے اپنے واسطے زردوزی کے کپڑے اور اونی باریک یا اونی قیمتی کپڑے یا عمدہ شال اور بستر وغیرہ نہ بنانا چاہئے، نہ اپنے واسطے کوئی گھر بنائے، نہ حجرہ، نہ اپنی اولاد کو اس سے کپڑے پہنائے، نہ اس سے کوئی گدھا اور خچر خریدے، نہ اس سے کھیتی کر کے یا باغ لگا کر اپنے اور اپنی اولاد کے نام کرے، کہ یہ سب باتیں اس کی آمدنی اور اس کی خانقاہ کی آمدنی کی برکت مٹانے والی ہیں، اور اگر اس کے واسطے روزانہ تین سو نصف[1] کی آمدنی ہو تو اس کا حال تو کھلا ہوا ہے جس کو شک ہو وہ آزما کر دیکھ لے۔

ف: — اس عہد کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ جو رقم اور جو آمدنی درویشوں کے نام سے ہو شیخ کو اسے اپنے اور اپنے گھر والوں کے خرچ میں نہ لانا چاہئے، ہاں جو آمدنی خاص شیخ کے نام سے اور اسی کے واسطے ہو اس کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے خرچ میں لایا جائے، مگر اس میں بھی دنیا داروں کی طرح گل چھرّے نہ اڑائے، بلکہ درویشوں کے طریق پر اپنا گذران رکھے۔۱۲ مترجم

(۳۰) جب شیخ کی برکت ظاہر ہونے لگے اور اس کا نام مشہور ہو جائے، مرد اور عورتیں اس سے برکت حاصل کرنے لگیں تو اس کو کسی اجنبی عورت کے بدن پر بیماری یا نظر وغیرہ کی جھاڑ پھونک کیلئے ہاتھ رکھنے سے احتراز کرنا چاہئے خصوصاً ان لوگوں کو جو دسویں صدی کے اندر پہنچ گئے ہیں جو شہوات دنیا پر ایسے گرتے ہیں جیسے مکھی شہد پر گرتی ہے۔

سیدی الشیخ ابوبکر حدیدی نے سیدی الشیخ محمد عدل کو دیکھا کہ ایک عورت کو جھاڑتے ہوئے کپڑے کے اوپر سے اس کے دل کو دبا رہے ہیں تو بلند آواز سے چلا کر فرمایا وامحمداہ

---

(۱) کوئی سکہ ہے جو مصر میں اس وقت رائج تھا ۱۲ ظ۔

(اے محمد) ہائے یہ گناہ! کیا تم معصوم ہو جو اجنبی عورت کے بدن کو ہاتھ لگا رہے ہو اور جو شخص مقتدائے قوم ہو، لوگ جس کا اتباع کرتے ہوں، اس کو تو اس عہد پر عمل کرنا خصوصیت کے ساتھ (بہت زیادہ) ضروری ہے۔

ف:- آج کل ایسے جاہل پیر بھی پیدا ہو گئے ہیں جو عورتوں کو مرید کر کے ان سے پردہ نہیں کرتے اور خلوت میں بے تکلف ان کو اپنے پاس آنے دیتے اور خدمت لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو ان لوگوں سے بچائے۔ مسلمانوں کو اس عہد میں غور کرنا چاہئے کہ حضرات سلف صالحین کو اس معاملہ میں کس قدر احتیاط تھی۔۱۲ مترجم۔

(۳۱) اگر شیخ کسی ظالم حاکم کے پاس کسی کی سفارش لے جائے اور وہ اس کی سفارش کو منظور نہ کرے تو اس سے مکدر نہ ہونا چاہئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ خدا نے اس کے اور اس کے درمیان ایسی بات پیدا کر دی جس سے دونوں میں نفرت پیدا ہو گئی۔ اب اس کا دل اس کی طرف مائل نہ ہوگا تو اس کا حشر بھی اس کے ساتھ نہ ہوگا اور اگر کوئی حاکم ہمیشہ اس کی سفارش منظور کر لیا کرے تو لامحالہ اس کا دل اس کی طرف مائل ہوگا، یہ بات بہت لوگوں پر مخفی ہے (اس نکتہ کو بہت لوگ نہیں سمجھتے)۔

(۳۲) جب شیخ اللہ کے راستہ کا مقتدیٰ بن جائے تو اس کو سلطان کا وظیفہ یا شاہی لنگر کا کھانا قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ مجھے دربار شاہی کے معتبر لوگوں نے اطلاع دی ہے کہ جو مال وظائف یا (لنگر کے) دسترخوان پر خرچ کیا جاتا ہے وہ شراب اور بادہ اور بھنگ وغیرہ کی آمدنی کا ہوتا ہے جس کو شک ہو وہ درباریوں سے دریافت کر لے؛ یہ حکم تو اس صورت میں ہے جب بدون اس کے مانگے وظیفہ مل رہا ہو اور اگر یہ خود سوال کرے یا اس غرض سے سفر کرے کہ بلاد روم (بارگاہ خلافت) سے وظیفہ مقرر کرائے تو اس (کی قباحت) کا تو کیا پوچھنا۔

اور جو شخص اپنے کو شیخ المشائخ کہتا ہو اسے کب زیبا ہے کہ شاہی ملازموں یا سپاہیوں سے مردار دنیا اور اس کے میل کچیل کیلئے مزاحمت کرے اور یوں کہے کہ اس دنیا کو میرے واسطے چھوڑ دو کہ میں اس کو لے لوں، کیونکہ میں بزرگ ہوں شیخ ہوں، حالانکہ (اس صورت

میں)اسکو یوں کہنا مناسب تھا کہ میں بڑوں میں سے ہوں، پھر جو شخص شاہی وظیفہ یا شاہی لنگر کا کھانا اپنے واسطے مقرر کرانا چاہتا ہے اس کو سب سے بری صورت یہ پیش آتی ہے کہ شاہی ملازموں کے سامنے دھوکہ فریب سے کام لینا پڑتا ہے، ان کے سامنے اپنی بزرگی اور زہد کو ظاہر کرتا ہے اور اندھوں، محتاجوں، اپاہجوں، یتیموں، بیواؤں پر خرچ کرنے کا بہانہ کرتا ہے (کہ میں اپنے واسطے وظیفہ نہیں چاہتا بلکہ غریبوں، محتاجوں کے واسطے چاہتا ہوں) اور پاشایا سلطان کے پاس جو درخواست جاتی ہے اس میں بھی اسی قسم کی باتیں لکھی جاتی ہیں، اس میں اللہ عزوجل کی شکایت بھی لکھی جاتی ہے کہ میرے اور درویشوں کے پاس اتنا نہیں ہے جس سے گذر چل سکے حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی (۸۰) برس یا اس سے بھی زیادہ مدت سے اس کو روزی دے رہے ہیں ایک دن بھی اس کو نہیں بھولے، پھر جب وظیفہ مقرر ہو جاتا ہے تو کچھ مدت تک تو درویشوں پر اور ایسے لوگوں پر جن کی زبان درازی کا اندیشہ ہو خرچ کیا جاتا ہے، پھر اس کو اپنے واسطے اور اپنی اولاد و اہل وعیال کے واسطے خاص کر لیا جاتا ہے اور جن فقراء کے بہانہ سے وظیفہ لیا گیا تھا ان کو آہستہ آہستہ محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ خانقاہ میں اس کا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

پس وظیفہ اور شاہی لنگر کا کھانا اگر بالفرض فی نفسہ حلال بھی ہوتا تو اس دھوکہ فریب اور تخصیص کی وجہ سے حرام ہو گیا ہے کہ جن فقراء کے نام سے لیا گیا تھا ان کو محروم کر دیا جاتا ہے، کیونکہ شاہی ملازم رعایا میں سے کسی دھوکہ باز کو جو سارا وظیفہ اپنے اور اپنی اولاد ہی کیلئے مخصوص کر لے تمیں نصف روزانہ نہیں دے سکتے یہ تو بڑے امیر کبیر کی جاگیر ہے جو مسلمانوں کی مصالح کیلئے لشکر کو لئے لئے (ادھر ادھر) سفر کرتا رہتا ہے۔

پس اے حضرت شیخ! خدا کیلئے بتلاؤ تو سہی کہ تم سے مخلوق کو کیا نفع پہونچ رہا ہے؟ جو تم مسلمانوں کے مال میں سے اتنی بڑی رقم لے رہے ہو، پھر حضرت شیخ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ رقم ان کو بدون مانگے دی جاتی تب بھی اسکو واپس کر دینا اور اس سے احتیاط کرنا مناسب تھا تاکہ ان لوگوں پر خرچ کر دی جائے جو مسلمانوں کو نفع پہنچا رہے ہیں (چہ جائے کہ خود سوال کر کے اور طرح طرح کی کوششوں سے اس کو حاصل کیا جائے)۔

اور جب طائفہ فقراء (حضرات صوفیہ) کے نزدیک دنیائے حلال کی محبت سے بھی شیخ مشیخت سے معزول کئے جانے کا مستحق ہو جاتا ہے تو دنیائے حرام کی محبت کا کیا ہوگا؟ (اس کو خود سمجھ لینا چاہئے) حضرات سلف صالح میں سے جن کو ہم نے پایا ہے ان میں یہ باتیں بالکل نہ تھیں یہ تو اس زمانہ میں ان لوگوں کے اندر پیدا ہوگئی ہیں جو ان کی نقل اتار رہے ہیں۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ف:- الحمد للہ! ہم نے بھی جن اکابر طریق کو دیکھا ہے وہ سب سلطانی عطایا شاہی خطابات اور ریاستوں کے وظیفوں سے بالکل بیزار تھے، ان میں سے کسی نے بھی اپنے واسطے یا اپنی خانقاہ کے واسطے کسی ریاست سے وظیفہ مقرر کرانے کی کوشش نہیں کی، نہ اپنی کسی کتاب کو رئیسوں، نوابوں کی خدمت میں پیش کر کے اس کی اشاعت وطباعت کے واسطے کوئی رقم طلب کی، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب سلسلہ والوں کو اس بلائے محبت دنیا سے محفوظ رکھے۔ آمین ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔ ۱۲ مترجم۔

(۳۳) اگر شیخ کسی ایسے وقف کا جو فقراء اور مجاورین خانقاہ کے متعلق ہے متولی بن جائے تو اس کو چاہئے کہ اس وقف کو ظالموں سے بچانے کی کوشش کرے اور حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا کوئی حصہ بھی اپنے واسطے مخصوص نہ کرے، بلکہ وقف نامہ میں جو مصارف مقرر کردیئے گئے ہیں انہی میں صرف کردیا کرے۔ نیز جو فقراء خانقاہ میں اس کے پاس رہتے اور وقف سے کھانا کھاتے ہیں ان کو تاکید کرے کہ سستی اور بے کاری کو چھوڑ کر مشغلہ علم اور کثرت ذکر اور تلاوت قرآن میں اخلاص کے ساتھ لگے رہیں دنیا سے بالکل بے رغبت ہو جائیں، تاکہ اللہ کی مدد سے ان کی حمایت ہو اور اس بات کے مستحق ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ (اسباب) رزق کو ان کے واسطے مسخر کردیں، کیونکہ جن فقراء کو اپنے وقف کے وصول کرنے میں شاہی پیادوں کی (مدد کی) ضرورت ہو یا درخواست (اور نالش) کرنا پڑے وہ دعویٰ فقر دعویٰ تجرد میں جھوٹے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ ہونے اور زیادہ مشغول (ذکر) ہونے کی ضرورت ہے۔

بعض آثار[1] میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اے دنیا! جو میری خدمت

(۱) دیکھیں: الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ ص ۳۹۔

کرے تو اس کی خادم بن جا، اور جو تیری خدمت کرے اس (کی مخدوم بن جا اور اس) سے خدمت لے'' پس اگر ان فقراء خانقاہ کا زہد سچا ہوتا تو دنیا اسی طرح ان کی غلام ہو جاتی جس طرح اس شیخ کی غلام ہو گئی تھی جس کی خانقاہ میں وہ رہتے ہیں، کیونکہ لوگ اگر اس کے اندر دنیا کی محبت (کا ذرا سا بھی اثر) دیکھتے تو چڑیا کے گھونسلہ کے برابر بھی (زمین) اس کی خانقاہ کیلئے وقف نہ کرتے، اللہ تعالیٰ نے تسخیر رزق کا ذمہ انہی لوگوں کے واسطے لیا ہے جو رات دن اس کی عبادت ہی پر متوجہ رہیں، اور جو لوگ بے کار سست پڑے رہتے ہیں ان کیلئے اس تسخیر کا ذمہ نہیں لیا گیا، بلکہ ان کو تو دنیا داروں کی طرح کمانے، کسب کرنے، مشقت اور پریشانی برداشت کرنے کا حکم کیا گیا ہے۔

ف :- الحمد للہ! اس زمانہ میں ہمارے سامنے ارباب توکل کے طریقہ پر صرف خانقاہ امدادیہ چل رہی ہے، نہ اس کے واسطے کوئی وقف ہے، نہ چندہ ہے، نہ ذرائع آمدنی کیلئے کسی قسم کی کوئی کوشش ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے "من حیث لا یحتسب" اس کا کام چل رہا ہے اور جب تک اہل خانقاہ اللہ کی طرف اس طرح متوجہ رہیں گے جس طرح اب تک ہیں انشاء اللہ اسی طرح غیب سے اس کا سامان ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ خدام خانقاہ کو ہمیشہ اس کی توفیق عطا فرمائے ۱۲ ظ۔

(۳۴) اسی طرح شیخ کو چاہئے کہ درویشوں کو یہ بات بتلاتا اور سمجھاتا رہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو لوگوں پر یا اپنے ان بھائیوں پر جو عبادت اور خدمت میں کوشش کر رہے ہیں بوجھ ہو جائیں گے تو ان کا رأس المال (سرمایہ) کم ہو جائے گا اور ان کے واسطے کسی نفع کی امید نہ ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ جس شخص کو صرف آخرت کی فکر ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی پراگندگی (اور پریشانی) کو سمیٹ دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں اس کو گمان بھی نہ ہوگا، اور جس کو صرف دنیا کی فکر ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی مجموعی حالت کو پریشان و پراگندہ کر دے گا پھر دنیا بھی اس کے پاس اتنی ہی آئے گی جتنی اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

نیز یہ بات بھی سمجھا دے کہ جو شخص کمانے (محنت مزدوری کرنے) پر قادر ہو اس کے لئے علماء نے صدقات (وخیرات واوقاف) کا مال کھانا اسی وقت مباح کیا ہے جبکہ وہ علم (شرعی کی تحصیل) میں مشغول ہو یا صوفیہ کے طریقہ پر مجاہدہ میں لگا ہوا ہو کیونکہ (اس صورت میں) اس سے اللہ کے بندوں کو علم ظاہر کا نفع پہونچنے کی امید ہے اور دین کا شعار قائم ہوگا۔ نیز لوگوں کو علم باطن کا نفع پہونچے گا اور روحانی سلطنت میں دین کا شعار قائم ہوگا، کیونکہ جس طرح اجسام ظاہر کی سلطنت ہے اسی طرح قلوب کی بھی سلطنت ہے، دونوں میں کچھ فرق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ظاہر بھی رکھا ہے اور باطن بھی۔ خوب سمجھ لو۔

اور بدون (علم) باطن کے ظاہر قابل اعتبار نہیں اور بدون (علم) ظاہر کے باطن کا اعتبار نہیں، کیونکہ یہ تو زندقہ (اور بددینی) ہے، جو شخص دونوں علموں کا جامع ہو وہ اپنے زمانہ کا حکیم ہے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص وقف کا مال بے موقعہ صرف کرے اور اپنے واسطے ہی خاص کر لے یا اس سے اپنی اولاد کا نکاح کرے یا اپنی عورتوں کو زیور پہنائے یا گھوڑوں پر سوار ہو یا اس کے ذریعہ سے خوبصورت عورتوں کو اپنے نکاح میں لائے، یا وقف کا مال ایسے درویشوں پر خرچ کرے جو بیکار یا سست پڑے رہتے ہوں یا خانقاہ (اور مدرسہ) وغیرہ میں شیخ کی اطاعت سے باہر ہوں تو اس وقف کی حفاظت بہت دشوار ہے اگر چہ اس کے قبضہ میں سلاطین کے پروانے بھی ہوں اور ظالموں اور حاکموں کو جس قدر رشوتیں دینا پڑیں گی یہ تو طویل قصہ ہے (اس کا پوچھنا ہی فضول ہے) جیسا کہ مشاہدہ میں آرہا ہے۔

ف:- اس عہد سے معلوم ہوا کہ طالبان علوم شرعیہ و طالبان سلوک باطن کو باوجود کسب اور محنت پر قادر ہونے کے صدقات واوقاف کے مال سے کھانا پینا اور محنت ومزدوری کر کے نہ کمانا جائز ہے، کیونکہ تحصیل علم اور سلوک باطن کیلئے یکسوئی اور دلجمعی کی ضرورت ہے دنیا کے دھندوں کے ساتھ نہ علم ظاہر میں کمال حاصل ہو سکتا ہے، نہ علم باطن میں، پس نو تعلیم یافتہ جماعت کا طلبۂ علم دین پر یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ یہ لوگ قوم کے صدقات واوقاف ہی پر پڑے رہتے ہیں خود کما کر نہیں کھاتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ نو تعلیم یافتہ بھی تو اپنے والدین کے سر پڑ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں یہ بھی زمانۂ تعلیم میں خود کما کر اپنی تعلیم کے مصارف برداشت نہیں کرتے، پس زمانۂ تعلیم میں دوسروں کے سر پڑنا دونوں میں مشترک ہے، اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد طلبۂ علوم شرعیہ کسی کے سر نہیں پڑتے، بلکہ محنت کر کے کھاتے کماتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ نو تعلیم یافتہ تعلیم سے فارغ ہو کر بھی اکثر والدین کے سر پڑے رہتے ہیں کیونکہ آج کل انگریزی پڑھنے والے بہت زیادہ بے کار اور قوم پر بار بنے ہوئے ہیں۔ طلبہ عربی بیکار نہیں پھرتے وہ کسی نہ کسی طرح اپنی معاش کا سامان کر ہی لیتے ہیں خواہ امامت سے یا مدرسی یا طب سے اور کچھ نہ ہو تو مؤذن و ملا ہی بن جاتے ہیں۔

ف:- اس عہد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیکار اور سست طلبہ اور سالکین پر وقف کا مال خرچ کرنا وقف کی بربادی کا سبب ہے، اہل مدارس کو اس پر خاص طور سے توجہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ ان مدارس کی بقا اور ترقی کو دین کی حفاظت کیلئے ضروری سمجھتے ہیں تو ایسے طلبہ پر مدرسہ کی رقم ہرگز صرف نہ کریں جو پڑھنے میں کاہل اور حاضری درس میں سست اور اخباری باتیں دیکھنے سننے اور بکواس لگانے میں چست ہیں یا فطرۃً ان کا ذہن ہی تحصیل علم کیلئے موزوں نہیں۔ ایسے طلبہ کو اردو زبان کے چند رسائل دینیات پڑھا کر مدرسہ سے الگ کر دیا جائے تا کہ امور معاش میں مشغول ہو کر اہل حقوق کے حقوق ادا کریں ۱۲ مترجم۔

(۳۵) جب شیخ اپنے آپ کو درویشوں کیلئے آمدنی وصول کرنے سے عاجز پائے تو ان کو آمدنی کی موقوف ہونے کا سبب بتلائے اور کہے کہ تم اپنے پروردگار کی خدمت (و اطاعت) کی طرف لوٹ آؤ تا کہ میں تمہارے واسطے کچھ حاصل کر سکوں ورنہ اپنے سوا کسی کو الزام نہ دینا۔ اور جب حق تعالیٰ نے طالب علم کیلئے رزق کے آسان اور مسخر کرنے کا بدون سوال کے ذمہ لیا ہے تو جو خود اللہ تعالیٰ کا طالب ہو اس کا تو کیا پوچھنا، پس اگر کسی وقت طالب خدا یا طالب علم کے رزق کا راستہ (بند یا) دشوار ہو جائے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے علم اور ذکر سے اللہ کی رضا کا طالب نہیں (بلکہ اس کی نیت میں فساد ہے)۔

آج کل اس راستہ پر چلنا بہت لوگوں کو دشوار ہو رہا ہے کیونکہ ان میں ریا اور غیر خدا کی

طلب غالب ہے اور (اسی وجہ سے) طلبہ کا استاد اور درویشوں کا شیخ ان کیلئے ایک روٹی بھی ہزار حیلوں کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا ہے۔

سیدی احمد زاہد نے فرمایا کہ علم میں اخلاص کا اقل درجہ یہ ہے کہ طالب علم گمنامی سے محبت کرتا اور مشہور نہ ہونا چاہتا ہو، اور اپنے تمام ہمسروں کا علم وعمل اور بزرگی میں لوگوں کے نزدیک اپنے سے زیادہ بلند ہونا اس کو محبوب ہو اور جب اس کو فسق وفجور کی طرف منسوب کیا جائے تو نفسانیت کی وجہ سے ایک بال بھی بیکا نہ ہو، اسی طرح اگر اس کو جہل اور قلت فہم کا الزام دیا جائے (اس وقت بھی دل میلا نہ ہو) اور اگر کسی محفل میں شریک ہونے کا اتفاق ہو اور اس کو دوسروں سے زیادہ علم حاصل ہو تو اس کا نفس لوگوں پر فوقیت ظاہر کرنے کیلئے گفتگو کا خواہشمند نہ ہو۔ شیخ احمد زاہد نے معیار اخلاص کے متعلق اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں بیان کیں، اور آج کل ان باتوں کا وجود بہت ہی نادر ہے۔

(۳۶) شیخ کیلئے مناسب ہے کہ اس کو تمام علوم شرعیہ کا اتنا علم ضرور حاصل ہو جو اس کے پاس رہنے والوں کو کافی ہو جائے، تاکہ ان کو ایسے لوگوں کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے جو صوفیہ کے مشرب پر نہیں ہیں۔ کیونکہ مشرب کا اختلاف بہت مضر ہے جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے، اسی وجہ سے سیدی یوسف عجمی نے اپنی خانقاہ میں جو قرافہ میں تھی منبر قائم کر کے جمعہ کی نماز خود پڑھانا شروع کردی تھی کیونکہ ان کو محسوس ہوا کہ جامع عمرو بن العاص میں جانا خانقاہ والوں کے قلوب کو متفرق (اور پریشان) کر دیتا ہے (یعنی جو دلجمعی اور یکسوئی ان کو خانقاہ میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے وہ بڑی جامع مسجد میں جا کر فوت ہو جاتی ہے)۔

ف:- خانقاہ امدادیہ میں پہلے جمعہ اور عیدین کی نماز نہ ہوتی تھی، مگر دس بارہ سال کا عرصہ ہوا کہ حضرت حکیم الامۃ نے اس میں جمعہ اور عیدین کی نماز قائم کرنے کی اجازت دیدی، عوام نے اس پر بہت اعتراضات کئے، مگر طریق باطن کی مصالح کو نہ عوام سمجھ سکتے ہیں نہ علماء ظاہر۔ پس سخن کوتاہ باید۔ والسلام۔ ۱۲ظ۔

(۳۷) شیخ کو اس بات سے بچنا چاہئے کہ ایسے شخص کو درویشوں کا شیخ بنائے جو کتاب اللہ اور حدیث سے جاہل ہے، کیونکہ ایسے شخص کی مشیخت قائم نہیں رہ سکتی، اور خانقاہ کے شیخ

کیلئے یہ بات نازیبا ہے کہ اس کو علم حاصل کرنے کیلئے خانقاہ سے باہر جانے کی ضرورت ہو، صوفیہ نے فرمایا ہے کہ (پہلے) دین کا علم حاصل کرو، پھر اپنے گھر میں بیٹھو اور گوشہ نشینی اختیار کرو۔

نیز یہ بھی جان لینا چاہئے کہ خانقاہ والے جب اپنے آپ کو شیخ سے زیادہ عالم پائیں گے تو لامحالہ اسے اپنی نگاہوں میں حقیر دیکھیں گے، اور اس کی تربیت سے نفع حاصل نہ کر سکیں گے۔

خلاصہ یہ کہ کسی شیخ کی مشیخت کسی جماعت پر اسوقت تک پوری طرح قائم نہیں ہو سکتی جب تک وہ علم ظاہر اور علم باطن دونوں کو سب سے زیادہ نہ جانتا ہو ورنہ لوگ اس کے منقاد (اور مطیع) نہ ہو سکیں گے۔

ف:- اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اصول کے موافق ہے، مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیخ کو اپنے کسی مجاز کے متعلق یہ امید ہوتی ہے کہ باوجود علم ظاہر میں کامل نہ ہونے کے بھی علماء ظاہر اس کی قوت باطنیہ اور تقویٰ سے مغلوب ہو کر اس کی اطاعت وانقیاد کو اپنے لئے باعث فخر سمجھیں گے، چنانچہ سلف میں بھی بعض مشائخ امی ہوئے ہیں اور ہمارے اکابر ومعاصرین میں بھی بعض مشائخ امی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو علم باطن ایسا عطا فرمایا ہے کہ ان کے سامنے علماء ظاہر کی گردنیں جھک گئیں اور وہ اپنے علم کو ان کے علوم کے سامنے لاشی سمجھنے لگے، ہاں ضروری مسائل اور احکام شرعیہ سے واقف ہونا ہر شیخ کو ضروری ہے، خواہ یہ علم محض صحبت علماء سے حاصل ہو گیا ہو یا اردو فارسی رسائل دینیات کے پڑھنے سے۔ درسیات سے فارغ ہونے پر ہی علم شرعی موقوف نہیں۔ پس کوئی ولی جاہل نہیں ہوتا گو وہ عرفی عالم نہ ہو۔ ۱۲ ظ

(۳۸) شیخ کو چاہئے کہ جس درویش کی طبیعت دوسروں کا رنگ چرالیتی ہو اس کو نااہل کی صحبت سے بالخصوص ایسے شخص کی صحبت سے جو پہلے تو شیخ کے پاس رہتا تھا پھر اس سے اعراض کر کے اور اس کے طریقہ کو چھوڑ کر چلا گیا ہے، بالکل روک دے کیونکہ جو کوئی اس کے پاس بیٹھے گا وہ اس کو اس طریقہ کی مدح کر کے جو اس نے اپنی ناقص عقل سے اختیار کیا ہے

بگاڑ دے گا۔

لوگوں نے تفتیش کر کے دیکھا تو کسی درویش کو بھی جو (اپنے شیخ کی) تربیت سے نکلا تھا کبھی فلاح کو پہونچتا ہوا نہیں پایا۔ کیونکہ وہ اپنے شیخ کو دنیا کے سوا اور کسی وجہ سے نہیں چھوڑتا اور اگر وہ طالب آخرت ہوتا تو شیخ کو ہرگز نہ چھوڑتا۔ اور اس زمانہ میں اکثر مرید دل کے اندھے ہیں وہ جب کسی کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ شیخ کو چھوڑ کر بڑا سا عمامہ باندھنے لگا، اچھا لباس پہننے لگا تو ان کے دل بھی (تربیت سے) نکلنے پر مائل ہو جاتے ہیں تا کہ وہ بھی ایسے ہی بن جائیں، اور یہ بات ان کی عقل میں نہیں آتی کہ اس نے بڑا عمامہ اس وقت تک نہیں باندھا جب تک تقویٰ کو چھوڑ کر حرام مال کھا کر، دنیا کی طرف متوجہ ہو کر دل کو سیاہ نہیں کر لیا، اس نے اپنا ظاہر تو سنوار لیا مگر باطن کو میلا کر دیا، اور بالکل برباد ہو گیا۔

(۳۹) اگر شیخ کے پاس کچھ دنیا (کا مال) درویشوں میں تقسیم کے واسطے آئے تو اس کو چاہئے کہ کسی کو خاص طور پر دوسروں سے زیادہ نہ دے، مگر یہ کہ اس کی حاجت کا (دوسروں سے) زیادہ ہونا سب پر ظاہر ہو کہ سب کو اس کی حالت پر ترس آ رہا ہو سب کو اس سے ہمدردی ہو اور منصف مزاج درویش خوشی کے ساتھ شیخ سے خود کہتے ہوں کہ حضرت اس کو ہم سب سے زیادہ دیجئے (کیونکہ یہ زیادہ محتاج ہے)۔

اور شیخ کو اس بات سے بچنا چاہئے کہ (اس مال میں) درویشوں کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا حصہ لگائے، کہ اس وقت پست حوصلگی اور کمزوریٔ اخلاق میں شیخ کا درجہ ایک معمولی درویش جیسا ہو جائے گا اور اس کی ریاست وحکومت ان کے اوپر سے جاتی رہے گی، بلکہ جو کچھ اس کے پاس (تقسیم کیلئے) آیا ہو سب کا سب درویشوں اور مسکینوں اور ان ہی کے بال بچوں میں تقسیم کر دے، خود اس میں سے ایک انگلی بھر کر بھی نہ چاٹے، ایک پیسہ بھی نہ لے۔

اور اپنے گھر میں بھی اس مال کو داخل نہ کرے، بلکہ خانقاہ ہی میں رکھے یہاں تک کہ نقیب (یعنی مہتمم خانقاہ) ہی اس کو تقسیم کر دے، تا کہ گھر میں بھیجنے (اور وہاں سے منگا کر تقسیم کرنے کی صورت میں) فقراء اس کو متہم نہ کریں اور اپنے اوپر قیاس کر کے یوں نہ کہیں کہ شیخ نے اس میں سے اپنے بال بچوں کے واسطے کچھ نہ کچھ ضرور لیا ہے، کیونکہ اگر یہ مال ان کے

ہاتھوں تقسیم کرایا جاتا اور وہ اس کو اپنے گھر پہونچا دیتے تو وہ ایسا ہی کرتے۔

اور اگر ان میں سے کوئی فقیر تقسیم اموال پر مقرر کیا جائے پھر وہ خود کچھ نہ لے، بلکہ سارا مال فقراء ہی پر بانٹ دے تو لامحالہ وہ ان کی نگاہوں میں معظم ہو جاتا اور وہ سب لوگوں کے سامنے اس کی تعظیم کرتے اور مرشد سے بھی زیادہ اس کے ساتھ محبت کرنے لگتے ہیں (عام درویشوں کی حالت یہی ہے)۔

اور اگر کسی درویش کو یہ دعویٰ ہو کہ وہ شیخ سے (ہر حال میں) محبت رکھتا ہے اگر چہ وہ اس کو دنیا میں سے کچھ بھی نہ دے تو اس کو اپنے نفس کا اس طرح امتحان کرنا چاہئے کہ اگر شیخ اس کو کوئی ادب کی بات بتلائے اور اس بات میں اس کو سونے کی اشرفی سے بھی زیادہ مزہ آئے تو واقعی یہ سچا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

پھر خوب سمجھ لو کہ ان شرائط پر سچے لوگ ہی عمل کر سکتے ہیں، ان کے سوا جتنے بھی ہیں سب آپس میں اتفاق کر کے ایک دوسرے کے ساتھ چالیں بھی چلتے رہتے ہیں۔

(۴۰) اگر شیخ خانقاہ والوں کو کسی ہدیہ پر جو خانقاہ میں (تقسیم کیلئے) آیا تھا مثلاً انگور یا انجیر یا گنے یا مٹھائی اور روپے وغیرہ گرتا جھگڑتا (یا گرتا پڑتا) دیکھے تو اس کو چاہئے کہ ان کے سامنے ان بزرگوں اور زاہدوں کے واقعات بیان کرے جن کے طریقہ کی طرف یہ لوگ منسوب ہیں اور ان کے ساتھ تشبہ کر کے عمامہ کا شملہ چھوڑتے ہیں، ان کو بتلائے کہ ان حضرات نے اپنے اختیار سے دنیا اور دنیا کی خواہشوں کو دل سے نکال دیا تھا مجبور ہو کر دنیا کو نہیں چھوڑا تھا، نیز یہ بھی سمجھائے کہ درویشوں کو اہل دنیا سے امتیاز اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ اپنے اختیار سے دنیا کی رغبت چھوڑ دیں۔ اور اگر مجبور ہو کر دنیا کو چھوڑا تو وہ اور دنیا دار دونوں ایک درجہ میں ہوں گے۔

(۴۱) اگر شیخ کسی درویش کو بدون اس کے ساتھیوں کی اجازت کے کوئی چیز خاص طور سے دینا چاہے تو اس کو چھپا کر اس طرح دینا چاہئے کہ کسی کو خبر نہ ہو کیونکہ طبیعت انسانی میں حسد چھپا ہوا ہے، کسی کا اپنے سے ممتاز ہونا طبعاً ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے گو حاسدوں کے چہرہ پر ناگواری کا اثر ظاہر نہ ہو، اور جب بعض لوگ (سیدنا) رسول اللہ ﷺ سے (کسی کو زیادہ

اور کم دیتے ہوئے) یہ کہہ ڈالتے تھے کہ یا محمد اعدل اے محمد انصاف کیجئے ، یا یہ کہہ دیتے تھے کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا قصد نہیں کیا گیا، تو اس زمانہ کے معمولی آدمیوں کا ایسے شخص کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی سے چھپا ہوا ہے جو کچھ بھی برتاؤ ہو اس کا تو کیا پوچھنا ؟ ۔

ف :- اور گو یہ لوگ جنہوں نے حضور ﷺ کو بے انصافی کا الزام دیا اور **"یا محمد اعدل یا هذه قسمة ما ارید بها وجه الله"** کہا تھا حقیقت میں صحابی نہ ہوں ممکن ہے منافق ہوں جیسا کہ علماء محدثین کے اختلاف سے معلوم ہوتا ہے، مگر جب صحابہ میں بھی ایسے لوگ ملے ہوئے تھے تو شیخ کے مریدوں میں ایسے لوگوں کا ملا جلا ہونا کچھ بھی بعید نہیں اس لئے شیخ کو اپنے مریدوں میں سے کسی کو دوسروں پر تقسیم اموال وغیرہ میں ترجیح نہ دینا چاہئے اور اگر ترجیح کی ضرورت ہی ہو تو چھپا کر دینا چاہئے جس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ ۱۲ مترجم۔

(۴۲) اگر مجاورین خانقاہ اور درویشوں کے دل ایک دوسرے سے اس واسطے بدل جائیں کہ ایک کو دوسرے سے خاص امتیاز حاصل ہو چکا ہے تو شیخ کو چاہئے کہ آج کل اس بات میں ان کو معذور سمجھے کیونکہ یہ بات تو گویا خواہ مخواہ (جبراً قہراً) ان میں پیدا ہو ہی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " دنیا جس قوم کے اندر بھی گھسے گی اللہ تعالیٰ ان میں دشمنی اور بغض ضرور ڈال دیتے ہیں یعنی خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں (دنیا کے گھسنے کا یہ اثر ضرور ظاہر ہوگا اور آج کل درویش بھی دنیا اور محبت دنیا سے خالی نہیں ہیں اس لئے ان میں بھی باہم صفاء قلوب باقی نہیں رہتی) اور جس قدر دنیا کی محبت کم زیادہ ہوگی اسی قدر عداوت بھی ہلکی بھاری ہوگی۔

بس اس بات سے تو حضرات انبیاء و اولیاء (کاملین) کے سوا کوئی بچا ہوا نہیں کیونکہ ان حضرات کے اندر دنیا نہیں گھسنے پاتی وہ تو اس کو اپنے دلوں سے نکال کر پھینک چکے ہیں، وہ اپنے پاس دنیا کو بالکل نہیں رکھتے اور رکھتے بھی ہیں تو صرف آخرت کیلئے شرعی اغراض اور واقعی مصالح کے واسطے رکھتے ہیں جس پر ان کو اللہ کے فضل سے انشاء اللہ ثواب ہی ملے گا"۔

اور اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور مقربان بارگاہ الٰہی کا اپنے دینار و درہم کو یعنی جو ان کی طرف (ظاہر میں) منسوب کیا جاتا ہے (ورنہ درحقیقت وہ اپنی ملک میں کچھ بھی نہیں سمجھتے) سنبھال کر رکھنا ایسا ہی ہے جیسا دین کا سنبھالنا،

کیونکہ وہ ان دونوں سے اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں یہ علت دونوں جگہ مشترک ہے۔

بعض اہل طریقت نے فرمایا ہے کہ جو شخص اہل اللہ اور مقربان بارگاہ کے مقام سے نیچے ہو وہ اگر ان حضرات کو کچھ دنیا اپنے پاس جمع کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو ان پر اعتراض کرنا زیبا نہیں کیونکہ وہ حضرات (جسمانی شہوات وظلمات سے نکل کر) مقام روحانیت تک پہنچ چکے ہیں اور ارواح کو فرشتوں کی طرح دنیا اور دنیوی خواہشوں کی طرف میلان نہیں ہوا کرتا۔ ہم نے کتاب ''الآداب الکبری'' میں اس مضمون پر مفصل کلام کیا ہے۔

(۴۳) شیخ کو چاہئے کہ جو درویش اس کی طرف منسوب ہوں خواہ خانقاہ میں رہتے ہوں یا اپنے گھروں میں ان کی نگہداشت سے غافل نہ ہو، کیونکہ وہ اس کی بکریاں ہیں (اور یہ ان کا چرواہا ہے) تو رات دن (کسی وقت بھی) ہلاکت کی چراگاہوں سے ان کو ہٹانے میں غفلت نہ کرے، اور جب کبھی ان سے بے فکر ہوگا ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہوگا۔ اور خائن اس قابل نہیں ہے کہ (قوم کا) پیشوا ہو سکے۔

شیخ کو چاہئے کہ جو مرید بدون مار کھائے ایذا رسانی سے باز نہ آئے اس کو ادب سکھلانے کیلئے مارا کرے، اور جن کو صرف دھمکانا کافی ہو جائے انہیں دھمکا دیا کرے۔

(۴۴) شیخ کو چاہئے کہ جب کبھی درویشوں میں فتوحات (ہدایا وغیرہ) تقسیم کرے تو پہلے بطور تمہید کے کچھ تقریر کرے، پھر تقسیم کرے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ دنیا سے محبت نہ کرنے کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ پس ان سے کہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض لوگوں کو زیادہ دیا کرتے تھے اور یہ فرماتے کہ جس شخص کو میں کچھ نہیں دیتا وہ مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو میں دیتا ہوں، نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ میں بعض لوگوں کو اس لئے بہت دیتا ہوں تاکہ ان کو اسلام سے مانوس کردوں اور بعض لوگوں کو اس لئے کم دیتا ہوں کہ مجھے ان کی قوت یقین اور صحت ایمان کا علم ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ دنیا کے ملنے سے زیادہ پریشان نہ ہوں گے''۔

پس اے فقراء! بتلاؤ تم میں سے کس کا ایمان زیادہ مضبوط ہے تاکہ میں اس کو کم دوں، یا اس کا حصہ اس کے بھائی کو (دیدوں، اگر اس پر وہ خاموش رہیں تو پھر یوں کہے کہ بتلاؤ!

تمہارے اندر اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان کس کا کمزور ہے اور رزق کے معاملہ میں کون اللہ پر زیادہ الزام لگاتا ہے اور کس کا دین کم ہے تاکہ اس کو زیادہ دوں، پھر جو شخص اپنے متعلق جس قسم کا بھی اقرار کرے اس کے ساتھ اسی کے موافق معاملہ کرے۔

اور عزیز من! ممکن ہے کہ اس مجلس میں بہت لوگ رسوا ہو جائیں اور ان فقراء کو تو مناسب یہ تھا کہ خرقۂ درویشی کی لاج رکھتے اور ہر ایک یوں کہہ دیتا کہ میرا حصہ میرے بھائی کو دیدیا جائے، اور اگر کوئی لیتا بھی تو یہ تو ہرگز مناسب نہ تھا کہ دوسرے کے حصہ میں سے ذرہ برابر بھی لے لے (فقراء میں) باہم جھگڑا اسی واسطے ہوتا ہے کہ بعضے دل کے اندھے ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اپنا حصہ لڑ جھگڑ کر نہ لیں گے تو کوئی دوسرا ان کا حصہ لے لے گا، پس معلوم ہوا کہ شیخ کے محروم کرنے یا کم دینے پر کامل ایمان والوں کے سوا اور کوئی راضی نہیں ہو سکتا۔ والسلام۔

(۴۵) شیخ کو چاہئے کہ اگر وہ خانقاہ والوں کو (فتوحات وہدایا) کم زیادہ دے اور ان میں سے کوئی اس کے ساتھ بدتہذیبی سے گفتگو کرے یا خانقاہ والے برابر کی تقسیم سے ناراض ہوں تو اس پر صبر کرے اور جب تک یہ نہ جان لے کہ وہ اس کی بات کو سچا سمجھیں گے اس وقت تک یہ نہ کہے کہ میں نے تم کو اس لئے محروم کیا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے، کیونکہ زیادہ لوگ تو یوں ہی کہیں گے کہ اگر شیخ کو ہم سے محبت ہوتی تو ہم کو ضرور دیتے اور مثل مشہور کو اپنی دلیل میں پیش کریں گے "من احبک اطعمک ومن ابغضک حرمک" کہ جو تجھ سے محبت رکھے گا تجھ کو کھلائے گا اور جو تجھ سے نفرت کرے گا خالی ٹرخائے گا" اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو بھول جائیں گے جو اوپر حدیث میں گذر چکا ہے کہ جس کو میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔

اور حضرت شیخ کو جان لینا چاہئے کہ جو شخص دنیا داروں میں دنیا تقسیم کرتا ہے اس کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی کتوں میں ہڈیاں بانٹتا ہو۔ تو اس کو ان کے بھونکنے، کاٹنے گھرونٹنے اور مل ملا کر ناپاکی اچھالنے پر اپنے دل کو مضبوط کر لینا چاہئے "کتاب الآداب الکبریٰ" میں ہم نے اس مضمون پر مفصل کلام کیا ہے"۔

(۴۶) خانقاہ کے شیخ کو چاہئے کہ سست کاہل آدمی کو جو فقراء کے ساتھ ورد اور ذکر اور جماعت کی نماز میں حاضر نہ ہوتا ہو اپنے پاس نہ ٹھہرنے دے، کیونکہ ایسے آدمی کا رہنا خانقاہ کے دوسرے عزیزوں کو بگاڑ دے گا عنقریب وہ سب اسی جیسے ہو جائیں گے، اور شیخ کو مجلس (ذکر) اور نماز جماعت میں فقراء کی ہمت بلند کرنے اور بزرگان سلف کی سنت کا اتباع کرنے کیلئے سب سے پہلے حاضر ہونا چاہئے۔

اور (مگر) سیدی مدین رحمہ اللہ تعالیٰ صرف نماز عصر میں شریک ہوا کرتے تھے، ان سے اس کے متعلق عرض کیا گیا تو فرمایا کہ درویشوں کو بہت سے عذر ہوتے ہیں۔

اور سیدی مدین رحمہ اللہ خانقاہ سے ایسے لوگوں کو نکال دیا کرتے تھے جو مجلس ذکر میں شریک نہ ہوتے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت بحمد اللہ میرا دل تو بیدار ہے، مجھے کسی کی تقویت اور ہمت افزائی کی حاجت نہیں رہی (اس واسطے مجھے مجلس ذکر میں شریک ہونے سے مستثنیٰ کر دیا جائے) آپ نے فرمایا کہ جا تو اپنی اس بیداری کو لے کر ہم سے دور ہی رہ تا کہ ہماری جماعت کو برباد نہ کر دے کہ ہر شخص تیری طرح یہی دعویٰ کرنے لگے گا تو خانقاہ کا نظام خراب ہو جائے گا اور اس کا نشان ہی مٹ جائے گا۔

(۴۷) شیخ کو چاہئے کہ اپنے پاس رہنے والوں کی ذرا ذرا سی بات پر نگاہ رکھے جس شخص میں ترقی (کے آثار) نہ دیکھے اور ادنی حالت سے اعلیٰ کی طرف جاتا ہوا نہ پائے اس کو اختیار دیدے کہ یا تو خدمت کرے یا خانقاہ سے نکل جائے تا کہ اور دوستوں کو اپنی سستی اور پستی ہمت سے برباد نہ کر دے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مشائخ جس وقت سے ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اللہ عزوجل کی یاد اور مراقبہ میں مشغول رہنے سے زیادہ کسی چیز کا ان کو اہتمام نہیں ہوتا وہ کوئی حرکت اور سکون اس وقت تک نہیں کرتے جب تک باطنی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ ﷺ کی اجازت حاصل نہ کر لیں خصوصاً وضو اور تلاوت قرآن اور ذکر میں (مشغول ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کام بدون اجازت کے ہرگز نہیں کرتے)۔

ہم نے اپنے زمانہ میں ستر مشائخ کے قریب پائے ہیں منجملہ ان کے سیدی علی مرصفی اور

سیدی محمد شناوی اور سیدی تاج الدین ذاکر اور سیدی محمد منیر اور سیدی ابوالسعود جارحی بھی ہیں ہم نے ان میں سے کسی کو بھی صرف ونحو کا درس دیتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہم نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں طالب علم ان حضرات میں سے کسی کا شاگرد ہے، حالانکہ تمام علماء وغیرہ بالاتفاق ان حضرات کی ولایت کے معتقد تھے، اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ان حضرات کا وقت ان کاموں سے تنگ تھا (وہ اپنے اوراد و مراقبات وافکار کی وجہ سے ان کاموں کیلئے فرصت ہی نہ پاتے تھے) وہ مشغلۂ علم کی مشقت سے گھبراتے نہ تھے کیونکہ اپنے نفس کے ساتھ جو مجاہدات وہ کرتے تھے علمی مشاغل سے زیادہ مشقت طلب تھے جیسا کہ مشاہدہ سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۸) شیخ کو چاہئے کہ جو شخص فقراء کے اس عہد کو بدل دے جس کا قصد کر کے خانقاہ میں داخل ہوا تھا اس کو نکال دے، مثلاً شیخ سے یہ عہد کر کے خانقاہ میں داخل ہوا تھا کہ روٹی کے لقمے اور پھٹے پرانے پر راضی رہے گا، پھر اس سے زیادہ مانگنے لگے اور یوں کہے کہ مجھے یہ مقدار کافی نہیں ہوتی، کیونکہ اگر وہ (طلب میں) صادق ہوتا تو جتنا طریق میں آگے بڑھتا دنیا کا سامان (اور خواہشیں) کم کر دیتا سو ایسے شخص کا خانقاہ میں رہنا نقصان دینے کے سوا کچھ فائدہ مند نہیں۔

اور مسلمانوں کا تو کیا پوچھنا جب کہ گرجاؤں کے راہبوں کی شرط یہ ہے کہ جو راہب دنیا سے محبت رکھے گا اس کو گرجا سے نکال دیں گے، اور آج کل تو خانقاہیں دنیا کی شکارگاہیں بن گئی ہیں اور کچھ نہیں۔

(۴۹) شیخ کو چاہئے کہ اگر اس کے پاس رہنے والے فقراء اس کے احسان اور تربیت کا اعتراف (نہ کریں یا کم کریں تو ان سے مکدر نہ ہو کیونکہ اس زمانہ کے آدمی اس قابل نہیں رہے کہ ان کے ساتھ قانون (طریقت) کے موافق برتاؤ کیا جائے۔ پس شیخ ان کے بارہ میں اپنے اللہ سے معاملہ رکھے، کیونکہ اب سارے کام ختم ہونے کو آ رہے ہیں، لوگ اس وقت قیامت کی دہلیز پر (کھڑے) ہیں۔

اور ہر شیخ کو اپنے زمانہ کے مشائخ (کی حالت) میں غور کرنا چاہئے کہ ان میں سے

بعض حضرات ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمیوں کو (ذکر اللہ وغیرہ کی) تلقین کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ کسی کو زبانی باتیں بنانے کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، بس وہ یہی کہنا جانتے ہیں کہ ہم نے حضرت سیدی فلاں سے فیض لیا ہے، ان کے بعد فلاں بزرگ سے اور ان کے بعد فلاں سے اس کے سوا کچھ نہیں کیونکہ یہ لوگ نہ شیخ کی اطاعت کرتے ہیں نہ طلب میں صادق ہوتے ہیں، غرض معاملہ اب پیچھے ہی کو لوٹ رہا ہے آگے کو نہیں بڑھتا۔ اب تو شیخ کی یہ حالت ہے کہ اپنی جماعت کیلئے جب سے کہ وہ بچے اور یتیم ہوتے ہیں روٹی پکاتا، انہیں کپڑے پہناتا ہے، جوان ہوگئے تو ان کو تعلیم دیتا، اور شادی کردیتا ہے، صوفیہ کے آداب سکھلاتا ہے، پھر بھی ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوتا جو شیخ کی عزت وحرمت کا لحاظ کرے یا اس کے احسان کو یاد رکھے۔

بعض دفعہ شیخ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مرجاتے ہیں جن کے لئے کچھ آمدنی نہیں ہوتی تو اس کی جماعت میں سے کوئی بھی ان کی خبر نہیں لیتا اور جس راحت دنیوی کی بنیاد شیخ نے ان کے واسطے رکھی تھی اور اسی کی وجہ سے ان کیلئے وقف ہوا تھا اس میں بھی شیخ کی اولاد کو یاد نہیں کیا جاتا۔ **فلا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھے

(۳۷۱) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اللہ عزوجل کے ساتھ اچھا گمان رکھیں (کبھی) اللہ تعالیٰ سے بدگمان نہ ہوں اگرچہ ہم نے اہل اسلام [1] کے گناہوں میں سے کیسے ہی گناہ کرلئے ہوں، عزیز من! خوب سمجھ لو کہ اللہ عزوجل کے ساتھ نیک گمان رکھنا سب اگلے پچھلے بزرگوں کی آخری منزل ہے، اسی لئے ہم نے اس کتاب کے ان عہدوں کو جو مریدوں کے ساتھ خاص ہیں اس عہد پر ختم کیا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنے ساتھ نیک گمان رکھنے کی (بہت) رغبت دلائی ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے "**انا عند ظن عبدی بی**

---

(۱) اہل اسلام کی قید اس لئے لگائی تاکہ معلوم ہوجائے کہ کفر وشرک کے ساتھ نیک گمان مفید نہیں اور کفر وشرک مسلمانوں کے گناہوں میں سے نہیں، بلکہ کفار کے گناہوں میں سے ہے۔ ۱۲ظ۔

فلیظن بی خیراً"[۱] میں اپنے بندہ کے گمان کے موافق ہوں پس اس کو میرے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہئے (تو میں اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کروں گا) اور اس سے بالا جماع مسلمان بندہ ہی مراد ہے کافر مراد نہیں۔

اس حدیث میں (مسلمانوں کیلئے) اللہ عزوجل کی طرف سے بڑی بشارت ہے کیونکہ ظن وہ تصور ہے جو علم (اور یقین) کی طرف راجح ہو (یعنی گمان غالب کو ظن کہتے ہیں) کیونکہ ان کی رحمت غضب پر غالب ہے، بلکہ اپنے بندوں کو تعلیم دیتے ہوئے صاف صاف صیغۂ امر کے ساتھ فرمادیا "**فلیظن بی خیرا**" کہ میرے بندہ کو میرے ساتھ اچھا ہی گمان رکھنا چاہئے، تو جو مسلمان اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان نہ رکھے اس نے اس کے حکم کی نافرمانی کی، اور کرمِ الٰہی کے مقتضیٰ سے نادان بن گیا جبکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بساط کرم بچھائیں گے تو سارے گناہ اس کے کناروں میں آ جائیں گے اور فرشتے کہنے لگیں گے کہ (اب) ہمارے پروردگار کے غضب کا کوئی موقع نہیں رہا (کیونکہ بساط کرم نے سب کو اپنے اندر لے لیا ہے)۔

مگر یہاں ایک باریک نکتہ (سمجھنے کے قابل) ہے وہ یہ کہ (کامیابی کا) مدار اس پر ہے کہ جان نکلنے کے وقت اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان ہو، کیونکہ اسی وقت کا اعتبار ہے (حدیث میں ہے "**انما الاعمال بالخواتیم**"[۲] کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہے ۱۲) اور یہ وقت (زندگی میں) ہماری نگاہ سے غائب ہے ہمیں کچھ خبر نہیں کہ اس وقت بھی ہم کو پوری طرح اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوگا یا نہیں، اور جان نکلنے سے پہلے جو وقت ہے اس پر مدار نہیں گو وہ کیسا ہی اچھی حالت میں گذرے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے لوگ سوء خاتمہ سے ڈرتے رہے ہیں اور خاتمہ کا برا ہونا یہی ہے کہ مرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان ہو" **نسأل اللہ العافیة**" اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

پس ہر مسلمان کو لازم ہے کہ ہمیشہ رات اور دن (ہر وقت) اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان

---

(۱) مسند احمد ص ۲۵۱ ج ۲۔۱۲م

(۲) بخاری ص ۹۶۱ ج ۲ باب العمل بالخواتیم۔۱۲مرتب۔

رکھے کہ سعادت اور نیک بختی کی علامت یہی ہے، مگر قاعدۂ شریعت کے موافق نیک گمان ہونا چاہئے (یعنی بے فکری اور اطمینان بھی نہ ہو بلکہ امید کے ساتھ کسی قدر خوف بھی رہنا چاہئے تاکہ معاصی اور گناہوں پر دلیری نہ ہو جائے اور مرتے وقت خوف کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ اب عمل کا موقعہ ہی نہیں رہا جو گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہو)۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ کو امید اور حسن ظن کے غالب کرنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب کہ موت سامنے آ جائے ورنہ خوف کا غالب کرنا ہی بہتر ہے تو ہم کہیں گے کہ موت تو ہر وقت ہر سانس میں انسان کے سامنے ہی ہے اس کو تو زندگی کا ایک لمحہ کیلئے بھی (اعتبار اور) یقین نہیں ہوسکتا۔ پس ایک سکنڈ کیلئے بھی اس کو اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہونا (اور اتنا خوف کرنا جس سے بدگمانی کا درجہ پیدا ہو) جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے یہی سانس آخری سانس ہو اور ایسی حالت میں اس کی جان نکل جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ ان کے ساتھ اس کا گمان اچھا نہ ہوگا، پھر اس کا نتیجہ قسم قسم کے عذابوں اور رسوائیوں کی صورت میں عالم برزخ میں اور قیامت کے دن اس کے سامنے آئے گا۔

پس بندہ کو اگر نقصان پہونچتا ہے تو صرف اس بات سے کہ اس کا گمان اللہ تعالیٰ سے اچھا نہ ہو۔ اور کسی بات سے نقصان نہیں پہونچتا۔ جو شخص اپنے پروردگار سے اچھا گمان رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے کرم کو ایسا پائے گا جو اس کے خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان رکھو گے کہ دنیا میں وہ تم کو برباد نہ کریں گے اور ایک لمحہ کیلئے بھی تم کو نہ بھولیں گے تو وہ ایسا ہی کریں گے۔ اور اگر تم نے اللہ سے یہ گمان رکھا کہ جو کچھ تمہارے ذمہ بندوں کے حقوق مال اور آبرو کے متعلق ہیں وہ سب تمہاری طرف سے ادا کردیں گے اور تم سے اپنے حقوق کا مواخذہ نہ فرمائیں گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھا کہ وہ تم کو توحید اور ایمان کامل اور اچھی حالت پر وفات دیں گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔

اور اگر تم نے اللہ کے ساتھ یہ گمان رکھا کہ قبر میں تم کو عذاب نہ کریں گے اور صحیح جواب دینے کی توفیق دیں گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھا کہ

قیامت کی ہول اور پریشانی تم کو نہ دکھلائیں گے بلکہ تم قبر سے نکلتے ہی اپنے اعمال کے براق پرسوار ہوکر جنت میں پہنچ جاؤ گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھا کہ وہ تم سے کسی چیز کا حساب لیں گے نہ تمہاری کسی کوتاہی پر باز پرس کریں گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ گمان رکھا کہ وہ تمہارے قدم پل صراط پر جمادیں گے اور تم کو جہنم میں نہ ڈالیں گے تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان رکھا کہ وہ تم کو جنت میں پہونچادیں گے اور وہاں تم کو ایسی دولت دیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کان نے سنی، نہ کسی انسان کے وہم میں گذری تو وہ ایسا ہی کردیں گے۔

فالحمد للہ رب العٰلمین (اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے کہ اس نے راستہ کو کیسا آسان کردیا۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھے جس کا طریقہ یہ ہے کہ نیک اعمال میں کوشش کرے، برے کاموں سے بچتا رہے، جب کبھی غلطی سے گناہ ہوجائے تو فوراً دل سے توبہ استغفار کرے، کیونکہ عادۃً اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اسی طرح پیدا ہوتا ہے، بدون اس کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان عادۃً پیدا نہیں ہوتا ہاں خلاف عادت کسی پر فضل ہوجائے تو ہوسکتا ہے اس لئے ناامیدی کی کسی صورت میں بھی گنجائش نہیں ۱۲)۔

اولیاء اللہ کے لئے ۷۶ آداب اوران کی تفصیل

(۳۷۲) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ اگر اللہ نے چاہا اور ہم دائرہ ولایت میں داخل ہوجائیں تو۔

(۱) ہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلوب الاختیار ہوکر رہنا چاہئے (یعنی اپنے اختیار وارادہ کو فنا کردینا چاہئے)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قسمت میں لکھ دیا اور مقدر کردیا ہے اس سے (خوشی میں) بھرا ہوا ہونا چاہئے۔

(۳) اگر بات کریں تو ایسی جس سے عجز (وبیچارگی) کے سوا کچھ نہ سمجھا جائے۔

(۴) اگر خاموش رہیں تو اپنے اندر کسی چیز کا فکر نہ پائیں (اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے دل اٹکا ہوا نہ ہو)۔

(۵) اپنی ضروریات کے سرانجام دینے میں اپنے تمام حواس کی قوتوں سے مشغول ہوا کریں (یعنی جو کام کریں توجہ سے کریں غفلت کو پاس نہ آنے دیں)۔

(۶) نہ کسی پر طعن کریں، نہ کسی کو ترجیح دیں، نہ کسی کی تعریف میں مبالغہ کریں اگرچہ مبالغہ درست اور بجا ہی کیوں نہ ہو، مگر یہ کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ معصوم ہو (تو زیادہ تعریف کا مضائقہ نہیں)۔

(۷) اپنے اور تمام مسلمان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ عرض معروض کرتے رہیں۔

(۸) غلامی اور ذلت کے سوا اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا کوئی ایسا رتبہ نہ سمجھیں جس کی بنا پر کسی کے حق میں شفاعت کرنے کے قابل اپنے کو سمجھیں۔

(۹) جب مخلوق پر کوئی بلا نازل ہو تو جب تک وہ بلا دور نہ ہو جائے کھانا اور سونا قصداً چھوڑ دیں۔

(۱۰) تمام حالات میں کشف و مشاہدہ کے طور پر اپنے کو اللہ کے علم میں چلتا پھرتا سمجھیں (یعنی دل کو یقین رہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں ان کو ہمارے سب حالات کی اطلاع ہے، کسی وقت اس یقین سے دل خالی نہ ہو)۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے علم و معرفت کا ذریعہ بجز ان دلائل کے جو عالم وجود میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) قائم کی گئی ہیں اور کوئی بات ہمارے پاس نہ ہو (یعنی علم صانع کا مدار دلائل فلسفیہ پر نہ ہونا چاہئے صرف مخلوق سے خالق کی ہستی پر استدلال ہونا چاہئے کہ یہ آسمان وزمین چاند اور سورج خود بخود موجود نہیں ہو سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے)۔

(۱۲) ذات باری کے متعلق گفتگو میں کبھی غور وخوض نہ کریں گو حدیث النفس (اور وسوسہ ہی) کے درجہ میں ہو، کیونکہ پھر خیال اس سے آگے بڑھنے لگتا ہے۔

(۱۳) حکم تکوین کے ساتھ بدلتا رہنا چاہئے کیونکہ عارف حکم تکوین کے نیچے اسی طرح

ہے جس طرح دل جسم کے خول میں رکھا ہوا ہے اور جسم تغیر وتبدل کا محل ہے (جس کا اثر دل پر بھی پہونچتا ہے اسی طرح عارف عالمِ کون کیلئے بمنزلہ قلب کے ہے جب عالم میں حکم تکوین بدلتا ہے عارف کو بھی اس کے ساتھ بدلتا رہنا چاہئے ۱۲)۔

(۱۴) عارف کا دوسروں کیلئے خوش ہونا ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اپنے لئے خوش ہونا، کیونکہ اصل تو سب کی ایک ہی ہے (مطلب یہ ہے کہ عارف جن باتوں سے اپنے واسطے خوش ہوتا ہے انہی کو سب کیلئے پسند کرتا ہے اور جب کسی دوسرے کو اللہ کی طرف سے کوئی دولت باطنہ یا ظاہرہ ملتی ہے اس سے اس کو ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی اپنے آپ کو دولت ملنے سے ہوتی)۔

(۱۵) عارف تمام مسلمانوں کو اپنے بدن کے اجزا سمجھتا ہے کیونکہ حقیقت نے سب کو باہم ملا دیا ہے۔

(۱۶) تمام چیزوں کو جان بوجھ کر سمجھ کر اپنے اپنے موقعہ پر رکھتا ہے، شک کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا کیونکہ وہ اللہ کے نور سے (ہر چیز کو صحیح طور پر) دیکھتا ہے۔

(۱۷) جب شریعت کی نقل (کسی مسئلہ کے متعلق) موجود نہ ہوتو وہ میزان کشف سے کام لیتا، پھر اس کے موافق عمل کرتا ہے اور اس کے پاس ایسی میزان ہوتی ہے جو ایک ذرہ سے بھی ہل جاتی ہے۔

(۱۸) عارف کا کلام اپنی وسعت کی وجہ سے عوام اور خواص کے دلوں میں ان کے مقامات کے موافق مختلف رنگ لے لیتا ہے حالانکہ (اس میں مختلف رنگ نہیں ہوتے، بلکہ) وہ ایک ہی ہوتا ہے۔

(۱۹) وہ بدون حکم خداوندی کے نہ خود ممتاز ہوکر رہتا ہے نہ کسی کو (دوسروں سے) ممتاز کرتا ہے تاکہ تمام حالات میں حق کا تابع رہے۔

(۲۰) وہ اپنی وعظ ونصیحت کو حاضرین اور غائبین سب کے لئے عام کیا کرتا ہے (یعنی دل سے تمام مسلمانوں کی اصلاح کا قصد کرتا ہے خواہ موجود ہوں یا نہ ہوں)۔

(۲۱) زمانہ کی خرابیوں (بدعتوں) میں سے کسی بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کیونکہ

شارع علیہ السلام نے اس کو اپنی شریعت کا امین بنا دیا ہے۔

(۲۲) جب تک کسی شخص میں کسی درجہ کے آ ثار ظاہر نہ ہو جائیں اس وقت تک اس کے لئے کسی درجہ کا حکم نہیں لگا تا۔

(۲۳) بجز کسی خاص وقت کے وہ ایسی عبادات نافلہ نہیں کیا کرتا جو نفس پر شاق ہوں۔

(۲۴) وہ ایسی باتیں ایجاد نہیں کیا کرتا جن کو شارع نے صراحتہً نہیں بیان کیا، نہ شریعت مطہرہ نے ان کے حسن کی شہادت دی، چنانچہ سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو پوری احتیاط کے ساتھ اسی حد پر ٹھہرا رہے جو شریعت میں وارد ہو چکی ہے۔

(۲۵) وہ اپنے دوستوں کا شکریہ اپنی طاقت کے موافق ہی (ادا کرنا ضروری) سمجھتا ہے نہ اس شخص کے درجہ کے موافق جس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

(۲۶) جب اس کے اعضاء اللہ عزوجل کے احکام کی مخالفت کریں یا کسی مخلوق کا عیب اس کے پاس پہنچائیں تو وہ ان سے ایسی ہی نفرت کرتا ہے جیسی اللہ کے نافرمانوں سے کیا کرتا ہے۔ اور اگر اس کے اعضاء کسی کا عیب چھپالیں تو وہ ان سے ویسی ہی محبت کرتا ہے جیسی اللہ کے فرماں بردار بندوں سے کیا کرتا ہے۔

(۲۷) وہ تمام مخلوقات الٰہیہ کا ادب کرتا ہے، مگر ان کی خاطر یا ان کی غرض سے نہیں بلکہ صرف ان حقوق کے ادا کرنے کیلئے جو (اللہ نے) ان کے لئے (مقرر کردیئے) ہیں اور اس کے بعد بھی اپنی کوتاہی کا دل سے اقرار کرتا رہتا ہے۔

(۲۸) وہ شریعت کی مقرر کی ہوئی عبادات سے زیادہ نفل نمازیں صرف شکر کی نیت سے پڑھتا ہے تا کہ اس کا اثر اس کے لئے اور تمام مخلوق کے لئے فضل کامل کی صورت میں ظاہر ہو۔

(۲۹) وہ حلال طریقہ سے روزی حاصل کرنے کو تمام ضروریات پر مقدم کرتا ہے تا کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو سکے ادھر ادھر خیال نہ جائے۔

(۳۰) وہ ظالموں کو رسم ورواج کے موافق کچھ دے دیا کرتا ہے جب یہ اندیشہ ہو کہ

اگر ان کو کچھ نہ دیا گیا تو) وہ تکلیف پہونچانے کا ارادہ کریں گے اگر چہ یہ ان کو اپنی (قوت) حال سے بھی دفع کرنے پر قادر ہو، مگر وہ ان کے متعلق اپنے تصرف سے کبھی کام نہیں لیا کرتا، نہ تصرف سے ان کو معزول کرتا ہے، نہ کسی مصیبت میں ڈالتا ہے، بلکہ ان کے لئے اصلاح حال کی دعا کرتا ہے ہاں! اگر یہ لوگ اس کے سوا دوسرے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں تو اس وقت اس کو ان میں تصرف کرنے کا حق ہے کہ ان کو رسوا اور ذلیل کردے یا کسی مصیبت میں گرفتار کردے۔

(۳۱) وہ اپنے زمانہ کے علماء اور صالحین سے محبت کیا کرتا ہے اگر چہ کامل درجہ کے نہ ہوں، مگر پھر بھی اس لباس کی تعظیم کے خیال سے جس کے ساتھ وہ علماء اور صالحین کی نقل اتار رہے ہیں ان سے محبت کرتا ہے۔

(۳۲) اپنے دوستوں میں سے کسی کے ساتھ مداہنت (اور بیجا نرمی) نہیں کرتا (بلکہ صاف گوئی سے کام لیتا ہے) مگر یہ کہ کوئی مصلحت اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان ہو تو اس وقت اس کی مدارات کرتا ہے تاکہ آسانی کے ساتھ سخت بات کا دفعیہ ہو جاوے۔

(۳۳) جو لوگ اس کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی نصیحت اور خیر خواہی میں دوسروں سے زیادہ مبالغہ کرتا ہے تاکہ انکی محبت کا حق ادا ہو جاوے۔

(۳۴) اسکو تمام لوگوں میں زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اس کو حقیر وذلیل سمجھے یا اس کے عیبوں پر اس کو مطلع کرتا رہے۔

(۳۵) اگر کوئی اسکو جھوٹ موٹ کی تہمت لگائے یا اس پر بہتان باندھے تو اس سے (دل میں) کینہ نہیں رکھتا کیونکہ اگر وہ سچ کہتا ہے تو اس پر غصہ کرنا حماقت ہے اور اگر وہ غلط کہتا ہے تب بھی اس پر غصہ کرنا حماقت ہے جبکہ آسمانی دفتر میں وہ اس تہمت سے بری ہے جو اس پر لگائی گئی ہے اور مدار اسی دفتر پر ہے (لوگوں کی زبان پر مدار نہیں)۔

(۳۶) اس کے دوستوں میں کوئی کسی کا عیب اس کے پاس پہنچائے تو اس سے بولنا، بات کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

(۳۷) وہ لوگوں سے ملنے جلنے کیلئے اپنے درجہ سے تنزل کرتا ہے ورنہ کوئی بھی اس کی

صحبت میں نہ رہ سکے کیونکہ اس کے علوم اور مشاہدات اور ترقیات تک پہنچنا دوسروں کو دشوار ہے۔

(۳۷) علماء اسلام میں سے کسی عالم کی تردید میں اپنے آپ کو مشغول نہیں کیا کرتا، مگر یہ کہ اس نے شریعت کے جامہ ہی کو چاک کر دیا ہو (تو اس وقت مجبور ہو کر تردید میں مشغول ہوتا ہے)۔

(۳۸) جس بات کا اس کو علم نہ ہو اس میں کبھی دخل نہیں دیتا۔

(۳۹) جن اسباب میں اللہ تعالیٰ نے اس کو لگا رکھا ہے ان میں صبح ہی سے مشغول ہونا صرف عبودیت (اور غلامی ظاہر کرنے) کیلئے اس کو محبوب ہوتا ہے۔

(۴۰) اپنے دوستوں کے بیکار رہنے سے اس کو نفرت ہوتی ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے دین اور علم اور بزرگی کو روٹی گوشت وغیرہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیں، پھر آخرت میں مفلس ہو کر پہنچیں۔

(۴۱) مسلمانوں سے الگ (ہو کر گوشہ نشین) ہونے سے اس کو نفرت ہوتی ہے، کیونکہ یا تو یہ ان کو فائدہ پہنچائے گا یا وہ اس کو فائدہ پہنچائیں گے، البتہ اگر کوئی خاص سبب علیحدگی کا متقاضی ہو (تو گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے)۔

(۴۲) حی علی الصلاۃ سن کر نماز کیلئے کھڑا ہو جانے میں کبھی دیر نہیں کرتا، مگر یہ کہ کوئی سخت عذر ہو جو اس کی حالت کے مناسب ہو۔

(۴۳) اپنے تمام اعمال کو اللہ کی مشیت کا ماتحت سمجھتا ہے کہ دیکھئے قبول ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔

(۴۴) دنیا کی محبت کا خطرہ بھی اس کے دل پر نہیں گذرتا۔

(۴۵) اس کے مریدوں میں سے اگر کوئی اس کی مجلس میں آنا چھوڑ دے اور دوسرے (شیخ) کے پاس جانے لگے تو اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا یہاں تک کہ دل میں بھی ناراضی نہیں آنے پاتی کیونکہ وہ اپنے کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ کوئی اس کی صحبت میں رہے۔

(۴۶) اگر کسی سے کوئی (گناہ یا) لغزش ہو جائے گو کتنی ہی بڑی بات ہو تو اس کو ذلیل

نہیں کرتا، بلکہ شفقت اور ہمدردی کے ساتھ اس کو توبہ کا راستہ بتلا دیتا ہے۔

(۴۷) کرامت ظاہر کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اسلام کی مدد کیلئے اس کی ضرورت ہو (تو ظاہر کر دیتا ہے)۔

(۴۸) صرف اللہ کی محبت کی وجہ سے اور عمل کے واسطے اس کو قرآن سننے کا شوق ہوتا ہے اور کسی وجہ سے نہیں۔

(۴۹) نزول بلا کے وقت گھبرا جاتا ہے (کہ کہیں میری وجہ سے یہ بلا نہ آئی ہو) بندگی کی صفت اور شان کسی وقت بھی اس کی نظر سے غائب نہیں ہوتی گو وہ کیسے ہی (اعلیٰ) مقامات پر پہنچا دیا گیا ہو، بلکہ وہ ہمیشہ جب تک بھی زندہ رہے ذلت اور خوف ہی کے درجہ پر رہتا ہے۔

(۵۰) دربار الٰہی میں داخل ہونے سے رات دن میں کسی وقت بھی کوئی چیز اس کو روکنے والی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے اور مباحات میں اس کی نیت اچھی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے کھانا کم کر دیا تھا تاکہ پاخانہ میں جانے کی زیادہ ضرورت نہ ہو۔

(۵۱) اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ ہر الزام (اور ہر عیب) سے بری سمجھتا ہے۔

(۵۲) اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے کا خیال ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے دل سے جدا نہیں ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس مدد سے محروم نہ ہو جائے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ﴿انما الصدقات للفقراء والمساکین﴾ [1] (کہ صدقات تو انہی لوگوں کے واسطے ہیں جو محتاج ہوں اور مسکین)۔

(۵۳) وہ زمین کی طرح ہو جاتا ہے جسے نیک اور بد سبھی پامال کرتے ہیں اس کے نزدیک دونوں میں کچھ امتیاز نہیں ہوتا۔

(۵۴) اس کا حال ہمیشہ اس سے زیادہ ہوتا ہے جتنا وہ بیان کرتا ہے۔

(۵۵) جماع کی حالت میں بھی اس پر اسی طرح فتوحات ہوتی ہیں جیسا نماز کی

---

(۱) التوبہ/۶۰۔

حالت میں ہوتی ہیں (کیونکہ وہ لذت وشہوت کی وجہ سے بیوی کے پاس نہیں جاتا، بلکہ اللہ کے حکم کی وجہ سے جاتا ہے اور اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ہمیشہ ترقی درجات کا سبب ہے تو عارف کو جماع زوجہ سے بھی ترقی ہوتی ہے)۔

(۵٦) عارف نہ بناوٹ سے کام لیتا ہے نہ چاپلوسی کرتا ہے، کیونکہ اس کے یہاں نفاق کا نام ونشان نہیں ہوتا۔

(۵۷) تمام احوال میں شریعت کے موافق ہی رہتا ہے کیونکہ وہ کجی سے محفوظ ہوتا ہے۔

(۵۸) دربار حق سے واپس ہونے کو بھی وہ اقبال ہی سمجھتا ہے۔ پس وہ ہمیشہ دربار حق ہی میں رہتا ہے (یعنی اگر وہ کسی وقت اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے یا مخلوق کو ہدایت کرنے کیلئے بارگاہ حق سے تنزل بھی کرتا ہے تو اس کو بھی ترقی ہی سمجھتا ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی وہ اللہ ہی کے حکم کی تعمیل کرتا اور اس کی رضا کو طلب کرتا ہے)۔

(۵۹) خدا کے اسرار کو ظاہر نہیں کیا کرتا۔ ان کے بند کا نشان بھی نہیں دیتا۔

(٦٠) نہ وہ حلول [1] کا عقیدہ رکھتا ہے نہ اتحاد کا۔ اپنے دل کے آئینہ سے ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جو پردوں کے پیچھے ہیں۔

(٦١) اللہ تعالیٰ کے اسرار کو نااہلوں میں شائع کرنے سے اس کو غیرت آتی ہے۔

(٦٢) تمام مقامات اس کے اوپر دورہ کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ تمام مقامات کا قطب (اور مرکز) ہوتا ہے اس کیلئے کوئی خاص مقام ورع اور زہد وغیرہ میں سے نہیں پہنچایا جاتا جس کے ساتھ اس کو موصوف کیا جاسکے کیونکہ وہ کسی مقام پر ٹھہرتا نہیں وہ ہمیشہ (ترقی اور) سیر ہی میں رہتا ہے۔

---

(۱) بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان میں حلول کر کے آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا نصاری کا عقیدہ حضرت مسیح کے متعلق ہے اور بعض لوگ ہمہ اوست کے بایں معنی قائل ہیں کہ خالق ومخلوق دونوں متحد ہیں، وجود دونوں کا ایک ہی ہے، صرف وحدت وکثرت کا فرق ہے۔ یہ دونوں عقیدے غلط اور باطل ہیں عارفین ان سے بری اور منزہ ہیں ۱۲ مترجم۔

(۶۳) وہ اپنی (فطری) عادتوں کو نہیں چھوڑا کرتا تا کہ عوام سے امتیاز نہ ہو جائے کیونکہ اس کا مذاق (گمنامی اور) چھپا رہنا ہے۔

(۶۴) تمام خلق اللہ پر اس کی شفقت عام ہوتی ہے، مگر جن لوگوں پر رحم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان پر ان لوگوں سے زیادہ رحم کرتا ہے جن پر رحم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

(۶۵) اخلاق رذیلہ کو بھی ان کے پروردگار ہی کے کام میں لگا دیتا ہے (مثلاً اس میں غصہ ہے تو اس کو فاسقوں، کافروں کی طرف مائل کر دے گا، بخل سے ان مواقع میں کام لے گا جہاں شرعاً خرچ کرنے کی اجازت نہیں وغیرہ وغیرہ) وہ تمام چیزوں کو ان کے درجہ پر سمجھ بوجھ کر رکھتا ہے۔

(۶۶) جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ بیزار ہیں یہ ان کے ساتھ احسان بھی کرتا ہے اور ان سے بیزار بھی رہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کا اتباع اسی میں ہے (وہ بھی دشمنوں پر احسان فرماتے رہتے ہیں، ان کو روزی دیتے ہیں اور دنیا میں سلطنت وغیرہ بھی عطا فرما دیتے ہیں)۔

(۶۷) وہ نہ افراط کرتا ہے نہ تفریط (یعنی کسی کام میں نہ غلو کرتا ہے نہ کوتاہی، بلکہ اعتدال پر قائم رہتا ہے)۔

(۶۸) وہ جب چاہتا ہے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے اپنے سے اس طرح ہٹا دیتا ہے کہ لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

(۶۹) وہ اپنے پروردگار کو اپنی ذات کے ذریعہ سے پہچانتا ہے کسی اور چیز کے ذریعہ سے نہیں۔

(۷۰) وہ رات دن کے ہر سانس میں اپنی ترقی اور نقصان کو جان لیتا ہے۔

(۷۱) جب وہ کسی کام کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے کھڑے ہونے سے تمام عالم وجود کھڑا ہو جاتا ہے، اس کے غصہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آ جاتا ہے، کیونکہ زمانۂ سلوک میں اس کی بھی یہی حالت تھی کہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمت پر حملہ ہوتا تو یہ اپنے پروردگار کے واسطے (مخلوقات پر) غصہ کیا کرتا تھا، اب اس کی نظیر میں یہی صورت نصرت و تائید کی

اس کو عطا ہو جاتی ہے۔

(۷۲) احکام شریعت میں سے کسی بات کے سمجھنے میں اس کو توقف نہیں ہوتا، کیونکہ اس کو نور (حکمت) حاصل ہو چکا ہے۔

(یعنی ہر واقعہ کے متعلق حکم شرعی اس کے دل میں فوراً آ جاتا ہے، مگر جب تک نقل سے اس کی تائید نہ ہو جائے دل کے فتوے پر عمل کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں کوئی نقل موجود نہ ہو تو اس وقت فتوی قلب پر عمل کرنا جائز ہے)۔

(۷۳) اس کے اندر سے جگر سوختہ کی بو سونگھنے میں آتی ہے اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے (اس کا جگر جلا ہوا اور کسی کی محبت کی وجہ سے بھنا ہوا ہوتا ہے)۔

(۷۴) لوگوں پر جو بلا بھی نازل ہوتی ہے وہ اپنے گناہوں کو اس کا سبب سمجھتا ہے، دوسروں کے گناہوں کو نہیں۔

(۷۵) اس کو اپنی طاعات کے مردود ہونے کا اندیشہ گناہوں پر مواخذہ ہونے سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ طاعات میں نفس کی آمیزش ظاہری گناہوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

اور کاملوں کے اخلاق تو ایک دفتر میں بھی نہیں سما سکتے۔ جتنا بیان ہو گیا ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب کوئی کتاب تصنیف کریں یا سبق پڑھائیں تو الفاظ کی تحقیق اور شیرینی میں مبالغہ نہ کریں

(۳۷۳) (ہم سے عہد لیا گیا ہے) کہ جب کوئی کتاب تصنیف کریں یا سبق پڑھائیں تو الفاظ کی تحقیق اور شیرینی بیان کی رعایت میں مبالغہ نہ کیا کریں۔ تاکہ فصاحت وتسلسل میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی مشابہت سے بچے رہیں، دوسرے اپنے نفس پر بھی اندیشہ ہے کہ اس سے عجب میں مبتلا ہو کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ علمی گفتگو (اور علمی تحریر) سے مقصود صرف یہ ہے کہ مشکل معانی کی توضیح ہو جائے اس کے سوا کچھ مقصود نہیں (اور اس کے لئے محاورہ کی گفتگو اور بول چال کی تحریر کافی ہے تراکیب کی بندش اور الفاظ کی چستی پر کوشش صرف کرنے کی کیا ضرورت

ہے؟)۔

سیدی علی خواص رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ عالم کو چاہئے کہ جب وہ کوئی کتاب تصنیف کرے تو معمولی درجہ کی عبارت اختیار کیا کرے تاکہ اس کے کلام کو ادنی عامی بھی سمجھ سکے کیونکہ اس میں نفع زیادہ ہے، نیز اس صورت میں اس کی کتاب کی شرح کرنے والے کو اس پر تنقید اور اعراض اور زیادت اور طعن کا موقعہ نہ ملے گا اور حضرات سلف صالح (کا طریقہ یہی تھا وہ) اسی طرز پر چلتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بس یہ عہد کتاب "البحر المورود فی المواثیق والمعهود" کا آخری عہد ہے، اور بحمد اللہ یہ کتاب ایسے عمدہ طریقہ پر لکھی گئی ہے کہ میرے خیال میں مجھ سے پہلے کسی نے ایسی کتاب تالیف نہیں کی۔

والحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله ۔ اس کتاب کے اکثر مبارک عہد ان دس مشائخ کے لئے ہوئے ہیں۔

۱- سیدنا العارف باللہ سیدی محمد بن عنان۔

۲- شیخ عارف باللہ سیدی شیخ عبدالقادر دشطوطی۔

۳- شیخ عارف باللہ محمد منیر جو شہر خانکاہ کے باہر مدفون ہیں۔

۴- شیخ عارف باللہ سیدی محمد عدل طناحی۔

۵- شیخ عارف باللہ سیدی محمد سروی جو شہر پناہ کی دو دیواروں کے درمیانی خط پر مدفون ہیں۔

۶- شیخنا العارف باللہ شیخ محمد شناوی احمدی۔

۷- شیخ عارف باللہ سیدی محمد بن داؤد جو بحر صغیر کی آبادی منزلہ کے باہر مدفون ہیں۔

۸- شیخ عارف باللہ سیدی ابوبکر حدیدی جو بندر حدیدہ کی طرف منسوب ہیں اور یہ بندر بحر صفتہ کے ساحل پر ہے آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔

۹- شیخ عارف باللہ سیدی الشیخ عبدالحلیم بن مصلح منزلاوی۔

۱۰- اور شیخ عارف باللہ کامل محقق امی محمدی سیدی علی خواص رکشی۔ اور تمام مشائخ میں سب سے زیادہ عہد مجھ سے آپ ہی نے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوں۔ آمین۔ **الف ذلک و کتبه اضعف عبید الله تعالیٰ واقلهم استعداد الیوم المعاد**

عبد الوهاب بن احمد بن علی بن ابی ۔ حامداً، مصلیا، مسلما. ۱۲ شوال سنه ۹۴۱ بمقام مصر محروسه والله حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم استغفر الله ورضی الله عن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی عنهم اجمعین.

خاتمہ از مترجم

الحمدللہ کہ آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۷ شوال ۱۳۵۲ھ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صانہا اللہ عن الشرور والفتن والقاھا علی مرور الزمن ۔اس کتاب مبارک کا ترجمہ جس کا نام الدر المنضود ہے اختتام کو پہنچا۔ لغزش وخطا سے انسان محفوظ نہیں خصوصاً مجھ جیسا نااہل، اس لئے ممکن ہے کہ ترجمہ میں یا توضیح مقامات مشکلہ میں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو اس کے لئے میں اول اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ استغفار کرتا ہوں پھر ناظرین کرام سے امید کرتا ہوں کہ اگر کسی مقام پر کوئی غلطی ان کو محسوس ہو تو خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ مجھے مطلع فرما دیں۔ اور جن کو اس کتاب سے کچھ نفع پہنچے اس سے درخواست ہے کہ ناچیز مترجم کیلئے دعائے صلاح وفلاح دارین سے یاد فرمائیں اور یہ بھی دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول فرما کر اپنی رضا کا وسیلہ بنالیں آمین ویرحم اللہ عبدا قال آمینا .ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، تم والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات.

ظفر احمد عفا اللہ عنہ